اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر کی لاجواب نادرِ علمی پیش کش

آثار الحدیث

جلدِ اوّل

عنوانات:

لفظِ حدیث تاریخ حدیث موضوع حدیث ضرورتِ حدیث
مقامِ حدیث اخبارِ حدیث قرآن الحدیث حجیتِ حدیث
حفاظتِ حدیث تدوین حدیث رجال حدیث شیعہ اور علم حدیث
اسلوب الحدیث امثالِ حدیث غریب الحدیث

تالیف
ڈاکٹر علامہ خالد محمود
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈیمی مانچسٹر

دار المعارف
الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر کی لاجواب نادرِ علمی پیش کش

آثار الحدیث

جلدِ اوّل

: عنوانات :

لفظِ حدیث — تاریخ حدیث — موضوع حدیث — ضرورتِ حدیث

مقامِ حدیث — اخبارِ حدیث — قرآن الحدیث — حجیّتِ حدیث

حفاظتِ حدیث — تدوینِ حدیث — رجالِ حدیث — شیعہ اور علمِ حدیث

اسلوب الحدیث — امثالِ حدیث — غریب الحدیث

تالیف

ڈاکٹر علامہ خالد محمود

ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر

دار المعارف

الفضل مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

اصلِ دین آمد کلام اللہ معظم داشتن		پس حدیثِ مصطفےٰ بر جاں مسلم داشتن

اشاعت اوّل	۱۹۸۵ء
تعداد	۵۰۰
کتابت	حفیظ الحق صدیقی
ناشر	دار المعارف لاہور
قیمت	۸۵/- روپے

19 CHARLTON TERRACE OFF UPPER BROOK STREET
MANCHESTER - U.K.

محمد زاہد
ناظم دار المعارف
الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

موضوعِ حدیث

ضرورت حدیث

مقامِ حدیث

قرآن الحدیث

حجیتِ حدیث

حفاظت حدیث

تدوین حدیث

رجال الحدیث

شیعہ اور علمِ حدیث

اسلوب حدیث

امثال الحدیث

غریب الحدیث

عنوانات جلد دوم

عنوانات

آداب الحدیث — قواعد الحدیث — اقسام الحدیث — متون الحدیث

شروح حدیث — تراجم حدیث — ائمۂ حدیث — فقہاءِ حدیث

ائمۂ جرح وتعدیل — ائمۂ تالیف — ائمۂ تخریج۔

اہل حدیث — منکرین حدیث — مدارس حدیث

فہرست

قواعد الحدیث

اقسام حدیث

متون حدیث

شروح حدیث

تراجم حدیث

ائمہ حدیث

ائمہ جرح وتعدیل

ائمہ صحاح ستہ

تالیفِ حدیث نئے دور میں

اہل الحدیث

منکرین حدیث

مدارسِ حدیث

پیش لفظ

اَلحَمدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلیٰ عِبَادِہِ الَّذِینَ اصطَفٰی امابعد

آثار الحدیث جلد اوّل کو شائع ہوئے تین سال ہو رہے ہیں اور جلدِ ثانی ابھی تک پریس سے باہر نہیں آئی۔ کتنی مشتاق نگاہیں اس کی منتظر اور کتنے خوش عقیدت اس کے لئے بیتاب ہیں۔ اِس کا اندازہ وُہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے آثار الحدیث جلد اوّل کی خُدا داد مقبولیت کو دیکھا ہے یا طالبین کے پچھلے دو سال کے خطُوط جو انہوں نے دار المعارف کے نام لکھے کہ جلدِ ثانی کب منصۂ شہود پر آرہی ہے۔ آنکھوں دیکھے ہیں۔

اِس تاخیر کی وجہ یہ نہیں کہ یہ کوئی نئی تالیف ہے جس نے تین سال اور لے لئے نہیں۔ اِس کی ایک وجہ ادارہ دار المعارف کے نظام کی تبدیلی ہے۔ ناظم صاحب اسے پُورا وقت نہ دے سکے تھے اور راقم الحروف کا جنوبی افریقہ کا طویل سفر بھی اِس کی وجہ وجیہہ بنا۔ جو سفر دنوں کی نیّت سے اختیار کیا گیا تھا مہینوں تک جا پہنچا اور پھر ادارہ کی مالی کمزوریاں بھی کچھ اِس میں حائل رہیں۔ کراچی کے آتشزدگی کے واقعات اور کاغذ کی ہوش ربا گرانی بھی اِس میں وجۂ تعویق رہی ورنہ کتاب کا مسوّدہ تو اُس وقت کی یادگار ہے جب احقر ابھی عازمِ انگلستان نہ ہُوا تھا۔

یہ جلدِ ثانی جن مضامین پر مشتمل ہے ان میں سے بعض برسوں پہلے مُلکی اور غیر مُلکی رسائل وجرائد میں منت پذیرِ اشاعت ہو چکے ہیں۔ جلدی محض اِس لئے ہُوئی کہ یہ علمی امانت جتنی جلدی ہو سکے اپنے اہل حضرات تک پہنچ جائے ورنہ ظاہر ہے کہ بالاقساط اشاعت سے کتاب کی اشاعت کا حق ادا نہیں ہو سکتا۔ جلدِ ثانی کا پہلا مضمون

آداب الحدیث ماہنامہ الرشید ساہیوال میں کئی قسطوں میں شائع ہوا تھا اُس وقت کے شیخ الجامعہ حضرت مولانا محمد عبداللہ رائپوری خلیفہ ارشد حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری قدس سرہ نے اس کی جن الفاظ میں قدردانی اور حوصلہ افزائی فرمائی اس پر راقم الحروف اللہ رب العزت کے حضور سجدۂ شکر کئے بغیر نہ رہ سکا۔ علمی ذخائر میں بکھرے ہوئے مضامین کو ایک مضمون کی مناسبت سے اس مختصر رسالے میں لے آنا خاص توفیقِ ایزدی کے بغیر کسی طرح ممکن نہ تھا۔ اب یہ مضمون یکجا آپ کے سامنے ہے اور جلد ثانی کی یہ پہلی کتاب ہے۔

حدیث کے یہ آداب، اسے حاصل کرنے کے یہ التزامات اور اسے پڑھنے پڑھانے کے یہ احترامات کس لئے ہیں؟ محض اس لئے کہ حدیث کا منتہٰی ذاتِ رسالت ہے۔ یہیں آکر سندیں ختم ہوتی ہیں اور یہی متن میں حرفِ آخر ہے۔ قرآنِ کریم بھی اسی کی روشنی میں سمجھا جائے گا اور تسلسلِ اُمت بھی اسی کی روشنی میں راہ پائے گا اور حق یہ ہے کہ جس بات اور عمل کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوگئی اُس کا ہر جہت سے اکرام ضروری ہے۔ آداب الحدیث کی ساری ہدایات اسی ایک نقطہ کے گرد گھومتی ہیں۔ صحابہ اہلِ بیت اور عترت رسول سب اس لیے کرام و عظام ہیں کہ وہ آپ سے نسبت پائے۔

علمِ روایت یُونہی نہیں جمع ہوگیا اس کی تحقیق و تثبیت میں وُہ تمام پہلو ملحوظ رکھے گئے ہیں جو درایت چاہتی ہے۔ انسان کسی بات کے ہونے یا نہ ہونے کی فطری طور پر کن کن طریقوں اور کس کس انداز سے تحقیق کر سکتا ہے؟ انہیں عقل و تجربہ اور فہم و بصیرت سے ہی طے کیا جا سکتا ہے محض نقل سے نہیں۔ سو یہ درایت ہے جس نے روایت کو اصُول بخشے۔ مغربی تعلیم کے وُہ حلقے جنہیں ارمغانِ مشرق نہیں ملا اور نہ انہیں دیوبند جیسی کسی درسگاہ میں تحقیقِ حدیث سُننے کی نوبت آئی ہے وُہ ہمیشہ یہ کہتے سُنے جاتے ہیں کہ عُلماء روایت میں درایت سے یکسر خالی ہو کر چلتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ وُہ نہیں جانتے

کہ علمِ حدیث جن قواعد پر مرتّب ہُوا ہے صرف ان کے اصُول نقل سے ماخوذ ہیں۔ روایت کا ردّ و قبول اور اس کی تحسین و تضعیف ہمیشہ ان تجربات اور ضابطوں سے ہی طے ہُوئی ہے جو انسانی فکر و فراست اور تجربہ و دانش نے تجویز کئے تھے۔ ہاں یہ صحیح ہے کہ اِن تجربات اور ضابطوں نے آگے نقل کی صُورت اختیار کر لی، کیونکہ ہر آنے والے نئے مفکّر کو نئے سرے سے ضابطے طے کرنے کی اجازت نہ دی جا سکتی تھی۔ یہ اِس لئے نہیں کہ علمائے حدیث اصُولِ درایت کے خلاف تھے بلکہ اِس لئے کہ ہر نئے مجتہد کی فکر و ذکاوت سے متاثر ہو کر پُوری قوم کی تاریخ بدل نہیں جا سکتی اور اصُولِ حدیث کے پہلے طے ہونے والے ضابطوں کو ہمیشہ کے لئے متزلزل اور محلِ ترمیم نہیں ٹھہرایا جا سکتا ورنہ قوم کو اپنی علمی تاریخ میں کبھی اور کہیں نقطۂ یقین میسّر نہ آ سکے گا۔ ہاں یہ بات صحیح اور درست ہے کہ روایت کے گرد ہمیشہ درایت نے پہرہ دیا ہے۔ پہرہ سند کے گرد ہو تو قواعدِ حدیث کا موضوع ہو گا اور متن کے گرد ہو تو اس سے فِقہ کی راہ کھُلے گی۔ آداب حدیث کی صحیح قدر کے لئے قواعدِ حدیث پر نظر کرنا بھی ضروری ہے۔ قواعد سے اس کا ثبوت ملتا ہے اور آداب سے اسکے حقوق طے ہوتے ہیں۔

قواعدِ حدیث سے حدیث کی قسمیں ہُوئیں اور اقسامِ حدیث کا عنوان قائم ہُوا۔ محدّثین نے اس باب میں اِتنی کاوشیں کیں کہ ہر صادق کاذب سے اور ہر حافظ و ضابط مُختلطؔ اور ناسی (بھُولنے والے) سے ممتاز ہوتا گیا اور پھر اِن رواۃ و طبقات کے اتنے تراجم لکھے گئے کہ اب سندِ حدیث اپنے وجُود و ثبُوت میں کسی مزید درایت کی محتاج نہ رہی اور حدیث اپنی مختلف قسموں سے پھر نقل و خبر کی راہ پر آ گئی اور طلبہ اقسامِ حدیث میں بصیرت حاصل کر کے نئے سرے سے جانچ اور پڑتال کی زحمت اُٹھانے سے بچ گئے۔

پھر یہ اقسام صِرف علمی حدود تک محدود نہ رہیں۔ محدّثین نے کُتبِ حدیث ان اقسام پر مرتّب کر ڈالیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مُسلم ایک خاص درجے کی صحیح احادیث کے ستُون ہیں۔

پھر امام ابوعبدالرحمٰن النسائی اور امام ابوعوانہ اسفرائینی کچھ اِس شان ثقاہت سے چلے امام ترمذی روایات کے ساتھ ساتھ ان کی اقسام بھی ذکر کرتے گئے اور محدثین کی اس محنت نے آنے والے طلبۂ حدیث کو اِس باب میں بھی کافی حد تک مزید گرد پیمائی سے بچا لیا ہے۔ متن کی گہرائی میں امام ابو داؤد اور امام طحاوی مجتہدانہ شان سے چلے ہیں

یہ محنت سمٹ کر کتبِ حدیث میں جمع ہوئی اور پھر یہ کتابیں سبقاً پڑھی پڑھائی جانے لگیں۔ اِن میں پھر فنی مباحث اُچھلے اور معارف و معانی نکھرے تو اِن تحقیقات و تدقیقات نے شروح کی شکل اختیار کی۔ آج حدیث کی مشکلات میں یہی شروح ہیں جو چراغِ راہ کا کام دیتی ہیں اور ضروری ہے کہ شروحِ حدیث کو ایک مستقل عنوان دیا جائے اور جو طلبہ عربی نہیں جانتے اُن کے لئے تراجمِ حدیث ایک عنوان کے تحت ذکر کر دیے جائیں۔ اس ماحول میں اردو اور انگریزی تراجم کفایت کرتے ہیں۔ بنگلہ کے تراجم ان کے علاوہ ہیں

اِن عظیم کاوشوں میں خراجِ تحسین محدثین کو جاتا ہے۔ جو قوم اپنے محسنوں کی شکر گزار نہ ہو وہ خدا کی شکر گزار کیسے ہوگی۔ پس ضرورت ہے کہ آثار الحدیث میں ائمہ حدیث کو بھی ایک مستقل عنوان کے تحت ذکر کیا جائے۔ احقر کی یہ ایک پرانی تالیف ہے جو عرصہ سے نایاب تھی۔ الحمد للہ کہ اب یہ پھر سے ہدیۂ قارئین ہے۔ ائمہ حدیث بہت سے ذیلی موضوعات پر مشتمل ہے ہم نے اِن کو مستقل عنوانوں سے فہرست میں جگہ دی ہے تاکہ طلبہ کو جس باب سے دلچسپی ہو انہیں اُن کی ضرورت کا مواد اس عنوان کے تحت مِل سکے۔ مجتہدین کرام، ائمہ جرح و تعدیل، ائمہ تالیف اور ائمہ تخریج تقریباً سبھی اس میں آگئے ہیں۔

ناظرین حیران نہ ہوں کہ حدیث کے اِن مباحث میں ہم نے صرف دو فرقوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ (۱) جماعت اہلحدیث اور (۲) منکرینِ حدیث۔ دیگر کسی حلقے کے علماء کو ہم نے کسی مستقل عنوان سے ذکر نہیں کیا۔ اِس کی وجہ یہ ہے کہ علماء حدیث کے دیگر حلقوں کی اپنی کوئی راہ نہیں۔ وہ مذاہبِ اربعہ کے قدماء محدثین کی روش پر

چلے ہیں اور اُن قدماء کا ذکر ہم ائمہ حدیث کے تحت پہلے کر چکے ہیں۔

حالات کے تطور میں حدیث کی نسبت سے یہی دو طبقے اِس نئے ماحول کی پیداوار ہیں اور ان کا عوامی تعارف ردًا ہو یا قبولًا حدیث کی نسبت سے ہی ہُوا ہے۔ سو ہم نے اہلِ حدیث (باصطلاح جدید) اور منکرینِ حدیث کو اِس جلدِ ثانی میں مستقل عنوانوں سے جگہ دی ہے۔ جماعت اہلحدیث سے ہمیں تحقیقاتِ حدیث میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن اِس بات کا انکار نہیں کیا جا سکتا کہ پچھلی صدی میں اپنی بے بضاعتی کے باوجود حدیث کے جھنڈے اِنہی لوگوں نے قریہ قریہ اور شہر شہر اُٹھائے ہیں۔ اُس وقت نہ اُنہیں کوئی بیرونی امداد حاصل تھی جس کے سہارے ان کی بڑی بڑی بلڈنگیں اور تنظیمیں بنی ہوں۔ بس ایک ولولہ اور جذبہ تھا جو اُن کے عوام کو ہر جگہ تراجم حدیث اُٹھائے لئے پھرتا تھا۔ مَیں سچ کہتا ہُوں کہ برّصغیر پاک و ہند میں اگر ترکِ تقلید کی ہوا نہ چلتی تو علمائے دیوبند بھی شاید اورنگ زیبؒ سے ذرا آگے نہ بڑھتے۔ مولانا محمدؐ حسین بٹالوی دس سوال لکھ کر دیوبند نہ بھیجتے تو حضرت شیخ الہندؒ کی ایضاح الادلہ جیسی علمی کتاب کب منصۂ شہود پر آتی۔ یہ اِنہی حضرات کی تگ و دو تھی جس کے باعث عالمِ اسلام حدیث کے اعلاء السنن جیسے عظیم علمی ذخیرہ سے بہرہ یاب ہُوا۔

پھر منکرینِ حدیث بھی اِس پہلو سے لائقِ ستائش ہیں کہ اُنہوں نے حدیث کی جڑوں کو ہی چیلنج کر دیا۔ اگر یہ نہ ہوتے تو شاید ہمیں بھی ضرورتِ حدیث، حجیتِ حدیث اور تدوینِ حدیث جیسے رسائل نہ لکھنے پڑتے۔ عدُو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد کے تحت اِن لوگوں کی حدیث پر یلغار بڑھتی گئی اور ہماری اِن ابواب میں تحقیق کی رفتار بڑھتی گئی۔ سو انصاف کا تقاضا تھا کہ اِس دَور میں جن طبقوں کا تعارف حدیث کے نام سے ہُوا ہے وہ اہلِ حدیث ہوں یا منکرینِ حدیث انہیں مستقل عنوانوں سے ذکر کیا جائے اور اِس سے بھی ہمارا مقصد صرف اُن کا تاریخی تعارف ہے کسی سے کوئی دِل لگی نہیں۔ ہاں

یہ ضرور ہے کہ منکرین حدیث کے مقابلہ میں ہم حدیث کو حجت ماننے والے ایک ہیں اور ہمارا آپس کا فقہی اختلاف اس مرحلے میں ہمیں ایک دوسرے سے دور نہیں رکھتا۔

فقہی اختلاف میں ہمیں صحابہ کی روش اختیار کرنی چاہئے علماء حقیقت میں یہی لوگ تھے اور بقول حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) یہی بر و بحر کی تاریکیوں میں روشنی کے چراغ تھے۔

جعلهم الله بمنزلة النجوم يهتدى بهم فى ظلمات البر والبحر وقد اجمع المسلمون على هدايتهم ودرايتهم (رفع الملام عن الائمة الاعلام)

یہ حضرات کئی فقہی مسائل میں آپس میں مختلف تھے لیکن کبھی ایک دوسرے کی تضلیل وتفسیق نہ کرتے اس اختلاف کو وسعت عمل اور رحمت امر سمجھتے ان مسائل پر کبھی جماعت بندی نہ کرتے اور اختلاف عمل کے باوجود وحدت امت کی رسی کبھی ان کے ہاتھ سے نہ چھوٹتی تھی۔

سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ ہم امام کے پیچھے ہوں تو کیا سورت فاتحہ پڑھ لیا کریں؟ آپ نے فرمایا اپنے جی میں پڑھ لیا کرو لفظاً پڑھنے پر اصرار نہ فرمایا نہ یہ کہا کہ اس کے بغیر امام کے پیچھے بھی نماز نہ ہوگی۔ وہ جانتے تھے کہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتوے دیتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے سورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز ہوجاتی ہے (موطا امام مالک جامع ترمذی جلد ۱ ص ۴۲) حضرت عبداللہ بن عمر رکوع کے وقت رفع یدین نہ کرتے (طحاوی شریف) مگر حضورؐ کے رفع یدین کو روایت کرنے میں انہیں کوئی جھجک نہ تھی یہ الگ علماء کا کام ہے کہ وہ ان میں تطبیق کی راہیں تلاش کریں صحابہ اس وسعت عمل میں خود ایک ذہنی راحت محسوس کرتے تھے ـــــ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن عمر صبح کی نماز کے لیے مسجد میں آئے دیکھا کہ جماعت کھڑی ہے دونوں نے ابھی سنتیں نہ پڑھی تھیں تھیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ آتے ہی جماعت میں مل گئے لیکن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے پہلے سنتیں پڑھیں پھر امام کے ساتھ ملے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرضوں سے فارغ ہوکر وہیں بیٹھے رہے یہاں تک کہ سورج نکل آیا اور پھر آپ نے وہ دو رکعت ادا کیں۔ اس ماحول سے پتہ چلتا ہے کہ ایسے فقہی مسائل میں وہ کبھی ایک دوسرے پر نکیر نہ کرتے تھے اگر اسلام میں اس قسم کے اختلاف کی گنجائش نہ ہوتی تو وہ کبھی نہی عن المنکر سے باز نہ رہتے حافظ ابن تیمیہؒ نے ان کے اختلاف عمل کا یہ محاکمہ کیا ہے

فان السلف فعلوا هٰذا وهٰذا وكان كلا الفعلين مشهوراً بينهم - كانوا يصلون على الجنازة بقراءة وغير قراءة كما كانوا يصلون تارةً بالجهر بالبسملة وتارة بغير جهر بها وتارةً باستفتاح وتارةً بغير استفتاح و تارة برفع يدين في المواطن الثلاثة وتارة بغير رفع اليدين وتارةً يسلمون تسليمتين وتارةً تسليمةً واحدة وتارة يقرؤن خلف الامام بالسر وتارةً لا يقرؤن وتارة يكبرون على الجنازة اربعاً وتارة خمساً وتارةً سبعاً - كان فيهم من يفعل هذا وفيهم من يفعل هٰذا - كل هٰذا ثابت عن الصحابة رضى الله عنهم (فتاوے ابن تیمیہؒ جلد ۲۴ ص ۱۹۷-)

(ترجمہ) سلف صالحین نے اس پر بھی عمل کیا اور اُس پر بھی عمل کیا ہے اور دونوں طریقے ان میں مشہور و معروف تھے بعض نماز جنازہ میں قرأت کرتے اور بعض نہ کرتے تھے ۔کبھی بسم نماز میں اونچی آواز سے پڑھتے اور کبھی اسے بغیر جہر کے پڑھ لیتے ۔ افتتاح کبھی پڑھ لیتے کبھی نہ ـــــ رکوع میں جاتے رکوع سے اٹھتے اور تیسری رکعت شروع کرتے کبھی رفع الیدین کر لیتے اور کبھی نہ کرتے ، نماز پوری ہونے پر کبھی دونوں طرف سلام پھیرتے اور کبھی ایک طرف پر ہی اکتفا کرتے ـــــ کبھی امام کے پیچھے قرأت کر لیتے اور کبھی امام کے پیچھے قرآن بالکل نہ پڑھتے ـــــ نماز جنازہ پہ چار تکبیریں بھی کہہ لیتے پانچ اور سات بھی ـــــ سلف میں ان میں سے ہر طریقے پر عمل کرنے والے تھے اور یہ سب طریقے عمل صحابہ سے ثابت ہیں ۔

ان اختلافی مسائل میں اگر صرف ایک راہ حق ہوتی تو ان حق پرستوں میں یہ اختلاف عمل نہ ہوتا اس سے واضح ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کے ہاں ان فقہی مسائل میں کسی ایک کی تعیین ضروری نہ تھی ائمہ اربعہ کے مقلدین بھی پھر اسی طرز پہ چلے ہیں کہ اپنے اپنے مسلک کو راجح سمجھنے کے باوجود کبھی کسی نے دوسرے کو باطل پہ نہیں کہا نہ ائمہ کے باہمی اختلاف کو کہیں حق و باطل کا فاصلہ بتایا سو جو کام صحابہ کے دور میں نہیں ہوا وہ آج بھی دین کا تقاضا نہیں ہو سکتا صحابہ نے اس اختلاف مسالک پہ نہ کبھی جماعت بندی کی نہ ان اختلافات کو کبھی موضوع دعوت بنایا نہ کبھی کوشش کی کہ ان میں کوئی فروعی اختلاف نہ رہنے پائیں ۔

یہ فروعی اختلافات قرآن کریم کے حکم اقیموا الدین ولا تتفرقوا فیہ (پ ۲۵ الشوریٰ)
کے تحت نہیں آتے صاحب روح المعانی علامہ محمود آلوسی رح اس آیت کے تحت لکھتے ہیں :-
ولا یشمل ھٰذا النہی الاختلاف فی الفروع فانہا لیست من الاصول المرادۃ ھنا ولم
یتحد بہا النبیّون ۔[1]

ترجمہ: یہ نہی کہ دین قائم کرنے میں آپس میں اختلاف نہ کرو اس اختلاف کو شامل نہیں جو فروع میں ہوتا ہے

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے حق ہونے پر امت صدیوں سے متفق چلی آرہی ہے تاہم آپ نے قرون وسطی میں کہیں نہ دیکھا ہوگا کہ اسلامی دنیا میں کبھی حنفی مالکی اور شافعی حنبلی مسالک عمل پر کوئی جماعت بندی ہوئی ہو یہ سب مسالک اصول واعتقاد میں صرف ایک جماعت اہل سنت والجماعۃ ہیں اور یہ فروعی اختلاف امت کے وسعت عمل کی مختلف راہیں ہیں جو اس امت میں ہمیشہ رحمت سمجھی گئی ہیں ۔ افسوس کہ آج ہماری صفوں میں فروعی مسائل پر جماعت بندی ہونے لگی ہے اور یہ وہ بدعت ہے جو عہد صحابہ میں نہ تھی ظاہر ہے کہ جو چیز صحابہ کے عہد میں نہ ہو وہ کبھی ہمارا دین نہیں ہوسکتی جلیل القدر صحابی حضرت حذیفہ بن الیمان ۳۶ھ فرماتے ہیں

کل عبادۃ لم یتعبدہا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوہا[2]

(ترجمہ) دین کا ہر وہ عمل جسے صحابہ نے دین نہیں جانا تم اسے دین نہ سمجھنا

یہ سوال نہ کیا جائے کہ جب حنفی شافعی نام پر مسلمانوں میں کوئی جماعت بندی نہیں تو اہل حدیث حضرات نے فروعی مسائل پر کیوں علیحدہ جماعت بنا رکھی ہے تاریخ اسلام میں یہ پہلا گروہ ہے جس نے مختلف فقہی مسالک میں وسعت عمل کی لائن چھوڑ کر فروعات میں بھی صرف ایک ایک راہ کو حق سمجھ رکھا ہے ، یہ اسلئے کہ یہ کوئی عالمی جماعت نہیں ہے ان کا تعارف صرف برصغیر پاک و ہند میں ہی ہے اور ظاہر ہے کہ یہ کوئی ایک معین مسلک نہیں جسکی باقاعدہ تدوین ہوئی ہو یہ کوئی باقاعدہ مسلک ہوتا تو دنیا کے ہر خطے میں پایا جاتا غیر عالم عامی کا ترک تقلید کا نعرہ دوسرے کسی اسلامی ملک میں نہیں سنا گیا اور نہ عرب ممالک میں کسی ملک کے ذمہ دار مفتی صاحبان نے تقلید ائمہ اربعہ کو گناہ کہا ہے ۔

مطالعہ حدیث میں صحابہ کے فروعی اختلافات ان میں وسعت عمل اور ائمہ اربعہ کے مختلف مسالک

---

[1] روح المعانی جلد ۲۵ صہ ۲۱ [2] الاعتصام للشاطبی جلد ۱ صہ ۵۴ ۔

یہ وہ راہیں ہیں جن کا لحاظ ضروری ہے اس سے مطالعہ حدیث میں کوئی الجھن پیدا نہ ہوگی اور منکرین حدیث اس راہ سے حدیث میں کوئی اور تشکیک کے کانٹے نہ بو سکیں گے اور اگر آپ ہر ایک موضوع میں صرف ایک ایک راہ عمل کو حق سمجھیں اور باقی سب کو باطل جانیں تو ظاہر ہے کہ کتب حدیث کے علمی ذخیرے اس گرانباری کے متحمل نہ ہو سکیں گے امت میں ہر طرح سے اتحاد چاہیئے لیکن ایسا بھی نہیں کہ پوری امت کی ولایت کسی ایک فقیہ میں جمع ہو جائے یہ منصب صرف رسالت کا ہے کہ اس کی ہر ہاں پوری امت کیسے ہاں ہو اور اس کی ہر نہ پوری امت کے لیے نہ ہو۔

وما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللہ ورسولہ امرًا ان یکون لھم الخیرة من امرھم پ۲۲ الاحزاب ع ۵

اور یہ کسی مومن مرد یا عورت کا کام نہیں کہ جب اللہ اور اُسکا رسول کوئی کام طے کر دے تو انہیں اپنا کوئی اختیار رہے

ہمیں افسوس ہے کہ ایران کے مذہبی پیشوا علامہ خمینی نے اپنے مسلک کے علماء حدیث کو اب ایک شرعی حیثیت دے دی ہے اور اس پر ولایت فقیہ کے موقف کی تاسیس کی ہے خمینی کا استدلال اس حدیث سے ہے۔

اللھم ارحم خلفائی ثلث مرات قیل من خلفاءک قال الذین یروون احادیثی وسنتی فیعلمونھا الناس من بعدی۔ الحکومۃ الاسلامیہ مصنفہ خمینی صہ ۴۴

ہم پہلی جلد کے صہ ۹۴ پر شیعہ کتب حدیث کے حوالہ سے اس روایت کو نقل کر آئے ہیں اہل السنۃ کے ہاں یہ روایت صحیح نہیں ہے دار قطنی نے اس کے راوی احمد بن عیسیٰ کو کذاب کہا ہے (مجمع الزوائد جلد ۱ صہ ۱۲۶)

خمینی کا استدلال یہ ہے کہ جو علماء احکام الٰہی اس کے بندوں تک پہنچائیں اور انہیں معالم دین کی طرف راہنمائی کریں وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ معصومین کے نائب ہیں اور انہیں حق پہنچتا ہے کہ وہ امام کی عدم موجودگی میں ولایت فقیہ کا عہدہ قائم کریں اس فقیہ عادل کا اقتدار پوری کائنات کا اقتدار اعلیٰ ہوگا اور ان کو وہی حق حاصل ہوگا جو ائمہ کو ہے خمینی لکھتا ہے

ان الفقہاء ھم اوصیاء الرسول من بعد الائمة وفی حال غیابھم وقد کلفوا بالقیام ما کلف الائمة بالقیام بہ۔ الحکومة الاسلامیہ صہ ۷۵

(ترجمہ) بیشک فقہاء ائمہ کے بعد اور ان کی غیبت میں اوصیاء الرسول ہیں اور ائمہ اسلام جس طرح

اقامت دین کے مکلف ہیں فقہاء بھی اس کے مکلف ہیں" ــــ ولایت فقیہ قائم ہونے پر اس فقیہ اعظم کی پیروی اللہ اور اس کے رسول اور ائمہ ہی کی پیروی سمجھی جائے گی اور اس سربراہ کی مخالفت اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت شمار ہوگی ۔

دوسرے علماء شیعہ جیسے قم کے آیت اللہ طباطبائی اور آیت اللہ العظمیٰ شریعت مداری اس نظریہ ولایت فقیہ کے خلاف ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس پر کوئی دلیل عقلی موجود ہے اور نہ اس پر کوئی حجت شرعی قائم ہے ۔ (دیکھئے الثورہ البائسہ ص ۱۵ اور نہج خمینی ص ۱۷، ۱۸)

ہمیں خمینی کے اس استدلال سے اتفاق نہیں یہ روایت جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان علماء کو اپنا خلیفہ بنایا ہے جو آپ کی احادیث وسنن روایت کریں اور لوگوں کو ان کی تعلیم دیں کسی ایک فقیہ کو جانشین رسول نہیں بنا رہی آپکے خلفاء کا پتہ دے رہی ہے اور یہ اسی طرح ہے جیسے حدیث میں العلماء ورثۃ الانبیاء کہا گیا سو اس روایت میں خلافت خاصہ کا بیان ہے جو تمام محدثین اور فقہا کو حاصل ہے اور خلافت کبریٰ وحدت چاہتی ہے اس روایت میں خلافت کا تعدد مذکور ہے اور ولایت فقیہ (خلافت کبریٰ) وحدت چاہتی ہے ۔

ولایت فقیہ قائم ہونے کی صورت میں کسی محدث یا فقیہ کو فقیہ اعظم سے اختلاف کا حق نہیں رہتا اور دیگر سب محدثین اور فقہاء اس کے ماتحت ہوجاتے ہیں ظاہر ہے کہ اس سے احادیث وروایات میں وسعت عمل کا تصور جو حضور کے بعد اب تک امت کا سرمایہ عمل رہا ہے یکسر ختم ہوجاتا ہے ــــ اس پیش لفظ میں خمینی کے اس نظریہ پر کوئی علمی بحث مقصود نہیں بتلانا صرف یہ ہے کہ اس دور آخر میں بھی حدیث کی روایت اور نقل وسند کو وہ رتبہ حاصل ہے کہ جو لوگ اصلاً اجتہاد پر یقین نہیں رکھتے ائمہ معصومین کی تاقیامت رہنمائی کے قائل ہیں وہ بھی غیبت امام کے وقت نقل وروایت کے سائے میں پناہ لے رہے ہیں گو ولایت فقیہ پھر انہیں اس وسعت عمل سے دور کر دیتی ہے جسکے سائے احادیث وروایات کی روشنی میں دور تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں ــــ اس صورت حال میں ہم نے مدارس حدیث میں قم، مشہد اور نجف اشرف کے مدارس حدیث کا ذکر نہیں کیا اور دوسرے مسالک کے کچھ مدارس حدیث ذکر کردیئے ہیں۔

ان مسالک میں کوئی کسی ایسی امامت یا ولایت فقیہ کا قائل نہیں اور نہ جماعت اہلحدیث کے ایک فرقہ امامیہ کے سوا کسی کا دعوے ہے کہ حق اب صرف انہی کی اتباع میں ہے ۔

ائمہ اربعہ کے پیرو عقیدہ رکھتے ہیں کہ اجتہادی مسائل میں ان کے امام کی تفریع درست ہے لیکن وہ سمجھتے ہیں کہ اس میں خطا کا احتمال موجود ہے ہو سکتا ہے کہ اس میں دوسرے امام کی رائے درست ہو اس صورت میں بھلا ان میں سے کوئی اپنے لیے کسی آسمانی حق کا قائل ہو سکتا ہے ؟ اس صورت حال میں حق ایک وسیع دائرہ میں پھیلا ہوا نظر آتا ہے جسمیں وسعت عمل کی بھی راہیں ہیں اور اختلاف میں بھی ملامت نہیں رحمت ہے ۔

برصغیر پاک وہند میں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی غیر منصوص مسائل میں فقہ حنفی پر عمل پیرا تھے اور اس میں بھی اگر مختلف اقوال ہوں تو مقتیان کرام کو اپنے طور پر راجح کی تلاش کا پورا حق ہے اس صورت میں اگر کوئی اختلاف راہ پا جائے تو اسے بآسانی الہی رحمت کہا جا سکتا ہے

نواب صدیق حسن خان لکھتے ہیں ۔

شاہ ولی اللہ محدث کہ در علم وعمل ہمسر خود در عرب وعجم نداشت وخاندان او حنفی مذہب بود از اولاد عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ . . . . در غیر منصوص تابع حنفیہ ماند وقشر ان را از لُب منفصل ساخت وجادہ تطبیق و توفیق در مذاہب اربعہ بتقدیم احکام سنن بسپرد و بعد از وے پسرانش ہم بریں نہج قیام کردند . (هداية السائل)

(ترجمہ) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا عرب وعجم میں علم وعمل میں کوئی ہمسر نہ تھا آپ حضرت عمر کی اولاد میں سے تھے اور حنفی خاندان کے فرد تھے غیر منصوص مسائل میں حنفی فقہ پر چلتے اور اس کے چھلکے کو مغز پر حاوی نہ ہونے دیتے تھے آپ نے مذاہب اربعہ میں موافقت اور تطبیق کی راہ نکالی کہ سنن کو مقدم رکھا جائے آپ کے بعد آپ کے بیٹے بھی اسی طریق پر چلتے رہے

خاتم المحدثین حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رح حضرت شاہ عبد القادر محدث دہلوی رح حضرت شاہ اسمعیل شہید حضرت شاہ محمد اسحاق سب اسی لائن کے پیرو تھے اور برصغیر پاک وہند کی دینی قیادت انہی کے ہاتھ میں تھی ان کی علمی سلطنت سمرقند او ربخارا تک پھیلی ہوئی تھی ۔

اسی دور کے قریب نجد میں شیخ محمد بن عبد الوہاب کی تحریک اٹھی یہ مذاہب اربعہ میں حنبلی طریقے کے پیرو تھے اور ان کا ہندوستان کے محدثین دہلی سے کسی ضابطے کا رابطہ نہ تھا نواب صاحب مرحوم لکھتے ہیں

خاندان محمد بن عبد الوہاب بیت علم حنابلہ بود وخاندان ایشاں بیت علم حنفیہ است

وایشاں را با اوشاں ہیچ علاقہ تلمذ یا ارادت یا ہموطنی یا صحبت یا معرفت گاہی نبودہ پس الصاق ایں جماعت ہند بجماعۃ اہل نجد چہ واز کجا صحیحے تواند شد۔

ھدایہ السائل الی ادلۃ المسائل صہ ۱۲۰

(ترجمہ) شیخ محمد بن عبدالوہاب کا خاندان حنبلیوں کا مرکز علم تھا اور شاہ ولی اللہ کا خاندان حنفیوں کا مرکز علم ہے۔ ان کو ان سے شاگردی یا عقیدت یا ہم وطنی یا ہم مجلس اور معرفت کا کوئی علاقہ نہیں پس انہیں ان نجدیوں سے جوڑنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔

معلوم ہوا کہ وھابیہ نجد امام احمد بن حنبل کے مقلد تھے غیر مقلد نہ تھے محدثین دہلی حضرت امام اعظم کے مقلد تھے غیر مقلد نہ تھے ہندوستان کے غیر مقلدین ان میں سے کسی کے ساتھ نہیں نواب صاحب مرحوم ان کے بارے میں اپنی رائے لکھتے ہیں۔

اما وھابیہ ھند پس از حال ایشاں و مخالفین ایشاں ہیچ مپرس کہ عیب جہل مرکب نصیب ایشاں شد و توقع خلاص ازاں علی مر الدہور منقطع گردیدہ صہ ۱۱۹

یہاں ان لوگوں کے (غیر مقلدین کے) بھی اپنے مدارس ہیں اور ان کے آپس میں اختلافات بھی ہیں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی جماعت دیوبند کے امام الائمہ ہیں ان کے اپنے مدارس ہیں۔ بریلوی جماعت جو علماء دیوبند علماء حرمین اور جماعت اہلحدیث (غیر مقلدین) تینوں کے خلاف ہے ان کے اپنے مدارس ہیں بعض پرانے بزرگوں کی خانقاہوں پر بھی مدرسے قائم ہیں جیسے تونسہ اور گولڑہ کے خانقاہی مدارس ان کا بریلوی مدارس سے جوہری اختلاف ہے یہ خانقاہی مدارس علماء دیوبند اور علماء حرمین کو کافر کہنے والوں کو اچھا نہیں سمجھتے۔ اور نہ اپنے ذاتی مفاد کے لیے تفریق امت کے قائل ہیں۔

ہم نے خانقاہی مدارس کا محض ایک مختصر ذکر کیا ہے ورنہ ان کی ایک لمبی فہرست تیار ہوسکتی ہے برصغیر پاک و ہند میں یہ خانقاہی مسلک اکثریت میں ہے اور بریلوی مقابلۃً اقلیت ہیں تاہم یہاں ہر مکتب فکر کے اپنے مدارس ہیں اور کچھ مدرسے یہاں جماعت اسلامی کے زیر انتظام بھی چل رہے ہیں۔ ان میں زیادہ موافقت علماء دیوبند سے ہے لیکن یہ ایک طریق کے پابند نہیں ہیں کچھ مدارس منتسبین، دیوبند کے بھی ہیں اور ان کی اپنی اہمیت ہے۔

منکرین حدیث کے مقابلہ میں ہم سب ایک ہیں اور ہمارا آپس کا فقہی اختلاف اس مرحلے میں ہمیں ایک دوسرے سے دور نہیں رکھتا۔

مدارسِ حدیث ہر مسلک کے اپنے ہیں لیکن ان سب میں حدیث کو حجتِ شرعی اور شریعت کا دوسرا علمی ماخذ سمجھ کر پڑھایا جاتا ہے۔ منکرینِ حدیث کے ہاں درسِ حدیث گو اُن کی اپنی اُفتادِ طبع اور تاریخی حیثیت سے ہی کیوں نہ ہو کہیں موجود نہیں۔ سو یہ صحیح ہے کہ انہیں حدیث کے کسی ایک پیرائے یا محدثین کے کسی ایک طبقے سے اختلاف نہیں ان کی تمام فکری اساس ہی حدیث دشمنی پر مبنی ہے اور مسلمانوں کی علمی صفوں میں کسی جگہ ان کی صف نظر نہیں آتی جسطرح قادیانی اپنے دعوے اسلام کے باوجود مسلمان نہیں سمجھے جاتے منکرین حدیث بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت اجابت میں کہیں جگہ نہیں پاتے۔ اور عملاً بھی مسلمانوں میں اُن کی صف نظر نہیں آتی۔ ربّ العزت کا کس زبان سے شکر کیا جائے جس نے آثار الحدیث جلد ثانی کی تکمیل کی توفیق بخشی۔ ہر بن مُو زبان ہو جاتے تو پھر بھی اس کے احسانِ عظیم اور فضلِ عمیم کا شکر ادا نہیں ہو سکتا۔ کہاں یہ ناکارہ اور کہاں قصرِ شاہی کی پہرہ داری۔

آثار الحدیث کا اصل مسودہ سالہاسال پہلے کا ہے بعد میں حالات میں بہت تبدیلیاں ہوئیں تاریخ کئی نئے موڑوں سے گزری کئی بزرگ مرحوم ہو گئے جو دوران تالیف دامت برکاتہم کی صف میں تھے نظر ثانی کے وقت کئی مقامات پر سطور تبدیل کرنی پڑیں تاہم مجھے اعتراف ہے کہ بعض مقامات میں تالیف کا حق ادا نہیں ہو سکا احباب سے صرف نظر اور بزرگوں سے نقد نظر کی نیازمندانہ درخواست ہے۔

آثار الحدیث کی تیسری جلد اختلاف الحدیث سے شروع ہو رہی ہے۔ اس کی اساس حضرت امام شافعیؒ کا رسالہ اختلاف الحدیث ہے جو کتاب الام کے ساتھ چھپا ہے۔ راقم الحروف نے اس پر عراقی نقطۂ نظر سے بحث کی۔ اللہ ربّ العزت سے دعا ہے کہ وہ اس کی بھی تکمیل کی توفیق بخشے اور راقم الحروف کو بھی ان خوش قسمتوں میں جگہ دے جنہوں نے پورے اخلاص و محبّت سے علمِ نبوّت کے گرد پہرہ دیا ہے

خالد محمود عفا اللہ عنہ

حال وارد پاکستان ۱۰۱۰۸۸

رائے گرامی حضرت علامہ سید سلیمان ندوی ؒ

علم القرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علم حدیث شہ رگ کی۔ یہ شہ رگ اسلامی علوم کے تمام اعضاء و جوارح تک خون پہنچا کر ہر آن ان کے لیے تازہ زندگی بہم پہنچاتا ہے۔

مسلمانوں نے آغاز اسلام سے قرآن پاک کے بعد اسی علم کو اپنے سینہ سے لگایا ہے اور اپنی پوری محنت قابلیت اور اخلاص وعقیدت کے ساتھ اس کی ایسی خدمت کی ہے کہ دنیا کی کوئی قوم اپنی قدیم روایات واسناد کی حفاظت کی اس کی مثال نہیں پیش کرسکتی اور ایسا ہونا ہی ضروری تھا کیونکہ اسلام قیامت تک کی زندگی لے کر آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر حرف کو دوام بخشا ہے اور علم حدیث کے اوراق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی اہل بصر کو چلتے پھرتے اور بولتے چالتے دکھائی دیتے ہیں۔

جتنے بدعتی فرقے پیدا ہوئے وہ وہی ہیں جنہوں نے کتاب کو سنت سے یا سنت کو کتاب سے الگ کرنا چاہا خوارج نے کتاب کو مانا اور سنت سے انحراف کیا اور ان کے مقابل کے فرقہ نے صرف اپنے ائمہ کی خفیہ سنت کی پیروی کی اور کتاب کو محرف بنا کر چھوڑا اسی طرح معتزلہ نے قرآن کو بتاویل تسلیم کیا اور سنت سے اعراض کیا اور راہ راست سے دور ہوئے۔

مقدمہ

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد۔

مسلمان دیگر مذاہب کے بالمقابل علم حدیث میں ممتاز تھے۔ ہندوؤں، عیسائیوں، آتش پرستوں اور دیگر اقوام عالم کے پاس ان کی مذہبی کتابیں تو تھیں لیکن ان کتابوں کے گرد ان کے مذہبی پیشواؤں کا پہرہ نہ تھا۔ ان کی روایات ان کتابوں کی ترجمان نہ تھیں ——— پھر جو کچھ ہوا وہ آپ کے سامنے ہے۔ نہ وہ کتابیں معناً محفوظ رہیں نہ لفظاً ——— ان کے اڈیشن ہر نئے موڑ پر بدلتے گئے اور ہر ایک کی کتاب ان میں محض ایک تاریخی یاد ہو کر رہ گئی۔

مسلمانوں نے قرآن کریم کے گرد علم حدیث کو پہرہ دار بنایا۔ قرآن کریم کے ساتھ وہ عمل نبوت کو بھی روایت کرتے گئے پہلی پانچ صدیوں میں اس پر خاصی محنت ہوئی یہاں تک کہ علم حدیث کے سائے میں قرآن کریم ہر قسم کی تحریف سے محفوظ رہا ——— یہ حقیقت دوسرے مذاہب کے لیے خصوصاً اہل کتاب کے لیے نہایت تلخ تھی۔ ان کی نظر عتاب علوم اسلامی میں صرف اسی پر تھی اور وہ اس راہ میں پوری مستعدی سے تشکیک کے کانٹے بکھیرتے گئے ——— مسلمانوں سے پہلے دنیا کی روحانی قیادت اہل کتاب کے پاس تھی دینی سیادت کا تاج انہی کے سر پر تھا۔ وہی پڑھے لکھے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ ان کے زوال پر اسلام نئے سرے سے طلوع ہوا۔ خدا کی یہ امانت ملک عرب میں اتری اور عرب کے ایک اُمّی نے دنیا کے کتب خانے دھو دیئے۔

مسلمانوں کو علمی قیادت اسی قوم سے چھن کر ملی تھی اور ان کا بغض مسلمانوں سے دیگر اقوام کے بالمقابل کہیں زیادہ تھا۔ یہ لوگ خود علمی حلقے سے تھے انہیں اہل کتاب کہا جاتا تھا ——— یہ علمی راہ سے مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے اور مسلمانوں کے علم حدیث پر زبردست چڑھائی کی ——— برصغیر پاک و ہند میں انگریزی عملداری تھی انگلستان سے یہاں پادری آتے تو ان کی نگاہ پہلے سے ہی مسلمانوں پر مرکوز ہوتی مسلمانوں سے ان کا بغض صدیوں کی میراث تھا ——— یہاں کے تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں میں انہی

لوگوں کا عمل دخل ہوتا تھا اور تہذیب افرنگ کے پرستار انہی حملہ آور اقوام کی نظر و فکر سے سوچتے اور لکھتے تھے۔ مستشرقین کی یہ محنت ٹھکانے لگی۔ اور یہاں متغربین کا ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا جس کا منتہائے مقصود یہ بنا کہ ان مشرقی ممالک میں علم حدیث سے اعتماد اٹھائیں اور طلبہ کو بتائیں کہ علم حدیث کوئی علمی کاوش نہیں یہ حدیث کی کتابیں خود اپنی طرف سے وضع کر لی گئی ہیں اور کوئی علمی قواعد نہیں جن پہ یہ علم مرتب اور موجود ہوا ہے۔

مستشرقین میں گولڈ زیہر مسٹر شاخت اور ولیم میور نے اس محاذ پر کام کیا اور متغربین میں سر سید اور چراغ علی نے اس کی ابتدار کی پھر غلام نبی چکڑالوی اور غلام محمد پرویز نے اس کمان کو سنبھالا اور انکار حدیث کی یہ محنت مسلمانوں میں بڑی تیزی سے پھیلائی جانے لگی۔ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اس باب میں قدیم علماء سے سازگار نہیں تھا اور قدیم و جدید کے اس فرق نے اس خلیج کو اور پاٹ دیا۔

مسٹر ولیم میور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ پر بحث کرتے ہوئے حدیث کے موضوع پر لکھتا ہے:۔

> محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ کے پیروؤں کا سب سے بڑا مشغلہ لڑنا اور جنگیں کرنا تھا لمبی لمبی جنگیں اور ایک جنگ سے دوسری جنگ کے مابین خالی وقفوں کا بوجھ ایک سادہ اور نیم وحشی قوم کے لیے سخت مضر ہو سکتا تھا۔ ان جنگوں اور وقفوں کے بوجھ کو کم کرنے کے لیے مسلمان گذشتہ واقعات کی باتیں کر کے اپنا دل بہلاتے تھے۔ ان لوگوں کا سب سے اہم موضوع اس شخص کے اقوال و افعال کے سوا کیا ہو سکتا تھا، جو اس فاتح قوم کے وجود میں آنے کا موجب ہوا اور جس نے اپنے پیروؤں کے ہاتھ میں دنیا اور آخرت کی کنجیاں دے رکھی تھیں۔ یہ اسباب تھے جنہوں نے حدیث کو ترقی بخشی۔

ولیم میور نے روایت حدیث کا پس منظر یہ بیان کیا ہے کہ مسلمانوں نے طویل جنگوں کے درمیانی وقفوں میں اپنا وقت گزارنے اور دل بہلانے کے لیے حدیث کو موضوع بنا رکھا تھا اور وہ بے شغلی کے زمانے میں اپنے آپ کو مصروف کرنے کیلئے یہ کہانیاں بیان کرتے تھے ـــــ مستشرقین کے اس قسم کے بیانات میں اس بات کا اشارہ تک نہیں ملتا کہ مسلمان اپنی عملی زندگی میں اسوۂ رسول کو

اپنے لیے نمونہ سمجھتے تھے اور اسی سے ان کے عمل بالقرآن کی تکمیل ہوتی تھی ——— حدیث کو اصل موضوع سے ہٹا کر کہانیوں کے درجہ میں لے آنا اس سے مستشرقین کے کمال ذہانت کا تو پتہ ملتا ہے لیکن اس میں ہمیں کمال علم کی کوئی شعاع تک نہیں ملتی۔ کتب حدیث پر جس نے کبھی ادنیٰ نظر بھی کی ہو وہ جانتا ہے کہ حدیث کی روایت میں ان لوگوں کا حصہ بہت کم ہے جو زیادہ جنگوں میں مصروف رہتے تھے۔ جنگ کے شہسواروں میں ہم حضرت ابو عبیدہ، سعد بن ابی وقاص، خالد بن ولید، عمرو بن عاص اور یزید بن ابی سفیان کو دیکھتے ہیں اور حدیث بیان کرنے والوں میں حضرت ابو ہریرہ، عبداللہ بن عمرو، انس بن مالک حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت جابر بن عبداللہ کو آگے پاتے ہیں۔ اگر حدیثیں جنگوں کے وقفے گزارنے کے لیے ہی بیان کی گئی ہوتیں تو علم کے اس باب میں ان دونوں صفوں میں اتنا فرق کیوں ہے؟

پھر یہی نہیں ذرا آگے چلئے اور دیکھئے علم حدیث کے فروغ میں عرب فاتحین کا عمل دخل رہا ہے یا موالی (آزاد کردہ غلاموں) کا جن کی سیاسی سبقت عرب حکمرانوں کو کسی طرح گوارا نہ تھی۔

یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طبقاتی برتری کا احساس ختم کر کے انسانیت کو فروغ بخشا تھا اور اللہ رب العزت کی بھی آپ کو یہی ہدایت تھی کہ آپ کی نظریں ان غریبوں سے (جن میں آپ کی سوسائٹی تھی) اُٹھنے نہ پائیں مبادا آپ دنیا کی رونق کو پسند کرنے لگیں۔ نہیں آپ انہی غریبوں کے ہو کر رہیں جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے ہیں اسی سوسائٹی سے انسانیت کو جلا ملے گی۔

واصبر نفسك مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه ولا تعد عيناك عنهم تريد زينة الحيوٰة الدنيا ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا واتبع هواه وكان امره فرطا ﴿۲۸﴾ الکہف ع ۴

(ترجمہ) اور تو روکے رکھ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح وشام طالب ہیں اس کی ذات کے اور نہ اٹھیں تیری آنکھیں ان سے دنیا کی رونق کی تلاش میں اور نہ کہنا مان اس کا جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے دور کر دیا اور وہ پیچھے ہو گیا اپنی خواہش کے اور اس کا کام حد سے نکلا ہوا ہے۔

بایں ہمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عرب نفسیات پر بھی تھی فتح مکہ کے بعد لوگ فوج در فوج داخل دائرہ اسلام ہوئے اور وہ اس نئے ماحول میں آئے ہی تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر آخرت

پیش آگیا آپ کی نظر عالی قدر نے دیکھا کہ قریش کی عظمت عربوں میں آپ کی تشریف آوری سے بھی پہلے اس درجہ مسلم ہے کہ ان کے تجارتی قافلے سرما و گرما میں رہزنوں کی لوٹ مار سے محفوظ تھے تو آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کی آئندہ سیاسی قیادت قریش میں ہی رہے جب تک یہ اس کشتی کو کھے سکیں۔ آپ کا قریش کو آگے کرنا اپنے لئے نہ تھا قریش کی اس عظمت کی وجہ سے تھا جو انہیں پہلے سے عربوں میں حاصل تھی اگر آپ قریش کو اپنے لئے آگے کرتے تو بنو ہاشم کی قیادت کا اعلان کرتے الائمہ من قریش نہ فرماتے سو آپ کا یہ فیصلہ عربوں کو ایک وحدت میں جوڑنے کے لئے تھا عربوں میں سے کسی کے طبقاتی تفوق کے لئے نہ تھا۔ اپنے خطبہ وداع میں آپ کہہ چکے تھے کہ کسی عربی کو کسی عجمی پہ اللہ کے دین کے سوا کسی بات میں برتری نہیں ہے۔

خلفائے راشدین باوجودیکہ قریش میں سے تھے انہوں نے انسانی حقوق اور عدل وانصاف کے نفاذ میں حضور اکرمؐ کی طرح کسی طبقاتی برتری کو راہ نہ دی کمزور ان کے نزدیک قوی تھا اور قوی کمزور۔ یہاں تک کہ ہر انسان کا حق محفوظ رہے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دور تک یہی پالیسی رہی بلکہ حضرت امام حسن نے آپ کو خلافت اسی شرط سے سپرد کی تھی کہ آپ خلفائے راشدین کی سیرت کی پابندی کریں اور یہ وہی شرط تھی جو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے سیدنا حضرت عثمان کو خلافت دیتے ہوئے سیرت شیخین کی پابندی کے عنوان سے پیش کی تھی۔

بنو مروان کے برسر اقتدار آنے کے بعد اس مزاج میں پھر تبدیلی ہوئی اور اشراف عرب ملکی مہمات فتوحات اور اقتدار میں زیادہ دلچسپی لینے لگے اور اللہ کی شان دیکھئے کہ اس نے موالی عربوں کو علم دین کے لئے کھڑا کر دیا یہ لوگ عربی النسل نہ تھے عربوں کے آزاد کردہ موالی تھے انہی سے دین پر علمی بہار آئی اور یہی زیادہ تر مسند حدیث کے وارث ہوئے۔

سر ولیم میور کے خیال کو اگر کچھ بھی وزن دیا جائے کہ مسلمانوں نے جنگوں کے وقفوں کو مصروف کرنے کیلئے حدیث نبوی کے تکرار شروع کئے اور اسی سے علم حدیث میں ان کی دلچسپی شروع ہوئی تو تاریخ ہم سے سوال کرے گی کہ پھر عربوں اور ان کے موالی میں مزاج کا یہ اختلاف کیوں تھا؟ کہ عرب تو جنگوں اور فتوحات میں لگ گئے اور علم حدیث کی مسندوں پر وہ لوگ آبیٹھے جنہیں جنگوں اور اقتدار سے کوئی دلچسپی نہ تھی اور پھر اہل اقتدار بھی ان کے اس اقتدار علمی پہ چنداں خوش نہ تھے۔

محمد بن شہاب زہری (۱۲۴ھ) سے کون واقف نہیں یہ وہ بزرگ ہیں جنہیں خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۰ھ) نے جمع حدیث پر مامور فرمایا تھا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز مزاج ملوک کے نہ تھے مزاج علماء کے تھے اس لئے انہوں نے یہ دینی ضرورت محسوس کی جمع قرآن کی دینی ضرورت عمر اول نے محسوس کی تھی اور جمع حدیث کی دینی ضرورت کا احساس عمر ثانی کے دل میں ابھرا ابن شہاب زہری اکابر علمائے حدیث کے بارے میں کہتے ہیں اس زمانے میں حدیث کے عالم چار ہیں ان میں سرفہرست مکحول (۱۱۸ھ) ہیں مکحول کون تھے؛ موالی میں سے، عربی النسل نہ تھے فرماتے ہیں

اعتقت بمصر فلم ادع بہا علماً الاحویتہ فیما اری ثم اتیت العراق ثم المدینۃ فلم ادع بہما علماً الاحویتہ فیما اری ثم اتیت الشام فغربلتہا[1]

(ترجمہ) میں مصر میں تھا جب آزاد ہوا وہاں کا علم (حدیث) جہاں تک مجھ سے ہوسکا میں نے جمع کیا پھر میں عراق آیا عراق کے بعد مدینہ پہنچا اور عراق اور مدینہ کا سارا علم اپنی بساط کے مطابق میں نے سمیٹا پھر میں شام آیا اور وہاں سے اسے (اس علم کو) پوری طرح چھانا۔

یہ جنگی سفر ہیں یا محدثین کے علمی اسفار جن سے علم حدیث اپنے کمال کو پہنچ رہا تھا؟

ایک دفعہ امام زہری خلیفہ عبدالملک کے دربار میں تھے تو اس نے آپ سے مختلف علاقوں کے اکابر علماء کے نام پوچھے اور ہر ایک کے بارے میں پوچھا کہ عرب ہے یا موالی میں سے؟

سوال۔ مکہ میں سب سے بڑا عالم کون ہے؟	(جواب امام زہری) عطا بن ابی رباح (۱۱۵ھ)
″ عرب ہے یا موالی میں سے؟	″ موالی میں سے
″ اس نے یہ مقام کیسے حاصل کیا؟	″ قرآن و حدیث کی خدمت سے
″ یمن کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟	″ طاؤس بن کیسان (۱۰۵ھ)
″ عرب ہے یا موالی میں سے؟	″ موالی میں سے
″ مصر کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟	″ زید بن حبیب (ھ)
″ عرب ہے یا موالی میں سے؟	″ موالی میں سے
″ شام کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟	″ مکحول (۱۱۸ھ)

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۲۰

وہ عرب ہے یا موالی میں سے ؟ جواب۔ موالی میں سے

سوال۔ جزیرے کا سب سے بڑا عالم کون ہے ؟ // میمون بن مہران (۱۱۶ھ)

// عرب ہے یا موالی میں سے // موالی میں سے

// خراسان کا سب سے بڑا عالم کون ہے ؟ // ضحاک بن مزاحم (۱۰۶ھ)۔

// عرب میں سے ہے یا موالی میں سے ؟ // موالی میں سے

خلیفہ عبدالملک نے ٹھنڈا سانس بھرا اور پھر پوچھا۔

۔ کوفہ کا سب سے بڑا عالم کون ہے ؟ (زہری نے کہا) ابراہیم نخعی (۹۶ھ)

// عرب میں سے ہے یا موالی میں سے ؟ // یہ عربی النسل ہیں[1]

عبدالملک نے کہا اب میرا بوجھ کم ہو گیا ہے اگر اب بھی کسی عرب کا نام نہ آتا تو میرا کلیجہ پھٹنے کو تھا[2]

اس صورت حال سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام میں علم کے قافلہ سالار ہر جگہ اپنے پاؤں سے چلے ہیں اہل اقتدار میں سے کسی نے علم کی طرف توجہ کی جیسے حضرت عمر بن عبدالعزیز یا اورنگ زیب تو یہ خال خال ہیں مستشرقین کا یہ خیال کسی طرح درست نہیں کہ مسلمانوں میں جنگی مہمات اور حدیث کے تذکرے ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ حدیث مقصود نہ تھی اس سے صرف اپنے آپ کو مصروف کرنا پیش نظر تھا استغفراللہ العظیم

افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارا جدید تعلیم یافتہ طبقہ اور یونیورسٹیوں اور کالجوں کے طلبہ مطالعہ اسلام کے لیے بھی مغربی ماخذ پر زیادہ اعتماد کرتے ہیں۔ عربی نہ جاننے کے باعث اصل ماخذ تک ان کی رسائی نہیں ہوتی۔ علماء کی اردو میں لکھی کتابوں کا مطالعہ وہ اپنی کسر شان سمجھتے ہیں۔ اب سوائے اس کے چارہ نہیں کہ ان جدید طلبہ اور دانشوروں کے بڑے پیمانوں پر سیمینار منعقد کئے جائیں اور اس طرح انہیں اسلام کے اس ماخذ علمی پر مطمئن کیا جائے۔

پچیس سال پہلے راقم الحروف نے پنجاب کے مختلف تعلیمی اداروں میں حدیث کے موضوع پر کچھ لیکچرز دیئے تھے ان کی ابتداء مرے کالج سیالکوٹ سے ہوئی تھی۔ گورنمنٹ کالج لاہور اور اسلامیہ کالج ریلوے روڈ کے بعض طلبہ اسلامیات نے ان مضامین کو مختلف سیمیناروں میں سنا اور لکھا۔ یہاں تک کہ یہ

---

[1] ابراہیم نخعی بیشک عرب تھے لیکن ان کے جانشین امام ابوحنیفہؒ تو عرب نہ تھے [2] دیکھئے مقدمہ ابن صلاح ص۱۶۴

علمی تحریرات نظر ثانی کے لیے پھر میرے پاس پہنچ گئیں۔ اشاعت کی جلد صورت سامنے نہ آئی تو احقر نے بعض مضامین ملک کے مختلف جرائد میں شائع کرا دیئے اور اس طرح طلبہ کی یہ محنت افادۂ عام کے منظر پر آ گئی۔

راقم الحروف کی کتاب آثار التنزیل کے مقدمہ میں ان مضامین کا ذکر ہے۔ یونیورسٹیوں اور مدارس کے طلبہ مدت سے آثار الحدیث کے منتظر تھے۔ اس تاخیر میں ایک فائدہ یہ رہا کہ یہ محنت کچھ اور آگے بڑھی اور وہ علمی اسفار جو اس ابتدائی مرحلہ میں طبع پذیر نہ تھے مفید اضافوں کے لیے ہمارے سامنے آ گئے اور صداقت حدیث کی کچھ اور راہیں کھلیں اور کئی نئے شواہد سامنے آئے۔

(۱)—— سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد حضرت ہمام بن منبہ کا وہ صحیفہ جس میں آپ نے اپنی مرویات کو جمع کیا تھا اپنی قلمی صورت میں ایک مستقل رسالہ کی شکل میں مختلف کتب خانوں میں موجود تھا۔ اور تاریخ برابر اس کا نشان دیتی آ رہی تھی۔ صحیح بخاری ان کی زبانی روایات سے مدتوں بعد مرتب ہوئی اب پیرس کے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی کاوش سے وہ صحیفہ ابن ہمام ایک مستقل کتاب کی صورت میں طبع ہو کر سامنے آ گیا ہے۔ اس کی مرویات کو صحیح بخاری میں دیکھا گیا تو وہ سب روایات اس میں اسی طرح پائی گئیں جس طرح وہ صدیوں ایک مسودے کی صورت میں مختلف کتب خانوں میں موجود رہی ہیں۔

(۲)—— امام عبد الرزاق بن ہمام (۲۱۱ھ) کی کتاب المصنف بیروت سے گیارہ جلدوں میں ابھی ابھی شائع ہوئی ہے۔ مؤلف امام ابو حنیفہ کے شاگرد ہیں۔ آپ امام بخاری سے بہت پہلے ہوئے۔ اس کی مرویات اس کے بعد چھپنے والی کتابوں میں اس طرح ملتی ہیں جیسی وہ المصنف میں پائی گئیں۔ اسی طرح امام ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) کا المصنف ابھی ابھی سولہ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ یہ کتاب بھی صحاح ستہ کی تالیف سے پہلے کی ہے۔ علماء اس کے بہت سے حوالے شروح حدیث مثل فتح الباری عمدۃ القاری وغیرہا میں پڑھتے چلے آ رہے تھے۔ یہ المصنف اب پندرہویں صدی میں طبع ہوا ہے۔ اس کی بعض روایات بعد کی کتب حدیث مستدرک حاکم اور سنن کبرٰے بیہقی میں بھی پائی گئیں اور اس کے جو حوالے پچھلی شروح حدیث میں ملتے تھے وہ اس المصنف میں بعینہا پائے گئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث اپنے دور اول میں کس محنت اور احتیاط سے جمع ہوئی تھی۔

(۳)—— حضورؐ جب ۶ ہجری کے آخر میں حدیبیہ سے واپس لوٹے تو آپ نے ہمسایہ ملکوں کے

بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے۔ صحابہؓ آپ کے یہ خطوط لے کر ان بادشاہوں کے پاس گئے۔ مقوقس شاہِ مصر کے نام آپ نے جو خط لکھا تھا وہ اصل خط انیسویں صدی عیسوی کے وسط میں مصر کی ایک عیسائی خانقاہ سے ملا ہے۔ یہ کسی مسلم کتب خانے سے نہیں ملا کہ اس پر کسی جانبدار شہادت کا شبہ کیا جا سکے۔ عیسائیوں نے خود اسے آپ کا اصلی خط قرار دیا ہے۔

حاطب بن ابی بلتعہ آپؐ کا یہ خط لے کر مقوقس شاہ مصر کے پاس گئے تھے اور مقوقس نے اسے ڈبیہ میں بند کر کے سربمہر کر لیا تھا۔ اس کا اب ایک عیسائی خانقاہ سے دریافت ہونا اس روایت کے بالکل مطابق ہے۔ اس خط کا تذکرہ حدیث اور سیرت کی کتابوں میں عام ملتا ہے۔ ہم یہاں پہلے حضورؐ کے اس خط کی عبارت پیش کرتے ہیں جو انیسویں صدی میں اس عیسائی خانقاہ سے ملا ہے۔ آپ پھر اس کی وہ عبارت ملاحظہ کریں جو کتبِ حدیث میں ملتی ہے:۔

بسم الله الرحمٰن الرحيم

من محمد بن عبد الله ورسوله الى المقوقس عظيم القبط۔ سلام على من اتبع الهدىٰ اما بعد فاني ادعوك بداعية الاسلام اسلم تسلم يؤتك الله اجرك مرتين فان توليت فعليك اثم القبط۔ يا اهل الكتاب تعالوا الى كلمة سواء بيننا وبينكم ان لا نعبد الا الله ولا نشرك به شيئاً ولا يتخذ بعضنا بعضاً ارباباً من دون الله فان تولوا فقولوا اشهدوا بانا مسلمون۔

محمد رسول الله

انہی الفاظ میں خط شاہِ روم ہرقل کو لکھا گیا ہے۔ یہاں الی المقوقس عظیم القبط کے الفاظ ہیں اور ہرقل کی طرف لکھے خط میں الی هرقل عظیم الروم کے الفاظ ہیں۔ یہاں فعلیك اثم القبط کے الفاظ ہیں اور وہاں فعلیك اثم الاریسیین ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں یہ عبارت اسی طرح ہے۔ مسلم کی ایک روایت میں اثم الاریسیین کی جگہ اثم الیریسیین اور داعیة الاسلام کی جگہ دعایة الاسلام کے الفاظ ہیں۔

مقوقس شاہ مصر کے نام جو خط لکھا گیا (جس کی اصل عبارت اوپر مذکور ہے) بعینہٖ کتب حدیث میں موجود ہے۔ علامہ قسطلانی نے اسے اسی طرح نقل کیا ہے۔ البتہ اس میں داعیة الاسلام کی جگہ دعایة

الاسلام کے الفاظ ہیں۔ دوسرے بادشاہوں کے نام جو خطوط ہیں ان میں بھی داعیۃ الاسلام ہی مذکور ہے۔ پھر داعیۃ اور دعایۃ کا مفہوم بھی ایک ہے۔ محدثین نے روایت بالمعنی میں اسے داعیہ کی جگہ دعایہ سے ذکر کر دیا ہو تو یہ کوئی فرق نہیں۔ صحیح مسلم کی روایت میں دعایۃ الاسلام اسی نہج پہ مذکور ہے۔

اب اس دور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اصل خط کا دریافت ہونا اور دورِ اول کی لکھی ہوئی کتب حدیث میں اسی خط کا بالکل اسی طرح ملنا حدیث کی صداقت کا ایک کھلا نشان ہے۔

قدیم کتب خانوں کے پرانے مخطوطات جب منظر عام پر آتے ہیں اور ان کے مضامین اور الفاظ کو ہم بعینہا رائج الوقت کتب حدیث میں دیکھتے ہیں تو اس یقین سے چارہ نہیں رہتا کہ علم حدیث ان مسلمانوں کی واقعی ایک ایسی علمی کاوش ہے جس پر مسلمانوں کی تاریخ بجا طور پر ناز کر سکتی ہے کہ یہ وہ سرمایہ علم ہے جس کی نظیر دنیا کی کسی دوسری قوم کے پاس موجود نہیں۔ مستشرقین اگر اس باب میں شک و تردد کے کانٹے بکھیرتے ہیں تو وہ فکری طور پر مجبور ہیں اس کے بغیر ان کے پاس انکار اسلام کی کوئی اور راہ بھی تو نہیں ——— ہم ان پچھلی تحقیقات کو پہلے دور کی جمع کی گئی حدیث کی مزید شہادتیں سمجھتے ہیں ان سے صداقتِ حدیث کا چہرہ اور کھل کر سامنے آجاتا ہے۔

طلبہ علوم اسلامی کا فرض ہے کہ وہ مسلمانوں کے اس سرمایہ علم پر پوری فنی محنت کریں اس کے ایک ایک موضوع کا فکری نظری اور تاریخی جائزہ لیں۔ دیگر فنون سے دورۂ تحصیل میں مناسبت رہے تو وہ ساری عمر کام دیتی ہے۔ مگر فن حدیث اپنے کمال میں پوری عمر مانگتا ہے۔ جو طلبہ دورۂ حدیث سے فارغ ہوئے انہیں یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ ہم اس منزل کو طے کر چکے۔ بلکہ یہ سمجھنا چاہیئے کہ اب ہم اس لائن پر چلنے کے لائق ہوئے ہیں اور اب اس راہ میں ہمیں ساری عمر چلنا ہے۔ علماء کی زندگی کا یہ سب سے اشرف موضوع ہے۔ جس طرح دورۂ حدیث طلبہ علوم اسلامی کی سب سے بڑی کلاس ہے۔

آثار الحدیث انشاء اللہ العزیز آپ کی زندگی کے اس پورے سفر میں آپ کا ساتھ دے گی۔ آپ بھی پوری توجہ سے اس کا ساتھ دیں اسے پڑھیں اور پڑھائیں۔ حدیث کے خلاف پھیلائے گئے فتنوں کی جڑ خود بخود کٹتی جائے گی اور آپ کو اس میں حدیث کی صداقت پہ ایک کھلا نور، سکون اور اطمینان ملے گا ——— ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

احقر نے ان مضامین میں فنی اصطلاحات کو اپنے روایتی مفہوم میں محدود نہیں رکھا۔ بات کو جدید ذہنوں میں اُتارنے کے لیے کچھ وسعت سے کام لیا ہے۔ علما رحدیث نے اس علم کا موضوع آنحضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو قرار دیا ہے۔ احقر نے اس میں صحابہ کرامؓ کو بھی ساتھ لیا ہے۔ حدیث کی کوئی کتاب ان کی مرویات کے بغیر جامع اور سنن نہیں تو ضروری سمجھا کہ اس موضوع کی وسعت میں ہم ان نفوس قدسیہ کو بھی ساتھ رکھیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قریب کے تعلق سے خود بھی اس فن کا موضوع بن گئے تھے۔

طلبہ علوم اسلامی ان علوم کے تحقیقی مراحل میں مستشرقین سے کہیں تائید لے لیں تو اس میں حرج نہیں۔ لیکن ان تحقیقات کے کسی باب میں ان پر بھروسہ نہ کریں۔ یہ اس فن کی کہیں تعریف بھی کریں گے تو اس کے آخر ــــ مگر کا الزام دے کر طالبین کو شک کی ایک ایسی گہری وادی میں دھکیل دیں گے جس میں گرتے تو کئی دیکھے گئے لیکن نکلنے والا خوش قسمت کوئی کوئی رہا۔ ولیم میور ایک مقام پر لکھتا ہے:۔

> یہ ظاہر ہے کہ محدثین ایک طرح تنقید سے کام لیتے تھے اور اس میں اس سختی سے چلتے تھے کہ تقریباً ہر سوا حادیث میں سے انہوں نے ننانوے چھوڑ دیں۔ مگر ہمارے یورپین مطالعہ کنندگان مغالطہ میں ہوں گے اگر وہ یہ سمجھ لیں کہ محدثین کی یہ تنقید صحیح معنوں میں تحقیق حدیث اور اس کی صحت کی ضامن بھی۔ ان کے نزدیک کسی حدیث کے قابل اعتبار ہونے کے لیے حدیث کے مضمون کو نہیں محض اس کے راویوں کو دیکھا جاتا تھا۔ ان کے نزدیک صحیح حدیث وہ سمجھی گئی جو پہلے کسی صحابی سے چلے اور پھر راویوں کے طویل سلسلہ میں اس طرح اس کی روایت ہو کہ راویوں کی صداقت پر کوئی الزام عائد نہ ہوا ہو۔ اس صورت میں حدیث قبول کرنی چاہیئے گو نفس مضمون میں ایسی باتیں کیوں نہ ہوں جو عام سمجھ میں بالکل ناقابل تسلیم ہوں۔

ولیم میور یہاں طلبہ کو صدق روایت سے نکال کر درایت کی پٹڑی پر لا رہے ہیں۔ آپ نے دیکھا پہلے محدثین کی احتیاط کن شاندار الفاظ میں ذکر کی ہے۔ مگر پھر ایسا استدراک کیا کہ پوری کی پوری عمارت ایک جھٹ سے گرا دی۔ علماء حدیث نے تنقید رواۃ کے جتنے اصول بھی ذکر کئے ہیں وہ سب کے سب درایت پر مبنی ہیں اور انسان کسی بات کی پرکھ اور سچ اور جھوٹ کے نکھار میں انہی فطری اصولوں پر چلے

ہیں۔ قارئین ہماری قواعد حدیث کی بحث میں ان کا تفصیلی مطالعہ کر سکیں گے۔ یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہمارے قارئین اور طلبہ اہل مغرب کے ان پیچدار بیانات کے کسی پیچ میں نہ گھریں۔ رب العزت ہر اس شخص کی حفاظت فرمائے جو سچائی کی طلب میں نکلے۔ اسے ذہنی سلامتی کی دولت حاصل ہو اور وہ کامیابی سے ساحل مراد پر اُترے۔

یہ بات اپنی جگہ قطعی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی صحابی نے کوئی حدیث وضع نہیں کی۔ ان کے آپس میں کتنے بڑے بڑے اختلافات ہوئے۔ بعض مہمات میں خونریزی تک نوبت پہنچی لیکن اپنی تائید یا کسی کی تردید میں کسی نے کوئی ایسی بات حضورؐ کی طرف منسوب نہیں کی جو آپ نے نہ کہی ہو ——— پھر یہ بات بھی قطعی طور پر ثابت ہے کہ صحابہ کرامؓ محض درویشان گوشہ نشین نہ تھے جو دُنیا کے بدلتے ہوئے تیور اور زمانے کے تطور سے نا آشنا ہوں۔ وہ عملی زندگیوں کے عملی انسان تھے۔ انتہائی مشکل راہوں میں چلے اور بحر و بر پہ دوڑے۔ پھر ان کے جانشین ان کی راہوں پہ چلے اور دنیا میں جہانبانی کی ——— سائنس و طبیعیات میں وہ کاوشیں کیں کہ آج کا ان علوم کا کوئی طالب علم علماء اسلام کی ان کاوشوں سے مستغنی رہ کر آگے نہیں چل سکتا ——— کیا یہی وہ لوگ ہیں جو ولیم میور یا اسپنگر کی رائے کے مطابق درایت سے نا آشنا تھے؟ اور کیا درایت سے نا آشنا کوئی قوم ترقی کی اتنی راہوں کو عبور کر سکتی ہے؟

درایت اس کتاب کا موضوع نہیں۔ اس کی بحث آپ کو انشاء اللہ العزیز آثار التشریع میں ملے گی یہاں طلبہ کو صرف اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ مسلمان ان علوم کے بانی ہیں اور دنیا کو انہوں نے ہی فن تاریخ اور نقل وقائع کے صحیح نظری اصولوں سے آشنا کیا ہے۔ اسلامیات میں صحیح بات جاننے کے لیے آپ اسلام کے اصل ماخذوں کی طرف رجوع کریں۔ جنہوں نے ہم سے لیا ہے ان سے کوئی بات تائید میں ملے تو بے شک لے لیں۔ لیکن اگر ان کی کوئی بات ہمارے اصل ماخذوں سے ٹکرائے تو آپ اس کی مزید تحقیق کریں۔ اسلام کی کوئی بات تنقید اور درایت کے فطری اصول کے خلاف نہ پائیں گے ——— ہاں اس بات کو ضرور محفوظ رکھیں کہ کسی بات کا بالائے عقل ہونا اور بات ہے اور خلاف عقل ہونا اور بات ہے نادان دانشور بالائے عقل باتوں کو بھی بسا اوقات خلافِ عقل سمجھ لیتے ہیں۔

اب مستشرقین کا عمل تشکیک ملاحظہ کیجئے۔

گولڈ زیہر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت نقل کرتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جس شخص نے مویشیوں کی حفاظت کرنے والے کتے، شکاری کتے اور

کھیت کھلیان کا پہرہ دینے والے کتے کے سوا کوئی کتا رکھا اس کے نیک اعمال کا اجر ہر روز ایک قیراط کم ہوتا ہے گا۔ یہی حدیث حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے مگر اس میں صرف دو استثنار ہیں۔ (۱) مویشیوں کی حفاظت کرنے والا کتا اور (۲) شکاری کتا ——— حضرت ابن عمرؓ کو حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت بتائی گئی تو آپ نے فرمایا" ان لابی ھریرۃ زرعاً ابو ہریرہ کی اپنی زمین بھی تو ہے۔ حضرت ابن عمرؓ کی مراد یہ تھی کہ پوری حدیث یاد رکھنے میں حضرت ابو ہریرہ کی اس حیثیت کو بھی دخل ہے کہ آپ کی اپنی زمین تھی۔ انہیں کلب ماشیۃ کا استثنار خوب یاد رہا۔ مگر گولڈ زیہر اور مسٹر شاٹ اسے اس مفہوم میں پیش کرتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابو ہریرہؓ کی اپنی زمین تھی انہوں نے اپنی ضرورت کے لئے یہ تیسرا استثنار بھی اس روایت میں داخل کر دیا۔ (معاذ اللہ)

اس سے وہ طالب علم جس نے کبھی عربی مدارس کی طرف رُخ نہیں کیا نہ کسی عالم دین سے حدیث پڑھی۔ کیا نتیجہ اخذ کرے گا؟ یہی نہ کہ صحابہ (معاذ اللہ) اپنی ضرورتوں کے تحت پیغمبر کے نام پر حدیثیں بنا لیا کرتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک بات کے دو معنی آپ کے سامنے ہیں۔ کسی عبارت کے مفہوم میں اختلاف ہو تو عقل و نقل یہی تقاضا کریں گے کہ متکلم کی نیت معلوم کی جائے۔ اب دیکھئے! حضرت عبداللہ بن عمر کا اپنا عمل اس کے بعد کیا رہا۔ ! آپ نے آئندہ جب بھی یہ حدیث روایت کی تو حضرت ابُو ہریرہ کی طرح تین استثنار نقل کئے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کو یاد آچکا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعی تین طرح کے کتوں کو اس وعید سے مستثنیٰ فرمایا ہے۔ ابو الحکم کہتے ہیں میں نے حضرت ابن عمر کو یہ حدیث بیان کرتے سنا کہ حضورؐ نے فرمایا جس نے کھیت کھلیان کی چوکسی کرنے والے کتے، مویشیوں کی حفاظت کرنے والے کتے اور شکاری کتے کے سوا کوئی اور کتا پالا اس کے نیک اعمال کا اجر ایک قیراط یومیہ کم ہوتا ہے گا۔

حضرت ابن عمرؓ تو صاحب زرع (کھیتی والے) نہ تھے۔ اگر صحابہ حدیث ضرورت کے لئے گھڑتے تھے تو حضرت ابن عمرؓ کو کیا ضرورت تھی کہ وہ یہ تیسرا استثنار بھی ذکر کریں۔ ان کی تو زمین نہ تھی۔ محدثین پھر یہ بھی بتاتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہؓ کے علاوہ اور کئی صحابہ بھی ہیں جنہوں نے حضورؐ سے اس باب میں یہ تین استثنار روایت کئے ہیں۔ امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں۔

ان اباھریرۃ لیس منفرداً بھذہ الزیادۃ بل وافقہ جماعۃ من الصحابۃ فی روایتھا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم (شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۰)

اب آپ ہی غور فرمائیں۔ بات کیا تھی اور مستشرقین نے اسے اپنی ضرورت کے تحت کہاں سے کہاں پہنچا دیا۔ اب جو طلبہ اس لٹریچر سے اسلام سیکھیں گے وہ کس ساحل پر اتریں گے۔ یہ بات آپ کے سوچنے کی ہے۔ اور اس کا فیصلہ آپ خود کریں۔

راقم الحروف نے ایک دفعہ اپنے قیام انگلستان کے دوران وہاں کے مشہور مستشرق مسٹر جیمز رابسن سے مستشرقین کی اس غلطی کا ذکر کیا تو اس نے اسے مسٹر گولڈ زیہر اور مسٹر شاٹ کے قصور مطالعہ پر محمول کیا اور کہا کہ اگر ان کی نظر میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ کی یہ روایت ہوتی کہ آپ بھی آئندہ تین استثنار ہی ذکر فرماتے تھے تو مسٹر شاٹ اسے اس طرح بیان نہ کرتے اس کی نظر میں یہ دوسری روایت نہ ہوگی۔ میں نے کہا آپ اسے ان مستشرقین کی بھول یا قصور مطالعہ پر محمول کرنا بہتر سمجھتے ہیں بجائے اس کے کہ اسے مسٹر گولڈ زیہر یا مسٹر شاخٹ کی بدنیتی پر محمول کریں کہ وہ غیر مسلم ہونے کی حیثیت سے حدیث میں تشکیک پیدا کرنا اپنے لئے مفید سمجھتے تھے اور اسی لئے وہ اس قسم کے ابہام پیدا کرتے رہے ہیں۔ تو انہوں نے یہی انداز فکر حضرت ابن عمر رضؓ کے بارے میں کیوں اختیار نہ کیا کہ وہ تیسرے کتے کا استثنار بوجہ عدم ضرورت کے بھول گئے ہوں گے اور حضرت ابوہریرہ کی روایت سامنے آنے پر انہیں وہ پوری حدیث یاد آگئی ہوگی۔ علمی دنیا میں سہو ونسیان کوئی بڑا عیب نہیں لیکن بدنیتی اتنی بری شے ہے کہ اس کے بعد کوئی مرتبہ علمی باقی نہیں رہتا پھر جب یہ الزام کسی دینی جہت پر آئے تو اور بھی لائق افسوس ہو جاتا ہے۔

ہمارے جو طلبہ مستشرقین کے لٹریچر سے اسلام سیکھنا چاہتے ہیں وہ اس ایک مثال پر غور کریں وہ یقیناً اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ مشکلات حدیث میں حدیث کے ماہر فن علمار کی طرف رجوع کئے بغیر وہ کسی حدیث کے بارے میں کوئی نرم گوشہ اختیار نہ کریں۔

آثار الحدیث کے ان مضامین میں ہر مضمون اپنی جگہ ایک مستقل کتاب ہے۔ آپ پوری کتاب نہ بھی پڑھیں تو جس موضوع کی آپ کو ضرورت ہو اسے اس کے متعلقہ عنوان میں آپ آسانی سے معلوم کر سکیں گے۔ ہر عنوان اپنی جگہ ایک پورا مضمون ہے۔ اسے پڑھئے آپ کے ذہن میں اس موضوع سے متعلق کوئی تشنگی باقی نہ رہے گی۔

بعض عنوان ایسے ہیں جن میں کچھ قدر مشترک ہے۔ یہ قدر مشترک آپ کو مختلف عنوانوں میں موضوع کی مناسبت سے ملے گی۔ اسے تکرار بے جا نہ سمجھا جائے۔ ہر عنوان کو جامع بنانے کے لئے اس کا وہاں دیا جانا ضروری تھا۔ حضرت امام بخاریؒ نے الصحیح کے باب باندھے تو آپ کو بھی بعض احادیث

ان میں تکرار سے لانی پڑیں۔ آپ نے اس قدر مشترک کو ہر متعلق باب میں جگہ دی۔ حدیث پر کام کرنے والوں کے لئے اس سے گریز ممکن نہیں۔

آثار الحدیث آپ کے ہاتھوں میں ہے اللہ رب العزت کا کس زبان اور کن الفاظ میں شکریہ ادا کروں جس نے آثار التنزیل کے بعد آثار الحدیث کی اشاعت کی توفیق بخشی۔ عمر خضری بھی ہو اور ہر بُن مو زبان بن جائے تو اس کی عنایات کا تشکر و امتنان ادا نہیں ہو سکتا۔ علم کی خدمت اپنی جگہ کتنی دقیع کیوں نہ ہو رضائے مولیٰ ہر مقصد سے اولیٰ ہے۔ ——— اے ذات کریم یہ عنایت بھی فرما کر اس ناچیز خدمت کو اپنے حضور قبول فرما، مقبول خلائق بنا، اور جس ذات اقدس کے گرد یہ علم گھومتا ہے۔ راقم الحروف کو اس کے غلاموں اور پہریداروں میں جگہ دے ———

اجازت ہو تو آکر میں بھی شامل ان میں ہو جاؤں
سنا ہے کل تیرے در پر ہجوم عاشقاں ہو گا

اس دنیا میں دربار رسالت کی پہرہ داری سے بڑا اعزاز اور کیا ہو سکتا ہے؟ صحابہ ساری امت میں اسی اعزاز سے ممتاز ہوئے کہ وہ ذات رسالت کے حلقہ دار اور علم رسالت کے پہرے دار تھے۔ اور انہوں نے چہرہ رسالت کا عینی دیدار پایا تھا آپ کی وفات کے بعد پھر اور وفادار اُٹھے جو علم رسالت کے گرد پہرہ دار ہوئے اور انہوں نے علم رسالت کو ہر دخل بے جا اور ملاوٹ سے نکھارا اور امت کو راہ سنت پر چلنے کے لئے ابھارا ہزاروں عشاق اس غواصی میں کھوئے گئے اور ان بزرگوں کی بھی کمی نہیں جو کامیابی سے ساحل مراد پر اترے۔

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا — لگایا پتہ اس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیے جرح و تعدیل کے وضع قانون — نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

مدارس عربی میں آج سب سے بڑی جماعت اس گروہ کی ہے؟ جو دورہ حدیث کا حلقہ لگائے بیٹھے ہیں۔ اور اساتذہ میں سب سے بڑا استاد کون ہے؟ شیخ الحدیث جو ہر لفظ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر دے رہا ہے۔ قال قال رسول اللہؐ کی صدا بلند کر رہا ہے۔

اسی طرح دین کے لئے سب سے بڑا خطرہ اور دین پر سب سے بڑا حملہ کونسا ہے؟ انکار حدیث کا ـــــ اور دین کے ہر اختلاف میں حرف آخر کیا ہے؟ ارشاد نبوت ـــــ دورہ حدیث کے طلبہ اس کتاب کو پڑھ کر دورہ حدیث شروع کریں۔ تو اساتذہ کی تحقیقات کو وہ بڑی آسانی سے اس کتاب کے مختلف ابواب میں جگہ دے سکیں گے یہ جذبہ عشق رسالت ہے جس سے اسلام کا پرچم ہر دور میں بلند و بالا رہا ہے اور یہ علم حدیث ہی ہے جس سے ہر دور میں مسلمان اپنے آقا کی غلامی میں قدم رکھتے آئے ہیں۔

ہوئی جب دشمنان دین کی یلغار سنت پر
سنبھالا پرچم اسلام اہل علم نے بڑھ کر
حفاظت سند کی پھر متن کی جب ہو چکی پوری
تو امت پھر منظم ہو گئی آقا تیرے در پر

علمائے اسلام نے یورپ کے مستشرقین کو ان کے ہر اعتراض کا شافی جواب دیا ہے برصغیر پاک و ہند اور مصر و عرب کے علمائے کرام کی محنتیں اس باب میں بہت مفید ثابت ہوئی ہیں۔ اور الحمد للہ کہ مستشرقین کی یہ مہم اب بہت دب گئی ہے اب امت کو خطرہ ان سے نہیں ان مستغربین سے ہے جو مسلمان ہونے کے عنوان سے مسلمانوں کی صفوں میں گھسے ہوئے ہیں رب العزت ان سے بھی امت کی حفاظت فرمائے۔

پیش نظر رہے کہ بعض اسلامی عقائد وہ قطعیت رکھتے ہیں کہ ان کا انکار کفر اور ان میں تاویل الحاد اور فسق کا کھلا نشان ہوتا ہے اسلام میں ختم نبوت اور حفاظت قرآن کو یہ بنیادی حیثیت حاصل ہے کہ ان کا منکر وہ کھلا انکار کرے یا الحاد کی راہ چلے مسلمان نہیں رہتا اس طرح حجیت پیغمبر دین کی وہ اساس ہے کہ جو مدعی اسلام اس کا قائل نہ ہو اس کے لئے بھی مسلمانوں میں کوئی جگہ نہیں رہتی ختم نبوت حفاظت قرآن اور حجیت پیغمبر کا منکر ہرگز مسلمان نہیں برصغیر پاک و ہند میں انگریزی دور میں مسلمانوں کی صفوں میں جو کانٹے ایک گہری چال سے بکھیرے گئے اب ضرورت ہے کہ اس آزاد سلطنت پاکستان میں ہم ان تحریکات کا پوری طرح سدباب کریں اور اپنے آپ کو ان موضوعات میں دلائل و شواہد سے اس طرح مسلح کریں کہ ان تین راہوں سے آنے والا ہر حملہ آور منہ کی کھا کر واپس جائے۔

ہمیں اس سے انکار نہیں کہ اب حملہ آور آنہیں رہے اُٹھ رہے ہیں۔ لیکن ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ اندرونی دشمن کا سامنا کرنا بیرونی حملہ آوروں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ سخت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر دو سے اُمت کی حفاظت فرمائے۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

[سپاس ناشناسی ہوگی اگر میں اس مقدمہ میں رنگون کے حافظ محمد اقبال صاحب فاضل مظاہر العلوم سہارنپور۔ حافظ محمد اسلم صاحب فاضل جامعہ رشیدیہ ساہیوال اور مولانا قاری سمیع اللہ صاحب فاضل دار العلوم کبیر والا کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے ترتیب مضامین اور پروف ریڈنگ میں مشقت شاقہ سے میری مدد فرمائی۔ ان کے تعاون سے آج یہ خدمت منصہ شہود پر موجود ہے۔
فجزاھم اللہ احسن الجزاء]

اہل علم سے درخواست ہے کہ اگر کسی مقام پر کوئی فروگزاشت محسوس کریں یا کسی موضوع پر نظر ثانی چاہیں تو اس سے مطلع فرما کر متشکر فرمائیں۔ اگلے ایڈیشن میں ان مشوروں کو ملحوظ رکھا جا سکے گا۔
وما ذلک علی اللہ بعزیز

خالد محمود عفی اللہ عنہ
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر
انگلینڈ

۸۵-۱۰-۱۷

لفظ حدیث

الحمد للّٰہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد:

حدیث کے بارے میں کسی خاص موضوع پر بحث discussion کرنے سے پہلے یہ جاننا چاہیئے کہ حدیث کسے کہتے ہیں اور اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے لفظی معنی کیا ہیں؟ دورِ اوّل میں اس سے کیا مراد لی جاتی تھی؟ دورِ آخر میں اس کے اصطلاحی معنی کیا رہے ہیں۔ اور علوم اسلامی میں حدیث کو ہر دور میں کیا اہمیّت حاصل رہی ہے؟ علوم اسلامی کے طلبہ کے لیئے ان اُمور کا جاننا بہت ضروری ہے۔ آج لفظ حدیث کے عنوان سے حدیث کی کچھ تفصیل کی جاتی ہے۔ سو آج کا موضوع حدیث کا تعارف ہے کہ حدیث کسے کہتے ہیں۔

حدیث کی اہمیّت

قانونِ اسلامی کے ماخذ کی حیثیّت سے لفظ حدیث علمی حلقوں میں محتاجِ تعارف نہیں۔ اسلام میں اسے ہمیشہ اساسی حیثیت حاصل رہی ہے اور اس موضوع پر دورِ قدیم اور دورِ جدید میں خاصا کام ہوا ہے۔ کام کی وسعت اور تالیفات کی کثرت پتہ دیتی ہے کہ علومِ اسلامی میں حدیث کو بہت ہی اہمیت حاصل رہی ہے۔ قرآن کریم کی تفہیم و تفصیل میں بھی حدیث کی طرف ہی رجُوع کیا جاتا ہے اور فقہ کی سند بھی حدیث سے ہی لی جاتی ہے اور حق یہ ہے کہ اسے جانے بغیر اسلام کا کوئی موضوع مکمل نہیں ہوتا۔ ان موضوعات پر بھی انشاء اللہ اپنے اپنے موقع پر بحث ہو گی۔ آج کا موضوع لفظ حدیث کی تحقیق اور علم حدیث کے مختلف پہلوؤں پر غور کرنا ہے۔ یہ حدیث کا تعارف ہے، معرفۃ لفظ حدیث، سے ہماری یہی مراد ہے۔

حدیث کے معنی

حدیث کے لفظی معنی بات statement اور گفتگو talk کے ہیں۔ علامہ جوہری صحاح میں لکھتے ہیں :-

الحدیث الکلام قلیله وکثیره۔

ترجمہ۔ حدیث بات کو کہتے ہیں وہ مختصر ہو یا مفصل۔

حضور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات بیان کے پہلو سے ذکر کی جائیں تو حدیث کہلاتی ہیں اوران روایات کی تحدیث کو transmission (آگے بیان کرنا) کہتے ہیں عمل کے پہلو سے حضورؐ کی تعلیمات کو سنت کہا جاتا ہے۔ سُنّت عربی میں طریقے conduct اور راہ Path کو کہتے ہیں۔

حدیث سے مُراد

حضورؐ کی تعلیمات (قولی فعلی اور تقریری[1]) معرض بیان میں ہوں تو حدیث ہیں۔ اور معرض عمل میں ہوں تو سنّت کہلاتی ہیں۔ حدیث میں بیان کی نسبت غالب ہے۔ اور سنّت میں عمل کی نسبت غالب ہے۔ صحابہ کرامؓ جب اس طریق کی نشاندہی کرتے تھے جس پر حضور اکرمؐ نے انہیں قائم کیا، تو کہتے تھے۔

سنّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم۔ حضورؐ نے اس امر کو ہمارے لیئے راہِ عمل بنایا ہے۔

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی صحابی نے کچھ کیا یا کہا اور آپ نے اس پر سکوت فرمایا نکیر نہ کی اور اس سے یہی سمجھا گیا۔ کہ اس عمل یا قول کی حضورؐ نے تصدیق فرما دی ہے تو اسی تصدیق کو تقریر confirmation کہتے ہیں اور آپ کی یہ تصدیق تقریری صُورت کہلاتی ہے۔ یہ تقریری حدیث ہے

[2] عن علی قال الوتر لیس بحتم کصلوٰتکم المکتوبة ولکن سن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ..... سنةً سنّها رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم (جامع ترمذی جلد ا صلا۶ عن عبدالرحمٰن مرفوعًا سنّت لکم قیامه سنن ابن ماجہ ص۹۴ میں نے قیام رمضان تمہارے لیئے سنّت بنایا ہے۔

اور جب وہ حضورؐ کی بات کو نقل کرتے تو کہتے تھے:۔
حدثنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[۱]۔ حضورؐ نے اسے ہمارے لیئے بیان کیا۔
پس حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا بیان ہوا۔ سنّت میں نسبت عمل اور حدیث میں نسبت بیان ممتاز رہی[۲]۔

حدیث و قدیم کا فرق

عربی میں لفظ حدیث قدیم کے مقابلے میں بھی ہے۔ قدیم پُرانے کو کہتے ہیں۔ اسلامی عقیدے میں قرآن پاک کلام الٰہی ہے جو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے اور کلام قدیم ہے۔ یہ مخلوق نہیں created نہیں۔ لیکن حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام حدیث ہے قدیم نہیں۔ آپ بھی اللہ کے بندے اور اس کی مخلوق ہیں۔ آپ کی ذات حادث ہے قدیم نہیں۔ ذاتِ قدیم کا کلام قدیم ہوگا اور ذاتِ حادث کے کلام کو حدیث کہیں گے۔ قرآن پاک کا غیر مخلوق ہونا اسلام کے بنیادی عقائد میں سے ہے۔ سو ضروری تھا کہ علم اسلامی کا دوسرا سرچشمہ حدیث کہلائے۔ تاکہ کلام خالق اور کلام مخلوق میں اصولی فرق عنوان میں بھی باقی رہے۔

---

۱ عن زید بن وهب حدثنا حذیفة قال حدثنا رسول الله صلى الله عليه وسلم حديثين (صحیح بخاری جلد ۹ صـ۶۶) تحدث عن رسول الله بخاری جلد ا صـ۳۸ لاحدثنكم حديثاً بخاری جلد ا صـ۳۰ جلد ۸ صـ۳۰۲ یا رسول الله صدق الله حديثك صحیح بخاری جلد ۸ صـ۱۵۵ اذا حدثتكم عن الله شيئا فخذوا به. صحیح مسلم جلد ۲ صـ۲۶۴ حدثوا عنى ولا حرج. صحیح مسلم جلد ۲ صـ۴۱۴ من حدث عنى بحديث يرى انه كذب فهو احد الكاذبين (صحیح مسلم جلد ا صـ۲) اتقوا الحديث عنى الا ما علمتم رواه الترمذی كما فی المشكوٰة صـ۳۵ من حفظ على امتى اربعين حديثا (مشكوٰة صـ۳۶)

۲ وهذا الفرق كان ذائعاً فى السلف قال عبد الرحمٰن بن مهدى سفيان الثورى امام فى الحديث وليس بامام فى السنة والاوزاعى امام فى السنة وليس بامام فى الحديث ومالك بن انس امام فيهما جميعاً۔

حافظ شمس الدین السخاوی لکھتے ہیں:۔

والحدیث لغةً ضد القدیم واصطلاحاً ما اضیف الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قولاً لہ اوفعلاً اوتقریرًا اوصنعةً حتی الحرکات والسکنات۔[1]

ترجمہ۔ اور حدیث لغت میں لفظ قدیم کی ضد ہے اور اصطلاحًا اس سے ہر وہ بات مراد ہے جسے حضورؐ کی طرف نسبت کیا گیا ہو ——— قول سے یا فعل سے یا اس کی توثیق سے یا صورت سے یہاں تک کہ حرکات و سکنات سے۔

مسلمان کلام قدیم اور کلام حدیث دونوں پر ایمان رکھتے ہیں اور دونوں کو دین میں حجت اور سند سمجھتے ہیں۔ ان دونوں ماخذوں کی اصل اللہ ربّ العزّت کی ذات ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کے نام سے جو کتاب پیش کی۔ وہ قرآن کریم اور کلام قدیم ہے اور اللہ تعالیٰ کی جس ہدایت کو آپ نے اپنے الفاظ یا عمل سے ظاہر فرمایا اُسے حدیث کہتے ہیں۔

لفظ حدیث کی قرآنی اصل

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی احکام کی تشکیل کے لیے جو راہیں کھولیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں امّت کے لیئے بیان بیان فرما دیا۔ قرآن کریم آپ کے اس بیان کو لفظ حدیث سے پیش کرتا ہے:۔

اما بنعمة ربك فحدث ۝[2]

ترجمہ۔ سو آپ اپنے رب کی نعمت کو آگے بیان کریں

اس بیان کرنے کو قرآن کریم نے حدث کے لفظ سے پیش کیا ہے۔ حدیث کی یہی قرآنی اصل ہے۔ (ذکرہ العلامہ العثمانی فی الفتح)

قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تین احوال ذکر فرمائے اور اُن پر تین احسان مرتب کیے۔ ان احسانات پر اللہ تعالیٰ نے پھر تین احکام ارشاد فرمائے اور یہ آیت ان تین احکام میں سے ہر ایک حکم پر مشتمل ہے۔

---

[1] فتح المغیث ص۱۲ [2] پ ۳۰ والضحیٰ

یتیمی اور احسانِ ایواء

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے آپ کے والد وفات پا چکے تھے۔ چھ سال کی عمر میں والدہ بھی چل بسیں۔ آٹھ سال کی عمر تک اپنے دادا کی کفالت میں رہے پھر آپ کے چچا ابوطالب نے آپ کی کفالت کی۔ جب مکہ والے دشمن ہو گئے تو اہلِ مدینہ نے آپ کو جگہ دی۔ ایواء کے معنی جگہ دینا اور ٹھکانا بہم پہنچانا کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یتیمی کی حالت میں پایا اور پھر ٹھکانا دیا:۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيمًا فَاٰوٰى۔

ترجمہ: کیا تجھے یتیم نہیں پایا۔ پھر جگہ دی۔

ناداری کے بعد غنا

آپ ابتداء میں نادار تھے۔ اللہ تعالیٰ نے برکت عطا فرمائی۔ تجارت میں کامیابی دی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ جیسے مالدار حضرات کو آپؐ کے خادم بنا دیا۔ یہاں تک کہ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ آپ ایک سلطنت کے فرمانروا اور ایک پوری امت کے تمام دینی اور دنیوی امور میں پیشوا تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ناداری کو غنا سے بدل دیا تھا۔ آپکو ناداری کے بعد غنی کر دیا تھا۔ آپ مکہ مکرمہ میں ہی تھے کہ ارشاد فرمایا:۔

وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنٰى۔

اور پایا آپ کو نادار ——— پھر غنی کر دیا۔

تلاش و اضطراب اور راہِ ہُدیٰ

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قوم کے مشرکانہ اطوار اور بے ہودہ رسم و رواج در راہ سے شروع سے بیزار تھے۔ قلب مبارک میں خدائے واحد کی عبادت کا جذبہ پورے زور کے ساتھ موجزن تھا۔ عشقِ الٰہی کی تڑپ پورے جوش سے دل میں موجود تھی۔ اس جوشِ قلب اور عشقِ خداوندی

میں آپ ایک کھلے رستے اور مفصل دستورِ زندگی کی تلاش میں تھے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہدایت کی ساری راہیں کھول دیں۔

وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى۔

ترجمہ۔ اور پایا آپ کو راہ ڈھونڈتا ــــــ پھر راہ بتادی۔

ارشاد ہوا کہ (۱) جب آپ خود یتیم تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو ٹھکانہ دیا۔ تو اب آپ کسی یتیم پر کوئی زیادتی نہ کریں۔ (۲) جب آپ خود نادار تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو غنی کر دیا۔ تو اب آپ کسی سائل کو نہ جھڑکیں اور (۳) جب آپ خود ایک مفصل راہ کی تلاش میں مضطرب تھے اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر ہدایت کی راہیں کھول دیں تو اب آپ کو جو راہِ عمل ملی اسے دوسروں سے بھی بیان کریں۔ تاکہ ان کو بھی راہِ عمل ملے۔

قرآن کریم نے اس ہدایتِ ربانی اور نعمتِ یزدانی کے آگے پہنچانے کو فَحَدِّثْ کے لفظ سے بیان کیا ہے۔ جس کے معنی ہیں TRANSMIT IT TO OTHERS آپ اسے دوسروں سے بیان کریں) اس سے واضح ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاوت اور تعلیم قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث بیان کرنے کا بھی حکم ہوا تھا۔ ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے جو نعمت آپ پر کھولی ہے۔ اُسے آپ آگے روایت فرما دیں۔ شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی یہاں لکھتے ہیں:۔

شاید آپ کے ارشاد وغیرہ کو جو حدیث کہا جاتا ہے وہ اسی لفظ فَحَدِّثْ سے لیا گیا ہو۔[۱]

اب آپ پھر ان آیات پر نظر کریں۔ بات اور وضاحت سے کھلے گی:۔

اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى ○ وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى ○ وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى ○ فَاَمَّا الْيَتِيْمَ فَلَا تَقْهَرْ ○ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ○ وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ[۲] ○

ترجمہ۔ کیا نہ پایا تجھ کو یتیم۔ سو پھر جگہ دی ــــ اور پایا تجھ کو راہ کا متلاشی۔ سو

---

[۱] فوائد القرآن صـ۷۹۰ [۲] پ ۳۰ سورہ والضحیٰ۔

راہ سمجھائی ـــــ اور پایا تجھ کو نادار سو پھر غنی کر دیا ـــــ سو جو یتیم ہو اُسے
مَت دبائیں ـــــ اور جو مانگنے والا ہو اسے نہ جھڑکیں ـــــ اور جو نعمت
ہے تیرے رب کی اُسے آگے بیان کرتے رہیں۔

مشکوٰۃِ نبوّت سے نعمت کا ظہور تلاش و اضطراب میں راہِ ہدیٰ true guidance ہے اور آپ کی محنت انسانی تفریق میں وحدت کی دستگاہ CENTRE OF UNITY ہے۔ یہ وحدت یتیم کا ٹھکانہ اور امّت کا آشیانہ ہے۔ اس آیت میں حدیث کے نعمت ہونے کا بیان ہے۔ تو دوسری آیت میں تفرقے کے بعد اُلفت پیدا ہونے کو بھی نعمت کہا ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یتیمی کے بعد ٹھکانہ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت سے قوم کو تفریق کے بعد اُلفت ملی۔ سو یہ سمجھنا کہ صحابہؓ کے دل آپس میں جُڑے ہوئے نہ تھے اور ان میں جاہلیت کے کچھ اثرات باقی رہ گئے تھے۔ جن کی چنگاریاں پھر بعد میں اُٹھتی رہیں اور خرمنِ امت جلتا رہا۔ یہ سب باتیں قرآن کے خلاف ہیں۔ قرآن کریم صاف کہتا ہے:۔

تفرقہ کے بعد تالیف

واذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم
فاصبحتم بنعمتہ اخواناً [۱]

ترجمہ۔ اور یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اُوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پس اُلفت
دی اللہ نے تمہارے دلوں میں۔ سو تم ہو گئے اس نعمت سے بھائی بھائی۔

اب آپ سوچیں کہ اللہ تعالیٰ تو جاہلیت کی چنگاریوں کو بُجھا بتلائیں۔ صحابہؓ کے دلوں کو جوڑ کر بھائی بھائی بنائیں۔ تو جاہلیت کی آگ اگر پھر بھی دبی باقی رہے اور چند سال بعد پھر بھڑک اُٹھے تو کیا یہی نعمتِ خداوندی ہے۔ جو خدا تعالیٰ کی ابدی کتاب میں اب بھی اسی شان سے پڑھی جا رہی ہے۔ جس طرح آج سے چودہ سو سال پہلے تھی اور اسی غلط سوچ پر کیا اس میں وہ تازگی رہے گی جو آج بھی تلاوت کرنے والا ان الفاظِ کریمہ میں محسوس کرتا ہے۔

---

[۱] پ۴ آل عمران ع ۱۱۔ انما المومنون اخوۃ پ۲۶ الحجرات یہ ان کے ایمان کی شہادت بھی ہے۔

قوم کو تفرقے کے بعد اُلفت کی نعمت ملی۔ یہ نعمت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محنت اور حدیث کا فیضان تھا۔ آپ کے ارشاد و تعلیم اور تزکیہ و تربیت سے صدیوں کی عداوتیں اور پشتوں کے کینے دُور ہوئے تھے۔ یہ حدیث کا فیضان تھا کہ اس نے قوم کو تفرقے کے بعد اُلفت سے مالا مال کر دیا۔ حدیث کے اس فیضان کو یہاں قرآن میں نعمت کہا گیا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اس نعمت کے پُورا ہونے کے بغیر دین کے کامل ہونے کا ثمرہ کسی طرح نہ مل سکتا تھا۔ جب دین مکمل ہونے کا اعلان ہوا تو اتمامِ نعمت کی بشارت بھی ساتھ ہی دے دی گئی۔

الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دیناً۔[1]

ترجمہ۔ آج میں نے پُورا کر دیا تمہارے لیئے دین تمہارا اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور پسند کیا میں نے تمہارے لیئے اسلام کو دین۔

مشکوٰۃِ نبوّت کی ضیا باریاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ والضحیٰ کی تین صُورتوں ① تلاش کے بعد ہدایت ② تفرقے کے بعد اُلفت اور ③ ناداری کے بعد غنا کو اپنی ذاتِ اقدس کا فیضان بتلایا ہے اور ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ تمہیں ان دولتوں سے مالا مال کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم (۶۳ ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ حُنین کے دن فرمایا۔

یا معشر الانصار الم یجدکم ضُلّالاً فھداکم اللہ بی وکنتم متفرقین فالفکم اللہ بی وعالۃ فاغناکم اللہ بی۔[2]

ترجمہ۔ اے گروہ انصار کیا تم بے راہ نہ تھے پس اللہ نے تمہیں میرے ذریعے ہدایت بخشی اور تم تفرقے میں پڑے تھے۔ اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ سے جوڑ دیا اور تم نادار تھے اللہ نے تمہیں میرے سبب سے مالدار کیا۔

اس روایت میں یتیمی کے بعد ٹھکانے کو تفرقے کے بعد اُلفت کے وسیع اور عام الفاظ

---

[1] پ۶ المائدۃ ع ۱ [2] صحیح بخاری جلد ۵ صفحہ ۲

میں ذکر کیا ہے۔ پہلی صورت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے حالات سے متعلق تھی لیکن دوسری صورت میں پوری امت کے حال کا بیان ہے۔ قرآن کریم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تین حالتوں کا بیان اور اُن پر تین انعاماتِ الٰہی کا ذکر تھا۔ اس حدیث میں امت کی تین حالتیں بیان کیں اور ان میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سبب تین انعاماتِ الہیّہ کا تذکرہ ہے۔ قرآن کریم اور حدیث کے ملتے جلتے الفاظ وحدت مضمون کا پتہ دے رہے ہیں اور ان انعامات کا (حضور سے آگے گزر کر) امت کو شامل ہوتا بتلاتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ہدایت کی۔ جو راہیں کھولیں، آپ نے ہدایت کی ان راہوں سے پوری امت کو سرفراز فرما دیا اور ارشاد فرمایا :-

فهداكم الله بي

پس اللہ نے تمہیں میرے ذریعہ ہدایت سے سرفراز کر دیا۔

امت کی یہ سرفرازی اما بنعمة ربك فحدث (اور جو نعمت تیرے رب کی ہے سوائے دوسروں سے بیان کر) کا صدقہ اور حدیث کا فیضان تھی۔ سو فَحَدِّثْ کے الفاظ میں حدیث کی قرآنی اصل موجود ہے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث کے پیشِ نظر آیتِ قرآنی اما بنعمة ربك فحدث سے یہ استدلال نکتہ بعد الوقوع کے درجہ میں نہیں رہتا۔

لفظ حدیث قبل از اسلام

حدیث کے معنی بات کے ہیں اور ان معنی میں یہ لفظ قبل از اسلام عام استعمال ہوتا تھا بلکہ اب تک یہ لفظ اپنے لغوی معنی میں بھی شائع اور رائج ہے۔ لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ یہ لفظ انہی باتوں کے مناسب رہا ہے۔ جن کی یاد باقی رہنے کے لائق سمجھی جائے۔ آئی اور گئی بات اس لفظ کا مورد نہیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ پیغمبروں کی باتوں کو اس لفظ سے خاص مناسبت رہی ہے۔ ان کی باتیں باقیات اور آئندہ یاد رکھنے کے لائق ہوتی ہیں۔ قرآن کریم نے پہلے پیغمبروں کی باتوں کو بھی اسی نام سے ذکر کیا ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے مہمانوں کی صورت میں آئے اور قوم لوط پہ عذاب لانے کی خبر دی۔ قرآن کریم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کی اس بات کو ان الفاظ

میں نقل کرتا ہے:۔

هل اتاك حديث ضيف ابراهيم المكرمين[1]

ترجمہ۔ کیا پہنچی تجھ کو حدیث (بات) ابراہیم کے مہمانوں کی جو عزت والے تھے۔

قرآن کریم کے الفاظ هل اتاك (کیا تیرے پاس پہنچی ہے بات) میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ حدیث پہلوں سے پچھلوں کو پہنچنی چاہیئے اور جو باتیں اس لائق ہوں کہ پہلوں سے پچھلوں کو پہنچیں۔ لفظ حدیث ان کے لیئے مناسب لغوی رہنمائی کرتا ہے۔ قرآن کریم حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بات بھی یُوں نقل کرتا ہے:۔

هل اتاك حديث موسیٰ[2]

ترجمہ۔ کیا پہنچی تجھ کو حدیث (بات) موسےٰ کی؟

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی فرمایا کہ آپ اپنے پروردگار کے احسانات کو حدیث میں بیان کرتے رہیں۔

اما بنعمة ربك فحدّث[3]

ترجمہ۔ سو آپ اپنے رب کا احسان آگے حدیث بیان کرتے رہیں۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے عرب میں بدویّت غالب تھی۔ اُمیّین کی کثرت تھی۔ پڑھنے لکھنے کا رواج نہ تھا۔ خاندانوں اور قبائل کے تذکرے مابہ الامتیاز تھے۔ انساب کو یاد رکھنا اور حلیف و حریف کے سامنے اپنے امتیازات کا تحفظ ان کی قومی ضرورت تھی۔ پچھلوں کی باتوں کو یاد رکھ کر آگے نقل کرنا ان کا موضوع علم تھا۔ شعر و سخن کی دلدادگی نے اس تحفظِ روایات کو اور ضروری بنا دیا تھا۔ شعراء عرب کو یاد رکھنے والے اور انساب و قبائل کے ماہرین الرّاویة کے نام سے موسوم ہوتے تھے۔ یہ صُورتِ حال بتلاتی ہے کہ اسلام سے بہت پہلے تحدیث transmission اور روایت عربوں کے مزاج میں داخل کی جا چکی تھی۔ علم الٰہی میں یہ بات طے تھی کہ خدا تعالیٰ کے آخری پیغمبر انہی اُمیّین میں بھیجے جائیں گے اور یہ بھی ضروری تھا کہ اس پیغمبر خاتم کی تمام تعلیمات محفوظ رہیں۔ تاکہ سب آنے والوں کو روشنی بخشیں سو اللہ تعالیٰ

---

[1] پ۲۶ الذاریات ع ۲ [2] پ۳۰ النازعات ع ۱ [3] پ۳۰ والضحیٰ

نے آپ کی بعثت سے صدیوں پہلے عربوں کا قومی مزاج اس طرح کا بنا دیا کہ وہ روایات کے تحفظ اور انہیں آگے روایت کرنے میں اپنی تاریخی سطح قائم رکھیں۔ بلکہ اس میں احتیاط و تثبت اور ضبط و تیقظ کے اور دواعی بھی شامل کریں۔

لفظ حدیث بعد از اسلام

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر کو حِن اُمیین میں بھیجا۔ انہوں نے حلقہ بگوش اسلام ہونے کے بعد اپنے آقا و مولیٰ کی ہر بات اور ادا کو اسی قومی مزاج کے ساتھ یاد رکھا۔ جو صدیوں کی تاریخ میں ان میں راسخ ہو چکا تھا۔ نئے حالات اور نئے تقاضوں سے علم کا ایک نیا باب شروع ہوا یہی علم حدیث ہے۔ جس میں قرآنی تعلیم کے ساتھ ساتھ عربوں کے اس قومی مزاج کو بھی کافی دخل ہے۔ جو عرب میں قبل از اسلام موجود تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے ملک میں مبعوث ہوئے جہاں آپ کی تعلیمات اور شریعت علم کی باقاعدہ تدوین سے پہلے پورے اہتمام اور فکر سے زبانی نقل و روایت میں محفوظ رکھی جا سکیں۔ اس پہلے دور میں گو حدیث لکھنے آغاز ہو چکا تھا۔ لیکن زبانی روایت کا بہر حال غلبہ تھا۔ حدیث اس زبانی روایت کو ہی کہتے تھے۔ جس کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے رفقاء companions کی زندگی تھی۔

دورِ اوّل میں حدیث سے مُراد

اسلام کے پہلے دور میں حدیث کا لفظ حضورؐ کی تعلیمات کے لیئے عام استعمال ہوتا تھا۔ قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث کے الفاظ بھی دینی سرچشمہ ہدایت کے طور پر عام رائج تھے۔ ① آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اپنی تعلیمات کے لیئے لفظ حدیث استعمال فرمایا۔ ② آپ کے سامنے بھی یہ الفاظ ان معنوں میں استعمال ہوتے رہے۔ ③ صحابہ کرامؓ بھی اسے ان معنوں میں استعمال کرتے رہے اور ④ تابعینؒ اور ائمہ مجتہدین کے ہاں بھی اس لفظ کا استعمال عام رہا اور ان تمام اُمور پر قرنِ اوّل کی قوی شہادتیں موجود ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث سرچشمہ ہدایت کے طور پر کسی دور متاخر کی ایجاد نہیں۔ یہ لفظ اسلام کے دور اول میں اپنی اسی دینی دلالت

کے ساتھ پوری طرح شائع اور موجود رہا ہے۔

لفظِ حدیث حضورؐ کی زبان مبارک میں

(۱) آنحضرتؐ نے ایک دفعہ حضرت ابوہریرہؓ (۵۷ھ) سے فرمایا:۔

لقد ظننت یا ابا ھریرۃ ان لا یسألنی عن ھٰذا الحدیث احد اول منك لما رایت من حرصك علی الحدیث۔[1]

ترجمہ۔ اے ابوہریرۃ بے شک میرا گمان یہی تھا کہ کوئی شخص تم سے پہلے مجھے اس حدیث کے بارے میں نہ پوچھے گا۔ کیونکہ تمہاری حدیث کی طرف رغبت کو میں جانتا تھا۔

اس حدیث میں حضورؐ نے اپنے ارشاد کو لفظ حدیث سے بیان فرمایا ہے۔ آپ کا انداز بیان بتلا رہا ہے کہ ان دنوں یہ لفظ اپنے ان معنوں میں عام استعمال ہوتا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ کی طلب اور حرص یہ بھی بتلاتی ہے کہ حدیث ان دنوں قانونِ اسلامی کے ماخذ اور دین کا سرچشمہ علم ہونے کی حیثیت سے مسلم تھی اور صحابہ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ پوری محنت سے اسکی حفاظت کی جائے۔ اسے اچھی طرح سمجھا جائے اور یاد رکھا جائے۔ حدیث کی یہ اہمیت پیشِ نظر نہ ہوتی تو صحابہ کرامؓ حدیث کی طلب اور اسے یاد رکھنے کی فکر میں یہ انداز اختیار نہ کرتے۔

(۲) حضرت زید بن ثابتؓ (۴۵ھ) کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

نضّر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فحفظه حتی یبلغه غیرہ۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو تازگی بخشیں جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی۔ اسے یاد رکھا۔ یہاں تک کہ اسے کسی دوسرے تک پہنچایا۔

اس ارشاد میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو لفظ حدیث سے ذکر فرمایا ہے اور اس کی حفاظت کرنے اور اسے آگے پہنچانے کی ترغیب دی ہے۔

(۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا:۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۶ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۰

من حدّث عنی بحدیث یرٰی انه کذب فھو احد الکاذبین[1]

ترجمہ: جس نے میرے نام سے کوئی حدیث روایت کی اور اسے پتہ ہو کہ یہ جھوٹ ہے (یعنی وہ بات میں نے نہ کہی ہو) تو وہ ایک جھوٹ بولنے والا آدمی ہے۔

اس روایت میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو لفظ حدیث سے ذکر فرمایا اور یہ بھی بتلایا کہ کوئی شخص گو خود مجھ پر کوئی جھوٹ نہ باندھے۔ لیکن کسی شخص کے باندھے جھوٹ (موضوع روایت) کو میرے نام سے روایت کرے۔ تو اسے اس لیئے نظر انداز نہ کیا جائے گا۔ کہ دروغ بر گردنِ راوی بلکہ وہ بھی جھوٹ باندھنے والوں میں سے ایک شمار ہوگا اور اسے وہی گناہ ہوگا جو مجھ پر جھوٹ باندھنے کا گناہ ہے۔ جو لوگ اس جھوٹ کو آگے لے جائیں۔ وہ سب کاذبین (جھوٹے) شمار ہوں گے۔ بہرحال اس روایت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بات کو جو آگے بیان ہوگی لفظ حدیث سے ذکر کیا ہے۔

(۴) حضرت ابن عباسؓ (۶۸ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اتقوا الحدیث عنی الا ما علمتم[2]

ترجمہ: مجھ سے حدیث بیان کرنے میں پرہیز کرو۔ مگر وہی جسے تم اچھی طرح جانتے ہو۔

یعنی پورے علم اور وثوق کے بغیر مجھ سے کوئی بات آگے روایت نہ کرو۔ اس میں اگر احتیاط نہ کی جائے تو دین کے بگڑنے کا اندیشہ ہے۔

(۵) حضرت مقداد بن معدی کربؓ (۸۷ھ) کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یوشک الرجل متکئا علی اریکته یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا و بینکم کتاب اللہ[3]

ترجمہ: ہوسکتا ہے کہ (تمہیں) ایک شخص اپنے کاؤچ سے تکیہ لگائے ہوئے ملے اسے میری حدیثوں میں سے کوئی حدیث سنائی جائے تو وہ کہے کہ ہمارے اور تمہارے مابین بس اللہ کی کتاب کافی ہے (یعنی حدیث کی ضرورت نہیں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی آپ کی تعلیمات کو حدیث کہا جاتا تھا اور اسے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۶ [2] رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۵ [3] سنن ابن ماجہ صفحہ ۳

اسلام کے سرچشمہ علم کی حیثیت سے ذکر کیا جاتا تھا۔ ان دنوں اس ماحول میں ان معنوں میں اسی لفظ کا استعمال عام رہا ہے۔

لفظ حدیث حضورؐ کے سامنے صحابہؓ کی زبان سے

(۱) حضرت ابو سعید خدریؓ (۴۷ھ) کہتے ہیں کہ ایک خاتون حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کی:۔

ذهب الرجال بحديثك فاجعل لنا من نفسك يوما ناتيك فيه تعلمنا بما علمك الله[1]

ترجمہ۔ مرد تو آپ کی حدیثیں لے جاتے ہیں۔ آپ ہمارے لیئے بھی کوئی دن مقرر فرماویں ہم آپ کے پاس اس دن آیا کریں اور اللہ تعالیٰ نے جو آپ کو بتلایا ہے آپ ہمیں بھی پڑھا دیا کریں۔

اس روایت سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور آپ کے ارشادات کو حدیث کہا جاتا تھا۔ وہاں یہ بھی معلوم ہوا کہ حدیث کا سرچشمہ اللہ کی ذات ہے۔ آپ جو کچھ فرماتے اللہ تعالیٰ کے بتلانے سے بتلاتے اور یہ بات صحابہ کرامؓ کے ہاں تسلیم شدہ تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حدیث میں وہی رہنمائی پیش فرماتے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے قلب میں القاء کی جاتی۔ حدیث میں بھی ربّانی ہدایت Divine element شامل تھی۔

(۲) حضرت ابوہریرہؓ (۵۸ھ) نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عرض کی:۔

انى اسمع منك حديثا كثيرا انساه[2]

ترجمہ۔ میں آپ سے بہت حدیثیں سنتا ہوں جنہیں بھول جاتا ہوں۔

اس پر آپ نے فرمایا۔ اپنی چادر پھیلاؤ۔ میں نے پھیلا دی۔ آپ نے ہاتھوں سے اس میں کوئی چیز ڈالی اور فرمایا اسے لپیٹ لو۔ میں نے اسے لپیٹ لیا۔ اس کے بعد میں کبھی نہیں بھولا۔

ان روایات میں حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات کے لیئے صریح طور پر حدیث

---

[1] صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۱۴ مصر [2] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱ دہلی

کا لفظ ملتا ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی احادیث کی آگے نشر و اشاعت کو پسند فرماتے تھے۔ آپ اپنی تعلیمات کو صحابہ تک کے لیئے کافی سمجھتے تو انہیں یاد رکھنے کے لیئے اس قدر توجہ نہ دلاتے۔ حضرت ابو ہریرۃؓ کو فرما دیتے کہ اس پر عمل کر لو۔ پھر انہیں بھول جاتے میں کوئی نقصان نہیں۔ آپ کا حضرت ابو ہریرۃؓ کی یادداشت کے لیئے یہ روحانی تصرف اور دعا اس بات کا پتہ دیتے ہیں کہ آپ کو یہ بات پسند تھی کہ آپ کی حدیثیں یاد رکھی جائیں اور آگے روایت کی جائیں۔ آپ کے بعد کسی اور مرکز ملت کی ضرورت ہوتی تو آپ حفظ حدیث کے لیئے یہ اہتمام ہرگز نہ فرماتے۔ صحابہؓ کا لفظ حدیث کے لیئے یہ اہتمام دین میں حدیث کی اصولی حیثیت کو واضح کر رہا ہے۔

(۳) ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کہتی ہیں کہ ہم حضورؐ کی باتیں آپس میں کرتی تھیں۔ اسے آپ نے حدیث سے ذکر کیا اور حضورؐ کے سامنے بھی اسے اسی طرح بیان کیا۔

انا قد تحدثنا انك ناكح درة بنت ابى سلمة[1]

ہم آپس میں باتیں کر رہی تھیں کہ آپؐ ابو سلمہ کی بیٹی درہ سے نکاح کرنے والے ہیں
حضورؐ نے فرمایا ایسا نہیں اس کا باپ ابو سلمہ میرا رضاعی بھائی ہے یعنی
اس جہت سے درہ میری بھتیجی ٹھہرتی ہے اور اس سے نکاح نہیں ہو سکتا ہے

ذخیرہ حدیث میں اس قسم کی متعدد روایات ملتی ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی تعلیمات اور آپ کے ارشادات کو حدیث کہتے تھے۔ انہیں یاد رکھتے، انہیں آگے روایت کرتے اور دین میں انہیں اصولی طور پر سرچشمہ ہدایت یقین کرتے تھے صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی آپ کی تعلیمات اور آپ کی روایات کو حدیث ہی کہتے رہے اور اس کی روایت میں پوری فکر اور احتیاط کی تلقین کرتے رہے۔

لفظ حدیث حضورؐ کے بعد صحابہؓ کی زبان سے

(۴) حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) روایت حدیث میں اپنے زیادہ محتاط ہونے کی وجہ

---

[1] صحیح بخاری کتاب النکاح جلد ۲ صفحہ ۷۶۵

بیان فرماتے ہیں :۔

انه ليمنعني ان احدثكم حديثاً كثيراً ان النبي صلى الله عليه وسلم قال من تعمد على كذبا فليتبوأ مقعده من النار[1]

ترجمہ ۔ یہ بات مجھے زیادہ حدیثیں روایت کرنے سے روکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا جس نے مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

(۲) فقیہہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) فرماتے ہیں :۔

اذا حدثتم بالحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم فظنوا به الذي هو اهيأ والذي هو اهدى والذي هو اتقى[2]

ترجمہ ۔ جب تمہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث پہنچے تو اس کا وہی مفہوم و مراد لو جو بہترین ہو جو زیادہ صحیح ہو اور جس میں سب سے زیادہ اللہ کا خوف ہو۔

اس روایت میں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو صریح لفظوں میں حدیث تلایا گیا ہے۔ وہاں یہ بھی تاکید کی گئی ہے کہ اس کے مطالب اخذ کرنے میں علم و ہدایت اور تقوے کے سارے اصول ملحوظ رہنے چاہئیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی حدیثیں اگر قانونی طور پر سند اور حجت نہ سمجھی گئی ہوتیں، تو ان کی روایت میں یہ احتیاط اور ان کے مطالب اخذ کرتے میں یہ محنت و خشیت کبھی ملحوظ عمل نہ رہتیں۔

(۳) ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ (۶۸ھ) فرماتے ہیں :۔

انا كنا نحفظ الحديث والحديث يحفظ عن رسول الله صلى الله عليه وسلم[3]

ترجمہ ۔ ہم حدیث زبانی یاد کیا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث محفوظ کی جاتی تھی۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۱ [2] سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۴۵ [3] سنن ابن ماجہ جلد ۱ ص ۴

حضرت ابن عباسؓ صرف اپنے بارے میں نہیں کہہ رہے کہ وہ حدیث یاد رکھتے تھے، بلکہ آپ عام صحابہؓ کے بارے میں کہہ رہے ہیں کہ وہ سب حدیث یاد کرنے میں منہمک تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث یاد کرنے اور انہیں حضورؐ سے نقل transmission کرنے کا ان دنوں پورا اہتمام تھا۔ صحابی جب صیغہ جمع سے کسی بات کی خبر دے تو اس سے عام صحابہؓ کا عمل مراد ہوتا ہے۔

دورِ اوّل میں لفظ حدیث کے عام استعمال پر اہل السنۃ والجماعت محدثین کی یہ چند شہادتیں ہیں۔ آیئے اب شیعہ محدثین کے ہاں بھی اس کی اصولی تائید دیکھیں۔ ان دونوں طبقوں میں اعتقادی اختلافات اصولی درجے کے ہیں، لیکن حدیث کے بارے میں ان کا یہ توافق پتہ دیتا ہے کہ حدیث اسلام کے اصول قطعیہ میں ہمیشہ سے مسلّم رہی ہے اور مسلمانوں کے انتہائی مختلف طبقوں میں بھی اس موضوع پر ہمیشہ اتفاق رہا ہے۔ سنّی شیعہ اختلافات زمین وآسمان کا فاصلہ رکھتے ہیں۔ مگر لفظِ حدیث ان کے ہاں بھی اسی عام معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔

شیعہ محدّثین کے ہاں لفظ حدیث

(۱) شیخ صدوق ابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سوال کے جواب میں کہ آپ کے خلفاء کون ہوں گے۔ فرمایا:۔

الذین یأتون من بعدی ویروون حدیثی وسنّتی۔[1]

ترجمہ۔ جو لوگ میرے بعد آئیں گے اور میری حدیثیں اور سنّتیں روایت کریں گے وہ میرے خلفاء ہوں گے۔

اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے لفظ حدیث منقول ہے۔ اور حضورؐ

---

[1] معانی الاخبار ص۳۷۵ قلت اخرجہ ابونعیم والطبرانی (اخبار اصبہان جلد ۱ ص۸۱ مجمع الزوائد جلد ۱ ص۱۲۶) وذکرہ الغزالی فی احیاء العلوم جلد ۱ ص۱۱ وعیاض القاضی فی الالماع الی معرفۃ اصول الروایۃ وتقیید السماع (باب فی شرف الحدیث) ومتن الحدیث۔ اللھم ارحم خلفائی قلنا یارسول اللہ ومن ھم خلفاءک؟ قال الذین یاتون من بعدی ویروون احادیثی وسنّتی۔

اس بات کو پسند فرما رہے ہیں۔ کہ ان کی حدیث آگے transmit کی جائے۔ اگر حدیث کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد قانونی سند حاصل نہ ہوتی۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اس کی روایت کی ترغیب نہ دیتے۔ یہ نہ فرماتے تھے کہ اسے آگے پہنچایا جائے۔

(۲) ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے ایک حدیث کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزارش کی:۔

اعد علیّ حدیثك یا رسول اللہ[1]

ترجمہ۔ اے اللہ کے رسول اپنی حدیث ایک بار پھر میرے لئے بیان فرمائیں۔

حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کے لئے خود حضورؐ کے سامنے لفظِ حدیث اپنے انہی معنی میں استعمال فرمایا ہے جن معنی میں یہ لفظ محدثین کے ہاں عام استعمال ہوتا ہے۔

(۳) حضرت علی مرتضیٰؓ حدیث کا لفظ خود بھی ان معنوں میں عام استعمال کرتے تھے۔ ایک دفعہ آپ نے روایت میں احتیاط برتنے کی تلقین کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

انما اتاکم الحدیث من اربعة لیس لھم خامس (۱) رجل منافق یظھر الاسلام متصنع بالاسلام لایتأثم ولا یتحرج ان یکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... (۲) ورجل سمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیاء لم یحملہ علی وجھہ ووھم فیہ ولم یتعمد کذبًا ...... (۳) ورجل ثالث سمع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شیاءً امر بہ ثم نھی عنہ وھو لا یعلم او سمعہ ینھٰی عن شیء ثم امر بہ وھو لا یعلم فحفظ منسوخہ ولم یحفظ الناسخ ..... (۴) وآخر رابع لم یکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ مبغض للکذب خوفًا من اللہ وتعظیمًا لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ لم ینسہ بل حفظ ما سمع علی وجھہ[2]

---

[1] فروع کافی جلد ۳ صفحہ ۲۵۳ [2] اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۶۲، ۶۳

ترجمہ. حدیث تمہیں چار آدمیوں سے ہی ملے گی ان کا پانچواں کوئی نہ ہوگا. ایک وہ شخص جو منافق ہے ظاہراً مسلمان ہے. اسلام کا لبادہ اوڑھے ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ باندھنے میں کوئی گناہ اور حرج نہیں سمجھتا ——— دوسرا وہ شخص جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اور اسے اپنے محل پر محمول نہ کیا اس میں وہم آگیا اور اس نے عمداً آپ پر جھوٹ نہیں باندھا. ——— تیسرا وہ شخص ہے جس نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات سنی، جس کا آپ نے حکم دیا اور پھر آپ نے اس سے منع فرمادیا اور اسے اس کا علم نہیں یا اس نے سنا حضور کو کسی بات سے روکتے ہوئے اور پھر آپ نے اس کا امر فرمادیا اور اسے اس کا علم نہیں. اس نے منسوخ کو تو یاد رکھا اور ناسخ کو نہ پا سکا ——— اور چوتھا شخص وہ ہے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ نہیں باندھا جھوٹ کے وہ خلاف رہا. اللہ سے ڈرتا اور حضورؐ کی تعظیم کرتا رہا. آپ نے جو فرمایا اسے بھولا نہیں، بلکہ اسے اسی طرح یاد رکھا. جس پہلو سے آپ نے اس کی تعلیم فرمائی تھی۔

ان روایات سے پتہ چلا کہ شیعہ محدثین کے ہاں بھی دورِ اوّل میں لفظ حدیث کا استعمال ان تینوں صورتوں میں موجود تھا اور حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے متن Text کی حیثیت سے اس دور میں پوری طرح معروف اور ہر طبقہ خیال میں پوری متعارف تھی۔

دیکھئے اس روایت میں حضرت علیؓ صریح طور پر حضورؐ کی تعلیم کے لئے حدیث کا لفظ استعمال فرما رہے ہیں۔

دورِ آخر میں لفظ حدیث سے مراد

جب علم حدیث کتابوں اور تحریرات میں مدون ہو گیا تو اسے زبانی یاد رکھنے اور اس کی نقل و روایت میں اس محنت کی ضرورت نہ رہی جو اس علم کی باقاعدہ تدوین سے پہلے دینی اور علمی نقطۂ نظر سے بہت ضروری تھی. لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ زبانی نقل و روایت کی

اصولی حیثیت باقی نہ رہی تھی۔ بلکہ یہ حقیقت ہے کہ یہ تحریرات حدیث اپنے پورے تحفظ کے ساتھ ساتھ زندہ استادوں سے زندہ شاگردوں تک منتقل ہوتی تھیں اور دین قیم کا علمی ذخیرہ بیان و روایت کی پوری شان اور حفظ و ضبط کے پورے اہتمام کے ساتھ آگے بڑھتا رہا ہے۔

لیکن حالات کی اس فطری گردش اور تحریرات حدیث کی اس اصولی سہولت نے محض زبانی یادداشت کو پیچھے چھوڑ دیا اور پھر ایک ایسا دور آیا کہ حدیث سے مراد یہی تحریرات حدیث Documentary evidence مراد لی جانے لگیں اور پھر اسلامی قانونی بحثوں legal decisions میں یہی تحریرات بطور حجت و سند کافی سمجھی جانے لگیں اور یہ ضرورت نہ رہی کہ ان کے ساتھ زبانی تحدیث کا پہلو بھی شامل رہے یہ دور آخر کی اصطلاح ہے کہ حدیث سے حدیث کے علاوہ تحریرات حدیث بھی مراد لی جانے لگیں۔ حدیث کا دور اوّل اور دور آخر کا یہ تعارف آپ کے سامنے ہے۔

علماء اصول اور علماء حدیث کی اصطلاح میں ایک فرق

ملحوظ رہے کہ علماء اصول فقہ حدیث کو حضورؐ کے اقوال، افعال اور آپ کی تقریر میں محدود سمجھتے ہیں۔ آپ کے ان حالات کو جو شریعت اور قانون کا عنوان نہیں بنتے (جیسے آپ کا حلیہ مبارک، ولادت اور وفات کے واقعات وغیرہا من الامور الغیر الاختیاریۃ) حدیث کے تحت داخل نہیں کرتے۔ لیکن یہ صرف علماء اصول کا موقف ہے۔ محدثین کے ہاں یہ سب امور بھی حدیث کے تحت داخل ہیں اور وہ انہیں باقاعدہ روایت کرتے ہیں۔ علامہ طاہر بن صالح الجزائری نے توجیہ النظر فی اصول الاثر میں اس پر تنبیہ کی ہے۔

حدیث کے لیے چند اور متقارب الفاظ

ابتدائی دور میں حدیث کے لیے اثر اور خبر کے الفاظ بھی لے آتے تھے۔ لیکن بعد میں ان میں بھی کچھ فرق کیا جانے لگا۔ بعض علماء حضورؐ کی بات کے لیے حدیث کا لفظ اور صحابہؓ کی بات کے لیے اثر کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ امام غزالیؒ نے احیاء علوم الدین میں یہی طریق اختیار کیا ہے

لیکن امام طحاویؒ شرح معانی الآثار اور مشکل الآثار میں اثر کا لفظ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور صحابہؓ کی روایات کے لیئے بھی برابر کا استعمال کرتے ہیں۔ علامہ نوویؒ لکھتے ہیں کہ جمہور علماء کے نزدیک حدیث اور اثر میں کوئی فرق نہیں ہے۔[1]

لفظ سنّت کا استعمال

حدیث اپنے عمل کے پہلو سے سنّت Sunnah کہلاتی ہے اور یہ اطلاق ہر مکتب فکر میں عام رہا ہے۔ سنّت کے لفظی معنی راہِ عمل کے ہیں۔ اسے واضحہ (شاہراہ) بھی کہا گیا ہے۔[2] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طریقِ عمل کے لیئے خود بھی لفظ سُنّت استعمال کیا ہے۔

حضورؐ کی زبان مبارک سے

(۱) حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اصوم وافطر واصلی وارقد واتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی[3]

ترجمہ: میں روزے رکھتا اور چھوڑتا بھی ہوں، تہجد بھی پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں اور نکاح بھی کیئے ہیں۔ جو میری سنّت سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں۔

اس حدیث میں آپ نے اپنے طریق کو سنّت کے لفظ سے بیان فرمایا ہے۔ اور یہ بھی بتلایا ہے کہ سنّت اس لیئے ہے کہ امت کے لیئے نمونہ ہو اور وہ اسے سند سمجھیں۔ جو آپ کے طریقے سے منہ پھیرے اور اسے اپنے لیئے سند نہ سمجھے وہ آپ کی جماعت میں سے نہیں ہے۔

(۲) ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے کہ

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم بعث الی عثمان بن مظعون فجاءہ فقال

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۲۳ [2] ایھا الناس قد سننت لکم السنن وفرضت لکم الفرائض وترکتم علی الواضحۃ موطا امام مالک صـ ۳۴۹ کتاب الحدود۔ [3] صحیح بخاری جلد ۲ صـ ۲

يا عثمان أرغبت عن سنتي قال لا والله يارسول الله ولكن سنتك اطلب قال فاني انام واصلي واصوم وافطر[1]

ترجمہ۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کو حضرت عثمان بن مظعونؓ کے بلانے کے لیئے بھیجا حضرت عثمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ نے کہا اے عثمان کیا تم میری سنّت سے ہٹنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا نہیں خدا کی قسم اے اللہ کے رسول بلکہ میں آپ کی سنّت کا طلب گار ہوں۔ آپ نے فرمایا میں سوتا بھی ہوں اور نماز کے لیئے جاگتا ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں اور انہیں چھوڑتا بھی ہوں۔

(۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال بن حارث کو فرمایا:۔

من احيى سنة من سنتي قد اميتت بعدي كان له من الاجر مثل من عمل بها من غير ان ينقص من اجورهم شيئا ومن ابتدع بدعة ضلالة لا يرضاها الله ورسوله كان عليه مثل آثام من عمل بها لا ينقص ذلك من اوزار الناس شيئا[2]

ترجمہ۔ جس نے میری کوئی سنّت زندہ کی جو میرے بعد چھوڑ دی گئی ہو تو اسے ان تمام لوگوں کے برابر اجر ملے گا جو اس پر عمل کریں گے۔ بغیر اس کے کہ عمل کرنیوالوں کے اجر میں کوئی کمی ہو اور جس نے کوئی غلط راہ نکالی جس پر اللہ اور اس کے رسُول کی رضامندی موجود نہیں تو اسے ان تمام لوگوں کے گناہوں کا بوجھ ہوگا جو اس پر عمل کریں گے۔ بغیر اس کے کہ اُن کے بوجھ میں کوئی کمی آئے۔

اس حدیث میں دین کی فروعی باتوں کو بھی سنّت کہا ہے اور انہیں زندہ رکھنے کی تلقین کی ہے۔ دین اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور اس کے اصول ہمیشہ زندہ رہنے چاہئیں۔ ان پر کبھی موت نہیں آسکتی۔ اسلام کا تاریخ کے ہر دور میں قائم و باقی رہنا ضروری ہے اور یہی اس کی مسلسل زندگی ہے۔ ایک فرع دب گئی تو دوسری ضرور زندہ ہوگی۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ اصول کی تمام کڑیاں ایک ایک کرکے ٹوٹتی جائیں۔ ہاں یہ ہوسکتا ہے کہ ایک فرع دبنے لگے اور اس پر عمل

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۵۱۳ [2] ہذا حدیث حسن۔ جامع ترمذی جلد ۲ ص ۹۲

ترک ہو جائے۔ لیکن اسے پھر سے زندہ کرنے کا اسلام میں پورا اہتمام کیا جائے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایت اسے پھر سے زندہ کرنے کی ایک بڑی بشارت ہے۔ ناممکن ہے کہ کل مسلمان کسی سنت سے ناآشنا ہیں۔ امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:۔

نعلم ان المسلمین کلھم لا یجھلون السنة۔[1]

ترجمہ۔ ہم یقینی طور پر جانتے ہیں کہ سارے کے سارے مسلمان کبھی بھی سنت سے ناآشنا نہیں رہ سکتے۔

سنّت کے مقابل بدعت اور ہر بدعت ضلالت

مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ سنت کے بالمقابل بدعت ضلالت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو ایک دوسرے کے مقابلے میں ذکر فرمایا ہے۔ دونوں کے درمیان بدعت حسنہ کا کوئی درجہ ہوتا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اسے ضرور بیان فرما دیتے۔ آپ نے ہر بدعت کو گمراہی فرمایا ہے۔ سو بدعت حسنہ کوئی چیز نہیں۔ ورنہ یہ اس کا موقع بیان تھا۔ امت میں کوئی غلطی راہ پا جائے تو مجددین کرامؒ اس کے ازالہ میں کوشش فرماتے ہیں اور بات کی وضاحت کر دیتے ہیں۔ حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی سیدنا شیخ احمد سرہندیؒ فرماتے ہیں:۔

> گفتہ اند کہ بدعت بر دو نوع است حسنہ و سیئہ۔ حسنہ آں عمل نیک را گویند کہ بعد از زمان آں سرور وخلفائے راشدین علیہ وعلیہم الصلوٰت اتمہا ومن التحیات اکملہا پیدا شدہ باشد و رفع سنت نہ نماید و سیئہ آنکہ رافع سنت باشد۔ ایں فقیر در ہیچ بدعتی ازیں بدعتہا حسن ونور مشاہدہ نمے کند وجز ظلمت وکدورت احساس نمی نماید۔ اگر فرضاً عمل مبتدع را امروز بواسطۂ ضعف بصارت بطراوت ونضارت بیند۔ فردا کہ حدید البصر گردند دانند کہ جز خسارت وندامت نتیجہ نداشت...... پس ہرگاہ ہر محدث بدعت باشد وہر بدعت ضلالت پس معنی حسن در بدعت چہ بود وایضاً آنچہ از احادیث مفہوم می گردد آنست کہ ہر بدعت رافع سنت است۔ تخصیص بہ بعض ندارد پس ہر بدعت سیئہ بود۔[2]

---

[1] کتاب الأم جلد ۷ ص ۲۶۵ [2] دفتر اوّل ص ۱۸۶

ترجمہ۔ کہتے ہیں بدعت کی دو قسمیں ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ بدعت حسنہ اس نیک عمل کو کہتے ہیں جو آں سرور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور خلفائے راشدینؓ کے بعد پیدا ہوا ہو اور اس سے کوئی سنّت ختم نہ ہوتی ہو۔ اور بدعتِ سیئہ اس بدعت کو کہتے ہیں جس سے کسی سنت کا اٹھنا لازم آئے۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت میں حسن اور کسی قسم کی روشنی نہیں دیکھتا اور سوائے اندھیرے اور تاریکی کے اس میں کچھ محسوس نہیں کرتا۔ فرض کیجئے کہ بدعتی کا عمل اگر آج (دینی) نظر کی کمزوری کی وجہ سے پُر رونق اور تازہ نظر آتا ہے۔ کل جب کہ نظر تیز ہوگی۔ سوائے نقصان اور شرمندگی کے اور کچھ حاصل نہ آئے گا۔

...... پس جب کہ (دین میں) ہر نئی چیز بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ سو بدعت میں حسن کا کیا مطلب؟ اور جو کچھ احادیث سے سمجھ آتا ہے۔ یہ ہے کہ ہر بدعت کسی نہ کسی سنّت کو اُٹھانے والی ہے۔ یہ بعض بدعتوں سے مخصوص نہیں۔ سو ہر بدعت سیئہ ہے[1]۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بدعت ضلالہ کی پہچان یہ بتلائی۔ کہ اس پر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رضامندی موجود نہ ہوگی۔ پس ہر دینی کام جس پر خدا اور اس کے رسول پاکؐ کی سند موجود نہیں۔ بدعت ضلالہ ہے۔

اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ سنّت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی حجت اور سند ہے۔ اور امّت کو اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ اگر کوئی سنّت ترک ہونے لگے تو اسے پھر سے زندہ کرنا بہت بڑا عمل ہے۔ جو بہت لائق اجر و ثواب ہے۔ اس حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی راہِ عمل کو لفظ سنّت سے بیان کیا ہے۔ آپ ایک اور حدیث میں فرماتے ہیں:۔

(۴) ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ نبیہ[2]۔

ترجمہ۔ میں تم میں دو چیزیں چھوڑ چلا ہوں۔ جب تک تم ان سے تمسک کروگے۔ گمراہ نہ ہوگے اللہ کی کتاب اور اس کے نبی کی سُنّت۔

---

[1] مکتوبات مجدد الف ثانی ج۱ ص۱۸۶ ورجع لہ مکتوب ۲۳ ج۲ ص۳۸ ومکتوب ۵۴ ج۲ ص۱۰۳ کما فی معالم السنن للخطابی جلد ۴ ص۳ [2] موطا امام مالک ص۳۶۳

اس حدیث میں بھی حضورؐ نے اپنے طریقِ عمل کو لفظ سنت سے بیان کیا ہے اور اسے اپنے بعد کے لیے بھی حجت عمل اور سند قرار دیا ہے۔

(۵) حضرت عرباض بن ساریہؓ (۷۵ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے بعد تم بہت سے اختلافات دیکھو گے اور لوگ نئی نئی باتیں نکال لیں گے۔

فمن ادرك ذلك منكم فعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين۔[1]

ترجمہ۔ تم میں سے جو ان حالات کو پائے اسے چاہیئے کہ میری سنت اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدینؓ کی سنت کو لازم پکڑے۔

خلفاء راشدینؓ کا دور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور کے بعد آتا ہے۔ اور یہ دور آزمائش تو خلفاء راشدینؓ کے بھی بہت بعد کا ہے۔ پس جب اس دور میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت واجب العمل اور سند تمسک تھی۔ تو معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت صرف آپ کے صدر مملکت یا امیر سلطنت ہونے کی حیثیت سے نہ تھی۔ بلکہ اس لیے تھی کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ خلفائے راشدینؓ کی پیروی بھی صرف ان کے منصب خلافت کی وجہ سے نہ تھی۔ بلکہ ان کے تعلق بالرسالۃ کی اساس پر تھی۔ ان کے اعمال اور فیصلوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی ہی سنک اور آپ کی بعض مجمل ہدایات کی ہی تفصیل اور تعمیل تھی۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لفظ سنت کے اس استعمال کو صرف خلفائے راشدینؓ کے لیئے ہی خاص نہیں رکھا۔ اسے دوسرے صحابہؓ کی طرف بھی نسبت فرمایا۔

سنّت کی نسبت دوسرے صحابہؓ کی طرف

آپ کو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ایک عمل کی اطلاع ملی۔ آپ نے اسے ان الفاظ میں پروانۂ منظوری دیا۔

ان ابن مسعود سن لكم سنة فاستنوا بها۔[2]

ترجمہ۔ بیشک ابن مسعودؓ نے تمہارے لیئے ایک سنت قائم کی ہے تم اس پر چلو۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲ سنن ابی داؤد [2] المصنف لعبد الرزاق جلد ۲ صفحہ ۲۲۹

ایک دفعہ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کے ایک عمل کے بارے میں فرمایا :۔

ان معاذا قد سن لکم سنة کذلك فافعلوا [۱]

ترجمہ: بے شک معاذؓ نے تمہارے لیئے ایک سنّت قائم کر دی ہے۔ اسی طرح تم اس پر عمل کرو۔

اس قسم کی روایات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح طور پر لفظ سنّت دوسرے صحابہؓ کے لیئے استعمال کیا ہے۔ پھر صحابہ کرامؓ بھی اکابر صحابہؓ کے عمل وفیصلے پر سنّت کا لفظ بولتے تھے۔

لفظ سنّت کا استعمال صحابہؓ کی زبان سے

صحابہ کرامؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر طور و طریق اور قول و عمل کو اپنے لیئے سنّت اور راہِ عمل سمجھتے تھے۔ ان کے ہاں حضورؐ کی پیروی صرف ان کے امیر سلطنت ہونے کی حیثیت سے ہوتی تو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کے طریقِ عبادت کو اپنے لیئے سند اور سنّت نہ سمجھتے۔ صحابہؓ نے تو اکابر صحابہ کرامؓ کے عمل کے لیئے بھی لفظ سنّت استعمال کیا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ کی علمی شخصیتوں سے کون واقف نہیں۔ حضرت عمرؓ نے کوفہ میں چھاؤنی قائم کی۔ تو وہاں عام آبادی نے بھی جگہ پائی۔ پھر آپ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو وہاں معلم بنا کر بھیجا اور آپ نے وہاں ایک عظیم درسگاہ قائم کی۔ پھر حضرت علیؓ بھی اپنے عہدِ خلافت میں وہاں جا آباد ہوئے۔ ان دونوں حضرات کے ہاں لفظ سنّت انہی معنوں میں رائج اور مستعمل تھا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ایک موقعہ پر فرماتے ہیں :۔

ولو انکم صلیتم فی بیوتکم کما یصلی هذا المتخلف لترکتم سنة نبیکم ولو ترکتم سنة نبیکم لضللتم [۲]

ترجمہ۔ اور اگر تم اپنے گھروں میں نماز پڑھ لیا کرو جیسا کہ یہ پیچھے رہ جانے والا کر رہا ہے تو تم اپنے نبی کی سنّت چھوڑ دو گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنّت

---

[۱] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۸۴ [۲] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۳۲

چھوڑ دی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے عمل کے لیے سنت کا لفظ

حصین بن المنذر ابو ساسان (ھ) کہتے ہیں کہ جب ولید کو حد مارنے کے لیے حضرت عثمانؓ کے پاس لایا گیا تو میں وہاں موجود تھا۔ آپ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کو حکم دیا کہ ولید کو کوڑے لگائیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے حضرت حسن سے کہا کہ وہ کوڑے لگائیں۔ انہوں نے عذر کیا تو پھر آپ نے عبداللہ بن جعفرؓ سے کہا کہ وہ ولید پر حد جاری کریں۔ حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کوڑے لگاتے جاتے تھے اور حضرت علیؓ گنتے جاتے تھے۔ جب چالیس ہوئے تو حضرت علیؓ نے فرمایا "بس یہیں تک" اور فرمایا:-

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین و ابوبکر اربعین و عمر ثمانین وکل سنۃ [1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (شراب پینے والے پر) چالیس کوڑوں کا حکم فرمایا۔ حضرت ابوبکرؓ بھی چالیس کوڑوں کا ہی حکم دیتے رہے۔ حضرت عمرؓ نے اسی کوڑوں کا حکم دیا اور ان میں سے ہر ایک حکم سنت شمار ہوگا۔

اس روایت میں جہاں اس بات کی شہادت ملتی ہے کہ حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت تک حضرت علیؓ خلفائے ثلثہ کے ساتھ امور سلطنت میں برابر شریک رہتے تھے اور حضرت عمرؓ کے عمل کو سنت تک کا درجہ دیتے تھے۔ وہاں اس بات کی بھی پوری تائید ملتی ہے کہ لفظ سنت اس دور میں اکابر صحابہؓ کے عمل تک کو بھی شامل تھا۔

خلفائے راشدینؓ کے عمل کے لیے سنت کا لفظ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے بھی خلفائے راشدینؓ کے عمل پر لفظ سنت اطلاق فرمایا ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ (ھ ، ھ) کی روایت آپ پڑھ آئے ہیں۔ کہ

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۲

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

فمن ادرك ذلك منكم نعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين[1]

ترجمہ: جو تم میں سے یہ زمانہ پائے اسے لازم ہے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑے۔

امت میں خلفاء راشدین کے عمل کے لیے سنّت کا لفظ عام شائع و ذائع ہے اور اسے امت اپنے قانونی ابواب میں ہمیشہ سے سند تسلیم کرتی آئی ہے۔

شیعہ محدثین کے ہاں لفظ سنّت

ملّا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) روایت کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من رغب عن سنّتي فليس منّي[2]

ترجمہ: جس نے میری سنّت سے منہ پھیرا، وہ میری امت میں سے نہیں۔

شیخ صدوق ابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا عذار لكم في ترك سنّتي[3]

ترجمہ: میری سنت کو ترک کرنے کے لیے تمہیں کسی عذر کا موقع نہیں۔

شیعہ علماء کے اہل سنّت مسلمانوں سے اصولی اختلافات ہیں۔ حنفی شافعی کی طرح فروعی اختلاف نہیں۔ بایں ہمہ دیکھئے کہ جہاں تک حدیث اور سنّت کا تعلق ہے، اس پر وہ بھی اصولی طور پر متفق ہیں۔ حدیث کی اصولی حیثیت میں اگر کوئی حقیقی اختلاف ہوتا تو یہ دونوں طبقے کبھی اس پر متفق نہ ہوتے۔ شیعہ اور سنی ہر دو طبقوں میں یہ بات مسلّم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی صرف آپ کے امیر سلطنت ہونے کی جہت سے نہ تھی۔ بلکہ آپ کی رسالت کی جہت سے تھی۔ اور آپ کا ہر قول و عمل اور منظوری آپ کے بعد بھی آپ کی امت میں بطور سنت جاری رہنی چاہیئے اسے چھوڑنے کے لیے اسلام میں کوئی قانونی جواز نہیں ہے۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صـ۹۲ [2] اصول کافی جلد ۲ صـ۸۵ [3] من لایحضرہ الفقیہ صـ احتجاج جلد ۲ صـ۱۰۵

لفظ سنّت کا عام استعمال

آپ دیکھ آئے ہیں کہ دورِ اوّل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات قدسیہ کو حدیث اور سنّت کے الفاظ سے بیان اور نقل کیا جاتا تھا۔ بیان اور نقل و روایت Transmission کا پہلو غالب ہوتا تو زیادہ تر حدیث کے لفظ سے ذکر کرتے اور عمل کی نسبت غالب ہوتی تو اسے سنّت سے تعبیر کیا جاتا اور ان ابواب میں صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات ہی سے نہیں۔ صحابہ کرامؓ اور اہل سنّت تک کے اقوال و اعمال اور تعلیمات و روایات سے بحث ہوتی تھی۔ اسلام کے اس متوارث عمل کو پھر سنّت کہا جانے لگا۔ صحابہؓ کے دور میں جس چیز پر بھی عمل ہو گیا وہ چیز سنّت سمجھی جانے لگی۔ سنّت کے لفظ سے یہ لازم نہ تھا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی عمل ہو ہر طریقہ مسلوکہ فی الدین کو سنّت سے تعبیر کیا جانے لگا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک دفعہ نماز جنازہ میں سورۂ فاتحہ پڑھی۔ تو چونکہ یہ عام طریق کے خلاف تھا۔ اس لیئے لوگوں نے اس پر تعجب کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا:۔

انها من السنة۔[1] ترجمہ۔ یہ سنّت ہے۔ (ایک عمل ہے)

علامہ کرمانی فرماتے ہیں۔ یہاں سنّت سے مراد الطریقۃ المسلوکۃ فی الدین ہی ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے زمانے میں یہی تعامل سنّت کہلاتا رہا اور دین اسلام اسی انداز میں ایک متوارث شکل و صورت میں پہلوں سے پچھلوں کو پہنچتا رہا۔ اس وقت خیر القرون کی نسبت ہر جگہ کار فرما تھی اور یہ قدیمی راہِ عمل سنّت کہلاتی تھی۔

جب جھوٹ کا دور دورہ ہوا تو حضرت امام شافعیؒ نے تجدیدی محنت کی اور دلیل کا مدار صرف قوت سند پر رکھا۔ محض اعتماد کی بجائے کھلے بندوں تحقیق ہونے لگی تاہم یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ پہلے دور میں لفظ سنّت صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے لیئے خاص نہ تھا۔ بلکہ اس سے زیادہ وسیع مفہوم میں مستعمل ہوتا تھا اور یہ دین اسلام کی ایک متوارث راہ تھی۔ موطا مالک میں بار بار یہ الفاظ ملتے ہیں "ہمارے ہاں سنّت یہ ہے" اہل مدینہ کا تعامل ان کے ہاں سنّت شمار ہوتا تھا۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۴۵۶

صرف حضرت امام مالکؒ نہیں اکابر تابعین بھی عمل متوارث کو سنت کہتے ہیں۔ یہ ضروری نہ تھا کہ وہ سنتِ نبوی ہی ہو، صحابہ کے فیصلے جن پہ کوئی اختلاف نہ ہوا، اسلام میں سنّتِ متوارث سمجھے گئے ہیں۔ افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) سے ایک مسئلہ پوچھا گیا آپ نے اسے سنت بتلایا۔ یہ عمل حضرت زید بن ثابتؓ (۴۵ھ) سے منقول تھا۔ آپ نے اسے سنّت سے تعبیر کیا ہے[1]

حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) کا عمل دیکھئے۔ محقق ابن الہمام (۸۶۱ھ) ایک روایت نقل کرتے ہیں :-

قد سنّ لکم معاذ فاقتدوا به[2]

حضرت معاذؓ نے یہ سنّت قائم کی ہے اسے تم اپناؤ۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اپنا ارشاد بھی یاد رکھیئے :-

ان ابن مسعود سنّ لکم سنة فاستنّوا بها[3]

اس میں شک نہیں کہ حضورؐ کے بعد صحابہؓ کی سنتیں اسلام کا عمل متوارث سمجھی گئیں۔ تابعین میں اسلام متوارث یہی تھا۔ اور وہ اسی کو سُنّت سمجھتے تھے۔

سنّت اور حدیث میں فرق

سنت کا لفظ عمل متوارث پر آتا ہے اس میں نسخ کا کوئی احتمال نہیں رہتا۔ حدیث کبھی ناسخ ہوتی ہے کبھی منسوخ۔ مگر سنت کبھی منسوخ نہیں ہوتی۔ سنت ہے ہی وہ جس میں توارث ہو اور تسلسل تعامل ہو ۔۔۔ حدیث کبھی ضعیف بھی ہوتی ہے کبھی صحیح۔ یہ صحت، ضعف کا فرق ایک علمی مرتبہ ہے۔ ایک علمی درجے کی بات ہے بخلاف سنت کے کہ اس میں ہمیشہ عمل نمایاں رہتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے مسلک کے لحاظ سے اپنی نسبت ہمیشہ سنت کی طرف کی ہے اور اہل سنت کہلاتے ہیں، حدیث کی طرف جن کی نسبت ہوئی اس سے ان کا محض ایک علمی تعارف ہوتا رہا ہے اور اس سے مراد محدثین سمجھے گئے ہیں ۔۔۔ مسلکاً یہ حضرات اہلسنّت شمار ہوتے تھے۔

---

[1] المبسوط للسرخسی جلد ۲۶ صـ ۹۷ [2] فتح القدیر جلد ۸ صـ ۱۱۵ ابوداؤد جلد ۱ صـ ۷۴ [3] المصنف لعبد الرزاق جلد ۲ صـ ۲۲۹

تاریخ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی. اما بعد:

آج کے عنوان میں تاریخ حدیث سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام کی تعلیمات اور ان کی نقل و روایت پر بحث نہیں. نہ ان کی تدوین اور ان کے قواعد زیر بحث ہیں. آج صرف یہ بتلانا ہے کہ ماخذ علم ہونے کی حیثیت سے اس کی تاریخ کب سے چلی آ رہی ہے. حدیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں ہو، یا اعمال میں یا آپ کے اصحاب میں، جہاں تک اسے پیچھے لے جایا سکے وہیں سے حدیث کی تاریخ شروع ہوتی ہے پیشتر اس کے کہ ہم اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت سے بحث کریں. مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اُمم سالفہ میں اس کی تلاش کریں کہ کیا ان ادوار میں بھی کتاب الہٰی کے ساتھ ساتھ کوئی اور ماخذ علمی کارفرما رہا ہے. یہاں حدیث سے مراد تحریرات حدیث اس فن کی Documentary evidence نہیں یہ تدوینِ حدیث کا موضوع ہے. آج ہمیں حدیث پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی حیثیت سے غور کرنا ہے کہ ماخذ علمی کی حیثیت سے اس کی تاریخ کب سے ہے.

نبوت اور حدیث کی تاریخ

حدیث کی تاریخ اتنی ہی پرانی ہے جتنی بعثت انبیاء کی تاریخ ـــــ اُمتوں کو حدیث کے ذریعہ ہی آسمانی کتاب ملتی رہی اور اس امت کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے قرآن ملا. قرآن اور حدیث جمع ہوئے. تو اسلام کے اس دورِ آخر کا آغاز ہو گیا.

آنحضرتؐ پر پہلی وحی (اقرأ باسم ربك الذی خلق ﷺ) غارِ حرا میں آئی۔ تو آپ نے اس کی خبر ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ اور ورقہ بن نوفل کر دی۔ یہ حدیث کا آغاز تھا۔ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری کا آغاز اسی باب سے کیا ہے:-

کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا۔

یہ وحی کا پہلا دن تھا اور یہی حدیث کا پہلا دن تھا۔ سو یہ بات بالکل صحیح اور تاریخی ہے کہ حدیث اور بعثت کی تاریخ ایک ہے۔ ایک ساتھ دونوں شروع ہوئیں امام بخاریؒ نے بھی اس تنبیہ فرمادی کہ جو بعثت کی تاریخ ہے وہی حدیث کا نقطۂ آغاز ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اسلام کی جو تشکیل ہوئی اس کے آثار حدیث کا سرمایہ ہیں۔ یہ آثار روایت میں ہوں یا عمل میں یا آپ کے اصحاب کرام کی فکر و ادا میں۔ ہر پہلو سے ان کا مبدء تاریخ حسّی ہے اور یہ بات پورے وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ حدیث کا آغاز کسی اندھیرے میں نہیں ہوا۔ اس کے ہر پہلو میں تسلسل اور اتصال قائم ہے۔ روایت میں سند سے تسلسل پیدا ہوتا ہے اور امت میں تعامل سے سند چلتی ہے اور یہی علم الآثار ہے۔

آنحضرتؐ سے پہلے کا علم الآثار

پیغمبرانہ تاریخ میں علم الکتاب اور علم الآثار ہمیشہ سے علم کے دو ماخذ رہے ہیں قرآن کریم میں بھی ان دو کا ذکر واضح طور پر موجود ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے جو ملتیں دنیا میں موجود تھیں وہ کسی نہ کسی گذشتہ پیغمبر سے انتساب رکھتی تھیں مگر الحاد کا زہر اور تاویل کا فتنہ ان میں بہت تیزی سے سرایت کر چکا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ نے جب اپنی دعوت پیش کی اور انہیں حقیقی اسلام کی طرف بلایا تو انہوں نے اپنے موقف پر اصرار کیا اور اس سے سرکنے لیئے کچھ بھی تیار نہ ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ان کے اس موقف کی سند پوچھی اور اس میں ان دونوں

علمی ماخذ کا ذکر فرمایا کہ علم الکتاب اور علم الآثار میں سے کوئی سند بھی تمہارے پاس ہو تو اپنے عقائد و اعمال کے ثبوت میں اسے پیش کرو۔

ایتونی بکتب من قبل هذا او اثرة من علم ان کنتم صدقین۔[1]

ترجمہ۔ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا (علم الآثار) کوئی علم جس کے آثار TRACES پہلے سے چلے آرہے ہوں اگر تم سچے ہو۔

اس سے پتہ چلا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کتاب الٰہی کے علاوہ علم الآثار بھی اپنی جگہ لائق سند تھا ـــــ کتاب خداوندی کے ساتھ اگر علم الآثار لائق سند نہ ہوتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پیش کرنے کا ان سے مطالبہ نہ کرتے۔

سو یہ بات بالکل صحیح اور پختہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کی دینی تعلیم میں بھی آسمانی کتاب کے ساتھ ساتھ علم الآثار کی ایک حقیقت موجود تھی۔ محدث جلیل حضرت سفیان بن عینیہ (۱۹۸ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:۔

او اثارة من علم (قال) الروایة عن انبیاء علیهم السلام۔[2]

ترجمہ۔ اثارة من علم سے مراد انبیاء علیہم السلام سے روایت کا سلسلہ ہے۔

اس روایت عن الانبیاء کو ہی سلسلہ حدیث کہتے ہیں، اسے ہی اسناد الحدیث سے تعبیر کرتے ہیں۔ حضرت مطر الوراق (۱۲۵ھ) کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد اثارة من علم سے مراد اسناد الحدیث ہے۔[3]

معلوم ہوا کہ پہلے انبیاء کی تعلیمات میں بھی آسمانی کتابوں کے ساتھ ساتھ ان کی احادیث چلتی تھیں، یہ علیحدہ بات ہے کہ نہ ان کی آسمانی کتابیں محفوظ رہیں، نہ ان کی احادیث کا سلسلہ متصل رہا۔ لیکن اس بات کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ ان کے دائرہ اثر میں ان کی حدیث بھی پہنچتی تھی۔ ان میں سے بعض کو اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی نقل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا:۔ پ۳۰ النازعات

---

[1] پ۲۶ الاحقاف ع ۱ [2] جامع بیان العلم لابن عبد البر المالکی ص۸۳ امام تفسیر مجاہد (۱۰۰ھ) کہتے ہیں اواحد یاثر علما، تفسیر مجاہد ص۵۹۳ بیروت [3] شرح السنہ للبغوی جلد ا ص۲۴۵

وَھل اتاکَ حدیث موسیٰ[1] کیا پہنچی ہے آپ تک موسٰی کی حدیث۔

انبیار علیہم السلام تو ایک طرف رہے۔ ان کی مجلس والوں کی بات آگے چلی تو اس کا نام بھی حدیث ٹھہرا جس سے پتہ چلتا ہے کہ انبیار کرام کے اصحاب بھی اس منزلت میں تھے کہ ان کی بات بھی حدیث ٹھہرے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

ھل اتاکَ حدیث ضیف ابراھیم[2] کیا پہنچی تم تک حدیث ابراہیم کے معزز مہمانوں کی۔

یہ صحیح ہے کہ آپ حدیث کا ترجمہ بات کر گئے لیکن آخر کس کی بات کہیں گے؛ انبیار کی ہی ——— حدیث بھی تو نبی کی بات ہی کو کہا جاتا ہے یا ان کی بات کو جو براہِ راست ان کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قوم کے لیے اسوہ (نمونہ) کہا تھا۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحابہ بھی ان کے لیے اسوہ تھے[3]۔ علم حدیث میں پیغمبر اور اس کے صحابہ دونوں کے اقوال و افعال سے ہی تو بحث ہوتی ہے۔

ہاں یہ صحیح ہے کہ پہلی کتابوں کی ابدی حفاظت کی کوئی ضمانت نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ ذمہ داری علمار بنی اسرائیل پر ڈالی تھی اور وہی اس کے عملی گواہ تھے۔

بما استحفظوا من کتاب اللہ وکانوا علیہ شھداء[4]۔

سو جب یہ کتابیں محفوظ نہ رہیں تو ان کی احادیث بھی محفوظ نہ رہ سکیں۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ کتاب الٰہی کے ساتھ اس وقت بھی علم کی ایک سند علم الآثار کے طور پر چلتی تھی اور جب بھی کوئی حق کا فیصلہ لینا ہو تو یہ سند مانگی جاتی تھی۔

ایتونی بکتٰب من قبل ھذا او اثارۃ من علم ان کنتم صدقین[5]۔

ترجمہ۔ لاؤ میرے پاس کوئی کتاب اس سے پہلے کی یا (علم الآثار) کوئی علم جس کے آثار پہلے سے چلے آرہے ہوں اگر تم سچے ہو۔

پیش نظر رہے کہ یہاں علم الآثار سے مراد آباؤ اجداد کے رسم و رواج نہیں۔ ان کی تو خود اللہ تعالیٰ نے تردید فرمائی ہے۔

---

[1] پ ۱۶ طٰہٰ [2] پ ۲۶ الذاریات [3] پ ۲۸ الممتحنہ ع ۱ [4] پ ۲۶ الاحقاف ع ۱ [5] پ ۶ المائدہ

ہاں یہ صحیح ہے کہ اگر آباء علم و اہتداء کا نور رکھتے ہوں تو پھر ان کی پیروی کرنا غلط نہیں۔عقل وہ نور ہے جس سے انسان مکلّف ٹھہرا اور اہتداء وہ رستہ ہے جو کسی ہادی سے متصل کرے۔ جو آباء علم و اہتداء نہیں رکھتے۔ ان کے آثار پر چلنا کسی طرح درست نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

اولو کان اٰباء ھم لا یعقلون شیئاً ولا یھتدون[1]

ترجمہ: کیا اگرچہ ان کے باپ دادا نہ کچھ سمجھتے ہوں نہ راہ چلتے ہوں۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات کے آثار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار ہدایت جب الفاظ میں —— اعمال میں —— اور انسانی افراد میں ڈھلتے ہیں تو حدیث —— سنت —— اور عمل صحابہ کہلاتے ہیں۔ حدیث کا آغاز وحی کے ساتھ ہوا۔ سنت وحی سے قانون بنی اور صحابہ حدیث نبوی سے مقتدا ٹھہرے اور انہوں نے حضورؐ سے ہی تعلیم و تزکیہ کی دولت پائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم الآثار ان تینوں وسائط سے قائم ہوا۔ آج دین اسلام انہی آثار کا نام ہے جو قرآن و حدیث اور عمل صحابہ کے نام سے امت میں سند سمجھا جاتا ہے

فرائضِ رسالت کا قرآنی فیصلہ

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذمہ داریاں بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔

یتلوعلیھم اٰیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔[2]

ترجمہ: آپ ان پر اس کی آیتیں پڑھیں انہیں پاک کریں اور انہیں کتاب و حکمت سکھا دیں۔

یہ حضورؐ کی تین اہم ذمہ داریوں کا بیان ہے۔

۱. یتلوعلیھم اٰیاتہ سے مراد حضورؐ کا امت تک قرآن پہنچانا ہے۔

۲. ویزکیھم سے مراد تزکیہ و تربیت سے ایک مثالی جماعت تیار کرنا ہے

---

[1] پ۲ البقرہ ع ۲۱ [2] پ۴ آل عمران ع ۱۷

۲۔ یعلمھم الکتاب والحکمۃ سے مراد قرآن کریم کی روشنی میں حدیث اور سنت کی تعلیم دینا ہے یہ آپ کا علم الآثار ہے۔ آپ کی تعلیمات قدسیہ افراد میں اگر کہیں نظر آئیں تو وہ صحابہ کرام ہیں اور اعمال میں ملیں تو وہ احادیث و آثار ہیں۔

روایت الفاظ سے بھی اور اعمال سے بھی۔

حضورؐ کی تعلیمات الفاظ میں بھی روایت ہوتی رہیں اور اعمال میں بھی پھیلتی رہیں آپ کے اعمال طیبہ آپ کے صحابہ پر بکمال تابانی سایہ فگن تھے۔ صحابہ نے آپ سے تزکیہ کی دولت پاکر آپ کی تعلیمات کو اس طرح اپنے اندر سمو لیا کہ پوری دنیا کے لیئے آسمان ہدایت کے ستارے بن چکے تھے۔ طیبہ کا چاند پوری آسمانی شان اور قوت و برہان سے چمک رہا تھا۔ نور و عرفان کی تجلیات ہر طرف جلوہ ریز تھیں اور صحابہ اسی چاند کے گرد ہالہ بنے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ تابعین کی ایک جماعت اس قدم کو لے کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔ تابعین صحابہ کے نقشِ قدم پر چلے تھے اور یہ حضرات تابعین تبھی تھے کہ صحابہ متبوعین تھے۔ پہلوں کا مقتدی بنے بغیر اگلوں کا مقتدا بننا یا مقتدا بننے کی کوشش کرنا اسلام کے دین مسلسل ہونے کے خلاف ایک نئی راہ ہے۔

مبتدی کوئی ہو یا کہ ہو منتہی — کہتے ہیں دوستو! ما عرفنا بھی
اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر — مقتدا وہ نہیں جو نہیں مقتدی

قرآن کریم نے بھی ہمیں یہ دعا سکھلائی ہے کہ ہم پہلوں کے نقش قدم پر چلیں اور بعد والوں کے لیئے نقش قدم بنیں۔ قرآن کریم کا تقاضا ہے کہ پوری امت آپس میں جڑی رہے اور اس کی تمام کڑیوں میں ایک مضبوط رابطہ ہو۔ عباد الرحمٰن کی یہ دعا قرآن کریم میں اس طرح مذکور ہے۔

واجعلنا للمتقین اماماً[1] — اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا دے۔

اس دعا میں اس آرزو کا اظہار ہے کہ بعد میں آنے والے ہمارے نقش پا پر چلتے

---

[1] پ ۱۹ الفرقان ع ۶

آئیں اور یہ تبھی درست رہ سکتا ہے کہ ہم بھی اپنے سے پہلوں کے نقش پر رہیں. اس عقیدت سے وہ بصیرت پائیں کہ اگلوں کے لیئے واقعی ایک مثالی راہ بن جائیں اور مابعد کی امت اپنے ماقبل سے مسلسل رہے. حضرت امام بخاری نے اس آیت کے معنی بیان فرمائے ہیں.

ائمة نقتدی بمن قبلنا و یقتدی بنا من بعدنا.[1]

ترجمہ. اے اللہ ہمیں ایسا پیشوا بنا کہ ہم تو اپنے سے پہلوں کے نقشِ قدم پر رہیں اور ہمارے بعد میں آنے والے ہمارے نقشِ پا پر چلیں.

اس دعا میں یہ بتلایا گیا ہے کہ امت ایک مسلسل کارواں ہے. جس میں پچھلے آنے والوں کا پہلوں سے متصل رہنا ضروری ہے. اس دعا کا پہلا مصداق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ تھے. ان کا دین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مسلسل تھا اور آئندہ آنے والوں کے لیئے سند تھا اور انہی سے اسلام کی شاہراہ مسلسل قائم ہوئی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو بتلا دیا تھا.

ان الناس تبع لکم.[2] ترجمہ. بیشک لوگ تمہارے پیچھے چلیں گے.

آپ اپنے صحابہ کرام کو یہ بتلا رہے تھے. کہ تمہارے اعمال کے ذریعہ میری بات آگے چلے گی. قرآن کریم نے یعلمھم الکتاب والحکمة کہہ کر صحابہ کو علم کی سند دی تو واجعلنا للمتقین اماما کہکر اسے عملاً آشکار بنا دیا. امت مسلمہ کی یہ دعا اقتدار اسی علم الآشکار کا محور ہے. ان الناس تبع لکم اسی کی نبوی تفسیر ہے. الفاظ سے سند لینا چنداں مشکل نہیں. مگر تعامل میں اس کی تلاش بے شک ایک بڑی کاوش ہے.

جب تک دین کے لیئے ہمتیں بیدار رہیں دین اعمال سے پھیلتا رہا اور امت میں تسلسل رہا. ہر طرف خیر رہی. طولاً عرضاً اتحاد رہا. امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمرؓ نے صحابہ کو ان کی اس حیثیت سے پوری طرح خبردار کر دیا تھا. آپ نے انہیں ان الفاظ میں اس طرف متوجہ فرمایا.

انکم ایھا الرھط ائمة یقتدی بکم الناس.[3]

---

[1] صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۸۰ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۸۹ [3] موطا امام مالک صفحہ ۱۳۲ کتاب الحج.

ترجمہ۔ اے لوگو! تم ائمہ کرام ہو۔ لوگ تمہاری اقتدار کو آئیں گے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵۵ ھ) نے ایک سوال کے جواب میں اپنی (جماعت صحابہ کی) اس قائدانہ حیثیت کا علی الاعلان اظہار فرمایا۔

انا ائمۃ یقتدی بنا[۱] ہم صحابہ پیشوا ہیں ہماری اقتدا آگے چلے گی۔

تاریخ گواہ ہے کہ جو لوگ اس مقدس قافلے کے پیچھے چلتے آئے، تابعین کہلائے والذین اتبعوھم باحسان[۲] کے باعث انہیں بھی رضی اللہ عنھم و رضوا عنہ کا تمغہ ملا۔

حضرت امام مالکؒ سیدنا حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (۱۰۱ ھ) سے روایت کرتے ہیں۔

سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و ولاۃ الامر من بعدہ سننا الاخذ بھا اعتصام بکتاب اللہ و قوۃ علی دین اللہ لیس لاحد تبدیلھا ولا تغییرھا ولا النظر فی امر خالفھا۔ من اھتدی بھا فھو المھتدی و من استنصر بھا فھو المنصور و من ترکھا و اتبع غیر سبیل المؤمنین ولاہ اللہ ما تولی واصلاہ جھنم وساءت مصیرا[۳]

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعد کے ولاۃ الامر نے ان سنتوں کو قائم فرمایا جنہیں لینا اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامنا ہے اور یہ اللہ کے دین کی قوت ہے کسی کو اس کے بدلنے اور اس میں ترمیم کرنے کا حق نہیں اور نہ اس کے برعکس کسی اور طرف دھیان کرنے کا حق ہے۔ جس نے ان سنتوں سے ہدایت ڈھونڈی اس نے ہدایت پالی اور جس نے ان سے نصرت چاہی وہ نصرت پا گیا اور جس نے انہیں نظر انداز کر دیا اور ان مومنین کے سوا کسی اور راہ پر چلا۔ اللہ تعالیٰ اسے اسی طرف پھیر دیتے ہیں جدھر وہ پھرا اور اُسے جہنم میں پہنچا دیتے ہیں اور وہ بہت ہی بُرا ٹھکانہ ہے۔

---

[۱] المصنف لعبد الرزاق جلد ۲ صفحہ ۳۶۷ [۲] پ ۱۱ التوبہ [۳] جامع العلوم والحکم لابن رجب الحنبلی صفحہ ۲۳۲

حضرت عباد بن عباد الخواص الشامی (د   ھ) دین مسلسل کی ترتیب یوں ذکر فرماتے ہیں:

كان القرآن امام رسول الله صلى الله عليه وسلم وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم اماما لاصحابه وكان اصحابه ائمة لمن بعدهم۔[1]

ترجمہ: قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا امام تھا اور حضور صحابہ کے امام تھے اور آپ کے صحابہ بعد میں آنے والے لوگوں کے امام ہیں۔

یہ امامت مسلسل تبھی رہ سکتی ہے کہ اگلے پچھلوں کے پیچھے چلیں اور ان کے بعد آنے والے پھر ان کے پیچھے چلیں۔ صحابہ کے بعد ائمہ دین بھی اگلے آنے والوں کے پیشوا اور مقتدا ہیں اور امت مجتہدین کی اقتدار اور پیروی سے ہی اپنے تسلسل میں آگے چلتی رہی ہے۔

حضرت امام اوزاعیؒ (د ۱۵۷ھ) ایک موقع پر ذکر فرماتے ہیں:

كنا قبل اليوم نضحك ونلعب اما اذا صرنا ائمة يقتدى بنا فلا نرى ان يسعنا ذلك وينبغي ان نتحفظ۔[2]

ترجمہ: پہلے تو ہمارا وقت کھیل کود میں گزرا لیکن جب ہم امام بن گئے اور ہماری پیروی کی جانے لگی تو ہمارے لیے یہ زیبا نہیں اور ہمیں چاہیئے کہ ہم بچ کر رہیں۔

اس بیان سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اس وقت امت میں ائمہ دین کی پیروی جاری ہو چکی تھی۔ اس کا ائمہ کو بھی علم تھا اور اس سے وہ اپنے علم و عمل میں اور محتاط ہو کر چلتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیروی صرف صحابہ کی ہی نہیں ان کے بعد آنے والے علماء وقت بھی لوگوں کا مرجع اور ان کے پیشوا ہیں۔ حضرت امام مالکؒ (د ۱۷۹ھ) کا مسلک اس باب میں کیا تھا اسے اس جزئیہ میں دیکھئے۔

الاجتماع بكرة بعد صلوٰة الصبح لقراءة القرآن بدعة ما كان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم ولا العلماء بعدهم على هذا۔[3]

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ [2] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۹ [3] جامع العلوم والحکم صفحہ ۳۰۲

ترجمہ: صبح کی نماز کے بعد مخصوص اجتماعی شکل میں قرآن پڑھنا ایک نئی راہ ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور بعد کے علماء کا یہ طریقہ نہ تھا۔

اس وقت یہاں ہمیں اس مسئلے سے بحث نہیں ہے صرف یہ بتلانا پیشِ نظر ہے کہ صحابہ کے بعد اس وقت کے اعیان علم کا عمل بھی اگلے آنے والوں کے لیے توجہ کے لائق ہے اور جو بات اس دین مسلسل میں نہیں ملتی وہ دین نہیں ہے۔

علم الآثار اور علم الکتاب

قرآن کریم نے دینی علم کا مآخذ (۱) علم الکتاب اور (۲) علم الآثار ٹھہرائے ہیں۔ ان دو کا آپس میں ربط کیا ہے؟ علم الآثار کی علم الکتاب سے کیا نسبت ہے؟ اور علم الآثار کی اپنی کیا حیثیت ہے۔ اس سلسلہ میں پیشِ نظر رہے کہ ان میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

مادی ظلمتوں سے کتاب اللہ کا نور نکھر آتا ہے تو علم الآثار علم الکتاب کی اس طرح حفاظت کرتا ہے کہ اس کا کوئی پہلو اپنے معنی مراد سے دُور نہیں کیا جا سکتا۔ جونہی کسی نے کتاب اللہ کے معنی و مراد کو بدلنے کی کوشش کی علم الآثار نے ہر تاویل باطل کو تار تار کر دیا۔ جس طرح فضائی فوج Air Force بری فوج Military پر حفاظت کا سایہ رکھتی ہے مجال ہے کہ دشمن کی فضائیہ اس پر اُوپر سے حملہ آور ہو۔ اس طرح علم الآثار علم الکتاب کی حفاظت کرتا ہے۔ مجال ہے کہ علم الآثار کے ہوتے ہوئے علم الکتاب سے اُس کی مرادات چھینی جا سکیں۔ علم الآثار سے علم الکتاب کے نہ صرف معنی و مفہوم کی وضاحت ہوتی ہے۔ بلکہ قرآن کے عمومات کی تخصیص اور مجملات کی تفصیل بھی اس سے ملتی ہے اور علم الآثار کے بغیر علم الکتاب کے عملی خاکے میں رنگ نہیں آتا۔

اثر عربی میں نقش قدم foot-print کو کہتے ہیں۔ آثار اس کی جمع ہے پیغمبروں کے نقش قدم پر ان کے صحابہ چلے اور اپنے نقش پا تابعین کے لیئے چھوڑے۔ انہوں نے ان سے زندگی کی عملی راہ پائی۔ ان رابطوں سے جو علم مرتب ہوا وہی علم الآثار ہے۔ پیغمبرانہ تاریخ میں علم کے یہی دو مآخذ تھے۔ جن کی پیروی ہدایتِ الٰہی سمجھی جاتی تھی اور انہی مآخذوں

کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مخالفین سے مطالبہ کیا تھا۔

ایتونی بکتٰب من قبل ھذا او اثرۃ من علم ان کنتم صٰدقین[1]

ان تفصیلات سے واضح ہوتا ہے کہ تاریخِ حدیث تاریخِ نبوت کے ساتھ ساتھ چلتی رہی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور رسالت کی بھی ایک ہی وقت سے ابتداء ہوئی۔ گو علم الٰہی اور تربیّت الٰہی میں آپ بہت پہلے سے نبی تھے۔ امام بخاری نے الجامع الصحیح المسند کے آغاز میں جیسا کہ ہم پہلے کہہ چکے ہیں اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ وحی کی ابتداء اور حدیث کا آغاز ایک وقت سے ہے۔ حدیث کے معنی زبانی بات کے ہیں۔ حیوان ناطق کی تاریخ میں اظہار خیال کا اوّلین ذریعہ یہی نطق و بیان تھا اور اسی سے انسان اپنے ابنائے جنس میں ممتاز ہوا اور حیوان ناطق نام پایا۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا اور بولنا سکھایا۔

خلق الانسان علمہ البیان[2] پیدا کیا انسان کو اور سکھایا اُسے بولنا۔

انسانی تاریخ میں علم کا فطری ذریعہ حدیث (زبانی بات) تھی تو دین فطرت میں بھی علم کا ذریعہ حدیث (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات) ہی قرار پائی۔ اسی سے قرآن کریم کا تعارف ہوا اور اسی سے دورِ اوّل کے معیاری انسانوں نے تزکیہ و ترتیب کی دولت پائی۔ حدیث نہ ہوتی تو نہ قرآن سمجھ میں آتا نہ جماعتِ صحابہ تیار ہوتی۔

حدیث کی زبانی روایت

علم حدیث زندہ انسانوں سے زندہ انسانوں تک منتقل ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر تاریخی خطبہ دیا اور بہت سے احکام ارشاد فرمائے۔ امت کو ایک دستورِ زندگی دیا۔

فلیبلغ الشاھد الغائب[3] ترجمہ۔ جو حاضر ہے وہ اسے غائب تک پہنچا دے۔

اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے متنبہ فرمایا کہ آپ کی یہ حدیث آج صرف

---

[1] پ ۲۶ الاحقاف ع ۱ [2] پ ۲۷ الرحمٰن ع ۱ [3] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۶

اسی اجتماع کے لیئے نہیں۔ یہ کل انسانوں کے لیئے راہِ ہدایت ہے جو آج موجود ہیں۔ اور سُن رہے ہیں وہ ان باتوں کو دوسروں تک پہنچادیں۔ سوان احکام کی تبلیغ صرف میدان عرفات کے حاضرین اور غائبین تک محدود نہ رہی۔ بلکہ ہر مجلس علم کا شاہد اسے اس مجلس کے غائب تک پہنچانے کا ذمہ دار ٹھہرا۔ حجۃ الوداع کا یہ خطبہ آخری الہٰی رہنما کا آخری دینی چارٹر تھا اور اس کا آخری پیغام روایت حدیث کی ہی تاکید تھی۔ سلسلہ روایت کو آگے جاری رکھنا یہ اسلامی زندگی کا منشور ٹھہرا۔ چنانچہ یہ سلسلہ پُوری محنت و خلوص اور شوق و محبت سے جاری رہا اور حدیث اپنی تاریخ میں ہمیشہ زندہ انسانوں میں روایت ہوتی رہی۔ اور زندہ انسانوں سے زندہ انسانوں تک منتقل ہوتی رہی۔ یہ صحیح ہے کہ محدثین اپنی یاداشت کے لیئے تحریرات سے بھی مدد لیتے تھے۔ لیکن حدیث پھر بھی صیغۂ تحدیث سے ہی آگے روایت ہوتی تھی۔ تحریرات بھی ہوں تو اُن کے آخر تصدیقات ثبت ہوتیں۔ علم حدیث کے یہ اسناد آج تک مسلسل چلے آرہے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اپنی سند زندہ اساتذہ کے واسطوں سے مؤلفین کتب حدیث تک اور پھر ان محدثین کے واسطہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کرام تک پہنچائی ہے۔ اور اب تک روایت حدیث کی یہ اجازت برابر چلی آتی ہے۔

علم الآثار کے درس و مذاکرات

اس زمانے میں جب کہ علم کتابوں اور تحریروں میں مدون ہوگیا ہے۔ زبانی بات چیت کی سند ونقل transmission بہت کم رہ گئی ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ زبانی بات چیت کی اُصولی حیثیت باقی نہیں رہی۔ یہ حقیقت ہے کہ بیان واقعات میں اولین درجہ زبانی بات کا ہی ہے۔ پھر ضرورت اور تقاضے کے مطابق اسے تحریر کا لباس پہنا دیا جاتا ہے۔ تحریر بمقابلہ تقریر ثانوی حیثیت رکھتی ہے۔ کوئی صاحب علم انسان کی تعریف حیوان ناطق کے بجائے حیوان ادیب ہرگز پسند نہ کریں گے۔ علم میں جو پختگی آمنے سامنے

کے درس و تدریس اور زبانی مذاکرات سے آتی ہے وہ تحریر کی راہ سے نہیں آتی تحریر کی غلطی پر صاحب تحریر کو بعض اوقات برسوں تک پتہ نہیں چلتا۔

یہی وجہ ہے کہ اس امت میں علم ہمیشہ انہی علماء کا پختہ سمجھا گیا جو زندہ علماء کے سامنے بیٹھ کر اور علماء کی مسندوں میں شریک ہو کر اکتساب علم کرتے رہے ہیں۔ حیوان ادیب کتنا ہی بڑھ جائے حیوان ناطق کے برابر نہیں ہو سکتا۔ تحریر ہمیشہ دوسرے درجے کا علمی فائدہ بخشتی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ تحریری نقوش میں تغیر و تبدل اور مغالطہ اس سُرعت سے نہیں آتا جتنا زبانی بات چیت میں آسکتا ہے۔ لیکن اس مشکل کا حل تحقیق واقعات میں صدق و دیانت اور نقل و روایت کے ضابطوں کی پابندی ہے نہ کہ زبانی بات کے اصُولی وزن کو ہی گرا دیا جائے اور حیوان ادیب کے گرد ڈیرے ڈال دیئے جائیں لٹریچر زبانی تعلیم و تعلّم کے ساتھ ساتھ رہے اور معاون کے درجے میں رہے تو اس سے بیشک ہزاروں فوائد حاصل ہو سکتے ہیں۔

یاد رکھیئے کہ نقل واقعات میں سب سے اُونچا درجہ شہادت کا ہے۔ جس سے عدالتیں فصل خصومات اور مقدموں کے فیصلے کرتی ہیں، اور انسانی حقوق کے فیصلے کئے جاتے ہیں۔ وہاں اُصولی حیثیت زبانی بیان کی ہوتی ہے۔ کوئی تحریر پیش ہو تو اس پر بھی زبانی شہادت گزاری جاتی ہے۔ کسی عدالتی فیصلے میں صدرِ مملکت کا بیان بھی مطلوب ہو تو اسے بھی اصالۃً خود حاضر ہونا پڑتا ہے اور اس کی کوئی تحریر یا خط اس سلسلے میں کافی نہیں سمجھے جاتے۔ تحریر کا درجہ تاریخِ انسانی میں تقریر سے ہمیشہ سے دوسرا رہا ہے۔

علم کتاب سے پہلے زبانی پیمانوں میں

آج جب علم مدون ہو چکا ہے اور تحقیقی مسائل میں ہماری نظریں ہمیشہ کتابوں کے گرد گھومتی ہیں تو اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ تدوین علم سے پہلے کے ادوار علم سے خالی تھے تدوینِ علم کے الفاظ بتا رہے ہیں کہ علم پہلے سے چلا آ رہا تھا۔ جس کی کتابی صُورت اس

تدوینِ علم سے شروع ہوئی۔ پس یہ بات کہ حدیث کے معنی زبانی بات کے ہیں۔ اس کی تاریخی حیثیت اور اعتماد میں خارج نہیں۔ حدیث کی زبانی نقل و روایت حدیث کی تاریخ میں سنگِ میل کا درجہ رکھتی ہے۔ قرآن کریم کا پیرایہ اوّل بھی زبانی تھا۔ اس نے تحریر کی صورت بعد میں اختیار کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ سے لکھواتے رہتے اور اس کے مختلف اجزاء حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں یکجا کتابی صورت میں جمع ہوئے۔ اسی طرح حدیث کا پیرایہ اوّل بھی زبانی تھا۔ صحابہ کی تحریرات محض اجزاء کی شکل میں تھیں۔ پھر اس کی باقاعدہ تدوین ہوئی اور یہ علم کتابوں میں منتقل ہوا اور پھر یہ وقت آیا کہ ان تحریرات documents of hadith کو حدیث کہا جانے لگا۔ یہ دورِ آخر کی اصطلاح ہے۔ اس تفصیل سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ ہر علم کی ابتداء پہلے زبانی نقل و بیان کی ہوتی ہے۔ پھر کہیں اسے تحریر میں لایا جاتا ہے۔

نقل و روایت میں عربوں کا قومی مزاج

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے بہت پہلے اللہ تعالیٰ نے نقل روایت اور پچھلی باتوں کو آگے نقل کرنا عربوں کے قومی مزاج میں داخل کر رکھا تھا۔ قومی برتری کے احساس، تفوق، شعر و سخن کی دلدادگی اور انساب و قبائل کے تذکروں کی وجہ سے اس زبانی بیانِ علم اور ضبط روایت کو بہت اہمیت حاصل تھی۔ جب عرب اسلام میں داخل ہوئے تو نقل روایت کا وہ قدیم تاریخی اہتمام اپنے آقا کی تعلیمات قدسیہ کی نقل و روایت میں جذب ہوگیا اور روایات کے حفظ و ضبط میں یہ فطری محنت اس وقت تک بڑی آب و تاب سے قائم رہی۔ جب تک تحریرات حدیث باقاعدہ تدوین کے دور میں داخل نہ ہوگئیں۔ پہلے پیغمبروں کا علم الآثار ان پیغمبروں سے کچھ آگے چلا۔ لیکن حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے آثار رسالت اپنی کامل ترین صورت میں دنیا میں پھیلے اور آگے بڑھے اور تاریخ کے ہر دور میں انسانی زندگی کو روشنی بخشتے رہے پہلے پیغمبروں سے اُن کی شریعت کی ابدی حفاظت کا وعدہ نہ تھا۔ کیوں کہ نیا پیغمبر

انہیں نئے سرے سے الٰہی قانون بتلا سکتا تھا. لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی نئے نبی نے نہ آنا تھا. اس لیئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے دین کی ابدی حفاظت کا وعدہ فرمایا.

دربارِ رسالت میں حدیث کا فیضان

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی حدیث کا موضوع تھی اور آپ کی ہر مجلس سے حدیث کا فیضان جاری تھا. اُٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے آپ کی ہر ادا امت کے لیئے اُسوہ اور نمونہ تھی اور آپ کے ہر ارشاد و ہدایت سے صحابہ کو زندگی کا درس ملتا تھا. مرد بھی اس فیضانِ حدیث سے جھولیاں بھرتے اور عورتیں بھی دربارِ رسالت سے حدیث کا درس لیتی تھیں.

عورتوں میں حدیث کی روایت

حضرت ابو سعید خدری (م ۴، ھ) کہتے ہیں کہ ایک خاتون حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا:۔

ذهب الرجال بحديثك فاجعل لنا من نفسك يوما نأتيك فيه تعلمنا مما علمك الله. صحیح بخاری جلد نہم صد ۲۴۷ مصر جلد ۲ صد ۱۰۸۷ دہلی

ترجمہ. مرد تو آپ کی حدیثیں لے جاتے ہیں آپ ہمارے لیئے بھی کوئی دن مقرر کر دیں ہم آپ کے پاس آئیں اور آپ ہمیں پڑھا دیں.

اس روایت سے پتہ چلتا ہے کہ جس طرح صحابہ کرام دربارِ رسالت سے فیض پاتے رہے، صحابیات بھی اسی ذوقِ ایمانی سے حدیث کی طلب گار ہوتی تھیں. (۲) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام میں مردوں اور عورتوں کی تعلیم مخلوط نہیں. ورنہ ان کے لیئے علیحدہ دن مقرر کرنے کوئی ضرورت نہ تھی. (۳) اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ عہدِ اوّل میں ہی عورتوں میں نقل روایت کا سلسلہ قائم ہو چکا تھا. ان دنوں عورتوں تک کو یہ بات معلوم تھی کہ حدیث کا سرچشمہ بھی تعلیم الٰہی ہے.

بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ جس طرح علم دین رجال امت میں سند سے جاری ہوا، عورتوں میں بھی حدیث کی روایت اسی قوتِ علم اور اہتمام عمل سے جاری ہوئی اور آج تک خواتین امت میں دین کی یہ محنت کسی نہ کسی صورت میں چلی آرہی ہے۔

حدیث میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مرکزی کردار

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح بیرونی زندگی Public life امت کے لیئے اسوۂ حسنہ تھی۔ اسی طرح آپ کے گھر کی زندگی private life بھی امت کے لیئے لازمی مشعلِ ہدایت تھی۔ سو حکمتِ الٰہی میں تقاضا ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں حفظِ روایت اور ثقاہت علم کے ایسے حالات پیدا کیئے جائیں کہ آپ کے گھر کی زندگی بھی پوری امت کے سامنے روشن ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس عظیم خدمت کے لیئے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا انتخاب ہوا اور وہ نہایت کم عمری میں ام المومنین کی منزلتِ رفیعہ پر مسند نشین ہوئیں۔ اس عمر میں ان کا حرم نبوی میں آنا اسی خدمتِ حدیث اور حفظِ روایت کے لیئے تھا۔ آپ سے جہاں صحابہ کرام کے جمِ غفیر نے علم کی دولت لی۔ حضرت عمرہ (۱۰۳ھ) روایتِ حدیث میں آپ کی جانشین ٹھہریں۔

حدیث کے تین علمی مراکز

(۱) حجاز (۲) عراق (۳) شام

حجاز ——— مرکز اسلام مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ اسی سرزمین میں ہیں۔ آیاتِ الٰہی اور فرامینِ نبوی سب سے پہلے اسی سرزمین میں اُترے۔ مدینہ منورہ کی سب سے بڑی درسگاہ حضرت امام مالک رح کا حلقۂ درس تھا۔ مکہ مکرمہ میں بھی بڑے علمی حلقے تھے۔

عراق ——— حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے وقت میں کوفہ اسلامی چھاؤنی بنا۔ بڑے بڑے فضلاء صحابہ رضی اللہ عنہم وہاں آباد ہوئے۔ امام ابو حنیفہ رح (۱۵۰ھ) اور امام سفیان ثوری رح (۱۶۱ھ) کی درسگاہیں اسی سرزمین میں تھیں۔ امام نووی رح کوفہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔ دار الفضل ومحل الفضلاء۔ (شرح صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۸۵)

شام ـــــــ یہ سرزمین جلیل القدر صحابی حضرت ابو الدرداء (۳۲ھ) کا مرکزِ درس بھی بلند پایہ فقیہ حضرت امیر معاویہؓ کا مرکزِ حکومت بھی یہی علاقہ تھا۔ امام اوزاعی (۱۵۷ھ) اس علاقے کے بڑے مجتہد تھے۔ برسوں ان دیار میں ان کی تقلید جاری رہی۔

پہلی قوموں کو پہلے انبیاء سے علم کتاب اور علم آثار۔ ذرا ماخذ نہ ملے ہوتے تو حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم ان قوموں کی گمراہی ان لفظوں میں بیان نہ کرتے:۔

انهم كذبوا على انبيائهم كما حرفوا كتابهم۔ (رواہ احمد عن معاذ بن جبلؓ)

ترجمہ۔ انہوں نے جیسا کہ اپنی الہامی کتابوں کو بدلا۔ اپنے انبیاء پر بھی وہ باتیں لگائیں جو انہوں نے نہ کہی تھیں۔

اس حدیث میں پہلے انہیں اللہ کی کتاب بدلنے کا مجرم بتلایا ہے پھر انہیں احادیث بدلنے اور موضوع روایات کو پیغمبروں کے نام سے بیان کرنے کا قصور وار ٹھہرایا ہے ـــــ یہ تبھی ہو سکتا ہے کہ پہلے پیغمبروں کی صحیح احادیث ان قوموں کے لئے حجت ہوں۔ اور ان نفوسِ قدسیہ کے نام سے غلط باتیں وضع کرنا حرام ہو۔ محدثین اسی لیئے احادیث کی چھان بین کرتے ہیں، تاکہ پیغمبروں کے نام سے کوئی غلط بات راہ نہ پائے۔

حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں بھی صراطِ مستقیم کی تشخیص یہی رہی کہ اس کی اساس اللہ کی آیات اور پیغمبروں کی ذات پر ہو ـــــ پیغمبر کی ذات کو نکال دینے سے وہ صراطِ مستقیم ہی کیا رہے گا۔

وكيف تكفرون وانتم تتلى عليكم آيات الله وفيكم رسوله
ومن يعتصم بالله فقد هدى الى صراط مستقيم (پ آل عمران آیت ۱۰۱)

ترجمہ۔ اور تم کس طرح کفر کر سکتے ہو، جب کہ تم میں (۱) اللہ کی آیات بھی تلاوت کی جارہی ہیں اور (۲) تم میں اللہ کے رسول بھی موجود ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کا سہارا لے گا وہ صراطِ مستقیم پا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ کی تعلیمات کا بنی نوع انسان کی راہنمائی کے لیئے موجود ہونا حضورؐ کے وجود باجود کا ہی فیض ہے۔

جب تک اللہ کی کتاب سے متمسک رہے اور حضورؐ کی تعلیمات پر عمل ہو۔ انسان کبھی کفر کی سرحد پر نہیں آتا۔ وہ کتاب وسنت سے صراطِ مستقیم کی دولت پا چکا ہوتا ہے۔

آیات و رسل میں سے کسی کا انکار نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کافروں کے کفر کی ایک یہ وجہ بیان فرمائی ہے:۔

ذٰلِكَ جَزَاؤُهُمْ جَهَنَّمُ بِمَا كَفَرُوا وَاتَّخَذُوا آيَاتِي وَرُسُلِي هُزُوًا۔ (پ۱۶ الکہف ع۱۲)

ترجمہ: یہ بدلہ ان کا ہے جہنم، اس پر کہ وہ منکر ہوئے اور ٹھہرایا ① میری آیتوں کو اور ② میرے رسولوں کو ٹھٹھا۔

ان کا جرم صرف انکارِ رسالت ہو تو اتنی بات کافی تھی کہ وہ وحی خداوندی سے استہزاء کرتے تھے۔ یہ جو فرمایا کہ انہوں نے رسولوں سے بھی استہزاء کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی وحی اور رسولوں کی باتیں شروع سے مدارِ ایمان رہی ہیں اور کافران دونوں سے استہزاء کرتے رہے ہیں۔ بنی نوع انسان سے شروع سے یہ مطالبہ رہا ہے کہ وہ وحی خداوندی کے ساتھ رسولوں کی باتیں بھی اپنائیں کسی کا انکار نہ کریں۔ رسولوں کو وحی خداوندی سے کسی طرح جدا نہیں کیا جا سکتا۔ حدیثِ رسول اسی وقت سے حجت چلی آرہی ہے جب سے انسان وحی خداوندی سے متعارف ہوا۔ بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ تصدیق رسول تصدیق آیات پر بھی مقدم ہے۔ جب تک رسول کی تصدیق نہ ہو، اس کے بیان پر آیاتِ الٰہی کو آیاتِ الٰہی نہیں مانا جا سکتا امتیں پیغمبر کو پہلے مانتی رہی ہیں اور پھر اس کے کہنے پر ہر اس بات کو تسلیم کرتی رہی ہیں جو وہ خدا کی طرف سے لاتے رہے۔ وکفیٰ بہ قدوۃً فی ھذا الباب۔

ہاں درجے میں کتابِ الٰہی اول ہے اور حدیث اسلام کا دوسرا علمی ماخذ ہے لیکن تاریخ کے پہلو سے حدیث پہلے اور کتابِ الٰہی بعد میں ہے۔ سورہ کہف کی اس آیت میں درجے کا لحاظ رکھا گیا ہے اور آیات کو رسل پر مقدم کیا گیا ہے۔

انبیاء سابقین کا اللہ تعالیٰ سے شرفِ ہمکلامی

قرآن کریم میں متعدد ایسے شواہد ملتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے کتب وصحائف کے علاوہ

بھی انبیاء سابقین سے کلام فرمایا ہے۔ یہ ہمکلامی ان کے صحیفوں یا کتابوں تک محدود نہ تھی بمبذ فیض سے ان کی اپنی رہنمائی کے لیے بھی انوار آتے تھے۔ کتب حدیث میں بھی ایسے وقائع موجود ہیں کہ اللہ تعالیٰ پچھلے نبیوں سے ہمکلام ہوئے ــــ ہمیں اس باب کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی ہے۔ حضورؐ کو ان خبروں کا کیسے پتہ چلا یہ آپ خود سوچیں ــــ یہ حضورؐ کی بھی وحی غیر متلو ہے۔

① حضرت آدم علیہ السلام کی طرف وحی

عن انس بن مالکؓ عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ آدم علیہ السلام ان یا آدم حج ھذا البیت قبل ان یحدث بک حدث الموت . . . . الحدیث۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے آدم کی طرف وحی کی اور حج بیت اللہ شریف کا حکم دیا فرمایا اس گھر کا قصد کریں بیشتر اس کے کہ تمہارا آخری وقت ہو۔

② حضرت ابراہیمؑ کی طرف وحی

اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ ابراھیم خلیلی حسن خلقک ولو مع الکفار تدخل مداخل الابرار فان کلمتی سبقت لمن حسن خلقہ ان اظلہ فی عرشی وان اسکنہ حظیرۃ قدسی وان ادنیہ من جواری۔[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کی طرف وحی کی کہ اخلاق اچھے رکھنا خواہ کفار سے ہی معاملہ کیوں نہ ہو تم اس طرح نیک لوگوں میں شمار پاؤ گے میری بات طے ہو چکی کہ جس کا اخلاق اچھا ہو گا اسے میں اپنے عرش تلے سایہ دوں گا اپنے حظیرۃ قدس میں اسے رہنے کی جگہ دوں گا اور اپنے قرب میں اُسے قریب کروں گا۔

---

[1] الترغیب جلد ۲ صفحہ ۱۶۵ [2] جامع صغیر جلد ۱ صفحہ ۹۱ عن ابی ہریرۃؓ

③ حضرت داؤدؑ کی طرف وحی

اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ داؤد ما من عبد یعتصم بی دون خلقی اعرف ذلک من نیتہ فتکیدہ السموات بمن فیہا الا جعلت لہ من بین ذلک مخرجا وما من عبد یعتصم بمخلوق دونی اعرف ذلک من نیتہ الا قطعت اسباب السماء بین یدیہ۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے داؤد کی طرف وحی کی جو شخص میری مخلوق کا نہیں میرا سہارا لے یہ بات مجھے اسکی نیت سے معلوم ہولے تمام آسمان کیوں نہ اپنے چکر میں لے آئیں پھر بھی میں اس کے نکلنے کی راہ بنا دونگا اور جو شخص مجھے چھوڑ کر میری مخلوق کا سہارا لے یہ بات مجھے اس کی نیت سے معلوم ہو میں آسمان کے تمام ذرائع اس کے آگے سے قطع کر دیتا ہوں۔

④ حضرت یحییٰؑ کی طرف وحی

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ اوحیٰ الی یحییٰ بن زکریا علیہما السلام بخمس کلمات ان یعمل بھن ویامر بنی اسرائیل ان یعملوا بھن ..... الحدیث رواہ الترمذی۔[2]

ترجمہ۔ حضورؐ نے بتایا اللہ تعالیٰ نے یحییٰ کی طرف وحی کی۔ پانچ باتیں ہیں جن پر وہ عمل کریں اور بنواسرائیل کو بھی ان پانچ باتوں پر عمل کرنے کا حکم دیں....

⑤ حضرت عیسیٰؑ کی طرف وحی

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال سمعت ابا القاسم صلی اللہ علیہ وسلم یقول ان اللہ عزوجل قال یا عیسیٰ انی باعث من بعدک امۃ ان اصابھم ما یحبون حمدوا اللہ وان اصابھم ما یکرھون احتسبوا وصبروا ولا حلم ولا علم فقال یارب کیف یکون ھذا قال اعطیھم حلمی وعلمی ــــ رواہ الحاکم۔[3]

---

[1] جامع صغیر جلد ۱ صـ ۱۹۱ [2] الترغیب جلد ۲ صـ ۱۱، صـ ۳۹۷ [3] الترغیب جلد ۴ صـ ۲۷۸

ترجمہ۔ حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ میں نے حضورؐ سے سنا آپ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہا میں تمہارے بعد ایک امت اٹھاؤں گا جسے وہ کچھ ملے جو وہ چاہتے ہیں تو وہ اللہ کی حمد کریں گے اور اگر انہیں ناپسندیدہ حالات پیش آئیں تو وہ اسے اپنے اعمال پر شمار کریں گے اور صبر کریں گے۔ نہ ان کی برداشت ہوگی اور نہ ان کا کوئی علم ہے۔ آپ نے کہا۔ اے اللہ! ایسا کس طرح ہوگا۔ فرمایا میں ان پر اپنا حلم اور اپنا علم اتاروں گا۔

⑥ ایک اور پیغمبر کی طرف وحی

عن ابی ھریرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال نزل نبی من الانبیاء تحت شجرۃ فلدغتہ نملۃ فامر بجھازہ فاخرج من تحتھا ثم امر بھا فاحرقت فاوحی اللہ الیہ فھلا نملۃ واحدۃ۔[۱]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ایک دفعہ ایک پیغمبر ایک درخت تلے اُترا۔ وہاں اسے ایک چیونٹی نے کاٹا۔ اس نے درخت سے سامان لینے کا حکم دیا۔ وہ اس کے تلے سے نکالی گئی۔ پھر اسے جلا دیا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی طرف وحی کی ایک چیونٹی کو تم برداشت نہ کر پائے۔

⑦ اوحی اللہ تعالیٰ الیٰ نبی من الانبیاء ان قل لفلان العابد اما زھدک فی الدنیا فتعجلت راحۃ نفسک واما انقطاعک الی فتعززت بی فماذا عملت فیمالی علیک قال یارب وماذا لک علی وقال ھل عادیت فی عدوا اوھل والیت فی ولیا۔[۲]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے ایک پیغمبر کو وحی کی۔ فرمایا۔ فلاں عابد سے کہو تیرا دنیا سے کنارہ کش رہنا سو اس میں تو تجھے جلدی آرام مل گیا۔ تیرے میری طرف یکسو رہنے سے تجھے وقار ملا۔ میرا جو تجھ پر حق تھا اس کے لیے تو نے کیا کیا؟ اس نے کہا اے اللہ! اور کیا بات میرے ذمہ تھی؟ خدا نے کہا میری خاطر تو نے کسی سے عداوت رکھی اور میری

---

[۱] صحیح مسلم جلد۲ صفحہ۲۳۲، الترغیب جلد۳ صفحہ۶۲۵ [۲] جامع صغیر جلد۱ صفحہ۱۹ عن عبداللہ بن مسعودؓ

خاطر تونے کسی سے پیار کیا ؟ یعنی تیرا میرے کسی بندے سے اس لئے رابطہ رہا کہ اس کے سبب تو میرے قرب میں آئے ؟ تجھے میری پہچان نصیب ہو ؟ اور کیا تو کسی سے محض اس لئے دور ہوا کہ تیری اس سے دُوری مجھے پسند تھی ؟ تیری محبت میں اللہ والوں کے لئے بھی ایک حصہ ہوتا اور تیری ناراضگی کہیں محض اللہ کے لئے بھی ہوتی ۔

یہ سب احکام دینی نوع کے ہیں جو مختلف انبیاؑ کو وحی کئے گئے یہ کتاب نہیں جس پہ شریعت قائم ہوتی ہے یہ کتاب کے علاوہ آنے والی وحی ہے اس میں نئے احکام ہوں یا پہلے احکام کی ہی تائید و تشہید یہ وحی تشریعی ہے اس سے حاصل ہوا علم مذہبی نوع کا ہوتا ہے۔ اس کے مقابل وحی تکوین ہے جس کے لئے انسان ہونا بھی شرط نہیں جانوروں تک کو ہو سکتی ہے

وَاَوْحٰی رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَ

(ترجمہ) اور وحی کی تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنائے پہاڑوں میں گھر اور درختوں میں بھی اور جہاں لوگ (بیلیں چڑھانے کو) ٹٹیاں باندھتے ہیں ۔ (پ۱۴ النحل ع ۹)

یہ وحی تکوین جو اس مکھی کو ہوئی اس میں دین و شریعت کا کوئی حکم نہیں دیا گیا تھا تکوین کی ایک بات کہی گئی تھی موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو جو وحی کی گئی وہ بھی انتظامی امور کی تھی مذہبی نوع کی نہ تھی نبی وہ ہے جس کی طرف احکام کی وحی آئے وہ نئے ہوں یا پرانے وہ ان کی تبلیغ کا مامور ہو موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کو ہونے والی وحی مذہبی نوع کی نہ تھی صرف یہ حکم تھا کہ بچے کو صندوق میں ڈال دے ۔ (پ۱۶ سورہ طٰہٰ میں ہے)

اذ اوحینا الی امك مایوحی ان اقذفیه فی التابوت فاقذفیه فی الیم

(ترجمہ) جب وحی کی ہم نے تیری ماں کو جواب اس وحی دینی میں نقل کی جا رہی ہے کہ اس بچے کو صندوق میں ڈال اور پھر اس صندوق کو دریا میں ڈال دے پھر دریا اسکو کنارے پر لے آئے۔ اس سے پتہ چلا کہ وحی کا آنا پیغمبروں سے خاص نہیں پیغمبروں کو جو وحی آتی ہے اُسکی قانونی حیثیت ہے وہ دینی نوعیت کی ہوتی ہے اس کا ماننا دوسروں پر بھی فرض ہوتا ہے اور جو وحی تکوین ہو وہ غیر پیغمبروں کو بھی ہو سکتی ہے پھر وحی تشریعی کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو نئی شریعت کی حامل ہو اور دوسری وہ جو اسی شریعت کو اپنائے جو پہلے سے چلی آ رہی ہے وحی تشریعی کے مقابل وحی غیر تشریعی نہیں وحی تکوینی ہے ۔

موضُوع حدیث

حدیث کا موضوع

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد:

آج کے عنوان میں حدیث موضوع fabricated report پر کلام نہیں بموضوع حدیث subject of the hadith زیرِ بحث ہے۔ حدیثِ موضوع گھڑی ہوئی حدیث کو کہتے ہیں۔ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ سے کسی صحیح یا ضعیف سند سے منقول نہ ہو اور موضوع حدیث سے مراد وہ عالی ذات ہے جس کے گرد یہ علم گھومتا ہے۔ اس عنوان میں حدیث کے اس مرکزی نقطہ کا بیان ہے جس کے گرد جملہ مباحث حدیث گردش کرتے ہیں۔

معلوم رہے کہ حدیث کا موضوع اور مرکز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے آپ عبداللہ کے بیٹے یا عبدالمطلب کے پوتے ہونے کی حیثیت سے اس کا موضوع نہیں بلکہ اللہ کے رسول ہونے کی حیثیت سے حدیث کا موضوع ہیں۔ آپ کے صحابہ اس کے موضوع بنے تو وہ بھی اس لیئے کہ وہ آپ کے صحابی تھے۔ پس حدیث وہ نعمتِ خداوندی ہے۔ جو اللہ رب العزت نے آپ کے سینہ میں اُتاری اور آپ نے اُسے بحکم خداوندی آگے دوسروں تک پہنچایا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

اما بنعمۃ ربك فحدث (پ۳۰ والضحیٰ) آپ اپنے پروردگار کی نعمت کی تحدیث کیجئے یعنی آپ اسے آگے بیان کرتے رہیں)۔ حضور کو حکم ہوا کہ آپ اس نعمتِ الٰہی کو آگے بیان کرتے رہیں جو اللہ نے آپ کو عطا فرمائی۔ یہ نعمت ہے ہی اس لیئے کہ آگے جاکر حدیث بنے۔ حدّث کے معنی حدیث بیان کرنے کے ہیں۔ یہ بیان کرنا گو لغتہً زبانی بیان کرنے کا نام ہے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال اور طریقے بھی اس نعمت کا عملی بیان ہیں۔ آپ

زبان سے بیان کریں یا عمل سے آپ کی ہر بات اور آپ کی ہر ادا امت کے لیئے اللہ تعالےٰ کی نعمت اور کل کائنات کے لیئے اللہ کی رحمت ہے۔ حضور رحمۃ للعالمین کا وجود مسعود تمام جہانوں کے لیئے رحمت ہے۔ اور آپ کی حدیث ہر ظلمت میں ایک اُجالا ہے۔

تعلیم رسالت کے تین عنوان

حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور اس نسبت سے صحابہ کرام کی ذوات قدسیہ ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات sayings اعمال Actions اور آپ کے سامنے کیئے گئے اعمال approvals (جن پر آپ نے کوئی اعتراض نہ کیا ہو اور انہیں اپنے سکوت سے منظوری بخشی ہو) سب حدیث کا موضوع ہیں۔ یہ تینوں ارشادات، اعمال اور منظور کردہ اُمور حدیث کا سرمایہ ہیں، علم حدیث میں انہی اُمور سے بحث ہوتی ہے۔ کہ آپ نے کیا فرمایا؟ ——— کیا کیا؟ ——— اور آپ نے اپنے مشاہدہ اور سکوت سے کس کس بات کو منظوری بخشی۔ اللہ کے پیغمبر کی آنکھ جس کام کو ہوتا دیکھ لے وہ آپ کے سکوت سے بھی دوسروں کے لیئے سند بن جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ حضورؐ کے دور میں کیئے گئے اعمال کو آگے اس طرح روایت کرتے تھے۔ گویا یہ سب تعلیم رسالت ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ حضورؐ کی اس منظوری سے وہ حضور کی ہی تعلیمات سمجھے جاتے ہیں۔ امام نوویؒ (۶۷۶ھ) مقدمہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:-

وان اضافه فقال كنا نفعل فى حياة رسول الله صلى الله عليه وسلم او فى زمنه او وهو فينا او بين اظهرنا او نحو ذلك فهو مرفوع وهذا هو المذهب الصحيح۔ مقدمہ شرح مسلم ص۱۷

ترجمہ۔ اور صحابی نے اگر وہ بات آگے نسبت کر دی کہ ہم حضور کی زندگی یا آپ کے وقت میں اس طرح کرتے تھے یا ہم نے ایسا کیا اور آپ ہم میں تھے یا ہمارے سامنے تھے یا اسی طرح کی کوئی اور تعبیر اختیار کریں تو یہ بات مرفوع حدیث کے حکم میں ہوگی اور یہی مذہب صحیح ہے۔

تقریری حدیث کی ایک مثال

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں تین رات تراویح کی نماز پڑھائی۔ اور پھر تراویح کے لیئے مسجد میں تشریف نہ لائے۔ آپ نے اس کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ آپ کے دائمی عمل سے کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ ہو جائے۔ ان تینوں راتوں کے بعد صحابہ کرامؓ مسجد میں مختلف اور متفرق جماعتوں میں تراویح کی نماز پڑھتے رہے اور اس کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بھی ہوئی۔ آپ نے اس پر کوئی اعتراض نہ فرمایا۔ بلکہ اس کی تصویب فرمائی۔ مسجد میں حضرت ابی بن کعبؓ (۱۹ ھ) تراویح پڑھا رہے تھے۔ آپ نے دیکھا تو فرمایا۔

اصابوا ونعم ما صنعوا[۱] صحیح بات کو پہنچے اور بہت اچھا ہے جو انہوں نے کیا۔

آپ کی اس تقریر و توثیق confirmation سے مسجدوں کی تراویح با جماعت اب تک بطور سنت ادا ہو رہی ہے۔ تراویح کی نسبت حضرت عمرؓ کی طرف بس اتنی ہے کہ آپ نے مسلمانوں کو متفرق جماعتوں سے ہٹا کر ایک بڑی جماعت پر جمع کر دیا تھا۔[۲] اور یہ بھی اس وقت کیا جب اس نماز کے فرض ہونے کا کوئی اندیشہ باقی نہ رہا تھا مسلمانوں میں تراویح کی جماعت اس تقریر نبوی سے اب تک شائع و رائج ہے۔ اس قسم کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور فعلی احادیث کے ساتھ ساتھ آپ کی تقریری احادیث بھی علم حدیث کا ایک بڑا سرمایہ سمجھی گئیں۔ آپ زبان مبارک سے تائید فرما دیں یہ تو ایک طرف رہا۔ آپ کی نظر مبارک پڑ جائے اور آپ خاموش رہیں تو اسے بھی آپ کی منظوری سمجھا جائے گا۔ جس کی نظر اعمال میں یہ تاثیر بخشے اس کے قلب کا فیض کس قدر عام ہوگا۔ پھر یہ نہیں ہو سکتا کہ آپ کے ہوتے ہوئے امت پر کوئی عذاب آئے۔

وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم[۳]

ترجمہ۔ اور اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا درحالیکہ آپ ان میں ہیں۔

---

[۱] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۹۵ عن ابی ہریرۃؓ [۲] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۶۹ [۳] پ ۹ التوبہ ع

صحابہؓ کے اعمال حضورؐ کے ترجمان

آپ کی تعلیماتِ قدسیہ قولی ہوں یا فعلی یا تقریری (جن کی آپ نے اپنے سکوت سے منظوری دی ہو) صحابہ کرامؓ کی زبان سے آگے بیان ہوں یا ان کے عمل سے یہ دونوں طریقے نعمت حدیث کو آگے پہنچانے میں برابر کے کارفرما رہے ہیں. وہ کبھی نام لے کر کہتے تھے کہ ہم حضور کا سا عمل تمہیں کر کے دکھائیں؟ اور پھر صحابہ کا عمل سامنے آتا ——— کبھی وہ یوں کہتے کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ایسا کیا کرتے تھے اور کبھی ایسا بھی ہوتا کہ صحابہ کے اپنے دینی اعمال ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا نشان سمجھے جاتے تھے اور یہ وہ کام تھے جن میں کسی اجتہاد کی گنجائش نہ ہوتی تھی اور یہ سمجھا جاتا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تعلیم ہے جو صحابہ کے اعمال میں جلوہ گر ہے. پہلی صورت کی مثال لیجئے. حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) نے اپنے اصحاب سے فرمایا:-

الا اصلی بکم صلوٰۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1] (فصلی)

ترجمہ. کیا تمہیں اس طرح کی نماز نہ پڑھاؤں جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم پڑھایا کرتے تھے؟

یاد رہے کہ یہ نماز کی شکل وصورت میں مشابہت بتلانی مقصود تھی. مقام نماز اور اس کی روحانی کیفیت میں غیر نبی کی نماز نبی کی نماز کو نہیں پہنچ سکتی. مخالفین صحابہ اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ پر یہ الزام لگاویں کہ دیکھو وہ اپنی نماز کو حضور کی نماز کے برابر کہہ رہے ہیں. اور یہ بے ادبی اور گستاخی ہے. تو ان کی خدمت میں عرض کیا جائے گا کہ قائل کی مراد سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے. قائل کی مراد سمجھے بغیر اس پر بے ادبی کا فتوے لگا دینا علماء سوء کا طریق ہے. اہل حق اس سے احتراز کرتے آئے ہیں. یونہی کسی کو بے ادب اور گستاخ کہہ دینا شرارت کے سوا کچھ نہیں. حضرت ابوہریرہؓ نے بھی اسی طرح ایک دفعہ اپنی نماز کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا نمونہ بتلایا. حضرت امام شافعیؒ روایت کرتے ہیں:-

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۲۰ جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۳۵

ان اباھریرۃؓ کان یصلی بھم فیکبر کلما خفض ورفع فاذا انصرف
قال واللہ انی لاشبھکم صلوۃً برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہؓ انہیں نمازیں پڑھا رہے تھے جب بھی آپ جھکتے
اور اُٹھتے اللہ اکبر کہتے۔ جب نماز پوری کر چکے تو فرمایا میں تمہیں حضورؐ
کی سی نماز بتلا رہا ہوں۔

کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کی نماز اپنے مقام اور کیفیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سی نماز تھی اور کیا کسی نے اس روایت کی بنا پر حضرت ابوہریرہؓ پر کوئی حضورؐ کی بے ادبی کا فتوےٰ لگایا؟

میمون المکی ایک دفعہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس گئے اور آپ سے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی نماز کا ذکر کیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا:۔

ان احببت ان تنظر الی صلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاقتد
بصلوۃ عبداللہ بن زبیر[2]

ترجمہ۔ اگر تم چاہتے ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو عملاً دیکھو تو عبداللہ بن
زبیرؓ کی نماز کی اقتدار کرو۔

یہاں یہ نقطہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع صحابہ کی اقتدار سے ہی امت میں جاری ہوئی ہے صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قدیم الصحبت ہو اور جتنا کثیر الصحبت ہو اتنا ہی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا زیادہ نمونہ سمجھا جائے گا۔ اس کے علاوہ کوئی حضورؐ کے بارے میں کسی علم کا دعوےٰ کرے تو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت لائے گا۔ حضرت ابوحمید الساعدیؓ (ر ۶۲ ھ) ایک دفعہ دس صحابہ میں بیٹھے تھے۔ اُن میں ابوقتادہ ابن ربعی بھی تھے۔ اُنہوں نے کہا۔ انا اعلمکم بصلوۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (میں حضورؐ کی نماز کو تم سب سے زیادہ جانتا ہوں) آپ نے جو کہا اُسے امام ترمذی کی روایت سے سنیئے:۔

---

[1] مسند امام شافعی ص۲۸ [2] سنن ابی داؤد جلد ا ص۱۰۸

قالوا ما کنت اقدمنا له صحبة ولا اکثرنا له اتیاناً، قال بلی، قالوا فاعرض فقال کان رسول الله صلی الله علیه وسلم اذا قام الی الصلوٰة اعتدل قائماً[1]

ترجمہ: صحابہ نے کہا آپ حضور کی صحبت میں ہم سے پہلے کے تو نہیں نہ آپ کا حضور کے پاس حاضر ہونا ہم سے زیادہ تھا۔ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔ اس پر دوسرے صحابہ نے فرمایا اچھا بیان کیجئے۔ پھر آپ نے کہا کہ حضورؐ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو سیدھے کھڑے ہوتے تھے۔

صحابہؓ کے عمل سے حدیث نبوی کی تخصیص

جہاں تک تیسری صورتِ حال کا تعلق ہے محدثین صحابہ کرام کے ارشادات سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات میں تخصیص تک روا رکھتے رہے ہیں۔ صحابی رسول حضرت جابر بن عبداللہؓ (۷۴ھ) نے فرمایا:۔

من صلی رکعة لم یقرأ فیها بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام.[2]

ترجمہ: جس نے ایک رکعت بغیر سورت فاتحہ کے پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی۔ مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لاصلوٰة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب میں یہ استثنار "مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو" عام روایات میں موجود نہ تھا۔ مگر حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) نے جو امام بخاریؒ و امام مسلم دونوں کے جلیل القدر استاد اور شیخ ہیں اور حدیث اور فقہ کے جامع امام ہیں۔ انہوں نے صحابی رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اس فیصلے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کا محل تلاش کر لیا اور مراد حدیث کو پا گئے۔ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کا معنی بتلاتے ہوئے صحابی کے قول سے حدیث نبوی کی تخصیص کی۔ امام ترمذی لکھتے ہیں:۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۰ [2] موطا امام مالک صفحہ ۴۴ موطا امام محمد صفحہ ۹۵

اما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبداللہ . . . . قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تاول قول النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ[1]

ترجمہ۔ امام احمد بن حنبل نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ جس نے سُورت فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی کا معنی یہ ہے کہ جب وہ اکیلا ہو یعنی جماعت سے نہیں اکیلے نماز پڑھ رہا ہو اور امام احمد نے اس پر حضرت جابر بن عبداللہؓ کی مذکورہ روایت سے استدلال پکڑا۔ امام احمد کہتے ہیں کہ یہ شخص (جابر بن عبداللہ رض) حضور کے صحابہ میں سے ہے اور اس نے حضور کے ارشاد لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ جب کوئی اکیلے نماز پڑھے (یعنی امام کے پیچھے نماز پڑھنا اس میں مراد نہیں ہے) تو بدوں فاتحہ اسکی نماز نہیں ہوتی۔

حضرت امام سفیان بن عینیہ (۱۹۸ھ) نے بھی اس ارشادِ نبوت کو اکیلے نماز پڑھنے والے پر محمول کیا ہے۔ پس حدیث لاصلوٰۃ لمن یقرأ بفاتحۃ الکتاب سے استدلال کر کے یہ نہیں کیا جا سکتا کہ جو شخص امام کے پیچھے سُورت فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں۔ قال سفیان لمن یصلی وحدہ[1]۔ یہ حدیث اس شخص کے بارے میں ہے۔ جو کہ اکیلے نماز پڑھے۔ ہو سکتا ہے کہ حضرت سفیان کو حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا یہ مطلب حضرت امام ابوحنیفہؒ نے ہی سمجھایا ہو۔ کیونکہ آپ نے ہی انہیں علم حدیث کی طرف متوجہ کیا تھا۔ حضرت سفیان خود کہتے ہیں :۔

اول من اقعدنی للحدیث ابوحنیفۃ۔[2]

ترجمہ۔ پہلا شخص جس نے مجھے حدیث کے سبق میں بٹھایا امام ابوحنیفہ تھے۔

ابن خلکان بھی حضرت سفیان سے نقل کرتے ہیں۔ اول من صیرنی محدثاً ابوحنیفۃ۔[3]

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۲ وقال ہذا حدیث حسن صحیح۔ [2] الجواہر المضیہ جلد ۱ صفحہ ۳۰ [3] ایضاً صفحہ ۱۰۳

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ امام ابو یوسفؒ سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے تفسیر حدیث میں امام ابو حنیفہؒ سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔[1]

اس وقت اس مسئلے سے بحث پیش نظر نہیں نہ یہاں ائمہ مجتہدین کے اختلاف مسالک پر گفتگو ہو رہی ہے۔ اس وقت صرف یہ کہنا مقصود ہے کہ اکابر محدثین نے صحابہ کے اقوال و اعمال کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی شرح کرنے میں کتنی اہمیت دی ہے اور حق یہ ہے کہ صحابہ کرام اپنے قول و عمل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی ترجمان سمجھے جاتے تھے ان کے تمام دینی ارشادات اور اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہی تعلیمات قدسیہ کا نشان تھے جو علمی اختلاف صحابہ میں راہ پا گیا آگے امت کے لیئے سند بن گیا۔ جس طریقہ پر بھی کسی صحابی کا عمل مل گیا اُسے اب کسی طرح گمراہی قرار نہ دیا جائے گا۔ اسے باطل کہنا صرف اہل باطل کا ہی نصیب ہو گا۔ ان حضرات کے جملہ دینی اعمال کسی نہ کسی شکل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی استناد رکھتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے ائمہ کے مختلف فیہ مسائل کو صحابہ کے اعمال سے مستند بتلایا ہے اور سلف کے اختلاف کو امت کے لیئے وسعت عمل کی راہیں فرمایا ہے۔ آپؒ اپنے رسالہ "سنّتُ الجمعہ" میں لکھتے ہیں :-

فان السلف فعلوا هذا وهذا وكان كلا الفعلين مشهورًا بينهم كانوا يصلون على الجنازة بقرأة وبغير قرأة كما كانوا يصلون تارةً بالجهر بالبسملة وتارةً بغير جهر وتارة باستفتاح وتارة بغير استفتاح و تارة برفع اليدين فى المواطن الثلثة وتارة بغير رفع وتارة يسلمون تسليمتين وتارة تسليمة واحدة وتارة يقرأون خلف الامام بالسر وتارة لا يقرأون وتارةً يكبرون على الجنازة سبعًا وتارة خمسًا وتارة اربعًا كان فيهم من يفعل هذا وفيهم من يفعل هذا كل هذا ثابت عن الصحابة[2]

ترجمہ۔ سلف صالحین نے دونوں طرح کیا ہے اور دونوں فعل ان میں مشہور و

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صـ [2] ماخوذ از الانصاف لرفع الاختلاف صـ۱۰ مصنفہ مولانا عبدالحق سیالکوٹی بن مولانا حسن شاہ مطبوعہ ۱۹۱۰ء رفاہ عام سٹیم پریس لاہور۔

معروف رہے ہیں. بعض سلف نماز جنازہ میں قرأت کرتے تھے اور بعض نہیں کرتے تھے جیسے کبھی بسم اللہ نماز میں اُونچی پڑھ لیتے تھے اور کبھی بسم اللہ بغیر جہر کے پڑھتے تھے ——— کبھی افتتاح والی دعا پڑھ لیتے اور کبھی نہ پڑھتے. ——— کبھی رکوع کو جاتے. رکوع سے اُٹھتے اور تیسری رکعت شروع کرتے رفع یدین کر لیا ——— اور کبھی ان تینوں موقعوں پر رفع یدین نہ کرتے. نماز پُوری ہونے پر کبھی دونوں طرف سلام پھیرتے کبھی ایک طرف. کبھی امام کے پیچھے قرأت (فاتحہ اور سُورت) کر لیتے اور کبھی نہ کرتے. نماز جنازہ پر کبھی سات تکبیریں کہتے کبھی پانچ اور کبھی چار ——— سلف میں ان میں سے ہر طریقے پر عمل کرنے والے تھے اور یہ سب اقسام عمل صحابہؓ سے ثابت ہیں.

صحابہ کے اعمال سے علم حدیث میں وسعت

یہ وہ اعمال ہیں جو صحابہ کی روزمرہ کی زندگی سے تعلق رکھتے ہیں. جب ان میں صحابہ کرام مختلف العمل رہے اور ہر طریق عمل اپنی اپنی جگہ قائم رہا. تو یہ بدوں اس کے متصور نہیں. کہ ان حضرات نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مختلف مواقع میں مختلف طریقوں پر عمل کرتے دیکھا ہو. پھر جُوں جُوں آپ کی آخری زندگی کے طریقے ان کی نگاہوں میں ممتاز اور راجح ہوتے چلے گئے. اپنی اپنی تحقیق اور ترجیح کے وجوہ ان کے سامنے روشن ہوتے چلے گئے یہاں تک کہ ان اختلاف نے ائمہ اربعہ کی تحقیقات میں راجح اور مرجوح کی صورتیں اختیار کر لیں ———

. تاہم اس اقرار سے چارہ نہیں کہ علم حدیث میں اعمال صحابہ سے بھی تفصیلی بحث ہوتی ہے. حدیث کی کتابوں میں حضورؐ کی مرویات کے ساتھ ساتھ اُن کی مرویات بھی ہوتی ہیں یہ حضرات تزکیہ صفات میں بھی حضورؐ کی محنت کا مظہر ہیں. ضروری ہے کہ یہ بھی حدیث کا موضوع سمجھے جائیں.

صحابہ کے عمل کو علم حدیث میں اتنی اہمیت دی گئی ہے کہ اگر صحابی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک روایت نقل کرے اور اس کا اپنا عمل اس کے خلاف ہو تو اس عمل سے اس حدیث کے نسخ پر یا اس کے عمومی حجت نہ ہونے پر استدلال کیا جا سکے گا. اس میں محدثین کی راہیں

گو مختلف رہی ہیں۔ تاہم اس سے انکار نہیں کیا سکتا کہ صحابہ کے اپنے اعمال و فتاوے کو علم حدیث میں بہت اہمیت حاصل ہے اور یہ حضرات بھی حدیث کا ایک اہم موضوع رہے ہیں۔

صحابی کے فتوے سے اس کی روایت کی تحقیق

حضرت ابوہریرہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ جب کتا تم میں سے کسی کے برتن کو منہ لگا دے تو اُسے سات دفعہ دھونا چاہیئے[۱] مگر جب حضرت ابوہریرہؓ نے خود تین دفعہ دھونے کا فتوے دیا تو اس سے یہی سمجھا گیا کہ سات دفعہ دھونے سے محض تاکید مراد تھی اور پاک ہونے کا تقاضا تین دفعہ دھونے سے پُورا ہو جاتا ہے[۲] عربی اسلوب میں بے شک اس طرز تاکید کی گنجائش موجود ہے۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ اپنی تقریر ترمذی میں فرماتے ہیں :-

ان ابا هريرة روى الحديث و افتى بعد النبى صلى الله عليه وسلم بالثلث وعمل عليه و فعل الراوى يكون بيانا لحديثه[۳]

ترجمہ۔ حضرت ابوہریرہؓ نے یہ حدیث (کہ برتن کو سات دفعہ دھوویں) روایت بھی کی اور حضورؐ کے بعد فتوے تین دفعہ دھونے پر دیا اور اس پر عمل کیا اور راوی کا فعل اس کی روایت کا بیان ہوتا ہے۔

مشہور محدث علامہ ابن ہمام اسکندری (۸۶۱ھ) کہتے ہیں کہ صحابی کا فتوے جب اس کی روایت کے خلاف ہو تو فیصلہ اس کے فتویٰ پر ہونا چاہیئے۔ نہ اس روایت پر جو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہا ہو۔ کیونکہ یہ نہیں ہو سکتا کہ صحابی جان بُوجھ کر حدیث رسُول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خلاف چلے۔ اس خلاف روایت فتوے سے یہ سمجھا جائے گا کہ اس صحابی کے پاس اس روایت کے منسوخ یا ماوّل ہونے کی کوئی سند ضرور موجود تھی۔ کیونکہ ہم صحابہ کے بارے میں نیک گُمان کے پابند ہیں۔ ہم یہ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ وہ حضرات تزکیہ صفات پا کر بھی جان بُوجھ کر آقا کے خلاف چلیں۔ حافظ ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں :-

اذا لم يعرف من الحال سوى انه خالف مرويه حكمنا بانه اطلع على

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ صـ۱۳۷ [۲] حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ [۳] تقریر ترمذی شیخ الہند صـ

ناسخة فی نفس الامر ظاھرًا لان الظاھر انه لا یخطئ فی ظن غیر الناسخ ناسخاً.

ترجمہ۔ جب اس کے سوا کوئی اور بات سامنے نہ آئے کہ اس نے اپنی روایت کا خلاف کیا ہے ہم فیصلہ کریں گے کہ وہ اس کے نسخ پر مطلع ہو چکا ہے۔ یہ بات اپنی جگہ واضح ہے کہ صحابی غیر ناسخ کو ناسخ سمجھنے کی غلطی نہیں کر سکتا۔

ہاں اگر یقینی طور پر معلوم ہو جائے کہ موضوع مسئلہ اجتہادی تھا اور اجتہاد کی خطا کسی طرح معلوم ہو گئی تو پھر فتوے اس روایت پر ہونا چاہیئے صحابی کے اپنے عمل پر نہیں۔

فلو اتفق فی خصوص محل بان عمله بخلاف مرویه کان لخصوص دلیل علمناه وظھر للمجتھد غلطه فی استدلاله بذلك الدلیل لا شك انه لا یکون مما یحکم فیه بنسخ مرویه لان ذلك ما کان الا لاحسان الظن بنظره فاما اذا تحققنا فی خصوص مادة خلاف ذلك وجب اعتبار مرویه بالضرورة دون رایه[1]

ترجمہ۔ اور اگر کسی خاص موقع پر یہ معلوم ہو گیا کہ اس کا عمل اپنی روایت کے خلاف کسی خاص وجہ سے تھا جسے ہم نے جان لیا اور مجتہد کے سامنے اس کا اس دلیل سے استدلال کرنا غلط ثابت ہو گیا تو ایسے موقع پر بلاشبہ اس روایت کے منسوخ ہونے پر حکم نہ کیا جا سکے گا۔ کیونکہ وہ اصول تو صحابی کے بارے میں محض حسن ظن پر مبنی تھا۔ سو جب کسی خاص موقعہ پر تحقیق اس کے خلاف رہی تو اب اعتبار روایت کا ہو گا۔ اس کے اپنے فیصلے کا نہیں۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں:۔

ان عمل الراوی بخلاف ما رواه دال علی نسخ ما رواه۔[2]

ترجمہ۔ راوی کا اپنی روایت کے خلاف عمل کرنا اس روایت کے منسوخ ہونے کا پتہ دیتا ہے۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کی رائے بھی ملاحظہ ہو:۔

---

[1] فتح القدیر جلد ۳ صـ ۴۴۵ [2] فتح الملہم بشرح صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۴۴۵

راوی الحدیث اعرف بالمراد بہ من غیرہ ولا سیما الصحابی المجتھد[1]

ترجمہ۔ راوی حدیث اس حدیث کی مراد کو بہتر جانتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ صحابی اور مجتہد ہو۔

صحابہ اور عام راویوں میں فرق

ایک صحابی بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہا ہو تو یہ درست نہیں کہ انسان اس کی تائید میں اور صحابہ سے پوچھتا پھرے عمل کے لئے بس یہی کافی ہے۔ صحابہ عام ثقہ راویوں کی طرح نہیں کہ کثرت رواۃ سے روایت میں اور قوت آجائے۔ ورنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت سعدؓ سے مروی روایت کے بعد اس کی مزید تحقیق سے نہ روکتے۔ علم جس قدر پختہ ہو اس میں کوئی حرج نہ تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحابی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات کا نقل کر دینا علم کا وہ نقطۂ عروج ہے کہ اب اس کے بعد کوئی غلجان باقی نہیں رہتا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

اذا حدثک شیئا سعد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا تسئل عنہ غیرہ[2]

ترجمہ۔ جب سعد تمہارے سامنے حضورؐ کی کوئی حدیث نقل کرے تو اس کے بارے میں کسی اور سے نہ پوچھ۔

پھر یہ بھی ہے کہ عام راوی کی وہی روایت معتبر ہے جو مروی عنہ (جس سے روایت لی جارہی ہے) سے متصل ہو۔ لیکن صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اس واقعہ کی خبر دے جس میں وہ خود موجود نہ تھا۔ تو بھی یہ روایت محدثین کے نزدیک معتبر اور لائق قبول ہوگی۔ صحابی کی مُرسل روایت کو قبول کیا جائے گا۔ صحابہ کی مرویات میں یہ سوال نہیں کیا جاتا۔ کہ انہوں نے اس دور کی روایت جسے انہوں نے نہیں پایا کس سے لی ہے۔ صحیح بخاری کے شروع میں اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (د، ۵۵ھ) سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا۔ حالانکہ آغاز وحی کے وقت وہ پیدا بھی نہ ہوئی تھیں۔ بایں ہمہ یہ حدیث مقبول و معتمد سمجھی گئی۔ اور بے شک یہ صحیح ہے۔ کسی صحابی یا صحابیہ سے نہیں ہو سکتا کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۴۴۵ [2] صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۲۲

بارے میں کوئی بات خلاف واقع کہیں۔ سو ان کے لیئے ضروری نہیں کہ ان کی روایت متصل ہو۔ اُن کا مقام اسلام میں عام راویوں سے بہت اُونچا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تقوے ان کی ذوات کے کے لیئے لازم کردیا تھا اور وہ بے شک اس کے اہل تھے۔ محدثین کے ہاں وہ سارے کے سارے عدول ہیں۔ تحقیق روایت میں جہاں اور راویوں کے بارے میں جرح و تعدیل کی بحث چلتی ہے۔ صحابہ کے بارے میں یہ بحث نہیں چلتی۔ یہاں اس کی کوئی گنجائش نہیں۔ یہاں تعدیل ہی تعدیل ہے جرح کو اس میں راہ نہیں۔

صحابہ کی مرسل روایات بھی مقبول ہیں اور قانونی طور پر حجت ہیں اور یہ ان ائمہ حدیث کے ہاں بھی معتبر ہیں جو دوسرے راویوں کی مرسل روایات سے حجت نہیں پکڑتے۔ صحابہ کرام سے نہ اتصال روایت کا مطالبہ ہے نہ ان کی تعدیل کی کہیں تلاش ہے۔ ساتویں صدی کے جلیل القدر محدث امام نووی الشافعیؒ (۶۷۶ھ) مرسل کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

واما مرسل الصحابي وهو رواية مالم يدركه او يحضره كقول عائشة رضي الله عنها اوّل ما بدئ به رسول الله صلى الله عليه وسلم من الوحي الرؤيا الصالحة فمذهب الشافعي والجماهير انه يحتج به وقال الاستاذ ابو اسحق الاسفرائيني الشافعي انه لا يحتج به الا ان يقول انه لا يروي الا عن صحابي والصواب الاول[1]

ترجمہ۔ مرسل سے مراد وہ روایت ہے جس کا وقت راوی نے نہ پایا ہو یا وہ خود اس وقت حاضر نہ ہو۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ کا یہ کہنا کہ حضورؐ پر وحی کی ابتدا سچے خوابوں سے ہوئی تھی۔ اس دور کی بات ہے جسے آپ نے نہیں پایا۔ امام شافعی اور جمہور محدثین کا بھی یہ مذہب ہے کہ صحابی کی مرسل روایت لائق حجت ہے۔ ہاں ابو اسحق اسفرائینی کہتے ہیں کہ جب تک وہ روایت کرنے والا صحابی یہ نہ کہے کہ وہ صحابی کے بغیر کسی دوسرے سے روایت نہیں لیتا۔ اسے لائق احتجاج نہ سمجھا جائے اور صحیح بات وہی ہے۔ جو

---

[1] مقدمہ شرح مسلم صلا وکذلک فی صد من المجلد الاوّل

پہلی ہے کہ صحابی کی مرسل روایت ہر حال میں حجت ہے۔

صحابہ اور دوسرے راویوں میں فرق کیوں ؟

سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب دوسرے راویوں کے لیئے جرح وتعدیل کی میزان ہے۔ تو صحابہ اس قاعدہ سے کیوں نکل گئے ؛ نہ ان سے اتصال روایت کا مطالبہ ہے۔ نہ ان پر جرح کی اجازت ہے نہ ان کی روایت کسی اور تائید کی محتاج ہے۔ کیا یہ حضرات عام بشری کمزوریوں سے بالا تھے۔ کہ ان میں اور عام راویوں میں اتنا بڑا فاصلہ پیدا ہوگیا۔ اتنا بڑا فرق آخر کیسے قائم ہوگیا؛

الجواب

صحابہ کی بشریت سے انکار نہیں۔ ان میں بشری احساسات بھی تھے بشری رجحانات بھی تھے۔ اور بشری نفوس بھی تھے۔ لیکن ان کے دلوں کی پاکیزگی پر کتاب اللہ کی کھلی شہادت موجود ہے۔ ان کی طہارت قلبی پر قسم کھائی جا سکتی ہے۔ سو وہ ان بشری کمزوریوں سے یقیناً بالا تھے۔ جو سچ اور جھوٹ، حق اور باطل، امانت اور خیانت میں فرق نہ کر سکیں۔ ان کے نفوس بشریہ کا اقرار اسی صورت میں لائق ذکر ہے۔ کہ ساتھ ہی ان کی طہارت قلبی کا اعتراف ہو۔ ایک ایسے ہی مبحث سے حضرت ملا علی قاری کو گزرنا پڑا تو فرمایا:

اعلم ان الصحابة مع نزاهة بواطنهم وطهارة قلوبهم كانوا بشرًا كانت لهم نفوس والنفوس صفات تظهر فقد كانت نفوسهم تظهر بصفة وقلوبهم منكرة لذلك ليرجعون الى حكم قلوبهم وينكرون ما كان عن نفوسهم۔[1]

اسلام میں اصل الاصول قرآن پاک کی ہدایات INSTRUCTIONS ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی تعلیم و تربیت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ذمہ داری ٹھہرائی تھی اور ان کے باطن کو پاک کرنا آپ کے فرائض رسالت میں شمار کیا تھا۔ تو اب ان کی طہارت قلبی کا اقرار نہ کرنا دوسرے لفظوں میں یہ کفری بات کہنا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے فرائض رسالت کو ادا نہ کر سکے اور آپ نے صحابہ کو عمومی پاکیزگی نہ بخشی یہ سراسر الحاد ہے۔

---

[1] شرح فقہ اکبر ص۸۳ مطبع قرآن محل کراچی (نقلاً عن العارف السہروردیؒ)

اس میں اخص صحابہ ہی DISTINCT COMPANIONS ہی مراد نہ تھے۔ جیسے حضرت ابوبکرؓ
اور حضرت علی المرتضیٰؓ ان حضرات پر تو کفر کا ایک لمحہ بھی نہ گزرا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تو ان لوگوں کا تزکیہ (دلوں کا پاک کرنا) آپ کے ذمہ لگایا تھا جو پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔ قرآن کریم میں آپ کے فرائض رسالت زیادہ تر انہی لوگوں سے متعلق ہیں جو پہلے کفر میں مبتلا تھے۔

وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین[۱]

ترجمہ۔ اور بے شک اس سے پہلے وہ لوگ کھلی گمراہی میں تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے فرائض رسالت اس خوبی سے سرانجام دیئے کہ آپ کا ایک صحابی بھی ایسا نہ تھا جو عمداً جھوٹ بولتا ہو اور غیر ثقہ ہو شیخ الاسلام علامہ بدرالدین عینیؒ لکھتے ہیں:۔

لیس فی الصحابۃ من یکذب وغیر ثقۃ۔[۲]

ترجمہ۔ صحابہ میں ایک بھی ایسا نہ تھا جو جھوٹ بولتا ہو اور ثقہ نہ ہو۔

یہ کسی عالم یا مجتہد کی بات نہیں خود اللہ تعالیٰ نے ان (صحابہ) کے باطن کی خبر دے دی تھی اور یہاں تک فرمایا۔ کہ بے شک وہ اس کے اہل تھے۔

والزمھم کلمۃ التقویٰ وکانوا احق بھا واھلھا۔[۳]

ترجمہ۔ اور قائم رکھا اللہ نے انہیں تقوے کی بات پر اور حق یہ ہے کہ وہ اس کے لائق تھے اور اس کے اہل تھے۔

یہ قرآن پاک کی شہادت ہے جس میں کسی قسم کا شک نہیں کیا جا سکتا۔ جو شخص عام صحابہ کے بارے میں کلمہ تقوے لازم ہونے کا قائل نہ ہو اور ان کی اہلیت میں اس لیئے شک کرے کہ وہ پہلے کھلی گمراہی میں تھے وہ صریح طور پر منکر قرآن ہے۔ حدیث میں کلمۃ التقوے کی تفسیر لا الٰہ الا اللہ سے کی گئی ہے۔ سو تقوے وطہارت کی بنیاد یہی کلمہ ہے۔ جس کے اٹھانے اور اس کا حق ادا کرنے کے لیئے اللہ تعالیٰ نے اصحاب رسول کو چن لیا تھا اور بلاشبہ اللہ کے علم میں وہی اس کے مستحق اور اہل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی شخصیات کریمہ کو اس طرح اخلاق

---

[۱] پ ۴ آل عمران ع ۱۷ [۲] عمدۃ القاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۵ [۳] پ ۲۶ الفتح ع ۲

فاضلہ سے جلا بخشی تھی. کہ کفر گناہ اور نافرمانی سے انہیں طبعًا متنفر کر دیا تھا اور ایمان کو اُن کے دلوں کی طلب اور زینت بنا دیا تھا. اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:۔

ولکن اللہ حبب الیکم الایمان وزینہ فی قلوبکم وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان.[1]

ترجمہ. اور اللہ تعالیٰ نے ایمان کو تمہارے دلوں کا محبوب بنا دیا اور اسے تمہارے دلوں میں زینت بخشی ـــــ اور کفر، گناہ اور نافرمانی کو تمہارے ہاں لائق نفرت بنا دیا (یعنی تم طبعًا اُن سے دور ہو گئے. تمہارے لیئے شریعت طبیعت بنا دی گئی).

صحابہؓ سب کے سب عادل ہیں کسی پر جرح نہیں

قرآن کریم نے جب صحابہ کے باطن کی خبر دی کہ وہ سب دولتِ ایمان پا چکے تھے. تو وہ سب تزکیہ و تعدیل پر فائز سمجھے جائیں گے. ان شخصیاتِ کریمہ میں جرح کو قطعًا راہ نہ ہوگی. وہ سب کے سب عادل قرار پائیں گے. جب دوسرے راویوں کے لیئے جرح و تعدیل کی میزان قائم کی جائے گی تو اس مقدس گروہ کو اس سے مستثنیٰ رکھا جائے گا اور وہ ہر لحاظ سے قابلِ اعتماد سمجھے جائیں گے. ان کے دلوں میں ایمان لکھا جا چکا. قرآن کریم میں ہے:۔

اولئک کتب فی قلوبہم الایمان.[2] یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ ایمان لکھ چکا.

خطیب بغدادی (۴۶۳ ھ) لکھتے ہیں:۔

ان عدالۃ الصحابۃ ثابتۃ معلومۃ بتعدیل اللہ لھم واخبارہ عن طہارتھم واختیارہ لھم فی نص القرآن.[3]

ترجمہ. صحابہ کا عادل ہونا یقینی طور پر ثابت ہے. اللہ تعالیٰ نے ان کی تعدیل کی اور ان کے دلوں کی پاکیزگی کی خبر دی ہے اور انہیں نص قرآن کے مطابق اس نے (اپنے نبی کی صحبت کے لیئے) چن لیا ہوا تھا.

---

[1] پ ۲۶ الحجرات ع ۱ [2] پ ۲۸ المجادلہ ع ۳ [3] الکفایہ ص ۴۶

اور آگے جا کر پھر لکھتے ہیں:۔

فلا یحتاج احد منهم مع تعدیل اللہ لهم المطلع علی بواطنهم الی تعدیل احد من الخلق له[1]

ترجمہ: صحابہ میں سے کوئی بھی مخلوقات میں سے کسی کی تعدیل کا محتاج نہیں۔ یہ اس لیئے کہ اللہ تعالیٰ جو ان کے باطن پر پوری طرح مطلع ہوا اُن کی تعدیل کر چکا ہے۔

اور علامہ ابن اثیر الجزری (۶۳۰ھ) اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہ صحابہ جرح سے بالا کیوں ہیں" لکھتے ہیں:۔

والصحابة یشارکون سائر الرواة فی جمیع ذلك الا فی الجرح والتعدیل فانهم کلهم عدول لا یتطرق الیهم الجرح لان اللہ عزوجل ورسوله زکاهم وعدلاهم وذلك مشهور لا نحتاج لذکره[2]

ترجمہ: صحابہ دوسرے راویوں کے ساتھ ان تمام باتوں میں شریک ہیں۔ مگر جرح و تعدیل میں وہ باقی راویوں سے مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ یہ سب کے سب عادل ہیں جرح ان کی طرف راہ نہیں پا سکتی۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کا تزکیہ کیا ہے اور انہیں عادل ٹھہرایا ہے اور یہ بات اتنی واضح ہے کہ ہمیں اس کے ذکر کی حاجت نہیں۔

حافظ ابن عبد البر مالکی (۴۶۳ھ) حضرت عمرؓ کی فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ عراق، شام، فارس اور رُوم کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو ان میں وہ لوگ بھی تھے جن سے جھوٹ کا اندیشہ ہو۔ اس لیئے حضرت عمرؓ نے نقل روایت میں سختی کی۔ آپ ان کی کہی بات میں زیادہ احتیاط کے داعی تھے۔ اس پر حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں کہ صحابہ کے بارے میں یہ بات کسی طرح نہیں ہو سکتی اور آگے اس پر قرآن کریم سے استدلال کرتے ہیں:۔

ان اللہ فتح علیه فارس والروم ودخل فی الاسلام کثیر ممن یجوز علیهم الکذب لان الایمان لم یستحکم فی قلوب جماعة منهم ولیس هذه

---

[1] الکفایہ صہ۴۶ [2] اسد الغابہ جلد ۱ صہ۲

صفة اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لان اللہ تعالیٰ قد اخبر انہم خیر امۃ اخرجت للناس وانہم اشداء علی الکفار رحماء بینہم واثنیٰ علیہم فی غیر موضع من کتابہ۔[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ پہ فارس اور روم کے علاقے مفتوح فرمائے اور اسلام میں بے شک بہت سے وہ لوگ داخل ہوئے جن کے دلوں میں ایمان نے جماؤ نہ پایا تھا اور بہت ممکن رہا کہ وہ جھوٹ بول جائیں لیکن یہ بات حضور کے صحابہ میں نہ تھی اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں خبر دے چکے ہیں کہ وہ بہترین امت تھے جو لوگوں کے لیئے دینِ حق کے گواہ بنائے گئے وہ کافروں پر سخت رہے آپس میں نرم اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں انکی کئی جگہ تعریف کی ہے

پھر صارع کی بحث میں ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

وکان الصحابۃ فی زمن معاویۃ متوافرین لا یجوز علیہم الغلط فی مثل ھذا۔[2]

ترجمہ۔ حضرت معاویہؓ کے زمانہ میں صحابہ کثیر تعداد تھے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس قسم کے دینی فیصلہ میں غلطی کر جائیں۔

ان جمیعہم ثقات مامون عدل رضی فواجب قبول ما نقل کل واحد منہم وشہد بہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

ترجمہ۔ سب صحابہ ثقہ (قابلِ اعتماد) اور امانت دار ہیں، عادل ہیں، اللہ ان سے راضی ہوا۔ ان میں سے ہر ایک نے جو بات حضورؐ سے نقل کی وہ واجب القبول ہے اس بات کی اس نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ گواہی دی ہے۔

امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت جو حضرت امام حسنؓ کی صلح کے بعد منعقد ہوئی تھی، کے برحق ہونے پر صحابہ کی موجودگی سے جو استدلال کیا ہے اس میں صحابہ کی اسی اصولی حیثیت کا اقرار کیا گیا ہے۔ حافظ ابو زرعہ الدمشقی (۲۸۱ھ) لکھتے ہیں :۔

عن الاوزاعی قال ادرکت خلافۃ معاویۃ عدۃ من اصحاب رسول اللہ

---

[1] کتاب التمہید جلد ۳ ص ۲ [2] ایضاً جلد ۴ ص ۱۳۶ [3] ایضاً جلد ۴ ص ۲۶۳

صلی اللہ علیہ وسلم منہم سعد واسامۃ وجابر بن عبداللہ وابن عمرو زید بن ثابت ومسلمۃ بن خالد وابو سعید ورافع بن خدیج وابوامامہ وانس بن مالک ورجال اکثر من سمیت باضعاف مضاعفۃ کانوا مصابیح الہدی وادعیۃ العلم حضروا من الکتاب تنزیلہ واخذوا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تاویلہ[1]۔

ترجمہ۔ امام اوزاعیؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہؓ کی خلافت بہت سے اصحاب رسول نے پائی ہے ان صحابہ میں حضرت سعدؓ، حضرت اسامہؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت مسلمہ بن خالدؓ، حضرت ابوسعید الخدریؓ، حضرت رافع بن خدیجؓ حضرت ابوامامہؓ، حضرت انس بن مالکؓ اور جتنے نام لیے گئے ان سے کئی گنا زیادہ صحابہ موجود تھے۔ یہ سب ہدایت کے روشن چراغ اور علم کے بڑے بڑے ظروف تھے جو قرآن کے نازل ہونے وقت کے حاضرین تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن کے مطالب پانے والے تھے۔

شریعت اور طبیعت میں مطابقت

اللہ تعالیٰ جن لوگوں کو گناہ سے طبعاً متنفر کر دیتے ہیں تو پھر شریعت ان کی طبیعت ہو جاتی ہے۔ ان کے لیے پھر ممکن نہیں رہتا کہ وہ اپنے ارادہ سے اپنے آقا و مولیٰ کے ذمہ روایۃً یا عملاً کوئی ایسی بات لگائیں جو آپ نے نہ کہی ہو نہ کی ہو اور اسلام میں اسلام کے نام سے کوئی ایسی بات داخل کریں جو اسلام نے نہ بتائی ہو۔ گناہ کے لیے بدنیتی ضروری ہے۔ جب تک نیت بُری نہ ہو گناہ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت اور تزکیہ باطن سے ان حضراتِ قدسیہ کے دلوں سے بدنیتی کا پہلو یکسر مٹا دیا تھا۔ ان سے کوئی خطا سرزد ہو بھی تو بدنیتی کے بغیر ہو گی اور اسے خطاء اجتہادی سمجھا جائے گا اور اس پر بھی یہ حضرات ایک اجر پائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے کسی عمل پر بدعت کا اطلاق نہیں ہوتا نہ بدعت وسُنّت

---

[1] تاریخ ابی زرعہ جلد ۱ صفحہ ۳۰۹، صفحہ ۱۸۹

کے نام پر ان میں کبھی کوئی فرقہ بندی ہوئی اور نہ اس نام سے ان میں کوئی اختلاف قرار پایا تھا اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

جہاں تک صحابہ کے اخلاص و عمل کا تعلق ہے اُسے حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ کے الفاظ میں مطالعہ کیجئے:۔

ہر شخص جو اُن کی زندگی کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انہوں نے راہِ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوشحالی اور رُوح کے کامل سُرور کے ساتھ اپنی زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں۔ ان میں جو لوگ اوّل دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب و روز کی جانکاہیوں اور قربانیوں کے پُورے تئیس برس گزر گئے لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھُلی ہو۔ انہوں نے مال و علائق کی ہر قربانی اس جوش و مسرت کے ساتھ کی گویا دُنیا وجہاں کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لیئے فراہم ہوگئی ہیں ـــــ اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوشی خوشی گردنیں کٹوا دیں۔ گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں موت میں تھی[۱]

اس تفصیل سے یہ بات ازخود واضح ہو جاتی ہے کہ ان حضرات کی زندگیوں میں کس طرح تعلیم نبوّت اُتری تھی۔ ان کے سینے علم نبوی سے خوشحال اور ان کے قلوب تزکیہ کی دولت سے مالامال تھے۔ ان کی کوئی بات منشائے رسالت پر نہ بھی ڈھلی ہو تو بھی اس پر اجتہاد کا ایک اجر مرتب ہے۔ اس پر حکم معصیت نہیں آتا یہی وجہ ہے کہ صحابہ کے کسی عمل پر بدعت کا اطلاق نہیں ہوتا اور یہی وجہ ہے کہ بدعت اور سنت کے نام پر کبھی ان میں کوئی باہمی فرقہ بندی قائم نہ ہوئی تھی۔

صحابہ کے اعمال پر بدعت کا اطلاق نہیں

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ خلفائے راشدینؓ کوئی بات اپنے

---

[۱] ترجمان القرآن سورہ توبہ جلد ۲ صہ ۱۴۲

اجتہاد اور قیاس سے بتائیں اور اس پر کوئی صریح نص ان کے پاس نہ ہو تو بھی اس پہ بدعت کا اطلاق نہیں کیا جا سکتا اور ان کی اس بات کو موافق سنّت ہی سمجھا جائے گا۔

پس ہر چہ خلفائے راشدین بداں حکم کردہ باشند . . . . اطلاق بدعت برآں نتواں کرد[1]

حضرت شیخ کا یہ فیصلہ اہل السنّت والجماعت کے اس بنیادی اصُول کے تحت ہے کہ بدعت کی حدیں صحابہ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

اما اهل السنة والجماعة فيقولون فی کل فعل و قول لم يثبت عن الصحابة رضی الله عنهم هو بدعة لانه لوکان خيرًا لسبقونا اليه انهم لم يتركوا خصلة من خصال الخير الا وقد بادروا اليها۔[2]

ترجمہ۔ اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ ہر وہ قول اور فعل جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے۔ کیوں کہ اس (دینی کام) میں کوئی خیر ہوتی تو صحابہ کرام ہم سے پہلے اس کام کی طرف رُخ کرتے۔ انہوں نے نیکی کی کسی بات کو نہ چھوڑا۔ مگر یہ کہ وہ اس کی طرف دوڑتے تھے۔

صحابہ کرام خود بھی اس بات کو جانتے تھے کہ ان کا نیکی کا ہر عمل شرعی سند رکھتا ہے۔ وہ نصًا ہو یا اجتہاداً سب کے سب قولاً اور عملاً ترجمان شریعت تھے۔ حضرت حذیفہ بن الیمان رضؓ (۳۶ھ) فرماتے ہیں:۔

کل عبادة لم يتعبدها اصحاب رسول الله صلی الله عليه وسلم فلا تعبدوها۔[3]

ترجمہ۔ دین کا ہر وہ عمل جسے صحابہ نے دین نہیں سمجھا اسے تم بھی دین نہ سمجھنا

بدعت کا مبدءُ ہوی اور نفسانی خواہشات ہوتی ہیں۔ سو جن حضرات کے دل تزکیہ وطہارت کی دولت پا چکے تھے اُن سے بدعت کا صدور قریب قریب ناممکن ہو گیا تھا۔ یہ صحیح ہے۔ کہ وہ انسان تھے اور نفوس انسانی رکھتے تھے۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کامل سے تزکیہ قلب کا فیض اس قدر لے چکے تھے کہ دوسرے رواۃ حدیث کی طرح ان پر جرح کی اجازت نہ ہوگی جرح

---

[1] اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۳۰ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۵۶ [3] الاعتصام جلد ۱ صفحہ ۵۴

کا منشاء عدم رضا ہے۔ سو جن سے خدا راضی ہو چکا اور وہ خدا سے راضی ہو چکے ان پر جرح کیسے ہو سکے۔ ان پر جرح تو خدا سے عدم رضا کا اظہار ہوا (معاذ اللہ) سو ان حضرات قدسی صفات پہ نہ جرح کی اجازت ہے نہ ان سے اتصال سند کا مطالبہ ہے اور وں کی روایت کثرت رواۃ سے قوت پائے گی۔ یہاں ایک صحابی بھی کوئی بات کہہ دے تو اب اور کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں۔ یہاں تک کہ اپنے ہر مسئلہ میں کسی ایک صحابی کو مرکز علم بنا لیا جائے اور ہر مسئلے میں اس کی طرف رجوع کیا جائے تو یہ بالکل درست ہوگا۔

ہر مسئلے میں ایک ہی صحابی کی طرف رجوع کرنا

نقل روایت میں تو ایک صحابی کے بعد کسی دوسرے صحابی سے مزید تحقیق کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لئے کہ صحابہ سب کے سب عادل اور ثقہ ہیں۔ لیکن اخذ مسائل میں مجتہدین صحابہ کو عام صحابہ پر تفوق اور امتیاز ضرور حاصل تھا۔ ایک کے بعد دوسرے سے مسئلہ پوچھا جا سکتا تھا۔ لیکن اکابر اہل علم میں سے کسی ایک بزرگ کو مرکز علم بنانا اور ہر مسئلہ میں ان کی طرف رجوع لانا بھی بالکل درست سمجھا جاتا تھا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (۵۲ھ) سے وراثت کا ایک مسئلہ پوچھا گیا اور پھر وہی مسئلہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا گیا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا جواب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کے جواب سے مختلف تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس اس باب میں صریح حدیث نبویؐ موجود تھی۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا جواب ان کے اجتہاد پر مبنی تھا۔ مجتہد کبھی مخطی ہوتا کبھی مصیب۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ نص کے مقابلے میں اجتہاد کی اجازت نہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کا جواب بتلایا گیا۔ تو آپ نے یہ تو نہیں کہا کہ وہ گمراہ ہوئے۔ اپنے بارے میں فرمایا۔ کہ اگر میں بھی یہی جواب دوں تو بے شک میں گمراہ ہوں گا۔ (کیونکہ میرے پاس تو اس باب میں نص حدیث موجود ہے۔ نص کے ہوتے ہوئے اجتہاد کو کیا راہ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا یہ جواب جب حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو بتلایا گیا تو آپ نے فرمایا۔

لا تسئلونی ما دام ھذا الحبر فیکم۔ صحیح بخاری جلد ۸ صـ۱۸۸

ترجمہ۔ جب تک یہ بڑے عالم تم میں موجود ہیں تم مجھ سے کوئی مسئلہ نہ پوچھا کرو۔

سبحان اللہ کیا شان عقیدت تھی حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے یہاں ھذا الحبر کہا ہے۔ ھذا الصحابی نہیں کہا، معلوم ہوا کہ ہر مسئلہ میں کسی ایک مرکز کی طرف رجوع کرنا ان کی منزلت علمی کی وجہ سے تھا۔ منزلت صحابیت کی وجہ سے نہیں، صحابی کے علاوہ بھی اگر کوئی بزرگ اپنے علم و تفقہ میں ممتاز ہوں تو ہر مسئلے میں ان کی طرف رجوع ہو سکتا ہے اور علمی امتیاز میں تو صحابہ بھی بے شک ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

یہاں ہم صرف یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ امت میں اس درجے کی پیروی کہ ہر مسئلے میں کسی ایک مرکز علم کی طرف ہی رجوع ہو صحابہ سے ہی جاری ہوئی ہے اور کسی نے اس پر اصولی پہلو سے اعتراض نہیں کیا نہ کسی نے یہ کہا کہ ہر مسئلے میں کسی ایک بزرگ کی طرف رجوع کرنا کہیں شرک فی الرسالۃ کا مظنہ نہ پیدا کر دے۔

ہاں یہ بات صحیح ہے کہ ہر صحابی اپنی ذات میں علم کی اتنی روشنی اور دل میں اتنی پاکیزگی پا چکا تھا کہ ان کا کوئی دینی مسئلہ اور کوئی علمی موقف ہوائے نفسانی پر مبنی نہ ہو سکتا تھا۔ اور عام افراد امت ان میں سے کسی کی پیروی بھی کر لیں تو یہ اتباع منیبین ہی تھی کہ سب انابت الی اللہ، حسن نیت اور تزکیہ قلب کی دولت سے مالا مال تھے۔ حضورؐ سے ان کی نسبت اتنی گہری تھی کہ اور سب نسبتیں اس پر قربان ہو چکی تھیں۔

مقام صحابہ تاریخ کے آئینہ میں

محبت ایمان کی اس آزمائش میں صحابہ کرامؓ جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کر لی ہے اور وہ محتاج بیان نہیں، بلا شائبہ و مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری رُوح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا، جیسا کہ صحابہ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے راہ حق میں کیا۔ انہوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کر سکتا ہے اور پھر اس کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پا سکتی ہے۔ (ترجمان القرآن جلد ۲ صـ)

ان صحرا نشینوں کے ایمانی کردار کا نقشہ کتنی ہی احتیاط اور فکری گہرائی سے کیوں نہ کھینچا جائے عام انسانی سطح اس ایمان افروز نظارے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ اقبال مرحوم نے بجا کہا تھا۔ ؎

غرض میں کیا کہوں تم سے کہ وہ صحرا نشیں کیا تھے
جہاں گیر و جہاں دار و جہاں بان و جہاں آرا
اگر چاہوں تو نقشہ کھینچ کر الفاظ میں رکھ دوں
مگر تیرے تخیّل سے فزوں تر ہے وہ نظارا

یہ اتنی بڑی سچائی ہے کہ اس کے اوپر اور کوئی نقطۂ یقین نہیں صحابہ کرام کو اسلام میں وہ مقام حاصل ہے جو عام افرادِ امت کو نہیں اور اس حیثیت سے ان حضرات کے اقوال و اعمال بھی حدیث کا موضوع بن جاتے ہیں اور سمجھا جاتا ہے کہ ان میں بھی حضورؐ کے اقوال و اعمال کی ہی جھلک ہے اور یہ حضرات اسی شمع رسالت سے مستنیر ہیں۔ ان حضرات کی تنقیص کسی پہلو سے بھی جائز نہیں۔ حافظ ابوزرعہ (۲۶۴ھ) کہتے ہیں:۔

اذا رأیت الرجل ینتقص احداً من اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاعلم انہ زندیق وذلک ان الرسول عندنا حق والقرآن حق وانما ادّی الینا ھذا القرآن والسنن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وانما یریدون ان یجرحوا شھودنا لیبطلوا الکتاب والسنۃ والجرح لھم اولی وھم زنادقۃ۔[1]

اور جب تو کسی کو حضورؐ کے صحابہ میں سے کسی کی برائی کرتے دیکھے تو جان لے کہ وہ زندیق ہے اور یہ اس لیئے کہ حضور پاکؐ برحق ہیں اور قرآن کریم بھی برحق ہے اور ہمیں قرآن اور سنن صحابہ کرام ہی نے پہنچائے ہیں صحابہ کی عیب جوئی کرنے والے چاہتے ہیں کہ ہمارے گواہوں (صحابہ) کو مجروح کردیں تاکہ کتاب وسنت کو باطل کیا جاسکے۔ جرح کے لائق وہ خود ہیں اور یہ لوگ زندیق ہیں۔

---

[1] تاریخ ابی زرعہ الدمشقی جلد۱ صـ۱۴۲

صحابہ کے بھی اعمال حدیث کا موضوع ہیں

صحابہ کرامؓ کے اقوال و اعمال بھی بایں جہت کہ یہ حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تربیت یافتہ تھے اور آپ کے فیضِ صحبت سے تزکیہ کی دولت پائے ہوئے تھے۔ ان کے افعال و اقوال میں حضور کی تعلیمِ قدسی کی ہی جھلک تھی اور ان سے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کا تسلسل قائم ہوا ہے حدیث کا موضوع ہیں۔

سو علم حدیث وہ علم ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اعمال کے ساتھ ساتھ آپ کے اصحابِ کرام کے اقوال و اعمال سے بھی بحث کی جاتی ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ اس میں سنّتِ قائمہ کیا ہے؟ حدیث کی تقریباً سب کتابوں میں ان نفوسِ قدسیہ کے فضائل ومناقب کے مستقل ابواب ہیں اور انہیں چھوڑ کر دین میں چلنے کی کوئی راہ نہیں۔

محدثین کرام کتبِ حدیث میں صرف مرفوع حدیثیں (وہ حدیثیں جو حضور تک پہنچتی ہوں) ہی نہیں لکھتے۔ بلکہ ان میں ایک بڑا ذخیرہ ان روایات کا بھی ہوتا ہے جن میں صحابہ کے اقوال و اعمال مروی ہوں اور یہ سلسلہ روایات مرفوع احادیث کے ساتھ ساتھ چلتا ہے اور انہی کی شرح ساتھ ساتھ کرتا ہے۔ امام زہری (۱۲۴ھ) اور صالح بن کیسان (۱۴۰ھ) حدیث کی طالبعلمی میں اکٹھے رہے اور دونوں نے جمع احادیث پر کمر باندھی۔ جب دونوں مرفوع روایات لکھ چکے تو آپس میں مشورہ کیا صحابہ کے اقوال و اعمال بھی ساتھ لکھے جائیں یا نہ؟ صالح بن کیسانؒ نے کہا کہ وہ سنّت نہیں ہیں۔ مگر بعد میں انہیں احساس ہوا کہ اُن کی بات درست نہ تھی پھر انہوں نے برملا کہا کہ:۔

اجتمعت انا وابن شہاب ونحن نطلب العلم فاجتمعنا علیٰ ان نکتب السنن فکتبنا کل شیء سمعناہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم (قال نکتب) ایضاً ما جاء عن اصحابہ فقلت لا لیس بسنة وقال ھو بلی ھو سنة فکتب ولم اکتب فانجح وضیعت [1]

---

[1] المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۸ بریکیٹ کے الفاظ ہم نے شرح السنۃ للبغوی جلد ۱ صفحہ ۲۹۲ سے لیکر المصنف کے متن کی تصحیح کی ہے۔ متن میں یہاں ثم کتبنا ایضاً کے الفاظ کسی طرح صحیح نہیں فلیتنبہ۔

ترجمہ: میں اور ابن شہاب زہری اکٹھے پڑھتے تھے ہم نے باہمی اتفاق کیا کہ حدیثیں لکھیں ہم نے ہر چیز جو حضورؐ کے بارے میں سُنی تھی لکھ ڈالی پھر ہم نے چاہا کہ وہ کچھ بھی لکھیں جو آپ کے صحابہ کے بارے میں روایت ہوا ہے میں نے کہا نہیں (ہم انہیں نہ لکھیں) یہ سنت نہیں ہیں اور انہوں نے (امام زہری) کہا کیوں نہیں وہ بھی سنت ہیں۔ سو انہوں نے لکھا اور میں نے نہ لکھا۔ وہ کامیاب رہے اور میں ضائع ہو گیا۔

معلوم ہوا کہ ہر وہ عالم جو صحابہ سے منہ موڑے گا، انہیں دین کا سرمایہ علم نہ سمجھے گا اور ان کے عمل کو سنتِ اسلام تسلیم نہ کرے گا وہ ضائع ہو گا اور دینِ مسلسل میں اس کے لیئے جگہ نہ ہوگی۔ امام زہری (۱۲۴ھ) ہی نہیں علامہ شعبی (۱۰۲ھ) بھی کہتے ہیں کہ صحابہ حدیث کا موضوع ہیں۔ انہیں عام لوگوں کی طرح نہ سمجھنا چاہیئے۔ دوسروں کی بات آپ مانیں یا نہ لیکن صحابہ کی بات ہمیشہ لینی چاہیئے یہ سرمایہ علم ہیں اور ان کی ہر بات لائق اخذ ہے۔[۱]

بہرحال یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ صحابہ کرام کے اقوال و اعمال بھی حدیث کا موضوع ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو ہی دیکھ لیجیئے۔ ان میں صحابہ کی روایات کس قدر پائی جاتی ہیں۔ مؤطا امام مالک سے لے کر مستدرک حاکم اور سنن بیہقی سے تک کو دیکھیئے ہر کتاب میں صحابہ و تابعین کے ارشادات اور فتاوے بکثرت ملیں گے۔ انہیں دیکھ کر یقین ہوتا ہے کہ امام زہری رح واقعی کامیاب رہے اور جنہوں نے صحابہ کی روایات کو حدیث کا موضوع نہ سمجھا ان کی محنتیں ضائع گئیں اور حق یہ ہے کہ علم حدیث کا موضوع صحابہ کی زندگیوں کو بھی شامل ہے اور اُن کے تعامل کو معلوم کیئے بغیر حدیث کی معرفت واقعی بہت مشکل ہے۔ یہی اکابر امت ہیں کہ جب تک علم ان سے ملے گا، اس میں خیر ہے اور جب لوگ اپنے جیسوں سے علم لینے لگیں تو اس میں ہلاکت ہو گی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) فرماتے ہیں:-

لا یزال الناس صالحین متماسکین ما اتاھم العلم من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم ومن اکابرھم فاذا اتاھم من اصاغرھم ھلکوا۔[۲]

---

[۱] دیکھیئے الکفایہ للخطیب البغدادی ص۴۹ [۲] المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ ص۲۴۶

ترجمہ۔ جب تک علم اصحاب رسول سے اور اپنے بڑوں سے آتا رہے لوگ نیک اور مضبوط رہیں گے اور جب لوگوں کو علم ان کے اصاغر سے ملنے لگے (جو اُوپر سے علم لینے والے نہیں اپنے طور پر سوچنے والے اہل اہوا رہیں) وہ ہلاک ہونگے

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اصاغر سے مراد اہل بدعت ہیں سو اصاغرہم میں اضافت عام لوگوں کی طرف ہے اصحاب محمد کی طرف نہیں۔ حضرت امام اوزاعی (۱۵۷ھ) نے بقیہ بن ولید کو نہایت واضح الفاظ میں کہا تھا کہ جو چیز صحابہ سے منقول نہ ہو وہ علم ہی نہیں :-

یا بقیۃ : العلم ما جاء عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم وما لم یجیٔ عن اصحاب محمد فلیس بعلم۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی منزلت وعظمت صحابہ میں محتاج بیان نہیں۔ آپ اکابر اہل علم سے ہیں جن کا قول وعمل اسلام میں سند سمجھا جاتا ہے۔ آپ کھُل کر کہتے ہیں کہ حضورؐ کے بعد اگر کوئی قابلِ اقتداء ہے تو وہ اصحابِ رسول ہیں۔ ان کا علم گہرا تھا۔ وہ تکلیف سے کوسوں دُور تھے اور اُن کے دل نیک تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبیِ پاک کی صُحبت کے لیئے چُن لیا تھا۔

من کان مستناً فلیستن بمن قد مات فان الحی لا تؤمن علیہ الفتنۃ اولئک اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کانوا افضل ھذہ الامۃ ابرھا قلوبا و اعمقھا علماً واقلھا تکلفا۔ اختارھم اللہ لصحبۃ نبیہ و لاقامۃ دینہ فاعرفوا لھم فضلھم واتبعوا علیٰ آثارھم وتمسکوا بما استطعتم من اخلاقھم وسیرھم فانھم کانوا علی الھدے المستقیم[1]

ترجمہ۔ جو شخص کسی کی پیروی کرنا چاہے اسے فوت شدگان کی پیروی کرنا چاہیئے۔ کیونکہ زندہ کو فتنے سے محفوظ نہیں سمجھا جا سکتا۔ وہ فوت شدگان اصحاب رسول ہیں جو اس امت کا بہترین طبقہ تھے۔ ان کے دل نیک تھے ان کا علم گہرا تھا۔ تکلف سے بہت دُور تھے۔ اللہ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت کے لیئے اور اس کے دین کی اقامت کے لیئے چُن لیا تھا ان کے فضل کو پہچانو

---

[1] مشکوٰۃ ص۳۲ دہلی

ان کے نقش پا کی پیروی کرو جہاں تک ہو سکے ان کے اخلاق اور ان کی عادات سے سند پکڑو۔ بے شک وہ سیدھی راہ پر تھے۔

امام بغوی نے شرح السنہ میں یہ الفاظ بھی نقل کیے ہیں:۔

اختارھم اللہ لصحبۃ نبیّہ و نقل دینہ فتشبھوا باخلاقھم وطرائقھم فھم کانوا علی الھدی المستقیم[1]

ترجمہ: چن لیا اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے نبی کی مصاحبت کے لیے اور آپ کے دین کو آگے پہنچانے کے لیے۔ سو ان کے اخلاق اور طریقوں کو اپناؤ۔ وہ سب راہ مستقیم پر تھے۔

حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ) نے تو اسے قسم کھا کر بیان کیا ہے اور انہی کے عمل کو صراط مستقیم ٹھہرایا ہے۔[2]

فتشبھوا بالاخلاقھم وطرائقھم فانھم ورب الکعبۃ علی الصراط المستقیم۔

ترجمہ: ان کے اخلاق اور عادتوں کو اپناؤ۔ رب کعبہ کی قسم صحابہ سب صراط مستقیم پر تھے۔

پھر فرماتے ہیں:۔

ماحدثوك عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخذ بہ وما قالوا برأیھم فبل علیہ[3]

ترجمہ: علماء جو باتیں تمہارے پاس اصحاب رسول سے روایت کریں انہیں تو لے لو اور جو بات وہ اپنی رائے سے کہیں سو اس کو جانے دو۔

اپنی رائے سے مراد یہ ہے کہ ان کی وہ بات جو قرآن و حدیث یا آثار صحابہ سے مستنبط نہ ہو، وہ ان کی اپنی رائے ہو گی۔ ان کا قرآن و حدیث کی روشنی میں ایک اجتہاد ہو گا۔ اس سے اختلاف تو کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس کے بارے میں فبل علیہ کے سے سخت الفاظ نہیں کہے جا سکتے۔ سو رائے سے یہاں مراد محض رائے ہے اس سے کسی طرح اجتہاد مجتہد مراد نہیں۔

یہ صحابہ کے کسی معتقد یا کسی عام امتی کی رائے نہیں ایک جلیل القدر صحابی کی ہے جو خود علم کی دولت سے مالا مال تھے۔ وہ یہاں صحابہ کرام کے صرف اخلاص و ایثار کی تعریف نہیں کر رہے بلکہ ان کے گہرے علم کی شہادت دے رہے ہیں۔ ایک اتنے بڑے عالم سے ان کے علم کی

---

[1] شرح السنہ جلد ۱ صفحہ ۲۱۴ [2] فتح الملہم جلد ۱ صفحہ ۴۸ [3] المصنف لعبد الرزاق جلد ۲ صفحہ ۲۵۶

شہادت جمیع صحابہ کی علمی گہرائی اور فکری گیرائی کا پتہ دیتی ہے اور یہ تعریف بھی صرف خلفائے راشدین یا چند اکابر صحابہ کی ہی نہیں، بلکہ علی الاطلاق عام اصحاب رسول کی بیان ہو رہی ہے۔ اور اس میں انہیں مقتدا ٹھہرایا جا رہا ہے۔ یہ صورت عمل اور انداز فکر خود پتہ دے رہا ہے۔ کہ صحابہ کرام کو اسلام میں اس وقت بھی وہ درجہ حاصل تھا جو عام افراد امت میں کسی بڑے سے بڑے عالم اور کسی بڑے سے بڑے ولی کو حاصل نہیں اور یہ صحیح ہے کہ وہ سب صراط مستقیم کے عملی نمونے تھے۔

حضرت حسن بصری (۱۱۰ ھ) نے تو اسے قسم کھا کر بیان کیا ہے اور صحابہ کے عمل کو ہی صراط مستقیم قرار دیا ہے۔ یہ قریب قریب وہی مضمون ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔ صحابہ میں اپنی مقتدا حیثیت کچھ اس طرح واضح تھی۔ کہ وہ برملا لوگوں کو اپنے نقش پا پر آنے کی دعوت دیتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک اور موقع پر فرمایا :۔

اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم[1]

ترجمہ : تم ہم صحابہ کے نقش قدم پر چلتے رہو نئی نئی باتیں نہ نکالو۔ ہماری پیروی تمہارے لئے کافی ہے۔

آپ نے اس میں صحابہ کے آثار کو پوری امت کے لئے نمونہ کہا ہے۔ اور اس پر بھی متنبہ فرمایا کہ بدعت کی حد صحابہ کے بعد سے شروع ہوتی ہے۔ حضورؐ کے بعد پیدا ہونے والی ہر دینی ضرورت صحابہ کے علم کفایت کے سائے میں تمہارے لئے کافی نمونہ ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی صحابہ کرام کو فرما دیا تھا کہ لوگ تمہارے مقتدی ہوں گے۔ دنیا کے مختلف کناروں سے تم سے دین لینے آئیں گے۔ حضرت ابو سعید الخدریؓ (۷۴ ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

ان الناس لکم تبع وان رجالا یأتونکم من اقطار الارض یتفقہون فی الدین[2]

ترجمہ : بے شک (بعد میں آنے والے) لوگ تمہارے پیرو ہوں گے وہ دنیا کے کناروں سے تمہارے پاس پہنچیں گے تاکہ دین میں (اپنے لئے) کچھ سمجھ پیدا کر لیں۔

---

[1] الاعتصام للشاطبی جلد ۱ صفحہ ۵۴ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۷

اس میں یہ نہیں فرمایا کہ وہ میری روایات لینے کے لیئے تمہارے پاس پہنچیں گے۔ بلکہ یتفقھون فی الدین فرمایا کہ وہ دین کی سمجھ لینے کے لیئے تمہارے پاس پہنچیں گے ـــــ اس سے معلوم ہوا کہ امت کے لیئے فہم صحابہ حجت اور سند ہے اور بعد میں آنے والے لوگوں کے لیئے ان کی پیروی اور ان کے پاس دین سیکھنے کے لیئے آنا اور ان سے دین سمجھنا لازم وضروری ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

فیہ ان الصحابۃ متبوعون یجب علی الناس متابعتھم والاتیان علیھم لطلب العلم۔[1]

ترجمہ۔ اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ مقتدا اور پیشوا ہیں لوگوں پر ان کی پیروی کرنا اور طلب علم کے لیئے ان کے پاس آنا واجب ہے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ صحابہ صرف اپنے تابعین کے لیئے ہی متبوعون ہیں اور ان کی پیروی صرف ان کے دور حیات میں ہی ہوگی ـــــ نہیں ہرگز نہیں بلکہ ان کی پیروی ان کے بعد بھی جاری رہے گی اور امت ان کے عہد میں بھی اور ان کے بعد بھی ہمیشہ ان کو اپنا مقتدا اور پیشوا سمجھے گی۔ حضرت امام نوویؒ (۶۷۷ھ) لکھتے ہیں:۔

انھم ائمۃ الاعلام وقادۃ الاسلام ویقتدی بھم فی عصرھم وبعدھم۔[2]

ترجمہ بے شک یہ حضرات (صحابہ کرام) مرکزی پیشوا ہیں اور یہی حضرات قافلہ اسلام کے قائد ہیں ان کی پیروی ان کے اپنے وقتوں میں بھی تھی اور ان کے بعد بھی جاری رہے گی۔

امام نوویؒ نے یقتدی بھم کی یہ تعبیر اپنی طرف سے نہیں کی اکابر صحابہ سے لی ہے۔ صحابہ میں صرف ایک بزرگ تھے جن کا علمی مرتبہ اور مقام عرفان حضرت فاروق اعظم سے بھی اونچا تھا۔ وہ کون تھے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ اب دیکھئے حضرت عمرؓ اپنی نسبت ان سے کس طرح قائم کرتے ہیں۔ آپ انہیں یقتدی بھم کے تحت ہمیشہ اپنا پیشوا سمجھتے تھے۔[3] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے ساتھ آپ کی پیروی کو بھی لازمی سمجھتے رہے۔ حضرت ابووائل (ھ) کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

---

[1] لمعات التنقیح جلد ۱ صا۲۷ [2] شرح صحیح مسلم للنووی جلد ۱ ص۲۸۷ [3] مسند امام احمد جلد ۳ ص ۴۱۰

کے بارے میں فرمایا :۔

هما المرأن يقتدى بهما [1] یہ وہ دو مرد ہیں جن کی پیروی کی جائے گی۔

یہ آپ اپنے لیئے کہہ رہے تھے۔ باقی احاد امت کے لیئے آپ نے کل صحابہ کرام کو پیشوا ٹھہرایا ہے۔ ایک دفعہ آپ نے طلحہ بن عبید اللہ پر حالت احرام میں رنگ دار چادر دیکھی۔ طلحہ نے کہا جناب اس رنگ میں خوشبو نہیں ——— عام لوگوں کے لیئے اس میں مغالطے کا اندیشہ تھا۔

اس پر حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ کو مخاطب کر کے کہا۔

انكم ايها الرهط ائمة يقتدى بكم الناس [2]

ترجمہ۔ اے اس گروہ کے لوگو! تم امام ہو لوگ تمہاری پیروی کریں گے۔

ایک اور موقعہ پر فرمایا :۔

انكم معشر اصحاب محمد متى تختلفون تختلف الناس بعدكم والناس حديث عهد بالجاهلية فاجمعوا على شيء يجمع عليه من بعدكم [3]

ترجمہ۔ بیشک تم حضورؐ کے صحابہ ہو جب تم اختلاف میں پڑو گے تو تمہارے بعد اور اختلاف کرنے لگیں گے۔ لوگ ابھی ابھی جاہلیت سے نکلے ہیں تم ایک بات پر جمع ہو کر رہو بعد والے بھی اس پر جمع رہیں گے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان نے مدائن میں ایک یہودی عورت سے نکاح کر لیا تو باوجودیکہ اہل کتاب سے نکاح حلال تھا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں حکم دیا کہ وہ فوراً اسے طلاق دے دیں۔ اس کی وجہ آپ نے یہ فرمائی کہ صحابی کی حیثیت چونکہ مقتدا کی ہے۔ اس لیئے اندیشہ ہے کہ اور مسلمان بھی اس راہ پر نہ چل پڑیں۔ آپ نے انہیں لکھا :۔

اعزم عليك ان لا تضع كتابي حتى تخلى سبيلها فاني اخاف ان يقتديك المسلمون فيختاروا نساء اهل الذمه لجمالهن [4]

ترجمہ۔ میں تجھے قسم دیتا ہوں کہ میرا یہ خط رکھنے سے پہلے پہلے اس عورت کو فارغ کر دو۔ مجھے ڈر ہے کہ مسلمان تمہاری پیروی کریں اور اہل ذمہ کی عورتوں کو ان کے حسن و جمال کی وجہ سے پسند کرنے لگیں۔

---

[1] صحیح البخاری جلد ۹ صفحہ ۱۱۴ [2] موطا امام مالک صفحہ ۱۴۲ کتاب الحج [3] فتح القدیر لابن الہمام جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ [4] کتاب الآثار امام محمد صفحہ ۱۵۶

اسلام میں صحابہ کی مقتدا حیثیت ہمیشہ سے مسلّم رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو ایک خاص قسم کے موزے پہنے دیکھا ——— آپؓ نے فرمایا:۔

عزمت عليك ان لا نزعتهما فانی اخاف ان ينظر الناس اليك فيقتدون بك۔[۱]

میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ انہیں ابھی اتار دو مجھے ڈر ہے کہ لوگ تمہیں اس طرح دیکھیں اور تمہاری پیروی کرنے لگیں۔

صحابہ کی مقتدا حیثیت مسلّم نہ ہوتی تو بار پیروی کرنے والے پر آتا صحابہ کو اتنا محتاط چلنے کا حکم نہ ہوتا۔ حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو جب کوفہ بھیجا تو ان کے ساتھ حضرت عمار بن یاسرؓ بھی تھے دونوں کی عبقری شخصیت صحابہ میں خوب معروف تھی حضرت فاروق اعظمؓ نے سب اہل کوفہ کو انکی اقتداء کا حکم دیا۔

فاقتدوا بهما واسمعوا من قولهما قد اثرتكم بعبد الله بن مسعودؓ على نفسی۔[۲]

ترجمہ: تم ان دونوں کی اتباع کرو اور ان کی بات مانو اور بے شک میں نے عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے ہاں بھیج کر تمہیں اپنی ذات پر ترجیح دی ہے۔

صحابہ کی یہ اتباع تابعین میں جاری رہی اور ہر ہر روایت پہ کوئی نہ کوئی صحابی ضرور عامل رہا اور اسطرح جملہ احادیث تابعین میں پھیلتی چلی گئیں۔ صحابہ کی مقتدا پوزیشن تابعین اور تبع تابعین میں مسلّم رہی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ تعلیم شریعت رہتی دنیا تک اسی تسلسل سے رہنی چاہیے۔

تعلموا منی احكام الشريعة وليتعلم منكم التابعون بعدكم وكذلك اتباعهم الى انقراض الدنيا۔[۳]

ترجمہ: تم مجھ (حضور) سے احکام شریعت سیکھو تم سے تابعین سیکھیں اور اسی طرح تبع تابعین ان سے سیکھیں یہاں تک کہ دنیا اپنے آخر کو جا پہنچے۔

حضرت سالم بن عبداللہ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پوتے حضرت قاسم بن محمد سے قرأة خلف الامام (امام کے پیچھے قرآن پڑھے یا نہ) کا مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا:۔

ان تركت فقد تركه ناس يقتدى بهم وان قرأت فقد قرأه ناس يقتدى بهم۔[۴]

ترجمہ: اگر قرأة خلف الامام کو چھوڑ دو تو بیشک اسے ان لوگوں نے ترک کیا جو امت کے مقتدا تھے (یعنی صحابہ کرامؓ) اور تم پڑھ لو بیشک اسے ان لوگوں نے پڑھا ہے جن کی امت میں پیروی کی جا رہی ہے۔

---

[۱] الاستیعاب جلد ۱ ص۳۱، الاصابہ جلد ۲ ص۴۶۱ [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص۱۳ [۳] فتح الباری جلد ۱ ص۱۷۱ [۴] موطا امام محمد ص۹۶

تابعین میں اس پیرایہ میں صحابہ کا ذکر انکی مقتدا حیثیت کو واضح کرتا ہے انہی سے سنت اسلام جاری ہوئی اور وہ اس کے اہل تھے۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵۵ھ) جب گھر میں نماز پڑھتے تو نماز لمبی کرتے، رکوع وسجود طویل کرتے اور جب مسجد میں نماز پڑھتے تو جلدی کرتے۔ آپ کے بیٹے حضرت مصعب نے اس کی وجہ پوچھی۔ آپ نے فرمایا:۔ یابنی انا ائمة یقتدی بنا[1]

ترجمہ۔ اے میرے بیٹے بے شک ہم صحابہ ائمہ ہیں ہماری پیروی (امت میں) کی جاتی رہے گی۔

صحابہ کے عمل کے لئے لفظ سنّت کا اطلاق

حصین بن المنذر ابو ساسان (ھ) کہتے ہیں کہ میں حضرت عثمانؓ کے پاس موجود تھا۔ جب ولید کو حد مارنے کے لئے لایا گیا۔ آپ نے حضرت علی المرتضیٰؓ کو حکم دیا کہ وہ ولید کو کوڑے لگائیں، آپؓ نے اپنے بیٹے حضرت حسنؓ سے کہا کہ وہ لگائیں۔ انہوں نے عذر کیا تو آپؓ نے حضرت عبداللہ بن جعفرؓ (۸۰ھ) سے کہا کہ ولید پر سزا جاری کریں۔ وہ کوڑے لگاتے جاتے تھے اور حضرت علیؓ گنتے جاتے تھے۔ جب چالیس ہوگئے تو آپؓ نے فرمایا بس یہیں تک۔ اس کے بعد آپؓ نے (حضرت علیؓ نے) کہا:۔

جلد النبی صلی اللہ علیہ وسلم اربعین وابوبکر اربعین وعمر ثمانین وکل سنة۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چالیس کوڑوں کی سزا دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی چالیس کوڑے ہی لگوائے۔ حضرت عمرؓ نے اسّی کوڑے لگوائے اور ان میں سے ہر عمل اپنی جگہ سنت ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے خود اپنے دور میں بھی اکابر صحابہ کے عمل کے لئے سنت کا لفظ استعمال ہوتا تھا اور یہ بات ان حضرات تزکیہ صفات میں عام تھی کہ صحابہ کا عمل بھی سنت میں شامل ہے اور یہ کہ امت میں ان کی پیروی کی جاتی رہے گی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی سنت کا لفظ اس وسیع معنی میں استعمال کیا ہے۔ اپنی

---

[1] المصنف لعبدالرزاق جلد ۲ صفحہ ۳۶۷ مجمع الزوائد للہیثمی جلد ۱ صفحہ ۱۸۲

[2] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۷۲، سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۲۶۰، سنن ابن ماجہ صفحہ ۱۸۸

سنت کے ساتھ راشدین کے عمل کو بھی سنت ٹھہرایا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

فمن ادرك ذلك منكم فعليه بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين المهديين۔[1]

ترجمہ۔ سو تم میں سے جو شخص اس وقت کو پائے سو اسے چاہیئے کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو لازم پکڑے۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ ان حضرات قدسی صفات کی یہ پیروی از جہت خلافت تھی کہ اولوالامر کی پیروی مسلمانوں پر لازم ہے ——— نہیں آپ کا ان حضرات کے عمل کو سنت قرار دینا از جہت صحابیت اور فیض رسالت سے براہ راست تزکیہ پائے ہوئے ہونے کی حیثیت سے تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ تو خلیفہ نہ تھے۔ آپ نے تو ان کے بارے میں بھی پیروی کا حکم فرمایا۔ عبدالرزاق روایت کرتے ہیں:۔

كان الناس لا يأتمون بامام اذا كان له وتر ولهم شفع وهو جالس يجلسون وهو قائم حتى صلى ابن مسعود وراء النبي صلى الله عليه وسلم قائما فقال النبي صلى الله عليه وسلم ان ابن مسعود سن لكم سنة فاستنوا بها۔[2]

ترجمہ جب لوگوں کی دو رکعت رہتی ہوں اور امام کی ایک اور وہ بیٹھا ہو تو یہ برابر بیٹھے رہتے اور امام کھڑے ہو کر اپنی رکعت پوری کر لیتا اور یہ پھر بھی بیٹھے رہتے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہو کر نماز پوری کی حضورؐ نے اس پر فرمایا بیشک ابن مسعودؓ نے تمہارے لیئے ایک طریقہ واضح کیا ہے اسکی پیروی کرتے رہنا۔

علامہ ابن ہمام حضرت معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) کے بارے میں روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: قد سن لكم معاذ فاقتدوا به۔[3]

معاذ نے تمہارے لیئے اسے سنت قائم کیا ہے سو تم اس کی پیروی کرو۔

حافظ ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ) لکھتے ہیں:۔

والسنة هي الطريق المسلوكة فيشمل ذلك التمسك بما كان عليه هو والخلفاء الراشدون من الاعتقادات والاعمال والاقوال وهذه السنة الكاملة۔[4]

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۹۲، سنن دارمی صفحہ ۲۶ [2] المصنف جلد ۲ صفحہ ۲۲۹ [3] فتح القدیر لابن الہمام جلد ۲ صفحہ ۱۲۵ [4] ایضاً جامع العلوم صفحہ ۱۹۱

ترجمہ۔ اور سنت وہ رستہ ہے جس پہ چلا جائے اور اس طریقے کو جس پہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ چلتے رہے پکڑتے کا نام ہے عقائد میں بھی اعمال میں بھی اور اقوال میں بھی یہی سنتِ کاملہ ہے۔

جو لوگ دُنیا میں دین قائم کرنے کے لیے چُنے جا چکے ہوں اور انہیں خدا تعالیٰ نے آخری نبی کی صُحبتِ قدسیہ کے لیے پیدا کیا ہو جو دین کو آگے پہنچانے کے امین نبوی ہوں تو ہدایت اگر اُن کے نقشِ پا سے نہ ملے گی تو اور کہاں سے ملے گی ——— سو ان کے نقشِ پا کی پیروی آیندہ ہر فردِ امت پر لازم ٹھہری اور یہی لوگ حضورؐ کے بعد صراطِ مستقیم کے عملی سالار تھے۔ حضرت عباد بن عباد الخواص الشامی (ھ) لکھتے ہیں:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اماما لاصحابہ وکان اصحابہ ائمۃ لمن بعدھم۔[1]

ترجمہ۔ حضور اپنے صحابہ کے امام تھے اور آپ کے صحابہ اپنے بعد میں آنے والے لوگوں کے امام تھے۔

امام ابن شہاب الزہری (۱۲۴ھ) نے صالح بن کیسان کو صاف کہہ دیا تھا۔

نکتب ما جاء عن اصحابہ فانہ سنۃ۔[2]

ترجمہ۔ ہم صحابہ سے کی گئی مرویات بھی لکھیں گے کیونکہ وہ بھی سنّت ہیں۔

صحابہ کرام کی فیصلہ کُن حیثیت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ کے کسی عمل کی مرویات میں کسی قسم کا اختلاف ہو تو صحابہ کرام کے عمل کو فیصلہ کُن حیثیت حاصل ہوتی ہے۔ صحابہ موضوع حدیث سے خارج کر دیئے جائیں تو علم حدیث کا سمجھنا سمجھانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ صحابہ وہ روشنی کے مینار ہیں۔ جن کے سایہ میں حدیث کا مطالعہ نتیجہ خیزی پیدا کرتا ہے اور واقعی انہیں اس باب میں فیصلہ کُن حیثیت حاصل ہے۔ امام السنن حضرت امام ابوداؤد السجستانی (۲۷۵ھ) لکھتے ہیں:۔

قال ابوداؤد اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ۔[3]

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۶۰ [2] تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ [3] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۷۶ مع البذل

ترجمہ۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی موضوع پر دو مختلف روایتیں ملیں تو (انہیں حل کرنے کے لئے) یہ دیکھا جائے گا کہ آپ کے صحابہ نے آپ کے بعد کیا عمل کیا ہے۔

اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ حدیث کے موضوع میں صحابہ بھی داخل ہیں اور ان کے اقوال واعمال کے بغیر مشکلات حدیث کو حل نہیں کیا جا سکتا۔ یہ انہی کے اعمال ہیں جن کی روشنی میں تعلیم نبوت کی تفہیم ہوتی ہے۔ حافظ ابوبکر جصاص رازی (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں:۔

اذا کان متی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبران متضادان وظہر عمل السلف باحدھما کان الذی عمل السلف بہ اولیٰ بالاثبات۔[1]

ترجمہ۔ جب حضورؐ سے دو حدیثیں اس طرح کی مروی ہوں جو آپس میں ٹکراتی ہوں اور سلف کا عمل ان میں سے کسی ایک پر ہو تو سنت قائمہ وہ ہوگی جس پہ سلف کا عمل ہو۔

حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ) سے روایت کرتے ہیں:۔

روی محمد بن الحسن عن مالک بن انسؓ انہ قال اذا جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم حدیثان مختلفان وبلغنا ان ابابکر وعمر عملا باحد الحدیثین و ترکا الاٰخر کان فی ذلک دلالۃ ان الحق فیما عملا بہ۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ سے جب دو مختلف حدیثیں مروی ہوں اور ہمیں یہ بات پہنچے کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے ایک پر عمل کیا ہے اور دوسری کو چھوڑ دیا ہے۔ تو اس سے پتہ چلے گا کہ حق وہ ہے جس پر ان کا عمل ہوا۔

امام طحاوی (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں۔ اختلاف آثار میں عمل امصار کا اعتبار کیا جائے گا جس بات پر پچھلوں کا عمل پایا جائے۔ اسے پہلی بات کا ناسخ سمجھا جائے گا۔ آپ لکھتے ہیں:۔

فلما تضادت الاٰثار فی ذلک وجب ان ننظر الی ما علیہ عمل المسلمین الذین قد جرت علیہ عادتہم فنعمل علیٰ ذلک ویکون ناسخا لما خالفہ۔[3]

امام زہری نے ایک دفعہ دو متعارض حدیثیں روایت کر کے ایک حدیث کو ناسخ قرار دے دیا لیکن خلفائے راشدین کا عمل دوسری روایت پر تھا۔ اس پہ محدثین بلکہ امام زہری کے شاگردان

---

[1] احکام القرآن جلد ۱ ص ۱۰ طبع ۱۳۴۷ھ [2] التمہید جلد ۳ ص ۲۵۳ [3] طحاوی شریف جلد ۱ ص ۲۴۱

پر جن الفاظ میں برسے وہ بھی دیکھ لیجیۓ۔ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں۔

وھذا مما غلط فیہ الزھری مع سعۃ علمہ وقد ناظرہ اصحابہ فی ذلک فقالوا کیف یذھب الناسخ علی ابی بکر وعمر وعثمان وعلی وھم الخلفاء الراشدون۔[1]

ترجمہ۔ امام زہری نے اس وسعت علمی کے باوجود یہاں غلطی ہے آپ کے اصحاب نے ان سے اس باب میں مناظرہ کیا ہے وہ کہتے ہیں یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ ان حضرات کو ناسخ کا پتہ نہ چلے وہ خلفائے راشدین ہوں۔

صحابہ کرام کی پیشوا حیثیت authoritative status اہل حق میں ہمیشہ مسلم رہی ہے۔ امام اعظم اور امام احمد تو ان کی پیروی کو واجب قرار دیتے ہیں۔ یہی حضرات قافلہ اسلام کا ہراول دستہ تھے۔ ان کے بعد آنے والے اسی لیئے تو تابعین تھے۔ کہ یہ حضرات متبوعین تھے۔ اگر ان کی پیروی جاری نہ ہوتی ہوتی تو اس امت کی دوسری صف کبھی تابعین کا اعزاز نہ پاتی۔ جلیل القدر تابعی خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبد العزیز (۱۰۰ھ) صحابہ کی دینی بصیرت کا ان پرشکوہ الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:۔

فارض لنفسك ما رضی بہ القوم لانفسھم فانھم علی علم وقفوا وببصر نافذ کفوا وانھم علی کشف الامور کانوا اقوی وبفضل ما کانوا فیہ اولی فان کان الھدی ما انتم علیہ لقد سبقتموھم الیہ۔[2]

ترجمہ۔ تم اپنے لیئے وہی (عقیدہ اور عمل) پسند کرو جو صحابہ نے اپنے لیئے پسند کیا تھا وہ علم پر پوری طرح جمے تھے اور دین پر گہری نظر رکھتے تھے۔ دینی حقیقتوں کے کھلنے کی تم سب سے زیادہ اہلیت رکھتے تھے اور علم و فضل میں وہ تم سے بہت آگے تھے۔ اگر تم یہ سمجھے بیٹھے ہو کہ تم (ان سے ہٹ کر) راہ راست پر ہو تو تم اس کے مدعی ہو کہ دین میں تم ان سے آگے نکل گئے۔

حضرت عمر بن عبد العزیز کی پوری کوشش تھی کہ تا قیامت کسی مرحلے پر بے مہار نہ رہے شاہراہ اسلام کے ان پیشواؤں کو پیشوا ہی سمجھنا چاہیئے۔ اقبال نے قوم کو قطار میں دیکھنا چاہا۔

---

[1] التمہید جلد ۳ صـ۳۳۲ [2] سنن ابی داؤد جلد ۲ صـ۶۳۳

تو اس نے بھی کہا۔ ؎

من کجا نغمہ کجا ساز سخن بہانہ ایست ٭ سوئے قطار مے کشم ناقہ بے زمام را

حضرت عمر بن عبد العزیز کی یہ نصیحت کہ اپنے لیئے وہی عقیدہ اور عمل پسند کرو جو صحابہ نے اپنے لیئے کیا تھا کہاں ہے؛ سنن ابی داؤد جیسی حدیث کی مرکزی کتابوں میں اس قسم کی نصیحتوں کا ہونا پتہ دیتا ہے کہ صحابہ کی شخصیات کریمہ بے شک علم حدیث کا موضوع ہیں۔ اور ان کے اعمال و اقوال کو جانے بغیر تعلیمات رسالت کو ان کے صحیح پیمانے میں آتارنا کسی طرح ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں صحابہ کے اعمال و اقوال کو قرار واقعی جگہ دی گئی ہے اور حق یہ ہے کہ ان کا اتفاق و اجماع ہی علم صحیح اور حجت ثابتہ ہے۔ حافظ ابن عبد البر لکھتے ہیں:۔

اجماع الصحابة حجة ثابتة وعلم صحيح، اذا كان طريق ذلك الاجماع التوقيف فهو اقوى ما يكون من السنن وان كان اجتهاداً ولم يكن فى شيء من ذلك مخالفاً فهو ايضاً علم وحجة لازمة قال الله عزوجل ويتبع غير سبيل المؤمنين نوله ما تولى ونصله جهنم وساءت مصيرا وهكذا اجماع الامة اذا اجتمعت على شيء فهو الحق الذى لا شك فيه[1]

ترجمہ: صحابہ کا اجماع ایک حجۃ قائمہ اور علم ثابت ہے یہ اجماع توقیف سے ہو تو یہ سنن میں سب سے زیادہ قوی ہے اور اگر یہ اجتہاد سے ہو اور کوئی بات اس کے خلاف نہ ٹھہرے تو یہ بھی علم ثابت اور حجۃ لازمہ ہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔ جو مومنین کے طریقے کے خلاف چلے ہم اسے ادھر ہی لوٹا دیتے ہیں جدھر وہ خود پھرا۔ اور اسے جہنم پہنچا دیتے ہیں اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اسی طرح (اس اجماع کی طرح) امت کا اجماع ہے جب وہ کسی بات پر جمع ہوگئی تو وہ ایسی سچائی ہے جس میں کوئی شک نہیں کیا جاسکتا۔

ہم پہلے بحث کر آئے ہیں کہ صحابہ کرام کی شخصیات کریمہ جرح سے بالا ہیں۔ حافظ ابن اثیر جزری

---

[1] التمہید جلد ۴ صفحہ ۲۶۷

کے الفاظ کو پھر سامنے لائیے۔

لا یتطرق الیھم الجرح لان اللہ عز وجل ورسولہ زکاھم وعدلاھم[1]

ترجمہ۔ جرح اُن کی طرف راہ نہیں پاتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ان کا تزکیہ کیا اور تعدیل کی ہے۔

جب یہ حضرات جرح و تنقید سے بالا ہیں اور سب کے سب عدول ہیں تو ان کے تعلیم رسالت سے تعلیم یافتہ ہونے اور تزکیہ رسالت سے تزکیہ یافتہ ہونے کا تقاضا ہے کہ ان میں سے ہر ایک کو سند سمجھا جائے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا۔ کہ جب صحابہ کسی مسئلہ میں خود مختلف ہوں تو ان میں غور کرنا کہ کس کی بات درست ہے کیا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا "نہیں"، تم جس کی چاہو پیروی کر لو۔ لیکن ان میں سے کسی کے موقف پر رائے زنی نہ کرو۔

اذا اختلف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسئلۃ ھل یجوز فیہ
ان ننظر فی اقوالھم لنعلم مع من الصواب منھم فنتبعہ؟ فقال لا یجوز النظر
بین اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت کیف الوجہ فی ذلک؟
تقلد ایھم احببت۔[2]

ترجمہ۔ صحابہ کرامؓ میں جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو کیا جائز ہے کہ ہم ان کے اقوال کا جائزہ لیں کہ راستی کس کے پاس ہے تاکہ ہم اس کی پیروی کریں؟ آپ نے مجھے فرمایا کہ نہیں جائز کہ اصحاب رسول کا جائزہ لیا جائے۔ میں نے کہا پھر کیا کیا جائے۔ آپ نے فرمایا ان میں سے جس کی چاہو پیروی کر لو۔

امام ابن صلاح لکھتے ہیں۔ صحابہ کی خصوصیت ہے کہ ان میں سے کسی کی عدالت پر سوال نہیں ہو سکتا کہ یہ سب بہترین امت تھے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

لکونھم علی الاطلاق معدلین بنصوص الکتاب والسنۃ واجماع من یعتد
فی الاجماع من الامۃ قال اللہ تعالیٰ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس[3]

ترجمہ۔ وہ سب کتاب و سنت اور امت میں جن کا اعتبار ہے ان کے اجماع کی رو سے مطلقاً عادل تھے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں کہا ہے "تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے لائے گئے۔

---

[1] اسد الغابہ مقدمہ صہ ۱ [2] جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبد البر جلد ۲ صہ ۱۳ [3] علوم الحدیث للامام ابن صلاح صہ ۲۶۴

موضوعِ حدیث کا تیسرا اہم پہلو

یہ بات ہمارے سامنے پوری طرح مبرہن ہو چکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام ارشادات و اعمال اور آپ کی نظر کردہ تمام جزئیات جن پر آپ نے کوئی اعتراض نہ فرمایا انہیں اپنے سکوت سے منظوری دی اور آپ کے صحابہ کرام کے تمام اقوال و اعمال جو تعلیمات رسالت مآب کے ترجمان ٹھہرے سب حدیث کا موضوع ہیں اور صحاح ستہ اور دیگر معتمد کتب حدیث صحابہ کی ہزاروں مرویات و جزئیات کو اپنے دامن میں لیئے کھلی شہادت دے رہی ہیں۔ کہ صحابہ کرام بھی علم حدیث کا ایک بڑا اہم موضوع ہیں اور انہیں جانے اور سمجھے بغیر علم حدیث سے صحیح استفادہ کسی طرح ممکن نہیں۔ لیکن اب ہم اس سے ذرا آگے بڑھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ محدثین کرام نے فن حدیث میں صحابہ کرام کے بعد بھی کسی اہم موضوع پر بحث کی ہے ؟ اس موضوع کو عبور کر کے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مرویات کے بعد محدثین کے سامنے سب سے بڑا مسئلہ تعامل امت کا رہا ہے۔ انہوں نے یہ بتلانے کی کوشش کی ہے کہ ان مرویات حدیث کو امت نے کس طرح اپنے پیمانہ عمل میں اتارا اور کس طرح ان سے امت میں سنن جاری ہوئیں۔

موضوعِ حدیث میں تعاملِ امت پر نظر

جامع ترمذی کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ امام ترمذی حدیث کی روایت کے ساتھ ساتھ امت کے تعامل پر بھی پوری نظر رکھتے ہیں اور اہل علم کے مختلف مسالک سے بحث کرتے ہیں اور ان کے حوالے بھی دیتے ہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ سنت صرف روایت سے ثابت نہیں ہوتی۔ اس کے ساتھ امت کا تعامل بھی ضروری ہے کوئی حدیث سند کے لحاظ سے کتنی ہی مضبوط کیوں نہ ہو۔ اگر اس پر امت کا عمل نہیں تو اس کی حجیت قطعی نہ رہے گی۔ زیادہ گمان یہی ہو گا کہ وہ عمل منسوخ ہو چکا محدثین، حدیث کی حفاظت پر اس کے معمول بہ ہونے سے بھی استدلال کرتے رہے ہیں۔ امام وکیع نے اسمٰعیل بن ابراہیم مہاجر سے نقل کیا ہے :-

كان يستعان على حفظ الحديث بالعمل به۔[1]

ترجمہ۔ حفظ حدیث میں اس کے عمل سے بھی مدد لی جاتی تھی (یعنی یہ کہ اس پر عمل بھی ہو)

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کے معمول بہ ہونے کا اس کی صحت اور مقبولیت پر بہت اثر رہا ہے اور محدثین کو ایسی روایات بہت کھٹکتی رہی ہیں جو معمول بہ نہ رہی ہوں۔ امام ترمذی ایک مقام پر لکھتے ہیں :۔

جميع ما في هذا الكتاب من الحديث هو معمول به وبه اخذ بعض اهل العلم ما خلا حديثين حديث ابن عباس ان النبي صلى الله عليه وسلم جمع بين الظهر والعصر بالمدينة والمغرب والعشاء من غير خوف ولا سفر ولا مطر وحديث النبي صلى الله عليه وسلم انه قال اذا شرب الخمر فاجلدوه فان عاد في الرابعة فاقتلوه۔[2]

ترجمہ۔ جو کچھ اس کتاب میں ہے اس پر (کسی نہ کسی حلقے میں) عمل ضرور رہا ہے اور اس کے مطابق اہل علم کی ایک جماعت نے فیصلہ کیا ہے سوائے ان دو حدیثوں کے ایک حدیث حضرت ابن عباسؓ کی یہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی خوف سفر اور بارش کے کسی عذر کے بغیر مدینہ منورہ میں ظہر اور عصر کیا اور مغرب اور عشاء اکٹھی پڑھی ہیں۔ اور دوسری حضورؐ کی یہ حدیث کہ جب کوئی شراب پیئے تو اُسے کوڑے لگاؤ اور چوتھی دفعہ پیئے تو اسے قتل کر دو۔

یہ دونوں حدیثیں سند کے اعتبار سے لائق استدلال ہیں۔ لیکن یہ بات بھی صحیح ہے کہ ائمہ دین میں کسی نے ان کے ظاہر پر عمل نہیں کیا۔ بلکہ اس کے ترک پر اہل علم کا اجماع رہا ہے ائمہ مجتہدین اور ان کے مشکات کو علم حدیث کے موضوع میں شامل نہ کیا جائے تو بڑی مشکلات پیدا ہو جائیں گی۔ صحتِ حدیث کا مدار صرف سند پر نہیں۔ اہل علم کے عمل سے بھی حدیث قوی ہو جاتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اکثر اوقات عمل صحت پر متفرع ہوتا ہے۔ لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ کبھی صحت عمل پر بھی متفرع ہوتی ہے۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالحق سیالکوٹی لکھتے ہیں :۔

---

[1] تاریخ ابی زرعہ الدمشقی صہ۳۱۱ جلد۱ [2] جامع ترمذی کتاب العلل صہ۲۳۶ ج ۲

اکثر اوقات عمل صحت پر متفرع ہوتا ہے اور صحت روایت اصُول کی رُو سے شروط معتبرہ مجوزہ ائمہ جرح و تعدیل کے ساتھ ہوتی ہے اور بعض دفعہ صحت عمل پر متفرع ہوتی ہے صُورت اوّل عام ہے۔۔۔۔۔صورت دوم خاص ہے اور اس کی تصریح محققین نے کردی ہے۔ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب التعقبات علی الموضوعات میں لکھتے ہیں:۔

ان الحدیث اعتضد بقول اهل العلم وقد صرح غیر واحد بأن من دلیل صحة الحدیث قول اهل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علی مثله.

ترجمہ: اہل علم کے قول اور تعامل کے ساتھ حدیث ضعیف ضعف سے نکل کر صحیح اور قابل عمل ہوجاتی ہے اگرچہ اس کی اسناد لائق اعتماد نہ ہو اور بہت سے اہل علم کا یہ قول ہے۔

بعض فضلائے امت و امنار ملت میں اس صُورت دوم کے اپنے موضع میں پائے جانے کی وجہ سے بعض کوتہ اندیش جاہل اپنی کج فہمی کی وجہ سے ان پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ فلاں مولوی حدیث کا تارک ہے[۱]

حافظ ابن صلاح مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ جب ہم کسی حدیث کو صحیح قرار دیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ حدیث یقیناً صحیح ہے اور اس کی صحت درجہ علم تک پہنچی ہے بلکہ اس حکم صحت سے مراد صرف یہ ہوتی ہے کہ اس میں صحیح کی وہ فنی شرائط موجود ہیں۔ جو محدثین کے ہاں صحت حدیث کے لیے درکار ہیں۔ لہٰذا گمان یہی ہے کہ وہ حدیث صحیح ہوگی۔ اسی طرح ضعیف کا مطلب بھی یہ نہیں کہ یقینی طور پر وہ خلاف واقع ہے۔ ہوسکتا ہے کہ نفس الامر میں صحیح ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اہل علم کا تعامل اس کی فنی کمزوریوں کو ڈھانپ لیتا ہے۔

اس کی پُوری بحث انشاء اللہ العزیز قواعد حدیث میں آئے گی۔ یہاں صرف یہ بتلانا مقصود ہے کہ علم حدیث میں بعض دفعہ اہل علم کا تعامل اور ان کے مختلف مسالک بھی موضوع بن جاتے ہیں۔ اس لیے موضوع حدیث میں ان تمام مباحث کو شامل ہونا چاہیئے۔ حدیث سنداً کمزور بھی ہو تو تلقی بالقبول سے لائق قبول ہوجاتی ہے[۲] اور اسے صحیح بھی کہہ سکتے ہیں۔

---

[۱] الانصاف لرفع الاختلاف صـ ۲۶، مطبوعہ ۱۹۱۰ء مطبع رفاہ عام سٹیم پریس لاہور [۲] تدریب الراوی صـ ۱۵

ائمہ صحاح میں سے امام ترمذی نے اس پر بنیادی کام کیا ہے۔ احادیث روایت کرنے کے بعد ان پر صحت وتحسین کا حکم بھی لگاتے ہیں اور ان پر امت کے مختلف حلقوں کا عمل بھی نقل کرتے ہیں۔ آپ کی نظر میں امت کا تعامل ایک بڑی حیثیت رکھتا ہے حضرت امام طحاوی کا یہ ضابطہ بھی اس سلسلہ میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔

فلما تضادت الآثار فی ذلک وجب ان ننظر ما علیہ عمل المسلمین۔[1]

پھر رواۃِ حدیث میں بھی صرف ان کی روایت نہیں دیکھی جاتی۔ ان راویوں کی امامت پر بھی نظر کی جاتی ہے۔ امام طحاوی (۳۲۱ھ) نے نکاح المحرم کی بحث میں حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے مشہور شاگردوں کی ایک فہرست دی ہے اور ان کی روایات کے ساتھ ساتھ ان کی آراء کو بھی اہمیت دی ہے۔ آپ لکھتے ہیں:۔

وھؤلاء کلھم ائمۃ فقھاء یحتج بروایاتھم وآرائھم والذین نقلوا عنھم فکذلک ایضاً ...... فھؤلاء ایضاً ائمۃ یقتدی بروایاتھم ...... فکل ھؤلاء ائمہ یحتج بروایاتھم فما رووا من ذلک اولی مما روی من لیس کمثلھم فی الضبط والتثبت والفقہ والامانۃ۔[2]

محدثین کی ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا موضوع سخن صرف احادیث و آثار نہ تھے۔ ائمہ تابعین اور مجتہدین کی روایات و آراء پر بھی ان کی پوری نظر ہوتی تھی۔ امام ترمذی اور امام طحاوی نے اس موضوع پر اپنے اپنے رنگ میں بہت مفید کام کیا ہے۔ اور امت کے لیے فہم حدیث کی راہیں بہت دور تک کھول دی ہیں۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

محدثین کرام کی تاریخ پر گہری نظر

محدثین کرام حدیث کے ناسخ ومنسوخ کو جاننے، صحابہ کے اختلافات کو پہچاننے اور راویوں کے اتصال وانقطاع کو سمجھنے کے لیے تاریخ میں پوری دلچسپی لیتے رہے ہیں۔ امام بخاری کی التاریخ الکبیر ان کے ذوقِ تاریخ کی ایک کھلی شہادت ہے حافظ ابن جریر

---

[1] طحاوی شریف جلد ۱ صفحہ ۲۴۱ [2] طحاوی جلد ۱ صفحہ ۵۱۳

(۳۱۰ھ) بڑے مفسر اور محدث تھے۔ ان کی تاریخ طبری سے کون واقف نہیں۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) بڑے محدث اور مفسر تھے۔ ان کی عظیم وضخیم کتاب البدایہ والنہایہ کس حلقۂ علم سے مخفی ہے؟ اگر غور کیا جائے تو یہ حقیقت تسلیم کیے بغیر چارہ نہیں کہ محدثین نے ہی مسلمانوں میں ذوقِ تاریخ پیدا کیا اور وہی اس فن کے اولین سالار تھے۔ یہ انہیں کی کاوشیں ہیں جنہوں نے مسلمانوں کو علمِ تاریخ میں دوسری قوموں کا امام بنا دیا اور اقوامِ عالم نے مسلمانوں سے ہی تاریخ لکھنی سیکھی۔ تاریخ نویسی پر سب سے پہلے حضرت امیر معاویہؓ نے توجہ فرمائی تھی اور انہی سے اس فن کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

محدثین کے پیشِ نظر صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی شخصیات ہی نہ تھی۔ ان کے اعمال و وقائع کے مختلف ادوار بھی سب ان کے سامنے ہوتے تھے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس بحث میں کہ اگر امام بوجہ بیماری بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو کیا کرنا چاہیئے۔ یہ اصول بیان کیا ہے کہ اس میں آپ کے آخری عمل کو دیکھا جائے گا۔ امام بخاری اس مسئلہ کے پس منظر کو سامنے رکھتے ہوئے پہلے وہ روایات لائے ہیں۔ جن میں مقتدیوں کو بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر لکھتے ہیں:۔

ثم صلی بعد ذلك النبی صلی اللہ علیہ وسلم جالساً والناس خلفہ قیام لم یأمرهم بالقعود وانما یؤخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ترجمہ: حضورؐ نے اس کے بعد بیٹھ کر نماز پڑھی۔ لوگ آپ کے پیچھے کھڑے رہے آپ نے ان کو بیٹھنے کا حکم نہیں دیا اور بات یہ ہے کہ حضورؐ کے آخری عمل اور پھر جو آخری عمل ہو اس کو لیا جائے گا۔

اس روایت سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ امام بخاریؒ حضورؐ کی اس تقریری حدیث سے آپ کی پہلی قولی حدیث کو منسوخ سمجھ رہے ہیں۔ قولی حدیث کا تقریری حدیث سے منسوخ ہونا یہاں ثابت ہے۔ حضرت امام مسلمؒ لکھتے ہیں:۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صـ ۹۶

كان صحابة رسول الله صلى الله عليه وسلم يتبعون الاحدث فالاحدث من امره صلى الله عليه وسلم[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کے احکام میں سے تازہ ترین حکم کو ماخذ دین سمجھتے تھے اور اسے ہی لائق تمسک قرار دیتے تھے۔

حضرت امام مسلمؒ نے امام زہریؒ (۱۲۴ھ) کا بھی یہ قول نقل کیا ہے:۔

انما يؤخذ من امر رسول الله صلى الله عليه وسلم بالآخر فالآخر[۲]

امام ذہبی فرماتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ (۱۵۰ھ) کا موقف یہ تھا کہ حضورؐ کی آخری بات کو حجت سمجھا جائے گا[۳]

امام ابوداؤد صاحب السنن ترک الوضوء مما غیرته النار کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

عن جابر قال كان آخر الامرين عن رسول الله صلى الله عليه وسلم ترك الوضوء مما غيرت النار[۴]

امام زہری ایک دوسری بحث میں فرماتے ہیں کہ كان الفطر آخر الامرين[۵]۔ اس باب میں روزہ نہ رکھنا ہی حضورؐ کا آخری عمل ہے۔

علامہ خطابی (۳۸۸ھ) کے یہ الفاظ بھی اس ضابطے کی تائید کرتے ہیں:۔

انما يؤخذ بالآخر من آخر فعل رسول الله صلى الله عليه وسلم[۶]

شیعہ محدثین نے بھی اس اصول کو تسلیم کیا ہے کہ حضورؐ کے آخری عمل کو ہی اپنانا چاہیئے[۷] اور اسی سے سند لانی چاہیئے۔ مگر افسوس کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری باجماعت نماز کو اپنے لیے سند نہ بنا سکے۔

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ محدثین موضوع حدیث میں تاریخ کے مختلف اطوار اور اعمال کے مختلف ادوار سے پوری طرح واقف ہوتے تھے اور ان کے ہاں ناسخ و منسوخ

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۵۵ [۲] ایضاً صفحہ ۳۵۶ [۳] الانتقاء صفحہ ۱۴۲ [۴] سنن ابی داؤد جلد ۲ صفحہ ۱۱۲ مع البذل (جدید) [۵] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۵۶ در اجع له الطحاوی صفحہ ۳۳۱ جلد اول [۶] معالم السنن جلد ۱ صفحہ ۱۰۳ [۷] فروع کافی جلد ۴ صفحہ ۱۲۷ طبع ایران ویؤیده ما فی اصول الکافی جلد ۱ صفحہ ۶۷ من قوله اخذ بالاخیر۔

کی بحثیں تاریخی پس منظر میں چلتی تھیں اور اسی سے نتیجہ خیز ہوتی تھیں۔

حدیث کے مختلف موضوع

یہ بات آپ کے سامنے آچکی ہے کہ حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور صحابہ کرامؓ کی شخصیاتِ کریمہ ہیں۔ یہ بات بھی آپ پر پوری طرح روشن ہوئی کہ ان حضرات کے مختلف مواقف کو سمجھنے کے لیے ان کی مرویات کے مختلف ادوار کا تاریخی مطالعہ اور مختلف علمی حلقوں میں ان کے زیرِعمل آنے اور مختلف ائمہ کے تعامل پر نظر کرنا بہت ضروری ہے اور یہ محدثین کا ہمیشہ موضوع رہا ہے ــــ اب یہ بات بھی جان لیجیے کہ حدیث کا موضوع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے صرف تعبدی امور اور سنن ہی نہیں۔ علم حدیث ان کی انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر مشتمل ہے۔ محدثین نے انسانی زندگی کے تمام دوائر، عقائد و افکار، اعمال و عبادات، تقوےٰ و احسان، اخلاق و معاملات اور وقائع و سیر پر محنت کی ہے اور ان تمام ابوابِ زندگی میں امت کو حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کی تعلیماتِ قدسیہ سے جلا بخشی ہے۔ پچھلوں کو پہلوں سے وابستہ رکھنے کے لیے کتب حدیث میں کتاب التفسیر جیسے ابواب بھی قائم کیے ہیں۔ جگہ جگہ قرآن کریم کی آیات سے احادیث پہ باب باندھے ہیں۔ اور عملاً بتایا ہے کہ حدیث کا موضوع قرآن کریم کی عملی تفصیل اور امت کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کی ایک معیاری تشکیل ہے۔

اسلامی زندگی کی تشکیل میں صحابہؓ کے عمل کو سنّت کہنا اور پچھلوں کے لیے اُسے لازم کرنا فقہاء محدثین کے ہاں عام رہا ہے۔ حضورؐ کا ارشاد ان ابن مسعود سن لکم سنۃً فاستنوا بہا آپ سن آئے ہیں۔ ”قد سن لکم معاذ فاقتدوا بہ“ بھی آپ سُن چکے۔ اب حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ) کی تصریح بھی ملاحظہ فرمائیں۔ ایک مسئلہ جو کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابتؓ سے منقول تھا۔ اس کے بارے میں فرماتے ہیں۔ انہ السنۃ (یہ سنت ہے) علامہ سرخسی (۴۹۰ھ) لکھتے ہیں: انہ السنۃ یعنی سنۃ زید بن ثابت۔[1]

---

[1] المبسوط جلد ۲۲ صہ۹

ایک شخص نے آپ سے مسئلہ پوچھا۔ آپ نے دریافت کیا آیا وہ عراق سے ہے۔ (یعنی کچھ پڑھا لکھا ہے؟) اس نے کہا نہیں۔ میں ایک ناواقف طالب علم ہوں۔ آپ نے بتلایا سنت یوں ہی چلی آرہی ہے۔ آپ نے اسے حضرت زید بن ثابتؓ سے لیا ہے۔

أعراقی انت قال «لا بل جاهل متعلم»، قال هكذا السنة اراد سنة زيد بن ثابت[1]

ایسا ایک واقعہ نہیں۔ تاریخ و حدیث میں ایسے بے شمار وقائع ملتے ہیں۔ جہاں صحابہ کرام کے اعمال اور فیصلوں کو امت میں سنت کی جگہ دی گئی۔ سواس میں کوئی شبہ نہیں۔ کہ حدیث کا موضوع حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور صحابہؓ کی شخصیاتِ کریمہ ہیں اور ان کے ساتھ ان کی زندگیوں کے تمام دوائر اور ان کے تمام ادوار بھی اس فن کا موضوع سمجھے گئے ہیں۔

حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۹۰ھ) کون ہیں؟ تابعی کبیر جنہیں تابعین میں تقریباً وہی درجہ حاصل ہے جو صحابہ میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرق یہ ہے کہ حضرت ابوبکر کا تمام صحابہ سے افضل ہونا ایک قطعی اور اجماعی بات ہے جسے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق حاصل تھی اور حضرت سعید بن المسیب کی تابعین پر فضیلت اس وقت کے کچھ اکابر کا نظریہ تھا اس فضل و کمال کے ساتھ آپ کا حضرت زید کے عمل کو سنت کہنا اسلام کے ایک اصول کا پتہ دیتا ہے۔

پھر حضرت سعید بن المسیبؓ نے اپنے اس موقف پر کوئی دلیل پیش نہیں کی اتنا اطمینان فرمایا کہ سائل کوئی عالم تو نہیں؟ غیر عالم کے لئے یہی ہے کہ جب اسے کسی صحابی کی کوئی بات ملے وہ اس پر اعتماد کرتے ہوئے اسے اپنا لے اور دلائل کی بحث میں نہ پڑے دلیل سے بحث علماء کا کام ہے اسلام میں سنت اسی سے قائم ہوئی ہے کہ جہاں کوئی ستارہ چمکا تابعین اتباع کرتے ہوئے اس کی روشنی میں چلنے لگے یہ تو ہے کہ کوئی ستارہ زیادہ چمکا اور کوئی کم — لیکن ملے گی اس سے ہمیشہ روشنی ہی اندھیرا کبھی نہ ملے گا۔

---

[1] جوہرہ نیرہ جلد ۲ صفحہ ۲۱۵

نوٹ: حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ عنہ نے یہاں عالم کے لئے عالم کا لفظ نہیں عراقی کا لفظ استعمال کیا ہے "أعراقی انت" اور عراقی اور طالب علم کو ایک دوسرے کے مقابل جگہ دی ہے معلوم ہوا ان دنوں عراق علم کا ایک بڑا مرکز تھا اور وہاں پورے عالم عرب کی نادرہ روزگار ہستیاں آباد تھیں جنہیں بجا طور پر علم اسلام کا نمائندہ کہا جاسکتا ہے امام ابوحنیفہ رح امام سفیان ثوری۔ امام ابویوسف امام سفیان بن عیینہ، امام محمد بن حسن اور عبداللہ بن مبارک جیسے فضلاء اسی جگہ سے اٹھے تھے یہ وہی سرزمین ہے جہاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت حسن بصری جیسے اکابر پہلے سے علم کی شجرکاری کرچکے اس پورے ماحول میں صحابہ کے عمل کو حجت سمجھا جاتا تھا اور جہاں کسی صحابی سے کوئی عمل ثابت ہوا اس سے سنت اسلام قائم ہوجاتی تھی۔

کسے معلوم نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا ثابت نہیں ہے مگر چونکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کی دعا پڑھنا جائز سمجھتے تھے آپ نے اُسے سنت قرار دیا اور سنت کا معنی اس ماحول میں یہی سمجھا گیا کہ ایک ایسی راہ ہے جس پر پہلے چلا جاچکا ہے سنت کا لفظ طریقۃ مسلوکۃ فی الدین کے معنی میں عام تھا اور مسلمانوں کے لئے کسی طرح ممکن نہ تھا کہ کسی صحابی سے انہیں کوئی بات پہنچے اور وہ اسے ٹھکرا دیں الا یہ کہ کسی دوسرے بزرگ صحابی کا قول دوسری طرف ہو عمل صحابہ ان کے لئے اس پہلو سے ایک روشن حجت تھی۔

ضرورتِ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد

کسی چیز کی ضرورت کا احساس اپنے موجود سرمائے کو سامنے رکھنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ ہمارے پاس کیا کچھ ہے ہم کسی اور چیز کے ضرورت مند نہیں ہو سکتے۔ حدیث کی ضرورت اسی صورت میں محسوس ہو گی کہ علم کا موجود سرمایہ ہمارے سامنے واضح ہو اور وہ ہماری ضروریات پوری نہ کر سکے۔ ضرورتِ حدیث پر بحث کرنے سے پہلے ہمیں اپنے موجود علمی سرمائے کو دیکھنا چاہیئے اور اپنی موجودہ صورتِ حال کا پوری طرح جائزہ لینا چاہیئے۔

ہمارا موجود علمی سرمایہ

ہم اس اعتراف سے اس موضوع پر غور کر رہے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں۔ اور ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید موجود ہے۔ یہ پوری کتاب محفوظ اور زندگی کی ہر ضرورت میں رہنمائی بخشنے والی ہے۔ ہمارا موجود سرمایہ علم یہی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے ہمیں اور کس چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے؟

اس سوال کا جواب دینے کے لیئے ہمیں خود قرآن کریم میں ہی غور کرنا چاہیئے۔ کیا اس کے مطالعہ سے کوئی اور احساسِ ضرورت اُبھرتا ہے۔ اگر یہ ضرورت محسوس ہوتی ہے تو پھر یہ اگلا مرحلہ ہے کہ اسے کس طرح پورا کیا جائے۔ حدیث سے یا رائے سے یا کسی کے مشورے سے ہم ابھی پہلے مرحلے میں ہیں کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے کیا

کسی اور چیز کی ضرورت بھی ہے یا نہ ؛

اس کے جواب میں یہ چار عنوان بہت اہم ہیں ۔ ۱۔ قرآن کریم کے مسائل، ۲۔ زندگی کے مسائل ۔ ۳۔ قرآن کی جامعیت ۔ ۴۔ قرآن کریم کی دعوت۔ اگر ہم ان پر غور کرلیں۔ تو پھر اس کا جواب کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور چیز کی ضرورت بھی ہے یا نہیں۔ ہمارے لیئے بہت آسان ہو جائے گا۔

قرآن کریم کے مسائل

قرآن کریم نے کچھ احکام نہایت وضاحت اور صراحت سے بیان کیئے ہیں۔ جیسے قانون وراثت۔ قانون شہادت۔ قانون حدود۔ ایمانیات اور اخلاقیات۔ مگر کچھ احکام ایسے بھی ہیں اور یہ بہت سے ہیں جنہیں قرآن کریم نے مجمل طور پر بیان کیا ہے۔ قرآن کریم میں ان کی پوری کیفیت ادا نہیں ملی۔ پھر قرآن پاک میں کچھ ایسے اشارات ہیں جن کی تفصیل اس میں نہیں ہے اور پھر کچھ مشکلات ہیں جن کی وضاحت کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہے اور پھر اصول قرآنی کی ایسی توسیعات بھی ہیں جن کی پوری جزئیات کا بیان یہاں نہیں ملتا۔ اور نہ یہ عملاً ممکن ہے۔

زندگی کے مسائل

پھر زندگی کے کچھ مسائل ایسے ہیں کہ قرآن کریم میں ان کے بارے میں کوئی تصریح نہیں ملتی۔ جیسے ۔ ۱۔ پانی کے پاک اور ناپاک ہونے کے مسائل ، ۲۔ کون سی بیع درست ہے اور کون سی نہیں اور یہ کہ کس کس بیع میں سود کی جھلک پائی جاتی ہے۔ ۳۔ بیع جنس بالجنس کی کیا صورت ہے ۔ ۴۔ جو جرائم حدود کے تحت نہیں آتے ان کی سزا کیا ہے۔ ۵۔ زمینوں کے مسائل میں مضاربت کے احکام وغیرہ۔ ۶۔ مساجد کے تفصیلی شرعی احکام ۔ ۷۔ مختار نامہ کے ذریعہ نکاح کی صورتیں وغیرھا ــــــ

ان جیسے زندگی کے ہزاروں مسائل ہیں جو ہمیں قرآن کریم میں واضح طور پر

نہیں ملتے۔ لیکن انسانی زندگی ان ابواب میں راہنمائی تلاش کرتی ہے اور ان ضرورات میں بھی دینی حل ڈھونڈتی ہے۔

قرآن کریم کی جامعیت کا دعویٰ

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ہدایتِ انسانی کے پورے نقشے پھیلا دیئے ہیں۔ یہ کتاب خدا کی آخری کتاب ہے اور اس میں ہر انسانی ضرورت کا حل موجود ہے۔

ونزلنا عليك الكتاب تبيانا لكل شيء وهدى ورحمة وبشرى للمسلمين[1]

ترجمہ۔ اور ہم نے آپ پر ایسی کتاب اتاری جو ہر چیز کا کھلا بیان ہے ہدایت اور رحمت ہے اور ماننے والوں کے لئے خوشخبری ہے۔

ہر چیز کے کھلے بیان کا مطلب یہ ہے کہ اس میں تمام علوم ہدایت۔ اصول دین اور فلاحِ دارین سے متعلق ضروری امور کا نہایت مکمل اور واضح بیان ہے۔ یہاں کتاب اللہ اُسوۂ رسول اور اطاعتِ رسول کی راہ سے تمام ہدایاتِ نبویہ کو بھی شامل ہے اور اس عموم سے احادیث میں کتاب اللہ کی مرکزی حیثیت اسی طرح مذکور ہے۔ حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری (۷۴ھ) کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

وقد تركت فيكم مالن تضلوا بعده ان اعتصمتم به كتاب الله[2]

ترجمہ۔ اور میں تم میں وہ چیز چھوڑے جارہا ہوں کہ اگر تم نے اُسے تھام لیا تو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ چیز کتاب اللہ ہے۔

حضرت علیؓ بھی کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

كتاب الله فيه نبأ ما قبلكم وخبر ما بعدكم وحكم ما بينكم هو الفصل وليس بالهزل من تركه من جبار قصمه الله ومن

---

[1] پ ۱۴ النحل ع ۱۲ [2] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۳۹۷ جلد ۱ ص ۲۶۹ امام احمد جلد ۴ ص ۳۶۷ سنن دارمی ص ۴۲۴

ابتغی الھدی فی غیرہ اضلہ اللہ و ھو حبل اللہ المتین و ھو الذکر الحکیم و ھو الصراط المستقیم ھو الذی لا تزیغ بہ الاھواء ولا تلتبس بہ الالسنۃ و لا یشبع منہ العلماء و لا یخلق عن کثرۃ الرد و لا تنقضی عجائبہ۔[1]

ترجمہ۔ قرآن کریم میں پہلی داستانیں بھی ہیں اور آئندہ کی خبریں بھی ہیں اور حال کے احکام بھی ہیں۔ یہ فیصلہ کن چیز ہے یونہی نہیں۔ جو متکبر اسے ترک کرے گا اللہ اسے توڑے گا اور جو اس کے سوا کسی اور چیز میں ہدایت ڈھونڈے اللہ اسے راہ سے بھٹکا دیں گے۔ قرآن اللہ کی مضبوط رسّی ہے یہی ذکر حکیم اور یہی صراطِ مستقیم ہے اس کے ساتھ طبائع کجروی میں نہیں جاتیں اور زبانیں ملتبس نہیں ہوتیں۔ علماء کو اس سے سیری نہیں ہوتی اور بار بار مراجعت سے یہ پرانا نہیں ہوتا اور اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے۔

حضرت زید بن ارقم (۶۸ھ) بھی روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

انی تارک فیکم کتاب اللہ ھو حبل اللہ من اتبعہ کان علی الھدی و من ترکہ کان علی الضلالۃ۔[2]

ترجمہ۔ میں تم میں کتاب اللہ چھوڑے جا رہا ہوں وہ اللہ کی رسّی ہے جو اس کی پیروی کرے گا ہدایت پر ہو گا اور جو اسے چھوڑے گا گمراہی پر رہے گا۔

صحیح مسلم ۱ صـ۳۹۷ سنن ابی داؤد ۱ صـ۲۷ سنن ابن ماجہ صـ۲۲۵ اور سنن کبری بیہقی جلد ۵ صـ۸ میں یہ روایت حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے۔ زید بن ارقمؓ کی روایت المصنف لابن ابی شیبہ، معجم کبیر للطبرانی (کما فی کنز العمال جلد ۱ صـ۴۷ صـ۴۸) میں بھی موجود ہے۔ ابن کثیر نے اسے امام احمد سے بھی نقل کیا ہے۔ البدایہ جلد ۵ صـ۱۷۰۔ یہاں قرآن کریم کی طرف دعوت بایں طور ہے کہ قرآن اجمالاً تمام سنت کو بھی مشتمل ہے۔ حضرت عمرؓ کے قول حسبنا کتاب اللہ میں بھی سنت کا انکار ہرگز نہیں تھا۔

---

[1] رواہ الترمذی والدارمیؒ فی اسنادہ مقال دراجع لہ المشکوٰۃ صـ۱۸۶ [2] صحیح ابن حبان جلد صـ۲۸

قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت اور یہ روایات بتا رہی ہیں کہ قرآن کریم نہایت جامع اور مکمل کتاب ہے اور اس میں ہر انسانی ضرورت کا پورا پورا حل موجود ہے. قرآن کریم کی جامعیت کا یہ دعویٰ کہاں تک حالات سے ہم آہنگ ہے ؟ اور زندگی کے تمام مسائل کیا اپنی پوری تفصیل کے ساتھ ہمیں اس میں ملتے ہیں یا نہیں ؟ اس پر ذرا اور غور کیجئے. یہ حقیقت ہے اور اس کے تسلیم کرنے سے چارہ نہیں. کہ بہت سے قرآنی احکام ایسے مجمل ہیں کہ جب تک اور کوئی ماخذ علم ان کی تفصیل نہ کرے ان کی عملی تشکیل نہیں ہو سکتی اور زندگی کے لا تعداد مسائل ایسے بھی ہیں جن کے متعلق واضح جزئی ہمیں قرآن کریم میں نہیں ملتی. پس قرآن کریم کی جامعیت کی تشریح ایسی ہونی چاہیئے. جس سے یہ دعوئے واقعات سے ہم آہنگ بھی ہو سکے.

قرآن کریم کی جامعیت کا مفہوم

کسی نے قرآن کریم کی جامعیت کا یہ مفہوم نہیں لیا کہ اس کی کسی آیت میں کوئی اجمال brevity یا کسی بیان میں کوئی تقیید particularisation نہیں. اس نے ہر باب کی غیر متناہی جزئیات کا احاطہ کر لیا ہے اور ہر حکم کی تمام حدود اور تفصیلات details اس نے بیان کر دی ہیں. نہ یہ کسی کا دعوئے ہے نہ اس کا کوئی قائل ہے. اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ہم سوائے اس چیز کے جو قرآن میں ملے اور کسی چیز کو قبول نہ کریں گے تو اس کے کافر ہونے میں کوئی شبہ نہیں. حافظ ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں :-

لو ان امرأ قال لا ناخذ الا بما وجدنا فی القرآن لکان کافرا باجماع الامۃ.[1]

ترجمہ. اگر کسی شخص نے کہا کہ صرف وہی چیزیں لیں گے جسے ہم قرآن میں پالیں تو وہ شخص بالاتفاق کافر ٹھہرے گا.

قرآن کریم کی جامعیت کا مفہوم یہ ہے کہ اس میں تمام انسانی ضرورتوں کا حل ملتا ہے

---

[1] الاحکام فی اصول الاحکام جلد ۲ صہ

اور لاتعداد جزئیات کے احکام اس میں اصول وکلیات اور ضوابط کی شکل میں موجود ہیں۔

علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) لکھتے ہیں :-

القرآن علی اختصارہ جامع ولا یکون جامعاً الا والمجموع فیہ امور کلیات۔[1]

ترجمہ۔ قرآن مجید مختصر ہونے کے باوجود ایک جامع کتاب ہے اور یہ جامعیت تبھی درست ہوسکتی ہے کہ اس میں کلیات کا بیان ہو۔

محدث جلیل حضرت مولانا بدر عالم مدنیؒ لکھتے ہیں :-

"اس کا مفہوم یہ ہے کہ وہ خداشناسی اور آداب عبدیت کے تمام اصولوں پر حاوی ہے جیساکہ جہاں بانی کے ایک ایک نکتہ ایک ایک شوشہ کے لئے مکمل آئین ہے ایک چوب خشک اس پر عمل کرکے عارف کامل ہوسکتا ہے اور ایک فقیر بےنوا اس کے اتباع کی بدولت تاج شاہانہ پہن سکتا ہے۔ پھر شاہی اور گدائی کے یہ عمیق اور دقیق اصول اس نے ایسے جامع اور سادے الفاظ میں قائم کیے ہیں کہ دین کے مختلف زمانوں کی مختلف ضروریات میں سے کبھی کوئی ایسی ضرورت پیش نہیں آسکتی جس کے متعلق قرآن کریم کے ان الفاظ میں پوری روشنی نہ ملے۔"[2]

پس جب قرآن پاک میں ایسے اصول وکلیات ہیں جن کے تحت لاتعداد جزئیات کا فیصلہ قرآن کریم کی جامعیت کی تصدیق کرے تو یہ جاننے کی اشد ضرورت ہے کہ ان مواقع پر قرآن کریم کی اصولی دعوت کیا ہے؟ اس ضرورت میں وہ ہمیں کدھر لے جاتا ہے؟

قرآن کریم کی دعوت

قرآن کریم نے اپنے احکام وارشاد کے ساتھ ساتھ ایک عظیم شخصیت کا تعارف بھی کرایا ہے اور اس کو اپنے ساتھ لازم کیا ہے۔ قرآن کریم مسلمانوں کو اس کے عمل سے

---

[1] الموافقات جلد ۳ ص۳۶۷ [2] ترجمان السنہ جلد ۱ ص۱۱۱

اسوۂ حسنہ کی دعوت دیتا ہے. یہ ایک ایسی اصل عظیم ہے. جس کے تحت ہزاروں مجملات کی تفصیل اور لاکھوں جزئیات کا حل مل جاتا ہے. قرآن کریم کی اس دعوت کے تحت اس اسوۂ حسنہ کی تعمیل عین قرآن پاک کی تعمیل شمار ہوگی. یہ کلیدی آیات ہیں جن کے تحت لاتعداد مسائل حل ہو جاتے ہیں.

قرآن کریم کی کلیدی آیات

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں چند ایسی کلیدی آیات نازل فرمادیں جن کے تحت حدیث کی ہر جزئی قرآن پاک کا حکم بن جاتی ہے. چند آیات ملاحظہ کیجئے.

(۱) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔[۱]

ترجمہ بے شک تمہارے لیئے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ موجود ہے.

پس چاہیئے کہ ہر معاملہ ہر ایک حرکت و سکون اور نشست و برخاست میں اس ذاتِ گرامی کے نقشِ قدم پر چلیں.

(۲) وما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔[۲]

ترجمہ۔ اور اللہ کا رسول جو تمہیں دے لو اور جس سے منع کرے اسکو چھوڑ دو.

یہ آیت اپنے عموم میں پیغمبر خدا کے ہر فیصلے اور ہر نہی کو حاوی ہے اور حضور کے صحابہ لیے بہت سے موقعوں پر اس آیت سے استدلال کرتے رہے ہیں.

(۳) یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔[۳]

ترجمہ. اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو (اس کے) رسول کا.

قرآن کریم کی اس دعوت کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والا خود خدا تعالیٰ کے حکم ہی کی پیروی کر رہا ہے.

(۴) ومن یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔[۴]

ترجمہ. جو اللہ کے رسول کی اطاعت کرتا ہے پس بیشک وہ اللہ کی اطاعت کر چکا.

---

۱ پ۲۱ الاحزاب ع۳ ۲ پ۲۸ الحشر ع۱ ۳ پ۵ النساء ع۸ ۴ پ۵ النساء ع۸.

یہاں رسول کی اطاعت صیغۂ مضارع Present سے بیان فرمائی. جو رہتی دنیا تک جاری رہے گی اور اللہ کے اطاعت کو ماضی Past سے تعبیر فرمایا کہ مومن ایمان لانے کے ساتھ ہی اسی اصول کو تسلیم کر چکا تھا کہ زندگی کی ہر ضرورت میں رسول کی اطاعت کی جائے گی اور اسی کے تحت وہ اطاعت رسول کر رہا ہے. یہ وہ کلیدی آیات Key Verses ہیں جن کے تحت جمیع جزئیاتِ حدیث آجاتی ہیں اور قرآن کریم جمیع تعلیماتِ رسول پر حاوی قرار پاتا ہے.

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی حضرت عمران بن حصینؓ (۵۲ھ) کے ہاں علمی مذاکرہ ہو رہا تھا کہ ایک شخص نے کہا لا تحدثوا الا بما فی القرآن. (قرآن کے سوا اور بات نہ کیجئے) حضرت عمرانؓ نے اسے کہا کہ تو احمق ہے. کیا قرآن میں ہے کہ ظہر اور عصر کی چار رکعتیں ہیں اور ان میں قرآن جہری نہیں؟ مغرب کی تین رکعتیں ہیں پہلی دو میں قرأت جہری ہے اور تیسری میں آہستہ؟ عشاء کی چار رکعتیں ہیں دو میں قرأت جہری ہے اور دو میں آہستہ؟ کیا یہ قرآن میں ہے[۱]

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) روایت کرتے ہیں. کہ آپ نے اُسے یہ بھی کہا.

اگر تم اور تمہارے ساتھی واقعی صرف قرآن پر ہی اعتماد کرتے ہو تو کیا تمہیں قرآن میں ملتا ہے کہ ظہر، عصر اور مغرب کی چار چار اور تین (فرض) رکعات ہیں اور یہ کہ (سورت فاتحہ کے بعد) صرف پہلی دو رکعتوں میں قرآن کریم پڑھا جاتا ہے؟ کیا تمہیں قرآن کریم میں ملتا ہے طوافِ کعبہ کے سات چکر ہیں؟ اور یہ کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی ضروری ہے[۲]

حضرت عمران بن حصینؓ نے یہاں ایک نہایت اہم اصول کی طرف توجہ دلائی ہے عمل رسالت صرف نماز اور اس کی رکعات یا حج اور اس کے اشواط کا ہی بیان نہیں. پورا دائرہ شریعت عمل رسالت کے گرد گھومتا ہے. صحابہ کرام کے سامنے راہ عمل صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کرتے یا فرماتے صحابہ اس راہ پر چل پڑتے. کبھی کسی نے آپ سے نہ پوچھا

---

[۱] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱۱ ص ۲۵۵ [۲] الکفایہ فی علوم الروایہ ص ۱۵

تھا کہ اس باب میں اللہ کا حکم کیا ہے۔ ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی قرآنی اجمال کی تفصیل ہے[1]۔ آپ زندگی کے ہر قدم میں الٰہی حفاظت کے سائے میں ہیں۔ آپ کے عمل کی اگر کوئی شرعی حیثیت نہ ہو تو سینکڑوں اجمالات قرآن عملاً معطل ہو کر رہ جاتے ہیں۔

یہ صرف اہل سنت مکتب فکر کی آواز نہیں، شیعہ بھی تسلیم کرتے ہیں کہ سنت نبوی کے بغیر احکام قرآنی کی تشکیل کسی طرح ممکن نہیں۔

شیعہ روایات

ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) امام جعفر صادقؒ (۱۴۸ھ) سے روایت کرتے ہیں:۔

بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز کا حکم نازل ہوا لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں کہا کہ (مختلف نمازوں کی) تین یا چار رکعات ہیں۔ پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بیان کیا۔ حضورؐ کو زکوٰۃ کا حکم دیا گیا۔ لیکن (قرآن کریم میں) یہ نہیں بتایا گیا کہ زکوٰۃ کی مقدار چالیسواں حصہ ہے۔ یہاں تک کہ اسے حضورؐ نے بیان فرمایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حج کا حکم دیا گیا۔ لیکن (قرآن میں) یہ نہیں بتایا گیا کہ (طواف کعبہ کے) چکر سات ہیں۔ یہاں تک کہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمایا۔[2]

قرآن پاک اور حدیث کا ربط

یہ بالکل صحیح ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہی شریعت اسلام کو عملی تشکیل دی ہے اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ کی حیات طیبہ ہی اسوۂ حسنہ قرار پائی ہے۔ آپ نے مجملات قرآنی کی تفصیل کی اور آپ نے ہی اس کے عمومات کی تخصیص فرمائی۔ قرآن پاک اور حدیث پاک ساتھ ساتھ چلتے رہے اور اسلام عملی صورت میں پہلوں سے پھلوں کو ملتا رہا۔ جب کہا جاتا ہے کہ قرآن کریم جامع اور مکمل کتاب ہے تو اس سے یہ ہی مراد ہوتی تھی کہ اس میں تمام اصول کلیہ موجود ہیں۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ)

---

[1] مرقات جلد ۱ ص ۲۰۴
[2] اصول کافی جلد ۱ ص ۲۸۶

نے الکفایہ فی علوم الروایہ کے دوسرے باب کا عنوان یہ قائم کیا ہے :۔

باب تخیصص السنن لعموم محکم القرآن و ذکر الحاجد فی المجمل الی التفسیر والبیان[1]

حافظ ابن قیم (۷۵۱ھ) نے اعلام الموقعین[2] جلد تیسری میں اس پہ ص۲۷۹ سے ص۵۶۸ تک ایک سو صفحات کے قریب بحث کی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متعدد تشریحات اور توضیحات بیان کیں ہیں۔ جو آپ نے اس قسم کے قرآنی احکامات کے بیان میں صحابہ کے سوال پر ارشاد فرمایں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ قرآن کریم کی مرادات واضح فرماتے تھے اور حضورؐ کے بیان قرآن کا ایک یہ بھی قاعدہ اور اصول تھا۔

ایک سوال اور اس کا جواب

قرآن کریم کی جامعیت بے شک کلیات میں ہے اور انہی کلیات میں اطاعت رسول اور اسوۂ حسنہ کی کلیدی آیات بھی ہیں۔ جن کے تحت لاکھوں جزئیات مل جاتی ہیں اور قرآن پاک کی جامعیت بھی قائم رہتی ہے۔ لیکن ہزاروں جزئیات اور باقی رہتی ہیں۔ یا نئی پیدا ہو جاتی ہیں جن کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات واضح طور پر نہیں ملتیں۔ سوال یہ ہے کہ زندگی کے یہ مسائل کیسے حل ہوں گے ؟ اور ان پیش آمدہ جزئیات میں قرآن پاک کی جامعیت اور پیغمبر خدا کی احادیث کہاں تک زندگی کا ساتھ دے سکتی ہے۔

الجواب

قرآن پاک کی ان کلیدی آیات میں جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کو قرآن کریم کے ساتھ جزو لازم ٹھہراتی ہیں۔ ایک آیت ایسی بھی ہے جو اطاعت کے لیے ایک اور طبقے کو بھی پیش کرتی ہے۔ اس آیت کو پہلے ہم مختصراً پیش کر چکے ہیں۔ اب اسے ذرا تفصیل سے پیش کیا جاتا ہے۔ قال اللہ تعالیٰ :۔

---

[1] الکفایہ ص۱۲ طبع حیدرآباد [2] اعلام الموقعین مطبوعہ مصر

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم۔[1]

ترجمہ۔ حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو (اس کے) رسول کا اور ان کا جو تم میں سے اولی الامر ہوں (جس بات میں ان کا حکم چل سکے)۔

جس طرح انتظامی امور میں اولی الامر حکام ہیں جو تم میں سے ہوں، علمی امور میں فقہاء ومجتہدین ہیں جو مسائل غیر منصوصہ کو مسائل منصوصہ کی طرف لوٹا کر ان کا حکم استنباط کرتے ہیں وہ کتاب وسنت کے اصول کلیہ دریافت کر لیتے ہیں اور شریعت کے مغز کو پا جاتے ہیں۔ اور پھر ان کے تحت ہر اس مسئلے کو حل کر لیتے ہیں جس پر شریعت میں کوئی نص وارد نہیں ہوئی اسی طرح وہ مسائل منصوصہ جن میں بظاہر تعارض معلوم ہو اور ان میں تقدیم وتاخیر زمانی بھی معلوم نہ ہو کہ انہیں نسخ پر محمول کر سکیں۔ انہیں بھی یہ حضرات اپنے اجتہاد سے حل کرتے ہیں سو یہ آیت ایک کلیدی آیت ہے۔ جس کی رو سے مجتہدین کے استنباط کردہ جملہ مسائل قرآن کریم کے تحت آگئے اور قرآن کریم کا دعوے جامعیت اپنی جگہ قائم رہا۔ حافظ ابوبکر جصاص رازی لکھتے ہیں کہ یہاں حکام اور فقہاء مجتہدین دونوں مراد ہو سکتے ہیں۔ کیوں کہ اولو الامر کے الفاظ ان سب کو شامل ہیں۔[2]

بعض کلیدی احادیث

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعض احادیث بھی کلیدی درجہ رکھتی ہیں۔ ایک حدیث ہدیۂ قارئین ہے۔ جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کی پیروی کی راہ کھلتی ہے۔ حضرت عرباض بن ساریہؓ (۷۵ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

علیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ۔[3]

ترجمہ۔ تم پر میری سنت کی پیروی کے ساتھ خلفاء راشدین کی سنت کی پیروی

---

[1] پ۵ النساء ع ۸ [2] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ ویجوز ان یکونوا جمیعاً مرادین بالآیۃ لان الاسم یتناولھم جمیعا۔
[3] ترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۴۶ مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۶

بھی لازم ہے اس سے تمسک کرو اور اسے اچھی طرح دانتوں سے پکڑ لو۔

قرآن کریم کی مذکورہ بالا کلیدی آیت اور اس کلیدی حدیث نے ان لاکھوں جزئیات کے حل کی راہ کھول دی اور صحابہ کرامؓ اور ائمہ مجتہدینؒ کی تعلیمات کے چشمے خود کتاب و سنت سے جاری ہوتے ملے۔ اسلامی علم و دانش کا یہ وہ تسلسل ہے جس سے قرآن پاک کی جامعیت اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اپنی پوری شان سے اُبھرتی نظر آتی ہے۔ قرآن و سنت میں فقہ و اجتہاد کی راہیں نہ کھلیں تو مسائل غیر منصوصہ (جن کے بارے میں قرآن پاک اور حضورؐ کے اپنے ارشادات میں واضح تعلیم نہیں ملتی) کے باب میں اسلام کے کامل ضابطہ حیات ہونے کا دعوےٰ پادر ہوا ہو جاتا ہے۔

اسلام کے کامل ضابطۂ حیات ہونے کی علمی راہ

حضورؐ کے صحابہ نے فقہ و اجتہاد کی راہ سے اسلامی تعلیمات کے دریا بہائے اور اجتہاد کے اسی چشمہ صافی سے لاکھوں کو سیراب کیا۔ ہر پیش آمدہ ضرورت پر اُن کے اہل الرائے حضرات نے اپنی رائے پیش کی۔ سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) نے ہدایت فرمائی:

من عرض له منكم قضاء بعد اليوم فليقض بما في كتاب الله فان جاءه امر ليس في كتاب الله فليقض بما قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فان جاءه امر ليس في كتاب الله ولا قضى به نبيه صلى الله عليه وسلم فليقض بما قضى به الصالحون فان جاءه امر ليس في كتاب الله ولا قضى به نبيه ولا قضى به الصالحون فليجتهد رايه۔[1]

ترجمہ۔ جب تمہارے سامنے کوئی مقدمہ آئے تو کتاب اللہ کے مطابق فیصلہ کرنا چاہیئے ورنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے مطابق فیصلہ کیا جائے۔ اگر وہ فیصلہ کتاب و سنت میں نہ ملے تو پھر بزرگوں

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۶۰

(اکابر صحابہ کرامؓ) کے فیصلوں کو لیا جاتے اور اگر کوئی ایسا معاملہ آجائے
جو ان بزرگوں کے فیصلوں میں بھی نہ ملے تو (اجتہاد کی اہلیت رکھنے والا)
اپنی علمی رائے سے اجتہاد کرے۔

چنانچہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ (۶۸ھ) قرآن و حدیث کے بعد حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کے فیصلوں سے ہی فتوے دیتے تھے[1]۔ اگر وہاں بھی نہ ملتا پھر اجتہاد کرتے[2]۔
اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک کی جامعیت امورِ کلیہ میں ہیں اور انہی کلیات میں سے ہے کہ پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت لازمی کی جائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کلیدی احادیث آئندہ رہنمائی کے لیئے صحابہ کو پیش کرتی ہیں اور ضرورت آمدہ پر اجتہاد کی راہیں کھولتی ہیں اور یہ ساری شاہراہ قرآن پاک کے چشمۂ فیض سے ہی مستفیض اور اسی منبعِ نور سے مستنیر ہے۔ حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) فرماتے ہیں :۔

انزل اللہ کتابہ و ترك فیہ موضعاً لسنۃ نبیّہ وسن نبیہ السنن
وترك فیہ موضعاً للرای والقیاس[3]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن نازل فرمایا اور اس میں اپنے نبی کی سُنّت
کے لیے جگہ رہنے دی اور حضورؐ نے سنن قائم کیں اور ان میں رائے
اور اجتہاد کے لیئے گنجائش رکھی۔

امام مالکؒ کے ساتھ ساتھ امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کی رائے بھی سُن لیجئے :۔

جمیع ما تقول الائمۃ شرح للسنۃ وجمیع السنۃ شرح للقران[4]

ترجمہ۔ ائمہ کرام جو کچھ کہتے ہیں وہ سنّت کا بیان ہے اور ساری سنّت
قرآن پاک کی تشریح ہے۔

جامعیت قرآن کے سلسلے میں یہ ایک سوال کا جواب تھا۔ اصل موضوع زیر بحث یہ تھا کہ قرآن پاک کے احکامات کچھ اس طرح کے ہیں کہ جب تک قرآن پاک کے ساتھ کوئی اور جزو لازم اور علم کا ماخذ آگے نہ لایا جائے ان احکامات پر عمل نہیں ہو سکتا۔

---

[1] منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۲۱۳ [2] سنن دارمی صفحہ ۳۴ [3] زیلعی جلد ۴ صفحہ ۶۴ [4] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۱۴۰

مجملاتِ قرآنی میں حدیث کی ضرورت

① اقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ۔[۱] نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو۔ نماز دن کی رکعات، ترتیب، کیفیت ادا اور وسعت وقت یہ وہ مباحث ہیں جو قرآن کریم میں نہیں ملتے، زکوٰۃ کن کن چیزوں میں ہے سالانہ ہے یا ماہانہ۔ اس کا نصاب اور مقدار کیا ہے یہ تفصیل قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ حالانکہ ان تفصیلات کے بغیر ان قرآنی حکموں پر عمل نہیں ہو سکتا۔

② ولیطوفوا بالبیت العتیق۔[۲] اور طواف کریں اس قدیم گھر کا طواف کے چکر سات ہیں یا کم و بیش، طواف حجرِ اسود کے کونے سے شروع ہو گا یا رکن عراقی، شامی یا یمانی سے یہ تفصیل قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ صفا و مروہ کے درمیان سعی کتنی دفعہ ہے سعی کی ابتدا کوہِ صفا سے ہے یا کوہِ مروہ سے طواف پہلے کیا جائے گا یا سعی پہلے کرنا ہوگی ان تفصیلات کے جانے بغیر ان احکامِ قرآنی کی عملی تشکیل نہیں ہو سکتی۔

③ کلوا مما فی الارض حلالا طیبا[۳] ــــــــ والطیبٰت من الرزق۔[۴]

قرآن کریم نے حلال طیّبات کو جائز قرار دیا اور خبائث اور ناپاک چیزوں کو حرام کہا۔ اب یہ موضوع کہ درندے اور شکاری پرندے طیّبات میں داخل ہیں یا خبائث میں یہ تفصیل قرآن پاک میں نہیں ملتی۔ حدیث میں ارشاد ہے کہ ذی ناب من السباع کچلیوں والے درندے اور ذی مخلب من الطیر۔ پنجوں سے کھانے والے پرندے مسلمان کے پاکیزہ رزق میں داخل نہیں۔

④ احل لکم صید البحر۔[۵] حلال کیا گیا تمہارے لیے دریائی شکار، لیکن یہ بات کہ مچھلی کو پکڑنے کے بعد اس کو ذبح کرنے کی ضرورت ہے یا نہیں۔ قرآن کریم میں اس کی وضاحت نہیں ملتی۔ حدیث میں ہے کہ دریا کے شکار کو ذبح کرنے کی ضرورت نہیں۔ سمک طافی (مری مچھلی جو تیر کر اوپر آجائے) کو حدیث میں ناجائز بتلایا گیا ہے۔ قرآن پاک نے خون کو مطلقاً حرام کہا تھا۔ حدیث نے تفصیل کی اور بتایا کہ کلیجی اور تلی (کی صورت

---

[۱] پ البقرہ ۶ [۲] پ الحج [۳] پ البقرہ [۴] پ البقرہ ع ۶ [۵] پ المائدہ ع ۱۳

جما ہوا خون) حلال ہے۔

⑤ وما علمتم من الجوارح مکلبین تعلمونھن مما علمکم اللہ۔ پ۶ المائدع ۱

ترجمہ۔ اور جو سدھاؤ شکاری جانور شکار پر دوڑانے کو سکھاتے ہو تم انہیں جو اللہ نے تم کو سکھایا۔

اس آیت سے پتہ چلا کہ وہ کتا جو سکھایا ہوا نہ ہو اس کا پکڑا ہوا اور مارا ہوا شکار حرام ہے۔ لیکن شکاری کتا اگر اپنے شکار کو خود کھانے لگے تو اس کا حکم قرآن کریم میں نہیں ملتا۔ حدیث میں بتلایا گیا کہ یہ شکار کھانا جائز نہیں۔ کتے کا کھانا بتلا رہا ہے کہ اس کی تعلیم صحیح نہیں ہوئی اور وہ کلب معلّم ثابت نہیں ہوا ہے۔

ان جیسے اور سینکڑوں مسائل ہیں جن کی عملی تشکیل اور تفصیل قرآن پاک میں نہیں ملتی ان موضوعات میں قرآن پاک کے ساتھ جب تک کوئی اور چیز شامل نہ کی جائے قرآن پاک کے یہ مجمل احکام منت پذیر عمل نہیں ہو سکتے۔

اس جزو لازم کی ضرورت سبھی نے محسوس کی ہے۔ کسی نے اس ضرورت کو حدیث سے پورا کیا ـــــ کسی نے اپنی رائے سے اور کسی نے قانون ساز اسمبلی کو اختیار دے کر اس خلاء کو پورا کرنے کی کوشش کی۔ تاہم اس احساسِ ضرورت میں سب متفق رہے کہ جب تک قرآن کریم کے ساتھ کوئی اور چیز نہ ملائی جائے۔ ان مجملاتِ قرآنی کی عملی تشکیل ممکن نہیں۔

محتملاتِ قرآنی میں حدیث کی ضرورت

قرآن پاک میں جو امور مذکور ہیں۔ ان میں بھی بہت ایسے مقامات بھی ہیں جہاں آیاتِ قرآنی کئی کئی وجوہ کی محتمل ہیں۔ ان کی تعیین بھی بدون اس جزو لازم کے کسی طرح قطعی واضح اور آسان نہیں اور اس پہلو پر بھی ہر مکتبِ خیال کی شہادت موجود ہے۔ سیدنا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:۔

انہ سیأتی ناس یجادلونکم بشبھات القران فخذوا بالسنن فان اصحاب السنن اعلم بکتاب اللہ۔ رواہ الدارمی

ترجمہ. بیشک تمہارے پاس کچھ ایسے لوگ بھی آئیں گے جو قرآنی شبہات پیش کر کے تم سے جھگڑنے لگیں گے ایسے وقت میں تم سنتوں سے تمسک کرنا کیونکہ اصحاب سنن ہی کتاب اللہ کو زیادہ جانتے ہیں۔[1]

حضورؐ کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو الدرداءؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں:۔

لا تفقه كل الفقه حتى ترى للقرآن وجوها كثيرة ومن تفقه كل الفقه حتى تمقت الناس في ذات الله ثم تقبل على نفسك فتكون لها اشد مقتا من مقتك الناس[2]

ترجمہ. تم اس وقت تک دین میں پوری سمجھ نہیں پا سکتے جب تک قرآن کریم میں تمہیں مختلف وجوہ دکھائی نہ دینے لگیں اور اس وقت تک تم دین کو پوری (طرح) سمجھ نہ پاؤ گے جب تک لوگ ذات کے بارے میں طرح کی باتیں نہ کرنے لگیں، پھر تو اپنی ذات کی طرف متوجہ ہو تو جتنا تم لوگوں پر ناراض ہو گے تم اپنے نفس پر اس سے زیادہ غصہ نکالنے والے ہو گے۔

اس وقت ہمیں حدیث کے اس مضمون سے بحث نہیں۔ صرف یہ بتلانا پیش نظر ہے کہ قرآن کریم کی آیات جہاں کئی کئی وجوہ کی محتمل ہوں وہاں ان کا حل پائے بغیر ہم دین کی پوری سمجھ پا نہیں سکتے۔

شریف رضی حضرت علی المرتضیٰؓ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ نے جب حضرت عبداللہ بن عباسؓ کو خوارج کے مناظرہ پر بھیجا تو نصیحت فرمائی کہ قرآن کریم سے براہ راست استدلال نہ کرنا۔

ومن وصية له عليه السلام لعبد الله بن عباس لما بعثه للاحتجاج الى الخوارج۔

لا تخاصمهم بالقرآن فان القرآن حمال ذو وجوه تقول ويقولون ولكن حاججهم بالسنة فانهم لن يجدوا عنها محيصا۔[3]

---

[1] سنن دارمی ص۴۹ [2] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱۱ ص۲۵۵ [3] نہج البلاغہ جلد ۳ ص۱۵۰

حمال کا معنی ہے؛ ای يحمل معاني كثيرة ان اخذت باحدها احتج الخصم بالآخر۔

جو لوگ اس ضرورت کو حدیث سے پُورا کرنا نہیں چاہتے وہ اس ضرورت کا حل مرکز ملت اور قوم کی پنچایت تجویز کرتے ہیں۔ گو یہ بات غلط ہے۔ لیکن اس میں بھی اس بات کا اقرار ہے کہ قرآن پاک کے ساتھ ایک جزو لازم کی بہر حال ضرورت باقی تھی جسے وہ اب اس طرح پُورا کر رہے ہیں۔

اسمبلی کو یہ حق دینے کے خطرناک نتائج

مسلمان دنیا کے مختلف ملکوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ کوئی خلافتی نظام ان سب پر حاوی نہیں۔ ہر ملک کی اپنی اسمبلی یا مجلس منتظمہ ہے۔ قرآن مجملات کی تفصیل اور قرآنی روشنی میں اجتہاد اگر ان اسمبلیوں کے سپرد ہو جائے تو ظاہر ہے کہ ہر ملک کی اسمبلی کے لوگ اسے اپنے اپنے ذوق کے مطابق طے کریں گے اور دین کی عملی راہیں ہر ملک میں جُدا جُدا قرار پائیں گی۔ مسلمان ایک ملتِ واحدہ کی حیثیت سے اپنا وجود کھو دیں گے۔ قرآن پاک کا محض نام انہیں یکجا نہ رکھ سکے گا اور یہ امور کلیہ جب مختلف ملکوں میں مختلف تفصیل پائیں گے تو ان کا ایک عنوان محض برائے نام ہو گا۔ راہ ہر ایک کی جُدا ہو گی اور علم و دین کے نام پر ایسی انارکی Anarchi پھیلے گی کہ اس سے بڑا حملہ شاید ہی کبھی اسلام پر ہوا ہو۔

پھر ایک ایک ملک میں بھی وقت کے اختلاف اور زمانے کے انقلاب سے مرکز ملی کی آراء مختلف ہوتی رہیں گی۔ قرآن پاک کی ایک آیت کی مراد کسی دور میں کچھ اور کسی دور میں کچھ طے ہو گی۔ ہر نیا مجتہد اس پر ایک نئی مشق کرے گا اور پھر دو ٹوں سے اس کی مراد کا فیصلہ ہوا کرے گا۔ ہر نئی نسل پہلوں پر اعتماد ختم کرے گی اور ملت کے تاریخی رشتے اس خطرناک تجویز میں بالکل گُم ہو کر رہ جائیں گے اور اس کا لازمی نتیجہ ہو گا کہ اسلام ایک مسلسل شاہراہ عمل ثابت نہ ہو گا۔

پیغمبر خاتم کی مرکزی حیثیت

یہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے جو مسلمانوں کو خواہ وہ کسی ملک کے ہوں

کسی دور کے ہوں، کسی نسل کے ہوں، کسی رنگ کے ہوں اور کسی طبقے کے ہوں ایک لڑی میں پروتی ہے۔ یہ حدیث کا فیضان ہے کہ ہندوستان، پاکستان، انڈونیشیا، ٹرکی، مصر، شام، انگلستان، افغانستان، جرمنی اور امریکہ کے رہنے والے سب مسلمان ایک طرح نماز پڑھتے ہیں، ایک طرح روزے رکھتے ہیں۔ سب ایک نصاب سے زکوٰۃ دیتے ہیں، نکاح و طلاق اور پیدائش و اموات میں سب ایک ہی راہ پر چلتے ہیں۔ مادیت کے اس دور میں یہ تو ہو رہا ہے کہ کئی لوگ عملاً مذہب سے دور چلے گئے۔ لیکن اگر کوئی دین کی طرف رجوع کرے اور اس پر عمل کرنا چاہے تو راہ وہی ملے گی۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ نے قائم کی اور اس راہ کے چراغ وہی ہوں گے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روشن کیے۔ تاریخ میں نہیں ملتا کہ ان نجوم ہدایت کے بغیر کسی طبقے یا فرد نے اسلام کی کوئی راہ عمل طے کی ہو۔

جو لوگ قرآن پاک کے ساتھ مرکزِ ملت کے فیصلوں کو جزوِ لازم ٹھہراتے ہیں اور وہ اسطرح قرآنی مجلات کی تشکیل چاہتے ہیں۔ ان کی یہ رائے محض ایک نظری درجے میں ہے جس نے اسلام کی پوری تاریخ میں کبھی حقیقتِ واقعہ کا لباس نہیں پہنا اور نہ تاریخ کے کسی دور میں کبھی اس طرح قرآنی معاشرے کی تشکیل ہوئی ہے۔ اس کی تائید مزید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس تجویز کے حامیوں نے اسے اشاعتِ اسلام کے عنوان سے نہیں، ہمیشہ طلوعِ اسلام کے نام سے پیش کیا ہے۔ جو اسلام آج سے چودہ سو سال پہلے طلوع ہوا تھا۔ اس میں قرآن کریم کے ساتھ جزوِ لازم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت اور صحابہ کرام کی عملی راہیں تھیں اور اب اسلام کے نئے طلوع میں یہ تجویز ہے۔ کہ قرآن کریم کے ساتھ مرکزِ ملت کو جزوِ لازم ٹھہرایا جائے اور حدیث سے جان چھڑالی جائے۔

یہ نئی تجویز محض نظری بات ہے۔ اس نئے تخیل سے اسلام کی چودہ سو سالہ عملی تاریخ کو چھوڑا نہیں جا سکتا۔ جب اسلام کے سنہری زمانے golden age (خلافتِ راشدہ) میں بھی حدیث ہی قرآن کے ساتھ جزوِ لازم تھی تو آج کے بے عمل دور میں وہ کون سا نیا چراغ ہوگا جو قوم میں زندگی کی حرارت پیدا کر سکے گا۔

اشاراتِ قرآنی میں حدیث کی ضرورت

مجملات قرآنی ہی نہیں جن کے لیئے حدیث کے جزو لازم کی ضرورت ہے۔ قرآن کریم میں ایسے اشارات بھی ملتے ہیں جنہیں روایات کو ساتھ ملائے بغیر سمجھنا بہت مشکل ہے پھر یہ اشارات کبھی عددی صورت میں ہوتے ہیں کبھی واقعاتی صورت میں اور ہر جگہ اس کی وضاحت حدیث سے بنتی ضروری

عددی اشارات

(۱) جاء من اقصا المدینۃ رجل یسعٰی[۱] وہ ایک شخص کون تھا جو کسی دور مقام سے دوڑتا ہوا آیا تھا؟ قرآن میں اس کی طرف اشارہ ہے مگر اس کا نام و پتہ کہیں نہیں ملتا۔

(۲) ثانی اثنین اذ ھما فی الغار[۲] میں دو کون تھے جن میں سے ایک دوسرے کو کہہ رہا تھا اللہ ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ نام کہاں ہیں؟

(۳) وعلی الثلاثۃ الذین خلفوا[۳] میں تین کون تھے جن پر زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تنگ کر دی گئی تھی۔

(۴) منھا اربعۃ حرم[۴] میں چار مہینے کون سے تھے جن میں لڑائی لڑنا عہد جاہلیت میں ممنوع تھا؟ ان حرمت کے مہینوں کے نام کیا ہیں؟

(۵) خمسۃ سادسھم کلبھم[۵] میں پانچ کون تھے جن میں چھٹا ان کا کتا تھا؟

(۶) ستۃ ایام[۶] میں چھ دن کون سے تھے جن کے بعد رب العزت نے عرش پر اجلال فرمایا۔

(۷) سبعۃ اذا رجعتم[۷] میں سات روزے کس ترتیب سے عمل میں آئیں گے؟ اور رجعتم سے مراد مطلق واپسی ہوگی یا گھر کو واپسی۔

(۸) یحمل عرش ربك فوقھم یومئذ ثمانیۃ[۸] میں آٹھ فرشتے کون ہیں جو حشر کے

---

[۱] پ۲۲ یٰسین ع ۲ [۲] پ۱۰ التوبہ ع ۶ [۳] پ۱۱ التوبہ ع ۱۴ [۴] پ۱۰ التوبہ ع ۵ [۵] پ۱۵ الکہف ع ۳
[۶] پ۲ البقرہ ع ۲۴ [۷] پ۲ البقرہ ع ۲۴ [۸] پ۲۹ الحاقہ ع ۱

دن عرشِ باری تعالیٰ اٹھائیں گے۔

(۹) فی المدینۃ تسعۃ رھط۔[1] میں نو قبیلے کون سے تھے؟

(۱۰) فاتوا بعشر سور مثلہ۔[2] میں دس سورتیں کون سی تھیں جن کے مثل انہیں دس سورتیں لانے کا چیلنج دیا گیا تھا۔

(۱۱) انی رأیت احد عشر کوکبا۔[3] میں گیارہ ستارے کون تھے۔

(۱۲) ولقد اخذ اللہ میثاق بنی اسرائیل وبعثنا منھم اثنی عشر نقیبا۔[4] میں بارہ نقیب کون تھے۔ جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں اٹھائے تھے۔

واقعاتی اشارات

(۱) فبدل الذین ظلموا قولا غیر الذی قیل لھم۔[5] میں صورت واقعہ کیا تھی۔ ان لوگوں نے کون سی بات بدلی تھی اور کس بات کے عوض؟

(۲) واذا اسر النبی الی بعض ازواجہ حدیثا۔[6] میں وہ حدیثِ پیغمبر کیا تھی۔ جو آپ نے اپنی کسی بیوی کو بطور راز کہی تھی؟

(۳) ما قطعتم من لینۃ او ترکتموھا قائمۃ علی اصولھا۔[7] کن درختوں کے کاٹنے اور کن کو اپنی بنیادوں پر چھوڑنے کا واقعہ یہاں مذکور ہے۔

(۴) عبس وتولی ۝ ان جاءہ الاعمی۔[8] وہ کون تھا جس کی پیشانی پر ایک نابینا خادم کے چلے آنے سے بل آگئے؟ "اس نے تیوری چڑھالی اور منہ موڑ لیا کہ اس کے پاس نابینا آیا"۔ تیوری کس نے چڑھائی؟ نابینا کون تھا اور یہ واقعہ کیا تھا؟

(۵) اذ ھما فی الغار اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا۔[9] "جس وقت وہ دونوں غار میں تھے جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہا تھا تو غم نہ کر بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے"۔ غار میں سب کون تھے؟ کب کا واقعہ ہے؟ کون سے غار کی بات ہے؟

---

[1] پ۱۹ النمل ع۴ [2] پ۱۲ ہود ع۲ [3] پ۱۲ یوسف ع۱ [4] پ۶ المائدہ ع۳ [5] پ۱ البقرہ ع۶ [6] پ۲۸ التحریم ع۱ [7] پ۲۸ الحشر ع۱ [8] پ۳۰ عبس [9] پ۱۰ التوبہ ع۶

(٦) اذ انتم بالعدوة الدنیا وهم بالعدوة القصویٰ والرکب اسفل منکم [۱]

ترجمہ۔ اور جسوقت تم تھے ورلے کنارے پر اور وہ پرلے کنارے پر اور قافلہ نیچے اتر گیا تھا تم سے۔

اس قسم کے اشارات روایات کو ساتھ ملائے بغیر نہ سمجھے جا سکتے ہیں اور نہ سمجھائے جا سکتے ہیں۔

(٧) واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم [۲] اور جس وقت وعدہ کر رہا تھا تم سے خدا دو جماعتوں میں سے ایک کا۔ کہ وہ تمہارے ہاتھ لگے گی اور تم چاہتے تھے کہ جس میں کانٹا نہ لگے وہ تم کو ملے۔

مشکلاتِ قرآنی میں حدیث کی ضرورت

قرآن پاک اپنی اصولی دعوت میں بہت آسان ہے۔ اس میں نصیحت کے ابواب ایسے پیرائے میں لائے گئے ہیں کہ جو شخص بھی دل رکھتا ہو اور کان دھرے۔ اس سے اثر لیئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ولقد یسرنا القران للذکر فھل من مدکر [۳]

ترجمہ۔ اور بیشک ہم نے قرآن نصیحت لینے کے لیئے آسان کر دیا ہے۔ سو ہے کوئی سمجھنے والا؟

ان فی ذلک لذکریٰ لمن کان لہ قلب او القی السمع وھو شھید۔ [۴]

ترجمہ۔ بے شک اس میں نصیحت ہے ہر اس شخص کے لیئے جس کے پاس دل ہو یا وہ کان لگا سکے اور گواہی دے سکے۔

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کریم میں حقائق غامضہ موجود نہیں ہے اس کتاب الٰہی میں حقائق کا سمندر موجیں مار رہا ہے۔ بڑے بڑے فضلاء اس سے موتی چنتے رہے اور چن رہے ہیں۔ لیکن اس کی اتھاہ گہرائیوں پر از خود کوئی قابو نہیں پا سکتا صحابہ کرامؓ جن کے سامنے قرآن نازل ہوا تھا اور ان کی اپنی زبان بھی عربی تھی حضورؐ

---

[۱] پ۱۰ الانفال ع ۵ [۲] پ۹ الانفال ع ۱ [۳] پ۲۷ القمر ع ۱ [۴] پ۲۶ ق ع ۳

کے فیضِ تربیت سے ان کے قلوب تزکیہ اور تصفیہ پا چکے تھے۔ پھر بھی انہوں نے بعض آیات قرآنی کے سمجھنے میں دقت محسوس کی اور جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وضاحت نہ فرمائی۔ وہ آیات ان کے لیئے آسان نہ ہو سکیں۔ قرآن کریم کے ساتھ حدیث ایک جزو لازم کے طور پر ہمیشہ کارفرما اور ہدایت پیرا رہی ہے۔

(۱) الذین اٰمنوا ولم یلبسوا ایمانہم بظلم اولٰئک لہم الامن وہم مھتدون۔[۱]

ترجمہ۔ جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے اپنے ایمانوں میں کوئی ظلم شامل نہ کیا ہو وہ لوگ ہیں جنہیں ہمیشہ کا امن ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ کرامؓ سہم گئے اور انہوں نے حضورؐ سے عرض کیا۔

وَ اَیُّنا لم یظلم ؟ (ہم میں سے کس نے ظلم نہ کیا) اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اس آیت میں ظلم سے مراد شرک ہے جیسا کہ ارشاد ہے۔ ان الشرک لظلم عظیم۔[۲]

اس حدیث سے قرآن پاک کی یہ آیت حل ہو گئی اور صحابہ کرامؓ کے دل مطمئن ہو گئے اور ان کا تردد جاتا رہا۔ مراد آیت کی یہ ہے کہ جو شخص ایمان لائے اور پھر اس میں اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ وہ عذاب سے مامون اور ہدایت یافتہ ہے۔[۳]

(۲) والذین یکنزون الذہب والفضۃ ولا ینفقونہا فی سبیل اللہ فبشرہم بعذاب الیم۔[۴]

ترجمہ۔ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کیئے رکھتے ہیں اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کر دیتے۔ آپ ان کو دردناک عذاب کی خبر دیجئے۔

حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ہم مسلمانوں کے بارے میں نہیں اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ نے فرمایا کہ نہیں ہمارے اور ان کے دونوں کے بارے میں[۵] ہے۔ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے فرمایا۔

---

[۱] پ الانعام ع ۹ [۲] صحیح بخاری جلد ۲ صد ۱۰ [۳] معارف القرآن جلد ۳ صد ۳۸۷ [۴] پ التوبہ ع ۵ [۵] صحیح بخاری جلد ۱ صد ۱۸۹

هٰذا قبل ان تنزل الزکوٰۃ فلما انزلت جعلہا اللہ طہرا للاموال[1]

ترجمہ: یہ صورت اس پہلے دور سے متعلق ہے جب کہ زکوٰۃ کا حکم نہیں اُترا تھا۔ جب زکوٰۃ کا حکم آ گیا تو خدا تعالیٰ نے اسے (زکوٰۃ کو) سارے مال کی پاکیزگی کا سبب بنا دیا۔

سو حدیث نے فرمایا کہ یہاں جمع کرنے کا معنی یہ ہے کہ اس کی زکوٰۃ نہ دی جائے۔ زکوٰۃ دینے سے وہ اکتناز (مال جمع رکھنا) کے ذیل میں نہیں آتا۔ اب اس کا مال پاک ہو چکا ہے۔

صحابی رسولؐ حضرت عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں کہ میں نے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا۔ آپ نے فرمایا:۔

ان اللہ لم یفرض الزکوٰۃ الا لیطیب بہا ما بقی من اموالکم[2]

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ اس لیئے فرض کی ہے کہ اس سے تمہارے باقی اموال پاک کر دیئے جائیں۔

اسلام میں اگر کسی صورت میں بھی مال جمع کرنے کی اجازت نہ ہوتی تو شریعتِ محمدی میں مال کی زکوٰۃ اور میراث کی تقسیم کا قانون نہ ہو سکتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ بالا ارشاد سے صحابہؓ کے دل مطمئن ہو گئے اور ان کا تردد جاتا رہا۔

روزے کی ابتداء کس وقت سے ہوتی ہے۔ اس کے لیئے قرآن پاک میں ارشاد ہوا:۔

(۲) وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود[3]

ترجمہ: اور کھاتے پیتے رہو یہاں تک کہ سفید اور سیاہ دھاگے میں تمہیں فرق معلوم ہونے لگے۔

حضرت عدی بن حاتمؓ (۶۸ھ) نے سفید اور سیاہ دھاگے اپنے تکیئے کے نیچے رکھ لیئے۔ تاکہ جب دونوں ایک دوسرے سے ممتاز ہونے لگیں تو اس سے وہ اپنے روزے کی ابتداء کر لیا کریں۔ حضرت سہل بن سعدؓ (۹۱ھ) کہتے ہیں:۔

وکان رجال اذا ارادوا الصوم ربط احدھم فی رجلیہ الخیط الابیض

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صہ۲ [2] رواہ ابوداؤد کما فی المشکوٰۃ صہ۱۵۶ [3] پ۲ البقرہ ع ۲۳۔

والخیل الاسود ولا یزال یا کل حتی یتبین له رؤیتهما۔[1]

ترجمہ۔ کچھ لوگ جنہوں نے روزے کی نیت کی ہوتی وہ اپنے دونوں پاؤں سے سفید اور سیاہ دھاگے باندھ رہتے اور برابر سحری کھاتے رہتے یہاں تک کہ وہ دونوں دھاگے آپس میں ممتاز ہو جائیں۔

اس سے پتہ چلا کہ صرف عدی بن حاتمؓ ہی نہ تھے جو یہاں مراد قرآنی نہ سمجھ پائے بلکہ اور بھی کئی لوگ تھے جنہوں نے سفید اور سیاہ دھاگوں کو ان کے ظاہر پر رکھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عدی بن حاتمؓ کو سمجھایا کہ یہاں سفید اور سیاہ دھاگے سے مراد دن کی سفیدی اور شب کی سیاہی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد من الفجر کے الفاظ نازل فرمائے۔ بخاری شریف میں ہے۔ فانزل اللہ بعدہ من الفجر اس سے سب سمجھ گئے کہ یہاں دن اور رات کا ایک دوسرے سے ممتاز ہونا مراد ہے۔

اس سے جہاں یہ معلوم ہوا کہ حضورؐ نے جس طرح اس آیت کی وضاحت فرمائی۔ وہی مراد ربانی تھی اور بعد کی وحی قرآنی نے واضح طور پر وہی بات کہی جو آپ نے پہلے بطور تفسیر کہی تھی وہاں یہ بھی پتہ چلا کہ قرآن پاک اگر پیغمبر پر نازل نہ ہوتا کہیں دھر ال جاتا تو اس کے کئی مقامات عربوں پر بھی اپنے معنی مراد کے ساتھ واضح نہ ہوتے۔

(۷) قرآن کریم نے یہود و نصاریٰ کے بارے میں خبر دی کہ انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا بنا رکھا ہے۔ مگر امر واقع یہ ہے کہ یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ابن اللہ (خدا کا بیٹا) کہتے تھے۔ اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا نہ کہتے تھے۔ مگر قرآن کریم نے کہا:۔

اتخذوا احبارھم ورھبانھم اربابا من دون اللہ۔[2]

ترجمہ۔ انہوں نے ٹھہرا لیا ہے اپنے عالموں اور درویشوں کو خدا اللہ کے سوا

حضرت عدی بن حاتمؓ (۶۸ھ) نے اپنے عیسائی ہونے کے زمانے میں حضور اکرم

---

[1] صحیح بخاری جلد ۲ صـ۲۴۲ [2] پ التوبۃ ع ۵۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے اس باب میں سوال کیا تھا اور کہا تھا۔

انا لسنا نعبدھم۔ ترجمہ۔ ہم ان کی عبادت تو نہیں کرتے۔

اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اَلیس یحرمون ما احل اللہ فتحرمونہ و یحلون ما حرم اللہ فتستحلونہ۔

ترجمہ۔ کیا وہ اس چیز کو جو اللہ نے حلال بنائی حرام نہیں ٹھہرا لیتے۔ سو تم اسے حرام مان لیتے ہو اور وہ اسے جو اللہ نے حرام فرمائی حلال ٹھہرا لیتے ہیں اور تم اسے حلال مان لیتے ہو۔

عدی بن حاتمؓ نے اس کا اقرار کیا تو حضورؐ نے اس پر فرمایا۔ فتلك عبادتھم۔[1] یہ ان کی عبادت ہی تو ہے۔ تحلیل و تحریم حق خداوندی تھا یہ اسی کی شان ہے کہ کسی چیز کو حلال یا حرام کرے۔ انہوں نے خدا کا یہ حق اپنے پیروں اور پادریوں کو دے دیا۔ کیا یہ انہیں خدا کی خدائی میں شریک کرنا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلا دیا کہ اس طرح عالموں کو اور درویشوں کو تحلیل و تحریم کا حق دینا ان کی ربوبیت کا اقرار کرنا ہے۔ یہ حدیث ہے جس نے قرآن کی وضاحت کی۔ پھر حضورؐ نے حضرت عدی بن حاتمؓ کو اسلام کی دعوت دی اور انہوں نے مان لی۔ خدا کی توحید اور حضورؐ کی رسالت کی گواہی دی۔ اس پر آپؐ کا چہرہ خوشی سے دمک اٹھا۔

⑤ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں خبر دی کہ تم پر تمہارے دل کے وسوسوں پر بھی مواخذہ ہوگا۔ صحابہ کو اس پر بہت رنج ہوا اور وہ بڑے متفکر ہوئے۔ انہوں نے حضورؐ کی طرف رجوع کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تمہیں اشکال نظر آئے یا دقت۔ مگر حق تعالیٰ کے ارشاد تسلیم کرنے میں ادنیٰ توقف بھی نہ کرو اور کھلے دل سے سمعنا واطعنا کہو۔ اللہ تعالیٰ کو صحابہؓ کی یہ ادا بہت پسند آئی اور اس نے قرآن کریم میں ان کے ایمان لانے کی شہادت دی اور یہ بھی فرمایا کہ مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی۔ مگر یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ پہلا اعلان یہی تھا۔

---

[1] رواہ احمد والترمذی وابن جریر کما فی تفسیر ابن کثیر جلد ۲ صہ۔ وراجع لہ المظہری جلد ۴ صہ ۱۹۴

وان تبدوا ما فی انفسکم او تخفوہ یحاسبکم بہ اللہ فیغفرلمن یشاء ویعذب من یشاء۔[1]

ترجمہ۔ اور اگر ظاہر کرو جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے یا تم اُسے چھپاؤ۔ حق تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے۔ پھر بخشے گا جس کو چاہے۔ اور عذاب کرے گا جس کو چاہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرنے سے عقدہ کھلا اور پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے زیادہ کا مکلف نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرما دیا۔ لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا۔ جو چیزیں اختیاری نہیں ان پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہ فرمائیں گے۔ ہاں وہ خیالات جو انسان اپنے اختیار اور توجہ سے لائے اور وہ معصیت پر مبنی ہوں۔ گو وہ انہیں عمل میں نہ بھی لا سکے تو بھی ان پر بقدر ہمت و توجہ مواخذہ ہوگا۔ الّایہ کہ اللہ تعالیٰ خود کسی کو معاف کر دے —— ہاں جو وسوسے غیر اختیاری طور پر آئیں، اُن پر مواخذہ نہیں۔

وساوس جو آتے ہیں اس پہ ہو غم کیوں — عبث اپنے جی کو جلانا بُرا ہے
خبر تجھ کو نادان اتنی نہیں ہے — وساوس کا آنا کہ لانا بُرا ہے

اب مومن کی استدعا یہ ہے: ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطانا۔[2]

ترجمہ۔ اے ہمارے پروردگار اگر ہم بھول جائیں یا غلطی کر بیٹھیں تو ہم پر مواخذہ نہ فرما۔

نماز میں جب امام جہری قرأت کرے اور اس حصہ قرآن میں پہلے انبیاء کرام کے تذکرے ہوں تو کیا سننے والوں کا دھیان ان کی طرف منتقل نہ ہوگا؟ لیکن اسی درجہ میں ہوگا کہ خیال آیا اور گیا۔ نمازی کسی ایک پر دھیان جما نہیں رہا کہ اس کو ہدف توجہ بنا کر باقی ہر چیز سے اپنی ہمت پھیر لے۔ نماز میں جو وسوسے اپنی توجہ اور اپنے اختیار سے آئیں شریعت صرف ان پر مواخذہ کرتی ہے اور یہاں اسی محاسبے کا بیان ہے۔ ہاں نماز میں خدا کی طرف سے کسی کے دل میں کوئی بات ڈال دی جائے تو یہ الہام الٰہی ایک انعام الٰہی ہے جو غازی کو اسی دنیا میں مل گیا۔ حضرت عمرؓ کے دل پر نماز کی حالت میں جہاد کے نقشے اتارے جاتے تھے اور یہ بیشک ایک انعامِ الٰہی ہوتا تھا تاہم دھیان آنے اور دھیان لانے میں جوہری فرق ہے۔

---

[1] پ۳ البقرہ ع۴۰ آخر سورت [2] ایضاً

توسیعاتِ قرآن میں حدیث کی ضرورت

قرآن پاک کی بعض آیات میں کچھ بنیادی اصول ہوتے ہیں۔ جب یہ دریافت ہو جائیں تو ان کا پھیلاؤ اپنی لپیٹ میں کچھ اور جزئیات کو بھی لے آتا ہے۔ یہ ساری ذمہ داری مجتہدین پر نہیں چھوڑی گئی۔ بلکہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بعض قرآنی اصول کی توسیعات فرمائی۔ قرآنی توسیعات میں حدیث کی رہنمائی یقین کا فائدہ بخشتی ہے۔

(۱) پہلی شریعتوں میں دو بہنیں ایک نکاح میں جمع ہو سکتی تھیں۔ قرآن کریم نے آئندہ کے لیے اسے حرام قرار دیا۔ ارشاد ہوا۔

ان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف۔ پ النساء ع ۴

ترجمہ۔ اور یہ حرام ہے کہ تم دو بہنوں کو ایک نکاح میں جمع کرو۔ ہاں جو پہلے ہو چکا، ہو چکا۔ ایک شخص کے نکاح میں جمع ہو کر دو بہنوں میں کھچاؤ پیدا ہونے کا قوی منظنہ تھا۔ قرآن کریم کے اس حکم میں یہ حکمت تھی کہ وہ صلہ رحمی جو بہنوں میں ہونی چاہیئے پامال نہ ہو اور ایک خاندان (بیوی کے خاندان) سے دو متقابل رشتے قائم نہ ہوں۔ اور نہ باہمی مودت پامال ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اصلِ شرعی کی پوری حفاظت فرمائی اور اس علت کو پھوپھی بھتیجی اور خالہ بھانجی تک پھیلا دیا کہ یہ بھی ایک شخص کے نکاح میں جمع نہیں ہو سکتیں۔ آپ نے اس قرآنی اصل ان تجمعوا بین الاختین کی توسیع فرمادی۔ محدث ابن حبان (۳۵۴ھ) روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

انکن اذا فعلتن ذلک قطعتن ارحامکن

ترجمہ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو تم نے قطع رحمی کی۔ نیل الاوطار جلد ۶ ص ۱۵۷

قرآنی اصل کی توسیع میں حدیث کا فیصلہ قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ مجتہد اصل حکم دریافت کر کے اسے کتنی ہی جزئیات پر پھیلائے ظنیت پھر بھی قائم رہتی ہے۔ حدیث صریح والی قطعیت اس میں نہیں آتی قرآنی احکام کی توسیع میں صرف حدیث قطعی ہے۔

(۲) شریعت اسلامی میں نسب وصہر کے رشتوں کے ساتھ دودھ کے رشتے حرام کیے گئے ہیں۔ ان سے نکاح جائز نہیں۔ قرآن کریم میں ہے :۔

وامھاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعۃ۔ پ۴ النساء ع ۴

ترجمہ۔ تمہاری دودھ کی مائیں اور بہنیں بھی تم پر حرام کی گئی ہیں۔ یعنی تم ان سے نکاح نہیں کر سکتے۔

قرآن کریم نے دودھ کے رشتوں میں صرف ماں اور بہن کا ذکر کیا ہے۔ اس قرآنی اصل کی توسیع میں رضاعی خالہ اور رضاعی پھوپھی بھی آجاتی ہیں۔ حدیث نے اسے بیان کر کے قرآنی اصول کو پھیلا دیا اور ایک بڑی ضرورت پوری کر دی۔ رضاعی حرمت کا تعلق صرف اس دودھ پلانے والی ہی سے نہیں رہے گا۔ بلکہ اس کا خاوند بھی دودھ کے رشتے میں باپ تسلیم کیا جائے گا۔ اور اس کے لیے یہ دودھ پینے والی بچی حکماً بیٹی ہوگی۔ اس قسم کے مسائل جو اصول وعلل پر مبنی ہوں اپنی توسیع میں کئی جزئیات کو شامل ہوتے ہیں۔ ان توسیعاتِ قرآنی میں حدیث کی اشد ضرورت ہے۔

(۳) قرآن کریم نے سود کی حرمت بیان کی۔ اس حکم کے تحت اور کئی کاروبار بھی آتے تھے۔ حدیث نے اس حکم کی علت کو پھیلا دیا۔ قرآن کریم نے تو اتنا فرمایا :۔

احل اللہ البیع وحرم الربوٰ پ۳ البقرہ ع

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

یہ سود کی حرمت کا بیان ہے۔ لیکن اس حکم کی علت اور حرمت اپنی لپیٹ میں کئی تجارتوں کو بھی شامل تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سونا، چاندی، گندم، جو، کھجور اور نمک چھ چھ چیزوں کی بیع وشراء میں حکم دیا کہ اگر ان کا باہمی تبادلہ کیا جائے تو برابر سرابر اور نقد دست بدست ہونا چاہیئے۔ ان میں اُدھار کیا گیا یا مقدار میں کمی بیشی کی گئی تو وہ بھی سُود ہو جائے گا۔ آنحضرتؐ نے درخت پر لگے پھلوں اور ٹوٹے پھولوں کے مابین اور کٹے ہوئے صاف غلّے اور کھڑی فصلوں کے باہمی سودے کو بھی سود میں داخل کیا۔ کیوں کہ ان صورتوں میں کمی بیشی کا امکان بہر صورت موجود رہتا تھا۔ قرآن کریم میں

جس سُود کا ذکر ہے اس سے جلی طور پر وہی سُود مراد ہے جو قرض پر لیا جاتا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سے ایک دوسری قسم کے سود کا علم ہوا جو عنواناً سود نہ تھا۔ لیکن اس میں سود کی اصل لپٹی تھی۔ امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) لکھتے ہیں :-

اس سود کے حرام ہونے پر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث وارد ہیں۔ اس قسم کے سود کی تفصیل پہلے موجود نہ تھی۔ اس لیے صحابہ کرامؓ کو اشکال ہوا اور فقہاء کے بھی اختلاف ہوئے۔[۱]

جاہلیت میں سود کا لفظ پورا متعارف تھا اور اس سے وہ زیادتی مراد تھی۔ جو قرض اُدھار پر لی جاتی تھی۔ حدیث نے اس کی علت اور سبب کی نشاندہی بھی کر دی اور جس جس بیع و شراء میں اس کا اثر آتا تھا اسے بھی حرام قرار دے دیا۔ حدیث قرآنی اصل کی توسیع میں بنیادی کام کرتی ہے اور اس سے مسئلہ میں قطعیت بھی آجاتی ہے۔ جو صرف اجتہاد مجتہد سے نہیں آتی۔

(۴) قرآن کریم میں خمر (شراب) اور میسر (جوئے) کو ناپاک اور لائق اجتناب (حرام) کہا گیا ہے۔[۲] خمر انگور کی شراب ہوتی ہے۔ یہاں لفظ خمر اپنے اصل مفہوم میں محدود نہیں، کچھ اور نشہ آور مشروبات بھی اس حکم میں شامل ہیں۔ خمر کے معنوم میں یہ توسیع اور حرمتِ خمر (شراب کے حرام ہونے) سے اصلاح معاشرہ حدیث کے بغیر ممکن نہ تھا ——— اسی طرح لفظ میسر (جُوا) اپنے عمل متعارف میں ہی محدود نہیں، کئی قسم کے اور کاروبار بھی اس کے ذیل میں آتے تھے۔ اس کے مفہوم میں یہ توسیع بدون حدیث ممکن نہ تھی۔ شرط والی کھیل میں حصہ لینے والا ایک شخص بھی ایسا ہو جس کا معاملہ نفع ونقصان میں دائرنہ ہو[۳] تو یہ صورت اس کھیل کو جُوئے سے نکال دے گی۔ ایسے اہم امور حدیث کے بغیر نہ کھل سکتے تھے۔ قرآن کریم میں تو اجمالی حکم تھا۔ حدیث نے اس باب میں تفصیلی رہنمائی کی۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا :-

---

[۱] شرح معانی الآثار جلد ۲ صد ۲۳۲ [۲] پ المائدہ ع ۱۱ [۳] وہ جیتنے کی صورت میں نفع پائے لیکن ہارنے کی صورت میں اس پر کوئی نقصان نہ آئے دوسرے شرکار کے مابین ہر طرف نفع و نقصان کی شرط لگی ہو۔

من ادخل فرسًا بین فرسین و هولا یأمن ان یسبق فلا به ومن ادخل
فرسًا بین فرسین وهو امن ان یسبق فهو قمار[1]

قرآن کریم میں صرف یہی ارشاد تھا کہ شراب اور جؤا ناپاک ہیں اس سے بچو۔
انما الخمر والمیسر رجسٌ من عمل الشیطان فاجتنبوہ۔[2]

ترجمہ۔ بے شک شراب اور جؤا ناپاک عمل شیطان ہیں۔ سو بچو
اس ناپاکی سے۔

(۵) نکاح کے معنی شریعت میں دو گواہوں کے سامنے ایجاب و قبول کے ہیں۔
اس سے نکاح ہو جاتا ہے۔ اب وہ نکاح کو ختم کرنا چاہیں تو طلاق لازم ہو گی گو عملِ نکاح
تک ابھی نوبت نہ آئی ہو۔ البتہ مہر اگر مقرر ہو چکا تھا تو نصف دینا لازم ہو گا پُورا نہیں۔
قرآن کریم میں ہے:۔

وان طلقتموھن من قبل ان تمسوھن وقد فرضتم لھن فریضۃ
فنصف ما فرضتم۔ پ۲ البقرہ ع ۳۱

ترجمہ۔ اور اگر تم انہیں چھُونے سے پہلے طلاق دے دو اور تم ان کے
مہر مقرر کر چکے ہو تو اپنے مقرر کردہ مہر کا نصف دینا لازم ہو گا۔

اس سے پتہ چلا کہ قرآن کریم میں نکاح سے مراد صرف عقد ہے۔ جو خاوند بیوی
کے مابین دو گواہوں کے سامنے بندھے اسے عملِ نکاح (صحبت) لازم نہیں لیکن مطلقہ
بہ طلاق ثلاثہ اپنے پہلے خاوند کے لیے لائق نکاح نہیں بنتی۔ جب تک وہ عورت کسی
اور مرد سے نکاح نہ کرے اور وہ دوسرا خاوند اسے طلاق نہ دے۔ اس دوسرے نکاح
کا حکم قرآن کریم میں موجود ہے۔ یہاں لفظ نکاح سے کیا مراد ہے؟ صرف عقدِ نکاح یا
عملِ نکاح بھی اس میں شرط ہے۔ یہ بات قرآن کریم میں مذکور نہ تھی۔ حدیث نے اس
اصل قرآنی کی توسیع کی اور بتلایا کہ یہ دوسرا خاوند اگر اس سے عملِ نکاح نہ کرے وہ عورت

---

[1] رواہ احمد وابو داؤد وابن ماجہ۔ حدیث میں اس کو محلل کہا گیا ہے۔ یہ جیت جائے تو دونوں
سے شرط لے گا اور پیچھے رہ جائے تو اسے کچھ دینا لازم نہ آئے گا۔ [2] پ۷ المائدہ ع ۱۲ آیۃ ۹۰

اس سے طلاق پانے کے باوجود اپنے اس پہلے خاوند سے نکاح نہ کر سکے گی. قرآن کریم میں صرف یہ ہے :-

فان طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجاً غیره۔[1]

ترجمہ. سو اگر اس نے تیسری طلاق بھی دے دی تو اب وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہو سکتی. جب تک کہ وہ کسی اور مرد سے نکاح نہ کرے اور وہ اسے طلاق نہ دے دے۔

یہاں حتی تنکح میں لفظ نکاح سے صرف عقد نکاح مراد نہیں عمل نکاح بھی اس میں شرط ہے لفظ نکاح میں یہ توسیع کہاں سے آئی ؟

اس ساری بحث discussion کا حاصل یہ ہے کہ قرآن پاک کے لئے ایک ایسے جزو لازم کی ضرورت ہے جو اس کے مجملات کی عملی تشکیل کرے. اشارات کی تفصیل کرے. مشکلات کی توضیح کرے. اصول و علل کی توسیع کرے اور زندگی کے ان ہزار ہا مسائل کو جو قرآن پاک میں منصوص نہیں. ایسا استناد مہیا کرے. جس کے تحت ہزاروں جزئیات قرآن پاک کے تحت جمع ہو جائیں اور ان کا واضح اور کامیاب حل سامنے آجائے اور قرآن پاک کی شانِ جامعیت اپنی جگہ قائم رہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ گرامی نے اپنی حدیث سنت اور قرآنی معاشرے کے پاکیزہ افراد صحابہ کرامؓ کے ذریعہ اسلام کو وہ استناد مہیا کیا کہ اس میں ہر ضرورت کا حل ہر سوال کا جواب، ہر الجھن کا سلجھاؤ ملا اور ہر اضطراب کو شفاء ملی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا مقصد قرآن پاک پہچانا ہی نہ تھا. کتابِ الہٰی کی تعلیم بھی تھی اور اللہ تعالیٰ کی نگرانی میں ایک قرآنی معاشرے کی تشکیل بھی تھی. آپ نے قرآن و حکمت کی تعلیم اور صحابہؓ کے تزکیہ باطن سے ایک اچھا معاشرہ بھی تشکیل دیا. آپ نے زندگی کے لاتعداد مسائل کو ایسا استناد بخشا کہ ہم زندگی کے کسی گوشے میں بھی اپنے آپ کو تشنہ کام نہیں پاتے. یوں کہیئے حدیث علم کے ہر باب میں ہمیں شفا بخشتی ہے۔

---

[1] پ۲ البقرہ ع ۲۹

حدیث نبوی دین میں حرفِ آخر ہے

حدیث نبوی ہر صاحبِ بصیرت انسان کے لئے دین کا حرفِ آخر ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قرآن کریم شریعت کا اول علمی ماخذ ہے لیکن قرآن کریم کی کسی آیت میں اگر مفہوم کا کہیں اختلاف ہو اور وہاں دو رائیں قائم ہو سکتی ہوں اور نبوت کسی ایک معنی کی تعیین کر دے تو حرفِ آخر پھر کس کی بات ہوگی؟ صحابہ کرام کسی آیت کی تشریح میں مختلف ہوں تو جس کی بات بھی لے لی جائے۔ اس میں ہدایت ہے۔ کسی کی بات حرفِ آخر نہیں لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایک معنی کی تعیین کر دیں تو پھر اور کسی سے پوچھنے کا کسی کو حق نہیں۔ آپ کی بات دین میں حرفِ آخر ہے۔ قرآن پاک میں بیان قرآن کا حق آپ کو ہی دیا گیا ہے۔

وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیہم ولعلہم یتذکرون[1]

ایک صورت استثناء

ہاں اگر کسی کو کسی حدیث کے حدیث ہونے میں ہی شک ہو یا اس کے مفہوم میں کوئی تردد ہو اور وہ بایں جہت اس کا انکار کرے کہ یہ ارشادِ نبوت نہیں تو وہ حدیث بے شک اس کے لئے حرفِ آخر نہ ہے نہ ہوگی، لیکن اگر اسے حدیث نبوی مانا جائے اور یہ واضح ہو کہ یہ واقعی ارشادِ نبوت ہے تو پھر اس کے انکار کی کسی کو گنجائش نہیں۔ حدیث نبوی بلاشبہ دین میں حرفِ آخر تسلیم ہونی چاہیئے۔ یہ صورت عمل صاحبِ بصیرت کے لئے ہے۔ عامی اگر کسی حدیث کا انکار کرے اور کہے جب تک میں اپنے کسی معتمد عالم سے نہ پوچھ لوں اور اس حدیث اور اس کی دلالت کے بارے میں تسلی نہ کر لوں، اسے قبول نہ کروں گا تو یہ انکار حدیث شمار نہ ہوگا۔ اسے ایک علمی اختلاف سمجھا جائے گا۔

---

[1] پ ۱۴ النحل

مقامِ حدیث

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الّذین اصطفیٰ۔ امابعد:

آج کے اس عنوان سے درجہ حدیث مراد نہیں۔ نہ اس عنوان کے تحت اس وقت یہ بحث مطلوب ہے۔ کہ یہ حجت شرعی ہے یا حدیث اپنے دور کی محض ایک تاریخی دستاویز ہے۔ نہ ہی یہ بتلانا مقصود ہے کہ اس کا درجہ قرآن پاک کے بعد دوسرے ماخذ علمی کا ہے۔ یہ مضمون اور عنوانوں کے تحت زیرِ بحث آچکے ہیں۔ آج ہمیں اس کے مبدأ میں گفتگو کرنا ہے۔ اس موضوع میں یہ نہ سمجھیں کہ حدیث کے مقام اور درجے سے بحث ہو رہی ہے۔ یہاں لفظ مقام ایک دوسرے معنی میں بولا گیا ہے اور اس سے مراد اس کی اصولی حقیقت یہ ہے کہ اساسی طور پر حدیث کا ماخذ کیا ہے؟ درجہ سے بحث ہو تو مقامِ حدیث سے تشریعِ اسلامی کا دوسرا ماخذ مراد ہوگا اور یہ حدیث کی صفت ہوگی۔ مبدأ میں گفتگو ہو تو حدیث کی ذات سے بحث ہوگی۔

سوال یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ علمی میراث جو آپ کے عہد میں انسانی زندگی کے مختلف گوشوں کو دینی روشنی بخشتی رہی۔ اس کا مبدأ پیغمبر کی اپنی ذات تھی۔ جس کی رُو سے آپ کلام یا کام کرتے رہے یا اس میں بھی آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رہنمائی DIVINE GUIDANCE ملتی تھی؟ اور آپ اسی کے بُلانے سے بولتے تھے اور اسی کے اُٹھانے سے اُٹھتے تھے ———— سو آج کا موضوع اس بات کی تحقیق ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی صرف قرآن کی صورت میں اُترتی رہی اور وہ الفاظ قرآن میں منحصر تھی یا قرآن کریم کے علاوہ بھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم دین کی کوئی بات کہتے تو اس میں اذنِ خداوندی شامل ہوتا تھا اور اس کے لیئے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آتی تھی۔ اور آپ

اسی روشنی میں ہی قرآنی وحی کی عملی تشکیل فرماتے رہے؟

اس میں شک نہیں، کہ حدیث شرح قرآن ہے اور یہ وہ روشنی ہے، جس سے کتاب اللہ کے علمی نقوش ہر سُو پُوری تابانی سے پھیلتے رہے اور اسی سے قرآنی نقوش میں نسبت کی شان اُبھرتی تھی اور عمل میں یقین کی شان واضح ہوتی تھی ـــــــ قرآن پاک ادب اور بلاغت میں انتہائی بلندی پر واقع ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس اندازِ بیان میں علم و معرفت کے کئی کئی چشمے پھُوٹتے ہیں اور ایک ایک بات میں کئی کئی پہلو نکلتے ہیں۔ یہ حدیث ہے جس سے قرآن کے کسی حکم میں قطعیت اور یقین کی شان آتی ہے۔ اس فہم اور تعامل کو اس سے جُدا کر لیا جائے۔ تو پھر ہر باب میں تاویل کے ہزاروں باب کھُل جائیں گے اور امت کسی نقطہ یقین پر جمع نہ ہو سکے گی۔ نصوص کتاب و سُنّت فہمِ امت کے ساتھ آگے بڑھتی آئی ہیں۔

علم الکتاب اور علم الآثار دونوں کا مبدآ ذاتِ الٰہی ہے۔

تاریخِ حدیث میں ہم دیکھ آئے ہیں کہ علم الکتاب اور علم الآثار ہمیشہ سے پیغمبرانہ تعلیم کے دو ماخذ رہے ہیں۔ آج کے موضوع میں اس امر کا بیان ہو گا۔ کہ جس طرح علم الکتاب کا مبدأ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ اسی طرح علم الآثار کا مبدأ بھی اللہ رب العزت کی ہی ذات ہے اور حفاظتِ حدیث کی بحث میں ہم ذکر کریں گے۔ کہ جس طرح علم الکتاب معصوم ہے۔ یعنی خدائی حفاظت میں ہے۔ کہ اس میں آگے پیچھے کسی طرف سے باطل کو راہ نہیں۔ اسی طرح علم الآثار بھی محفوظ ہے اور بدوں اس کے قرآن کریم کا محفوظ ہونا بے معنی رہ جاتا ہے۔ اس وعدۂ حفاظت کے تحت، یہ نہیں ہو سکتا کہ دین کی کسی بات کو غلطی ہر طرف سے گھیر لے اور اس کا حاصل کلیۃً بدل جائے یا مٹ جائے ـــــــ اگر ایک طرف سے اس میں غلطی راہ پکڑتی ہے تو دوسری طرف سے اس پر پُوری گرفت بھی ہو جاتی ہے اور دین میں داخل ہونے والی ہر نئی بات پر مؤاخذہ بھی ہوتا رہتا ہے اور ساتھ ساتھ ہی اس کا انسداد بھی ہوتا رہتا ہے۔ علماء سُو جب بھی دین کو بدلنے لگتے ہیں تو علماء حق فوراً ان کو ٹوکنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ یُوں سمجھیے کہ وہ اس وقت دین کی حفاظت کے ارادہ الٰہیہ کے لیے بمنزلہ آلہ اور اسباب کے استعمال

ہو جاتے ہیں ـــــــ سو دین مجموعی طور پر معصوم رہتا ہے ـــــــ بے شک اس کی مجموعی حفاظت کا ہم سے وعدہ کیا گیا ہے اور ہم اللہ تعالیٰ کے اسی وعدہ پر ہیں ـــــــ اللہ تعالیٰ ہر ضرورت کے وقت اس وعدہ کو پورا فرماتے ہیں ـــــــ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون میں قرآن کریم کو لفظ ذکر سے یاد کرنے کی ایک یہ بھی حکمت تھی۔ کہ یہ حفاظت صرف لفظاً نہیں ذکراً بھی موعود ہے۔ اور کتاب الٰہی لفظاً و معنیً ہر پہلو سے محفوظ ہے۔

حدیث کا ماخذ الٰہی ہدایت ہے۔

آج کا موضوع یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا ماخذ الٰہی ھدایت Divine guidance ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ بھی آپ کی فکر و نظر کو قدسی جلا بخشی تھی۔ اور آپ کے اعمال میں بھی اپنی وحی اتاری تھی۔ جس طرح علم الکتاب معصوم ہے اسی طرح پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی بھی معصوم ہے۔ علم الکتاب میں الفاظ و معنی دونوں معصوم ہیں۔ علم الآثار میں صرف معنی مراد محفوظ ہیں۔ الفاظ کی حفاظت اس میں لازمی نہیں۔ روایت بالمعنی سے بھی الٰہی حفاظت کا یہ وعدہ پورا ہو جاتا ہے۔ ہمارے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ کی قوی شہادتیں موجود ہیں۔ جن سے یہ بات ثابت ESTABLISHED ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن پاک کے علاوہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی وحی سے بار ہا نوازتے رہے۔ اسی وحی غیر متلو (وہ وحی جس کی تلاوت جاری نہیں ہوئی) کو ہم حدیث کہتے ہیں۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن پاک کی پہلی شہادت

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے سے پتہ چلتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی قرآن کے علاوہ بھی کلام فرماتے تھے اور بار ہا آپ پر وحی غیر متلو revelation

Unworded (وہ وحی جس کی تلاوت نہیں صرف حکم صادر ہوتا ہو) اترتی تھی۔
حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اپنی ایک زوجہ محترمہ سے پردے میں ایک بات کہی۔ اور تاکید کی کہ وہ اسے کسی دوسروں کے سامنے ظاہر نہ کریں۔ لیکن ہوا یہ کہ ان سے اس پر قابو نہ رہ سکا اور انہوں نے اسے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے ذکر کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو خبر دے دی کہ آپ کی زوجہ نے دوسری بی بی سے وہ بات کر دی ہے۔ قرآن کریم آپ کی اس بیوی کے دوسری بیوی سے بات کرنے کی یوں خبر دیتا ہے:۔

واذ أسر النبي الى بعض ازواجه حديثا. فلما نبأت به واظهره الله عليه عرّف بعضه و اعرض عن بعض فلما نبأها به قالت من انبأك هذا قال نبأني العليم الخبير۵

ترجمہ۔ اور جب نبی نے اپنی کسی بی بی سے ایک حدیث پردے میں کہی تھی پھر جب اس نے (دوسری بی بی سے) اس کی خبر کر دی اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر اسے ظاہر کر دیا۔ تو آپ نے اس میں سے کچھ بات جتلا دی اور کچھ سے درگزر فرمایا۔ پھر جب آپ نے وہ بات اس بی بی کو جتلائی تو اس نے پوچھا آپ کو کس نے یہ بات بتلائی ہے؟ آپ نے فرمایا مجھے علیم وخبیر نے خبر دی ہے۔

اللہ، علیم وخبیر نے جو خبر دی تھی وہ وحی غیر متلو تھی یہ وحی خداوندی قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ لیکن اس کی طرف صرف یہاں حوالہ Refernece موجود ہے۔ لیکن جس وحی کی یہاں حکایت ہے وہ قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔

قرآن کریم کی اس آیت سے پتہ چلا کہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر وحی قرآنی کے سوا بھی

لہ پ ۲۸ التحریم

آپ سے کلام فرماتے تھے اور آپ کو کئی باتوں کی اس طرح خبر دے دیتے تھے کہ وہ بات ہمیں قرآن کریم میں مذکور نہیں ملتی۔ اس وحی غیر متلو کے لیئے اس وحی متلو (وہ وحی جس کی تلاوت کی جائے یعنی قرآن کریم) میں کئی جگہ حوالہ (Reference) ملتا ہے۔ مگر محکی عنہ (جس بات کی طرف حوالہ دیا جا رہا ہے وہ بات) قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ حکایت موجود ہو اور محکی عنہ قرآن میں مذکور نہ ہو۔ اس کی یہی صورت ہو سکتی ہے کہ وحی متلو (قرآن) کے ساتھ ساتھ سلسلہ وحی غیر متلو (حدیث) کا بھی پورا پورا اقرار کیا جائے۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی دوسری شہادت

پھر یہ صرف اخبار (خبروں) میں ہی نہیں۔ احکام (کرنے والے کاموں) میں بھی بہت سے ایسے حکم نازل ہوئے جن کی وحی غیر متلو رہی ہے۔ مدینہ منورہ کے مشرقی جانب چند میل کے فاصلے پر بنو نضیر (یہود) آباد تھے[1] انہوں نے مسلمانوں سے عہد شکنی کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے جنگ کا ارادہ فرمایا۔ یہ لوگ اپنے مضبوط قلعوں میں جا بیٹھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی کہ ان کے درخت کاٹے جائیں اور باغ اجاڑے جائیں۔ تاکہ یہ لوگ بے چین ہو کر قلعوں کے دروازے کھول دیں اور حالات کے چہرے سے نقاب اُٹھ جائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جنگ کی نوبت نہ آئی اور یہ لوگ وہاں سے خیبر کی طرف نکال دیئے گئے۔ قرآن کریم میں اس واقعہ کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:۔

ما قطعتم من لينة او تركتموها قائمة على اصولها فباذن الله[2]

---

[1] یہ لوگ یہاں کے رہنے والے نہ تھے۔ لیکن ان کے بزرگوں نے سنا تھا کہ پیغمبر آخرالزمان صلی اللہ علیہ وسلم اس علاقے میں تشریف لائیں گے تو وہ ان پر ایمان لانے اور ان کی نصرت و اعانت کے ارادے سے یہاں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو افسوس کہ اُن کی اولاد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں پیش پیش ہو گئی۔ ارض عرب ان کا وطن نہ پہلے تھا نہ بعد میں رہا۔ بلکہ ایک وقت آیا کہ کل یہود جزیرۂ عرب سے نکال دیئے گئے۔ لقولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام فی آخر حیاتہ «اخرجوا الیهود من جزيرة العرب»۔ [2] پ ۲۸ الحشر ۱

ترجمہ۔ اور (اس دن) جو کاٹ ڈالے تم نے کھجور کے درخت یا انہیں اپنی جڑوں پر کھڑے رہنے دیا۔ سو (یہ سب) اللہ کے حکم سے تھا۔

قرآن کریم میں اللہ کا یہ حکم کہیں نہیں ملتا کہ یہ درخت کاٹ دیئے جائیں اور یہ رہنے دیئے جائیں، لیکن اس حکم کا حوالہ قرآن کریم میں بے شک موجود ہے۔ وہ حکم خداوندی جس کے تحت درختوں کے کاٹنے کا یہ عمل کیا گیا تھا۔ وحی غیر متلو (جس کی تلاوت جاری نہیں ہوئی) تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں القا ہوئی تھی۔ بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان درختوں کے کاٹنے کا حکم فرمار ہے تھے۔ لیکن قرآن کریم کی رُو سے آپ کی یہ حدیث حقیقۃً اذنِ الٰہی تھا اور یہ خدا کا حکم تھا۔ جو وحی غیر متلو کی صورت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا گیا تھا۔ قرآن کریم یہاں اسے ہی اذنِ الٰہی کہہ رہا ہے۔ قرآن کریم سچ کہتا ہے:۔

ھذا کتابنا ینطق علیکم بالحق [1] ترجمہ۔ یہ ہماری کتاب جو تم پر حق بولتی ہے۔

یہاں کتاب سے مراد اعمالنامے ہیں جو ٹھیک ٹھیک لکھے جارہے ہیں۔ ہاں عموم الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ خدائی دفتر میں غلطی راہ نہیں پاتی۔

سو ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عمل بے شک اذنِ الٰہی سے تھا۔ قرآن کریم کی اس آیت سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وحی قرآن کے علاوہ بھی آپ سے بارہا کلام فرمایا ہے اور آپ پر احکام اُتارے ہیں۔ یہی حدیث ہے اور اسے ہی وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کی یہ وحی غیر متلو Unworded revelation ہے جو تلاوت میں نہیں آتی اور حکم میں پھیلتی ہے۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی تیسری شہادت

قرآن کریم کی یہ موجودہ ترتیب رسولی ہے نزولی نہیں۔ ترتیب نزولی اور ترتیب رسولی میں فرق ملحوظ رکھیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حرا میں جو پہلی وحی نازل ہوئی تھی وہ اقرأ باسم ربک الذی خلق [2] تھی۔ لیکن موجودہ ترتیب میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

[1] پ ۲۵ الجاثیہ ع ۴ [2] پ ۳۰ سورۃ علق۔

کے بعد الحمد للہ رب العٰلمین سب سے پہلی آیت ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت اُترتی۔ تو آپؐ صحابہ کرامؓ کو ہدایت دیتے کہ اسے فلاں فلاں سورت میں لکھ دو۔[1] ـــــــ سُورتوں میں آیات کہاں کہاں لکھی جائیں۔ یہ سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نگرانی میں ہوتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازوں میں قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو اسی ترتیب سے پڑھتے۔ جو قرآن پاک کی موجودہ ترتیب ہے[2] اور اسی ترتیب سے ہر سال حضرت جبریل امینؑ رمضان میں آپؐ کے ساتھ قرآن کا دور کیا کرتے تھے۔

قرآن کریم کی جمع و ترتیب میں اتنی اہم تبدیلی کس کے حکم سے ہوئی؟ کیا حضورؐ پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے اس میں کسی تبدیلی کے مجاز تھے؟ ہرگز نہیں قرآن کریم میں ہے۔

قال الذین لا یرجون لقاءنا ائت بقراٰن غیر ھٰذا او بدلہ ؕ قل ما یکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی ان اتبع الا مایوحیٰ الی انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم ۝ قل لوشاء اللہ ما تلوتہ علیکم ولا ادرٰکم بہ فقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہ افلا تعقلون ۝ فمن اظلم ممن افترٰے علی اللہ کذبًا او کذب باٰیاتہ انہ لا یفلح المجرمون ۝

ترجمہ: ان لوگوں نے جو ہم سے ملاقات کی اُمید نہیں رکھتے (پیغمبر سے) کہا کہ "کوئی اور قرآن لے آو۔ یہ قرآن نہ ہو یا اُسے کچھ تبدیل کردیں" اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے میرے اختیار میں نہیں کہ میں اسے بدل ڈالوں۔ میں تو وہی کچھ کرتا ہوں جو مجھے حکم دیا جاتا ہے۔ میں ڈرتا ہوں اگر میں اپنے رب کی نافرمانی کروں بڑے دن کے عذاب سے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر اللہ تعالیٰ نہ چاہتے تو میں اسے تمہارے سامنے تلاوت نہ کرتا اور نہ وہ تم کو خبر کرتا۔ میں رہ چکا ہوں تم میں ایک عُمر اس سے پہلے کیا تم نہیں سوچتے۔ پھر اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے۔ بے شک مُجرم

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ ص ۳۶۸ لکھنؤ [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص ۱۱۷ [3] پ ۱۱ یونس ع ۲۔

کبھی فلاح نہیں پاتے۔

قرآن کریم نے بتلایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن کریم میں کسی قسم کی تبدیلی کا اختیار نہ تھا۔ آپ نے جو کچھ کیا وہ وحیِ خداوندی کے تحت تھا۔ کتاب کی ترتیب کو بدل دینا بہت اہم بات ہے کوئی جزوی بات نہیں جسے آسانی سے نظر انداز کیا جا سکے۔ کسی تحریر اور کتاب کی ترتیب اس تحریر یا کتاب کی ذات ہوتی ہے۔ سو یقین کیجیے کہ آپ نے قرآن پاک کی ترتیب میں جو عمل اختیار کیا وہ سب وحیِ خداوندی کے تحت تھا۔ آپ کی تلاوت (جس ترتیب سے واقع ہوئی) وہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھی اور اللہ تعالیٰ نے ہی آپ کو اس دوسری ترتیب اختیار کرنے کا حکم دے رکھا تھا۔ ورنہ قرآن کریم کی تلاوت اور ترتیب میں آپ اگر اپنی طرف سے کوئی تبدیلی کر دیں تو یہ یقیناً کتابِ الٰہی میں تبدیلی ہوگی اور یہ اللہ تعالیٰ پر ایک افترا ہوگا۔ (معاذ اللہ) یہ اسی طرح حکمِ الٰہی کو ٹھکرانا ہے جیسے وحیِ خداوندی کو جھٹلا دینا اور نہ ماننا ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ وہ حکمِ خداوندی جس کے تحت ترتیب کی یہ تبدیلی عمل میں آئی۔ قرآن کریم میں کہاں ہے؟ یہ وحیِ غیر متلو ہمیں قرآن پاک میں نہیں ملتی۔ تو ہم یقین کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی آتی رہی۔ گو اس وحی کی تلاوت جاری نہ ہوئی ہو صرف حکم پھیلا ہو ——— یہی حدیث ہے اور اگر اس وحیِ غیر متلو کو نہ مانا جائے جس کے تحت قرآن پاک ترتیبِ نزولی میں نہیں ترتیبِ رسولی سے جمع ہوا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ معاذ اللہ آپ نے اپنی مرضی سے قرآن کریم میں تبدیلی کر دی۔ (استغفر اللہ العظیم) حکمِ الٰہی میں تبدیلی کرنے والے یا اُسے نہ ماننے والے سب برابر کے مجرم ہیں مفتری علی اللہ اور مکذب بآیات اللہ کبھی فلاح نہیں پاتے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

فمن اظلم ممن افترے علی اللہ کذباً او کذب بآیاتہ انہ لا یفلح المجرمون۔

ترجمہ۔ اور اس سے زیادہ ظالم کون ہو سکتا ہے جس نے اللہ تعالیٰ پر کوئی جھوٹ باندھا یا اس نے اس کی آیات کو جھٹلایا بیشک مجرم کبھی فلاح نہیں پاتے

جب یہ معلوم ہوا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کو اس کی نزولی ترتیب

لے (پ ۱۱ یونس ع ۲)

سے مختلف ترتیب پر جمع کرایا اور تلاوت کیا ہے اور اس کی یہ شہادت ہمیں قرآن کریم سے ہی مل گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں کسی طرح کی تبدیلی کا اختیار نہ تھا۔ اور یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ آپ کا ہر اقدام وحیِ خداوندی کے تابع ہوتا تھا۔ تو یہ بات از خود ثابت ہو گئی کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا موجودہ ترتیب کو اختیار کرنا وحی خداوندی سے ہی تھا۔ آپؐ قرآن کی آیات لکھوانے کے لیئے صحابہ کرامؓ کو جو حکم دیتے تھے وہ سب وحی الٰہی کی ترتیب ہوتی تھی۔ ترتیب نزولی کے بعد یہ ترتیب رسولی سب اللہ کے حکم سے ہی عمل میں آئی ہے اور قرآن کریم اس ترتیب سے لوح میں محفوظ ہے۔

پھر غور کیجئے کہ وہ حکمِ الٰہی کہ قرآن کریم اس ترتیب سے جمع کیا جائے قرآن کریم میں کہاں ہے؟ اگر کہیں نہیں ملتا تو اس سے ثابت ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل کی ہے۔ یہ وحی غیر متلو تھی۔ سو مذکورۃ الصدر آیات حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی کھلی شہادت پیش کر رہی ہیں۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی چوتھی شہادت

قرآن کریم میں ہے:۔

وانزل اللہ علیک الکتاب والحکمۃ وعلمک مالم تکن تعلم۔ وکان فضل اللہ علیک عظیما ۝ (پ النساء ع ۱۷) آیت ۱۱۳

ترجمہ۔ اور اللہ تعالیٰ نے اُتاری آپ پر کتاب اور حکمت اور آپ کو سکھایا۔ وہ جو آپ نہیں جانتے تھے اور اللہ تعالیٰ کا آپ پر بڑا فضل ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر دو چیزوں کا اُترنا بیان کیا ہے۔ کتاب کا لفظ تو اپنی جگہ صریح ہے۔ حکمت کے معنی محکم اور پختہ بات کے ہیں۔ قرآن کریم کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اور کس کی بات پختہ ہو سکتی ہے۔ جب اس کا مبدا بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہو اور اسی نے آپ پر اسے اتارا ہو۔ تو اس کے دین ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے۔ قرآن پاک کے ساتھ ساتھ یہ دوسری وحی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر اتاری

اس وحی کو یہاں حکمت کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے اور یہ وحی قرآن پاک کے علاوہ ہے۔

امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) فرماتے ہیں۔ کہ قرآن کریم کی اس آیت میں حکمت سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت ہے۔[1]

حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) بیان کرتے ہیں۔ کہ اس آیت میں کتاب سے مراد قرآن کریم اور حکمت سے مراد سنت ہے۔[2]

پس قرآن کریم میں کتاب اور سنت دونوں کا خدا کی طرف سے اترا ہونا صریح طور پر مذکور ہے اور اس سے یہ بات وضاحت سے ثابت ہوتی ہے۔ کہ حدیث بھی وحی الٰہی ہے۔ گو وحی غیر متلو ہو۔ یعنی ایسی وحی جس کی امت میں تلاوت جاری نہ ہوئی صرف اس کے احکام نافذ ہوئے ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ بھی دین کا ایک پورا علمی ماخذ ہے۔

پچھلے صحیفوں[3] میں جب سے یہ خبر چلی آرہی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ بنو اسرائیل کے بھائیوں میں سے ـــــ یعنی بنو اسماعیل میں سے ایک پیغمبر اٹھائیں گے تو ساتھ ساتھ یہ بات بھی چلی آئی ہے کہ وہ پیغمبر لوگوں کو کتاب اور حکمت دونوں کی تعلیم دے گا اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بنائے کعبہ کے وقت کی دعا بھی اس کی کھلی شہادت ہے۔

ربنا وابعث فیہم رسولاً منہم یتلوا علیہم اٰیٰتك ویعلمہم الکتٰب والحکمۃ ویزکیہم انك انت العزیز الحکیم۔[4]

ترجمہ۔ اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک پیغمبر انہی میں سے جو پڑھے ان پر تیری آیات اور سکھلائے ان کو کتاب اور حکمت ـــــ اور پاک کردے ان کو ـــــ بے شک تو ہی غالب حکمت والا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اعلانِ نبوّت فرمایا۔ تو یہ بھی فرمایا۔ کہ "میں اپنے باپ ابراہیمؑ کی دعا ہوں اور اپنے بھائی عیسیٰؑ کی بشارت ہوں"، اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں بھی تصریح فرمائی۔ کہ آپ اس لیئے بھیجے گئے ہیں۔ کہ لوگوں کو آیاتِ الٰہی سنائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جہاں آپ ایک امّت بنائیں۔ وہاں آپ ایمان والوں کو کتاب اور حکمت

---

[1] کتاب الامّ جلد ۷ صفحہ ۲۵۱ [2] کتاب الروح صفحہ ۱۱۹ [3] کتاب مقدس استثنا ۱۸ [4] پ البقرہ ع ۱۵

کی تعلیم بھی دیں۔ حکمت کی تعلیم دینے کا حکم خدائی تبھی ہو سکتا ہے کہ حکمت آپ کے سینہ مبارکہ پر خدا نے ہی اتاری ہو اور وہ حکمت بھی وحی خداوندی ہی ہو۔ گو غیر متلو رہے۔ قرآن کریم میں ہے:۔

لقد من الله على المؤمنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم ايته ويزكيهم ويعلمهم الكتب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلل مبين[1] ۝

ترجمہ: بے شک احسان کیا اللہ نے مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک پیغمبر انہی میں سے۔ وہ پڑھتا ہے ان پر اس کی آیتیں، اور پاک کرتا ہے انہیں اور سکھلاتا ہے انہیں قرآن اور حکمت اور بے شک تھے اس سے پہلے وہ کھلی گمراہی میں۔

سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی یہ آیات سورۂ نساء کی اس آیت کی تمہید ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کتاب و حکمت دونوں نازل فرمائی ہیں اور یہ سنت و حدیث کے وحی خداوندی ہونے پر قرآن کریم کی ایک کھلی شہادت ہے۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی پانچویں شہادت

يسئلونك ماذا احل لهم قل احل لكم الطيبت وما علمتم من الجوارح مكلبين تعلمونهن مما علمكم الله فكلوا مما امسكن عليكم واذكروا اسم الله عليه واتقوا الله ان الله سريع الحساب[2] ۝

ترجمہ: پوچھتے ہیں آپ سے کیا حلال کیا گیا ہے واسطے ان کے ـــــ آپ کہہ دیں پاک چیزیں تمہارے لیے حلال کی گئیں ـــــ اور جو سکھلاؤ تم زخم دینے والے شکاری کتوں کو ـــــ سکھاتے ہو تم انہیں جو اللہ نے تمہیں سکھلایا ہے ـــــ سو کھاؤ اس کو جو یہ پکڑ رکھیں تمہارے لیے اور لو نام اللہ کا

[1] پ۴ آل عمران ع ۱۷ [2] پ۶ المائدہ ع ۲

اس پر ——— اور ڈرو اللہ سے ——— بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

سورۃ المائدہ نزول میں آخری سورتوں میں سے ہے۔ یہاں مما علمکم اللہ میں ایک ایسی تعلیم کی حکایت کی گئی ہے جو اس سے پہلے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو دے چکے ہیں۔ وہ تعلیم کیا تھی؟ شکاری کتا سدھانے کے آداب، کہ (۱) کتا خود چھوڑا گیا ہو۔ (۲) خدا کا نام لے کر چھوڑا گیا ہو۔ (۳) وہ اپنے کھانے کے لئے منہ نہ ڈالے۔ (۴) وہ شکار کو زخم بھی کرے[لہ] ———

یہ تعلیم اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کس نے دے رکھی تھی؟ قرآن کریم میں کیا یہ تعلیم موجود ہے؟ اللہ تعالیٰ نے کیا اسے علمکم اللہ کہہ کر ماضی میں ذکر نہیں کیا؟ آگے اس تعلیم کو دُہرایا گیا ہے۔ یُوں سمجھئے جس وحی غیر متلو کی مما علمکم اللہ میں حکایت تھی۔ اس محکی عنہ کو آگے وحی متلو میں دُہرایا گیا ہے۔ فکلوا مما امسکن علیکم میں اسی کا اعادہ ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وحی غیر متلو کو کبھی وحی متلو بھی دُہرا دیتی ہے۔ حدیث تعلیم خداوندی پر مبنی نہ ہو تو مما علمکم اللہ کا محکی عنہ تو اس سے پہلے قرآن کریم میں کہیں موجود نہ تھا۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی چھٹی شہادت

واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انہا لکم وتودون ان غیر ذات الشوکۃ تکون لکم ویرید اللہ ان یحق الحق بکلمتہ و یقطع دابر الکافرین ۝[لہ]

ترجمہ۔ اور جب اللہ تعالیٰ تمہیں وعدہ دے رہے تھے دو جماعتوں میں سے ایک کا کہ وہ تمہارے لیئے ہے اور تم چاہتے تھے کہ بن شوکت والی ہو تمہارے واسطے اور ارادہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کہ ثابت کرے حق کو اپنے کلمات کے ساتھ اور کاٹے جڑ کافروں کی۔

یہ دو جماعتیں کون سی تھیں؟ ایک وہ عظیم تجارتی قافلہ جو مکہ سے ——— گیا تھا اور مالِ تجارت لے کر آرہا تھا۔ دوسری جو اس قافلے کی مدد کے لیئے مسلح ہو کر مکہ سے نکلی تھی۔

لہ یہ شرط لفظ جرح سے ماخوذ ہے۔ [لہ] پ ۹ الانفال ع ۱

یہ پُرشوکت جماعت تھی۔ مسلمان چاہتے تھے کہ مشرکین کی ان دو جماعتوں میں سے پہلے انہیں بن شوکت والے طائفہ سے واسطہ پڑے ـــــــــ یہ سب بیان جنگ بدر سے متعلق ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک صریح وعدے کا ذکر کیا جا رہا ہے ـــــــــ وہ وعدہ قرآن کریم میں کہاں ہے اور کیا تھا؟ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے اس وعدے کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ مگر قرآن کریم میں اس کی طرف حوالہ Reference ضرور موجود ہے۔ وہ وعدہ وحی غیر متلو کے ذریعہ ہوا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کو اس کی خبر دی تھی۔ جب وہ وعدہ قرآن کریم میں کہیں موجود نہیں۔ تو ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی آتی رہی ـــــــــ اسی وحی غیر متلو کو حدیث کہتے ہیں۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی ساتویں شہادت

وما جعلنا القبلة التی کنت علیها الا لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علیٰ عقبیه[۱]۔

ترجمہ۔ اور نہیں کیا ہم نے وہ قبلہ جس پر آپ پہلے تھے۔ مگر اس لیئے کہ جانچیں کون پیروی کرتا ہے رسول کی۔ اس سے جو اُلٹا پھر جائے اپنی دونوں ایڑیوں پر۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا قبلہ بیت المقدس تھا۔ خانہ کعبہ کے قبلہ بننے سے پہلے آپؐ بیت المقدس کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو پہلے اُس قبلے پر رکھا (بیت المقدس پر) اور پھر اِس قبلے پر لائے (خانہ کعبہ المسجد الحرام پر) تا کہ رسول کے ساتھ بدلنے والے رسول سے بدلنے والوں سے ممتاز ہو جائیں اور مومن و منافق میں امتیاز ہو جائے۔

حضورؐ دوسرے قبلہ (المسجد الحرام) کی طرف منہ کر کے نماز پڑھیں۔ یہ حکم تو قرآن حکیم میں واضح طور پر موجود ہے۔ لیکن آپؐ کو پہلے بیت المقدس کے قبلہ پر رکھنے کا حکم قرآن کریم میں

---

[۱] پ البقرہ ع ۱۷ - آیت ۱۴۳

کہیں نہیں ملتا جعلنا کے لفظ میں جس وحی خداوندی کی خبر دی گئی ہے (کہ ہم نے اس لیئے آپ کو اس پہلے قبلہ پر رکھا تھا) قرآن کریم میں وہ مذکور نہیں ہے اس کی حکایت ہے۔ مگر محکی عنہ نہیں ملتا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے اس پہلے قبلہ پر ہونے کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ بسو لامحالہ اس سلسلے میں آپ کی طرف وحی آئی ـــــ جب وہ وحی قرآن پاک میں مذکور نہیں تو اس یقین سے چارہ نہیں کہ آپ پر قرآن کریم کے علاوہ بھی وحی آتی رہی۔ اسی وحی کو ـــ وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی آٹھویں شہادت

سیقول المخلفون اذا انطلقتم الیٰ مغانم لتاخذوھا ذرونا نتبعکم یریدون ان یبدلوا کلام اللہ قل لن تتبعونا کذلکم قال اللہ من قبل فسیقولون بل تحسدوننا بل کانوا لا یفقھون الا قلیلا[1]

ترجمہ: عنقریب کہیں گے پیچھے رہ گئے ہوئے۔ جب چلو گے تم غنیمتوں کی طرف کہ تم انہیں لے لو چھوڑ دو ہم کو۔ ہم بھی ساتھ چلیں تمہارے ـــــ چاہتے ہیں یہ کہ بدل ڈالیں بات اللہ کی ـــــ آپ کہہ دیں کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہ چلو گے ـــــ اسی طرح اللہ نے پہلے سے کہہ دیا ـــــ پس البتہ کہیں گے کہ حسد کرتے ہو تم ہم سے ـــــ بلکہ نہ تھے وہ سمجھتے مگر تھوڑا۔

حدیبیہ سے واپس ہو کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خیبر پر چڑھائی کرنے کا حکم ہوا۔ جہاں عہد توڑنے والے یہود آباد تھے۔ حق تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ وہ لوگ جو حدیبیہ نہیں گئے تھے اب خیبر کے معرکے میں تمہارے ساتھ چلنے کو کہیں گے۔ کیونکہ وہاں خطرہ کم اور غنیمت کی امید زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا۔ آپ فرمادیں کہ تمہاری اس استدعا سے پیشتر اللہ ہم کو بتلا چکا ہے۔ اب تم اس سفر میں ہمارے ساتھ نہ جاؤ گے۔

---

[1] پ ۲۶ الفتح ع ۹

یہ حکم کہ غزوۂ خیبر میں اہلِ حدیبیہ کے سوا کوئی نہ جائے۔ قرآن کریم میں کہاں ہے؟ اس حکم کی حکایت کہ اللہ تعالیٰ نے واقعی یہ تبلایا تھا بے شک قرآن مجید میں موجود ہے لیکن محکی عنہ قرآن کریم میں مذکور نہیں۔ حضرت مولانا تھانوی رح لکھتے ہیں :۔

یہ حکم خداوندی بظاہر قرآن میں مذکور نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حکم وحی غیر متلو کے ذریعہ آپ کو ملا تھا جو احادیث کے ذریعہ بیان کی جاتی ہے۔[۱]

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی نویں شہادت

انا انزلنا الیك الکتاب بالحق لتحکم بین الناس بما اراك الله ولا تکن للخائنین خصیما[۲]

ترجمہ۔ بے شک ہم نے اتاری آپ کی طرف کتاب سچی تاکہ آپ فیصلہ کریں لوگوں میں۔ جو کچھ سمجھائے آپ کو اللہ اور تو نہ ہو دغابازوں کی طرف سے جھگڑنے والا۔

ایک مقدمے میں ایک مسلمان نے اپنا جرم ایک یہودی کے ذمہ لگانا چاہا۔ وہ یہودی اس سے بری تھا۔ اس مسلمان کے ساتھیوں نے ایسے حالات پیدا کر دیئے۔ اور کیس کچھ اس طرح پیش کیا کہ چوری اس یہودی پر ثابت ہو رہی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر برحق کو حقیقتِ حال پر مطلع فرمایا۔ کہ چور وہ مسلمان ہے یہودی نہیں۔ وہ وحیِ خداوندی کہ یہودی چور نہیں۔ قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔ مگر اس کا اقرار بما اراك الله (جو دکھا دیا اللہ نے آپ کو) قرآن پاک میں صاف طور پر موجود ہے ———— یہ وہ وحی غیر متلو ہے جس کے ذریعہ حضور ﷺ کو حقیقتِ حال پر مطلع کیا گیا تھا۔ اسے یہاں ارادتِ ربانی سے تعبیر فرمایا۔ جو وحی غیر متلو کی لطیف ترین صورت ہے۔

خیبر کی بستی میں ایک مسلمان قتل ہوا پایا گیا۔ قاتل کا پتہ نہیں چلتا تھا۔ حضور ﷺ نے وہاں کے یہودیوں کو اظہار وجوہ کا نوٹس دیا۔ یہودیوں نے کہا کہ ایک ایسا ہی واقعہ بنو اسرائیل میں

---

[۱] تفسیر معارف القرآن جلد ۸ صد ۷ [۲] پ ۵ النساء ع ۱

پیش آیا تھا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک حکم اُتارا تھا۔ آپ بھی اگر خدا کے نبی ہیں۔ تو وہی حکم جاری کردیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو جواب لکھا وہ یہ ہے :۔

ان اللہ تعالیٰ ارانی ان اختار سبعین رجلا فیحلفون باللہ ما قتلنا ولا نعلم لہ قاتلا ثم یؤدون الدیۃ۔[1]

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ میں تم میں سے ستر آدمیوں کو چُن لوں۔ وہ قسم کھائیں کہ ہم نے قتل نہیں کیا اور ہمیں اس کے قاتل کا بھی علم نہیں۔ پھر وہ سب مل کر اس کی دیت ادا کریں۔

اس روایت میں اس اللہ کے بتلانے کو ارانی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور یہ وہی تعبیر ہے جو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بما اراك اللہ کے الفاظ میں ذکر کی ہے۔ سو ارانی میں بھی اسی وحی غیر متلو کا ذکر ہے جس کے توسط سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بغیر وحی قرآنی حقیقتِ حال سے مطلع کیا گیا۔

حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی دسویں شہادت

وفی اموالھم حق معلوم ۝ للسائل والمحروم ۝[2]

ترجمہ۔ اور ان کے اموال میں حصّہ مقرر ہے۔ مانگنے والے اور محروم کے لیئے۔

قرآن کریم نے یہ بات نہیں بتلائی۔ کہ زکوٰۃ کس شرح سے فرض ہوگی اور کب فرض ہوگی ہر ماہ پر یا سال گزرنے پر۔ اس کا مصرف تو بیان کر دیا۔ کہ سائل اور محروم قسم کے لوگ ہوں گے۔ لیکن کتنا مال ہو گا جب یہ لازم ٹھہرے گی اور کس کس قسم کے مال پر واجب ہوگی۔ یہ سب باتیں قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں۔

سوال یہ ہے کہ قرآن کریم نے اسے "حق معلوم" کیسے فرما دیا۔ معلوم اسے کہتے ہیں جو بات جانی گئی ہو۔ ہر جانی بات کے لیئے جاننے والا یا جاننے والے چاہئیں۔ ہر معلوم کے لیئے کسی عالم کا وجود لازمی ہے۔ ورنہ اسے معلوم نہ کہا جا سکے گا۔ اگر اس کا

---

[1] دیکھئے فتح القدیر لابن الہمام ج۸ ص۳۸۷ صحیح مسلم ج۲ ص۵۶ سنن ابی داؤد ج۲ ص۲۶۲ مع حاشیہ [2] پ۲۹ المعارج

جاننے والا صرف خدا ہی تھا۔ تو مخلوق کے لیئے اس میں کیا ہدایت ہوگی؟ وہ اپنے اموال کو کس شرح سے کتنا وقت گزرنے پر سائلین اور محرومین کو دیا کریں؟ سو یہ جواب قطعاً درست نہیں کہ یہ ایسا امر معلوم تھا جس کے عالم صرف ربّ العزت ہی تھے۔

صحیح بات یہ ہے کہ یہ سب تفصیلات اللہ تعالیٰ نے وحی غیر متلو Unwarded revelation سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلا دی تھیں اور آپ نے آگے صحابہؓ کو فرما دی تھیں۔ حق کیا ہے؟ کتنا ہے؟ اور کب ہے؟ یہ سب کو معلوم ہو چکا تھا۔ قرآن پاک کی اس آیت میں اسی حق معلوم کی حکایت ہے۔ حکایت وحی متلو میں ہو رہی ہے اور محکی عنہ وحی غیر متلو میں معلوم ہوا تھا۔ حدیث کے الہامی ہونے پر قرآن کریم کی یہ ناقابلِ انکار شہادت بتلا رہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کی ہمکلامی وحی قرآن کے علاوہ بھی ہوتی تھی۔ تلك عشرة كاملة

قرآن پاک کی ان دس شہادتوں کے بعد وحی غیر متلو کی شہادت اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے۔

وحی حدیث پر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی شہادت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی باتیں بتاتے ہوئے بارہا ایسی وحی کا ذکر فرمایا ہے جو ہمیں قرآن کریم میں نہیں ملتی۔ اس قسم کی روایات اس کثرت سے ملتی ہیں۔ کہ ان کی قدر مشترک تواتر سے بہت آگے ہے اور قطعیت کا فائدہ بخشتی ہے اور یہ بات پورے یقین سے کہی جا سکتی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قلبِ اطہر پر وہ وحی بھی اُتارتے تھے جو باقاعدہ تلاوت نہ پاتی تھی اور اس کے باوجود وہ وحی خداوندی ہی سمجھی جاتی تھی وہ الفاظ میں ہمارے سامنے نہیں آئی۔ اس وحی کو وحی غیر متلو Unwarded revelation کہتے ہیں۔ قرونِ ثلٰثہ جن کے خیر ہونے کی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی۔ ان میں کسی ممتاز علمی شخصیت نے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین و شریعت کے طور پر بات کہی اور اس میں وحی و الہام Divine inspiration کا دخل نہ تھا۔ بلکہ ہر ایک

کا عقیدہ یہی رہا۔ کہ اس میں وحی کا عنصر ضرور شامل ہے ——— قرآنی وحی وحی متلو ہے اور حدیث نبوی وحی غیر متلو اور ہر دو کا مصدر و منبع اللہ رب العزت کی ذات ہی ہے۔

حدیث کی تقریباً ہر کتاب میں اس پر واضح شہادتیں موجود ہیں۔ یہ روایات اور شہادات اتنے مختلف ابواب اور مختلف وقائع کے ذیل میں ملتی ہیں۔ کہ انہیں کسی سازش یا کسی وضع انسانی کا نتیجہ نہیں سمجھا جا سکتا۔ کہ چند انسانوں نے کسی اسکیم کے تحت حدیث کے بارے میں یہ تصور پیدا کر دیا ہو۔ ہر طبقہ فکر اور ہر فقہی مسلک کا قاطبۃً اس پر متفق ہونا اور پھر ذخیرۂ حدیث میں اس پر لاتعداد شواہد ملنا اس اصولی نظریئے کی قطعیت کا پتہ دیتا ہے اور تو اور شیعہ محدثین جو جمہور اہل اسلام سے بالکل ہی علیحدہ راہ پر چلے۔ ان کے ہاں بھی بے شمار روایات اس قسم کی ملتی ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی اتاری اور وہ وحی غیر متلو رہی اور اب اسے وحی حدیث کہتے ہیں۔ باوجود اتنے اصولی اختلافات کے اس ایک نقطہ پر ایک رائے ہونا اس موضوع کی اصولی اور قطعی حیثیت کا پتہ دیتا ہے۔ اس وقت اس قسم کی روایات کے استقصاء کی تو گنجائش نہیں البتہ چند نظائر یہاں پیش کی جاتی ہیں۔ ان میں وہ احادیث بھی ہوں گی۔ جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود انہی احادیث کے لیے وحی و انباء کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ ان میں بعض میں جبریل امین کے آنے کی بھی تصریح ہے۔ بعض میں اُن کے لیے امر الٰہی اور "امر ربی" جیسی تعبیرات ہیں۔ اور کہیں کہیں اُن کا براہِ راست اللہ رب العزت کے نام سے مذکور ہونا اس وحی خداوندی کا پتہ دے رہا ہے۔ اسے ہم وحی غیر متلو کہتے ہیں جس کی تلاوت الفاظ کی پابندی سے امت میں جاری نہ ہوئی۔ اس بات کے ثبوت میں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی غیر متلو بھی ہوتی رہی۔ ائمہ اربعہ، جملہ اکابر محدثین، ائمہ تفسیر اور فقہائے کرام کا اتفاق ہے۔ بلکہ یوں سمجھئے کہ یہ بات اسلام میں متواتر طور سے ثابت ہے۔ گو تواتر قدر مشترک کے درجہ میں ہو۔ اب ہم اس پر چند شواہد پیش کرتے ہیں۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) کی شہادت

ابوحنیفة عن طاؤس عن ابن عباس و غیرہ من اصحاب النبیؐ قال اوحی الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یسجد علی سبعة اعظم۔[۱]

ترجمہ: حضرت ابن عباسؓ اور کسی اور صحابی سے مروی ہے کہ حضورؐ پر وحی کی گئی کہ آپ سجدہ کریں سات ہڈیوں پر (یہ وحی قرآن کریم میں موجود نہیں)۔

امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کی شہادت

انہ سأل عبد اللہ بن عمر فقال یا ابا عبد الرحمٰن انا نجد صلوٰة الخوف وصلوٰة الحضر فی القرآن ولا نجد صلوٰة السفر فقال عبد اللہ بن عمر یا ابن اخی ان اللہ بعث الینا محمدا صلی اللہ علیہ وسلم ولا نعلم شیئاً فانما نفعل کما رایناہ یفعل .... عن عائشة زوج النبیؐ انھا قالت فرضت الصلوٰة رکعتین رکعتین فی الحضر والسفر فاقرت صلوٰة السفر وزید فی صلوٰة الحضر۔[۲]

آل خالد بن اسید میں سے ایک شخص نے حضرت عبد اللہ بن عمر سے پوچھا ہم صلوٰة الخوف اور صلوٰة الحضر کا ذکر تو قرآن کریم میں دیکھتے ہیں لیکن صلوٰة السفر کا کہیں ذکر نہیں پاتے۔ آپ نے فرمایا ہم تو کچھ نہ جانتے تھے ہم تو وہی کچھ کرتے ہیں جو ہم نے حضور کو کرتے دیکھا.... حضرت عائشہؓ کہتی ہیں پہلے نماز حضر و سفر میں دو دو رکعت ہی فرض ہوئی تھی — پھر سفر کی نماز تو وہی رہی اور حضر کی نماز بڑھا دی گئی۔

ان روایات سے معلوم ہوا کہ حضرت عباس، حضرت عائشہ اور حضرت عبد اللہ بن عمر جیسے اکابر اصحاب رسول حضورؐ کے عمل کو وحی خداوندی ہی سمجھتے تھے۔

امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کی شہادت

ابن جریج کہتے ہیں کہ ابن طاؤس سے مروی ہے کہ ان کے باپ کے پاس عقول کے موضوع پر ایک کتاب تھی۔ جو حضورؐ پر وحی کے طور پر نازل ہوئی تھی اس میں صدقہ و عقول کا بیان تھا۔

عن ابن طاؤس عن ابیہ ان عندہ کتاباً من العقول نزل بہ الوحی وما فرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من صدقة و عقول فانما نزل بہ الوحی و قیل لم یبین رسول اللہ شیئاً قط الا بوحی من اللہ فمن الوحی ما یتلیٰ ومنہ

---

[۱] مسند امام اعظم ص۱۴۳ [۲] موطا امام مالک ص۵۱

مایکون وحیًا الی رسول اللہ فنیستن بہ[1]

ترجمہ۔ ابن طاؤس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ان کے پاس عقول کے بارے میں ایک کتاب تھی جو وحی کے طور پر اتری تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو صدقات یا بدلے کی رقوم فرض ٹھہرائیں وہ سب وحی سے تھا۔ اور یہ بات کہی گئی ہے کہ حضورؐ نے کوئی بات بھی وحی الٰہی کے بغیر بیان نہیں فرمائی۔ سو وہ بھی وحی ہے جو حضورؐ کی سنّت کی صورت اختیار کرتی رہی ہے۔

محدّث عبدالرزاقؒ (د ۲۱۱ھ) کی شہادت

(۱) سیدنا حضرت عمر فاروقؓ نے خواب دیکھا کہ نماز کے لیے اذان ہو رہی ہے۔ اس وقت تک اسلام میں اذان جاری نہ ہوئی تھی۔ آپ اپنا یہ خواب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلانے کے لیے آرہے تھے۔ کہ کیا دیکھتے ہیں کہ حضرت بلالؓ اذان دے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ اذان بتلادی تھی اور آپ نے حضرت بلالؓ کو سکھلادی تھی۔ حضرت عمرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جب اپنا یہ خواب بیان کیا۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

قد سبقتك بذلك الوحی[2] وحی خداوندی اس میں تجھ پر سبقت لے گئی۔

اس روایت سے ثابت ہوا۔ کہ اذان کا تعین وحی سے ہوا تھا۔ وہ وحی کہاں ہے؟ قرآن میں تو نہیں ——— اب اگر وحی غیر متلو کا اقرار نہ کیا جائے تو اس قسم کی احادیث کی آخر کیا توجیہہ کی جائے گی جن میں وحی کا بھی ذکر ہے اور وہ وحی متلو بھی نہیں ہے۔ کہ قرآن کریم میں موجود ہو۔

(۲) ایک دوسری روایت میں ایک وحی غیر متلو کا ذکر ان الفاظ میں ملتا ہے:۔

فاوحی اللہ الیہ یا محمد لم تکسر قرون رعیتك فالقاہ فجاءہ جبریل ومیکائیل فقال میکائیل ان ربك یخیرك ان تکون ملکا نبیا او نبیا

---

[1] مسند امام شافعی صـ۲۲۵ و صـ۸۹ [2] المصنف جلد ۱ صـ۴۵۶

عبدا فنظر الی جبرئیل فاشار بیدہ ان تواضع فقال النبیؐ بل نبی عبد فقال جبرئیل فانک سید ولد ادم وانک اول من تنشق عنہ الارض۔[1]

ترجمہ۔ سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف وحی کی کہ اے محمد! آپ اپنی رعیت کو کیوں گرا رہے ہیں۔ اس پر آپ نے اسے پھینک دیا۔ حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل آپ کے پاس آئے۔ حضرت جبرئیل نے کہا کہ آپ کا پروردگار آپ کو اختیار دیتا ہے کہ آپ بادشاہ نبی بنیں یا بندہ نبی۔ آپ نے جبرئیل امین کی طرف دیکھا۔ انہوں نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا۔ کہ عاجزی اختیار کریں۔ سو آپ نے بندہ نبی ہونا اختیار فرمایا۔ اس پر حضرت جبرئیل نے کہا بے شک آپ سب اولادِ آدم کے سردار ہیں اور آپ پہلے فرد ہوں گے۔ جن سے (حشر کے دن) زمین شق ہوگی (یعنی اس دن آپ سب سے پہلے قبر مبارک سے نکلیں گے)۔

یہاں صریح طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی طرف سے ایک وحی آنے کا بیان ہے جو قرآن کریم میں مذکور نہیں۔[2]

(۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں یہ بھی فرمایا:۔

اوحی الی ان اقاتل الناس حتٰی یقولوا لا الٰہ الا اللہ فاذا قالوا لا الٰہ الا اللہ حرمت علی دماءھم واموالھم الا بالحق وکان حسابھم علی اللہ۔[3]

ترجمہ۔ مجھے وحی کی گئی کہ میں (حجاز کے) لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ شہادت دینے لگیں کہ ایک خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔ جب وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں گے تو ہم پر ان کی جانیں اور ان کے مال لائقِ حفاظت ہو جائیں گے مگر یہ کہ کوئی حق ان کے ذمہ آئے اور ان کے (باطن کا) حساب اللہ کے سپرد ہے۔

---

[1] المصنف جلد ۳ صـ۱۸۳ صـ۱۸۵ جلد ۳ صـ۴۱۱ [2] پھر آخر میں حضرت جبرئیلؑ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بشارت دیں انہیں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی یقینی درجے میں قبول کیا۔ جس درجہ میں آپ نے پہلی وحی سنی۔ معلوم ہوا کہ یہ سب باتیں بھی اپنی جگہ اذنِ الٰہی سے تھیں۔ [3] المصنف جلد ۱۰ صـ۱۲۳

(۴) حضرت ثوبانؓ (۵۴ھ) کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک یہودی عالم آیا اور اس نے مختلف سوالات کیئے۔ آپؐ نے ان مختلف سوالوں کے جوابات دیئے۔ جب وہ چلا گیا تو آپؐ نے فرمایا:۔

والذی نفسی بیدہ ما کان عندی فی شیٔ مما سألنی عنہ علم حتی انبأنیہ اللہ[۱]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اس نے مجھ سے جتنے سوالات کیئے ان کے بارے میں میرے پاس کوئی علم نہیں تھا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ان تمام باتوں کی) خبر دی۔

یہ جوابات قرآن کریم میں کہیں مذکور نہیں اور یہ حقیقت ہے کہ ان کا مصدر بھی ذاتِ الٰہی تھی۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان امور کی خبر دے رہی تھی۔ یہی وحی غیر متلو ہے جو حدیث کی صورت میں جلوہ گر ہوتی رہی۔ قرآن کریم وحی متلو ہے اور حدیث غیر متلو۔ اور یہ دونوں خدا کی طرف سے ہیں۔

(۵) ایک رات حضرت سودہ بنت زمعہ باہر نکلیں۔ تو حضرت عمرؓ نے انہیں دیکھ لیا اور کہا آپ کا ہمیں پتہ چل جاتا ہے۔ (یہ اس لیئے کہ آپ طویل قامت تھیں) پھر آپ نے حضور سے اس کا ذکر کیا۔ ہشام بن عروہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضورؐ پر وحی اُتری۔

حتی اوحی الیہ ان رخصتن ان تخرجن فی حوائجکن لیلاً[۲]

ترجمہ: یہاں تک کہ آپ پر وحی آئی کہ اب تم عورتوں کو اجازت دی گئی ہے کہ تم رات کو اپنی ضرورتوں کے لیئے باہر نکل سکتی ہو۔

کیا یہ وحی قرآن کریم میں کہیں مذکور ہے؟ نہیں۔ یہ وحی غیر متلو تھی

(۶) حضرت قتادہؓ حضرت حسن بصریؒ سے روایت کرتے ہیں:۔

اوحی الی النبی ثم قال خذوا۔ خذوا۔ قد جعل اللہ لہن سبیلا الثیب بالثیب جلد مئۃ والرجم والبکر بالبکر جلد مئۃ ونفی سنۃ[۳]

---

[۱] المصنف جلد ۱۱ صفحہ ۲۸۲ [۲] المصنف جلد ۴ صفحہ ۲۶۱ [۳] المصنف جلد ۷ صفحہ ۳۱۱ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۶۵

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی آئی۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ یہ لو! یہ لو! اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے راہ تبلادی ہے۔ شادی شدہ جوڑے کی سزائے زنا سو کوڑے اور رجم اور غیر شادی شدہ زانی کے لیئے سو کوڑوں اور ایک سال کی جلاوطنی کا حکم ہے۔

ان روایات میں صریح طور پر وحی وغیرہ کے الفاظ موجود ہیں اور ایسی روایات کی بھی کوئی کمی نہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح لفظوں میں اپنی بات کو اللہ تعالیٰ سے روایت فرمایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کہا ہے۔ اس کی چند مثالیں حضرت امام احمدؒ کی روایت سے سُن لیجئے۔ یہ تینوں روایتیں حضرت ابُوہریرہؓ سے مروی ہیں۔

امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کی شہادت

عن ابی ھریرۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یرویہ عن ربہ عز وجل انہ قال انا خیر الشرکاء فمن عمل عملاً فاشرک فیہ غیری فانا بری منہ۔[1]

ترجمہ۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب عزوجل سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے فرمایا میں سب سے زیادہ بہتر شریک ہوں (جسے اپنے عمل میں شریک کیا جا سکتا ہے) سو جس نے کوئی کام کیا اور اس میں میرے سوا کسی اور کو شامل کیا تو میں اس کا ذمہ دار نہیں ہوں۔

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ عزوجل یقول این المتحابون بجلالی الیوم اظلھم فی ظلی یوم لاظل الاظلی۔[2]

ترجمہ۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کہیں گے "کہاں ہیں وہ جو میرے جلال پر شیدا تھے۔ آج میں ان کو اپنے سایہ (رحمت) میں جگہ دوں گا۔ جب کہ میرے سایہ (رحمت)

---

[1] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۰۱ [2] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۳۳۸

کے سوا اور کوئی سایہ نہیں ہوگا۔

عن ابی ھریرۃ رضؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ عزوجل قال کذبنی عبدی ولم یکن لہ لیکذبنی[1]

ترجمہ۔ ابوہریرہؓ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مجھے میرے بندے نے جھٹلا دیا اور اسے اس کا حق نہ تھا کہ میری بات جھٹلائے ..... الحدیث

امام دارمیؒ (۲۵۵ھ) کی شہادت

عن ضمرۃ بن حبیب قال سمعت مسلمۃ السکونی قال بینما نحن عند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ...... قد اوحی الی انی غیر لابث فیکم الا قلیلاً ثم تلبثون حتی تقولوا متی، متی، ثم تأتونی افناداً[2]

ترجمہ۔ ضمرہ بن حبیب سے مروی ہے وہ کہتے ہیں۔ میں نے حضرت مسلمہ سکونی کو کہتے ہوئے سُنا۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ ..... آپ نے فرمایا کہ مجھے وحی میں فرمایا گیا ہے کہ میں اب تم میں زیادہ عرصہ ٹھہرنے والا نہیں پھر تم رہو گے۔ یہاں تک کہ تم کہو (ہماری باری) کب (آئے گی) پھر تم میرے پاس باری باری آؤ گے۔

امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کی شہادت

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کہتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اوحی الیّ انکم تفتنون فی قبورکم[3]

ترجمہ۔ میری طرف وحی آئی ہے کہ تم سب اپنی قبور میں آزمائش میں ڈالے جاؤ گے۔

---

[1] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۳۵۱ [2] سنن دارمی جلد ا صفحہ ۲۹ [3] صحیح بخاری جلد ا صفحہ ۳۲ جلد صفحہ ۴ جلد ۹ صفحہ ۱۱۶ (مصر)

قبروں کا سوال و جواب برحق ہے۔ نکیرین آتے ہیں، مُردے کو بٹھاتے ہیں۔ اور پُوچھتے ہیں، تمہارا رب کون ہے؟ تمہارا دین کیا ہے؟ اور تمہارا نبی کون ہے؟ اور پھر عالمِ برزخ میں اس میّت پر راحت یا اَلم کی کیفیتیں اتاری جاتی ہیں۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ مگر اس دُنیا والوں کی آنکھیں اس اگلے جہان کے احوال کو پا نہیں سکتیں۔ کوئی شخص کسی قبر کے اندر کوئی شیشے کا روشندان بھی رکھ دے اور دیکھتا رہے۔ کہ کیا فرشتے واقعی اس میّت کو بٹھاتے ہیں؟ تو وہ اس بٹھانے کو دیکھ نہ سکے گا۔ لیکن یہ بٹھانا قبر کے سوال و جواب اور عذابِ قبر وغیرہ یہ سب برحق ہیں۔ کیوں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان احوال کی خبر دی ہے۔ دُنیا کی آنکھیں اگر ان عالمِ برزخ کے احوال کو دیکھ نہ سکیں تو اس سے ان کا انکار کر دینے کی ہرگز اجازت نہیں ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

بینا انا نائم اوتیت بخزائن الارض فوضع فی کفی سواران من ذھب فکبرا علی فاوحی الیّ ان انفخھما فنفختھما فذھبا فاولتھما الکذابین الذین انا بینھما صاحب صنعاء وصاحب الیمامۃ۔ متفق علیہ[۱]

ترجمہ: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ میں سویا ہوا تھا کہ مجھے (خواب میں) زمین کے خزانے دیئے گئے۔ میرے ہاتھ میں سونے کے دو کنگن رکھے گئے جو مجھ پر گراں گزرے۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر وحی کی کہ ان پر پھونک ماریں میں نے ان پر پھونکا وہ چلے گئے۔ میں نے اس سے وہ دو کذّاب (مدعی نبوۃ) مراد لیئے ہیں کہ میں ان کے مابین ہوں۔ ایک صنعاء سے (اسود عنسی) نکلے گا اور دوسرا یمامہ سے (مسیلمہ کذاب)۔

انبیاء کا خواب بھی وحی ہوتا ہے۔ سو خواب کی وحی بھی وحی ہے۔ یہ وحی غیر متلو ہے جو قرآن کریم کے الفاظ میں نہیں ملتی۔ لیکن ہے یہ بھی وحی ——— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتیں جس علم سے جاری ہوئیں وہ وہی وحی الٰہی ہے۔ جس کی تلاوت امت میں جاری نہیں ہوئی ہے۔

---

[۱] مشکوٰۃ صفحہ ۴۹۵

امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) کی شہادت

صحاح ستہ کی اول درجہ کی کتاب صحیح مسلم میں دیکھئے۔

حضرت عیاض بن حمار المجاشعیؓ (ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللہ اوحیٰ الیّ ان تواضعوا حتیٰ لا یفخر احد علی احد ولا یبغی احد علی احد۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی۔ کہ تم سب عاجزی اختیار کرو۔ کوئی بھی دوسرے پر فخر نہ کرے نہ کوئی کسی پہ زیادتی کرے۔

امام ابو داؤدؒ (۲۷۵ھ) کی شہادت

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں۔ کہ:۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستن وعندہ رجلان احدھما اکبر من الاٰخر فاوحی الیہ فی فضل السواک ان کبر اعط السواک اکبرھما رواہ ابو داؤد۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کر رہے تھے اور آپ کے پاس دو آدمی تھے۔ ایک دوسرے سے عمر میں بڑا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر مسواک کرنے کی فضیلت میں وحی کی اور فرمایا کہ ان میں سے جو بڑا ہے۔ اسے مسواک عطا فرمائیں۔

حضرت عیاض بن حمار کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان اللہ اوحیٰ الی ان تواضعوا حتی لا یبغی احد علی احد ولا یفخر احد علی احد۔[3]

ترجمہ۔ اللہ نے مجھ کو وحی کی کہ عاجزی اختیار کرو۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۳ صفحہ ۳۸۵ مشکوٰۃ صفحہ ۴۱۷ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۴۵ المصنف جلد ۱۰ صفحہ ۴۲۱ [3] ابو داؤد جلد ۲ صفحہ ۶۷۱

پر زیادتی نہ کرے نہ ایک دوسرے پر فخر کرے۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) کی شہادت

ان اللہ اوحیٰ الیّ ای ھٰؤلاء الثلاثة فھی دار ھجرتك المدینة او البحرین او قنسرین[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی۔ کہ ان تینوں مدینہ، بحرین اور قنسرین سے ایک تیرا دارالہجرت ہے۔

امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) کی روایات

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں۔ کہ:۔

اوحی اللہ الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و انا معه فقمت فاجفت الباب بینی وبینه فلما رفّه عنه قال لی ان جبرئیل یقرئك السلام[2]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کی اور میں آپ کے پاس تھی۔ میں اٹھی اور میں نے اپنے اور آپ کے مابین دروازہ لگا دیا۔ جب یہ کیفیت اور حالت آپ سے دور ہوئی آپ نے مجھے کہا کہ جبرئیل تم پر سلام کہتے ہیں۔

دخل علینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ونحن فی قبة المسجد المدنیة وقال فیه انه اوحی الیه ان اقاتل الناس حتی یقولوا لا الٰه الا اللہ[3]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم مسجد مدینہ کے محراب میں بیٹھے تھے۔ آپ نے فرمایا مجھے وحی کی گئی ہے کہ میں (حجاز کے) لوگوں سے لڑتا ہی رہوں۔ جب تک یہ سب نہ کہہ اٹھیں۔ کہ ایک اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صـ ۲۳۲ [2] نسائی شریف جلد ۲ صـ ۹۶ [3] نسائی شریف جلد ۲ صـ ۱۲۱

حضرت سلمۃ بن نفیل الکندی سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا :-

ولا تزال من امتی امۃ یقاتلون علی الحق ویزیغ اللہ لھم قلوب اقوام ویرزقھم منھم حتی تقوم الساعۃ وحتی یأتی وعد اللہ والخیل معقود فی نواصیھا الخیر الی یوم القیمۃ وھو یوحی الیّ انی مقبوض غیر ملبث وانتم تتبعونی افنادا یضرب بعضکم رقاب بعض وعُقر دار المومنین الشام۔[1]

ترجمہ: میری امت میں سے ایک گروہ حق کے لئے ہمیشہ لڑتا رہے گا اور اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے بہت سے لوگوں کے دل پھیر دیں گے اور انہیں ان سے رزق ملے گا۔ یہاں تک کہ قیامت آ جائے اور یہاں تک کہ اللہ کا وعدہ پورا ہو جائے اور گھوڑوں کی پیشانیوں سے قیامت کے دن تک خیر بندھی ہے اور مجھے وحی سے بتلایا گیا ہے کہ اب مجھے زیادہ دیر نہیں رہنا۔ جانے والا ہوں اور تم میرے پیچھے جماعت جماعت آؤ گے۔ ایک دوسرے کو مارو گے اور دار المؤمنین صحیح طور پر اس وقت شام ہو گا۔

کیا ان روایات میں صریح طور پر وحی غیر متلو مذکور نہیں اور کیا یہ سب باتیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وحی کہہ کر ذکر فرمائیں، قرآن کریم میں ملتی ہیں؟ اگر نہیں تو اس اصول کو ہمیشہ کے لئے تسلیم کر لیجئے کہ وحی خداوندی دو قسم پر ہے۔ وحی متلو اور وحی غیر متلو۔ پہلی قسم کی وحی پر قرآن مشتمل ہے۔ اور دوسری قسم کی وحی بصورت سنّت پھیلی ہوئی ہے اور حدیث کی کتابوں میں مذکور اور محفوظ ہے۔

امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) کی شہادت

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (۵۷ھ) کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

ان اللہ عز وجل اوحیٰ الی انہ من سلک سلکا فی طلب العلم سھلت لہ طریق الجنۃ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔[2]

---

[1] نسائی شریف جلد دوم ص۱۲۱ [2] مشکوٰۃ ص۳۶

ترجمہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے میری طرف وحی کی ہے۔ کہ جو علم (دین) کی طلب میں کسی رستے پر چلا۔ میں اس کے لیئے جنّت کی راہ آسان کر دیتا ہوں۔

بتایئے یہ وحی قرآن کریم میں ہے؟ یہ وحی غیر متلو ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے علاوہ آتی رہی اور اسی نے دین میں سنّت کا نام پایا اور اسی سے مفہوم قرآن کی تکمیل ہوئی۔

اب ہم حدیث کے الہامی ہونے پر چند وہ روایات پیش کرتے ہیں۔ جن میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی آمد بھی مذکور ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ وحی غیر متلو میں بھی حضرت جبرئیلؑ ساتھ ہوتے تھے اور یہ حکم خداوندی بھی وہی لاتے تھے یا اُسے حضورؐ کے دل پر اُتارتے تھے۔

وحی غیر متلو میں حضرت جبرئیل امین کی آمد

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی غیر متلو کی آمد میں صرف وحی کے الفاظ ہی نہیں ملتے۔ کئی روایات میں جبرئیل امین کی آمد بھی صریح طور پر مذکور ہے۔ اس قسم کی روایات بھی درجۂ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور تقریباً ہر مجتہد اور محدّث کے ہاں اس کی شہادتیں ملتی ہیں اور یہ بات انتہائی پختہ اور صحیح ہے کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی غیر متلو (وحی حدیث) بھی لاتے رہے۔ اس پر ہم چند شہادتیں پیش کرتے ہیں۔

امام ابُوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) کی شہادت

عن عبد اللہ بن مسعودؓ قال جاء جبریل الی النبی صلی اللہ علیہ و سلم فی صورۃ شاب علیہ ثیاب بیاض فقال السلام علیک یارسول اللہ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعلیک السلام .... فقال ذلک جبریل علیہ السلام جاء کم یعلمکم معالم دینکم[1]

---

[1] مسند امام اعظم صہ۳۲

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل ایک جوان مرد کی صورت میں حاضر ہوئے اور کہا السلام علیك یا رسول اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وعلیك السلام (اور تجھ پر بھی سلام ہو)۔ .... حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ جبریل تھے۔ جو تمہارے پاس اس لیے آئے تھے کہ تمہیں دین کے معالم (ضروری نشانوں کی) تعلیم دیں۔

حضرت امام ابو حنیفہ رح نے اس سے پہلی روایت میں یہ الفاظ بھی روایت کیے ہیں:۔

ھذا جبریل علیہ السلام اتاکم یعلمکم معالم دینکم واللہ ما اتانی بصورۃ الا وانا اعرفہ فیھا الا ھذہ الصورۃ[1]

ترجمہ۔ یہ جبریل تھے۔ جو اس لیے تمہارے پاس آئے کہ تمہیں تمہارے معالم دین سکھائیں۔ خدا کی قسم جبریل جب بھی میرے پاس آتے رہے میں انہیں پہچان لیتا رہا۔ مگر اس دفعہ (میں نے انہیں پہچانا نہ تھا)

عن علی کرم اللہ وجھہ انہ کان علق فی بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستراً فیہ تماثیل فابطأ جبریل ثم اتاہ فقال لہ ما ابطأك عنی قال انا لا ندخل بیتاً فیہ کلب و لا تماثیل فابسط الستر ولا تعلقہ واقطع رؤس التماثیل واخرج ھذا الجرو[3]

ترجمہ۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں ایک پردہ لٹکا تھا جس میں کوئی تصاویر تھیں۔ جبریل کچھ عرصہ نہ آئے۔ اور پھر آئے۔ حضورؐ نے پوچھا تم نے میرے ہاں آنے میں اتنی دیر کیوں کی؟ جبریل نے کہا ہم اس گھر میں نہیں آتے جس میں کتا ہو یا تصاویر لٹکی ہوں آپ اس پردے کو بچھا دیں اور لٹکا دیں نہ اور تصویروں کے سر کاٹ دیں اور اس کتے کے بچے کو نکال دیں۔

---

[1] مسند امام اعظم ص ۳۶ [2] ایضاً ص ۲۵۸ [3] ایضاً ص ۲۷۹

عن انس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما زال جبریل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ یورثہ وما زال جبریل یوصینی بقیام اللیل حتی ظننت ان خیار امتی لا ینامون الا قلیلاً[1]

ترجمہ۔ حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبریل مجھے برابر ہمسائے کے بارے میں نصیحتیں کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے گمان ہونے لگا کہ آپ ہمسائے کو وراثت میں سے بھی حصہ دلوائیں گے اور جبریل مجھے رات کی نماز کے بارے میں بھی برابر کہتے رہے یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ میری امت کے نیک آدمی اب تو چند لمحوں کے سوا ساری رات نہ سو سکیں گے۔

امام ابوحنیفہؒ کی روایت کردہ ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ وحی غیر متلو میں بھی حضرت جبریل کی آمد ہوتی تھی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی حدیث بھی حضرت جبریل ہی لاتے تھے اور آپ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر یہ وحی لے کر اترتے تھے۔ یہی وحی پھر سنت کی صورت میں پھیلتی تھی۔

امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کی شہادت

حضرت خلاد بن السائب اپنے والد (۹۱ھ) سے روایت کرتے ہیں۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

(۱) اتانی جبرئیل فامرنی ان أمر اصحابی ان یرفعوا اصواتھم بالاھلال والتلبیۃ[2]

ترجمہ۔ میرے پاس جبریل آئے اور مجھے کہا کہ میں اپنے صحابہ کو حکم دوں کہ وہ اہلال اور تلبیہ (لبیک پکارنا) کے وقت اپنی آوازیں اونچی رکھیں۔

یہ حکم وحی قرآنی میں کہاں ہے؟ یہ وحی الٰہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بصورت حدیث آئی ہے۔

---

[1] مسند امام اعظم صد ۲۷۹ [2] موطا امام مالک صد ۳۲۳ جلد ۱

آنحضرت کے پاس ایک شخص آیا اور کہا اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں ــــ صبر و احتساب سے آگے بڑھتا ہوا ــــ نہ پیچھے ہٹنے والا ــــ کیا اللہ تعالیٰ میری خطائیں مجھ سے دور فرما دیں گے؟ آپ نے فرمایا "ہاں" وہ واپس ہوا تو آپ نے پھر اسے آواز دی اور کہا۔ تو نے کیا کہا تھا ــــ اس نے اپنی بات دہرائی۔

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نعم الا الدین ــــ کذلک قال لی جبریل[۱]

ترجمہ: آپ نے فرمایا ہاں ــــ البتہ قرض معاف نہ ہوگا جبریل نے ابھی مجھے اسطرح بتا دیا ہے۔

امام محمدؒ (۱۸۹ھ) کی شہادت

امام محمد بن حسن شیبانی بھی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

(۱) اتانی جبرئیل علیہ السلام فامرنی ان امر اصحابی او من معی ان یرفعوا اصواتھم بالاھلال بالتلبیۃ۔[۲]

ترجمہ میرے پاس جبریل آئے اور مجھے کہا کہ میں اپنے صحابہ کو حکم دوں کہ وہ اہلال اور تلبیہ (لبیک پکارنا) کے وقت اپنی آوازیں اونچی رکھیں۔

اس روایت میں بھی وحی حدیث کے لیئے حضرت جبریل کا آنا مذکور ہے۔

امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا۔

(۱) مازال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت لیورثنہ۔[۳]

ترجمہ۔ مجھے جبریل ہمسائے کے بارے میں برابر نصیحت کرتے رہے یہاں تک کہ مجھے خیال ہونے لگا۔ آپ (خدا تعالیٰ کی طرف سے) اسے (ہمسائے کو) وارث بھی ٹھہرائیں گے۔

امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) کی شہادت

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ۔

---

[۱] موطا امام مالک صفحہ ۱۶۳ [۲] موطا امام محمد صفحہ ۱۹۸ و مسند الشافعی صفحہ ۱۲۳ [۳] موطا امام محمد صفحہ ۳۹۱

(۱) اتی جبرئیل بمرأۃ بیضاء فیھا وکتۃ الی النبیؐ فقال النبیؐ ما ھٰذہٖ قال ھٰذہٖ الجمعۃ فضلت بھا انت وامتک فالناس لکم فیھا تبع الیھود والنصاریٰ ولکم فیھا خیر ۔ ۔ ۔ ۔ ان ربک اتخذ فی الفردوس وادیاً افیح فیھا کثب مسک فاذا کان یوم الجمعۃ انزل اللہ ماشاء من من ملئکۃ وحولہ منابر من نور علیھا مقاعد النبیین ۔ ۔ ۔ ۔ وفیہ خلق ادم وفیہ تقوم الساعۃ۔[۱]

ترجمہ: جبریل ایک روشن آئینہ لے کر آئے اور اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیئے ایک نشان سا تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں (حضرت جبریل کو) کہا یہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا یہ جمعہ کا دن ہے جس سے آپ اور آپ کی امت کو فضیلت بخشی گئی۔ لوگ اس میں تمہارے پیچھے ہی چلیں گے۔ یہود اور نصارےٰ بھی۔ اور تمہارے لیئے اس میں خیر ہے۔ بے شک تمہارے پروردگار نے جنت میں ایک وادی افیح نامی بنائی ہے جس میں کستوری کے ٹیلے کے ٹیلے ہیں۔ جب جمعہ کا دن ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو جتنوں کو چاہے نازل فرماتا ہے اور اس کے گرد نور کے منبر بچھے ہوتے ہیں۔ جن میں انبیاء بیٹھتے ہیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور اسی دن (جمعہ کے دن) آدم علیہ السلام پیدا کیئے گئے تھے اور اسی دن قیامت قائم ہوگی۔

(۲) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

آمنی جبرئیل عند باب البیت مرتین فصلی الظھر حین کان الفیٔ مثل الشراک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فقال یا محمد ھٰذا وقت الانبیاء من قبلک۔[۲]

ترجمہ: بیت اللہ شریف کے دروازے کے پاس جبریل نے مجھے دو دفعہ نماز پڑھائی۔ ظہر آپ نے اس وقت پڑھی جب سایہ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ پھر جبریل نے کہا۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ وقت تم سے پہلے پیغمبروں کی

---

[۱] مسند الشافعی ص۱۰۱ [۲] مسند الشافعی ص۲۷

نمازوں کا بھی تھا۔

(۳) عن خلاد بن السائب الانصاری عن ابیہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اتانی جبرئیل علیہ السلام فامرنی ان امرھم اصحابی او من معی ان یرفعوا اصواتہم بالتلبیۃ او بالاھلال یرید احدھما۔[1]

ترجمہ۔ خلاد بن السائب انصاری اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جبریل میرے پاس آتے تھے اور مجھے کہا تھا[2] کہ میں اپنے صحابہ یا جو لوگ میرے ساتھ ہیں انہیں کہوں کہ وہ تلبیہ یا اہلال میں کسی ایک میں اپنی آوازیں اونچی رکھیں۔ بلند آواز سے لبیک پکاریں۔

محدث عبدالرزاقؒ (۲۱۱ھ) کی شہادت

(۱) حضرت ابوسعید خدریؓ (۷۴ھ) کہتے ہیں۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ان جبرئیل اتانی فاخبرنی ان بھما قذرا فاذا جاء احدکم المسجد فلینظر نعلیہ۔[3]

ترجمہ۔ میرے پاس جبریل آئے اور مجھے بتایا کہ نعلین میں کچھ تنکے لگے ہیں۔ تم میں سے کوئی جب مسجد میں آئے تو اسے چاہیئے کہ اپنا جوتا دیکھ لیا کرے۔

(۲) حضرت ابوطلحہؓ (۳۱ھ) کہتے ہیں۔ کہ میں ایک دفعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ کو بہت مسرور پایا۔ اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جبرئیل خرج من عندی الساعۃ فبشرنی ان لکل عبد صلی علیّ صلوٰۃ یکتب بہا عشر حسنات ویمحی عنہ عشر سیئات ویرفع لہ عشر درجات وتعرض علی کما قالہا ویرد علیہ بمثل ما دعا۔[4]

---

[1] مسند الشافعی ص۱۲۳ [2] کتاب الام جلد ۷ ص۲۷ اس روایت کو محدث عبدالرزاق (۲۱۱ھ) نے بھی روایت کیا ہے (دیکھئے المصنف جلد ۱۱ ص۱۲۵) مشکوٰۃ ص۲۵۲ میں بھی بحوالہ شرح السنۃ و شعب الایمان للبیہقی یہ روایت دی گئی ہے۔ [3] المصنف جلد ۱ ص۳۸۸ وسنن دارمی ص۳۲۰ جلد اول۔ [4] المصنف جلد دوم ص۲۱۵۔

ترجمہ۔ جبریل ابھی ابھی میرے پاس سے گئے ہیں۔ آپ نے مجھے یہ بشارت دی کہ ہر شخص کے لیئے جو مجھ پر ایک دفعہ درود بھیجے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کے نامۂ اعمال سے دس بُرائیاں مٹادی جاتی ہیں اور اس کے لیئے دس درجات کی بلندی ہے اور اس کا درود مجھ پر جیساکہ اس نے بھیجا پیش کیا جاتا ہے اور جیسی اس نے دُعا کی ویسے اس پہ لوٹایا جاتا ہے۔

(۳) حضرت ابُوہریرہؓ (۵۷ھ) کہتے ہیں:۔

ان جبرئیل جاء النبیؐ فعرف النبی صوته فقال ادخل فقال ان فی البیت ستراً فی الحائط فیه تماثیل[1]

ترجمہ۔ جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے۔ آپ نے اُن کی آواز پہچان لی اور فرمایا تشریف لائیے۔ جبریل نے کہا مکان میں دیوار پر ایک پردہ ہے جس پر کچھ تصاویر بنی ہیں۔ (یعنی پہلے انہیں اتروا دیجیے)۔

(۴) حضرت

نزل جبرئیل علی النبیؐ یوم بدر فقال ان ربك یخیرك ان شئت ان تقتل هؤلاء الاساری وان شئت تفادی بهم[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہ بدر کے دن جبریل اُترے اور فرمایا۔ تیرا رب تجھے اختیار دیتا ہے۔ چاہیں تو ان بدر کے قیدیوں کو قتل کر دیں۔ اور چاہیں تو انہیں فدیہ لے کر چھوڑ دیں۔

(۵) حضرت ابوعثمانؓ (ھ) کہتے ہیں:۔

ان جبرئیل علیه السلام علّم النبیؐ اذا قام من مجلسه ان یقول سبحانك اللّٰهم وبحمدك۔[3]

ترجمہ۔ جبریل علیہ السلام نے نبی پاک صلی اللہ علیہ السلام کو بتلایا کہ جب اپنی مجلس سے اُٹھیں تو سبحانك اللّٰهم وبحمدك پڑھ لیا کریں۔

---

[1] المصنف جلد ۱۰ صفحہ ۳۹۹ ومشکوٰۃ صفحہ ۳۸۴ [2] المصنف جلد ۵ صفحہ ۲۱۰ [3] المصنف جلد ۱۱ صفحہ ۲۴

ان خالد بن ولید جاء الی النبیؐ فشکا الیہ وحشۃ یجدھا فقال لہ الا اعلمک ما علمنی الروح الامین جبرئیل ؟ قال لی ان عفریتا من الجن یکیدک فاذا اویت الی فراشک فقل اعوذ بکلمات اللہ التامات الذی لا یجاوزھن بر ولا فاجر من شر ینزل من السماء۔[1]

ترجمہ۔ خالد بن ولیدؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور شکایت کی کہ وہ کچھ وحشت محسوس کرتے ہیں۔ آپ نے انہیں کہا۔ کیا میں تمہیں وہ کلمات نہ بتاؤں۔ جو روح الامین جبریل نے مجھے بتائے تھے ؟ مجھے کہا کہ ایک جن (شیطان) آپ سے مکر کرے گا۔ سو آپ جب سونے لگیں۔ تو یہ پڑھ لیا کریں آسمان سے اترنے والا کوئی شر اور خیر ان سے متجاوز نہ ہو گا۔

(۷) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ایھا الناس لیس من شئ یقربکم الی الجنۃ ویباعدکم من النار الا قد امرتکم بہ ولیس شئ یقربکم من الجنۃ الا قد نھیتکم عنہ وان الروح الامین نفث فی روعی ان نفسا لن تموت حتی تستکمل رزقھا الا فاتقوا اللہ واجملوا فی الطلب ولا یحملنکم استبطاء الرزق ان تطلبوہ بمعاصی اللہ فانہ لا یدرک ما عند اللہ الا بطاعتہ۔[2]

ترجمہ۔ اے لوگو! کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہیں جنت کے قریب کرے اور آگ سے دور کرے مگر میں نے اس کا تمہیں امر کر دیا ہے اور کوئی ایسی چیز نہیں جو تمہیں جہنم کے قریب کرے اور جنت سے دور کرے مگر میں نے تمہیں اس سے روک دیا ہے اور بیشک روح الامین جبریل نے میرے دل میں یہ بات اتاری ہے کہ کوئی جی اس وقت تک نہ مریگا جب تک کہ اپنا رزق پورا نہ کرلے۔ سو خبردار رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو ـــــ اور طلب رزق میں اختصار سے کام لو ـــ رزق کا دیر سے ملنا کہیں تمہیں اس پر نہ لے آئے کہ تم اسے گناہوں کی راہ سے ڈھونڈنے لگ جاؤ ـــ جو اللہ کے ہاں ہے اسے اسکی تابعداری سے ہی پاسکتے ہو۔

اس حدیث میں حضور کے پاس حضرت جبریل کا آنا ـــــ آپ کے قلب مبارک میں پھونک لگانا اور اس میں اللہ تعالیٰ کی کہی بات کا اتارنا واضح طور پر مذکور ہے۔ سو اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ کہ وحی غیر متلو میں بھی خدمت رسالت حضرت جبریل کے سپرد تھی۔

---

[1] المصنف جلد ۱۱ صفحہ ۳۵ [2] ایضاً صفحہ ۱۲۵ ورواہ فی شرح السنۃ ایضاً کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۴۵۲ [3] المصنف جلد ۱۱ صفحہ ۴۱۳

(۸) حضرت عوف بن مالکؓ (۷۳ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

انه اتانی ات من ربی یخیرنی بین ان یکون امتی شطر اهل الجنة وبین الشفاعة فاخترت الشفاعة۔[۳]

ترجمہ۔ میرے پاس خدا کی طرف سے ایک آنے والا (جبریل) آیا۔ خدا نے مجھے اختیار دیا کہ میں دو باتوں میں سے ایک کو چن لوں، میری امت اہل جنت میں سے نصف ہو یا مجھے شفاعت کا موقعہ دیا جائے۔ میں نے شفاعت کو چن لیا۔

امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کی شہادت

(۱) حضرت ابو امامہؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ماجاءنی جبرئیل علیه السلام قط الا امرنی بالسواک۔[۲]

ترجمہ۔ جبریل علیہ السلام جب بھی میرے پاس آتے ہیں مجھے مسواک کی ضرور تاکید کرتے ہیں۔

(۲) حضرت زید بن حارثہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں:۔

ان جبرئیل اتاہ فی اول ما اوحی الیه فعلمه الوضوء والصلوٰۃ۔[۳]

ترجمہ۔ پہلے دنوں کی وحی میں ہی حضرت جبریل آپ کے پاس آئے تھے اور آپ کو وضو اور نماز سکھلا گئے تھے۔

اس وقت وضو اور نماز کا کیا طریقہ تھا؟ ——— ضروری نہیں کہ یہ وہی طریقہ ہو جو بعد میں آپ اور آپ کی امت میں سنتِ قائمہ کے طور پر قائم ہوا۔

امام دارمیؒ (۲۵۵ھ) کی شہادت

(۱) عن انس بن مالکؓ قال جاء جبرئیل الی رسول الله صلی الله علیه وسلم وهو جالس حزین وقد تخضب بالدم من فعل اهل مکه من قریش

---

[۱] المصنف جلد ۱۱ ص۴۱۳ [۲] رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص۴۵ [۳] رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص۴۴

فقال جبرئیل یارسول اللہ ھل تحب ان اریك اٰیۃ قال نعم فنظر الی شجرۃ من ورائہ فقال ادع بھا فجاءت وقامت بین یدیہ فقال مرھا فترجع فامرھا فرجعت فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حسبی حسبی[۱]

ترجمہ۔ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبریل آئے اور آپ غمگین بیٹھے ہوئے تھے اور اہل مکّہ کے عمل سے خون آلود تھے حضرت جبریل نے کہا۔ اے اللہ کے رسول! آپ پسند کریں گے۔ کہ میں آپکو ایک عجیب نشان دکھاؤں۔ آپ نے فرمایا ہاں۔ آپ کیا دیکھتے ہیں کہ آپ کے پیچھے ایک درخت ہے۔ جبریل نے کہا آپ اسے آواز دیں۔ درخت آپ کی آواز پر آیا اور آپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ پھر جبریل نے کہا آپ اسے واپس لوٹنے کا حکم دیں۔ آپ نے اسے ایسا ہی کہا اور وہ واپس لوٹ گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دو دفعہ فرمایا۔ مجھے میرا رب کافی ہے کافی ہے۔

(۲) عن ابی سعید الخدری...... قال ان جبرئیل اتانی فاخبرنی ان فیھما اذیً او قذرًا فاذا جاء احدکم المسجد فلیقلب نعلیہ[۲]..... الحدیث

ترجمہ۔ ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبریل میرے پاس آئے اور انہوں نے مجھے بتایا کہ نعلین سے کچھ مٹی یا تنکے لگے ہیں۔ سو تم میں سے کوئی جب مسجد آئے۔ تو چاہیئے کہ جوتیاں ذرا ہلا لیا کرے۔ انہیں جھاڑ لیا کرے۔

(۳) عن ابن غنم قال نزل جبرئیل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فشق بطنہ ثم قال..... الحدیث[۳]

ابن غنم سے مروی ہے کہ حضرت جبریل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اُترے اور آپ کے سینہ مبارک کو شق کیا اور کہا..... الحدیث

---

[۱] سنن الدارمی جلد اوّل صہ۱۲ [۲] ایضًا صہ۳۲۰ [۳] ایضًا صہ۲۸

(۴) عن خلاد بن السائب عن ابیه قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم اتانی جبرئیل فقال مر اصحابك او من معك ان یرفعوا اصواتهم بالتلبیة او بالاھلال [۱]

ترجمہ. خلاد بن السائب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں. حضورؐ نے کہا. جبریل میرے پاس آتے تھے اور مجھے کہا. آپ اپنے صحابہؓ کو کہیں. کہ تلبیہ میں اپنی آوازیں بلند رکھا کریں۔

امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) کی شہادت

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں. کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خندق سے واپس لوٹے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے پاس آئے اور آپ کا سر گرد و غبار سے اٹا ہوا تھا۔

اتاہ جبرئیل وقد عصب راسه الغبار فقال وضعت السلاح فواللہ ما وضعته فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاین فقال ھھنا واوما الی بنی قریظة [۲]

ترجمہ. آپؐ کے پاس جبریل آئے. ان کا سر غبار آلود تھا. انہوں نے کہا. آپ نے ہتھیار رکھ دیئے ہیں. خدا کی قسم میں نے تو ہتھیار نہیں رکھے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو اب کدھر؟ حضرت جبرئیل نے کہا ادھر اور بنو قریظہ کی طرف اشارہ کیا۔

قرآن کریم کی رو سے فرشتے ہمہ تن اور ہمہ وقت طاعتِ خداوندی میں مصروف ہیں. وہ جو کچھ کرتے ہیں اذنِ الٰہی سے کرتے ہیں. سو حق بات یہ ہے. کہ حضرت جبرئیل کا یہ آنا اور حضورؐ سے ہمکلام ہونا یہ سب امرِ الٰہی سے تھا اور حضرت جبرئیل وحی متلو کے علاوہ حضورؐ پہ وحی غیر متلو بھی لے کر آتے تھے۔

حضرت ابو مسعود انصاریؓ (۴۱ھ) نے حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (۵۰ھ) کو کہا۔

---

[۱] سنن دارمی جلد دوم صفحہ ۳۴ [۲] صحیح بخاری جلد ۴ صفحہ ۲۵ صحیح مسلم جلد صفحہ

الیس قد علمت ان جبرئیل نزل فصلی فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثم صلی فصلی رسول اللہ ثم صلی فصلی رسول اللہ ثم صلی فصلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ . . . . . . (ثم قال بھذا امرت)[1]

ترجمہ۔ کیا تو نے نہ جانا کہ جبریل اُترے تھے۔ انہوں نے نماز پڑھی۔ سو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی۔ جبریل نے پھر نماز پڑھی سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پھر نماز پڑھی ——— پھر جبریل نے نماز پڑھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی پھر نماز پڑھی۔

یہ نمازوں کے اوقات کا تعین سب اللہ رب العزت کی طرف سے تھا۔ حضرت جبریل تو محض اس کے اذن سے یہ وحی غیر متلو لے کر اُترے تھے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی کہتی ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ نہایت غمگین تھے کہ قرن منازل کے مقام پر بادل نے آپ پر سایہ کیا۔ اس میں سے حضرت جبریل علیہ السلام اُترے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

فنظرت فاذا فیھا جبرئیل فنادانی فقال ان اللہ قد سمع قول قومک وما ردوا علیک وقد بعث الیک ملک الجبال لتامرہ بما شئت فیھم قال فنادانی ملک الجبال فسلم علی ثم قال یا محمد ان اللہ قد سمع قول قومک وانا ملک الجبال وقد بعثنی ربک الیک لتامرنی بامرک ان شئت ان اطبق علیھم الاخشبین۔ متفق علیہ۔[2]

ترجمہ۔ سو میں نے دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ جبریل اُترے ہیں۔ آپ نے مجھے آواز دی۔ اللہ نے تیری قوم کی بات سُن لی ہے اور جو انہوں نے تجھے ٹھکرایا ہے اور بے شک آپ کی طرف ملک الجبال (پہاڑوں کے فرشتے) کو بھیجا گیا ہے۔ تاکہ آپ اُن کے بارے میں جو چاہیں آپ اس کا حکم اسے دیں۔ پھر مجھے ملک الجبال نے آواز دی اور مجھے سلام کیا اور کہا اے محمدؐ! بیشک

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۱۳۹ [2] مشکوٰۃ شریف صہ ۵۲۳

اللہ تعالیٰ نے تیری قوم کی بات سُن لی ہے اور میں ملک الجبال (پہاڑوں کا فرشتہ) ہوں اور مجھے تیرے رب نے تیرے پاس بھیجا ہے۔ آپ مجھے حکم دیں ان کے بارے میں۔ اگر چاہیں تو میں ان پر اخشبین (کوہ احمر اور کوہِ ابوقبیس) اُلٹ دوں۔

اس قسم کی روایات چند نہیں متعدد ہیں۔ حضرت جبریل بارہا آپ کے پاس وحی متلو کے جلو میں اُترے اور بارہا آپ سے اس انداز میں ہمکلام ہوئے۔ سو اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام سنن اس وحی الٰہی پر ترتیب پائی تھیں۔

امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) کی شہادت

حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصف اللیل کے قریب آہستہ سے اُٹھے اور بقیع (قبرستان) تشریف لے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

ان جبرئیل علیہ السلام اتانی حین رأیت فنادانی فاخفاہ منك فاجبتہ فاخفیتہ منك ولم یکن یدخل علیك قد وضعت ثیابك و ظننت ان قد رقدت فکرهت ان اوقظك ان تستوحشی فقال ان ربك یامرك ان تاتی اهل البقیع فتستغفر لهم[۱]

ترجمہ: جب تو نے مجھے دیکھا جبریل علیہ السلام میرے پاس آئے تھے۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور اُسے تجھ سے چھُپایا۔ میں نے انہیں جواب دیا اور میں نے بھی اس جواب کو تجھ سے چھپایا اور جب تم نے اپنے کپڑے رکھے ہوں تو وہ تمہارے ہاں نہیں آتے۔ میں نے گمان کیا کہ تم سو رہی ہو۔ میں نے پسند نہ کیا کہ تمہیں جگاؤں۔ اور یہ مجھے ڈر تھا کہ تو وحشت محسوس نہ کرے جبریل نے (مجھے) کہا۔ تیرا پروردگار تجھے حکم دیتا ہے کہ آپ بقیع کے قبرستان میں جائیں اور فوت شدگان کے لئے مغفرت کی دعا کریں۔

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۳۱۴ دہلی۔ المصنف جلد ۳ صفحہ ۵۷

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے بھی سنا۔

ما زال جبرئیل یوصینی بالجار حتی ظننت انہ لیورثنہ[1]

ترجمہ۔ جبریل مجھے ہمسائے کے بارے میں برابر نصیحت کرتے رہے۔ حتیٰ کہ مجھے محسوس ہونے لگا۔ کہ وہ اسے وراثت میں سے بھی حصہ دلوائیں گے۔

کیا یہ سب باتیں حضرت جبرئیل اپنی طرف سے کرتے تھے؟ نہیں یہ سب کلام باذنِ الٰہی اور بحکم الٰہی تھا۔ اس قسم کی وحی کو ہی وحی غیر متلو کہتے ہیں۔

امام ابُو داؤد السجستانیؒ (۲۷۵ھ) کی روایات

(۱) حضرت عمر بن عبدالعزیز (۱۰۰ھ) نے ایک روز عصر کی نماز میں کسی وجہ سے تاخیر فرمائی تو اُن سے حضرت عروہ بن الزبیر (۹۴ھ) نے کہا۔

اما ان جبرئیل علیہ السلام قد اخبر محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم بوقت الصلوٰۃ۔

ترجمہ۔ لیکن جبرئیل علیہ السلام نے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازوں کے اوقات بتلا دیئے تھے۔

جب حضرت عروہ بن الزبیر نے یہ حدیث بیان کی۔ تو حضرت عمر بن عبدالعزیز نے ان سے عرض کیا۔ کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ آپ نے کیا کہا ہے؟ حضرت عروہ نے فرمایا میں نے بشیر بن مسعود سے یہ بات سُنی ہے۔ اور انہوں نے ابومسعود انصاری سے یہ سنا ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

نزل جبریل فاخبرنی بوقت الصلوٰۃ فصلیت معہ[2]

ترجمہ۔ جبریل علیہ السلام اُترے تھے اور نمازوں کے وقت کی مجھے خبر دی تھی۔ سو میں نے آپ کے ساتھ ہی نماز پڑھی۔

(۲) حضرت ابی بن کعبؓ کہتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی غفّار کے ایک گڑھے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۲۹ المصنف جلد ۱۱ صفحہ ۲ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۲ مسند امام اعظم مترجم صفحہ ۲۷۹ موطا امام محمد صفحہ ۲۹۱ [2] ابو داؤد شریف جلد ۱ صفحہ ۱۷۵ مطبوعہ کراچی۔

کے پاس تھے۔ کہ :۔

فاتاہ جبرئیل فقال ان اللہ یأمرك ان تقرئ امتك علی حرف قال اسئل اللہ معافاته ومغفرته ان امتی لا تطیق ذالك ثم اتاہ ثانیة فذکر نحو ھذا[1]

ترجمہ: جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا اللہ تعالیٰ آپ کو حکم کرتا ہے کہ اپنی امت کو کلام اللہ ایک حرف پر پڑھاؤ۔ آپ نے فرمایا۔ میں خدا سے اس کی بخشش اور مغفرت چاہتا ہوں۔ میری امت میں اتنی طاقت نہیں پھر دوسری بار آئے اور ایسا ہی کہا۔

اس روایت میں حضرت جبریل کا آپ کے پاس آنا اور آپ کو ایک حکم پہنچانا صراحت سے مذکور ہے۔ کیا یہ حکم الٰہی قرآن کریم میں ملتا ہے؟ نہیں۔ سو یہ بات تسلیم کرنے سے چارہ نہیں۔ کہ حضرت جبریل آپ پر وحی غیر متلو بھی لاتے تھے۔

امام ترمذیؒ (د ۲۷۹ھ) کی روایات

حضرت ابو سعید الخدریؓ (۷۴ھ) حضرت امیر معاویہؓ (د ۶۰ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

انه اتانی جبرئیل فاخبرنی ان اللہ یباھی بکم الملائکة۔[2]

ترجمہ: بے شک میرے پاس جبریل آئے اور مجھے بتلایا کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں میں آپ کی امت پر فخر کرتے ہیں۔

جب حضورؐ نے یہ بات بتائی تو اس وقت آپ کے سامنے بکم کے مخاطب اول کون تھے؟ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ۔ اس سے آپ ان کے مقام کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

امام دارمیؒ (د ۲۵۵ھ) امام نسائیؒ (د ۳۰۳ھ) امام ابن ماجہؒ (د ۲۷۳ھ) نے بھی خلاد بن السائبؒ کی یہ روایت جسے ہم امام مالکؒ اور امام محمدؒ کے حوالے سے پیش کر آئے ہیں نقل کی ہے

---

[1] ابو داؤد شریف جلد ۱ صفحہ ۵۵۱ مترجم مطبوعہ کراچی۔ [2] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۷۴ والنسائی جلد ۱ صفحہ ۳۱

اتانی جبرئیل فامرنی ان امر اصحابی ان یرفعوا اصواتھم بالاھلال او التلبیۃ ــــ رواہ الترمذی[1]

ترجمہ: میرے پاس جبریل آئے۔ مجھے کہا کہ میں اپنے صحابہؓ کو حکم دوں۔ کہ وہ لبیک پکارنے میں اپنی آوازیں بلند رکھیں۔

ایک یہودی عالم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ زمین کا کون سا ٹکڑا بہتر ہے۔ آپ خاموش رہے۔ اور فرمایا کہ میں اسے جبرئیل سے پوچھوں گا۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے تو آپ نے ان سے پوچھا ــــ حضرت جبریل نے کہا وہ اپنے پروردگار سے پوچھیں گے ــــ پھر حضرت جبریل تشریف لائے اور کہا:۔

یا محمد انی دنوت من اللہ دنوا مادنوت منہ قط فقال خیر البقاع مساجدھا۔ رواہ الترمذی[2]

اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) میں اللہ تعالیٰ کے اتنا قریب ہوا کہ اتنے قرب میں پہلے نہ گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ زمین کے تمام ٹکڑوں میں بہتر جگہیں مساجد ہیں۔

وحی غیر متلو کی عظمت کا اندازہ کیجئے۔ جبریل اللہ رب العزت سے وحی متلو (قرآن کریم کی وحی) ہمیشہ لاتے رہے اور ظاہر ہے کہ آپ کو وہ وحی قرب الٰہی میں پہنچ کر ملتی ہوگی۔ تاہم اس وحی غیر متلو کا بھی اندازہ کیجیئے۔ قرب الٰہی کے کس درجہ سے اس کا اتصال تھا۔

امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) کی روایات

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مشرکوں نے محاصرہ کرلیا اور کہنے لگے:۔

ان لھؤلاء صلوٰۃ ھی احب الیھم من ابنائھم وابکارھم اجمعوا امرکم ثم میلوا علیھم میلۃ واحدۃ فجاء جبرئیل علیھم السلام فامرہ ان یقسم اصحابہ بصنفین فیصلی بطائفۃ منھم وطائفۃ مقبلون علی عدوھم

---

[1] مشکوٰۃ صـ۲۲۳ [2] مشکوٰۃ صـ۷۱ [3] نسائی شریف جلد صـ۲۳

قد اخذوا حذرهم واسلحتهم فیصلی بهم رکعة ثم یتاخر هؤلاء و
یتقدم اولئك فیصلی بهم رکعة تکون لهم مع النبی صلی الله
علیه وسلم رکعة و رکعة وللنبی صلی الله علیه وسلم رکعتان [۱]

ترجمہ۔ یہ لوگ نماز پڑھتے ہیں جو انہیں ان کے بیٹوں اور بیٹیوں سے زیادہ عزیز ہے۔ تم سب اپنی پوری تیاری کر لو اور ان پہ ایک ہی دفعہ ٹوٹ پڑو۔ اتنے میں جبریل علیہ السلام آئے اور آپ کو کہا۔ کہ اپنے صحابہؓ کو دو حصّوں میں تقسیم کر دیں۔ حضور ان میں سے ایک کو نماز پڑھا دیں۔ اور دوسرا حصہ دشمن کی طرف متوجّہ رہے۔ پوری طرح چوکس رہیں اور اسلحہ پاس رکھیں۔ آپ انہیں ایک رکعت پڑھائیں اور پھر یہ لوگ پیچھے ہٹ جائیں اور وہ آگے آجائیں اور آپ ایک رکعت اُن کے ساتھ پوری کریں (ان دونوں حصّوں کی) ایک ایک رکعت حضورؐ کے ساتھ ہو جائے گی اور آپ کی دو رکعتیں ہو جائیں گی۔

حضرت ابُوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں۔ کہ:۔

جاء رجلٌ الی النبی صلی الله علیه وسلم وهو یخطب علی المنبر فقال
ارایت ان قاتلت فی سبیل الله صابرًا محتسبا مقبلا غیر مدبر
یکفر الله عنی سیئاتی قال نعم ثم سکت قال این السائل وانفا فقال
الرجل ها انا ذا قال ما قلت قال ارایت ان قتلت فی سبیل الله
صابرًا محتسبا مقبلا غیر مدبر ایکفر الله عنی سیئاتی قال نعم
الا الدین سارّنی به جبریل انفا [۲]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص آپ کے پاس آیا اور کہا کیا فرماتے ہیں آپ اگر میں اللہ کی راہ میں پورے صبر و احتساب سے جہاد کروں کہ آگے ہی بڑھوں پیچھے نہ ہٹوں۔ تو کیا اللہ تعالیٰ

---

[۱] مشکوٰۃ صہ۱۷ [۲] نسائی شریف جلد۱ صہ۲۳ موطا امام مالک صہ۱۷۳

میری سب خطائیں معاف فرمادیں گے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ پھر کچھ عرصہ آپ خاموش رہے۔ پھر کہا۔ وہ ابھی سوال کرنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا۔ میں یہ موجود ہوں۔ آپ نے پوچھا تم نے کیا کہا تھا؟ اس نے کہا آپ کیا فرماتے ہیں اگر میں اللہ کی راہ میں پورے صبر و احتساب سے جہاد کروں کہ آگے ہی بڑھوں پیچھے نہ ہٹوں۔ کیا اللہ تعالیٰ میری سب خطائیں معاف کر دیں گے آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ لیکن قرض کی عدم ادائیگی اس میں نہیں آتی۔ مجھے جبریل نے ابھی آہستگی سے یہ بتایا ہے۔

حضرت زید بن ارقم رضہ کہتے ہیں:۔

سحر النبی صلی اللہ علیہ وسلم رجل من الیہود فاشتکی لذلک ایاماً فاتاہ جبرئیل علیہ السلام فقال ان رجلاً من الیہود سحرک عقد لک عقدا فی بیر کذا وکذا۔ (الحدیث)[1]

ترجمہ۔ ایک یہودی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کیا اور آپ کو اس سے کچھ دن تکلیف رہی۔ جبریل علیہ السلام حاضر ہوئے اور فرمایا کہ ایک یہودی نے آپ پر جادو کیا ہے اور فلاں کنویں میں (جادو کی) گانٹھیں باندھی ہیں۔

امّ المومنین حضرت میمونہ رضہ کہتی ہیں:۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ جبرئیل علیہ السلام لکنا لا ندخل بیتاً فیہ کلب ولا صورۃ فاصبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومئذ فامر بقتل الکلاب حتی انہ لیامر بقتل الکلب الصغیر[2]

ترجمہ۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ جس گھر میں کتا اور تصویر ہو ہم اس میں داخل نہیں ہوتے۔ جب صبح ہوئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتوں کو مار دینے کا حکم فرمایا۔ یہاں تک کہ چھوٹے کتے کو بھی مار دینے کا حکم فرماتے۔

---

[1] نسائی شریف جلد ۲ صفحہ ۱۷۰ [2] ایضاً صفحہ ۱۹۳

ابُوزبیرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت جابرؓ کو کہتے ہوئے سُنا :۔

لبس النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبا من دیباج اھدی لہ ثم اوشک ان نزعہ فارسل بہ الی عمر فقیل لہ قد اوشک ما نزعتہ یا رسول اللہؐ قال نہانی عنہ جبرئیل علیہ السلام فجاء عمر یبکی فقال یارسول اللہؐ کرھت امرًا واعطیتنیہ قال انی لم اعطکہ لتلبسہ انما اعطیتک لتبیعہ فباعہ عمر بالفی درھم۔[1]

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ریشم کا کوٹ پہنا۔ جو آپ کو بطور ہدیہ پیش کیا گیا تھا۔ آپ نے جلدی پھر اسے اُتار دیا اور وہ کوٹ حضرت عمرؓ کی طرف بھیج دیا۔ بعض صحابہؓ نے عرض کیا کہ آپ نے بہت جلدی اس کو اتار دیا۔ تو آپ نے فرمایا۔ جبرئیل علیہ السلام نے مجھے روکا ہے۔ حضرت عمرؓ روتے ہوئے آئے کہ جس چیز کو آپ نے اپنے لیئے پسند نہیں فرمایا وہ مجھے کیسے عطا فرما دی۔ آپ نے فرمایا میں نے پہننے کے لیئے نہیں دیا۔ میں نے بیچنے کے لیئے دیا ہے۔ تو حضرت عمرؓ نے اس کو دو ہزار درہم میں بیچا۔

امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ایک حدیث میں بیان کرتی ہیں :۔

قال فان جبرئیل علیہ السلام اتانی حین رایت ولم یکن یدخل علیک وقد وضعت ثیابک فنادانی فاخفی منک فاجبتہ فاخفیت منک وظننت ان قد رقدت وخشیت ان تستوحشی فامرنی ان اتی اھل البقیع فاستغفرلہم۔[2]

ترجمہ۔ جب تو نے مجھے دیکھا جبرئیل علیہ السلام میرے پاس آئے۔ انہوں نے مجھے آواز دی اور اسے تجھ سے چھپایا اور وہ نہیں آتے جب تو نے دن کے کپڑے اُتار رکھے ہوں پھر جواب دیا میں نے وہ بھی آپ سے میں نے مخفی رکھا اور میں نے گمان کیا شاید تم سو چکی ہو اور جگانا مناسب نہ سمجھا اور مجھے خوف تھا کہ آپ وحشت محسوس کریں گی۔ پس پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں جنت البقیع میں جا کر ان کے لیے استغفار کروں۔

---

[1] نسائی شریف جلد ۲ صفحہ ۲۹۶ [2] نسائی شریف جلد ۲ صفحہ ۹۸ یہ شب برات کا واقعہ ہے۔

ذخیرۂ حدیث میں ایسی روایات بہت ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ رب العزت کا نام لے کر کوئی بات کہی اور وہ بات ہم درجہ تلاوت میں نہیں پاتے۔ اس غیر متلو کلام الہی پر محدثین رحمہم اللہ اجمعین کی بے شمار شہادتیں موجود ہیں چند روایات اس قبیل کی بھی سن لیں۔

حضرت امام مالکؒ کی شہادت

عن معاذ بن جبل قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فیّ والمتجالسین فیّ والمتباذلین فیّ رواہ مالک باسناد صحیح[1]

ترجمہ۔ حضورؐ کہتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا جو میرے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں اور میرے لیے ایک دوسرے سے مل کر بیٹھیں اور میری راہ میں وہ مل کر خرچ کریں۔ میری محبت ان کے لیے واجب ہوگئی۔

یہ کلام باری تعالیٰ وجبت محبتی للمتحابین فیّ ..... الخ قرآن مجید میں نہیں ہے۔ معلوم ہوا قرآن کریم کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ حضورؐ سے کلام فرماتے رہے ہیں۔

حضرت امام محمدؒ کی شہادت

عن عبد اللہ بن عمرؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سمع عمر بن الخطابؓ وھو یقول لا وأبی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ ینھاکم ان تحلفوا بآبائکم فمن کان حالفاً فلیحلف باللہ ثم لیبرر او لیصمت قال محمد وبھذا ناخذ لا ینبغی لاحد ان یحلف بابیہ فمن کان حالفاً فلیحلف باللہ[2]

ترجمہ۔ حضورؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ اس سے منع کرتا ہے کہ تم اپنے ماں باپ کی قسمیں کھاؤ جس کو قسم کھانی ہو سو وہ خدا کے نام کی قسم کھائے پھر نیکی کرے یا

---

[1] الترغیب جلد ۲ صفحہ ۳۲۵ جلد ۴ صفحہ ۱۸ [2] مؤطا امام محمد صفحہ ۳۲۵

خاموش رہے۔

یہ حکم خداوندی قرآن کریم میں کہاں ہے؟ یہ صریح بات قرآن کریم میں کہیں نہیں۔

حضرت امام احمدؒ کی شہادت

۱۔ قال النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اللّٰہ عزوجل یا ابن آدم قم الی امش الیک رواہ احمد باسناد صحیح۔[۱]

ترجمہ۔ حضورؐ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابن آدم تو میرے لیے کھڑا ہو میں چل کر تیری طرف آؤں گا۔ تو چل کر میری طرف آئے تو میں دوڑ کر تیری طرف آؤں گا۔

یہ بھی پتہ چلا کہ غیر متلو کلام الٰہی میں کبھی بنی آدم سے بھی خطاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں یا بنی آدم سے کئی آیات کی ابتداء ہوئی ہے۔

۲۔ عن العرباض بن ساریۃ قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال اللّٰہ عزوجل المتحابون بجلالی فی ظل عرشی یوم لا ظل الا ظلی ـــــ رواہ احمد باسناد جید۔[۲]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرا جلال چاہنے والے میرے عرش کے سایہ تلے ہوں گے جس دن میرے سایہ رحمت کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہوگا۔

۳۔ قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم یقول اللّٰہ تعالیٰ یا عبادی کلکم ضال الا من ہدیتہ فاستہدونی اہدکم یا عبادی کلکم جائع الا من اطعمتہ فاستطعمونی اطعمکم یا عبادی کلکم عار الا من کسوتہ فاستکسونی یا عبادی انکم تخطئون باللیل والنہار وانا اغفر الذنوب جمیعًا فاستغفرونی اغفرلکم وکلکم فقراء الا من اغنیت فاسئلونی ارزقکم وکلکم مذنب الا من عافیت فمن علم منکم انی ذو قدرۃ علی المغفرۃ فاستغفرنی غفرت لہ

---

[۱] الترغیب جلد ۴ صـ۱۰۹ [۲] ایضًا صـ۱۱

ولا یا لی ولو ان اوّلکم و آخرکم و حیکم ومیّتکم و رطبکم و یابسکم اجتمعوا علیٰ اشقیٰ قلب عبد من عبادی ما نقص ذلک فی ملکی جناح بعوضة ولو ان اولکم و آخرکم وحیکم و میتکم و رطبکم و یابسکم اجتمعوا فی صعید واحد فسأل کل انسان منکم ما بلغت امنیته فاعطیت کل سائل منکم ما نقص ذلک من ملکی الا کما لو ان احدکم مرّ بالبحر فغمس فیہ ابرۃ ثم رفعہا ذلک بأنی جواد ماجد افعل ما ارید ۔ عطائی کلام وعذابی کلام انما امری لشیٔ اذا اردت ان اقول لہ کن فیکون ۔ رواہ احمد۔[1]

ترجمہ: حضورؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کہا۔ اے میرے بندو تم سب بھٹکے ہو سوائے ان کے جنہیں میں ہدایت دوں۔ ہدایت مجھی سے مانگو۔ میں تمہیں راہ بتاؤں گا تم سب محتاج ہو سوائے ان کے جنہیں میں غنی کر دوں مجھ سے مانگو رزق میں تمہیں دوں گا۔ تم سب گناہگار ہو سوائے ان کے جنہیں میں بچا لوں۔۔۔ تم میں سے جو کوئی جانے کہ میں بخشنے پر قادر ہوں پھر وہ مجھ سے بخشش مانگے میں نے اسے بخش دیا اور مجھے پرواہ نہیں۔۔۔ تمہارے پہلے پچھلے زندہ۔ فوت شدہ۔ جوان بوڑھے سب بندوں کے بدبخت ترین درجے میں آجائیں تو میری بادشاہی سے مچھر کے پَر برابر کمی نہ ہوگی اور اگر تمہارے پہلے پچھلے زندہ و فوت شدہ جوان۔ بوڑھے ایک جگہ جمع ہوں اور تم میں سے ہر انسان اتنا مانگے جہاں تک اس کی امید ہو سکتی ہے اور میں تم میں سے ہر سائل کو اتنا دے دوں میری بادشاہی میں کچھ کمی نہیں ہوگی۔ مگر ایسی کہ تم میں سے کوئی دریا کے پاس سے گزرے اس میں سوئی ڈبوئے اور پھر اسے نکال لے (اس پر کتنا پانی آئے گا؟)۔۔۔ میں سخی ہوں بزرگیوں کا، مالک ہوں جو چاہے کروں (کوئی مجھے روکنے والا نہیں) میرا دینا بھی صرف بات ہے اور پکڑنا بھی محض ایک بات ۔۔۔ جب چاہوں کہ کچھ ہو تو اسے کن کہتا ہوں اور وہ چیز موجود ہو جاتی ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۱۹ مشکوٰۃ صفحہ ۲۰۵ ترجمہ مشکوٰۃ کی روایت کے مطابق کیا گیا ہے۔

۴۔ عن ابی امامۃ قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ بعثنی رحمۃ للعالمین و ھدے للعالمین و امرنی ربی بمحق المعازف و المزامیر و الاوثان و الصلب و امر الجاھلیۃ وحلف ربی عزوجل بعزتی لایشرب عبد من عبیدی جرعۃ من خمر الا سقیتہ من الصدید مثلھا و لا یترکھا من مخافتی الا سقیتہ من حیاض القدس رواہ احمد[1]

ترجمہ: حضورؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مجھے رحمۃ للعالمین اور تمام جہانوں کا مرکزِ ہدایت بنایا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں معازف و مزامیر، بُت اور صلیب اور جاہلیت کی ہر بات کو ختم کروں۔ میرے رب نے اپنے جلال کی قسم سے کہا ہے کہ کوئی بندہ جو شراب کا ایک گھونٹ پیئے اسے اتنی پیپ پینی ہو گی اور جو میرے ڈر سے اسے چھوڑے میں اسے حوضِ قدس سے پانی پلاؤں گا۔

۵۔ فرمانِ الٰہی: ان احب عبادی الی اعجلھم فطرًا رواہ احمد[2]

ترجمہ: محبت میں میرے زیادہ قریب وہ ہے جو روزہ افطار کرنے میں جلدی کرے۔

حضرت امام بخاریؒ کی شہادت

۱۔ عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال یقول اللہ عزوجل اذا اراد عبدی ان یعمل سیئۃ فلا تکتبوھا علیہ حتٰی یعملھا فان عملھا فاکتبوھا بمثلھا و ان ترکھا من اجلی فاکتبوھا لہ حسنۃ رواہ البخاری و مسلم[3]

ترجمہ: حضورؐ نے بتایا اللہ تعالیٰ (فرشتوں سے) فرماتے ہیں جب میرا بندہ کسی بُرائی کا ارادہ کرے اسے اس کے نام نہ لکھو جب تک وہ اس پر عمل نہ کر گزرے اگر وہ اسے کر پائے تو اسے اتنا ہی لکھو جتنا اس نے کیا ۔۔۔ اور اگر اس نے

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۳۱۸ [2] الترغیب جلد ۲ صفحہ ۱۴۰ [3] الترغیب جلد ۴ صفحہ ۲۶۱

اسے میری خاطر چھوڑ دیا تو اس کی ایک نیکی لکھ دو۔

۲۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عزوجل اذا احب عبدی لقائی احببت لقاءہ واذا کرہ لقائی کرھت لقاءہ رواہ البخاری[۱]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں جب میرا بندہ مجھ سے ملنا چاہے تو میں بھی اس سے ملنا پسند کرتا ہوں اور جب وہ میرے پاس آنا ناپسند کرے تو میں بھی اسے ملنا نہیں چاہتا۔

۳۔ عن ابی ھریرۃ رض قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ عزوجل ومن اظلم ممن ذھب یخلق کخلقی فلیخلقوا ذرۃً ولیخلقوا حبۃً ولیخلقوا شعیرۃً رواہ البخاری[۲]

ترجمہ۔ حضورؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس سے زیادہ ظالم کون ہوگا۔ جو میری طرح چیزیں بنانے کے درپے ہو۔ یہ ایک ذرہ تو پیدا کر دکھائیں۔ ایک دانہ تو پیدا کریں ایک جو ہی بنا دیں۔

۴۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عزوجل اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر رواہ البخاری[۳]

ترجمہ۔ آنحضرت نے کہا اللہ تعالیٰ کہتے ہیں میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے وہ کچھ تیار کیا ہے جو نہ کسی آنکھ نے دیکھا نہ کسی کان نے سُنا، نہ کسی انسان نے اسے سوچا۔

۵۔ عن النبی قال اللہ تعالیٰ ثلثۃ انا خصمھم یوم القیٰمۃ ومن کنت خصمہ خصمتہ (۱) رجل اعطی بی ثم غدر و (۲) رجل باع حرًا فاکل ثمنہ و (۳) رجل استاجر اجیرًا فاستوفیٰ منہ ولم یعطہ اجرہ۔ رواہ البخاری وابن ماجہ[۴]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ نے کہا۔ تین قسم کے لوگ ہیں میرا قیامت کے دن ان سے جھگڑا ہوگا اور جس سے میرا جھگڑا ہو میں اسے سمجھوں گا۔

---

۱ الترغیب جلد ۴ صـ ۲۳۵ ۲ ایضاً صـ ۴۴ ۳ ایضاً صـ ۵۵ ۴ الترغیب جلد ۳ صـ ۲۳، صـ ۲۳ جلد ۴ صـ ۱

۱. پہلا وہ جس نے میرے ساتھ کوئی عہد باندھا پھر اسے توڑا۔ ۲. دوسرا جس نے کسی آزاد شخص کو بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔ ۳. تیسرا وہ جس نے کوئی مزدور لیا اس سے تو اس نے پورا کام لیا لیکن اسے اس نے مزدوری نہ دی۔

امام مسلمؒ کی شہادت

صحیح بخاری کی مذکورہ روایات بیشتر صحیح مسلم میں بھی ہیں۔ تاہم کچھ روایات ہم صحیح مسلم سے بھی پیش کرتے ہیں۔

۱. قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الم تروا الی ما قال ربکم عز وجل قال ما انعمت علی عبادی من نعمۃ الا اصبح فریق منھم بھا کافرین یقولون الکوکب وبالکواکب[۱]

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا تم نے نہیں دیکھا تمہارے رب نے کیا کہا ہے۔ فرمایا میں نے اپنے بندوں کو جب بھی کوئی نعمت دی تو کچھ لوگ اس سے کافر ہی ہوگئے۔ کہنے لگے ستارہ ہی ایسا تھا۔

۲. عن ابی ذرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یروی عن اللہ تبارک و تعالیٰ انہ قال یا عبادی انی حرمت الظلم علی نفسی وجعلتہ بینکم محرما فلا تظالموا[۲]

ترجمہ۔ ابوذر غفاریؓ کہتے ہیں حضورؐ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے میرے بندو! میں نے ظلم اپنے اوپر حرام کر دیا ہے میں کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ تم بھی کسی پر ظلم نہ کرو۔

۳. عن جندبؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حدث ان رجلا قال واللہ لا یغفر اللہ لفلان وان اللہ تعالیٰ قال من ذا الذی یتألی علی انی لا اغفر لفلان فانی قد غفرت لفلان واحبطت عملک۔ رواہ مسلم[۳]

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۵۹ [۲] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۱۹ مشکوٰۃ ص ۲۰۳ الترغیب جلد ۲ ص ۲۷۶ جلد ۳ ص ۱۸۳ [۳] مشکوٰۃ ص ۲۰۴

ترجمہ۔ ایک شخص نے ایک دفعہ ایک شخص کے بارے میں کہا بخدا اللہ اسے بخشے گا نہیں ـــ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کون ہے جو مجھ پر قسم باندھتا ہے کہ میں فلاں کو نہ بخشوں گا ـــ (سن لے) میں نے اسے بخش دیا اور تیرے اعمال ضائع کر دیئے۔

امام ابو داؤد رح کی شہادت

۱۔ عن عبدالرحمٰن بن عوفؓ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قال اللہ عز وجل انا اللہ وانا الرحمٰن خلقت الرحم و شققت لھا اسمًا من اسمی فمن وصلھا وصلتہ ومن قطعھا قطعتہ۔[۱]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے میں خدا ہوں میں رحمٰن ہوں میں نے رحم پیدا کیا۔ میں نے اپنے نام سے اسے نام دیا جو صلہ رحمی کرے گا میں اسے جوڑوں گا جو قطع رحمی کرے گا میں اسے قطع کروں گا۔

۲۔ عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اللہ عز وجل یؤذینی ابن اٰدم یقول یا خیبۃ الدھر فلا یقل احدکم یا خیبۃ الدھر فانی انا الدھر اقلب لیلہ ونھارہ۔ رواہ ابو داؤد۔[۲]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ابن آدم جب زمانے کو کوستا ہے تو مجھے اذیت دیتا ہے ـــ تم میں سے کوئی ایسا نہ کہے اے زمانے تیرا بُرا ہو۔ زمانہ میں ہوں (وہ میرے ہاتھ میں ہے) میں اس کے دن رات لاتا ہوں (اسے گردش دیتا ہوں)۔

امام نسائی رح کی شہادت

عن ابن عمرؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیما یحکی عن ربہ قال ایما عبد من عبادی خرج مجاھدًا فی سبیلی ابتغاء مرضاتی ضمنت لہ ان رجعتہ

---

[۱] الترغیب جلد ۳ صفحہ ۳۳۸ [۲] ایضًا صفحہ ۴۸ [۳] الترغیب جلد ۳ صفحہ ۲۷۱

ارجعه بما اصاب من اجر و غنیمة و ان قبضته غفرت له۔[۱]

ترجمہ۔ حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے وہ اسے حضورؐ سے روایت کرتے ہیں آپ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے کہا میرے بندوں سے جو بندہ میری راہ میں جہاد کے لیے نکلا۔ میں ضامن ہوں کہ اگر اسے واپس لوٹاؤں تو اجر و غنیمت کے ساتھ اسے لوٹاؤں اور اگر اسے قبض کرلوں تو اسے بخش دوں۔

امام ترمذیؒ کی شہادت

۱۔ عن انس قال النبی صلی اللہ علیه وسلم یقول اللہ عز وجل اخرجوا من النار من ذکرنی یوماً او خافنی فی مقام رواہ الترمذی۔[۲]

ترجمہ۔ حضور کہتے ہیں اللہ عزوجل (فرشتوں سے) کہیں گے جو کبھی بھی مجھ سے ڈرا۔ اور جس نے مجھے ایک دن بھی یاد کیا اسے آگ سے نکال لو۔

۲۔ عن انس بن مالکؓ قال سمعت رسول اللہؐ یقول ان اللہ عز وجل یقول انا عند ظن عبدی بی و انا معه اذا دعانی۔ رواہ الترمذی۔[۳]

ترجمہ۔ حضورؐ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ میں اپنے بندوں کے یقین کے مطابق ہوتا ہوں جب وہ مجھے بلائے میں اس کے ساتھ ہوں۔

۳۔ عن انس بن مالکؓ قال سمعت رسول اللہؐ یقول قال اللہ تعالیٰ یا ابن آدم انک ما دعوتنی و رجوتنی غفرت لک علی ما کان منک ولا ابالی۔۔۔۔ الحدیث رواہ الترمذی[۴]

ترجمہ۔ آنحضرتؐ نے کہا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارے اور مجھ سے امیدیں باندھے تیرے جتنے اور جیسے گناہ بھی ہوں میں نے بخش دیئے اور مجھے کسی کی پرواہ نہیں۔

امام ابن ماجہ قزوینیؒ کی شہادت

---

۱ الترغیب جلد ۲ ص۲۷۱ ۲ الترغیب جلد ۴ ص۲۲۱ ۳ ایضاً جلد ۲ ص۴۷۷ جلد ۴ ص۲۲۹ ۴ ایضاً جلد ۲ ص۴۰۸

۱۔ عن ابی ھریرۃؓ قال ولا اعلمہ الا قد رفعہ قال یقول اللہ سبحانہ یا ابن آدم تفرغ لعبادتی املاء صدرک غنیً و اسد فقرک و ان لم تفعل ملأت صدرک شغلاً و لم اسد فقرک۔[۱]

ترجمہ۔ جہاں تک مجھے علم ہے حضرت ابوہریرہؓ اسے حضورؐ سے روایت کرتے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابن آدم اکچھ وقت میری یاد کے لیے نکال۔ میں تیرا سینہ غنا سے بھر دوں گا۔ محتاجگی کو تجھ سے روکوں گا اور اگر تو میری یاد سے غافل رہا تو میں تیرا سینہ مصروفیتوں سے بھر دوں گا اور تجھے محتاج ہونے سے نہ بچاؤنگا۔

۲۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ سبحانہ الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری من نازعنی واحداً منھما القیتہ فی جھنم۔[۲]

ترجمہ۔ حضورؐ کہتے ہیں اللہ سبحانہ نے فرمایا بڑائی میری چادر ہے اور عظمت میرا لباس ہے جو کوئی مجھ سے ان میں سے کوئی چھینے گا۔ بڑائی کا دعوے کرے گا۔ میں اسے جہنم میں پہنچاؤں گا۔

۳۔ عن النبیؐ قال ان اللہ عزوجل یقول انا مع عبدی اذا ھو ذکرنی و تحرکت بی شفتاہ۔ رواہ ابن ماجہ۔[۳]

ترجمہ۔ حضورؐ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں اپنے بندے کے ساتھ ہوں جب اس نے مجھے یاد کیا اور میری یاد میں اس کے دو ہونٹ کھلے۔

امام طبرانیؒ کی شہادت

۱۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فیما یروی عن ربہ عزوجل انہ یقول یا ابن آدم افرغ من کنزک عندی ولا حرق ولا غرق ولا سرق اوفیکہ احوج ما تکون الیہ رواہ الطبرانی۔[۴]

ترجمہ۔ حضورؐ اپنے رب سے روایت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے ابن آدم

---

[۱] سنن ابن ماجہ صہ ۳۱۲ باب الھم بالدنیا [۲] ایضاً صہ ۳۰۸ باب البرأۃ من الکبر والتواضع [۳] ایضاً صہ ۲۷۹ [۴] الترغیب جلد ۲ صہ ۱۸۱

اپنے خزانے سے کچھ میرے پاس بھی جمع کرا، یہ مال نہ جلے گا، نہ ڈوبے گا، نہ چوری ہو گا میں اسے تجھے پورا دوں گا جتنی بھی تجھے اس کی ضرورت ہو۔

۲۔ قال رسول اللہ ﷺ قال اللہ جل ذکرہ لا یذکرنی عبد فی نفسہ الا ذکرتہ فی ملأ من ملائکتی ولا یذکرنی فی ملاء الا ذکرتہ فی الملاء الاعلیٰ رواہ الطبرانی باسناد حسن[1]

ترجمہ: حضورؐ کہتے ہیں اللہ عزوجل نے فرمایا جب کوئی بندہ مجھے اپنے جی میں یاد کرتا ہے میں اس کا اپنے فرشتوں میں تذکرہ کرتا ہوں اور جو کوئی لوگوں میں مجھے یاد کرتا ہے میں اسے ملاء اعلیٰ میں یاد کرتا ہوں۔

۳۔ عن النبی ﷺ قال ان اللہ یقول یا ابن آدم انک اذا ذکرتنی شکرتنی واذا نسیتنی کفرتنی۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط[2]

ترجمہ: نبی کریمؐ سے مروی ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اے ابن آدم! جب تو نے مجھے یاد کیا تو نے میرا شکر ادا کیا اور جب تو نے مجھے بھلا دیا تو تو نے ناشکری کی۔

ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) دارمی (۲۵۵ھ) حافظ البزار (۲۹۲ھ) ابو یعلیٰ (۳۰۷ھ) حافظ ابوالشیخ (۳۶۹ھ) ابن حبان (۳۵۴ھ) حاکم (۴۰۵ھ) البیہقی (۴۵۸ھ) ابونعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) اور ابوالحسن رزین (۵۲۵ھ) کی ایسی روایات جن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا تعالیٰ کا نام لے اس کی باتیں کہیں سینکڑوں تک پہنچی ہیں اور محدثین نے ایسی روایات کو ایسی کثرت وفور اور اعتماد سے نقل کیا ہے کہ اس میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ اللہ رب العزت حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وحی متلو کے علاوہ بھی بارہا ہمکلام ہوئے۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کا نام لے کر کوئی دین کی بات بتائیں یا اس کا نام لیے بغیر کوئی دینی ارشاد فرمائیں، کوئی حقیقت کھولیں، کوئی اسرار شاد فرمائیں یا نہیں۔ آپ کی ہر بات کا مبدء فیض اللہ رب العزت کی ذات ہے اور وہی منبع فیض ہے جس سے رشد و رسالت کے چشمے پھوٹتے ہیں۔

ایک اہم سوال اور اس کا جواب

---

[1] الترغیب جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ [2] ایضاً صفحہ ۴۱

اس وحی غیر متلو میں کیا اوامر ونواہی کا سلسلہ بھی تھا یا ان میں فقط دین کی اسرار و رموز اور قرآن کریم کی تائید وتفصیل ہی کی اشاعت رہی ؟ جواب اثبات میں ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوامر ونواہی اسی وحی غیر متلو سے بھی ترتیب پاتے تھے۔ وحی غیر متلو کے لیے کئی جگہ امرنی ربی (مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے) وغیرہ کے الفاظ ملتے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ حکم خدا حکم خدا ہے خواہ اس کی تلاوت جاری ہو۔ خواہ اس کا فقط حکم چلے۔

امرنی ربی وغیرہ کے الفاظ

۱۔ عن عیاض بن حمار المجاشعی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال ذات یوم فی خطبتہ الا ان ربی امرنی ان اعلمکم ما جہلتم مما علمنی یومی ھذا۔[۱]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ مطلع رہو مجھے میرے رب نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس بات کی خبر دوں جس سے تم ناواقف تھے۔ مجھے آج میرے رب نے وہ بتائی ہیں ..... الحدیث

۲۔ عن انس قال کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا توضأ اخذ کفاً من ماء فادخلہ تحت حنکہ فخلل بہ لحیتہ وقال ھکذا امرنی ربی۔ رواہ ابوداؤد۔[۲]

ترجمہ: حضور جب وضو فرماتے تو پانی کا ایک چلو لیتے اسے اپنی ٹھوڑی کے نیچے لاکر اس سے ڈاڑھی کا خلال کرتے۔ آپ نے فرمایا مجھے اس طرح کرنے کا میرے رب نے حکم دیا ہے۔

۳۔ عن ابی امامۃ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم امرنی ربی بمحق المعازف والمزامیر والاوثان والصلب وامر الجاھلیۃ۔ رواہ احمد۔[۳]

ترجمہ: مجھے میرے رب نے گانے بجانے کی چیزوں، آلات ساز، بتوں صلیبوں اور جاہلیت کی باتوں کو مٹانے کا حکم دیا ہے۔

---

[۱] رواہ مسلم و مشکوٰۃ صفحہ ۴۲۰ [۲] مشکوٰۃ صفحہ ۴۶ وکذلک عن ابن عباس رواہ الطبرانی فی الاوسط (شرح نقایہ صفحہ ۳) [۳] مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۰

۴. ان اللہ تعالیٰ امرنی ان ازوج فاطمۃ من علی[1]

ترجمہ: بے شک میرے رب نے مجھے کہا ہے کہ فاطمہؓ کی شادی علی سے کروں۔

۵. ان اللہ امرنی ان اسمی المدینۃ طیبۃ[2]

ترجمہ: بے شک مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ مدینہ کو طیبہ کا نام دوں۔

۶. ان اللہ تعالیٰ امرنی بمداراۃ الناس کما امرنی باقامۃ الفرائض[3]

ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ نے اس تاکید سے لوگوں کی مدارات کا حکم دیا ہے۔ جیسے اس نے مجھے فرائض قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔

۷. ان اللہ امرنی ان اعلمکم مما علمنی وان اؤدبکم اذا قمتم علیٰ ابواب حجرکم فاذکروا اسم اللہ یرجع الخبیث عن منازلکم[4]

ترجمہ: مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں وہ کچھ بتلاؤں جو مجھے میرے خدا نے بتلایا اور تمہیں آداب زندگی سکھاؤں۔ جب تم اپنے گھروں کے دروازوں پر پہنچو تو اللہ کا نام لو تمہارے گھروں سے خبیث روح چلی جائے گی۔

۸. عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لابی بن کعب ان اللہ امرنی ان اقرأ علیک القرآن قال اللہ سمانی لک قال نعم وقد ذکرت عند رب العالمین قال نعم فذرفت عیناہ ..... متفق علیہ[5]

ترجمہ: حضرت انسؓ کہتے ہیں حضورؐ نے حضرت ابی بن کعبؓ سے فرمایا۔ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں قرآن پڑھ کر سناؤں۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا۔ کیا خدا نے میرا نام لیا ہے؟ آپ نے فرمایا۔ ہاں۔ انہوں نے کہا تو میں رب العالمین کے حضور مذکور ہوا۔ فرمایا ہاں۔ حضرت ابیؓ کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے۔

اور بھی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ اللہ رب العزت وحی متلو (قرآن کریم) کے علاوہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمکلام ہوئے۔ آپ نے خداوند تعالیٰ سے صرف قرآن کریم ہی نقل نہیں کیا آپ نے خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت سی احادیث بھی بیان کیں۔ آپ خود ارشاد فرماتے ہیں:

---

[1] جامع صغیر امام سیوطی جلد ا صفحہ ۱۴ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ایضاً [5] مشکوٰۃ صفحہ ۱۹۱

اذا حدثتکم عن اللہ شیئاً فخذوا بہ فانی لن اکذب علی اللہ عز وجل[1]

ترجمہ: جب میں تمہارے سامنے خدا سے کوئی بات (حدیث) نقل کروں تو اسے لے لیا کرو۔ میں خدائے عزوجل پر کوئی غلط بات نہیں کہتا۔

آپ کو طبعاً اگر کوئی چیز ناپسند ہوتی۔ آپ نے اس سے اجتناب فرمایا تو صاف کہا میرا یہ طبعی تقاضا ہے۔ خدا کے دین میں یہ حرام نہیں ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

ایہا الناس انہ لیس لی تحریم ما احل اللہ لی ولکنہا شجرۃ اکرہ ریحہا[2] وکما قال۔

ترجمہ۔ اے لوگو! مجھے اس چیز کے حرام کرنے کا اختیار نہیں جسے اللہ نے حلال کیا ہے لیکن یہ ایک ایسی سبزی ہے جس کی بو مجھے ناپسند ہے (اس لیے میں اسے نہیں کھاتا۔

اس حدیث میں آپ نے خدا کی بات لفظ حدیث (حدثتکم) سے نقل کی ہے۔ سو اس میں کوئی شک نہیں کہ حدیث کا مبدء بھی اللہ رب العزت ہیں اور اس سے حضور کی زبان اور عمل پر یہ فیضان جاری ہوا ہے۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صـ۲۶۴ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صـ۲۰۹ مسند ابی عوانہ جلد ۱ صـ۴۱۲

اخبار الحدیث

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ، اما بعد

حدیث کا منبع و مصدر

قرآن کریم اللہ کا کلام ہے اور اس کا منبع و مصدر ذاتِ الٰہی ہے۔ حدیث شریف وحی متلو (جس کی پہلے سے تلاوت ہوئی ہو) تو نہیں لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح اور قطعی ہے کہ اس کا منبع و مصدر بھی اللہ رب العزت ہی کی ذات ہے، مقامِ حدیث میں یہ بات آچکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ ارشادات میں القاء ربانی (divine Revelation.) کارفرما رہا ہے اور آپ جب بھی دین کی کوئی بات کہتے وہ خدا کی طرف سے ہی تھی، وحی متلو (قرآن پاک) ہو یا وحی غیر متلو (حدیث شریف) دونوں خدا کی طرف سے ہیں اور اللہ ہی کے اذن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نطق و عمل وجود پاتا رہا۔ دین کے باب میں آپ جو کچھ فرماتے یا کرتے اس کے پیچھے ہدایتِ ربانی اور نور آسمانی کارفرما رہتے اور وہی روشنی آپ کے بعد قیامت تک کے لئے جملہ انسانی قافلوں کی رہنما ہے۔ نبوت ملی ختم ہوچکی ہے اور نزولِ جبرئیل بہ پیرایہ رسالت ہمیشہ کے لئے بند ہے۔

نبی کے لغوی معنی

نبی نَبْوَۃٌ مَنَبَاوَۃٌ اور نُبُوَّۃٌ (height) سے مشتق ہے جس کے معنیٰ بلند وبالا (elevated) کے ہیں۔ نبی قوم میں سے سب سے اونچے درجے کا فرد ہوتا ہے درجہ ومقام اور عظمت وشان میں کوئی اس کے برابر نہیں ہوتا۔ اس لئے اسے نبی کہتے ہیں، البتہ اسے نَبِیْءٌ کہا جائے تو یہ مَنَبَاءٌ (بمعنی خبر) سے مشتق ہوگا یعنی خبریں پانے والا، سو جو شخص خدا تعالیٰ کی طرف سے خبریں پائے اور ان خبروں میں قطع ویقین ہو ظن وتخمین نہ ہو تو اس خبر یافتہ کو نبیءٌ (مہموز اللام) کہیں گے۔ ملا علی قاریؒ کی رائے میں نبیؐ کو ہمزہ سے بولنا زیادہ اچھا ہے، لانہ مخبر من جھۃ اللہ تعالیٰ بما لا یخبر بہ غیرہ[1]، کیونکہ نبی کو حق تعالیٰ کی جانب سے ان چیزوں کی خبر دیجاتی ہے جن کی خبر اوروں کو نہیں دیجاتی بعض روایات میں اس کے مہموز ہونے پر انکار ہے سو پہلے معنی زیادہ مناسب ہیں۔

انبیاءؑ کی خبروں میں سچائی کا پہلو

جملہ انبیاء کرامؑ اللہ تعالیٰ سے حسب ضرورت ومصلحت غیب کی خبریں پاتے رہے اور یہ وہ خبریں ہوتی تھیں جن تک

---

[1] ملا علی علی متن الشاطبیہ ص۱۷۶ ، ابراز المعانی ص۲۳۳ مطبوعہ مصر

عام انسانی حواس رسائی نہ پا سکتے تھے اور بیشک یہ وہ بات ہے جسمیں نبی دوسرے انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے اور اسمیں نبوت کا اعجاز ہے۔ دیگر خصائص اس کے علاوہ ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے سامنے چند عملی معجزے دکھائے تو غیبی خبریں دینے کا یہ علمی معجزہ بھی پیش کیا:۔

وَ اُنَبِّئُکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوۡنَ وَ مَا تَدَّخِرُوۡنَ ۙ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لَّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ مُّؤۡمِنِیۡنَ ﴿ۚ﴾ (پ۳ سورۃ آل عمران ع۵)	اور میں بتلا دیتا ہوں تمہیں جو تم کھا کر آتے ہو اور جو اپنے گھروں میں رکھ آتے ہو اسمیں تمہارے لئے (میرے خدا کیطرف سے ہونے کا پورا نشان ہے اگر تم یقین رکھتے ہو۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں:۔

"یعنی بعض مغیبات ماضیہ و مستقبلہ پر تم کو مطلع کرتا ہوں عملی معجزات کے بعد ایک علمی معجزہ کا ذکر کر دیا[۱]

انبیاء کرام کو غیبی خبروں سے نوازنا ہمیشہ سے سنّتِ الٰہی رہی ہے نبوّت کا اعجاز ہے کہ نبی غائبات کی یقینی خبر دیں اور وہ بالکل اسی طرح واقع ہو جیسا کہ انہوں نے بتایا ہو امام مالکؒ نے مؤطا میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں بھی اس قسم کا دعویٰ کیا ہے کہ آپ نے جس بات کی خبر دی واقعہ اسی کے مطابق ظہور میں آیا۔

بَابُ مَا اَکْرَمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِاَخْبَارِ الْمُغِیْبَاتِ فَکَانَ کَمَا اَخْبَرَ[۲]	"یہ باب اس بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی خبروں سے عزت بخشی

اور واقع اسی طرح ہوا جس طرح اس کے ہونے کی آپؐ نے خبر دی تھی"

پھر امام مالکؒ نے اسمیں احادیث پیش کی ہیں اور بتایا ہے کہ آپؐ نے جو کچھ فرمایا تھا واقعات نے ان کی عملی تصدیق کر دی، اخبار الحدیث میں انشاء اللہ العزیز اس باب سے بھی روایات پیش کی جائیں گی۔ یہاں ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ انبیاء کی خبروں میں سچائی کا ہونا ساری اُمت میں مجمع علیہ ہے۔ محدّث شہیر حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ فرماتے ہیں:۔

والحاصل ان الامۃ کافۃ اذا اجمعت علی صدق اخبار الانبیاء فخلافہ بشیوع من الحیل والتمسک بالمحتملات کفر بحت ... [۳]	حاصل یہ ہے کہ جب تمام اُمت انبیاء کی خبروں کی سچائی پر اجماع کر چکی ہے تو اس کا خلاف کسی نوعیت سے ہو کسی حیلہ سے اور کسی احتمال سے تمسک کرتے ہوئے ہم ایک واضح کفر ہے۔

---

[۱] تفسیر عثمانی ص۷۳، [۲] مؤطا امام مالک جلد۲، [۳] فیض الباری جلد ۳ ص۹۔

علمِ غیب اور اظہارِ غیب میں فرق

عالم الغیب صرف خدا کی ذات ہے وہ اپنے غیب کا اظہار قطعی درجے میں اپنے رسولوں پر ہی کرتے ہیں وہ اظہارِ غیب سے سرفراز ہوتے ہیں یہ علم غیب نہیں اظہارِ غیب ہوتا ہے۔ عالم الغیب صرف خدا کی ذات ہے علم غیب اسی کے پاس ہے اور وہی اپنے مقربین پر غیب ظاہر فرماتا ہے:۔

عٰلِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ۔ پ۲۹، سورہ جن ع۲۔

جاننے والا بھید کا سو نہیں خبر دیتا اپنے بھید کی کسی کو مگر جو پسند کر لیا کسی رسول کو۔

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی بھی لکھتے ہیں:۔

پس مطلع نمی کند بر غیب خاص خود ہیچکس را مگر کسے را کہ پسند مے کند و آں کس رسول باشد خواہ از جنس ملک و خواہ از جنس بشر مثل حضرت محمد مصطفےٰ علیہ السلام او را اظہار بعضے از غیوب خاصہ خود مے فرماید[۱]

پس حق تعالیٰ شانہٗ اپنے غیب خاص پر اپنے پسندیدہ بندوں کے سوا کسی کو مطلع نہیں فرماتا۔ اور وہ پسندیدہ بندے اس کے رسول ہیں۔ خواہ جنس ملائک سے ہوں خواہ جنس بشر سے۔ جیسا کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم تھے اللہ تعالیٰ اپنے ان خاص بندوں پر بعض مغیبات خاصہ ظاہر فرماتے ہیں۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں کہ یہ استثناء منقطع ہے اور مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ سے لے کر سارا جملہ مستثنیٰ ہے:۔

والمعنی ان الاطلاع بهذه الصفة یختص بالانبیاء علیهم السلام والمراد منها القطع فالاطلاع علی سبیل القطع من خواص الانبیاء[۲]

خلاصہ یہ ہے کہ بایں طور اطلاع حضرات انبیاء علیہم السلام کا خاصہ ہے اور اس سے مراد قطع و یقین ہے۔ پس یقینی اطلاع خواص انبیاء میں سے ہی ہوگی۔

علمِ غیب خود جاننے ہی کو کہتے ہیں

مخلوق پر کوئی غیب کی بات کھلے تو کوئی عاقل اسے علم غیب نہیں کہتا اسے اس کے سبب نسبت کرتے ہیں ہر شخص یہی سمجھے گا کہ خدا کے بتلانے سے ایسا ہوا ہے علم غیب اپنے علم کو کہتے ہیں جو بات عالمِ بالا سے لوح قلب پر اترے اسے علم غیب نہیں کہتے وہ اس کا محض ایک عکس ہوتا ہے حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دھلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:۔

---

[۱] تفسیر عزیزی ص۱۷۳ [۲] (فیض الباری جلد ۳ ص۵۱۵)

الوجدان الصریح یحکم بان العبد عبد وان ترقی وان الرب رب وان تنزل وان العبد قط لا یتصف بالوجوب او بالصفات اللازمۃ للوجوب ولا یعلم الغیب الا ان ینطبع شیٔ فی لوح صدرہ ولیس ذلک علما بالغیب انما ذلک الذی یکون من ذاتہ ولا فالانبیاء والاولیاء یعلمون لا محالۃ بعض مایغیب عن العامۃ [له]

ترجمہ:۔ وجدان صریح بتلاتا ہے کہ بندہ کتنی روحانی ترقی کیوں نہ کر جائے بندہ ہی رہتا ہے اور رب اپنے بندوں کے کتنا قریب کیوں نہ ہو جائے وہ رب ہی رہے گا بندہ واجب الوجود کی صفات یا وجوب کی صفات لازمہ سے کبھی متصف نہیں ہوتا علم غیب وہ جانتا ہے جو از خود ہو (کسی دوسرے کے بتلانے سے نہ ہو) ورنہ انبیاء واولیاء یقیناً ایسی بہت سی باتیں جانتے ہیں جو دوسرے عام لوگوں کی رسائی میں نہ ہوں۔

پتہ چلا کہ غیب کی بات معلوم ہونے میں اگر کوئی اس کا بتلانے والا ہو تو اسے علم غیب نہیں کہتے نہ علم غیب کی کوئی عطائی قسم ہے بلکہ اسے خبر غیب کہا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے ارشاد فرماتے ہیں :۔

ذٰلک من انباء الغیب نوحیه الیک [۵۲] | یہ خبریں ہیں غیب کی ہم بھیجتے ہیں تیرے پاس۔

جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بھی صرف خبر غیب ہے علم غیب نہیں تو اور کون ہے جو علم غیب کا دعویٰ کرے۔ علم غیب صرف خدا کیلئے ہے جو ہر بات کو خود جانے۔ اس تفصیل سے علم غیب کے معنی معلوم ہو گئے کہ وہ اپنے طور پر کسی غیب کی بات کو جاننا ہے سو کسی مخلوق کے لئے خواہ وہ پیغمبر ہو یا کوئی فرشتہ یا کوئی جن، علم غیب کا دعویٰ بالکل غلط ہو گا —— علم کا لفظ جب غیب کی طرف مضاف ہو تو یہ اسی علم کے لئے آتا ہے جو اپنا ہو کسی کا عطاء کردہ نہ ہو۔ حضرت علامہ ابن عابدین الشامیؒ لکھتے ہیں :۔

ان علم الانبیاء والاولیاء انما هو باعلام من اللہ تعالیٰ لهم وعلمنا بذٰلک انما هو باعلامهم لنا وهذا غیر علم اللہ تعالیٰ الذی تفرد به وهو صفة من صفاته القدیمة الازلیة الدائمة الابدیة المنزهة عن التغییر وسمات الحدوث والنقص المشارکة والانقسام بل هو علم واحد علم به جمیع المعلومات کلیاتها وجزئیاتها ما کان منها وما یکون لیس بضروری ولا کسبی ولا حادث بخلاف علم سائر الخلق - اذ اتقرر ذٰلک فعلم اللہ المذکور هو الذی یمدح به و اخبر فی الاٰیتین المذکورتین بانه لا یشارکه فیه احد فلا یعلم الغیب الا هو وما سواه ان علموا جزئیات منه فهو باعلام

[له] تفہیمات الٰہیہ جلد ۱ صفحہ ۲۴۵ [۵۲] پ ۱۳ سورہ یوسف ع ۱۱

واطلاعه لهم وحينئذ لا يطلق انهم يعلمون الغيب اذ لا صفة لهم يقتدرون بها على الاستقلال بعلمه وايضاً هم ما علموا وانما علموا ؎۱

ترجمہ :- بیشک انبیاء واولیاء کا علم انہیں خدا تعالیٰ کے تبلانے سے ہوتا ہے اور ہمیں جو علم ہوتا ہے وہ انبیاء واولیاء کے تبلانے سے ہوتا ہے اور یہ علم اس علم خداوندی سے مختلف ہے جس کے ساتھ صرف ذات باری تعالیٰ متصف ہے، خدا تعالیٰ کا علم اس کی ان صفات قدیمہ ازلیہ دائمہ وابدیہ میں سے ایک صفت ہے جو تغیّر اور علاماتِ حدوث سے منزہ ہے اور کسی کی شرکت اور نقص انقسام سے بھی پاک ہے وہ علم واحد ہے جس سے خدا تعالیٰ تمام معلومات کلیہ وجزئیہ ماضیہ ومستقبلہ کو جانتا ہے نہ وہ بدیہی ہے نہ نظری اور نہ حادث، بخلاف تمام مخلوق کے علم کے کہ وہ بدیہی ونظری اور حادث ہے۔ جب یہ بات ثابت ہوگئی تو خدا تعالیٰ کا علم مذکور جس کے ساتھ وہ لائق ستائش ہے اور جس کی مذکورہ دو آیتوں میں خبر دی گئی ہے ایسا ہے کہ اس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ سو غیب صرف خدا تعالیٰ ہی جانتا ہے، خدا تعالیٰ کے علاوہ اگر بعض حضرات نے غیبی باتیں جانیں تو وہ خدا تعالیٰ کے تبلانے اور اطلاع دینے سے جانیں۔

اسلئے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ علم غیب رکھتے ہیں کیونکہ یہ ان کی کوئی ایسی صفت نہیں جس سے وہ مستقل طور پر کسی چیز کو جان لیا کریں، اور یہ بات بھی ہے کہ انہوں نے اسے خود نہیں جانا بلکہ انہیں یہ باتیں تبلائی گئی ہیں۔

علامہ شامیؒ کے اس بیان کے بعد کسی اور وضاحت کی ضرورت نہیں رہ جاتی۔ فقہاء کی بات آپ کے سامنے آچکی اب آیئے کتب عقائد میں بھی دیکھئے۔ شرح عقائد نسفی کی مشہور شرح النبراس میں ہے :-

والتحقيق ان الغيب ما غاب عن الحواس والعلم الضروری والعلم الاستدلالی وقد نطق القرآن بنفی علمه عمن سواه تعالیٰ فمن ادعی انه يعلمه كفر ومن صدق المدعی كفر واما علم بحاسته او ضرورة او دليل فليس بغيب ولا كفر فی دعواه ولا فی تصديقه على الجزم فی اليقينی والظن فی الظنی عند المحققين، وبهذا التحقيق اندفع الاشكال فی الامور التی يزعم انها من الغيب وليست منه لكونها مدركة بالسمع او البصر او الدليل فاحدها اخبار الانبياء لانها مستفادة من الوحی ومن خلق العلم الضروری فيهم او من انكشاف الكوائن على حواسهم النبراس على شرح العقائد ص۳۴۲

؎۱ مجموعہ رسالہ ابن عابدین شامیؒ جلد ۲ ص ۳۱۳ ان الله سبحانه تعالیٰ منفرد بعلم الغيب المطلق المتعلق بجميع المعلومات وانما يطلع رسله على بعض غيوبه المتعلق بالرسالة اطلاعاً جلياً واضحاً لا شك فيه بالوحی الصريح ص۳۱۴

"ترجمہ :۔ اور تحقیق یہ ہے کہ غیب وہ ہے جو ہمارے حواس اور علم بدیہی اور نظری سے غائب ہو، بیشک قرآن نے اللہ تعالیٰ کے علاوہ سب سے اس علم غیب کی نفی کی ہے، پس جو دعویٰ کرے کہ وہ علم غیب رکھتا ہے تو وہ کافر ہو جائیگا اور جو ایسے شخص کی تصدیق کرے وہ بھی کافر ہو جائے گا باقی جو علم حواس خمسہ میں سے کسی حاسہ (دیکھ کر یا سن کر یا چھو کر یا سونگھ کر یا چکھ کر) یا بداہت سے یا کسی دلیل سے حاصل ہو وہ غیب نہیں کہلاتا اور نہ محققین کے نزدیک ایسے علم کا دعویٰ کرنا کفر ہے اور نہ ایسے دعویٰ کی (یقینی امور میں یقین کے ساتھ اور ظنی امور میں ظن کے ساتھ) تصدیق کرنا کفر ہے۔ اس تحقیق سے ان امور سے متعلق اشکال رفع ہو گیا جن کے بارے میں گمان کیا جاتا ہے کہ وہ علم غیب میں سے ہیں حالانکہ وہ علم غیب میں سے نہیں۔ اس لئے کہ وہ سمع و بصر یا دلیل سے حاصل ہوئے ہیں۔ انہی امور میں سے اخبار انبیاء بھی ہیں۔ انبیاء علیہم السلام کی خبریں وحی سے مستفاد ہوتی ہیں یا نبیوں میں علم ضروری پیدا کر دیا جاتا ہے یا ان کے حواس پر حقائق کائنات کا انکشاف ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام اور اولیاء عظام سے جو بھی خبریں منقول ہیں وہ سب اللہ کے بتلانے سے تھیں اور یہ بھی نہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اپنے کسی مقرب بندے پر ایک ہی دفعہ غیب کے جملہ دروازے کھول دے کہ آئندہ اسے غیب کی بات جاننے میں کسی ذریعہ علم کا احتیاج نہ رہے بلکہ مختلف موقعوں پر حسب ضرورت اور تقاضائے مصلحت انہیں کچھ نہ کچھ اطلاع بخشی جاتی تھی۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھئے تیئیس سال میں وحی قرآنی نجماً نجماً اترتی رہی اور اس طرح وحی قرآنی کی تکمیل فرمائی گئی بالتدریج یہ سلسلہ وحی جاری رہا۔

کشف سے بھی غیبی امور کھلتے ہیں

پھر ایسے غیوب بھی تھے جن پر وحی کے ذریعہ نہیں کشف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع بخشی گئی، غزوہ موتہ میں اپنے تین جرنیلوں کی شہادت آپ نے کشف میں ہی دیکھی اور صحابہؓ کو اس کی اطلاع دیدی اور فوج ظفر موج کے واپس آنے پر پھر اس کی عملی تصدیق بھی ہو گئی، صحیح بخاری میں آپ کا یہ اطلاع دینا بڑی صراحت سے مذکور ہے ——— کشف کی یہ صورت صرف انبیاء سے ہی خاص نہ تھی مختلف اولیاء کو بھی کشف روحانی سے نوازا گیا۔ حجۃ الاسلام امام غزالیؒ (م ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں :۔

" وظهر ذلك على الصحابة والتابعين ومن بعدهم وقال ابو بكر الصديق رضي الله عنه لعائشة رضي الله عنها عند موته :۔ انما هما اخواك له واختاك، وكانت زوجته حاملا فولدت بنتاً فكان قد عرف قبل الولادة انها بنت ——— وقال عمرؓ في اثناء خطبته يا سارية الجبل اذ انكشف له ان العدو قد اشرف عليه فحذره لمعرفته ......

له مؤطا شرح المصفی جلد ۲ ص۲۹۱، المصنف لعبدالرزاق جلد ۳ ص۱۹۳ جلد ۲ ص۱۷۱ جلد ۔ ۱

ذلك ثم بلوغ صوته اليه من جملة الكرامات العظيمة ـــــ وعن انس بن مالك قال دخلت على عثمان ؓ ...... فقلت أوحيٌ بعد النبي صلى الله عليه وسلم ؟ فقال لا ولكن بصيرة وبرهان وفراسة صادقة۔ " احیاء علوم الدین ج ۳ ص ۲۳-۲۴

• اور یہ کشف حضرات صحابہؓ وتابعینؒ اور ان کے بعد کے لوگوں میں بھی ہوا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تیرے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اور حال یہ تھا کہ اس وقت آپکی بیوی حاملہ تھی ۔ بعد میں ان کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی۔ آپ کو قبل از ولادت علم ہو گیا کہ بیٹی پیدا ہو گی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دوران خطبہ فرمایا اے ساریہ پہاڑ کی طرف توجہ کر۔ جب آپ پر منکشف ہوا کہ دشمن حملہ آور ہے تو آپ نے حضرت ساریہؓ کو ڈرایا کہ آپ اس طرح جان بچکے تھے۔ پھر آپکی آواز کا حضرت ساریہؓ تک پہنچ جانا آپکی کراماتِ عظیمہ میں سے ہے ـــــ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد وحی ہے ؟ آپ نے فرمایا نہیں لیکن بصیرت فراست صادقہ اور برھان رہے گی۔

غیب کی ہر اطلاع تعلیم الٰہی سے ہی ہوگی

اسمیں کلام نہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقربین کو وہ انبیاء کرام ہوں یا اولیاء عظام وحی، الہام یا کشف سے غیبی امور پر اطلاع بخشتے ہیں، کوئی اُن میں سے کسی غیبی بات کو از خود نہیں جان سکتا نہ کسی کے پاس غیب جاننے کی کوئی کنجی ہے کہ جب چاہے از خود غیب کی بات جان لے۔

تعلیمِ الٰہی جملہ مواقع ضرورت میں کارفرما رہتی ہے۔ مولانا اسمٰعیل حقی نے بجا لکھا ہے :۔

وما روی عن الانبیاء والاولیاء من الاخبار عن الغیوب فبتعلیم الله تعالیٰ اما بطریق الالهام او الکشف ۔ ترجمہ :۔ انبیاء کرام واولیاء عظام سے جو بعض غیبی خبریں مروی ہیں خدا تعالیٰ ان کی وحی یا الہام یا کشف کے ذریعہ تعلیم فرماتے ہیں ۔" روح البیان

حضور پیغمبر خاتمؐ کی اخبار غیبیہ

جب جملہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ خبر خداوندی سے ہزاروں غیوب پر اطلاع پاتے رہے تو ظاہر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو پیغمبروں اور ولیوں کے سردار ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے لاکھوں کروڑوں غیوب پر اطلاع

اس باب میں علماء دیوبند کا عقیدہ خصوصیت سے لائق توجہ ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (م، ۱۲۹۷ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں :۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ علمت علم الاولین و الاٰخرین بشرطِ فہم اسی جانب

مشیر ہے - شرح اس معمہ کی یہ ہے کہ اس ارشاد سے ہر خاص و عام کو یہ بات واضح ہے کہ علوم اوّلین مثلاً اور ہیں اور علوم آخرین اور ـــــ لیکن یہ سب علوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں مجتمع ہیں ـــــ سو جیسے علم سمع اور ہے علم بصر اور ـــــ پر بایں ہمہ قوت عاقلہ اور نفس ناطقہ میں یہ سب علوم مجتمع ہیں ایسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور باقی انبیاء کو سمجھئے[1] رئیس المحدثین امام العصر حضرت علامہ انور شاہ کشمیری نے بھی فرمایا :-

فاعلم ان اللہ سبحانہ منّ علی نبیہ بالف الف غیوب لا یدری قدرھا الاھو[2]

ترجمہ: سو جان لو کہ اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر لاکھوں کروڑوں مغیبات ظاہر کرکے احسان فرمایا جنکی صحیح تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا"

اور فرماتے ہیں کہ کسی پیغمبر کو اتنے علوم نہ بخشے گئے جتنے آپ کو عطا فرمائے گئے اور یہ کہ آپ کا علم مبارک اوّلین و آخرین سے زائد اور فائق تھا۔

ان النبی قد بلغ من علمہ مبلغا لم یبلغہ نبی[3]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم علوم کی ایسی منزل پر پہنچے جہاں کوئی نبی نہیں پہنچا۔

اور حضرت شاہ صاحب اپنے مربعہ نعتیہ میں لکھتے ہیں :-

دینِ او دین خدا تلقین او اصل ہدیٰ	نطق او وحی سما حقا نجوم اھتدا
صاحب اسرار او ناموس اکبر برملا	علم او از اوّلین و آخرین اندر مزید[4]

ترجمہ:- آپ کا دین ہدایت خداوندی اور آپکی تلقین بنیاد ہدایت ہے آپ یقیناً آسمانی وحی سے بولتے ہیں جسکی جزئیات ہدایت کے ستارے ہیں - آپ کے ساتھی واضح طور پر جبرئیل امین رہے - آپ کا علم اوّلین و آخرین سے زیادہ ہے -

حضرت مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی سابق نائب مہتمم دار العلوم دیوبند اپنے ایک قصیدہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھتے ہیں :-

کم غیوبًا بعدہٗ انبأ بہا ؛ تحتوی البشریٰ و انباء الوھل[5]

"متعدد اخبارِ غیبیہ ہیں جن کی خبر آپ نے دی اور وہ آپ کے بعد ظہور پذیر ہوئیں - یہ بشارت اور خوفناک باتوں ہر دو طرح کی باتوں پر مشتمل تھیں۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی لکھتے ہیں :-

---

[1] تحذیر الناس ص۲ [2] فیض الباری جلد ۴ ص۲۵۸ [3] فیض الباری جلد ص [4] عقیدۃ الاسلام ص [5] ص ۵ وینۃ البعزات

"اکوانِ غیبیہ کی کلیات و اصول کا علم حق تعالیٰ نے اپنے ساتھ مختص رکھا۔ ہاں جزئیات منتشرہ پر بہت سے لوگوں کو حسبِ تعداد اطلاع دی اور نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بھی اتنا وافر اور عظیم الشان حصہ ملا جس کا کوئی اندازہ نہیں ہوسکتا" فوائد القرآن ص ۵۲۵ اواخر سورہ لقمان

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باعلامِ الٰہی جن غیبی امور کی خبر دی واقعات نے ان خبروں کی عملی تصدیق کر دی جب خبر واقع کے بالکل مطابق نکلے تو اس سے یقین ہو جاتا ہے کہ ان خبروں کے پیچھے بیشک اطلاع خداوندی کارفرما ہے۔ کیونکہ وہی ایک ذات ہے جو عالم الغیب ہے اور غیب کی چابیاں سب اسی کے پاس ہیں، قرآن حکیم میں ہے :۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۗ وَيَعْلَمُ مَا فِى الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِىْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِىْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

(پ ۷ سورہ انعام ع ۷)

اور اللہ ہی کے پاس ہیں خزانے کے تمام مخفی اشیاء کے ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور جو کچھ دریا میں ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو بھی جانتا ہے۔ اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے مگر یہ سب کتاب مبین (لوح محفوظ) میں (مرقوم) ہے۔

جس پر غیب کھلے اس کا مقام

سو اب جو شخص غیب کی خبریں تلائے اور واقعات اس کی تصدیق کر دیں تو یقین جانئے کہ اس کے پیچھے علمِ غیب رکھنے والا (خدا تعالیٰ) کارفرما ہے جو وحی جلی سے یا وحی خفی سے یا کشف سے اسے غیب کی خبریں پہنچا رہا ہے۔ اگر اس میں تحدی ہے اپنی سچائی کا دعویٰ ہے تو اس میں نبوت کا پہلو کارفرما ہوگا۔ کسی ولی پر کوئی غیب کی بات کھلے تو اس کے ساتھ تحدی اور دعویٰ نہیں ہوتا۔

احادیث میں اخبارِ غیبیہ

ہم جب اس پہلو سے احادیث کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان میں اخبارِ غیبیہ کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ ہاتھ لگتا ہے اور ان میں وہ روایات بھی ملتی ہیں جن میں غیبی خبریں لپٹی تھیں اور تاریخ نے ان کی تصدیق کر دی وہ سب باتیں اسی طرح پوری ہوئیں جس طرح انکی قبل از وقوع خبر دی گئی تھی۔

سو حدیث اگر ایک عام انسانی رہنمائی ہوتی یا محض ایک دور کی تاریخ ہوتی کہ اس میں ایک مرکز ملت کچھ وقت کے لئے قرآنی ہدایت کو عملاً نافذ کرے اور اس میں آسمانی رہنمائی (recognition of divine element) اور حفاظتِ ربانی کا (divine protection) کا عنصر شامل

نہ ہوتا تو احادیث میں وہ غیبی خبریں ہرگز نہ ہوتیں جن تک رسائی عام انسانی سطح سے بالا تھی۔ ایسی حدیثیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ حدیث ایک حجتِ خداوندی ہے ایک وحیٔ الٰہی ہے جو غیر متلو صورت میں ظہور میں آئی آپؐ نے جو کچھ فرمایا ہو کر رہا اور جو اب تک نہیں ہوا، وہ بھی ہو کر رہے گا۔

ان احادیث سے جو تواتر قدر مشترک سے متواتر ہیں اور پھر اخبار واقعہ سے تصدیق پا چکی ہیں اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاعاتِ غیبی صرف قرآنی وحی کے ذریعہ ہی نہ ملتی تھیں بلکہ اس کے علاوہ وحی غیر متلو سے بھی آپؐ کے قلب مبارک پر اخبارِ غیبیہ کا القاء ہوتا تھا۔ اور بہت سے امور مستقبلہ اپنی کسی نہ کسی شکل میں آپؐ کے لوحِ قلب پر انطباع پذیر ہوتے تھے۔ آپ ان اخبار و مشاہدات کی خبریں دیتے اور صحابہ کرامؓ کا یقین اور جاگ اٹھتا کہ حدیث کا منبع و مصدر بھی یقیناً اللہ رب العزت کی ہی ذات ہے اور وہی عالم الغیب والشہادۃ ہے جو اپنے مقربین کو مختلف مواقع پر حسب ضرورت اور بمقتضائے مصلحت غیبی امور پر اطلاع بخشتا ہے۔

سو آج کا عنوان ان اخبار حدیث کا ذکر ہے جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی آنے والے واقعہ کی خبر دی اور پھر ایسا ہو کے رہا۔ اس قسم کی احادیث یہ ثابت کرنے کے لئے کافی ہیں کہ آپؐ کے پیچھے افاضہ الٰہی کار فرما ہے۔

اخبارِ غیبیہ کس طرح دلیلِ نبوت ہیں

اپنی طرف سے کوئی شخص غیبی خبر وضع نہیں کر سکتا جو عملاً پوری ہو کر رہے۔ یہ صرف انبیاء کرامؑ ہیں جن پر لاکھوں کروڑوں غیوب کھولے جاتے ہیں وہ پس پردہ کے واقعات کی خبر دیتے ہیں اور وہ بات بالکل صحیح نکلتی ہے۔ مؤمن اسے دلیلِ نبوت سمجھتا ہے اور نادان اس سے انبیاء کو غیب دان سمجھنے لگتا ہے۔ مؤمن کی شان ہے کہ خبرِ غیب اور علم غیب میں ہمیشہ فرق کرتا ہے۔ انبیاء کی اخبار غیبیہ بھی تسلیم کرتا ہے اور عقیدۂ توحید کو بھی ہاتھ سے نہیں جانے دیتا۔

حدیث بیشک برحق ہے

خلاصۃ المرام اینکہ حدیث بے شک برحق ہے۔ تاریخ نبوت بتلاتی ہے کہ انبیاء کرام کے پیچھے افاضہ الٰہی پوری عصمت سے کار فرما ہے۔ حدیثیں لوگوں نے فرضی بھی گھڑیں تو اللہ تعالیٰ نے حدیث کی حفاظت کے لئے ایسے نقاد ائمہ فن پیدا کئے جنہوں نے ہر صحیح و سقیم کو پرکھا اور فن حدیث کو نکھار کر دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر دکھلایا۔ خدا کا شکر ہے کہ آج علماء کے سامنے ذخیرۂ حدیث اسی علمی حفاظت اور فنی صیانت کے ساتھ موجود ہے۔

قواعد حدیث مرتب ہیں —— اسماء الرجال کے ذخیرے موجود ہیں —— شروح لکھی جا چکی ہیں اور آج تک کسی قوم نے اپنے پیغمبر کے اقوال و افعال کے گرد نقد و روایت اور فہم و درایت کے وہ پہرے نہیں دیئے جن سے آج تاریخ اسلام بجا طور پر مالا مال ہے۔

غیب کی خبروں سے جزئیات مراد ہیں

انبیاء کرام جب کبھی کوئی غیب کی بات بتلا دیں تو یہ سب اخبار جزئیات ہی ہوں گی۔ اخبار بالمغیبات سے جملہ مغیبات مراد نہیں،

اللہ رب العزت کسی مصلحت سے کسی غیب خاص پر کسی کو مطلع کردیں اسمیں کوئی حرج نہیں، موجبہ کلیہ کے درجہ میں سے کوئی مخلوق غیب نہیں جانتی۔ غیب کی کنجیاں سب اللہ رب العزت کے پاس ہیں۔ وعنده مفاتح الغیب لا یعلمها الا هو (پ الانعام ع)

اور قیامت کے بارے میں خاص طور پر فرمایا :-

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ اَیَّانَ مُرْسٰىهَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّیْ ۚ لَا یُجَلِّیْهَا لِوَقْتِهَاۤ اِلَّا هُوَ ؔ (پ ۹، سورۃ الاعراف ع ۲۳)	تجھ سے پوچھتے ہیں قیامت کو کہ کب ہے اس کے قائم ہونے کا وقت، تو کہہ اس کی خبر تو میرے رب ہی کے پاس ہے، وہی کھول دکھائے گا اس کو اس کے وقت پر۔

سو یہ بات صحیح ہے کہ قیامت کا علم ان جزئیات میں سے نہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے کسی کو اطلاع بخشی ہو یہ وہی جانتا ہے کہ قیامت کب آئے گی۔

حضرت امام شافعیؒ (م ۲۰۴ ھ) فرماتے ہیں :-

انه حجب عن نبیه صلی اللہ علیه وسلم علم الساعة [۱]	بیشک اللہ تعالیٰ نے قیامت کا علم (کہ کب آئیگی) اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی پردے میں رکھا ہے۔

آئمہ اربعہ میں سے کسی نے بھی امام شافعیؒ کے اس عقیدہ سے اختلاف نہیں کیا۔ غیب کی خبریں اولیاء کرام کو بھی ملتی ہیں۔ ہم کہہ رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ انبیاء کو بھی غیبی خبروں سے نوازتے ہیں، لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ اولیاء اللہ کو بھی بعض اوقات غیبی امور سے اطلاع دی جاتی ہے۔ البتہ ان خبروں میں خدائی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں ہوتی اور ان کے خبر دینے پر قطع ویقین مرتب نہیں ہوتا جب تک کہ وہ بات واقع نہ ہو جائے۔ یہ صرف انبیاءؑ کی شان ہے کہ وہ غیب کی کسی بات سے اطلاع دیں تو وہ قطع ویقین کی حامل ہو۔ خدا تعالیٰ جب انہیں کسی غیب پر مطلع فرماتے ہیں۔ تو اس اطلاع دینے پر خدائی حفاظت سایہ فگن ہوتی ہے ناممکن ہے کہ اسمیں آگے پیچھے کسی طرف سے دخل شیطانی ہو، یہ کسی طرح نہیں ہو سکتا کہ نبی کی خبر غلط نکلے، خدا سے اس درجے کی خبر پانا ہر کسی کے بس میں نہیں۔ انبیاء پوری قوم میں اس باب میں ممتاز ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی شان نہیں کہ ہر کسی سے اپنے احکام کہے وہ اپنی بات کہنے اور اپنے کلام کے لئے خاص افراد کو چنتا ہے وہ افراد اپنے ماحول میں

---

[۱] احکام القرآن للامام الشافعیؒ جلد اوّل ص۳۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت

فرد اور ممتاز ہوتے ہیں اور وہی جانتا ہے کہ اپنا پیغام کہاں اُتارے اور کون اس امانت کے لائق ہو سکے گا،

اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسٰلَتَہٗ ط (پ ۸ - انعام ع ۱۵) | اللہ خوب جانتا ہے اس موقع کو کہ جہاں بھیجے اپنے پیغام۔

علمِ غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے

اللہ ربّ العزّت جن برگزیدہ افراد کو بزرگی بخشتے ہیں اور انہیں اپنے غیوب پر بھی اطلاع بخشتے ہیں، وہ صرف انبیاء ہیں جنہیں اس انداز میں امورِ غیبیہ پر اطلاع دی جاتی ہے کہ اس میں قطع و یقین کی ضمانت ہو، ہاں علمِ غیب بیشک خاصہ باری تعالیٰ ہے کسی مخلوق کو علمِ غیب حاصل نہیں، نہ کسی انسان کی شان ہے کہ جب چاہے غیب کی بات معلوم کرلے جب ضرورت ہو ضرورتمند خدا کے ہی محتاج ہوں گے، اتنی بات صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے مقرّبین خاص کو اطلاع علی الغیب کی شان سے نوازتے ہیں۔

وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیُطْلِعَکُمْ عَلَی الْغَیْبِ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَجْتَبِیْ مِنْ رُّسُلِہٖ مَنْ یَّشَآءُ (پ ۴ سورہ آل عمران ع ۱۸) | اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے۔

یہاں حرف لٰکِنَّ سے استدراک فرمایا یہ اس بات کی صراحت ہے کہ استثناء منقطع ہے۔ اس مضمون کو کسی دوسرے مقام پر اگر اِلَّا کہہ کر بیان کیا جائے تو وہاں بھی اس آیت کی روشنی میں ہم استثناء منقطع ہی مُراد لیں گے، اللہ تعالیٰ اپنے کسی کسی برگزیدہ بندے کو کسی غیبی بات پر اطلاع بخشیں اور وہ اس کا اظہارِ عام کر دے بلکہ تحدّی سے کہے کہ ایسا ہی ہوگا اور پھر وہ خبر بھی واقع کے بالکل مطابق اُترے، واقعات اسی طرح ظہور پذیر ہوں جس طرح اس نے کہا تھا تو اس قسم کی خبروں سے یقین اور پختہ ہو جاتا ہے کہ یہ (پیغمبرؐ) اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا تھا بلکہ اس کے پیچھے آسمانی شہادت کارفرما تھی ——— اسے وحی کہیں یا الہام ——— لیکن اس کا موافقِ واقع نکلنا بتلاتا ہے کہ اطلاع واقعی اس ذاتِ پاک کی طرف سے تھی جس کے قبضۂ قدرت اور دستِ تصرّف سے کوئی ذرّہ کوئی جگہ اور کوئی وقت خارج نہیں۔ ان برگزیدہ بندوں میں سب کے سردار اور قافلہ سالار جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر اوّلین و آخرین کے علوم کھولے اور کروڑوں غیبوں پر آپؐ کو اطلاع بخشی اور پھر آپ نے بھی ان غیوب کے بارے میں تنگدلی سے کام نہ لیا۔ جو ملتا گیا آگے دیتے گئے، قرآن کریم میں ہے :-

وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ (پ ۳۰ التکویر) | اور یہ غیب کی بات بتلانے میں بخیل نہیں

یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اللہ ربّ العزّت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی غیب کی بات بتائیں اور حضورؐ اسے اپنے صحابہؓ سے بھی مخفی رکھیں۔ وہ علم ہی کیا جس کا آگے تعدیہ نہ ہو۔

آج کچھ اس قسم کی روایات کا مطالعہ کیجئے جن کی تصدیق واقعات نے کی ان اخبار الحدیث کی روشنی میں یقین کیجئے کہ حدیث کا منبع و مصدر بھی بے شک خدا ہی کی ذات ہے اب کوئی شخص نہ کہے کہ حدیث میں غلامی حجت نہیں ہے۔

حدیث کا سب سے پہلا باقاعدہ مرتب مجموعہ مؤطا امام مالک ہے پہلے اسی کی شہادت لیجئے پھر صحیح بخاری اور صحیح مسلم سے چند نظائر پیش کیجائیں گی اور پھر عام کتب حدیث سے چند روایات اخبار الحدیث کے طور پر پیش ہوں گی۔ واللہ ولی التوفیق وبیدہ ازمۃ التحقیق

امام مالکؒ کی شہادت

حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ آسمان کے نیچے قرآن کریم کے بعد سب کتابوں سے زیادہ صحیح اور اصح الکتب بعد کتاب اللہ حضرت امام مالکؒ کی کتاب مؤطا ہے ہم اس سے اخبار الحدیث کا آغاز کرتے ہیں حضرت امام مالکؒ نے اس موضوع پر ایک مستقل باب باندھا ہے اور بتلایا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آئندہ واقع ہونے والی جس بات کی بھی خبر دی وہ بات اسی طرح ظہور میں آئی۔ اس سے امام مالکؒ کا موقف اور بھی نکھر کر سامنے آجاتا ہے۔

بَابُ مَا اَکْرَمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِاَخْبَارِ الْمُغَیَّبَاتِ فَکَانَ کَمَا اَخْبَرَ ،

یہ باب اس بارے میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو غیبی خبروں سے عزت بخشی اور واقع اسی طرح ہوا جس طرح ہونے کی آپؐ نے خبر دی تھی۔

مالک عن عبد اللہ بن دینار عن عبد اللہ بن عمر انہ قال رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشیر الی المشرق ویقول ان الفتنۃ ھٰھنا من حیث یطلع قرن الشیطان [۵]

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرما رہے تھے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپؐ مشرق کی طرف اشارہ کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ فتنہ یہاں ہوگا، یہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اس پر لکھتے ہیں:۔

مترجم گوید ہمچنیں واقع شد کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ زیرا کہ اختلال امر خلافت و مقاتلہ مردماں برآں ظاہر شد و مذاہب باطلہ اکثر آں در مشرق بود کہ عراق و خراساں باشد۔

(ترجمہ) مترجم کہتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، وہی پیش آیا، اس لئے کہ خلافت

---

[۵] مؤطا مع مصفیٰ جلد ۲ صـ ۲۹۲ صحیح بخاری جلد ۹ صـ ۶۷ صحیح مسلم کتاب الفتن ج ۲

کا جھگڑا اور لوگوں میں مقاتلہ اسی مقام پر ظاہر ہوا۔ اور اکثر باطل مذاہب علاقہ مشرق میں ہوئے جو کہ عراق وخراسان ہے۔

امام مالکؒ نے حدیث قرن الشیطان کے بعد پھر وہ حدیث روایت کی ہے جسمیں فتنہ خوارج کی خبر دی گئی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے سالم نے عراق والوں کو ایک موقعہ پر مخاطب کر کے کہا تھا۔

یا اھل العراق ما اسألکم عن الصغیرۃ و ارکبکم للکبیرۃ۔

"اے اہل عراق تم چھوٹے چھوٹے گناہوں کے بارے میں کتنے سوال کرتے ہو اور بڑے بڑے گناہوں کے کس تیزی سے مرتکب ہوتے ہو"

اس میں آپ نے صریح طور پر عراق کا نام لیا اور پھر فرمایا:۔

سمعت ابی عبد اللہ بن عمر یقول سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الفتنۃ تجیٔ من ھٰھنا و اومیٰ بیدہ نحو المشرق من حیث یطلع قرن الشیطان[۱]

میں نے اپنے والد عبداللہ بن عمرؓ کو کہتے ہوئے سنا انہوں نے کہا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ فتنہ اس طرف سے آئے گا اور آپ نے اپنے ہاتھ سے مشرق کی طرف اشارہ کیا جہاں سے شیطان کا سینگ نکلے گا۔

امام احمدؒ کی ایک روایت میں مشرق کی طرف اشارہ کرنے کی بجائے عراق کی طرف اشارہ کرنے کی تصریح ہے۔

رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یشیر بیدہ نحو العراق ھا ان الفتنۃ ھٰھنا ان الفتنۃ ھٰھنا ثلاثا[۲]

"میں نے حضرت رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس حالت میں دیکھا کہ اپنے دست مبارک سے عراق کی طرف اشارہ فرما رہے تھے۔ خبردار! البتہ فتنہ یہاں سے اٹھے گا، البتہ فتنہ یہاں سے اٹھے گا۔ یہ جملہ آپؐ نے تین بار ارشاد فرمایا۔"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا فرمایا تھا ویسا ہی ظہور میں آیا بہت سے اعتقادی اور سیاسی فتنے یہیں سے اٹھے، سانحہ کربلا بھی اسی زمین پیش آیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ عراق والوں کو اس واقعہ فاجعہ کے بارے میں بہت ملامت کرتے تھے۔ آپ سے کسی عراقی نے مسئلہ پوچھا کہ احرام کی حالت میں مکھی کو مارنا کیسا ہے؟ آپؐ نے اس پر ارشاد فرمایا:۔

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۹۴ [۲] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۱۴۳

اهل العراق یسئلونی عن الذباب وقد قتلوا ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھما ریحانتی من الدنیا ۱؎

اہلِ عراق مکھی کے مارنے پر مجھ سے سوال کرتے ہیں حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نواسے کو انہوں نے قتل کیا، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ دونوں دنیا میں میرے پھول ہیں۔

امام ترمذیؒ کی روایت ہے۔

انظروا الیٰ ھذا یسال عن دم البعوض وقد قتلوا ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ۲؎

اس کی طرف تو دیکھو مچھر کے خون کے بارے میں پوچھتا ہے جبکہ یہ لوگ آپؐ کے نواسے کو قتل کر چکے ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) اسے ان الفاظ میں نقل کرتے ہیں۔

انظروا الیٰ اھل العراق قتلوا ابن بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھم یسئلونی عن دم البعوضۃ ۳؎

اہلِ عراق کو دیکھو مچھر کے خون کے بارے میں تو پوچھ رہے ہیں اور نواسۂ رسول کو قتل کرتے ہوئے انہیں کچھ بھی خیال نہ آیا۔

ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ اور مدینہ کے صاع اور مد کے لئے دعا فرمائی پھر شام اور یمن کے لئے بھی دعا کی۔ ایک شخص نے کہا حضور! ہمارے عراق کے لئے بھی دعا فرمادیں۔ آپ نے فرمایا:۔

ان فیھا قرن الشیطان وتھیج الفتن وان الجفاء بالمشرق ۴؎

اسمیں شیطان کا سینگ ہے اور فتنے اٹھیں گے اور جور و ظلم تو مشرق میں ہی ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال دخل ابلیس العراق فقضیٰ حاجتہ فیھا ثم دخل الشام فطرد وہ ۵؎

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، ابلیس عراق میں داخل ہوا، اس میں اس نے خوب گل کھلائے پھر شام میں جا دھمکا پس انہوں نے اس کو دھتکار دیا۔

لفظ نجد کی تحقیق

نجد مصدر ہے اس کے معنی بلند ٹکڑے ہیں ہر اونچی اور ممتاز چیز کو نجد کہا جا سکتا ہے سطح مرتفع کو بھی نجد کہتے ہیں قاموس میں ہے ان النجد ما اشرف من الارض ۶؎ ۔ ترجمہ:۔ نجد زمین کی بلند سطح کو کہتے ہیں۔ مدینہ شریف سے مشرق کی طرف عراق ہے جو سطح مرتفع ہے یہ کسی خاص علاقے کا نام نہیں، عرب ہر اونچی جگہ کو نجد کہہ دیتے تھے۔ مدینہ والوں

۱؎ صحیح البخاری جلد ۲ کتاب المناقب، ۲؎ جامع ترمذی جلد ھٰذا حدیث صحیح ۳؎ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۱۶۷ سورہ طٰہٰ ۴؎ کنز العمال جلد ۷ صفحہ ۱۳۵ عن ابن عساکر ۵؎ ایضاً ۶؎ قاموس جلد ۱ صفحہ ۳۴۹

کا نجد بادیہ عراق اور اس کے مضافات ہی ہیں۔ پس جن احادیث میں عراق یا شرق کی بجائے لفظ نجد وارد ہے ان میں نجد سے مُراد عرب کا صوبہ نجد نہیں جس کے رہنے والے نجدی کہلاتے ہیں بلکہ اس سے مراد نجد عراق ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ علامہ خطابی سے نقل کرتے ہیں:۔

نجد من جهة العراق ومن كان بالمدينة كان نجده بادية العراق ونواحيها وهي مشرق اهل المدينة واصل النجد ما ارتفع من الارض وهو خلاف الغور فانه ما انخفض منها [1]	نجد عراق کی طرف سے اور اہل مدینہ کے لئے نجد بادیہ عراق اور اس کے مضافات ہیں اور یہ اہل مدینہ سے مشرق کی جانب ہے اور نجد دراصل زمین کی سطح مرتفع کا نام ہے اور یہ لفظ غَوْر (پستی) کے برعکس ہے۔ غور پستی کو کہتے ہیں۔

علامہ عینی (۸۵۵ھ) لکھتے ہیں:۔

انما اشار صلى الله عليه وسلم الى المشرق لان اهله يومئذ كانوا اهل الكفر فاخبر ان الفتنة تكون من تلك الناحية وكذا كانت وهي وقعة الجمل ووقعة صفين ثم ظهور الخوارج في ارض نجد والعراق وما وراءها من المشرق وكان يحذر من ذلك ويعلم به قبل وقوعه وذلك من دلالة نبوته صلى الله عليه وسلم [2]

ترجمہ:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف اشارہ فرمایا کیونکہ اہل مشرق اس دن اہل کفر تھے۔ آپؐ نے پیشین گوئی فرمائی کہ فتنے اسی کونے سے اُٹھیں گے او ایسے ہی ہوا، جنگ جمل، جنگ صفین اور اور پھر ظہور خوارج کے واقعات، نجد، عراق اور اس کے مشرقی حصوں میں پیش آئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بارے میں خبردار فرماتے تھے اور ان کے واقع ہونے سے پہلے نشاندہی فرماتے تھے۔ جو آپؐ کی نبوت کے واضح دلائل میں سے ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ جتنے اعتقادی فتنے اُٹھے سب عراق سے نکلے معبد الجہنی نے تقدیر کا انکار بصرہ (عراق) میں ہی کیا تھا، جنگ جمل وہیں لڑی گئی، شیعہ معتزلہ اور خوارج کی تحریکیں وہیں شروع ہوئیں، جنگ صفین اس کی صفوں میں لڑی گئی۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے بیوفائی انہی عراق والوں نے کی اور سانحہ کربلا بھی یہیں پیش آیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمانا کہ ادھر سے فتنے اُٹھیں گے واقعات نے تصدیق کردی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع وحی قرآنی سے ملی ہو؟ اس پر کوئی آیت گواہ نہیں، پس اس یقین سے چارہ نہیں کہ آپ کو یہ اطلاع بذریعہ حدیث دی گئی تھی ورنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی طرف سے غیب کی خبریں کیسے؟

---

[1] فتح الباری پ۱۳ ص۴۷ [2] عینی علی البخاری ص۳۵۲/۱۱۔

دے سکتے تھے معلوم ہوا کہ آپ جب بھی کلام فرماتے وحی جلی ہو یا وحی خفی آپ کی ہر بات احکام کی قبیل سے ہو یا اخبار کی قبیل سے خدا کی طرف سے ہی ہوتی تھی۔

خیانت کی اطلاع

جنگ حنین میں ایک شخص شہید ہوا صحابہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اطلاع کی۔ آپ نے فرمایا صلوا علیٰ صاحبکم "اپنے ساتھی پر نماز پڑھ لو" اس سے صحابہؓ پریشان ہو گئے۔ زید بن خالد کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا تھا ان صاحبکم قد غل فی سبیل اللہ (تمہارے ساتھی نے مال غنیمت میں کچھ خیانت کی ہے) صحابہؓ کہتے ہیں ہم نے اس کا سامان کھولا تو ہمیں اسکی تصدیق مل گئی فوجدنا فیہ خرزات من خرز یہود ما یساوی درھمین۔ ترجمہ:۔ ہمیں اس کے سامان میں دو درہم کی مقدار خیانت کیا ہوا مال ملا۔

قرآن کریم سے اس کی شہادت نہیں ملتی کہ اللہ تعالیٰ نے کہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شخص کے بارے میں مطلع فرمایا ہو کہ اس نے مال غنیمت میں سے کوئی چیز بلا تقسیم اپنی لی تھی۔ مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی خبر دی اور واقعات نے اس کی تصدیق کی، سو اگر یہ تسلیم نہ کیا جائے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنی وحی کے علاوہ بھی وحی خفی ہوتی تھی۔ جسے حدیث کہا جاتا ہے تو ان اخبار غیبیہ اور روایات حدیث کا محمل آخر کیا ہوگا؟

امام احمد بن حنبلؒ کی شہادت

حضرت معاذ بن جبلؓ کو آنحضرت اللہ علیہ وسلم نے جب یمن کی طرف بھیجا تو روانگی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی کچھ ساتھ ساتھ چلے۔ آپ حضرت معاذؓ کو کچھ نصیحتیں فرما رہے تھے۔ آخر میں آپ نے یہ بھی فرمایا۔

یامعاذ انک عسیٰ ان لا تلقانی بعد عامی ھٰذا او لعلک ان تمر بمسجدی ھذا او قبری۔	ترجمہ:۔ اے معاذ! ہو سکتا ہے اس سال کے بعد تم مجھ سے نہ مل سکو اور تمہاری اور میری ملاقات آئندہ میری مسجد اور قبر پر ہو۔

اس پر حضرت معاذؓ رو پڑے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر مدینہ کی طرف رُخ کیا اور فرمایا۔

انّ اولی الناس بی المتقون من کانو او حیث کانوا، [1]	ترجمہ:۔ میرے قریبی وہ لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں خواہ وہ کون ہوں اور کہاں ہوں۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے رونے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تسلی کے طور پر فرما رہے ہیں کہ مجھ سے

[1] مسند امام احمد جلد ۵ ص ۲۳۵

ظاہری جُدائی کے باوجود تم میرے قریب ہوگے۔ اس لئے کبیدۂ خاطر نہ ہونا چاہیئے۔ اور تم ہی نہیں پوری دُنیا میں جہاں کہیں بھی خُدا سے ڈرنے والے موجود ہیں وہ میرے قریب ہیں۔

دیکھئے۔ آئندہ سال حضرت معاذؓ تشریف لائے تو حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کا وصال ہوچکا تھا معلوم ہوا کہ قرآنی وحی کے علاوہ وحی خفی کو تسلیم کئے بغیر چارہ نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) سے پوچھا گیا کہ قسطنطنیہ اور رُومیہ میں سے پہلا کونسا شہر فتح ہوگا، حضرت عبداللہ نے اپنا صندوق منگوایا اور اس سے حدیث کی وہ کتاب نکالی جسمیں وہ حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم سے حدیثیں سُن کر لکھا کرتے تھے اسمیں سے دیکھ کر آپ نے فرمایا۔

بینما نحن حول رسول اللہ صلّی اللہ	ترجمہ:۔ ہم حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم کے ارد گرد بیٹھے ہوئے
علیہ وسلّم نکتب اذ سئل رسول اللہ	(احادیث) لکھ رہے تھے کہ ایک ساتھی نے سوال کیا
صلّی اللہ علیہ وسلّم ای المدینتین	کہ قسطنطنیہ اور رومیہ میں پہلے کونسا شہر فتح ہوگا
تفتح اولا أقسطنطینیۃ او رومیہ	آپ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا مدینۂ ھرقل
فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم	یعنی قسطنطنیہ پہلے فتح ہوگا۔

مدینۃ ھرقل تفتح اولاً یعنی قسطنطنیۃ [۱]

حضور صلّی اللہ علیہ وسلّم نے جیسے فرمایا تھا ویسے ظہور میں آیا اور رومیہ کی فتح سے پہلے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہٗ کے عہد میں قسطنطنیہ فتح ہوا۔ اس حدیث میں جہاں ارشاداتِ نبوّت من جانب اللہ وحی ہونے کا ثبوت مل رہا ہے وہیں عہدِ نبوّت میں ہی کتابتِ حدیث کا بھی پتہ چلتا ہے۔

امام بُخاریؒ کی شہادت

عن عدی بن حاتم قال بینما انا عند النبی صلّی اللہ علیہ وسلّم اذ اتاہ رجل فشکی الیہ الفاقۃ ثم اتاہ اٰخر فشکی قطع السبیل فقال یا عدی ھل رأیت الحیرۃ؟ قلت لم أرھا وقد أنبئت عنھا قال فان طالت بک حیاۃ لترین الظعینۃ ترتحل من الحیرۃ حتی تطوف بالکعبۃ لا تخاف احدًا الا اللہ ــــــ ولئن طالت بک حیاۃ لتفتحن کنوز کسریٰ ــــــ ولئن طالت بک حیاۃ لترین الرجل یخرج ملأ کفہ من ذھب او فضۃ یطلب من یقبلہ منہ فلا یجد احدًا یقبلہ منہ [۲]

ترجمہ: حضرت عدی بن حاتمؓ سے روایت ہے کہ ایک دن میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت میں حاضر

---

[۱] مسند امام احمد جلد ۲ صہ ۱۷۶ [۲] صحیح البخاری جلد ۴ صہ ۲۴۰

تھا کہ ایک شخص نے آکر غربت و فاقہ کی شکایت کی۔ پھر ایک اور شخص آیا جس نے راستے میں لُٹ جانے کی شکایت کی۔ تو آپؐ نے فرمایا عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے، میں نے عرض کیا دیکھا تو نہیں سُنا ہے۔ ارشاد فرمایا کہ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک پردہ دار عورت حیرہ سے چل کر بیت اللہ کا طواف کرے گی اور خدا کے سوا اُسے کسی کا ڈر نہ ہوگا اور فرمایا کہ اگر تمہاری زندگی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔ اور اگر تمہاری زندگی مزید بڑھی تو تم دیکھو گے کہ ایک شخص مُٹھی بھر سونا یا چاندی خیرات کرنا چاہے گا لیکن کسی کو مستحق نہ پائے گا۔"

حضرت عدی بن حاتمؓ (۶۷ھ) جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ اس خبر غیبی کی تصدیق ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

فرأیت الظعینة ترتحل من الحیرة حتی تطوف بالکعبة لا تخاف الا الله وکنت فیمن افتتح کنوز کسریٰ بن هرمز ولئن طالت بکم حیاة لترون ما قال النبی ابو القاسم صلی الله علیه وسلم یخرج ملأ کفه [۱]

ترجمہ: پس میں نے پردہ دار عورتوں کو دیکھا جو حیرہ سے سفر کر کے بیت اللہ کا طواف کرتی تھیں جنہیں خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوتا تھا اور میں اُن لوگوں میں تھا جنہوں نے کسریٰ کے خزانوں کو فتح کیا اور اگر تم لوگوں نے لمبی زندگی پائی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صدقہ کے بارے میں پیشگوئی کا مشاہدہ بھی کر لوگے۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا هلك كسریٰ فلا كسریٰ بعده واذا هلك قیصر فلا قیصر بعده والذی نفس محمد بیده لتنفقن كنوزهما فی سبیل الله [۲]

ترجمہ:۔ جب کسریٰ ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی کسریٰ نہیں۔ اور جب قیصر ہلاک ہوگا تو اس کے بعد کوئی قیصر نہیں، اُس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اُن دونوں کے خزانے خدا کے راستے میں خرچ کیے جائیں گے۔"

واقعات نے بتایا کہ قیصر و کسریٰ کے خزانے واقعی حضرات صحابہ کرامؓ کے ہاتھ لگے۔ قیصر کا روم، اور کسریٰ کا ایران، حضرت عمرؓ کے عہد حکومت میں فتح ہوئے اور ان کے خزانے واقعی اللہ کی راہ میں تقسیم ہوئے اور قیصر و کسریٰ کا نشان تک باقی نہ رہا۔ حضرت شاہ صاحبؒ نے بجا فرمایا۔

ثم انه كان كما اخبر به النبی صلی الله علیه وسلم فلم یبق من اسمه (شیٔ)

---

[۱] صحیح البخاری جلد ۳ صفحہ ۲۴۰۔ [۲] صحیح البخاری جلد ۳ صفحہ ۲۴۶ صفحہ ۔ صفحہ ۱۰۳

ولا من وسمہا[۱] (ترجمہ) پھر ویسا ہی ہوا، جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی تھی چنانچہ قیصر و کسریٰ کا نام ونشان بھی باقی نہ رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توان فتوحات کی ترتیب بھی بتلادی تھی۔

تغزون جزیرۃ العرب فیفتحہا اللہ ثم فارس فیفتحہا اللہ ثم تغزون الروم فیفتحہا اللہ[۲]

تم پہلے جزیرۂ عرب کی جنگ لڑوگے، اللہ تعالیٰ فتح عطا فرمائیں۔ پھر فارس کی لڑائی ہوگی، تم فتح یاب ہوگے، کچھ عرصہ بعد روم سے معرکہ ہوگا تمہیں نصرتِ ایزدی حاصل ہوگی۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کی خبر

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی آخری بیماری میں اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بلایا اور چپکے سے انہیں کوئی بات بتلائی حضرت فاطمہ رو پڑیں پھر آپؐ نے ان سے آہستگی سے کوئی اور بات کہی، آپ مسکرا اٹھیں۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت فاطمہؓ سے اس کے بارے میں پوچھا۔ حضرت فاطمۃ الزہراؓ نے بتلایا۔

سارنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاخبرنی انہ یقبض فی وجعہ الذی فیہ فبکیت ثم سارنی فاخبرنی انی اول اھل بیتہ اتبعہ فضحکت[۳]

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دوسروں سے پوشیدہ کرکے اطلاع فرمائی کہ اسی مرض میں میں اس دنیا سے رخصت ہوں گا، بس میں رو پڑی۔ پھر فرمایا ہمارے گھرانے میں تم سب سے پہلے مجھے ملوگی۔ تو میں ہنس پڑی۔

امیہ ابوصفوان کے قتل کی خبر

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امیہ کو مخاطب کرکے کہا تھا فواللہ لقد سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول انھم قاتلوک۔ صحیح البخاری ج۲ ص۵۶۳

ترجمہ: کہ خدا کی قسم! میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا کہ تم (امیہ) مسلمانوں کے ہاتھوں قتل ہوگے۔

اس پیشگوئی کے بعد امیہ ہر قسم کی حفاظتی تدابیر کے باوجود غزوہ بدر میں مارا گیا۔

بحرِ روم کی لڑائیوں کی خبر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی حضرت امِ حرام بنت ملحان کے ہاں آیا جایا کرتے تھے وہ عبادہ بنت صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نکاح میں تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ انہیں اپنا خواب بتلایا کہ مجھ پر میرے کچھ امتی پیش کیے گئے جو اس سمندر کی لہروں پر اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے۔ امِ حرام رضی اللہ عنہا کہتی ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] فیض الباری جلد ۳ ص۵۱ [۲] صحیح مسلم ج۲ ص۳۹۳ [۳] صحیح مسلم ج۲ ص۲۹۰ صحیح البخاری ج۱ ص۵۱۲

سے گذارش کی دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان میں سے کردے۔ آپؐ نے فرمایا: "انت من الاولین" تو ان پہلوں میں سے ہے۔ حضرت ام حرامؓ کہتی ہیں فرکبت البحر فی زمان معاویۃ بن ابی سفیان۔

ترجمہ:۔ کہ میں نے حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ کے عہد میں غزوہ کے لئے سمندری سفر کیا۔

حضرت ام حرامؓ اسی غزوہ میں جب سمندر سے نکلیں تو اپنی سواری سے گر پڑیں اور اسی میں انکی وفات ہوئی ——— صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۷ کلاں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت حاطب بن ابی بلتعہ کا ایک خفیہ خط لے کر مکہ کو چلی، وہ خبر مسلمانوں کے مفاد کے خلاف تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے پیچھے حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ اور حضرت مقدادؓ بن اسود کو بھیجا اور فرمایا کہ روضۂ خاخ کے مقام پر انہیں ایک عورت ملے گی اس کے پاس ایک خط ہے وہ لے کر آؤ۔ عبیداللہ بن ابی رافع کہتے ہیں:۔

سمعت علیا رضی اللہ عنہ یقول بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انا والزبیر والمقداد بن الاسود فقال انطلقوا حتی تاتوا روضۃ خاخ فان بہا ظعینۃ ومعہا کتاب فخذوہ منہا ——— فانطلقنا تعادی بنا خیلنا حتی انتہینا الی الروضۃ فاذا نحن بالظعینۃ فقلنا أخرجی الکتاب فقالت ما معی من کتاب، فقلنا لتخرجن الکتاب او لنلقین الثیاب، فاخرجتہ من عقاصہا فاتینا بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاذا فیہ: من حاطب بن ابی بلتعہ الی اناس من المشرکین من اھل مکۃ یخبرھم ببعض امر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔۲

ترجمہ۔ میں نے حضرت علیؓ سے سنا وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زبیرؓ اور مقدادؓ بن اسود کو بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ روضۂ خاخ کے قریب تمہیں ایک پردہ دار عورت ملے گی، اس کے پاس ایک خط ہے وہ خط لے آؤ۔ ہم وہاں سے چل کر مذکورہ باغ تک پہنچے۔ وہاں ایک عورت موجود تھی، ہم نے اسے خط نکالنے کو کہا تو اس نے انکار کیا کہ میرے پاس کوئی خط نہیں۔ ہم نے دھمکی کے طور پر کہا کہ خط نکالو ورنہ ہم تمہاری جامہ تلاشی لیتے ہیں۔ چنانچہ اس نے اپنے بالوں سے خط نکال کر ہمارے حوالے کیا۔ ہم اسے لے کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے دیکھا تو اس میں تحریر تھا۔

کہ یہ خط حاطب بن ابی بلتعہ کی طرف سے مشرکین مکہ کے نام ہے۔ آگے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض جنگی امور کا افشا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جزماً خبر دینا اور پھر اس کا کما اُخبِرَ واقع ہونا کتب حدیث سے ظاہر ہے

امام بخاریؒ کی شہادت[۲]

حضرت سہل بن سعد (۹۱ھ) رضی اللہ عنہ، کہتے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خیبر کے موقع پر فرمایا:۔

لاعطین الرایۃ غدا رجلا یفتح علی یدیہ یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ[۱] | ترجمہ:۔ کل میں لشکر اسلام کا جھنڈا ایسے شخص کو سپرد کروں گا جس کے ہاتھوں فتح حاصل ہو گی وہ خدا اور اس کے رسولؐ سے محبت رکھنے والا ہے اور خدا اور رسولؐ کو محبوب بھی ہے"۔

صحابہؓ ساری رات سوچتے رہے صبح جھنڈا کس کو دیا جائے گا۔ ہر ایک امید رکھتا تھا کہ اسے ملے، صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اَیْنَ عَلِیٌّ (علی کہاں ہے) عرض کی گئی انہیں آنکھوں میں تکلیف ہے، آپؐ نے ان کی آنکھوں میں لعابِ دہن لگایا اور دعا دی، آپ کی آنکھیں بالکل درست ہو گئیں، گویا پہلے کوئی تکلیف نہ تھی، آپ نے پھر حضرت علیؓ کو جھنڈا عطاء فرمایا۔

فاعطاہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ففتح اللہ علیہ[۲] | (اللہ تعالیٰ نے علیؓ کے ہاتھ پر خیبر کی فتح بخشی)

تاریخ گواہ ہے کہ آپ نے یہود کے قلعے کو توڑا اور واقعی اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر فتح عطا فرمائی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ (۹۱ھ) کہتے ہیں:۔

صعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم (الحدیث)[۳] | ترجمہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ احد پہاڑ پر چڑھے آپ کے ساتھ سیدنا ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہم بھی تھے۔ پہاڑ تھر تھرایا تو آپؐ نے اس پر پاؤں مارتے ہوئے فرمایا "اسکن احد" (اے احد ٹھہر جاؤ) تم پر ایک نبی ایک صدیق اور دو شہید ہیں۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے واقعاتِ شہادت نے اس حدیث خبر کی من و عن تصدیق کر دی۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ (۵۲ھ) کہتے ہیں۔ ایک دفعہ حضرت عثمان غنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور دستک دی آپؐ نے یہ پوچھے بغیر کہ دروازے پر کون ہے؟ حضرت ابوموسیٰ سے فرمایا۔

بشرہ بالجنۃ علی بلوی ستصیبہ | کہ اس آنے والے کو ایک آزمائش کے بعد جنت کی خوش خبری سنادو، وہ آزمائش عنقریب پیش آنیوالی ہے۔ صحیح بخاری جلد ۵ ص۱۸۲

دروازے پر آنیوالے حضرت عثمانؓ تھے اور آپ کو اپنی خلافت کے آخری دور میں جس ابتلاء کا سامنا کرنا پڑا اس سے ساری تاریخ واقف ہے۔

---

[۱] صحیح البخاری جلد ۵ ص۱۷۱ [۲] صحیح البخاری جلد ۵ ص۲۳ [۳] صحیح البخاری جز ۷ ص۲۳

حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۳۰) جو کہتے ہیں :-

امر رسول الله صلی الله علیه وسلم فی غزوة موتة زید بن حارثة فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ان قتل زید فجعفر وان قتل جعفر فعبد الله بن رواحة قال عبد الله کنت فیهم فی تلك الغزوة ؎۱

(ترجمہ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ موتہ کے موقعہ پر زید بن حارثہ کو امیر مقرر فرمایا اور فرمایا کہ اگر یہ شہید ہو جائیں تو پھر جعفر طیارؓ امیر ہوں گے ، اور وہ بھی شہید ہو گئے تو عبداللہ بن رواحہؓ ۔ عبداللہ کہتے ہیں میں اس غزوہ میں شریک تھا۔

غزوۂ موتہ میں ویسے ہی ہوا جیسے آپؐ نے فرمایا تھا ۔ پہلے دونوں کمانڈر یکے بعد دیگرے جام شہادت نوش کر گئے اور آخر میں عبداللہ بن رواحہؓ کمانڈر بنے ۔

حضرت انس بن مالکؓ (۹۱) کہتے ہیں :-

ان النبی صلی الله علیه وسلم نعی زیدا و جعفرا وابن رواحة للناس قبل ان یاتیهم خبرهم فقال اخذ الرایة زید فاصیب وعیناه تذرفان ؎۲

ترجمہ :- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ کی تفصیلات آنے سے پہلے ہی حضرت زید ، حضرت جعفر اور حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کی شہادت کی اطلاع دے دی ۔ آپ نے فرمایا کہ پہلے جھنڈا حضرت زیدؓ نے لیا اور کچھ دیر بعد شہید ہو گئے پھر حضرت جعفرؓ نے لے لیا اور کچھ دیر بعد شہادت پائی ، اس کے بعد حضرت عبداللہ بن رواحہؓ نے بھی جام شہادت نوش کیا ۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں (اس صدمے کی وجہ سے) آنسو تھے اور آپؐ فرما رہے تھے کہ اب جھنڈا اللہ کی تلواروں میں سے ایک (خالد بن ولیدؓ) کے پاس ہے ۔

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

لا تقوم الساعة حتی تقتتل فئتان عظیمتان یکون بینهما مقتلة عظیمة دعوتهما واحدة

ترجمہ :- آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت آنے سے پہلے پہلے مسلمانوں کی دو عظیم جماعتوں کے درمیان ایک بہت بڑی جنگ ہوگی ۔ ان دونوں جماعتوں کی دعوت ایک ہوگی ۔ (یعنی لا الہ الا اللہ الخ)

یہ پیشین گوئی حضرت علی اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان ہونے والی لڑائی سے حرف بحرف پوری ہو گئی ۔ حضرت ابو بکرہؓ کہتے ہیں :-

---

؎۱ صحیح البخاری ج ۳ صفحہ ۸۸ ؎۲ صحیح البخاری ج ۳ صفحہ ۲۱ ؎۳ صحیح البخاری ج ۹ صفحہ ۲۷

بینا النبی صلی اللہ علیہ وسلم یخطب جاء الحسن فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم ابنی ھذا سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین من المسلمین[1] ۔ فئتین عظیمتین من المسلمین[2]

(ترجمہ) ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ حضرت حسن تشریف لائے، آپ نے انہیں دیکھ کر فرمایا میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں کے درمیان مصالحت پیدا فرمائیں گے

... ...

حضرت حسن کہتے ہیں :-

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی لعل اللہ ان یصلح بی .... فانا فاعل ذلک[3]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے بارے میں فرمایا ہے کہ میری وجہ سے مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح ہوگی۔

چنانچہ میں ایسا کر رہا ہوں۔ حضرت حسنؓ نے یہ اس وقت ارشاد فرمایا جب وہ باہمی خانہ جنگی سے مسلمانوں کو بچانے کے لئے عنانِ اقتدار حضرت امیر معاویہؓ کے حوالے کر رہے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک عورت اپنا ایک معاملہ لائی۔ آپ نے اسے کسی اور موقعہ پر آنے کیلئے کہا۔ یہ آپ کے آخری دنوں کی بات ہے۔ اس عورت نے پوچھا میں دوبارہ آؤں تو اگر آپ کو نہ پاؤں تو کیا کروں؟ آپ نے فرمایا :-

ان لم تجدینی فأتی ابا بکر[4]

اگر تو مجھے نہ پائے تو ابو بکر کے پاس چلی جانا۔

ابراہیم بن سعد کہتے ہیں وہ عورت پوچھنا چاہتی تھی کہ آپ کے بعد کون آپ کا جانشین ہوگا جس کے پاس اپنا کوئی معاملہ لاسکے۔ اس وقت تک حضرت ابو بکر خلیفہ ہوئے تھے نہ ان کی خلافت کا ان دنوں کوئی چرچا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی جانشین مقرر کرنے کا کوئی ارادہ نہ رکھتے تھے۔ پھر بھی آپ نے جان لیا کہ جانشین کون ہوگا۔ قرآن کریم میں بھی اس کی خبر نہ دی گئی تھی۔ تاہم صحیح یہ ہے کہ آئندہ واقعات نے تصدیق کر دی کہ آپ نے جو کچھ بتلایا تھا ارادتِ ربانی کی روشنی میں فرمایا تھا۔ آپ کے جانشین واقعی حضرت ابو بکر صدیقؓ ہوئے۔ مسلمانوں کی نگاہِ انتخاب آپ پر ہی آئی اور خدا تعالیٰ کا تکوینی فیصلہ آپ کے حق میں ہی تھا۔ حضرت امام نوویؒ اس حدیث پر لکھتے ہیں :-

ھو اخبار بالغیب الذی اعلمہ تعالیٰ بہ[5]

یہ وہ غیبی خبر تھی جو اللہ نے اپنے رسول پر ظاہر فرمائی۔

امام مسلمؒ کی شہادت

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایامِ علالت میں مجھ سے فرمایا۔

---

[1] ایضاً ج ۹ ص ۱۰۱ [2] ایضاً ج ۳ ص ۲۴۴ [3] فیض الباری ج ۳ [4] صحیح البخاری ج ۹ ص ۱۲۵ [5] شرح صحیح مسلم ج ۲ ص ۲۷۳

ادعی لی اباك واخاك حتی اکتب کتابا فانی اخاف ان یتمنی متمن ویقول قائل انا اولی ویابی الله والمومنون الا ابابکرؓ

ترجمہ:۔ اپنے والد (ابوبکرؓ) اور بھائی (عبدالرحمٰنؓ) کو بلاؤ تاکہ میں ایک حکم نامہ لکھوادوں تاکہ بعد میں کوئی (خلافت) کا امیدوار نہ بنے اور یہ نہ دعویٰ کر بیٹھے کہ میں زیادہ حقدار ہوں، حالانکہ خدا تعالیٰ اور مومنین ابوبکرؓ کے سوا کسی پر راضی نہیں۔

آپ کا ارادہ وصیت اور آداب وصیت کی طرف توجہ دلانے کے لئے تھا حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر کو بلانا لکھنے کے لئے تھا کسی غیر محرم کو حضرت ام المؤمنین کے حجرہ میں بلانا مناسب نہ تھا۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ارادے کی خبر دیدی تو آپ مطمئن ہو گئے اور اطمینان کا اثر تھا کہ آپ گو کئی دن بعد تک زندہ رہے آپ نے وصیت لکھوانے کا پھر ارادہ نہ فرمایا، ہاں یہ صحیح ہے کہ آپ اگر وصیت لکھوا لیتے تو وہ حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا ہی امر ہوتا۔ امام نوویؒ لکھتے ہیں:۔

فی ھذا الحدیث دلالۃ ظاھرۃ لفضل ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ واخبار منہ صلی اللہ علیہ وسلم بما سیقع فی المستقبل بعد وفاتہ وان المسلمین یأبون عقد الخلافۃ لغیرہ وفیہ اشارۃ انہ سیقع نزاع و وقع کل ذلك ۔ [۵۱]

ترجمہ:۔ اس حدیث سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی فضیلت ظاہر ہے نیز وفات نبویؐ کے بعد مستقبل میں پیش آنے والے واقعے کی خبر بھی ہے اور یابی اللہ والمومنون سے اس بات کی طرف اشارہ بھی ہے کہ کچھ نزاع واقع ہوگا۔ چنانچہ تمام باتیں پوری ہوئیں۔

جنگ بدر سے ایک دن پہلے کی بات ہے صحابہ بنی الحجاج کے ایک لڑکے سے ابوسفیان کے بارے میں پوچھتے تھے وہ اس کی کوئی بات نہ بتلاتا۔ عتبہ، شیبہ اور امیہ بن خلف کی بات بتاتا جب اسے پیٹتے تو وہ کہتا کہ وہ ابوسفیان کے بارے میں بتائے گا۔ جب چھوڑ دیتے تو وہ پھر اس کی کوئی بات نہ بتلاتا۔

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معرکہ بدر سے ایک دن پہلے بتادیا تھا کہ کل فلاں کافر اس جگہ گرا ہوگا اور فلاں اس جگہ ۔۔۔ حضورؐ نے فرمایا تھا:۔

والذی نفسی بیدہ لتضربوہ اذا صدقکم و تترکوہ اذا کذبکم قال فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھذا مصرع فلان ویضع یدہ علی الارض ھٰھنا و ھٰھنا قال فما ماط احدھم عن موضع ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [۵۲]

ترجمہ: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ تم اسے مارتے ہو جب وہ سچ بولتا ہے۔ اور چھوڑ دیتے ہو جب وہ جھوٹ بولتا ہے۔ پھر آپ نے مختلف کافروں کے مرنے کی جگہوں کی نشاندہی فرمائی۔ پس بدر کے

---

[۱] شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۳ [۲] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ [۳] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۳

دن کوئی کافر آپ کی نشان زدہ جگہ سے اِدھر اُدھر نہیں ہوا، امام نووی لکھتے ہیں :۔

فیہ معجزتان من اعلام النبوۃ احدھما اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم بمصرع جبابرتھم فلم یتجاوز احد مصرعہ الثانیۃ اخبارہ صلی اللہ علیہ وسلم بان الغلام الذی کانوا یضربونہ یصدق اذا ترکوہ ویکذب اذا ضربوہ وکان کذالک فی نفس الامر[1]	ترجمہ: اس میں دو معجزے آپ کی صداقت کی دلیل بن رہے ہیں (۱) آپ نے کفار کے پچھاڑے جانے کی جگہوں کی نشاندھی فرمائی اور وہ پوری ہوئی۔ (۲) لڑکے کے بارے میں آپ نے جو فرمایا تھا وہ بھی حقیقت پر مبنی تھا۔
واعلم ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان اخبرھم من قبل اسماء من یقتل فیھا من الکفار وحیث یصرع فوقع کما کان اخبر بہ حتی لم یتجاوز عنہ قید شبر وکذلک اخبار الانبیاء تحکی عن الواقع ولا یتحمل فیہ الخلاف بنحو شعر او شعیرۃ[2]	حضور صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے قتل ہو جانے اور اُن کے پچھاڑے جانے کی جگہوں کی نشاندھی فرمائی اور جیسے آپ نے فرمایا تھا۔ اس سے سرمو فرق نہ آیا۔ انبیاء علیہم السلام کی خبروں میں ایک بال یا جو کے برابر بھی کمی بیشی نہیں ہوا کرتی۔ حضرت شاہ صاحب نے فرمایا

اس وقت یہ بحث نہیں کہ علماء دیوبند علم نبوت کی صداقت کے کیسے والہانہ معتقد ہیں۔ پیش نظر صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر جو غیب کی خبریں دیں وہ من وعن پوری ہوئیں۔ اس کے ساتھ جب اس عقیدہ کو جمع کریں کہ علم غیب خاصہ باری تعالیٰ ہے۔ انبیاء کرام علم غیب نہیں رکھتے۔ کسی چیز کو پہلے سے نہیں جانتے ہیں۔ تو یہ تسلیم کرنے سے یہ چارہ نہیں رہتا کہ احادیث کا منبع و ماخذ اللہ رب العزت کی ذات ہے اور آنحضرتؐ پر وحی صرف قرآن کی صورت میں ہی نہیں آتی رہی۔ احادیث کا مصدر بھی وحی الٰہی ہی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی دین کی کوئی بات کہی یا کسی آئندہ ہونے والے واقعہ کی خبر دی۔ تو یہ سب وحی الٰہی سے ہوتا رہا ہے۔ آنحضرتؐ اپنی طرف سے ایسی کوئی بات نہ کہتے تھے۔

اخبار الحدیث کا عنوان اور کتب حدیث میں اس کے ہزاروں شواہد کا مذکور ہونا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ حدیث یقیناً وحی الٰہی ہے۔ گو اس کے الفاظ متلو نہ ہوں۔ حدیث میں الفاظ بیشتر آپ کے اپنے ہوتے تھے۔ — لیکن مضمون سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوتا تھا۔

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۰۲ [2] فیض الباری جلد ۴ صفحہ ۸۶

فتح شام فتح ایران اور فتح یمن کی پیشگوئی

جنگ احزاب سے کون واقف نہیں۔ آپ نے یہ بھی بارہا سُنا کہ اس میں مسلمانوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے مدینہ کے گرد خندق کھودی۔ کھدائی کے دوران ایک چٹان ظاہر ہوئی جس پر کدال کام نہ کرتے تھے۔ صحابہ نے حضور سے صورتِ حال عرض کی۔ آپ نے بسم اللہ کہہ کر کدال اُٹھائی اور اس پر ضرب لگائی۔ ایک تہائی چٹان ٹوٹ گئی اور آپ نے ایک روشنی دیکھی۔ اس میں آپ نے شام کے سُرخ محل دیکھے۔ آپ نے پھر دوسری ضرب لگائی اور چٹان کا دوسرا تہائی حصہ بھی ٹوٹ گیا اور آپ نے اس کی روشنی میں مدائن کے سفید محلات دیکھے۔ آپ نے پھر ایک اور ضرب لگائی اور باقی چٹان بھی ٹوٹ گئی اور آپ نے صنعاء (یمن) کے دروازے دیکھے حضرت براءؓ کہتے ہیں۔

"حضور نے اس چٹان کی پہلی ضرب پر فرمایا: اعطیت مفاتیح الشام۔ مجھے شام کی کنجیاں دی گئیں —— دوسری ضرب پر فرمایا مجھے فارس کی کنجیاں دی گئیں اور تیسری ضرب پر فرمایا۔ مجھے یمن کی کنجیاں دی گئیں"۔ [1]

یہ ایک عظیم پیشگوئی ہے۔ جو حرف بحرف پوری ہوئی۔ اس میں اس بات کی خبر دی گئی کہ یہ سلطنتیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں گی۔ اس میں یہ خبر بھی تھی کہ آپ کے صحابہ جو ان ملکوں کو فتح کریں گے۔ وہ آپ کے نقش قدم پر ہی آگے بڑھیں گے، ورنہ اُن کی فتوحات حضور کے ہاتھ میں دی گئی کنجیاں شمار نہ ہوتیں اور یہ صحیح ہے کہ صحابہ حضور کی وفات کے بعد آپ کے دین سے پھرے نہیں۔ وہ آپ کی پوری تابعداری اور وفاداری سے دنیا کے کناروں تک پھیلے اور پہنچے ہیں۔

یہ خبر حدیث میں پہلے دَور سے تعلق رکھتی ہے۔ جو اسلام کا قرن اول کہلاتا ہے۔ یہ عہد صحابہ میں ہو بہو پوری ہوئی اور دنیا نے صداقت حدیث کے کھلے نشان دیکھے۔ حدیث میں پھر ایسی پیشگوئیاں بھی موجود ہیں۔ جو اس پہلے دَور میں پوری نہیں ہوئیں، کئی صدیوں کے بعد پوری ہوئیں۔ جس وقت حدیث کی کتابیں لکھی جا رہی تھیں۔ اس وقت ان خبروں کے پورا ہونے کے کوئی آثار عالم ظاہر میں موجود نہ

---

[1] مسند امام احمد والنسائی

ستھے۔ محدثین صرف یہ دیکھتے تھے کہ حدیث ان کے قواعد کے مطابق صحیح اور قابلِ قبول ہے یا نہ؟ ان کے حدیثوں کے کتابوں میں لکھے جانے پر جب کئی صدیاں گزریں تو ان کے مصداق ظاہر ہوئے۔ اب ان روایات کا ایک ایک لفظ شہادت دے رہا ہے کہ حضور نے یہ باتیں اپنی طرف سے نہ کہی تھیں، بلکہ ان میں وحی غیر متلو کا الہامی عنصر شامل تھا۔ مثلاً

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لا تقوم الساعة حتی تخرج نار من الارض الحجاز تضئ اعناق الابل ببصری۔

(ترجمہ) قیامت سے پہلے ایک وقت ہوگا، جب ارض حجاز سے ایک آگ نکلے گی، وہ اونٹوں کی گردنوں تک اونچے ٹیلوں اور پہاڑوں تک کو روشن کر دیگی۔

یہ پیش گوئی حدیث کی ان کتابوں میں مزبور ہے۔ جو دوسری اور تیسری صدی میں لکھی گئیں، لیکن یہ پوری کب ہوئی؟ ساتویں صدی ہجری میں۔ اب کسی جہت سے اس وہم کو راہ نہیں ملتی کہ یہ پیشگوئیاں بعد الوقوع ان کتابوں میں جگہ پا گئی ہیں۔ ہرگز نہیں۔ یہ روایات حدیث کے الہامی پہلو کا کھلا نشان اور حدیث کے وحی غیر متلو ہونے پر ایک روشن برہان ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اس حدیث کے تحت لکھتے ہیں:

قال القرطبی فی التذکرہ قد خرجت نار بالحجاز بالمدینة وکان بدؤھا زلزلة عظیمة فی لیلة الاربعاء بعد العتمه الثالث من جمادی الاخری سنة اربع وخمسین وستمائة واستمرت الی ضحی النہار یوم الجمعة الثالث فسکنت وظہرت النار بقریظة بطرف الحرة تری فی صورة البلد العظیم علیہا سور محیط علیہ شراریف وابراج وماذن وتری رجال یقودونہا لا تمر علی جبل الا دکته واذابته ویخرج من مجموع ذلك مثل النہر احمر وازرق له دوی کدوی الرعد یاخذ الصخور بین یدیه وینتہی الی محط الرکب

لہ مسند احمد ص   النسائی   ۲ؔ صحیح بخاری جلد ص   مسلم

العراقی.... قال النووی تواتر العلم بخروج ھٰذہ النار عند جمیع اھل الشام۔

قرطبی (۶۷۱ھ) نے تذکرہ میں لکھا ہے کہ حجاز میں (۶۵۴ھ) کو ایک آگ نکلی پہلے ایک بڑا بھاری زلزلہ آیا۔ یہ واقعہ جمادی الاخری بدھ کی شام کا ہے۔ یہ آگ جمعہ کے دن تک جلتی رہی آگ ایک بڑے شہر کی شکل میں تھی، جس کے گرد فصیلیں ہوں اور اس پر بُرج اور مینار ہوں یوں دکھائی دیتا تھا۔ جیسے اس میں کچھ انسان ہیں جو اُسے جلا رہے ہیں۔ جس پہاڑ پرسے یہ گزرتی۔ اُسے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی اور پگھلا کر رکھ دیتی، یوں بھی معلوم ہوتا کہ اس میں سے سُرخ اور نیلے دریا بھی نکل رہے ہیں۔ اس کی آواز بادل کی گرج کی سی تھی اور یہ پتھروں کو ساتھ بہا لئے جاتی تھی۔ پھر اسی جگہ جا ٹھہری جو عراق والوں کے اترنے کی جگہ ہے ----- امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں۔ اس آگ کا نکلنا جمیع اہل شام کے ہاں تواتر کے درجہ تک پہنچا ہوا ہے سو اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں۔

ترکوں کے ہاتھوں عربوں پر حملہ

معاویہ بن حدیج کہتے ہیں۔ میں حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بیٹھا تھا، کہ میرے بیٹھے ہوئے ان کے پاس اُن کے کسی عامل کا خط آیا کہ اس کا کسی مقام پر ترکوں سے مقابلہ ہوا اور اس نے انہیں مار بھگایا ہے۔ اس پر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت پریشان ہوئے اور اُسے لکھا کہ جب تک میں نہ کہوں ترکوں سے نہیں لڑنا۔ اس وقت تک ترک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے ذہن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث تھی کہ جب تک ترک تم سے نہ لڑیں، تم انہیں نظر انداز کرنا، ان سے نہ لڑنا۔

اترکوا الترک ما ترکوکم [۱]

(ترجمہ) ترکوں کو چھوڑے رکھو، جب تک وہ خود تم سے تعرض نہ کریں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس عامل کو یہ بھی لکھا کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے کہ ترک عربوں کو نکال دیں گے۔

---

[۱] سنن نسائی جلد ۲ صـ ۵۴

اس حدیث کی تصدیق حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دل میں تھی۔ آپ کا اپنے عامل سے حدیث کی روشنی میں بات کرنا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی تصدیق رسالت کی ایک بڑی روشن دلیل ہے۔ وہ دل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو سچا نہ سمجھے ہوئے ہوتے تو ایسے سیاسی اُمور میں وہ اس طرح حدیث کی روشنی میں نہ چلتے نہ اس طرح اس کی کھلے بندوں تلقین کرتے۔

خوارزم شاہ نے اپنے عہد میں اس حدیث کی خلاف ورزی کی اور چنگیز خاں کے قاصدوں کو قتل کر ڈالا۔ پھر کیا ہوا؟ وہی کچھ ہوا، جس سے بچنے کے لئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مندرجہ بالا ہدایت دی تھی۔ بغداد کی تاریخی تباہی اس کے نتیجہ میں عمل میں آئی۔ یہ ساتویں صدی کا واقعہ ہے۔ طبرانی کی ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ملتے ہیں:

ان بنی قنطورا اول من سلب امتی ملکہم۔ [1]

(ترجمہ) "بیشک بنو قنطورا (ترک) پہلے لوگ ہوں گے، جو میری اُمت سے ان کا ملک لیں گے۔"

یہ پیشگوئیاں جب حدیث کی کتابوں میں لکھی گئی تھیں، اسوقت ترک دنیا میں کوئی طاقت نہ تھے۔ حضور نے فرمایا تھا:

لا تقوم الساعۃ حتی تقاتلوا قوماً نعالہم الشعر وحتی تقاتلوا الترک صغار الاعین حمر الوجوہ ذلف الانوف کان وجوہہم المجان المطرقۃ۔ [2]

(ترجمہ) قیامت نہ آئے گی جب تک تم اس قوم سے نہ لڑلو، جن کے جوتے بالوں سے بنے ہوں گے اور جب تک تم ترکوں سے نہ لڑو۔ یہ چھوٹی چھوٹی آنکھوں والے، سُرخ چہروں والے، چپٹی ناک والے لوگ ہوں گے۔ ان کے چہرے ایسے ہونگے، جیسے ڈھالیں ہوں۔

تاریخ گواہ ہے کہ اسکے صدہا سال بعد وہی کچھ ظہور میں آیا یا جس کی مخبر صادق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے خبر دے چکے تھے۔

---

[1] [2] سنن نسائی ۲ صر ۵۳ صحیح بخاری جلد ۱ صر ۴۱۰

حدیث پر قرآن کے سائے

از: حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب زید مجدھم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

یہ بات تفصیل سے آپ کے سامنے آچکی ہے کہ قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو ہر لحظہ اطاعت رسول کا حکم دیتا ہے۔ قدم قدم پر حدیث کی طرف متوجہ کرتا ہے تو یوں سمجھئے قرآن متن ہے تو حدیث اس کی شرح، قرآن کریم اجمال ہے تو حدیث اس کی تفصیل، قرآن کریم پر عمل اَطِیۡعُوا اللّٰہَ کا امتثال ہے تو حدیث پر عمل اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ کی تعمیل ہے۔

آج یہ موضوع نہیں کہ قرآن ہمیں حدیث کی طرف کس اہتمام سے متوجہ کرتا ہے بلکہ آج ہمیں اس پر توجہ کرنا ہے کہ حدیث ہمیں کس طرح قرآن کریم کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ اور حدیث پر کس طرح قرآن کے سائے پھیلے ہوئے ہیں۔ آج ہمیں اس امر پر غور کرنا ہے کہ حدیث میں قرآن کریم کو کس طرح سربراہ مانا گیا ہے؟ اس سے اس پراپیگنڈے کی خود تردید ہو جائیگی کہ حدیث قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش ہے۔ حدیث کے لٹریچر کا اگر یہی مقصد ہوتا کہ لوگوں کو قرآن کریم سے ہٹایا جائے تو اس میں قرآن کے سائے اس دور تک پھیلے ہوئے ہمیں کبھی نہ ملتے۔ حق یہ ہے کہ حدیث میں قدم قدم پر قرآن کریم کی سربراہ حیثیت کا اقرار ہے۔ آیئے دیکھیں روایات حدیث میں کہیں قرآن کریم کے حوالے بھی ملتے ہیں؟ ملتے ہیں تو کس حیثیت سے؟ حدیث پر قرآن کریم کس طور پر سایہ فگن ہے؟ اور متون حدیث میں قرآن کریم کو کس حیثیت سے ذکر کیا گیا ہے برابر کے ماخذ علم ہونے کی حیثیت سے یا اسے ایک منبع کی حیثیت سے ذکر کرتے ہیں جس سے آگے علم کے کئی اور چشمے پھوٹے ہوں۔

اس موضوع میں دیکھنا چاہیئے کہ محدثین کے ہاں مرویات حدیث میں قرآنی ھدایت کن اصولی حدود تک کارفرما ہے اور اس کی اصولی نظائر کس کس انداز میں مرویات حدیث میں موجود ملتے ہیں۔

کیا قرآن و حدیث برابر کے ماخذ علم ہیں؟

یہ صحیح ہے کہ بعض روایاتِ حدیث میں کتاب و سُنّت کو دو برابر کے ماخذِ علم کی حیثیت میں پیش کیا گیا ہے تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ اور اِنِّی تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کی تعبیرات دونوں کو ایک ساذکر کرتی ہیں لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان تمام مرویات میں کتاب اللہ کا ذکر پہلے اور سُنّت یا حدیث کا ذکر بعد میں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عربی زبان میں واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہوتی لیکن سینکڑوں روایات میں ایک ہی ترتیب کا التزام بتلاتا ہے کہ قرآن مجید ہمیشہ سے مقدم رہا ہے اور حدیث، قرآن کی برابری کے لئے نہیں اسی کا آگے عملی پھیلاؤ ہے۔ یہ نہرِ ھدایت منبعِ قرآن سے ہی نکلی ہے اور حدیث میں ہر جگہ قرآن کو ہی سربراہ تسلیم کیا گیا ہے۔ علوم اسلامی کے تمام سوتے قرآن سے ہی پھوٹے ہیں اور یہی منبع علم ہے جو آگے پھیلتا چلا گیا۔ پھر ایسی روایات کی بھی کمی نہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف قرآن کو ہی پیش کیا ہے اسی کو حق سے وابستگی بتلایا ہے، اسی کو حق کا نشان کہا ہے اور بنی نوع انسان کو اسی کی ابدی سچائی کی طرف دعوت دی ہے۔

ان تمام روایات کا حاصل صحابہ کرامؓ اور ائمۂ دین کے ہاں یہی سمجھا گیا کہ یہاں کتاب اللہ یا قرآن پاک سے صرف قرآن پاک مُراد نہیں بلکہ قرآن پاک بشمول سُنّت کاملہ مُراد ہے۔ سُنّت کریمہ قرآنی ارشاد وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ میں لپٹی ہوئی ہے اور اس پہلو سے یہ قرآن پاک کا ہی جزء ہے اسی تشریح سے ان روایات کو جن میں صرف قرآن پاک کی تعمیل کا حکم ہے تَرَکْتُ فِیْکُمْ اَمْرَیْنِ وغیرہ سے تطبیق دی گئی ہے۔ محدثین کے ہاں ان روایات میں قرآن مجید سے صرف قرآن پاک کبھی مُراد نہیں لیا گیا یہاں علم کے دونوں ماخذ مُراد ہیں۔

قرآن وحدیث ——— یہ دونوں بنی نوع انسان کے لئے برابر کے حجت ہیں، لیکن ماخذِ علم ہونے میں دونوں ایک ترتیب سے سامنے آتے ہیں اور درجہ ہر ایک کا اپنا اپنا ہے۔

قرآن و حدیث میں مثلیت کا دعویٰ

اس سے انکار نہیں کہ بعض روایات میں اَلَا وَاِنِّی اُوْتِیْتُ الْکِتَابَ وَ مِثْلَہٗ مَعَہٗ[1] (کہ مجھے کتاب اللہ کے ساتھ اسی کی مثل اور بھی عطاء فرمائی گئی ہے) کے سے الفاظ ملتے ہیں لیکن یہاں مثلیت سے مثلیت من کل الوجوہ مراد نہیں، قرآن مجید صفت خداوندی ہے اور مخلوق نہیں ہے۔ صفت باری تعالیٰ مخلوق کیسے ہو سکتی ہے؟ حدیث، قول و فعل پیغمبرؐ ہے اور پیغمبرؐ خود مخلوق ہیں، جو مخلوق سے صادر ہو وہ غیر مخلوق جیسا کیسے ہو سکتا ہے۔ سو یہاں مثلیت سے مراد مثلیت فی الحجۃ ہے یعنی جس طرح قرآن مؤمنین کیلئے حجت ہے۔ قانون اور شرع ہے۔ اسی

---

[1] سنن ابی داؤد ص۲۷۶ جلد دوم

طرح حدیث بھی مؤمنین کے لئے قانون اور شرع ہے۔ شرع حدیث کا سرچشمہ بھی گو وحی الٰہی ہی ہے۔ لیکن تعبیر قرآن اور حدیث کی اپنی اپنی ہوتی ہے اور مسلمانوں کے لئے ہر دو ماخذ علم ہیں اور اپنے اپنے درجے میں رہتے ہوئے یکساں حجت ہیں کسی کا بھی کوئی عمداً انکار کرے تو وہ کفر کی دلدل میں گر جاتا ہے۔

حدیث میں قرآن بحیثیت منبع ہدایت ہے

حدیث کے لٹریچر میں جگہ جگہ قرآن کی طرف متوجہ کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ عام محدثین قرآن کریم کو ہمیشہ سے منبع ہدایت تسلیم کرتے آتے ہیں۔ المصنّف لابن ابی شیبہ میں ہے۔ (نیز صحیح ابن حبان جلد ا ص۲۸۷)

(۱) حضرت زید بن ارقم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا۔ اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمْ کِتَابَ اللّٰہِ ھُوَ حَبْلُ اللّٰہِ مَنِ اتَّبَعَہٗ کَانَ عَلَی الْھُدٰی وَمَنْ تَرَکَہٗ کَانَ عَلَی الضَّلَالَۃِ[۱] (ترجمہ) میں تم میں کتاب اللہ چھوڑے جا رہا ہوں۔ یہ اللہ کی مضبوط رسّی ہے۔ جس نے اس کی پیروی کی ہدایت پر رہا اور جس نے اسے چھوڑ دیا وہ گمراہی پر ہے۔

(۲) حضرت جابر بن عبد اللہ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

وَقَدْ تَرَکْتُ فِیْکُمْ مَالَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِہٖ کِتَابَ اللّٰہِ[۲]

اور میں نے وہ چیز چھوڑی ہے کہ اگر تم نے اس سے تمسک کیا تم کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ وہ اللہ کی کتاب ہے۔

(۳) حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰ سے پوچھا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کے لئے کوئی وصیت فرمائی؟ آپؓ نے کہا نہیں۔ اس نے کہا ہیں تو آپؐ نے وصیت کرنے کا حکم دیا اور خود کوئی وصیت نہیں فرمائی؟ اس پر حضرت عبد اللہ بن ابی اوفیٰؓ نے کہا اَوْصٰی بِکِتَابِ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ[۳] آپؐ نے قرآن کریم کو لازم پکڑنے کی وصیت فرمائی ہے۔

(۴) حضرت جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں ہم حجۃ الوداع میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ آپؐ نے فرمایا

اَلَیْسَ تَشْھَدُوْنَ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاَنَّ الْقُرْاٰنَ قَدْ جَآءَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ

(ترجمہ) کیا تم گواہی نہیں دیتے کہ ایک خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور یہ کہ قرآن اللہ کی کتاب ہے۔ ہم نے عرض کی کیوں نہیں؟ اس پر آپؐ نے ارشاد فرمایا:۔

فَاَبْشِرُوْا فَاِنَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنَ طَرَفُہٗ بِیَدِ اللّٰہِ وَطَرَفُہٗ بِاَیْدِیْکُمْ فَتَمَسَّکُوْا بِہٖ فَاِنَّکُمْ لَنْ تَھْلِکُوْا وَلَنْ تَضِلُّوْا بَعْدَہٗ اَبَدًا

---

[۱] کنز العمال ج ۱ ص ۴۷ [۲] صحیح مسلم ج ۱ باب حجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص ۴۲۰، سنن ابی داؤد ج ۱ ص ۲۷۰، سنن ابن ماجہ، السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۵ ص ۸، مسند احمد کما فی البدایہ لابن کثیرؒ ج ۵ ص ۱۷۰ [۳] مسند ابی داؤد الطیالسی ص ۱۱۰۔

ترجمہ:۔ تمہیں بشارت ہو کہ اس قرآن کا ایک سرا اللہ کے ہاتھ میں ہے اور دوسرا تمہارے ہاتھ میں۔ اسے مضبوطی سے پکڑے رہنا۔ کیونکہ تم اس کے ہوتے ہوئے کبھی ہلاک اور گمراہ نہیں ہو سکتے۔ ؎

اس قسم کی احادیث کے ہوتے ہوئے کیا کوئی شخص کہہ سکتا ہے کہ حدیث دراصل قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش تھی جس کا مقصد لوگوں کو قرآن سے ہٹانا اور احادیث کے گرد لانا تھا؟ کیا ان احادیث میں صریح طور پر قرآن کریم کو منبعِ ہدایت کے طور پر نہیں مانا گیا؟ کچھ تو سوچیے اور انصاف سے کام لیجیے۔

حدیث میں قرآن کی طرف رجوع

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جانتے تھے کہ نص قرآنی اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا کے تحت آپؐ کے فیصلے اور ارشادات بذاتِ خود سنداً و رحجّت ہیں۔ کسی مؤمن کو حق نہیں کہ صحیح حدیث ملنے کے بعد اس سے بڑی سند کا مطالبہ کرے یا قرآن سے اس کی دلیل مانگے۔ پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کی اساسی حیثیت اور اس کے اصل منبعِ علم ہونے کا بارہا اظہار فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کئی بار فرمایا۔ "چاہو تو اس باب میں تم قرآن کریم بھی پڑھ لو۔" آپؐ کی عادت مبارک تھی کہ حدیث بیان کرتے کرتے کبھی کبھی اس کی اصل قرآن کی بھی نشاندھی فرما دیتے۔ قرآن کریم سے یہ استشہاد کبھی تو عینِ مضمون کے لئے ہوتا اور کبھی یہ مراد ہوتی کہ یہ بات اس عام حکمِ قرآنی میں داخل ہے۔

اب ہم چند ایسی روایات پیش کرتے ہیں جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث بیان کرتے ہوئے خود قرآن پاک سے اس کی تائید پیش فرمائی۔ ہم آج کے اس موضوع کو "قرآن الحدیث" کے عنوان سے پیش کرتے ہیں اس سے یہ مضمون کھل جاتا ہے کہ مطالعۂ حدیث ہمیں کہاں تک قرآن کریم کی طرف متوجہ کرتا ہے اور کیسے اصل کی طرف لوٹاتا ہے۔ یوں کہیے حدیث کی اصل قرآن کریم ہی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حدیث بیان کرتے وقت قرآن پڑھنا

(۱) حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الْخَلْقَ حَتّٰٓى اِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهٖ قَالَتِ الرَّحِمُ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِيْعَةِ قَالَ نَعَمْ اَمَا تَرْضَيْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَاَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ

؎ رواہ البزار کما فی الترغیب والترہیب للمنذری صحیح ابن حبان ص ۲۸۹ ج ۱ مطبوعہ مصر۔ و رواہ الطبرانی فی الکبیر کما فی مجمع الزوائد ص ۱۶۹ ج ۱ ان تمام روایات میں قرآن کریم پر اقتصار کیا گیا ہے کہ وہ اطاعتِ رسولؐ کی دعوت دیتے ہوئے عمل بالسنۃ کو بھی شامل ہے کما فی بذل المجہود ص ۱۵۵ ج ۳

بَلٰی یَا رَبِّ قَالَ فَھُوَ لَکِ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاقْرَأُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَھَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَکُمْ لہ

اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا کیا یہاں تک کہ جب پیدا کرنے سے فارغ ہوا، تو رشتہ داری نے عرض کیا کہ اے اللہ یہ تیرے حضور اس کی فریاد ہے جو قطع رحمی سے تیری پناہ مانگے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا تجھے یہ پسند نہیں کہ میں اس سے ملوں جو تجھے ملائے اور اس سے قطع تعلق کر دوں جو تجھ سے قطع تعلق کرے۔ رحم نے عرض کیا اے میرے پروردگار کیوں نہیں، خدا تعالیٰ نے فرمایا، بس یہ تجھے حاصل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم یہ چاہو تو یہ آیت پڑھو فَھَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ تَوَلَّیْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْا اَرْحَامَکُمْ ؎۲ (کیا عجب ہے کہ اگر تم مالک بن جاؤ زمین کے تو اس میں فساد کرنے لگو اور رشتہ داریوں کو کاٹنے لگو۔) اس روایت میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی رحم (رشتوں کے حقوق توڑنا) کی مذمت بیان کرتے ہوئے۔ اس پر قرآن کریم کی آیت تلاوت فرمائی جس میں قطع رحم کی برائی مذکور تھی۔ کیا اس میں آنحضرتؐ نے اپنے بیان پر قرآن کریم سے شہادت پیش نہیں فرمائی؟ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیث، قرآن کے خلاف ایک نئے ماخذ کو کھڑا کرنا تھا؟ کچھ تو غور کیجئے اور حدیث کی اہمیت سے انکار نہ کیجئے۔

(۲) حضرت عبداللہؓ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حد مارنے کیلئے لایا گیا۔ حضورؐ کے چہرہ مبارک پر کچھ غبار کے سے آثار ظاہر ہوئے۔ گویا کہ آپ پریشان ہیں۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ آپ پر یہ صورت کیا گراں گزری۔ آپؐ نے فرمایا:۔

وَمَا یَمْنَعُنِیْ وَاَنْتُمْ اَعْوَانُ الشَّیْطٰنِ عَلٰی اَخِیْکُمْ اِنَّ اللّٰہَ عَفُوٌّ یُّحِبُّ الْعَفْوَ وَاِنَّہٗ لَا یَنْبَغِیْ لِوَالٍ اَنْ یُّؤْتٰی بِحَدٍّ اِلَّا اَقَامَہٗ ؎۳

(ترجمہ) اور اس سے مجھے کونسی چیز روک سکے؟ اور تم اپنے بھائی پر شیطان کے مددگار بن کر چڑھے ہو۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنیوالے ہیں اور معاف کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور ہاں یہ کسی حاکم کے لئے جائز نہیں کہ اس کے پاس حد کا کوئی معاملہ (کیس) آئے مگر یہ کہ وہ اس حد کو قائم کر دے۔

اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ (محدث عبدالرزاق ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں ثُمَّ قَرَأَ " وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا " (اور چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے طبعی رجحان کا اظہار فرمانے کے بعد اس پر قرآن کریم کی آیت سے استشہاد فرمایا کہ جہاں تک ہو سکے چاہیئے کہ معاف کریں اور درگزر کریں۔ کیا اس حدیث پر قرآن کریم کا سیع

؎۱ صحیح بخاری ص ۸۸۵ ج ۲ مطبوعہ دہلی ؎۲ پ ۲۶ سورہ محمد ع ۳ ؎۳ المصنف ص ۳۷۲ ج ۷، مسند احمد ص ۳۸ ج ۱، سنن کبریٰ بیھقی ص ۳۲۶ ج ۸ - ص ۳۳۱

سایہ نہیں ملتا؟ اور کیا یہاں حدیث پر قرآن کی اصولی سربراہی کارفرما نہیں؟

(۳) حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ اِلَّا یُوْلَدُ عَلَی الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ یُهَوِّدَانِهٖ اَوْ یُنَصِّرَانِهٖ اَوْ یُمَجِّسَانِهٖ كَمَا تُنْتَجُ الْبَهِیْمَةُ بَهِیْمَةً جَمْعَاءَ هَلْ تُحِسُّوْنَ مِنْ جَدْعَاءَ ثُمَّ یَقُوْلُ فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ[۱] (ترجمہ) ہر بچہ فطرتِ اسلامی پر پیدا ہوتا ہے۔ اس کے بعد اس کے ماں باپ اُسے یہودی، نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں، جس طرح جانوروں کے بچے تندرست و توانا اور سالم پیدا ہوتے ہیں مگر بعد میں یہ کافر ان کے کان وغیرہ کاٹ ڈالتے ہیں (یعنی اس طرح انسانوں کے سب بچے اسلامی فطرت پر پیدا ہوتے ہیں) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ذٰلِكَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ[۲]

(ترجمہ) "وہ فطرت اللہ ہے اللہ نے اسی پر لوگوں کو تخلیق بخشی۔ اللہ کا دین نہیں بدلتا، یہی ٹھیک دین ہے قائم رہنے والا"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بات بیان فرمائی وہ اپنی جگہ سندِ کامل اور حق کی حجت تھی مگر اس پر بھی حضورؐ نے اسے قرآن پاک سے مستفاد فرمایا۔ دیکھیے حدیث پر قرآن کے سائے کس طرح وسیع پھیلے ہوئے ہیں۔ کچھ تو سوچیے اور حق کا ساتھ دیجیے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ایک بات کہی جو قرآن پاک میں ان الفاظ میں نہیں ملتی اور پھر اس وحیِ غیر متلو کی تائید میں قرآن کی ایک آیت تلاوت کر دی، ملاحظہ فرمائیے:-

(۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَعْدَدْتُ لِعِبَادِیَ الصَّالِحِیْنَ مَا لَا عَیْنٌ رَاَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ[۳]

ترجمہ: حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے اپنے بندوں کے لئے ایسی ایسی نعمتیں تیار کر رکھی ہیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں، نہ کسی کان نے سُنیں اور نہ کسی انسان کے دل پر ان کا خطرہ گذرا) اگر تم چاہو تو (اس کے استدلال میں یہ آیت کریمہ پڑھ لو۔ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ[۴] پس کوئی نفس نہیں جانتا کہ کیا آنکھوں کی ٹھنڈک کے سامان اس کے لئے پوشیدہ رکھے گئے ہیں یہ جزا ہے ان کے اعمال کی۔

---

[۱] بخاری شریف صفحہ ۲۰۰ جلد ۲ [۲] پ ۲۱ الروم ع ۴ - [۳] صحیح بخاری صفحہ ۴۶۰ جلد ۱ [۴] پ ۲۱ ع ۱۲ السجدۃ

(۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضؓ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ اِلَّا وَاَنَا اَوْلٰی بِهٖ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ [۵۱]

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی مومن نہیں جس کا میں دُنیا و آخرت میں سب سے زیادہ دوست نہیں ہوں اگر تم چاہو تو یہ آیت پڑھو اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ [۵۲] نبی مسلمانوں کے لئے خود اُن کی ذات سے بھی زیادہ رافت و رحمت اور نرمی کرنے والے ہیں۔

(۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ یَبْلُغُ بِهِ النَّبِیَّ صَلَّی عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ فِی الْجَنَّةِ شَجَرَةً یَسِیْرُ الرَّاکِبُ فِیْ ظِلِّهَا مِائَةَ عَامٍ لَا یَقْطَعُهَا وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ [۵۳]

(ترجمہ) حضرت ابوہریرہ رضؓ رضی اللہ عنہ اس روایت کو حضورؐ تک پہنچاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایک درخت ہے کہ سوار اس کے سائے میں ایک سو سال بھی چلتا رہے تو وہ راہ طے نہ ہو اور اگر تم چاہو تو اس آیت کو پڑھ لو وَظِلٍّ مَّمْدُوْدٍ [۵۴] (اور سایہ ہے لمبا جو عبور نہ ہو)

(۷) حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَیْسَ الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ تَرُدُّهُ التَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلَا اللُّقْمَةُ وَلَا اللُّقْمَتَانِ اِنَّمَا الْمِسْکِیْنُ الَّذِیْ یَتَعَفَّفُ [۵۵]

ترجمہ: مسکین وہ نہیں جسے ایک کھجور اور دو کھجوریں اور ایک لقمہ اور دو لقمے لیں مسکین وہ ہے جو مانگنے سے بچے، پرہیزگاری سے کام لے۔ اور اس پر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا [۵۶]

ترجمہ: تو پہچانے گا ان کو چہرے کی علامات کے ساتھ جو کہ لوگوں سے لپٹ کر سوال نہیں کرتے۔ اس حدیث پر قرآن پاک جس طرح سایہ فگن ہے وہ اظہر من الشمس ہے۔

(۸) حضرت ابوامامہ باھلیؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَی الْعَابِدِ کَفَضْلِیْ عَلٰی اَدْنَاکُمْ ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰیَةَ اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا [۵۷]

ترجمہ: آپؐ نے فرمایا عالم کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے میری فضیلت تم میں سے ادنیٰ آدمی پر

---

[۵۱] صحیح بخاری ص ۳۲۳ ج ۱، ۳۲۲، مسند احمد ص ۳۳۴ ج ۲، ص ۳۲۸ ج ۲ [۵۲] پ ۲۱ الاحزاب ع ۱ [۵۳] صحیح بخاری ص ۲۲۳ ج ۲، مسند احمد ص ۲۸۲ ج ۱ [۵۴] پ ۲۷ واقعہ ع ۱ [۵۵] صحیح البخاری ج ۱ ص ۲۰۱ مسند احمد ج ۲ ص ۲۹۰

[۵۶] بقرہ پ ۳ ع ۴ [۵۷] مشکوٰۃ شریف ص ۳۴ عن الترمذی والدارمی

پھر آپؓ نے یہ آیت تلاوت فرمائی :

اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا

بے شک اللہ سے اس کے بندوں میں سے جاننے والے ہی ڈرتے ہیں ۔

حیاتِ مسیح پر قرآنی شہادت :

(۹) حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا :

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَّنْزِلَ فِیْکُمْ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا عَدْلًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَیَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَیَضَعُ الْحَرْبَ وَیَفِیْضُ الْمَالُ حَتّٰی لَا یَقْبَلَہٗ اَحَدٌ حَتّٰی تَکُوْنَ السَّجْدَۃُ الْوَاحِدَۃُ خَیْرًا مِّنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا[۱]

ترجمہ: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ عیسٰی بن مریم تم میں ضرور اتریں گے .حکم ہوکر ،عادل رہیں گے ،صلیب توڑیں گے .خنزیر کا کھایا جانا بند کریں گے .لڑائیوں کا سلسلہ رک جائے گا ،مال اتنا بڑھ جائے گا کہ کوئی اس کا لینے والا نہ ہوگا .یہاں تک کہ ایک سجدہ دنیا و مافیہا سے بہتر ہوگا ،اس پر حضرت ابوہریرۃؓ نے فرمایا :

وَاقْرَءُوْا اِنْ شِئْتُمْ ، وَاِنْ مِّنْ اَھْلِ الْکِتٰبِ اِلَّا لَیُؤْمِنَنَّ بِہٖ قَبْلَ مَوْتِہٖ وَیَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یَکُوْنُ عَلَیْھِمْ شَھِیْدًا[۲]

ترجمہ: اور تم چاہو تو قرآن کریم سے پڑھ لو ——— اور کوئی نہ رہے گا اہل کتاب میں سے مگر یہ کہ ضرور ہی ایمان لائے گا اس پر (حضرت عیسٰیؑ پر) اسکی موت سے پہلے اور رہوگا قیامت کے دن اس پر گواہ ——— یہود کا ایمان یہ ہوگا کہ حضرت عیسٰیؑ بے شک خدا کے پیغمبر ہیں' اور اس کا کلمہ جو بدون مس بشر' مریم کی طرف اترا ۔اور عیسائیوں کا ایمان یہ ہوگا کہ حضرت عیسٰیؑ بے شک بشر ہیں اور پیغمبر ہیں .خدا یا خدا کے بیٹے ہرگز نہیں .گویا یہ وقت ان دونوں ملتوں کے خاتمے کا ہوگا اور سب ملتیں ایک ملتِ اسلامی میں آجائیں گی .قرآن کریم کی اس آیت کی تفسیر میں حضرت ابوہریرۃؓ کا مذہب یہی ہے کہ بہٖ کی ضمیر یہاں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے اور یہ کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام پر ابھی تک موت نہیں آئی ،وہ نزول فرمانے کے بعد طبعی موت مریں گے .امام نوویؒ لکھتے ہیں :

فَفِیْہِ دَلَالَۃٌ ظَاھِرَۃٌ عَلٰی اَنَّ مَذْھَبَ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَؓ فِی الْاٰیَۃِ اَنَّ الضَّمِیْرَ فِیْ مَوْتِہٖ یَعُوْدُ اِلٰی عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ[۳]

---

[۱] صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹۰ ، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۷۲ [۲] پ سورۃ النساء ع ۲۲ [۳] نووی شرح مسلم جلد ۱ ص ۸۷

ترجمہ: آیت کی تفسیر میں اس بات کی واضح دلالت ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے مذہب کے مطابق "موتہٖ" میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے۔

(۱۰) حضرت عمران بن حصینؓ کہتے ہیں کہ مزینہ کے دو شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا:
أرأیت ما یعمل الناس الیوم ویکدحون فیہ أشیٔ قضی علیھم ومضی فیھم من قدر سبق أو فیما یستقبلون بہ مما أتاھم بہ نبیھم وثبتت الحجۃ علیھم ؟[۱]

ترجمہ: آپؐ کی کیا رائے ہے کہ جو لوگ آج عمل کرتے ہیں اور اس میں مشقت برداشت کرتے ہیں کیا یہ چیز پہلے سے فیصلۂ تقدیر ہے یا وہ آگے چل کر سامنا کرتے ہیں جو کچھ ان کے نبی دیتے ہیں اور ان پر حجت قائم ہوتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا نہیں بات وہی چلے گی جس کا فیصلہ قضا و قدر میں پہلے سے ہو چکا ہے پھر آپؐ نے فرمایا: ______ وتصدیق ذٰلک فی کتاب اللہ عزوجل ونفس وما سواھا فالھمھا فجورھا وتقواھا[۲]

ترجمہ: اور اس کی تصدیق کتاب اللہ میں موجود ہے۔ فرمایا: قسم ہے جی کی اور جیسا کہ اس کو ٹھیک بنایا۔ پس سکھا دی اس کو ڈھٹائی اور بچ کر چلنا۔

(۱۱) وعن علیؓ قال سألت خدیجۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ولدین ماتا لھا فی الجاہلیۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھما فی النار ...... ثم قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم والذین آمنوا واتبعتھم ذریتھم[۳]

(ترجمہ) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ حضرت خدیجہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان دو بیٹوں کا حال پوچھا جو قبل از اسلام رخصت ہو چکے تھے تو آپؐ نے فرمایا وہ آگ میں ہیں۔ پھر حضرت خدیجہؓ کے استفسار پر قبول اسلام کے بعد ان کے پیٹ سے ہونے والے اپنے صاحبزادے کے بارے میں فرمایا کہ وہ جنتی ہے اور استدلالاً یہ آیت تلاوت فرمائی والذین آمنوا واتبعتھم ذریتھم (الآیۃ) کہ جو لوگ ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ان کی پیروی کی (الآیۃ)[۴]

(۱۲) عن ابن عباسؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال أخذ اللہ المیثاق من ظھر آدم بنعمان یعنی عرفۃ فأخرج من صلبہ کل ذریۃ ذرأھا فنثرھم بین یدیہ کالذر ثم کلمھم قبلا قال ألست بربکم قالوا بلیٰ شھدنا أن تقولوا یوم القیٰمۃ

---

[۱] مشکوٰۃ شریف ص۲۰ [۲] والشمس پ۳۰ ع۱ [۳] مشکوٰۃ ص۲۳ احمد [۴] سورہ طور پ۲۷ آیت ۲۱۔

إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ اَوْ تَقُوْلُوْا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ أَفَتُهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ (رواہ احمد) مشکوٰۃ ص۲۴

ترجمہ:۔ حضرت ابن عباسؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کی ہونے والی اولاد سے مقام عرفہ میں عہد لیا آپ کی پشت سے پیدا ہونے والی ساری اولاد کو آپ کے سامنے چیونٹیوں کی طرح پھیلا کر ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰى شَهِدْنَا (الآیۃ) کیا میں نہیں تمہارا رب - بولے ہاں ہے - ہم اقرار کرتے ہیں - کبھی کہنے لگو قیامت کے دن - ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی - یا کہنے لگو کہ شرک تو نکالا تھا ہمارے باپ دادوں نے ہم سے پہلے اور ہم ہوئے ان کی اولاد ان کے پیچھے تو کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو کیا گمراہوں نے[۱]

(۱۳) وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ خَطَّ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا ثُمَّ قَالَ هٰذَا سَبِيْلُ اللّٰهِ ثُمَّ خَطَّ خُطُوْطًا عَنْ يَمِيْنِهِ وَعَنْ شِمَالِهِ وَقَالَ هٰذِهِ سُبُلٌ عَلٰى كُلِّ سَبِيْلٍ مِّنْهَا شَيْطَانٌ يَدْعُوْ إِلَيْهِ وَاقْرَءُوْا إِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ (رواہ احمد والنسائی)[۲]

ترجمہ:۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک لکیر کھینچی اور فرمایا کہ یہ خدا کی راہ ہے - پھر دائیں بائیں مختلف لکیریں کھینچیں اور فرمایا یہ شیطان کے راستے ہیں ہر راستے پر بلانے کے لئے شیطان موجود ہے - پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی - إِنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ[۳] بے شک یہ راستہ ہی سیدھا ہے اس کی پیروی کرو۔

(۱۴) وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ ثُمَّ قَرَءَ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ (الآیۃ) رواہ البخاری[۴]

ترجمہ: حضرت ابن عمرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں - آپ نے فرمایا غیب کے پانچ خزانے خاص ہیں (خدا کے سوا کسی کو معلوم نہیں) پھر یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ (الآیۃ) کہ بے شک قیامت کا علم، بارش کا وقت، بچے کی حقیقت، مستقبل کا حال اور مرنے کا مقام خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا[۵]

(۱۵) وَعَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ لَيُمْلِيْ الظَّالِمَ حَتّٰى إِذَا أَخَذَهٗ لَمْ يُفْلِتْهُ ثُمَّ قَرَءَ وَكَذٰلِكَ أَخْذُ رَبِّكَ إِذَا أَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ الآیۃ (متفق علیہ)[۶]

---

۱ سورہ اعراف پ۹ ع ۲۱ - آیت ۱۷۲ - ۱۷۳ ۲ مشکوٰۃ شریف ص۳۰ ۳ سورۃ انعام پ۸ آیت ۱۵۴
۴ مشکوٰۃ شریف ص۱۳۲ ۵ سورۃ لقمان پ ۲۱ آیت آخری ۶ مشکوٰۃ شریف ص۴۳۴

ترجمہ:۔ حضرت ابوموسیٰؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ضرور ڈھیل دیتے ہیں لیکن جب گرفت فرماتے ہیں تو رہائی کی کوئی صورت بن نہیں پاتی۔ اس پر بطور استدلال کے یہ آیت تلاوت فرمائی وَكَذٰلِكَ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَا اَخَذَ الْقُرٰى وَهِيَ ظَالِمَةٌ" کہ تیرے رب کی پکڑ ایسی (سخت) ہے۔ جب وہ بستیوں کو ان کے ظلم کی وجہ سے پکڑ لے[۱]

(۱۶) وَعَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّوَاوِيْنُ ثَلٰثَةٌ وِيْوَانٌ لَا يَغْفِرُ اللّٰهُ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ يَقُوْلُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ (بیہقی[۲])

حضرت ام المومنینؓ فرماتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ کی تین عدالتیں ہیں جن میں ایک عدالت میں کسی قسم کی بخشش نہ ہوگی اور وہ عدالت ہے جس میں شرک کے مقدمے فیصل ہوں گے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ[۳]

کہ بے شک اللہ تعالیٰ شرک معاف نہیں فرمائیں گے۔

(۱۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَقُوْمُ السَّاعَةُ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا فَاِذَا طَلَعَتْ وَرَاٰهَا النَّاسُ آمَنَ مَنْ عَلَيْهَا فَذٰلِكَ حِيْنَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا[۴]

(ترجمہ) حضرت ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ نے فرمایا قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک آفتاب مغرب سے طلوع نہ ہوا اور جب لوگ آفتاب کو مغرب سے طلوع ہوتا دیکھ لیں گے تو روئے زمین کے سب لوگ خدا پر ایمان لے آئیں گے۔ سو یہ وہ وقت ہوگا جب کسی شخص کا ایمان لانا اسے فائدہ نہ پہنچا ئیگا۔ جب تک کہ پہلے سے ایمان نہ لایا ہو یا اس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہ کی ہو۔

آپؐ نے اپنے اس بیان پر قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی۔ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْ اِيْمَانِهَا خَيْرًا[۵]

دیکھئے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حدیث اور قرآن میں کس گہرے ربط کا اظہار فرما رہے ہیں۔ گویا حدیث منبع قرآن سے ہی ایک چشمہ پھوٹتا ہے اور اس میں قرآنی جلال وجمال ہی اپنی لہریں دکھا رہے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن وحدیث کا جو ربط بیان فرما رہے ہیں وہ اس حدیث سے واضح ہے

۱۔ سورۃ ہود پ ۱۲ آیت ۱۰۲ ۲۔ مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۵ ۳۔ سورۃ نساء پ ۵ آیت ۱۱۶۔
۴۔ مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۱، ج ۲ ص ۳۱۳، ج ۲ ص ۳۶۸، ج ۲ ص ۵۳۰ ۵۔ پ ۸ انعام ع ۲۰۶

کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیث قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش ہے۔ اگر ایسا ہوتا حدیث پر قرآن کے اتنے وسیع سائے ہرگز پھیلتے۔

(۱۸) اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدوں میں سُبحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ بہت پڑھتے ہیں تو آپ کی نظر قرآن مجید کی اس آیت پر گئی ، فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا [۱] (ترجمہ) سو آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کیجئے اور اس سے بخشش مانگیے، بے شک وہ توبہ قبول کرنیوالے ہیں۔ اس میں تسبیح تحمید اور طلب مغفرت تینوں کا ذکر ہے۔ اور حضورؐ کی مذکورہ دعا میں بھی یہ تین باتیں موجود ہیں قَالَتْ عَائِشَةُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ اَنْ يَّقُوْلَ فِیْ رُكُوْعِهٖ وَ سُجُوْدِهٖ سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ يَتَاَوَّلُ الْقُرْاٰنَ۔ [۲]

(ترجمہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رکوع اور سجدوں میں سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ وَ بِحَمْدِكَ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْلِیْ بہت پڑھتے تھے۔ آپؐ اپنے اس عمل سے مُراد قرآن پوری فرماتے تھے جو سورۃ نصر میں مذکور ہے) "آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید کریں اور اس سے مغفرت چاہیں" —— آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن پاک کو اسلام کی مرکزی ہدایت نہ مانا ہوتا تو آپؐ کا عمل اس طرح قرآن کی عملی تشکیل نہ کرتا، آپؐ کے عمل اور قرآن پاک کی مذکورہ ہدایت میں تطبیق کس نے دیکھی ؟ حضرت ام المومنین رضؓ نے .... معلوم ہوا، ان کے عقیدے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال واعمال قرآن ہی کی عملی تشکیل تھے۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کا عقیدہ یہ تھا کہ اگر کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کوئی ایسی بات روایت کر رہا ہے جو ظاہر مضمونِ قرآن سے ٹکرا رہی ہے تو وہ بات ہرگز حضورؐ نے کہی یا کی نہ ہوگی۔ سو بایں صورت وہ راوی ایک غلط بات کہہ رہا ہوگا۔ امام بخاریؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت اُمّ المومنین رضؓ نے فرمایا:۔ قَالَتْ مَنْ زَعَمَ اَنَّ مُحَمَّدًا رَاٰی رَبَّهٗ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ قَالَ وَكُنْتُ مُتَّكِئًا فَجَلَسْتُ فَقُلْتُ يَا اُمَّ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْظِرِيْنِیْ وَلَا تَعْجَلِيْنِیْ اَلَمْ يَقُلِ اللّٰهُ تَعَالٰى وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى۔ فَقَالَتْ اَنَا اَوَّلُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ سَاَلَ عَنْ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّمَا هُوَ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ لَمْ اَرَهُ عَلٰى صُوْرَتِهِ الَّتِیْ خُلِقَ عَلَيْهَا غَيْرَ هَاتَيْنِ الْمَرَّتَيْنِ رَاَيْتُهٗ مُنْهَبِطًا مِنَ السَّمَاءِ سَادًّا عِظَمُ خَلْقِهٖ مَا بَيْنَ السَّمَاءِ اِلَى الْاَرْضِ فَقَالَتْ اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ

---

[۱] پ ۳۰ سورۃ النصر [۲] صحیح بخاری صہ ۷۳۲ ج-۲

يَقُوْلُ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ۔ اَوَلَمْ تَسْمَعْ اَنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا۔ قَالَتْ وَمَنْ زَعَمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَمَ شَيْئًا مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ وَاِنَّهُ يَقُوْلُ يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ قَالَتْ وَمَنْ زَعَمَ اَنَّهُ يُخْبِرُ مَا يَكُوْنُ فِيْ غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰهِ الْفِرْيَةَ وَاللّٰهُ يَقُوْلُ قُلْ لَا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ [1]

ترجمہ:۔ آپؓ نے فرمایا کہ جو شخص اس بات کا مدعی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ اس نے خدا پر بہت بڑا جھوٹ بولا ہے[2] (راوی کہتے ہیں) میں سہارا لگائے بیٹھا تھا۔ ام المؤمنین کی بات سن کر سیدھا بیٹھ گیا اور عرض کیا کہ ام المؤمنین مجھے بھی سوال کرنے کا موقع دیجئے اور فتویٰ دینے میں) اتنی جلدی نہ فرمایئے، کیا قرآن مجید میں یہ موجود نہیں وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ[3] (آپ نے اس کو افق مبین پر دیکھا۔) وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى[4] (تحقیق آپ نے ایک مرتبہ اور دیکھا) امّ المؤمنین نے سنکر فرمایا اس اُمت میں سب سے پہلے میں نے ہی اس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا اس سے مُراد جبریل علیہ السلام ہیں۔ میں نے اُنہیں دو مرتبہ کے سوا اصلی صورت میں نہیں دیکھا۔ میں نے انہیں معراج شریف میں آسمان سے اُترتے ہوئے دیکھا۔ ان کے جسم اور پروں کی وسعت زمین وآسمان کی درمیانی فضاء کو گھیرے ہوئے تھی۔ پھر آپؓ نے استدلال کے طور پر فرمایا کیا تم نے قرآن میں نہیں سُنا اللہ جل شانہٗ فرماتے ہیں لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ[5] (آنکھیں اس کا احاطہ نہیں کر سکتیں اور سب آنکھیں اس کے احاطہ میں ہیں اور وہ باریک بین خبر رکھنے والا ہے) ایک اور جگہ فرماتے ہیں وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا[6] (کوئی انسان اللہ جل شانہٗ سے بجز تین صورتوں کے ہم کلام نہیں ہو سکتا۔ ۱۔ بذریعہ وحی ۲۔ بصورت حجاب ۳۔ بواسطہ جبریل امین۔)

امّ المؤمنینؓ نے مزید فرمایا کہ جو شخص اس بات کا مدعی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب اللہ سے بعض چیزوں کو چھپا لیا ہے وہ بھی رسولِ خدا پر بہتان باندھتا ہے۔ حالانکہ اللہ ارشاد فرما رہے ہیں يَا اَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ[7] اے پیغمبر! جو کچھ آپ پر نازل

[1] صحیح مسلم ص ۹۸ ج ۱ [2] حضرت اُمّ المؤمنینؓ رویت بالاحاطہ کے زعم کی نفی فرما رہی ہیں مطلق رویت کی نہیں [3] پ ۳۰ تکویر ع ۱ [4] پ ۲۷ النجم ع ۱ [5] پ ۷ انعام ع ۱۳ [6] پ ۲۵ الشوریٰ ع ۵ [7] پ ۶ المائدہ ع ۱۰

کیا گیا اِسے لوگوں تک پہنچا دیں اور اگر آپ ایسا نہ کریں تو آپ نے فریضۂ رسالت کا حق ادا نہیں کیا)
پھر فرمایا کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کل آئندہ کے بارے میں خبر دے سکتے تھے (کہ کیا پیش آنے والا ہے یعنی عالم الغیب تھے) تو وہ بھی خدا پر جھوٹ باندھتا ہے اس لئے کہ ربّ العزت فرماتے ہیں قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہ زمین و آسمان میں غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا ــــــــ قارئین غور فرمائیں کہ حضرت ام المومنینؓ کس طرح ایک ایک قدم پر قرآن کریم کی رہنمائی کی طرف متوجہ فرما رہی ہیں۔ کیا یہ احادیث قرآن کریم کی توضیح و تشریح ہے یا اس کے خلاف ایک عجمی سازش ہے ؟

(۱۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک سے اس طرح وابستہ رہے کہ ایک آیت جو کسی خاص موضوع پر اُتری ہو اور اس طرح کا کوئی دوسرا حکم اس کے علاوہ موجود ہو۔ تو آپ کو اس آیت سے وہ دوسرا حکم بھی یاد آجاتا تھا۔
ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کہتی ہیں :۔
لَمَّا نَزَلَتِ الْاٰیَاتُ الْاَوَاخِرُ مِنْ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی النَّاسِ ثُمَّ حَرَّمَ التِّجَارَۃَ فِی الْخَمْرِ [۲]

جب سورۃ بقرہ کی آخری آیات نازل ہوئیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باہر تشریف لے جا کر شراب کی تجارت کے حرام ہونے کا اعلان فرمایا) امام بخاریؒ نے اس حدیث پر باب باندھا ہے۔ باب قولہ یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰو وَیُرْبِی الصَّدَقَاتِ ــــــــ سورۂ بقرہ کی آخری آیات سُود کے بارے میں ہیں۔ سُود کی حُرمت سے شراب کی حرمت کی طرف متوجہ ہو جانا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذوقِ قرآنی اور قرآن کریم کے وسیع پھیلے ہوئے سایۂ علمی کی خبر دیتا ہے۔ (۲۰) وَعَنْ عَلِیٍّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ
مَا مِنْکُمْ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا وَقَدْ کُتِبَ مَقْعَدُہٗ مِنَ النَّارِ وَمَقْعَدُہٗ مِنَ الْجَنَّۃِ قَالُوْا اَفَلَا نَتَّکِلُ عَلٰی کِتَابِنَا وَنَدَعُ الْعَمَلَ قَالَ اعْمَلُوْا فَکُلٌّ مُیَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَہٗ [۳]

(ترجمہ) حضرت علیؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے ہر آدمی کا ٹھکانا جنت یا جہنم میں لکھا جا چکا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ پھر ہم اپنے لکھے ہوئے پر اکتفا نہ کر لیں ؟ اور عمل کو چھوڑ دیں۔ ارشاد فرمایا (نہیں) عمل کرو۔ ہر ایک شخص کو اسی چیز کی توفیق ہو گی جو اس کے لئے پیدا کی گئی ہے۔
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت سے استشہاد فرمایا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں :۔ ثُمَّ قَرَءَ
فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْیُسْرٰی۔ وَاَمَّا مَنْ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی وَکَذَّبَ بِالْحُسْنٰی فَسَنُیَسِّرُہٗ لِلْعُسْرٰی [۴]

---
[۱] پ ۲۰ النمل ع ۵ [۲] صحیح بخاری ص ۱۵۱ جلد ۲ [۳] متفق علیہ مشکوٰۃ ص ۲۰ [۴] پ ۳۰ واللیل ع ۱

(ترجمہ) سو جس نے دیا اور ڈرتا رہا اور سچ جانا بھلی بات کو اُسے ہم عنقریب پہنچائیں گے آسانی میں اور جس نے نہ دیا اور بے پرواہ رہا اور جھوٹ جانا بھلی بات کو، اُسے ہم عنقریب پہنچائیں گے تنگی میں۔

آیت کریمہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا استشہاد حدیث پر قرآن کریم کے پھیلے ہوئے وسیع سائوں کی خبر دیتا ہے۔

صحابہ کرامؓ کا حضورؐ کی حدیث بیان کرتے وقت قرآن سے استشہاد کرنا

صحابہ کرامؓ کا عقیدہ تھا کہ بیشک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اور وہ تمام امور جن کو آپؐ نے اپنے سکوت سے سند بخشی، اسلام میں قانونی حیثیت رکھتے ہیں، لیکن یہ سب حضرات جانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سکھلایا اور اس کا بیان سمجھایا ہے۔ سو قرآن کریم کو وہ بلاشبہ منبع العلم اور اصل الاصول جانتے تھے اور کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کردہ مضمون پر قرآن کریم کی کوئی آیت بھی پڑھ دیتے تھے۔ یہ اس لئے نہیں کہ اس آیت سے اس مضمون کو سند فراہم کرنے کی ضرورت تھی بلکہ اس لئے کہ قرآن و حدیث میں ایک لطیف ربط ہمیشہ اُمت کے سامنے رہا ہے۔ فرمودۂ رسالت تو ہر حال میں حجت اور سند ہے لیکن اس پر قرآن کی سربراہی بھی اپنی جگہ قائم رہنی چاہیئے۔

صحابۂ کرامؓ حاملین قرآن تھے ان پر بِاَيْدِىْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ کا سایہ تھا وہ جہاں بھی موقع مناسب سمجھتے قرآن کریم کی اس اصولی حیثیت کا راز کھول دیتے اور یہ ارتباط کبھی استشہاد کی صورت بھی اختیار کر جاتا۔

یہاں سے ہم چند روایات پیش کرتے ہیں جن میں مختلف صحابہ کرامؓ نے حدیث کی صحت کے بارے میں قرآن پاک کے حوالے دیئے

(۱) حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

تَفْضُلُ صَلٰوةُ الْجَمِيْعِ صَلٰوةَ اَحَدِكُمْ وَحْدَهٗ بِخَمْسٍ وَّعِشْرِيْنَ جُزْءً وتجتمع ملائكة الليل وملائكة النهار فى صلوة الفجر [۱]

ترجمہ:۔ تم میں سے ہر شخص کی جماعت کی نماز تنہا نماز سے پچیس درجے (ثواب میں) زیادہ ہے۔ اور رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے فجر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔

اس حدیث کو پیش کرنے کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے قرآن کریم سے اس پر استشہاد فرمایا۔

ثم يقول ابو هريرةؓ اقرءوا ان قرآن الفجر كان مشهودا [۲]

ترجمہ:۔ پھر ابوہریرہؓ نے کہا اگر چاہو تو تم یہ آیت بھی پڑھ لو۔ ان قرآن الفجر کان مشھودا۔

. . . . . . بیشک قرآن پڑھنا فجر کا ہوتا ہے ان کا رو برو ہونا یعنی فرشتوں کا سامنے ہونا۔

اس قسم کی روایات پتہ دیتی ہیں کہ صحابہ کرامؓ اور محدثین عظام نے ہمیشہ حدیث کو قرآن کے تابع سمجھا ہے۔

---

[۱] صحیح بخاری شریف جلد ۲ صہ ۶۵۱۔ [۲] سورہ بنی اسرائیل ع ۹ پ ۱۵۔

(۲) حضرت ابو سعید الخدری رضی اللہ عنہ، کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت والے مؤمنین کرام گناہگار مؤمنین کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کی درخواست کریں گے اور اللہ تعالیٰ فرمائیں گے نکال لو ہر اُس شخص کو جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہو۔ ارشاد ہوگا۔

اخرجوا من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ — المصنف عبدالرزاق جلد نمبر ۱۱ صفحہ ۴۱۲

اس حدیث کو پیش کرتے ہوئے حضرت ابو سعیدؓ نے قرآن کریم کی ایک آیت تلاوت فرمائی اور کہا :۔

فمن لم یصدق بھذا الحدیث فلیقرء ھذہ الآیۃ ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ و ان تک حسنۃ یضعفھا ویؤت من لدنہ اجرًا عظیما [۱]

ترجمہ :۔ پس جو شخص اس حدیث کی تصدیق نہیں کرتا اس کو چاہیئے کہ اس آیت کو پڑھے۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اس کو دوگنا کر دیتا ہے اور اپنے ہاں سے بڑا اجر و ثواب دیتا ہے۔

یہ وہی مضمون ہے جو حدیث کا ہے سو اب تو حدیث کی تصدیق ہوگئی اور معلوم ہوگیا کہ وہ صحیح تھی۔ غور کیجئے صحابہ کرامؓ کس اہتمام سے حدیث کی تائید میں قرآن لا رہے ہیں۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیث، قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش تھی۔

(۳) حضرت ابو ہریرہؓ مکثرین حدیث میں سے ہیں ان کی مرویات میں قرآن کریم سے بہت استشہاد ملتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ الا یَنْخَسُہُ الشَّیْطَانُ اِلَّا ابْنَ مَرْیَمَ وَ اُمَّہُ [۲]

ترجمہ : ہر بچہ کو پیدائش کے وقت شیطان چھیڑتا ہے اور اس کے چھیڑنے سے بچہ چلاتا ہے۔ سوائے حضرت مریم اور حضرت عیسیٰؑ کے

حضرت ابو ہریرہؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کی، امام احمد روایت کرتے ہیں۔

ثُمَّ قَالَ اَبُوْ ھُرَیْرَۃَ اِقْرَأُوْا اِنْ شِئْتُمْ اِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ [۳]

ترجمہ : پھر حضرت ابو ہریرہ نے فرمایا پڑھو اگر چاہو اِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِکَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ میں اس کو اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں شیطان مردود سے۔

قرآن پاک میں یہ دعا والدہ مریم کی زبان سے ذکر کی گئی ہے اس کی قبولیت کی خبر مذکورہ بالا حدیث سے ملی۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے اتنی مناسبت سے بھی حدیث پر آیت سے استشہاد کر دیا اس میں حدیث کی حجیت اپنی جگہ قائم ہے

[۱] سورۃ النساء ع ۴ پ ۵ قال ابو سعید فان لم تصدقونی فاقرءوا ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ
صحیح البخاری جلد ۲ صفحہ ۱۱۰۷) [۲] مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۲۳۳ [۳] آل عمران ع ۴ پ ۳۔

(۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے۔

لَيُنتَزَعَنَّ هٰذَا الْقُرْآنُ مِنْ بَيْنِ أَظْهُرِكُمْ يُسْرَى عَلَيْهِ فِي لَيْلَةٍ فَلَا يَبْقَى فِي قَلْبِ عَبْدٍ مِنْهُ وَلَا مُصْحَفٍ مِنْهُ شَيْءٌ وَيُصْبِحُ النَّاسُ فُقَرَاءَ كَالْبَهَائِمِ [۱]

یہ قرآن تمہارے سامنے سے لے لیا جائے گا۔ اس پر ایک رات آئے گی کہ کسی بندے کے دل میں اس کی آیت نہ رہے گا۔ نہ کسی تحریر میں اس سے کچھ باقی رہے گا لوگ صبح کریں گے اس طرح کہ چوپایوں کی طرح بالکل خالی ہو کر رہ جائیں گے۔

محدث عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ اس پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے یہ آیت پڑھی۔

ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُ اللّٰهِ وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهِ عَلَيْنَا وَكِيلًا [۲]

ترجمہ: اور اگر ہم چاہیں تو لیجائیں اس چیز کو جو ہم نے تجھ کو وحی بھیجی پھر تو نہ پائے اپنے واسطے اس کے لانے کو ہم پر کوئی ذمہ دار۔

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ جو قرآن پاک کے بہت بڑے جلیل القدر عالم تھے ـــــ کس طرح حدیث پر قرآن پاک سے سند لاتے ہیں۔ دور اول میں حدیث اور قرآن اسی طرح ایک دوسرے کو لازم تھے اور حدیث کو کبھی بھی قرآن کے مقابلے ایک متوازی ماخذ نہیں سمجھا گیا تھا۔ امیرالمومنین حضرت عمرؓ سے مروی ہے

(۵) أُطْلُبُوا الْفَضْلَ فِي الْبَاءَة — اللہ کا فضل نکاح کی راہ سے طلب کرو۔

بعض اوقات بیوی کی قسمت سے خاوند کے لئے رزق کی راہیں وسیع ہو جاتی ہیں۔ انسان مالی تنگی میں مبتلا ہو تو ایک علاج یہ بھی ہے کہ نکاح کی کوشش کرے ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس راہ سے اس محتاج کو غنی کر دیں۔

حضرت عمرؓ نے اس پر یہ آیت پڑھی۔ محدث عبدالرزاق ہی روایت کرتے ہیں۔

وَتَلَا عُمَرُ إِنْ يَكُونُوا فُقَرَاءَ يُغْنِهِمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهِ [۳]

ترجمہ: اگر وہ فقراء بھی ہوں تو انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے غنی کر دے گا۔

دیکھئے حضرت عمرؓ کس لطیف پیرائے میں اپنے موقف پر قرآن سے سند لاتے ہیں۔ اس صورت حال میں یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ حدیث دراصل قرآن کی ہی صدائے بازگشت ہے

حضرت ابن عباسؓ سے پوچھا گیا کہ کوئی مسلمان کسی کتابی سے خراج یا جبایہ پر زمین لے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ اس پر آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "ثم تلا"

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ [۴] الآیۃ توبہ رکوع ۳ پ ۱۰۔

---

[۱] المصنف لعبد الرزاق جلد ۳ ص ۳۶۲ [۲] پ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل ع ۱۰ [۳] المصنف لعبد الرزاق جلد ۶ ص ۱۷۰ والآیۃ من سورۃ النور ع ۴ پ ۱۸

حضرت عبداللہ بن عباسؓ یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ اہل کتاب کی اس درجے میں توقیر بھی قرآن پاک کے اس منشاء کے خلاف ہے کہ وہ کسی بات میں ماتحت نہ رہیں تم ماتحت ہو جاؤ۔ "لڑو ان لوگوں سے جو ایمان نہیں لاتے اللہ پر۔ اور آخرت کے دن پر اور دین حق کو اختیار نہیں کرتے یہاں تک کہ وہ ماتحت ہو کر مسلمانوں کو جزیہ ادا کریں۔"

(۶) حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔

عُدِلَتْ شَهَادَةُ الزُّوْرِ بِالشِّرْكِ بِاللهِ ۔[۱] جھوٹی شہادت شرک کے برابر گناہ شمار کی گئی ہے۔

اور اس پر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ نے استشہاداً یہ آیت پڑھی جسمیں شرک اور جھوٹی قسم کو یکجا ذکر کیا گیا ہے

فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ ترجمہ: سو بچتے رہو بتوں کی گندگی سے (شرک سے)

وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ[۲] اور بچتے رہو جھوٹی بات سے (جھوٹی قسم سے)

حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا یہ لطیف استدلال اس بات کی خبر دیتا ہے کہ اکابر صحابہ قرآن کی گہرائی میں اترے ہوئے تھے۔ حدیث اگر قرآن کے خلاف ایک متبادل راہ ہوتی تو حدیث کا لٹریچر قرآنی دولت سے اس قدر مالا مال نہ ہوتا۔

(۷) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلعم کی وفات پر خطبہ دیا اور فرمایا۔

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ وَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ اللهَ فَاِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ[۳]

ترجمہ: پس جو تم میں سے محمدؐ کی عبادت کرتا ہے تو محمدؐ تو انتقال فرما گئے اور جو تم میں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ تو زندہ ہے جو نہیں مرے گا۔

اور پھر استشہاداً یہ آیت پڑھی امام بخاریؒ اسے نقل کرتے ہیں۔

ثم تلا هذه الآية۔ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللهَ شَيْئًا ۚ وَسَيَجْزِى اللهُ الشّٰكِرِيْنَ ۚ[۴]

ترجمہ: اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو ایک رسول ہیں، آپ سے پہلے بہت سے رسول ہو چکے۔ پھر کیا اگر وہ فوت ہو گئے یا مارے گئے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ اور جو کوئی الٹے پاؤں پھر جائے گا۔ وہ ہرگز اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکے گا اور اللہ ثواب دے گا شکر گزاروں کو۔

دیکھئے حضرت صدیق اکبرؓ اس نازک موقع پر کس صفائی سے قرآن پاک سے استدلال کر رہے ہیں۔ حضورؐ کی وفات کے بعد یہ آپ کا پہلا خطبہ تھا۔ گویا صحابہ کرام کا حضورؐ کی وفات کے بعد سب سے پہلا اجماع قرآن پاک کی اساسی سربراہی پر ہوا

(۸) ترجمان القرآن حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍؓ قَالَ اِنَّ الرَّحِمَ تُقْطَعُ ترجمہ: حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رحمی

---

[۱] المصنف جلد ۶ صفحہ ۹۳ [۲] سورہ حج ۴ پ ۳۶ [۳] المصنف جلد ۵ صفحہ ۴۳۶ [۴] آل عمران ۱۵ پ ۴

وَاِنَّ النِّعْمَةَ تُكْفَرُ وَاِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اِذَا قَارَبَ بَيْنَ الْقُلُوْبِ لَمْ يُزَحْزِحْهَا شَيْئٌ اَبَدًا ۔ ۵۱

رشتے ٹوٹ بھی جاتے ہیں اور نعمتوں کی ناشکری بھی ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ عزّ وجل جب دلوں کو جوڑ دے تو پھر کوئی طاقت انہیں متزلزل نہیں کر سکتی۔

حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ نے پھر اس پر یہ آیت تلاوت فرمائی۔ "ثم قرأ ابن عباسؓ"

وَلَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِيْعًا مَّا اَلَّفْتَ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَلَّفَ بَيْنَهُمْ ۵۲

ترجمہ: اگر تو خرچ کر دیتا جو کچھ اس زمین میں ہے سارا تو ہرگز ان کے دلوں کو جوڑ نہ سکتا یہ خدا ہے جس نے اُن کے دل جوڑ دیئے۔

اسمیں بتایا گیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ لوگوں کے دلوں کو جوڑ دیں تو کوئی شخص انہیں ایک دوسرے سے جُدا نہ کر سکیگا۔

(۹) لَا تَعَرَّضْ مَا لَا يَعْنِيْكَ وَاحْذَرْ عَدُوَّكَ وَاعْتَزِلْ صَدِيْقَكَ وَلَا تَأْمَنْ خَلِيْلَكَ اِلَّا الْاَمِيْنَ وَلَا اَمِيْنَ اِلَّا مَنْ خَشِیَ اللّٰهَ ۵۳ (فاروق اعظم)

ترجمہ: جو چیز تمہیں نہ چاہیئے اس کے درپے نہ ہونا اپنے دشمن سے بچ کر رہنا دوست سے بھی کنارہ کشی کرنا اور اپنے آپ کو امانتدار ساتھی سے مامون نہ جاننا اور کوئی شخص امانتدار نہیں سوائے اس کے جو اللہ سے ڈرتا ہو۔

اس پر حضرت عمرؓ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی۔

اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمٰٓؤُا۔ الفاطر ع ۴ پ ۲۲

ترجمہ: اللہ سے اس کے بندوں سے ڈرتے وہی ہیں جو علم رکھنے والے ہیں۔

(۱۰) ایک شخص کا یہودی باپ مرگیا وہ زندگی میں تو اسکی خدمت کرتا رہا لیکن اس کے جنازے میں نہ گیا محدّث عبدالرزاق روایت کرتے ہیں کہ اس پر حضرت عبداللہ بن عباس نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗٓ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ ۔ پ۱۱ التوبہ ع ۳

ترجمہ: پھر جب کھل گیا حضرت ابراہیمؑ پر کہ وہ دشمن ہے اللہ کا تو اس سے ایک طرف ہو گیا۔

دیکھا صحابہ کس طرح روزمرّہ کی ضروریات میں قرآن سے استشہاد کرتے تھے۔ حدیث کی راہ سے قرآن پاک تک رسائی ان کے لئے بڑی دولت سمجھی جاتی تھی۔

زندگی میں باپ کے مسلمان ہو جانے کی اُمید بھی تھی جو اُسکی وفات پر اُٹھ گئی۔ نیز خدمت والدین انکی ضرورت پر موقوف ہے۔ ایمان پر نہیں۔ والدین غیر مسلم بھی ہوں اور خدمت کے محتاج ہوں تو اولاد پر اُن کا حق ہے۔ ہاں موت مسلم اور غیر مسلم میں ابدی فاصلہ قائم کر دیتی ہے۔

---

۵۱ المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۱۶۸ الادب المفرد للبخاری ص ۱۲ ۵۲ سورۃ انفال ع ۸ پ ۱۰ ۵۳ المصنف جلد ۱۱ ص ۲۴۸

تابعین کرامؒ کا مضمون کو قرآن کی طرف لوٹانا

قرآن کی سربراہ حیثیت صرف عہد صحابہؓ تک نہیں رہی، اکابر تابعین بھی مسائل بیان کرتے وقت کبھی کبھی آیت کی تلاوت کر دیتے تھے اور یہ بات ان کے حلقہ درس میں عام تھی کہ علم کے ماخذ میں قرآن شریف کو بلاشبہ سبقت حاصل ہے احادیث قرآن کریم کی شرح میں قرآن کے خلاف بغاوت نہیں نہ اس میں کوئی سازش ہے۔

(۱) ابن جریج کہتے ہیں انہوں نے حضرت عطاءؒ (سنہ ۱۱۴ھ) سے مدبر غلام کے بارے میں ایک مسئلہ پوچھا آپ نے اس کے جواب میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پیش کی کہ اگر اس کے پاس اس غلام کے سوا اور کوئی مال نہیں تو اسے اپنے غلام کو کسی رقم پر آزاد ہونے کا عہد نہ دینا چاہیئے اور پھر اس مضمون کو قرآن کریم کی طرف لوٹاتے ہوئے ایک آیت پڑھ دی۔ سوال وجواب درج ذیل ہے۔ دیکھیئے المصنف جلد ۹ صفحہ ۱۳۸

ایدبر الرجل عبدہ لیس لہ مال غیرہ قال لا ثم ذکر فقال النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم فی العبد الذی دبر علی عہدہ قال قال النبیؐ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ اغنی عنہ من فلان ثم تلا عطاء والذین اذا انفقوا لم یسرفوا ولم یقتروا

ترجمہ:۔ کیا کوئی شخص جس کے پاس ایک غلام کے سوا اور کوئی مال نہیں غلام کی تدبیر کر سکتا ہے (وصیت کر دے کہ یہ میرے بعد آزاد ہے) آپ نے فرمایا نہیں اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ذکر کی جو آپ نے اپنے دور میں اس غلام کے بارے میں جو اپنے مالک کی وفات کے بعد آزاد ہونا تھا ارشاد فرمائی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ اس غلام سے اس مالک کی نسبت غنی ہے[۱]۔ پھر حضرت عطاءؒ نے اس پر یہ آیت پڑھ دی۔

• اور اللہ کے بندے وہ ہیں کہ جب خرچ کریں تو نہ بے جا اڑائیں اور نہ تنگی سے کام لیں اور ہے اس کے بیچ میں درمیانی راہ۔[۲]

علماء تابعین کا انداز عمل بتاتا ہے کہ حدیث ان کے ہاں قرآنی عمومات کے سائے ہی میں پڑھی اور سنی جاتی تھی۔

(۲) امام تفسیر حضرت مجاہدؒ نے فرمایا[۳]۔ کل مؤمن شہید، مومن کسی نہ کسی درجے میں شہید ہے اس پر قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی عن مجاہد قال کل مؤمن شہید ثم تلا والذین آمنوا باللہ ورسلہ اولئک ہم الصدیقون والشہداء عند ربہم[۴]

---

[۱] یعنی اس غلام کو اللہ کی راہ میں آزاد کرنے کی نسبت اسے اپنے وارثوں کا خیال کرنا چاہیئے کہیں وہ تو تنگدستی میں نہ گھر جائیں گے اللہ تعالیٰ غنی ہے اس کی راہ میں کچھ نہ بھی دیا جائے تو اس کا کچھ نقصان نہیں۔ [۲] پ ۱۹ سورۃ الفرقان ع ۶ [۳] المصنف جلد ۵ صفحہ ۲۶۹ [۴] پ ۲۷ سورۃ الحدید ع ۲

ترجمہ۔ مؤمن شہید ہے آپ نے اس پر یہ آیت تلاوت کی وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رُسُلِہٖ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَ الشُّھَدَآءُ ۔ ترجمہ اور وہ لوگ جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر وہی سچے ایمان والے اور شہید ہیں۔

حضرت مجاہدؒ کا یہ لطیف استدلال آپ کے سامنے ہے۔ دیکھا تابعین حضرات کس طرح بات بات پر قرآن کریم سے تمسک کرتے تھے۔ کیا اب بھی کوئی کہہ سکتا ہے کہ حدیث قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش تھی۔

(۳) حضرت ابن جریجؒ نے حضرت عطاء سے پوچھا۔

اَلرَّجُلُ یُطَلِّقُ وَلَا بَیْتَھَا اَیْنَ تَعْتَدُّ ؟ مرد طلاق دے عورت کو اور رات گزارنے کی جگہ نہ دے تو عورت عدت کہاں گزارے۔ آپ نے فرمایا فِیْ بَیْتِ زَوْجِھَا الَّذِیْ کَانَتْ فِیْہِ "اپنے خاوند کے گھر جہاں وہ رہتی تھی۔ ابن جریج نے پوچھا اگر خاوند اجازت دیدے کہ وہ اپنے گھر والوں کے ہاں رہ سکیں آپ نے فرمایا نہیں (قَالَ لَا قَدْ شَرِکَھَا اِذاً فِی الْاِثْمِ) اس صورت میں اگر وہ کسی گناہ میں مبتلا ہو جائے تو اس گناہ میں وہ خاوند بھی شریک ہوگا۔ یعنی وہ اپنے گھر والوں کے ہاں نہ جائے۔ اس پر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ ثُمَّ تَلَا ــــ وَلَا یَخْرُجْنَ اِلَّآ اَنْ یَّاْتِیْنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ[۱]

پھر آیت پڑھی۔ اور نہ نکلیں وہ عورتیں جنہیں طلاق ہوئی۔ اپنے گھر سے مگر جو کریں صریح بے حیائی۔

ابن جریجؒ نے پوچھا کیا یہ آیت اس باب میں ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں[۲] یہ روزمرہ کے مسائل ہیں۔

آپ نے دیکھا تابعین حضرات اپنی اپنی ان منویات میں کس طرح قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے تھے۔ حق یہ ہے کہ حدیث پر قرآن کے سائے بہت دور تک پھیلتے گئے ہیں۔ اور صحابہؓ و تابعینؒ نے حدیث کو ہمیشہ قرآن کریم کے تحت سمجھا۔ حدیث قرآن کے خلاف کوئی متبادل ماخذ علم ہرگز نہ سمجھی گئی تھی۔

(۴) حضرت مجاہدؒ نے فرمایا عیسائی باندی سے نکاح نہ کیا جائے اور اس پر آیت سے استشہاد فرمایا۔ محدث عبدالرزاقؒ روایت کرتے ہیں۔

عَنْ مُجَاھِدٍ قَالَ فِیْ مَمْلُوْکَۃٍ نَصْرَانِیَّۃٍ لَا یَنْبَغِیْ اَنْ یَّتَزَوَّجَھَا الْمُسْلِمُ اَلَمْ تَسْمَعِ اللّٰہَ یَقُوْلُ مِنْ فَتَیَاتِکُمُ الْمُؤْمِنٰتِ[۳]

ترجمہ: حضرت مجاہدؒ سے عیسائی باندی کے بارے میں مروی ہے کہ اس سے مسلمان نکاح نہ کرے۔ اس پر آپ نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی اور کہا کیا نہیں سنا تم نے اللہ تعالیٰ کا فرمان وہ کہتا ہے مِنْ فَتَیَاتِکُمُ الْمُؤْمِنَاتِ۔ وہ جو تمہاری باندیاں ہیں مسلمان" پوری آیت یہ ہے۔

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْکُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْکِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَکَتْ اَیْمَانُکُمْ[۴]

---

[۱] پ ۲۸ سورۃ الطلاق ع ۱ [۲] المصنف جلد ۷ ص ۳۳ [۳] المصنف جلد ۷ ص ۲۷۹ [۴] پ ۵ سورۃ النساء

مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ[1] ترجمہ۔ اور جو تم میں سے مومن آزاد عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ رکھے تمہاری ان باندیوں سے جو مسلمان ہوں نکاح کرلے۔ یہ کبار تابعینؒ حدیث کو قرآن کے مقابل ایک متوازی ماخذ علم سمجھتے تو کتب حدیث میں قرآن پاک سے اس طرح کے استدلال ہرگز نہ دیکھے جاتے۔ اس قسم کی روایات جلی طور پر بتارہی ہیں کہ حدیث کے لٹریچر میں قرآن کی سربراہی ہر پہلو سے مسلم رہی ہے۔

مرویاتِ حدیث پر قرآن کے سائے

محدثین کے ہاں مرویاتِ حدیث کا قرآن پاک سے اتصال قائم کرنا ایک بلند پایہ علمی ذوق سمجھا جاتا ہے۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ جہاں تک ہوسکے اس کی قرآنی اصل کو ساتھ ساتھ ملحوظ رکھا جائے کبھی وہ حدیث کو روایت کرتے وقت اس مضمون کی قرآنی اصلیں بھی تلاش کرتے۔ اس وقت ہمارے سامنے محی السنۃ ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء البغوی ۵۱۶ھ کی شرح السنۃ رکھی ہے۔ اس کا باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ملاحظہ کیجئے اور امام البغویؒ کا ذوقِ حدیث دیکھئے۔

محدثین کے ہاں حدیث پر قرآن کے سائے کتنے گہرے ہیں۔ امام البغویؒ اسے اس طرح شروع کرتے ہیں

قال اللہ سبحانہٗ تعالیٰ۔ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ يَّهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ[1]

ترجمہ۔ بے شک تمہارے پاس آئی ہے اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اس کو جو تابع ہوا اس کی رضا کا۔ سلامتی کی راہیں۔

(۲) وَقَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠[2]

اور مضبوط پکڑو اللہ کی رسی کو سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔

حبل اللہ عہدہ وقال ابو عبید الاعتصام بحبل اللہ ھو اتباع القرآن وترك الفرقة[3]

ترجمہ:۔ اللہ کی رسی اللہ کا عہد ہے۔ ابو عبیدہؒ فرماتے ہیں اعتصام بحبل اللہ کا مطلب اتباع قرآن کرنا اور تفرقہ کو چھوڑنا ہے۔

(۳) وَقَالَ اللّٰهُ سُبْحَانَہٗ وَتَعَالیٰ وَاتَّبِعُوْا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ[4] یعنی اتبعوا القرآن[5] ترجمہ:۔ اور چلو بہتر بات پر جو اتری تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے۔ اور آگے بھی مختلف مواقع سے پندرہ کے قریب آیاتِ قرآنی ذکر کی گئی ہیں۔

---

[1] پ۶ المائدہ آیت ۱۵-۱۶ [2] پ۴ آل عمران آیت نمبر ۱۰۳ [3] شرح السنۃ للبغوی جلد نمبر ا صـــ

[4] پ۲۴ الزمر آیت ۵۵ [5] شرح السنۃ البغوی جلد ا صـ۱۸۹

صحیح بخاری کا کتاب الجمعہ یوں شروع ہوتا ہے۔ باب فرض الجمعہ لقولہ تعالیٰ اذا نودی للصلوٰۃ من یوم الجمعۃ فاسعوا الیٰ ذکر اللہ وذروا البیع ص۱۲۰ ابواب الکسوف سے پہلے ہے باب قول اللہ عزوجل وتجعلون رزقکم انکم تکذبون ا ص۱۴۱ کتاب الزکوٰۃ یوں شروع ہے۔ باب وجوب الزکوٰۃ وقول اللہ عزوجل واقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ ا ص۱۸۷ پھر اگلے صفحہ پر ہے۔ باب ماتع الزکوٰۃ وقول اللہ تعالیٰ والذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ ص۱۸۸ کچھ آگے چلیئے۔ باب قول اللہ تعالیٰ لا یسئلون الناس الحافا۔۔۔۔ للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ جلد ا ص۱۹۹

امام بخاریؒ کتاب المناسک (حج) کا آغاز یوں کرتے ہیں۔ باب وجوب الحج وفضلہ وقول اللہ تعالیٰ وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا جلد ا ص۲۰۵ پھر آگے دیکھیے باب فضل الحرم وقولہ انما امرت ان اعبد رب ھذہ البلدۃ التی حرمھا۔۔۔ وقولہ اولم نمکن لھم حرما امنا۔۔۔۔ ان الناس فی المسجد الحرم سواء خاصۃ لقولہ ان الذین کفروا ویصدون عن سبیل اللہ والمسجد الحرام الذی جعلناہ للناس سواء العاکف فیہ والباد ا ص۲۱۶ پھر اس سے آگے ہے۔ باب قول اللہ واذ قال ابراھیم رب اجعل ھٰذا البلد امنا ص۲۱۶ آگے چلیئے۔ باب فمن تمتع بالعمرۃ الی الحج فما استیسر من الھدی ا ص۲۲۸ باب رکوب البدن لقولہ والبدن جعلنا ھا لکم من شعائر اللہ ا ص۲۲۹ پھر کتاب البیوع یوں شروع ہوتا ہے۔ وقولہ واحل اللہ البیع وحرم الربوا۔ وقولہ الا ان تکون تجارۃ حاضرۃ تدیرونھا بینکم باب ما جاء فی قول اللہ تبارک وتعالیٰ فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ ــــ وقولہ ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم ا ص۲۷۴

باب قصۂ غزوۂ بدر وقول اللہ تعالیٰ ولقد نصرکم اللہ ببدر وانتم اذلۃ۔۔۔ وقولہ تعالیٰ واذ یعدکم اللہ احدی الطائفتین انھا لکم جلد ۲ ص۵۶۳ ــــ باب قول اللہ تعالیٰ اذ تستغیثون ربکم فاستجاب لکم ۲ ص۵۶۴ ــــ باب قول اللہ عزوجل

ولاجناح علیکم فیما عرضتم بہ من خطبۃ النساء ۲ ۲۵ئ

ہم کہاں تک ان ابواب کا استقصاء کریں جگہ جگہ احادیث کو قرآنی آیات کے تاج پہنائے گئے ہیں۔ صحیح بخاری کا پورا سلسلہ اسی طرح قرآن کے سائے میں آگے تک پھیلتا گیا ہے کتاب التفسیر تو اس کا ایک مستقل بڑا باب ہے۔ جس میں تقریباً ہر سورت کے تحت کچھ روایات پیش کی گئی ہیں۔ کیا اب بھی کوئی صاحب علم و دیانت یہ بات کہہ سکتا ہے کہ تدوین حدیث دراصل قرآن کے خلاف ایک عجمی سازش تھی۔ جس کا مقصد لوگوں کو قرآن کریم سے دور کرنا تھا

——سبحانك هذا بهتان عظیم۔

حضرت امام مسلمؒ نے اپنی صحیح کے باب خود نہیں باندھے۔ اس لیے اب ہم سنن نسائی (۳۰۳ھ) کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے:۔

واذا قرئ القران فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون (پ ۹ الاعراف آخریں)

ترجمہ۔ قرآن کریم جب پڑھا جائے تو اس کی طرف پوری طرح کان دھرو اور چپ رہو۔ تاکہ تم پہ رحم کیا جائے۔

اس میں کافروں کو بھی متنبہ کیا گیا ہے جو قرآن پڑھے جانے پر شور کرتے تھے اور لغو کلامی کرتے تھے کہ جب رہو اور اسے سُنو۔ ہوسکتا ہے تم رحمتِ خداوندی (دائرہ اسلام) میں آجاؤ۔ لیکن آیت چونکہ نماز کے بارے میں اُتری تھی[۱]

اس لیے مسلمانوں کو پابند کیا گیا کہ جب امام قرآن پڑھے (سورہ فاتحہ ہو یا اس کے بعد کی سورت)، تو مقتدی امام کی طرف کان لگائے رہیں خود نہ پڑھیں چُپ رہیں —— امام نسائیؒ اس آیت سے باب باندھتے ہیں اور اس کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نقل کرتے ہیں کہ جب امام پڑھے تو تم چپ رہو۔ اذا قرأ فانصتوا ۔ امام مسلمؒ اپنی صحیح میں حضرت

---

[۱] حافظ ابن تیمیہؒ حضرت امام احمدؒ سے نقل کرتے ہیں۔ قال احمد اجمع الناس على انها نزلت فى الصلوٰة. فتاویٰ ابن تیمیہ جلد ۲ صفحہ ۴۱۲ امام تفسیر عبید بن عمیر (۷۴ھ) اور حضرت عطا بن ابی رباح (۱۱۴ھ) سے بھی اسی طرح منقول ہے۔ انما ذالك فى الصلوٰة تفسیر ابن جریر جلد ۹ صفحہ ۱۱۰ تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صفحہ ۲۲۳

ابوہریرہؓ کی اس حدیث کے متعلق لکھتے ہیں کہ میرے نزدیک یہ صحیح ہے۔[1]

امام نسائی کا ترجمۃ الباب ملاحظہ ہو:-

تاویل قولہ عزوجل واذا قرئ القرآن فاستمعوالہ وانصتوا لعلکم ترحمون ـــ اخبرنا الجارود بن معاذ الترمذی ۔۔۔۔ عن ابی ھریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما جعل الامام لیو تم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا ۔ جلد ۱ ص۱۴۶

کتاب الحج میں ایک باب ملاحظہ ہو۔ قولہ عزوجل خذوا زینتکم عند کل مسجد ۔ جلد ص۳۸

کتاب النکاح میں دیکھیں۔ تاویل قول اللہ عزوجل والمحصنات من النساء الا ما ملکت ایمانکم ۲ ص۸۴ ۔ تاویل قولہ تعالیٰ یا ایھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لک ۲ ص۱۰۲ ـــ تاویل قولہ عزوجل ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ ۲ ص۲۰۰ ـــ تاویل قولہ تعالیٰ عزوجل وان حکمت فاحکم بینھم بالقسط ۲ ص۲۳۹ ـــ تاویل قولہ عزوجل فمن عفی لہ من اخیہ شیء فاتباع بالمعروف ۲ ص۲۴۴ ـــ تاویل قول اللہ عزوجل ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکافرون ۲ ص۳۰۵ ـــ تاویل قول اللہ عزوجل وعلی الذین یطیقونہ فدیہ طعام مسکین جلد ۱ ص۳۱۸ ـــ تاویل قولہ عزوجل ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون جلد ۱ ص۳۴۵ ـــ قولہ عزوجل ولا تجھر بصلوٰتک ولا تخافت بھا ۔ جلد ص۱۵۱

امام نسائی اپنی سنن کا آغاز ہی اس طرح کرتے ہیں:-

ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن بحر النسائی تاویل قولہ عزوجل اذا قمتم الی الصلوٰۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق ۔

سنن نسائی کی یہ بارہ شہادتیں بہ بانگ دہل کہتی ہیں کہ محدثین نے حدیث کو ہمیشہ قرآن کے ماتحت جگہ دی ہے اسے قرآن کے مقابل نہیں رکھا اور نہ حدیث کا مقصد لوگوں کو معاذ اللہ قرآن سے دور کرنا تھا ۔ اگر حدیث لوگوں کو قرآن سے دور کرنے کی کوئی سازش ہوتی

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص۱۷۴ امام مسلم نے حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کو اپنی صحیح میں جگہ نہیں دی کیونکہ اس پر سب کا اتفاق نہ تھا ۔ ہاں آپ نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت سے اس حدیث واذا قرأ فانصتوا کو اپنی صحیح میں پوری سند سے روایت کیا ہے کیونکہ اس پر سب کا اتفاق ہے ۔

تو ذخائر حدیث کی ترتیب اس انداز میں نہ ہوتی جس کی پچیس نظائر صحیح بخاری سے بارہ نظائر سنن نسائی سے اور نو نظیریں امام بغوی سے ہم آپ کے سامنے پیش کر چکے ہیں ——

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے احادیث میں کئی دفعہ کتاب اللہ کی سبقت کا ذکر فرمایا ہے اور وہ احادیث انہی محدثین نے روایت کی ہیں، جن کے خلاف عجمی سازش کے کردار ہونے کا الزام ہے۔ بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست - امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) کی شہادت بھی لیجئے۔ حضور اکرم صلی اللہ وسلم طواف کی دو رکعتوں سے فارغ ہو کر سعی کے لئے نکلے تو آیت ان الصفا والمروۃ من شعائر اللہ - ورد زبان تھی۔ آپ نے صفا سے سعی کا آغاز کرتے ہوئے فرمایا:

نبدأ بما بدأ اللہ بہ فبدا بالصفا ورقی علیہ حتیٰ رای البیت وکبر اللہ و وحدہٗ[1]

ترجمہ: ہم سعی وہاں سے شروع کرتے ہیں۔ جہاں سے خدا تعالیٰ نے اس (حکم) کو شروع کیا۔ آپ نے صفا سے اُسے شروع کیا کوہِ صفا پر چڑھے اور آپ نے بیت اللہ شریف کو دیکھا اور تکبیر کہی اور اللہ رب العزت کی توحید کا کلمہ (لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ) کہا۔

اب آپ ہی کہیں حدیث کا یہ طرز بیان اور محدثین کا یہ اندازِ روایت قرآن کریم کو ساتھ لے کر چلتا ہے یا یہ قرآن کریم سے دُور کرنے کی ایک سکیم ہے۔ روایات میں ترکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

وانی قد ترکت فیکم مالن تضلوا بعدہ ان اعتصمتم بہ کتاب اللہ[2]

ترجمہ: اور میں تم میں ایک ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ اگر تم نے اُسے تھام لیا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے اور وہ اللہ کی کتاب ہے۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صـ۲۶۲ [2] ایضاً ج ۱ صـ۲۶۳

کہیئے احادیث میں بھی قرآن کریم کی طرف رغبت دلائی گئی ہے یا ان میں مسلمانوں کو قرآن سے دُور کیا گیا ہے ؟

سنن ابن ماجہ کو دیکھئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خط کھینچا۔ دو لکیریں اس کی دائیں طرف لگائیں اور دو بائیں طرف اور خط اوسط (درمیانی لکیر) پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا۔ یہ اللہ کی سیدھی راہ ہے اور پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

وانّ ھٰذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ[1]

ترجمہ: اور یہ ہے میری سیدھی راہ سو تم اسکی پیروی کرو اور دوسری راہوں پر نہ پڑو کہ وہ تجھے اس کی راہ سے بھٹکا نہ دیں۔

ان روایات کے ہوتے ہوئے کیا کوئی سمجھدار شخص یہ سوچ سکتا ہے کہ محدثین حدیث جمع کرنے میں لوگوں کو قرآن کریم سے دور کرنے کی سازش کئے ہوئے تھے۔

امام طحاوی (۳۲۱ھ) کی شرح معانی الآثار کو لیجیے۔ آپ کو اس کے خطبہ میں یہ الفاظ ملیں گے۔ لما یشہد لہ من الکتاب الناطق والسنۃ المجتمع علیہا[2]۔

کیا اس میں کتاب اللہ اولین درجے میں تسلیم نہیں کی گئی اور کیا سنت متواترہ اس کے ساتھ لازم نہیں رکھی گئی۔ حدیث کی تعلیم ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ دین کے اصل ماخذ کتاب اللہ اور سنت نبوی ہی ہیں۔

امام بیہقی (۴۵۸ھ) کی سنن کبریٰ کو لیجئے یہ کتاب الطہارت سے یوں شروع ہوئی ہے[3]۔

قال اللہ جل ثناءہ وانزلنا من السماء ماءً طھوراً (وقال) فلم تجدوا ماءً فتیمّموا صعیداً طیباً۔ (پ ۵، المائدہ ع ۲)

حدیث کے داخلی مطالعہ میں آپ جتنے دور تک چلے جائیں گے۔ یہ حقیقت آپ سے ایک

---

[1] پ ۸ الانعام ع ۱۹ [2] طحاوی شریف جلد ا ص ۲ [3] سنن کبریٰ جلد ا ص ۲

لمحہ کے لئے اوجھل نہیں رہ سکتی کہ حدیث کتاب اللہ کی ہی ایک تذئیل اور اسی اجمال کی ایک تفصیل ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے قرآن کریم کو ہمیشہ شریعت کا پہلا ماخذ اور حدیث کو اس کا دوسرا ماخذ سمجھا ہے۔ اور حدیث ہمیشہ قرآن کریم میں ہی جلوہ پیرا رہی ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں کا مبداء ذاتِ الٰہی ہے۔ وحی متلو اپنے ثبوت میں قطعی ہے اور وحی غیر متلو اگر متواتر نہ ہو تو یہ اپنے ثبوت میں ظنی ہے۔ ظنی کا حق ہے کہ وہ قطعی کے سایہ میں چلے اور تاریخ رسالت میں اس کے شواہد بے شمار ہیں۔

صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی دین کی بات سنتے یا آپ کو کوئی کام کرتے دیکھتے تو ان کے نزدیک یہ وحی غیر متلو اسی طرح قطعی ہوتی تھی۔ جس طرح وحی متلو قطعی ہے۔ لیکن جب یہ وحی غیر متلو خبر واحد کے طور پر آگے نقل ہوئی تو اس میں من حیث الثبوت ظنیت آگئی۔ اب اس کا مقام ماخذ شریعت میں بیشک دوسرا ہوگا۔ تاہم اس میں کسی شک اور تردد کی گنجائش نہیں کہ حدیث ہمیشہ قرآن کے سائے میں رہی ہے اور اسی کے سائے میں ابتک چل رہی ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک ــــــ

قرآن الحدیث سے ہماری مراد یہی ہے کہ حدیث کے موجودہ لٹریچر میں قرآن کریم کے بارے میں کیا تصوّر ملتا ہے اور کتب حدیث میں کیا باعتبار متن حدیث اور کیا باعتبار درجہ قرآن کریم کو کس مقام پر رکھا گیا ہے ــــــ تمت بالخیر۔

حجّیتِ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی. اما بعد،

آج کے عنوان میں لفظ حدیث سے مراد تحریرات حدیث Documents of hadith نہیں، جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّت اور تعلیمات محفوظ کی گئی ہوں۔ یہ عہدِ متاخر کی اصطلاح ہے۔[1] نہ اس سے مراد وہ مرویات ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثقہ راویوں کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہوں۔ یہ صحیح ہے کہ ثقہ راویوں کا نقل کردہ سرمایہ اپنی جگہ سند اور حجت ہے اور ہم اس موضوع پر انشاء اللہ العزیز آئندہ گفتگو کریں گے۔ آج کا موضوع حدیث کی قانونی حیثیت Authoritative position سے بحث کرنا ہے۔

حجّیت حدیث میں حدیث سے مراد

اس وقت موضوع کلام تحریر و روایت سے قطع نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا متن ہے اور حجیتِ حدیث کے عنوان میں ہم حدیث کو اس کے بالکل اس کے ابتدائی معنوں میں لے رہے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اسے اپنی تعلیم کے لیئے استعمال فرمایا ہے[2] اور اس معنی میں یہ لفظ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بھی

---

[1] آج کل حدیث کا لفظ حدیث کی کتابوں پر بھی بولا جاتا ہے اور اس سے مراد ہوتی ہے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات حدیث اسی کی Narration ہے۔ [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوہریرہؓ سے فرمایا۔ لقد ظننت یا اباھریرۃ ان لا یسألنی عن ھذا الحدیث احد اول منك مما رأیت من حرصك علی الحدیث (صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۰) بقیہ اگلے صفحہ پر۔

استعمال ہوتا رہا ہے۔[۵] صحابہ کرامؓ اسے ان معنی میں عام استعمال کرتے رہے[۶]۔ اور آج اسی معنی کے اعتبار سے ہم حجیت حدیث پر گفتگو کریں گے۔ آج کے موضوع میں حدیث اور سنت دونوں

حضرت زید بن ثابتؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نضر اللہ امرء سمع منا حدیثا فحفظہ حتی یبلغہ غیرہ (جامع ترمذی جلد۲ ص۹) حضرت مقدام بن معدیکربؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یوشك الرجل متکئا علی اریکۃ یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا و بینکم کتاب اللہ (سنن ابن ماجہ جلد۱ ص۳) مشہور شیعہ محدث شیخ صدوق (۳۸۱ھ) ایک سوال کے جواب میں آنحضرت سے روایت کرتے ہیں۔ الذین یاتون من بعدی و یروون حدیثی و سنتی (معانی الاخبار ص۳۷۵) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فھو احد الکاذبین (صحیح مسلم جلد۱ ص۲ جامع ترمذی جلد۲ ص۹۳) ان روایات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی تعلیم کے لیے لفظ حدیث استعمال فرمانا بصراحت مذکور ہے۔

[۵] حضرت ابوہریرہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی۔ انی اسمع منك حدیثا کثیرا۔ (صحیح بخاری جلد۱ ص۲۱) حضرت ابوسعیدؓ روایت کرتے ہیں، کہ ایک خاتون نے حضور اکرم کی کی خدمت میں گذارش کی۔ ذھب الرجال بحدیثك فاجعل لنا من نفسك یوما ناتیك فیہ تعلمنا مما علمك اللہ۔ (صحیح بخاری جلد۹ ص۱۲۲) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ کی تعلیمات کے لیئے لفظ حدیث کا یہ استعمال عام تھا۔ شیعہ روایات میں بھی مذکور ہے کہ حضرت علیؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گذارش کی۔ اعد علی حدیثك یا رسول اللہؐ۔ (اصول کافی جلد۲ ص۲۵۳) اے اللہ کے رسولؐ آپ اپنی حدیث میرے لیئے ایک بار پھر بیان فرمادیں ——— ان تصریحات سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ کی تعلیمات کے لیئے لفظ حدیث کا استعمال ان دنوں عام تھا۔

[۶] حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں، کہ انہ لیمنعنی ان احدثکم حدیثا کثیرا ان النبیؐ قال من تعمد علی کذبا فلیتبوأ مقعدہ من النار (صحیح بخاری جلد۱ ص۲۱) حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں۔ انا کنا نحفظ الحدیث و الحدیث یحفظ عن رسول اللہؐ (سنن ابن ماجہ جلد۱ ص۴) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ اذا حدثتم بالحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فظنوا بہ الذی ھو اھیأ

سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہوگی اور اس اعتبار سے یہ موضوع آپ کی ہر سنت کو شامل ہوگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیمات کے لئے سنت کا لفظ بھی عام استعمال فرماتے تھے[1]۔ سو اس وقت حدیث اور سنت کو ہم ایک معنی میں لے کر حجیت حدیث پر بحث کر رہے ہیں۔ پس حجیتِ حدیث کے عنوان میں ہماری مراد خود حجیت پیغمبر AUTHORITY OF THE PROPHET ہے۔ جس کا حاصل آپ کی ذاتِ گرامی کا قولاً فعلاً اور سکوتاً حجت اور سند ہونا ہے۔ امت مامور ہے کہ آپ کے نقش پا سے زندگی کی راہیں تلاش کرے۔

اس تنقیح سے وہ شکوک و شبہات ایک طرف رہ جاتے ہیں۔ جو بعض گوشوں میں کتب حدیث اور ان کی تدوین پر کیئے جاتے ہیں۔ کتب حدیث کا سند AUTHORITY ہونا خبر واحد SINGLE REPORT کا اعتبار اور عدم اعتبار اور سند متصل اور سند مرسل کی تفصیل یہ سب علمی موضوعات ہیں اور ان پر آئندہ کسی وقت گفتگو ہوگی۔ یہ موضوعات اعتقادی نہیں۔ فقط ایک علمی درجہ رکھتے ہیں۔

والذی ھو اھدیٰ والذی ھو اتقی۔ (سنن دارمی جلد ا صفحہ ۱۴۵) حضرت علی المرتضیٰؓ سے بھی یہ لفظ اس طرح منقول ہے۔ شیعہ روایات میں حضرت علیؓ کا ارشاد مذکور ہے۔ اذا حدثتم بحدیث فاسندوہ الی الذی حدثکم۔ (اصول کافی جلد اول صفحہ ۵۲)

[1] حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ و سنۃ نبیہ۔ (مؤطا امام مالک صفحہ ۳۶۳) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اصوم و افطر و اصلی وارقد و اتزوج النساء فمن رغب عن سنتی فلیس منی۔ (صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲) ایک حدیث میں فرمایا۔ من احیی سنۃ من سنتی قد امیتت بعدی کان لہ من الاجر مثل من عمل بھا۔ (ترمذی جلد ا صفحہ ۹۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔ علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین رواہ ابوداؤد (معالم السنن للخطابی جلد ۴ صفحہ ۳۰۰) شیعی محدث شیخ صدوق بھی روایت کرتے ہیں اور اس میں لفظ سنت اس طرح لاتے ہیں۔ لا عذر لکم فی ترک سنتی۔ (معانی الاخبار صفحہ ۱۵۱) علامہ کلینی نے بھی روایت کیا ہے۔ من رغب عن سنتی فلیس منی (اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۸۵) جس نے میری سنت سے گریز کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

حجیت پیغمبر ایک اعتقادی مسئلہ ہے۔

حجیت پیغمبر یعنی پیغمبر کی اتھارٹی Authority ایک اساسی اور اعتقادی موضوع ہے۔ قرونِ اولیٰ کے معتزلہ کا انکار حدیث بھی محض ایک علمی اختلاف تھا کہ خبر واحد حجت ہے یا نہیں؟ حجیت پیغمبر کے اساسی اور اعتقادی موضوع کا انکار نہ تھا۔ قرونِ اولیٰ کے ان اختلافات میں خود پیغمبر کی ذاتِ گرامی کبھی زیر بحث نہیں آئی تھی نہ حجیتِ پیغمبر سے اسلام کی تیرہ سو سالہ تاریخ میں کبھی کسی مسلمان نے انکار کیا تھا۔ حافظ ابن حزم (۴۵۷ھ) لکھتے ہیں:۔

اہل سنّت، خوارج، شیعہ، قدریہ تمام فرقے آنحضرتؐ کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں برابر قابل حجت سمجھتے رہے یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا۔[۱]

معتزلہ کا انکار حجیتِ پیغمبر کا انکار نہ تھا

معتزلہ کا یہ خلاف سرمایہ حدیث کی اخبار احاد Single reports سے اختلاف تھا حجیت پیغمبر کا انکار نہ تھا۔ ان کے شیخ ابو علی جبائی نے حدیث کی صحت کے لیے عزیز ہونے کی شرط لگائی ہے[۲] جس سے واضح ہوتا ہے کہ وہ اصولاً حجیت پیغمبرؐ کے قائل تھے۔ ہاں عقلی فکر و نظر کو زیادہ سے زیادہ راہ دینے کے لیے خبر واحد کے انکار کی آڑ لینا ان کا ایک علمی حربہ تھا۔ بعض اوقات یہ اس تاویل سے حدیث کا انکار کر جاتے تھے کہ یہ مضمون ان کے زعم میں قرآن پاک کی فلاں آیت کے خلاف ہے[۳] لہذا یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نہیں

---

[۱] الاحکام جلد ۱ ص۱۱۴ [۲] دیکھئے تدریب الراوی للسیوطی ص۱۸۔ البتہ معتزلی مفکر جناب ابو الحسین مصری از روئے عقل عبادات میں خبر واحد کی پیروی کے قائل تھے۔ (الاحکام للآمدی جلد ۲ ص۵۱)

[۳] گنہگار مسلمانوں کی شفاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نہایت واضح اور محکم روایات سے ثابت ہے۔ مگر معتزلہ یہ کہہ کر ان سب احادیث کا انکار کر دیتے ہیں کہ یہ سب احادیث قرآنی ارشاد فما تنفعھم شفاعۃ الشافعین۔ (پ۲۹ المدثر ع۲) کے خلاف ہیں۔ حالانکہ یہ آیت اپنی جگہ خود متشابہ

ہو سکتا۔ اس اندازِ فکر سے ہمیں علمی سطح پر بہت اختلاف ہے۔ لیکن ہم یہ بات پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں۔ کہ اس میں پیغمبر کی Authority حیثیت کا ہرگز انکار نہیں حجیت پیغمبر کا موضوع کہیں بھی اور کبھی بھی اسلام میں اختلافی نہیں رہا۔

حجیّت پیغمبر صرف نظامِ حیات تک نہیں

جہاں تک لفظ حجیت کا تعلق ہے۔ یہ ایک قانونی تعبیر ہے۔ حجیت پیغمبر سے مراد یہ ہے کہ پیغمبر کی ذات ہر قانونی باب Legal position میں امت کے لیئے سند ہے۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ پیغمبر خدا کی ہر بات ماننے بغیر صرف اسلامی نظام کی تکمیل نہ ہو گی۔ بلکہ پیغمبر خدا کی ہر بات اصولاً تسلیم کیئے بغیر ایمان بھی قائم نہیں رہتا۔ پیغمبر خدا کی ہر بات کو حجت اور سند تسلیم کرنا صرف ایک نظام کی تکمیل ہی نہیں تقاضائے ایمان بھی ہے۔ اور اس کا اصولاً اقرار نہ کرنا کفر ہے۔ پس لفظ حجیت نظامِ حیات سے آگے جا کر نجاتِ آخرت تک کو موضوع بناتا ہے۔ آپ اگر ایک ایسے ملک میں رہ رہے ہوں۔ جہاں اسلامی نظامِ حیات نافذ نہیں اور وہاں آپ بحالاتِ حضورؐ کی تعلیمات کو حجت اور سند نہیں مانتے تو آپ مسلمان نہیں رہ سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کو حجت اور سند ماننا اساسِ ایمان ہے اور اس کے بغیر آخرت میں کسی کی نجات نہیں۔ پس آپ کی OBEDIENCE محض ایک حاکم کی پیروی اور اطاعت نہیں۔ اس سے مختلف ہو گی۔ ایک حاکم کی تعمیل احکام محض ایک انتظامی مسئلہ ہے۔ مگر پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تعمیل ارشاد ایک ایمانی مسئلہ بھی ہے۔ جس سے اصولاً منہ پھیرنا کفر ہو گا۔ قرآن پاک نے اسے متعدد

اور محتاج تاویل تھی۔ اس سے کفار مراد لیئے جا سکتے ہیں۔ کافر کے حق میں کسی کی شفاعت قبول نہ ہو گی۔ (تفصیل کے لیئے دیکھئے اعلام الموقعین لابن القیم جلد ۲ صفحہ ۲۲۱) قرآن کریم میں شفاعت بالاذن کا اقرار پوری صراحت سے دوسری جگہ موجود ہے۔ من ذا الذی یشفع عندہ الا باذنہ۔ (پ۳ البقرہ ع ا) کون ہے جو اس کے ہاں کسی کی شفاعت کر سکے؟ ہاں اس کے اذن سے کر سکے گا۔ یہ صورت مستثنیٰ ہے اور یہ اذن بھی صرف مسلمانوں کے لیئے ہو سکے گا۔

عنوانوں سے پیش کیا ہے۔ ہم یہاں اب صرف دس عنوانوں سے ذکر کرتے ہیں۔

قرآن کی پہلی شہادت کہ پیغمبر سے روگردانی کفر ہے

(۱) قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فان اللہ لا یحب الکافرین[1]

ترجمہ۔ آپ کہہ دیں کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرو اور اس کے اس خاص رسول کی اطاعت کرو۔ سو اگر یہ منہ پھیریں تو بے شک اللہ ایسے کافروں کو پسند نہیں کرتا۔

سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت صرف ایک حاکم کی حیثیت سے نہیں۔ ایک پیغمبر کی حیثیت سے ہے۔ حاکم کی اطاعت نہ کرنا ایک جرم تو ہے لیکن کفر نہیں لیکن قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے منہ پھیرنے کو کفر قرار دے رہا ہے۔ پس یہ آیت ایک حکم حاکم کی حجیت کا سبق نہیں دے رہی حجیت پیغمبر کا عقیدہ بیان کر رہی ہے اور حق یہ ہے کہ آپ کی اطاعت امت پر بایں اعتبار فرض ہے۔ کہ آپ اللہ کے پیغمبر ہیں اور اللہ کے بندوں پر اللہ کی حجت ہیں اور آپ سے روگردانی اللہ کے ہاں کفر ہے۔

اللہ کے پیغمبر کی اطاعت شرک نہیں

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ پیغمبر کی اطاعت صرف بایں جہت نہیں کہ آپ کو اللہ کا پیغمبر مان لیا جائے۔ آپ کو پیغمبر ماننا دراصل اللہ کی ہی اطاعت ہے کہ اس نے پیغمبر بھیجا اور امت نے اسے مانا۔ پیغمبر کی اطاعت کا مفہوم یہ ہے کہ اس کی ہر بات کو اصولاً اپنے لیے حجت اور سند سمجھا جائے اور اس سے اصولاً منہ پھیرنا کفر تسلیم کیا جائے۔ قرآن کریم کی اس آیت نے امت پر دو اطاعتیں فرض کی ہیں۔ ایک اللہ کی اور دوسری پیغمبر کی۔ جو پیغمبر کی اطاعت کرتا ہے وہ آپ کو پیغمبر خدا مان کر پہلے اللہ کی اطاعت کر چکا اور اس اعتبار سے آپ کی اطاعت اللہ کی ہی اطاعت ہے۔ اس کی اطاعت کے ساتھ شرک نہیں۔ پیغمبر کو ہر بات میں اگر خدا کا نمائندہ Allah's representative تسلیم کیا جائے تو اس کی اطاعت میں

[1] پ ۳ آل عمران ع ۴۔

شرک کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ پیغمبر کی ہر بات خدا کی بات شمار ہوگی۔ لیکن شریعت کو اگر خدا اور اس کے رسول میں تقسیم کیا جائے کہ کچھ باتیں خدا نے فرض کیں اور کچھ اس کے پیغمبر نے، کچھ چیزیں خدا نے حلال کیں اور کچھ اس کے پیغمبر نے کچھ چیزیں اللہ نے حرام کیں اور کچھ اس کے پیغمبر نے، اور ان تصریحات میں یہ اعتقاد رکھا جائے کہ آپ اپنی طرف سے تحلیل و تحریم کا اختیار رکھتے تھے کہ جسے چاہیں حرام کردیں اور جسے چاہیں حلال کردیں۔ تو اس قسم کے عقیدہ سے اطاعت رسول بے شک شرک قرار پائے گی۔ کیوں کہ اس صورت میں موضوع اطاعت صرف اللہ کا حکم نہیں رہا۔ ایک متقابل کا حکم بھی یہاں جگہ پا گیا ہے۔

قرآن کریم کی دوسری شہادت کہ رسول کی اطاعت اللہ کی ہی اطاعت ہے

(۲) من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ومن تولی فما ارسلناک علیھم حفیظا۔[۱]

ترجمہ۔ جو اس رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ بے شک اللہ کی اطاعت کر چکا اور جس نے روگردانی کی سو ہم نے آپ کو اس پہ نگران نہیں بھیجا۔

اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ کی ہی اطاعت ہے۔ اللہ ہی نے رسول کو احکامات دیئے کہ وہ انہیں اس کے بندوں تک پہنچائیں اور اسی نے حکم دیا کہ اس کے رسول کی اطاعت کی جائے۔ سو ہر پہلو میں حلال و حرام اور اوامر و نواہی کا مصدر خدا کی ہی ذات رہی اور پیغمبر اس کے ترجمان ہوئے۔ سو اس میں شرک کا کوئی پہلو ہرگز نہیں ہے۔

یہ بات بھی ملحوظ رہے کہ یہاں اطاعت رسول کو مضارع میں اور اطاعتِ خداوندی کو ماضی میں لایا گیا ہے کہ ہر دو اطاعتیں مستقل ہیں۔ سو ہمیں یہ حق نہیں کہ پیغمبر کے احکام کی اصل قرآن کریم میں تلاش کرتے رہیں۔ کہ اللہ نے اپنے پیغمبر کو یہ حکم کہاں اور کیسے دیا تھا۔ اس لیئے کہ پیغمبر خدا کی بات آگے پہنچانے میں بالکل معصوم ہیں۔ ان سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ پس ہمیں حق نہیں پہنچتا کہ پیغمبر کی کسی بات کی پڑتال کے درپے ہوں۔ یہ قرآن کا کھلا انکار ہو

---

[۱] پ۵ النساء ع ۱۱

گا۔ آپ کی اطاعت صرف بایں معنی نہیں کہ آپ کو اللہ کا پیغمبر مان لیا جائے۔ بلکہ آپ کی اطاعت آپ کی ہر بات کو اصولاً خدا کی بات ماننا ہے اور اپنے لیئے اسے سند جاننا ہے۔

قرآن کی تیسری شہادت کہ امرِ رسول کی مخالفت کرنا عذابِ خداوندی کو دعوت دینا ہے

قرآن پاک مومن کی اس ذمہ داری کو ایک دوسرے مقام پر اطاعتِ رسول کی بجائے امرِ رسول کے واجب التسلیم ہونے کے عنوان سے ذکر کرتا ہے۔ جس سے واضح ہوتا ہے کہ اطاعت رسول در اصل یہ ہے کہ ہر امرِ رسول کے آگے تسلیم و انقیاد ہو۔ سو ذاتِ رسول کو صرف تسلیم کرنا کافی نہیں۔ امرِ رسول کو تسلیم کرنا اس کے ساتھ لازم ہے اور امرِ رسول کی مخالفت کرنا اللہ کے عذاب کو دعوت دینا ہے۔ قرآن کریم کہتا ہے:۔

(۳) فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم۔[۱]

ترجمہ۔ سو ڈریں وہ لوگ جو آپ کے امر کا خلاف کرتے ہیں کہ آ پڑے ان پر کچھ خرابی یا آلے ان کو عذاب دردناک۔

یہاں یہ بات بھی واضح ہوئی کہ امرِ رسول کی اطاعت حکم حاکم کی اطاعت سے اصولاً مختلف ہے۔ حکم حاکم کی مخالفت سے صرف قانون کی گرفت سخت ہوتی ہے کوئی عذاب نہیں اُترتا۔ لیکن امرِ رسول کی مخالفت سے بسا اوقات عذاب بھی نازل ہوئے ہیں۔ قرآن کریم آپ کی ہر بات تسلیم کرنے کو اور دل سے تسلیم کرنے کو تقاضائے ایمان قرار دیتا ہے۔

قرآن کی چوتھی شہادت کہ مومن کو امرِ رسول کی مخالفت کا حق نہیں

(۴) وما کان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہ فقد ضل ضلالاً مبیناً۔[۲]

ترجمہ۔ اور کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ جب مقرر کر دے اللہ اور اس کا رسول کوئی کام تو انہیں اپنے کام کا کوئی اختیار

---

[۱] پ ۱۸ النور ع ۹ [۲] پ ۲۲ الاحزاب ع ۵

باقی رہے اور جس نے نافرمانی کی اللہ کی اور اس کے رسول کی ،سو وہ
بھولا راہ سے صریح چوک کر۔

یہاں قضاء رسول کے تسلیم کرنے سے یہ مراد نہیں کہ پیغمبر کو پیغمبر مان لیا جائے۔ پیغمبر مان لینے کا اقرار خود لفظ مومن اور مومنہ میں پہلے سے موجود تھا۔ یہاں اس پیغمبر کے ہر فیصلے کو تسلیم کرنا ہر مومن کے لیئے تقاضائے ایمان قرار دیا جارہا ہے۔ امر رسول کی اطاعت نہ صرف اقرار رسالت ہے اور نہ یہ حکم حاکم کی اطاعت ہے۔ بلکہ اس کا تعلق اوّلی ایمان کے ساتھ ہے۔ حاکم کی اطاعت بنا پر حکومت ہوتی ہے لیکن امر رسول کی اطاعت خدا تعالیٰ کی اطاعت اور آخرت کی مغفرت کے لیئے ہے اور یہ ایمان کا تقاضا ہے۔

قرآن کی پانچویں شہادت کہ اللہ سے تعلق اطاعت رسول سے ہی قائم ہوسکتا ہے

⑤ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم۔[1]
ترجمہ۔ آپ کہہ دیجئے اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میری اطاعت کرو
اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

اللہ تعالیٰ کی محبت ایمان کا جزو لازم ہے۔ ایمان والوں کی علامت یہ ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ سے بہت محبت ہوتی ہے۔ والذین اٰمنوا اشد حبا للہ۔[2] اس محبت کو قرآن کریم نے اطاعت رسول سے وابستہ کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ خدا پر ایمان اطاعت رسول کے جذبہ صادقہ کے بغیر کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔ ایمان کے لیئے صرف آپ کو رسول مان لینا ہرگز کافی نہیں ہر ہر بات میں آپ کی اطاعت کا ارادہ شرط ہے۔

اطاعت پیغمبر کی ذمہ داری صرف اس کی تصدیق سے ادا نہیں ہوتی۔ آپ کے ساتھ مومنین کسی مجلس میں جمع ہوں تو آپ کی اجازت کے بغیر انہیں مجلس سے اُٹھنے تک کی اجازت نہیں، قرآن کریم میں ہے ۔

---

[1] پ۳ آل عمران ۴۔ [2] پ۲ البقرہ ع ۲۰۔

قرآن کی چھٹی شہادت کہ ہر گوشہ زندگی میں اذن رسالت درکار ہے۔

انما المؤمنون الذین اٰمنوا باللہ ورسولہ واذا کانوا معہ علی امر جامع لم یذھبوا حتی یستاذنوہ۔ ان الذین یستاذنونک اولئک الذین یؤمنون باللہ ورسولہ فاذا استاذنوک لبعض شانھم فاذن لمن شئت منھم واستغفر لھم اللہ۔ ان اللہ غفور رحیم۔[1]

ترجمہ۔ ایمان والے وہ ہیں جو یقین لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر۔ اور جب ہوں اس کے ساتھ کسی جمع ہونے کے کام میں تو چلے نہیں جاتے۔ اس کی اجازت کے بغیر ــــ بے شک جو لوگ آپ سے اجازت مانگتے ہیں سو وہی ہیں جو مانتے ہیں اللہ اور اس کے رسول کو ــــ پھر جب وہ آپ سے اجازت مانگیں اپنے کسی کام کے لیئے تو آپ اجازت دے دیا کریں۔ ان میں سے جس کو چاہیں اور استغفار چاہیں اللہ سے ان کے لیئے بے شک وہ ہے بخشنے والا بہت رحم کرنے والا۔

حافظ ابن قیمؒ اعلام الموقعین میں رقمطراز ہیں:۔

جب اللہ تعالیٰ اسے بھی ایمان کے لیئے لازم قرار دیتے ہیں کہ مومن جب آپ کے ساتھ (کسی مجلس میں) جمع ہوں تو آپ سے اجازت لیئے بغیر کہیں نہ جائیں تو یہ بات ایمان کے لیئے بدرجہ اولیٰ لازم ہوگی۔ کہ مومنین کوئی بھی قول اور کوئی علمی مسلک آپ کی اجازت کے بغیر اختیار نہ کریں اور (ظاہر ہے کہ) آپ کی اجازت کا علم انہی احادیث سے ملے گا جو آپ سے مروی ہیں کہ آپ نے کسی بات کی اجازت دی ہے یا نہ۔[2]

قرآن کریم کی اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب آپ کے حکم کے بغیر کسی امر جامع سے جانا بھی درست نہیں تو آپ کی اجازت کے بغیر محض اپنی رائے سے کوئی شرعی حکم اختیار کرنا کیسے

---

[1] پ النور ع ۹ [2] اعلام الموقعین جلد ۱ صفحہ ۴۳

درست ہو سکے گا۔ آپ کی اطاعت کو لازم جاننے کا اقرار ایمان کے لوازم میں سے ہے۔ حافظ ابن قیمؒ ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

جو شخص کتب سیرت اور روایات صحیحہ میں اہل کتاب اور مشرکین کے آپ کی رسالت کی شہادت دینے اور آپ کو سچا کہنے اور اس شہادت کے انہیں داخل اسلام نہ کرنے کے واقعات پر غور کرے گا۔ وہ جان لے گا کہ اسلام صرف آپ کے پہچان لینے یا صرف پہچان لینے اور اقرار کرنے کا نام نہیں بلکہ اسلام اس سے ماوراء پہچان، اقرار، انقیاد فرمانبرداری کے لیئے جھکنا اور آپ کی اطاعت اور آپ کے دین کو ظاہراً اور باطناً لازم پکڑنے کا نام ہے[1]

معلوم ہوا کہ ایمان میں تصدیق و اقرار کے ساتھ انقیاد اور التزام طاعت ہی ایک ایسی حقیقت ہے جو ایمان و کفر کے مابین ایک حدِ فاصل ہے جسے عبور کیئے بغیر خدا کی بادشاہی میں کوئی داخل نہیں ہو سکتا۔ یہ انقیاد اور التزامِ طاعت کسی شرط سے مشروط نہیں۔ رسول بھیجے ہی اسی لیئے جاتے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ[2]

ترجمہ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اسی لیئے کہ اس کی حکم الٰہی کے تحت تابعداری کی جائے۔

یہی وجہ ہے کہ رسول معصوم ہوتے ہیں۔ پیغمبر معصیت کرے تو وہ معصیت اُمت کے لیئے شریعت بنے گی۔ یہ بات منظورِ باری تعالیٰ نہیں کہ معصیت شریعت بنے۔ اسی لیئے حکمت باری متوجہ ہوئی کہ پیغمبروں سے معصیت صادر نہ ہو اور نہ کوئی لغزش باقی رہے۔ پس اس نے ان برگزیدہ ہستیوں کو شانِ عصمت بخشی اور مقام رسالت سے بعید ٹھہرایا کہ اس سے کوئی خیانت سرزد ہو۔

ما کان لنبیّ ان یغل[3] کسی نبی کے لائق نہیں کہ وہ کسی قسم کی خیانت کرے۔

یہ آیت مقام نبوت کو ہر قسم کی خیانت سے نیت کی ہو یا عمل کی پاک قرار دے رہی ہے۔

---

[1] زاد المعاد جلد ۳ صفحہ ۵۵ [2] پ۵ النساء ع ۹ [3] پ۴ آل عمران ع ۱۷ آیت ۱۶۱

عصمت رسالت تقاضا کرتی ہے کہ رسول جس بات کا حکم دے وہ یقیناً بھلی ہو اور جس کام سے روکے وہ یقیناً بُرا ہو. جس چیز کی اجازت دے وہ طیب ہو اور جس چیز کو حرام بتلائے وہ خبیث ہو. قرآن کریم اس نہج کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات میں ذکر کرتا ہے.

یأمرھم بالمعروف وینھٰھم عن المنکر و یحل لھم الطیبات و یحرم علیھم الخبائث. پ الاعراف ع ۹

ترجمہ. وہ حکم کرتا ہے ان کو اچھی باتوں کا اور روکتا ہے اُن کو بُرے کاموں سے اور حلال ٹھہراتا ہے ان کے لیئے سب پاک چیزیں اور حرام ٹھہراتا ہے ان پر سب ناپاک چیزیں.

حقیقت یہ ہے کہ رسول کی اطاعت مستقل ہے کسی شرط سے مشروط اور کسی قید سے مقید نہیں. ہاں یہ نیت ضرور ہے کہ آپ کی ہر بات اللہ کی طرف سے ہے. پھر آپ کی ہر بات امت کے لیئے حجت اور سند ہے. خواہ اس کی اصل قرآن کریم میں ملے یا نہ. امت اس بات کی مکلف نہیں کہ امر رسول کی اصل قرآن کریم میں تلاش کرے. آپ کی ہر بات کے لیئے کسی اور دلیل کی تلاش اور ضرورت نہیں ہے.

مجتہدین اور اولی الامر کی اطاعت اس بات کی متقاضی ہے کہ اس کی اصل کتاب و سنت میں موجود ہو. کیوں کہ وہ حضرات بذات خود حجت اور سند نہیں ہوتے اور اُن سے بحالات اختلاف بھی ہو سکتا ہے. لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی فیصلے سے اختلاف کیا. اس کی گرانی بھی دل میں رکھنا انسان کو خدا کی بادشاہی سے باہر کر دیتا ہے. قرآن پاک میں اولی الامر کی اطاعت اطاعتِ رسُول کے تابع ہے. کیوں کہ اولی الامر معصوم نہیں مگر اطاعت رسول اطاعتِ خداوندی سے مشروط نہیں. رسول خود معصوم ہیں. اللہ تعالیٰ نے انہیں بذات خود حجت اور سند بنایا ہے اور ان کی اطاعت مستقل ٹھہرائی ہے.

قرآن کی ساتویں شہادت کہ رسول کی اطاعت حاکم کی اطاعت سے مختلف ہے

(۱) اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاٰخر. پ النساء ۵۹

ترجمہ۔ اے ایمان والو! حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اُن کا جو تم
میں سے اولی الامر ہوں ــــــ پھر اگر کسی بات میں جھگڑ پڑو تو اس کو لوٹاؤ
اللہ کی طرف اور رسول برحق کی طرف۔ اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔

یہاں تین اطاعتیں فرض بتلائی گئیں۔ ۱. اللہ کی اطاعت۔ ۲. رسول پاک کی اطاعت۔ ۳. اولی الامر کی اطاعت ـــــ مگر لفظ اطیعوا صرف دو بار لائے۔ الرسول کے لئے لفظ اطیعوا مستقل طور پر وارد ہوا۔ مگر اولی الامر کی اطاعت اسی اطیعوا کے ماتحت رکھی گئی۔ جو الرسول پر داخل تھا۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اولی الامر کی اطاعت میں تو شرط ہے کہ خدا اور اس کے رسول کے احکام کے خلاف نہ ہو۔ ان کی اطاعت کے تابع ہو۔ لیکن رسول کی اطاعت میں یہ شرط نہیں لگائی گئی۔ کیونکہ اس کی ہر بات اللہ کے حکم سے ہوگی اس کے خلاف نہیں ہو سکتی۔ رسول کی ہر ہر ادا اور ہر ہر بات پر خدا کی حفاظت کا پہرہ ہوتا ہے۔ سو پیغمبر کی اطاعت اور ایک حاکم کی اطاعت میں جوہری فرق ہے اور یہ بات آیات گذشتہ کے ضمن میں بھی اجمالاً ذکر کر دی گئی ہے۔ اطاعت رسول کی اس حیثیت کو ہم ذرا اور واضح کرتے ہیں :-

① حاکم کی اطاعت آخرت کی رحمت کو لازم نہیں۔ پیغمبر کی اطاعت سے آخرت کی رحمت ملتی ہے۔[۱]

② حاکم کی اطاعت گناہوں کی بخشش کا سبب نہیں، پیغمبر کی اطاعت سے گناہ بھی بخشے جاتے ہیں[۲]

③ حاکم کی اطاعت نہ کرنے سے عذاب نہیں ہوتا۔ پیغمبر کی اطاعت نہ کرنے سے عذاب اُترنے کا اندیشہ ہے۔

④ حاکم کی اطاعت ایک مسئلہ انتظامی ہے۔ مگر پیغمبر کی اطاعت کا اقرار تقاضائے ایمانی ہے۔[۳]

⑤ حاکم کی اطاعت صرف انتظامی امور تک محدود ہے۔ مگر پیغمبر کی اطاعت زندگی کے ہر دائرے میں لازم ہے۔

---

[۱] پ۱۸ النور آیت ۶۲ [۲] پ۱۸ النور ع ۹ آیت نمبر ۶۳ [۳] پ۲۲ الاحزاب ع ۵

(۶) حاکم کی اطاعت اس کی موت کے بعد لازم نہیں. پیغمبر کی اطاعت اس کی موت کے بعد بھی لازم رہتی ہے.

(۷) حاکم کی اطاعت خدا کی اطاعت شمار نہیں ہوتی. مگر پیغمبر کی اطاعت خدا کی اطاعت کہلاتی ہے [۱]

(۸) حاکم کی اطاعت ضروری نہیں کہ راہِ صواب اور صحیح راہ ہو. مگر پیغمبر کی ہر بات لازماً درست اور راہِ صواب ہے.

(۹) حاکم کے ہر فیصلے کے خلاف اپیل ہو سکتی ہے. مگر پیغمبر کے فیصلے کے خلاف کہیں اپیل نہیں ہو سکتی. [۲]

(۱۰) حاکم سے اس کے فیصلے کی دلیل پوچھی جا سکتی ہے. مگر پیغمبر سے اس کے فیصلے کی دلیل مانگی نہیں جا سکتی. پیغمبر کا فیصلہ خود ایک دلیل ہے. ہاں آپ سے کسی بات کی تشریح کی درخواست کی سکتی ہے. [۳] یہ طلب علم ہے پیغمبر کی بات سے ٹکراؤ نہیں نہ اس کے حق ہونے میں کوئی تردد ہے.

قرآن کی آٹھویں شہادت کہ بدوں انقیاد ایمان ہی قائم نہیں ہوتا.

(۸) فلا وربك لا یؤمنون حتی یحکموك فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجًا مما قضیت ویسلموا تسلیما. [۳]

ترجمہ. سو قسم ہے تیرے رب کی یہ لوگ کبھی ایماندار نہیں ہو سکتے. جب تک تجھے ہر اس بات میں جو ان میں اختلاف پکڑے اپنا منصف نہ مان لیں. پھر آپ کے فیصلے کے بارے میں نہ پائیں اپنے جی میں کوئی تنگی ——— اور قبول کریں اسے خوشی سے.

اس آیت نے واضح طور پر بتلا دیا کہ پیغمبر کی اطاعت صرف ایک حکم اور منصف Arbiter کی حیثیت سے نہیں پیغمبر کی حیثیت سے ہے. ا. حکم کے فیصلے کو ماننا ایک قانونی تقاضا ہے. اس پر ایمان موقوف نہیں. مگر پیغمبر کے فیصلے کو ماننا ایمان کا تقاضا ہے.

---

[۱] پ۵ النساء ع ۱۱ [۲] پ۲۲ الاحزاب ع ۵ [۳] پ۵ النساء آیت نمبر ۶۵

۲. حکم کے فیصلے کے بارے میں دل میں گرانی ہونی کوئی عیب نہیں۔ مگر پیغمبر کے فیصلے کے خلاف دل میں گرانی رکھنا ایمان سے محروم کر دیتا ہے۔ ہر پیش آمدہ بات میں پیغمبر کو حکم تسلیم کرلینا یہ بنا بر حکومت نہیں بنا بر رسالت ہے۔ آپ کے ہر فیصلے کے آگے تسلیم و انقیاد لازم ہے۔ آیت ہذا اپنے سیاق و سباق کے مطابق اطاعت رسول کی فرع ہے۔ اس آیت سے پہلی آیت میں یہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔

وما ارسلنا من رسول الا لیطاع باذن اللہ۔

ترجمہ۔ اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اس لیئے کہ اسکی بات حکم الٰہی سے مانی جائے۔

اگلی آیت میں اس ضابطے کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کے لازم ہونے پر منطبق کیا گیا ہے اور پھر اس رکوع کا اختتام (ومن یطع اللہ والرسول فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم پر کیا گیا ہے۔ جس میں ان لوگوں کی (جن پر اللہ کا انعام ہے) یہ صفت ذکر کی گئی ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔

اہل اسلام اس پر متفق ہیں کہ پیغمبر کا حکم ہونا اس کے قاضی ہونے کی حالت Judge in his Chair میں محدود نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہر فیصلے کو حجت اور سند قرار دیا ہے اور آپ کی اطاعت کو مطلقاً فرض ٹھہرایا ہے۔ امام شافعیؒ اس آیت کے عموم سے استدلال کرتے ہیں اور آپ کی اطاعت کو فرض قرار دیتے ہیں[1]۔ مشہور شیعہ محدث علامہ کلینی بھی امام جعفر صادقؓ سے اس آیت کا عموم اسی طرح روایت کرتے ہیں[2]:

اگر لوگ ایک اللہ کی عبادت کریں نمازیں قائم کریں زکوٰۃ دیں بیت اللہ شریف کا حج بھی کریں اور رمضان کے روزے بھی رکھیں پھر ایسی چیز کو جسے اللہ تعالیٰ نے یا اس کے رسول نے مقرر کیا ہو۔ کہیں کہ صحیح بات اس کے برعکس ہے یا یہ بات اپنے دل میں رکھیں تو وہ اس بات سے مشرکین ٹھہریں گے۔ پھر اس پر حضرت امام نے یہ آیت تلاوت کی۔ فلا وربک لا یؤمنون حتی یحکموک فیما شجر بینهم ثم لا یجدوا فی انفسهم حرجاً

---

[1] کتاب الام جلد ۷ صد ۲۵۱ [2] اصول کافی جلد ۱ صد ۳۹

مما قضیت ویسلموا تسلیما۔[1]

معلوم ہوا کہ رسول پاک کا ہر ہر فیصلہ حجت اور سند ہے۔ آپ جس چیز کی اجازت دیں۔ اسے اپنانا اور جس چیز سے روکیں اس سے رُکنا ضروری ہے۔

قرآن کی نویں شہادت کہ پیغمبر کا ہر حکم واجب القبول ہے۔

(۹) ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نہاکم عنہ فانتہوا۔[2]

ترجمہ۔ جو چیز تمہیں اللہ کا رسول دے اُسے لے لو اور جس چیز سے تمہیں روکے اس سے رُک جاؤ۔

اتاکم الرسول صرف مادی چیزوں غنائم وغیرہ کے لیے ہی نہیں۔ علم دینے، بات کہنے اور درجہ ومقام دینے کو بھی ایتاء سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے۔

یرفع اللہ الذین امنوا منکم والذین اوتوا العلم درجٰت۔[3]

ترجمہ۔ اللہ بلند کرتا ہے ان کے لیے جو تم میں سے ایمان لائے اور دیئے گئے علم، درجات۔

اوتوا العلم کے الفاظ آپ کے سامنے ہیں۔ اتیناہ الحکمۃ کے الفاظ بھی ملاحظہ کیجئے حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:۔

اتیناہ الحکمۃ وفصل الخطاب[4]

ترجمہ۔ ہم نے اسے تدبیر اور بات کی قوت فیصلہ دے رکھی تھی۔

کیا یہاں قول پر ایتاء کا لفظ نہیں آیا۔ اگر یہاں آ سکتا ہے تو ما اتاکم الرسول میں رسول کی ساری باتیں کیوں نہیں آتیں۔ ومن یؤتی الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا میں کیا عطائے حکمت کے لیے ایتاء کا لفظ نہیں ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون کی جب حضرت حضرت خضر سے ملاقات ہوئی تو اُسے یوں ذکر فرمایا:۔

---

[1] پ النساء آیت ۶۵ [2] پ۲۸ الحشر آیت ۷ [3] پ۲۸ المجادلہ آیت ۱۱ [4] پ۲۳ ص آیت ۲۰

فوجدا عبداً من عبادنا اتینٰہ رحمۃً من عندنا و علمناہ من لدنا علما۔[۱]

ترجمہ۔ پھر ان دونوں نے پایا ایک بندہ ہمارے بندوں میں سے جس کو ہم نے حکمت دی تھی اور اسے اپنے پاس سے علم دیا تھا۔

تو یہاں حکمت کو لفظ اتینا سے بیان نہیں کیا گیا۔ حضرت یحیٰی علیہ السلام کے بارے میں فرمایا:۔

واتیناہ الحکم صبیاً وحنانا من لدنا وزکوٰۃ وکان تقیا۔[۲]

ترجمہ۔ اور ہم نے اس کو بچپن میں ہی حکم کرنا دیا اور اپنی طرف سے شوق دیا اور دی پاکیزگی اور تھا وہ بچنے والا۔

کیا یہاں حکم کی بات طبیعت کے شوق، مزاج کی پاکیزگی کو لفظ ایتاء سے بیان نہیں کیا ہے؟

یہ آیات اس بات کے شواہد ہیں کہ اتاکم کے لفظ کچھ مادی چیزوں سے ہی خاص نہیں۔ علم حکمت اقوال اور بات کہنے کو بھی اس سے تعبیر کرتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح غنائم تقسیم فرماتے تھے علم بھی بانٹتے تھے اور ہر کسی کو اپنے اپنے ظرف کے مطابق ملتا تھا۔ محدثین حدیث انما انا قاسمٌ واللہ معطی کو باب غنائم میں بیان کرتے ہیں تو وہ اسے باب العلم میں بھی لاتے ہیں۔ ہاں باب الرزق میں اسے کسی نے روایت نہیں کیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) اس طبقے کے استاد تھے۔ جنہیں حضرت عمرؓ انتم رأس العرب وجمجمتہا کے الفاظ[۳] سے یاد کرتے ہیں۔ کیا آپ کہہ سکتے ہیں کہ آپ لفظ ایتاء کے عربی اطلاق سے ناآشنا تھے؟ نہیں ــــ آپ نے آیت اتاکم الرسول سے حدیث پر واضح انداز میں استدلال کیا ہے۔ آپ نے فرمایا:۔

لعن اللہ الواشمات والمتوشمات والمتنمصات والمتفلجات للحسن المغیرات خلق اللہ۔[۴]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ بدن کو گودنے والی گدوانے والی بالوں کو نچوانے والی اور افزائش حسن کے لئے دانتوں کو ریتی سے) رتوانے والی عورتوں پر لعنت کرے۔

آپ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا کہ مجھے خبر ملی ہے کہ آپ فلاں فلاں

---

[۱] پ۱۵ الکہف آیت ۶۵ [۲] پ۱۶ مریم آیت ۱۲ [۳] مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۳ [۴] مشکوٰۃ ص ۳۸۱

عمل کی عورتوں پر لعنت کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا :۔

مالی لا العن من لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن ھو فی کتاب اللہ[1]

ترجمہ۔ میں کیوں ان پر لعنت نہ کروں جن پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور جو قرآن کریم میں ملعون ٹھہرے۔

وہ عورت حیران ہوئی اور کہا میں نے قرآن پڑھا ہے لیکن میں نے کہیں یہ آیت نہیں پڑھی۔ اس پر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا :۔

لئن کنت قرأتیہ لقد وجدتیہ۔ اما قرأت ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔[2]

ترجمہ۔ اگر تو نے قرآن پڑھا ہوتا تو تو اس میں یہ آیت پا لیتی۔ کیا تو نے یہ آیت نہیں پڑھی ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا —— رسول جو تمہیں دے وہ لے لو اور جس سے روکے اس سے رک جاؤ۔

اس سے پتہ چلا کہ آیت ما اتاکم الرسول فخذوہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ احکام و اوامر کو شامل ہے اور آپ کی تعلیمات کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں ہم آپ کی کسی بات سے سرتابی کرسکیں۔

حضرت یزید بن عبدالرحمن ر ھ) کی عظمت قدر سے کون واقف نہیں۔ آپ نے ایک محرم شخص (احرام والے مسلمان) کو سلے ہوئے کپڑوں میں دیکھا۔ آپ نے اسے اس سے منع فرمایا[3] —— اس نے آپ سے کہا کیا یہ قرآن پاک میں ہے ؟ آپ نے اس کے جواب میں یہ آیت پڑھی :۔

ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا۔

ترجمہ۔ رسول جو تمہیں دے وہ لے لو اور جس بات سے روکے اس سے رک جاؤ۔

معلوم ہوا کہ ما اتاکم الرسول سے حجیت حدیث پر استدلال کیا جاسکتا ہے اور لفظ ایتاء کچھ مادی چیزوں سے خاص نہیں ہے۔

---

[1] رواہ البخاری ومسلم [2] پ۲۸ الحشر [3] ترجمان السنہ جلد ا صہ۱۱۱

قرآن کریم میں یہاں مثبت اور منفی دونوں پیرائے ہیں۔ مثبت کو اٰتاکم سے اور منفی کو نھاکم سے تعبیر فرمایا ہے۔ کسے معلوم نہیں نہی کا لفظ امر کے مقابلہ میں آتا ہے۔ یامرون بالمعروف وینھون عن المنکر کس نے نہیں پڑھا۔ قرآن کریم نے یہاں ما اٰتاکم الرسول کو ما نھاکم عنہ کے مقابلہ اور فخذوہ کو فانتھوا کے مقابلہ میں ذکر کیا ہے۔ سو اس بات میں کسی تردد کی گنجائش نہیں ہے کہ ما اٰتاکم یہاں ما امرتکم بہ کے معنی میں ہے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات کو شامل ہے۔ یہ وہ ہدایت ہے جو آپ اللہ کی طرف سے لائے اور یہی وہ پیغام ہے جو آپ نے امت کو دیا۔ قرآن کریم نے اسی کی تائید کی اور فرمایا۔ ما اٰتاکم الرسول فخذوہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک حدیث میں اٰتاکم کو امرتکم بشیء سے ذکر کیا ہے اس سے بھی پتہ چلتا ہے کہ اس آیت میں اٰتاکم واقعی امرکم کے معنوں میں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اقرع بن حابس نے حضورؐ سے سوال کیا۔ کیا حج ہر سال فرض ہے؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں۔ حج زندگی میں ایک دفعہ فرض ہوتا ہے۔ ہاں نفلی حج اس کے علاوہ ہے۔ وہ پھر بھی ہو سکتا ہے۔ حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ایسے ہی ایک سوال پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

فاذا امرتکم بشیء فاتوا منہ ما استطعتم وما نھیتکم عن شیء فدعوہ۔[1]

ترجمہ۔ جب میں تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو تم اس پر جہاں تک تم سے ہو سکے عمل کرو اور جب کسی چیز سے تمہیں روکوں تو تم اسے چھوڑ دو۔

قرآن کریم میں ما اٰتاکم الرسول میں ما کو نکرہ لایا گیا اور حدیث میں بھی اذا امرتکم بشیء میں بشیء کو نکرہ ذکر کیا گیا ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہزاروں حکم آگئے اور ان میں سے ہر ایک کے متعلق یہ کہا سکتا ہے کہ وہ قرآن کریم میں موجود ہے۔ ما کے عموم نے ہر اس بات کو جو حضورؐ لے کر آئے اپنے اندر سمو لیا اور شیء کا نکرہ ہونا ہر حکم نبوی کو شامل ہو گیا ۔۔۔ حاصل اینکہ یہ حدیث اور یہ آیت ایک کلیدی درجہ رکھتی ہیں جس سے احادیث

---

[1] صحیح مسلم جلد ا ص۴۳۲

نبوی اور سننِ رسالت کے جملہ خزانے کھُلتے ہیں۔

قرآن کی دسویں شہادت کہ حضورؐ ہر بات میں ایک عمدہ نمونہ ہیں۔

(۱۰) لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاٰخر و ذکر اللہ کثیرا۔[۱]

ترجمہ۔ بے شک تم لوگوں کے لیے اس رسول میں ایک عمدہ نمونہ موجود ہے ہر اس شخص کے لیے جو اللہ کے پاس حاضر ہونے کا یقین اور آخرت کے دن کی اُمید رکھتا ہو اور خدا کو کثرت سے یاد کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہر کارِ خیر میں نمونہ ٹھہرے تو اب مومن کا ہر کام رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری سے مشروط ہو گیا۔ نماز و زکوٰۃ کی ہر ادا عمل رسول اور حکم رسول کے تحت آ گئی۔ نماز کا طریقہ اور زکوٰۃ کا نصاب کیسے معلوم تھا؟ —— ان احکام پر عمل کی راہیں کس مسلمان کو معلوم تھیں؟ ظاہر ہے کسی کو معلوم نہ تھیں۔ یہ عمل رسول اور حکم رسول ہی تھا جنے نماز اور زکوٰۃ کو لائقِ عمل بنایا۔ اطاعتِ رسول کے بغیر یہ دونوں حکم ناقابلِ عمل تھے۔ اس لیے نماز اور زکوٰۃ کے ساتھ اطاعتِ رسول کی ہدایت کی گئی۔

واقیموا الصلوٰۃ و اٰتوا الزکوٰۃ و اطیعوا الرسول لعلکم ترحمون۔[۲]

ترجمہ۔ اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو —— اور رسول کی فرمانبرداری کرو —— تاکہ تم پر مہربانی ہو۔

یہاں اطیعوا اللہ کا ذکر نہیں —— اللہ کے دو حکم نماز اور زکوٰۃ کے مذکور رہتے۔ ان پر عمل کی راہ بجز اطاعتِ رسول کے کوئی نہ تھی۔ اس لیے اس آیت میں صرف اطیعوا الرسول کہا تاکہ نماز اور زکوٰۃ کی راہ تمہیں معلوم ہو جائے۔ معلوم ہوا جس طرح نماز و زکوٰۃ خدا کے حکم ہیں۔ اطاعتِ رسول بھی اسی طرح بالاستقلال ایک حکم ہے۔

آیت لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ اپنے عموم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[۱] پ ۲۱ الاحزاب آیت ۲۱ [۲] پ ۱۸ النور آیت ۵۶

کے ہر عمل کو شامل ہے اور آپ اپنے تمام اقوال و اعمال میں ہمارے لیے عمدہ نمونہ ہیں۔ اس پر صحابہ کرامؓ اور اکابر تابعین کی نہایت عمدہ شہادتیں ہمارے پاس موجود ہیں۔

۱۔ حضرت قتادہؓ (۱۱۸ھ) کہتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ۔۔۔ پہننے سے منع کرنا چاہا — ایک شخص نے کہا۔ کیا اللہ تعالیٰ نے نہیں فرمایا۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ؟ فرمایا۔ بلیٰ۔ کیوں نہیں؟ — [آپ اس کپڑے کو کسی اور مصلحت سے منع کرنا چاہتے تھے۔ یہ نہیں کہ اسے ناجائز سمجھتے تھے] اس پر آپ نے اس ارادے کو ترک فرما دیا۔ روایت میں ہے:
فترکھا عمرؓ[1]

۲۔ یعلیٰ بن امیہ حنظلی صحابی کہتے ہیں میں حضرت عمرؓ کے ساتھ طواف کر رہا تھا۔ آپ نے حجرِ اسود کو بوسہ دیا۔ میں بیت اللہ کی جانب تھا اور حضرت عمرؓ میرے ساتھ ساتھ تھے جب ہم رُکنِ غربی کے پاس پہنچے۔ میں نے آپ کا ہاتھ کھینچا کہ آپ رکنِ غربی کا استلام کریں۔ آپ نے پوچھا تجھے کیا ہوا۔ میں نے کہا کیا آپ استلام نہیں کریں گے؟ آپؓ نے فرمایا۔ کیا تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ طواف نہیں کیا؟ میں نے کہا۔ بلیٰ (کیوں نہیں) انہوں نے کہا کہ تو نے آپ کو ان غربی رکنوں کا استلام کرتے دیکھا ہے؟ میں نے کہا۔ نہیں — آپ نے فرمایا:۔

الیس لک فی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوۃ حسنۃ؛ قلت بلیٰ — قال فابعد عنک[2]

ترجمہ: کیا تمہارے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی میں اسوۂ حسنہ نہیں؟ میں نے کہا کیوں نہیں — آپ نے فرمایا۔ پھر اس سے دُور رہو۔

۳۔ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے زیادہ قرآن سمجھنے والا کون ہوگا۔ آپ سے زیادہ قرآن کریم کے سیاق و سباق پر کس کی نظر تھی۔ آپ نے جب یہ مسئلہ بیان فرمایا کہ اگر کوئی شخص قسم کے ساتھ اپنے اُوپر وہ چیز حرام کرے جو اللہ نے اس کے لیے حرام نہیں فرمائی تو اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا یہ کفارہ یمین ہے وہ چیز اس پر حرام نہ ہو سکے گی — اس پر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ[3]

---

[1] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱ صـ ۳۸۲ [2] ایضاً جلد ۵ صـ ۴۵ [3] صحیح البخاری جلد ۲ صـ ۷۹۱ صحیح مسلم صـ

۴۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے یہ بھی فرمایا:۔

من نذران ینحرنفسہ او ولدہ فلیذبح کبشاً ــــ ثم تلا لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔[1]

ترجمہ۔ جس نے نذر مانی کہ اللہ کے لیے اپنے آپ کو یا اپنے بیٹے کو ذبح کرے گا اسے اس کے لیے ایک مینڈھا قربانی میں دینا ہو گا (اپنے آپ کو یا اپنے بیٹے کو ذبح نہ کرے) اس پر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ــــ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔

۵۔ اسوۃ الکاملین عمدۃ العارفین حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سفر میں تھے۔ آپ نے بعض لوگوں کو سفر میں سنتیں پڑھتے دیکھا۔ آپ نے پوچھا یہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ عرض کیا گیا سنتیں پڑھ رہے ہیں۔ آپ نے کہا اگر تم نے سنتیں پڑھنی ہوتیں تو فرض نماز میں قصر کا حکم کیوں ہوتا؟

حججت مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فکان لایسبح بالنہار وحججت مع ابی بکرؓ فکان لا یسبح بالنہار وحججت مع عمرؓ فکان لا یسبح بالنہار وحججت مع عثمانؓ فکان لا یسبح بالنہار ثم قال ابن عمرؓ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ[2]

ترجمہ۔ میں نے حضورؐ کے ساتھ سفر حج کیا ہے۔ آپ دن کو سنتیں نہ پڑھتے تھے میں نے حضرت ابو بکرؓ کے ساتھ بھی حج کیا ہے آپ بھی دن کو سنتیں نہ پڑھتے تھے۔ میں نے حضرت عمرؓ کے ساتھ حج کیا وہ بھی دن کو سنتیں نہ پڑھتے تھے۔ میں نے حضرت عثمانؓ کے ساتھ بھی حج کیا وہ بھی دن کو سنتیں نہ پڑھتے تھے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ[3]

صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم یزد علی رکعتین فی السفر حتی قبضہ اللہ ثم صحبت ابا بکرؓ فلم یزد علی رکعتین ثم صحبت عمرؓ فلم یزد علی رکعتین ثم صحبت عثمانؓ فلم یزد علی رکعتین حتی قبضہم اللہ واللہ یقول لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ سنن ابن ماجہ ص۷۶

---

[1] المصنف لعبدالرزاق ج۸ ص۴۶۰ [2] المصنف لعبدالرزاق ج۲ ص۵۵۷ صحیح مسلم ج۱ ص۲۴۲ [3] صحیح البخاری ج۱ ص۱۴۹

ترجمہ۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہا ہوں آپ سفر میں ہمیشہ دوگانہ پڑھتے کچھ اور نہ پڑھتے یہاں تک کہ آپ کی وفات ہوئی۔ پھر میں حضرت ابوبکرؓ کے ساتھ رہا۔ آپ بھی سفر میں دو رکعت سے زیادہ نہ پڑھتے تھے۔ پھر میں حضرت عمرؓ کے ساتھ رہا آپ نے بھی سفر میں دو رکعت ہی پڑھیں۔ پھر میں حضرت عثمانؓ کے ساتھ رہا۔ آپ نے بھی سفر میں دو رکعت پر کبھی زیادتی نہ کی۔ یہاں تک کہ یہ سب حضرات دنیا سے اٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ بجا فرماتے ہیں بیشک تمہارے لیے حضورؐ کے عمل میں عمدہ نمونہ موجود ہے۔[1]

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صرف حضورؐ کے عمل کو ذکر نہیں فرمایا۔ اس عمل کے امت میں باقی رہنے کو بھی ذکر کیا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ سنت میں تسلسل امت سے وہ قوت قائم ہوتی ہے۔ کہ اب اس میں کسی نسخ اور ضعف کا احتمال نہیں رہتا۔

۶۔ حضرت نافع کہتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اس سال جس سال حجاج نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ پر چڑھائی کی حج کے لیے نکلے۔ آپ سے گذارش کی گئی جنگ ہونے والی ہے کہیں آپ اس کی زد میں نہ آجائیں۔ وہ آپ کو روک نہ دیں۔ آپ نے فرمایا ۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ ـــــ اذا اصنع کما صنع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اشہدکم انی قد اوجبت عمرۃ (وقال) ماشان الحج و العمرۃ الا واحد اشہدکم انی قد جمعت حجۃ مع عمرۃ۔[2]

ترجمہ۔ بیشک تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی میں اسوۂ حسنہ (عمدہ نمونہ) موجود ہے ـــــ میں اسی طرح کروں گا جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب وہ حدیبیہ کے مقام پر مکہ جانے سے پہلے روک دیئے گئے تھے) کیا تھا۔

۷۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں ہم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مسئلہ پوچھا کہ اگر کسی شخص نے عمرہ میں بیت اللہ شریف کا طواف تو کر لیا لیکن صفا مروہ کی سعی نہ کی۔ کیا وہ حلال ہو سکتا ہے؟

قدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم فطاف بالبیت سبعاً وصلی خلف المقام رکعتین وطاف بین الصفا والمروۃ سبعاً وقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ[3]

---

[1] سنن ابن ماجہ صہ۷۶ [2] صحیح بخاری جلد صہ۲۴۳ [3] صحیح بخاری جلد صہ۲۴۱

آپ نے فرمایا، نہیں حضورؐ نے طواف کے بعد دو رکعت پڑھیں اور ساتھ ہی صفا و مروہ کی سعی کی۔

۸۔ ایک شخص نے حجرِ اسود کے بوسہ کے بارے میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا۔ آپ نے فرمایا میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو استلام کرتے اور بوسہ دیتے دیکھا ہے۔ اس نے پوچھا اگر ہجوم زیادہ ہو بھیڑ ہو اور استلام مشکل ہو؟ —— آپ نے فرمایا :۔

اجعل ارأیت بالیمن. رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یستلمہ ویقبلہ۔[1]

ترجمہ۔ اگر کو تو یمن میں پھینک میں نے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حجرِ اسود کا استلام کرتے اور بوسہ دیتے دیکھا ہے۔

۹۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا گیا۔ ایک شخص نے نذر مانی کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھے گا اتفاق سے اس کے بعد فوراً عید آگئی۔ کیا وہ عید کے دنوں میں روزہ رکھے۔ آپ نے فرمایا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عید کا روزہ نہ رکھتے تھے نہ اسے پسند فرماتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس موقعہ پر پھر یہ آیت تلاوت فرمائی —— لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔[2]

۱۰۔ امام زین العابدین نے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح اپنے ایک آزاد کردہ غلام سے کر دیا اور اپنی ایک کنیز کو آزاد کرکے خود اس سے نکاح کر لیا۔ خلیفہ عبدالملک نے انہیں ایک خط لکھا اور خاندانی شرافت یاد کرائی آپ نے اُسے لکھا :

"لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ قد اعتق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صفیۃ بنت حیی وتزوجہا واعتق زید بن حارثۃ و زوجہ ابنۃ عمہ زینب بنت جحش"[3]

اس قسم کی متعدد مثالیں کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ و تابعین نے اس آیت کو کسی ایک واقعہ یا صورتِ حال سے خاص نہیں کیا۔ بلکہ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات و ہدایات کے لیے ایک کلیدی آیت سمجھا ہے۔ آپ کی ساری شریعت اور جملہ اوامر و نواہی اس آیت کے تحت امت کے لیے ایک عمدہ نمونہ عمل ہیں۔ صحابہ کرامؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک ایک عمل کو اپنے لیے دلیل قرار دیا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۱۸/۲۱۹ [2] ایضاً ص ۲۹۲ [3] طبقات ابن سعد جلد ص

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا حجر اسود کو بوسہ دے رہے ہیں اور فرماتے ہیں۔ میں نے اگر حضورؐ کو تجھے بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا[۱]

زیاد بن جبیر کہتے ہیں ایک شخص اونٹ کو بٹھا کر نحر کر رہا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ وہاں سے گزرے اور آپ نے اسے ایسا کرتے دیکھا۔ آپ نے فرمایا اسے کھڑا کر کے نحر کر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہی تھا ـــ سنۃ محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔[۲]

قرآن کریم کے اس کھلے حکم (کہ حضورؐ کی ذات گرامی میں تمہارے لیے اسوۂ حسنہ اور قابل اعتماد نمونہ ہے) سے تنگ آ کر منکرین حدیث ایک نئی چال چلے اور عمل رسول اور اسوۂ رسول میں فرق کر دیا۔ اس موڑ کا سنگ میل حافظ اسلم جیراجپوری ہیں۔ وہ کہتے ہیں اسوۂ رسول متواتر ہے اور عمل رسول کے لیے متواتر ہونا ضروری نہیں۔

قرآن کریم کی اس آیت (لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ) کو جس طرح صحابہؓ سمجھے اس کے تحت حضورؐ کا ہر ہر عمل امت کے لیے قابل اعتماد نمونہ ہے۔ قرون ثلثہ مشہود لہا بالخیر میں کبھی اس میں کسی قسم کی تفصیل نہیں کی گئی۔ تمام امور میں آپ کو اسوۂ حسنہ کہا گیا ہے۔ جو احکام مجمل تھے۔ حضورؐ اپنے عمل میں ان کے تشکیل دہندہ تھے۔ ان تفصیلات کے ثبوت میں تو درجے ہو سکتے ہیں کہ متواتر ہے یا خبر واحد۔ مگر اس میں کہیں کوئی فرق نہیں ملتا کہ فلاں امور میں عملی تشکیل حضورؐ کے ذمہ تھی اور فلاں فلاں باتوں کی تفصیل اب مسلمانوں کی مرکزی اسمبلی طے کرے گی۔ حافظ اسلم صاحب خود لکھتے ہیں:۔

> بے شک قرآن کریم نے ان تفصیلات کو اپنے ذمہ نہیں لیا۔ مگر اس نے اپنے احکام کی عملی تشکیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کی ہے ---- وہ عملی نمونے بسلسلہ تواتر چلے آرہے ہیں اور بالکل یقینی ہیں[۳]

یہاں سوال یہ ہے کہ جن احکام کی تشکیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کی گئی تھی۔ وہ شریعت کے کسی خاص باب سے متعلق تھی یا تمام ابواب سے ـــ پہلی صورت میں بتلایئے کہ بقیہ ابواب کی تشکیل آخر کس کے سپرد رہی ـــ جس موضوع کی تشکیل آنحضرت

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۱۸ [۲] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۳۱ [۳] علم حدیث ص ۳۶

صلی اللہ علیہ وسلم نے کی (جیسا کہ اسلم صاحب کا خیال ہے نماز وغیرہ کی) تو کیا یہ تمام تشکیل بطریق تواتر ہم تک منقول ہے؟ اگر تمام کی تمام بطریقِ تواتر منقول نہیں تو جو رہ گئی اس کی تکمیل کی اب کیا صورت آپ تجویز کریں گے؟ کیا یہ حق آپ قومی اسمبلی کو دیں گے؟ اور کیا ہر ملک کی قومی اسمبلی اپنے اپنے ہاں ایک امت کے علیحدہ علیحدہ فیصلے کرے گی؟ —— دوسری صورت میں اگر تمام ابواب عمل کی تشکیل آپ ہی کے سپرد تھی۔ تو پھر کیا اس تفصیل کو تواتر کے ساتھ منقول نہ ہونا چاہیئے تھا؟ اگر یہ تشکیل ہم تک بطریق تواتر نہیں پہنچی تو پھر آپ سوچیں کہ آپ کا مفروضہ ہی تو کہیں غلط نہیں ہوگیا جو اسوۂ حسنہ کو تواتر سے خاص کر رہا ہے۔ ہمارے نزدیک شریعت کے ہر ہر باب کی عملی تشکیل کا تواتر بہت زیادہ تامل کا محتاج ہے۔ تمام ابواب تو درکنار ایک نماز ہی کو لیجیئے۔ رکعات، فرائض اور قیام و رکوع و سجود کی ترتیب کے علاوہ اس کی کسی ایک صورت عمل کے متعلق تواتر کا دعوےٰ نہیں کیا جا سکتا ہے۔

محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم مدنیؒ اس کے بعد لکھتے ہیں:۔

نماز کو چھوڑ کر اب ذرا زکوٰۃ کی طرف توجہ فرمایئے۔ یہاں وہ کون سی تشکیل ہے جس کو عہدِ نبوت سے لے کر آج تک برابر متواتر کہا جا سکتا ہے۔ مدتیں ہو گئیں کہ حیوانات کی زکوٰۃ، عشر و خراج کے مسائل کا تخم ہی مٹ چکا ہے حتیٰ کہ آج ہندوستان میں کسی کو یاد نہیں رہا کہ شریعت میں کبھی حیوانات کی زکوٰۃ بھی لی گئی تھی۔ اکثر مسائل طلاق، عدت، نفقہ و سکنیٰ اور ایلاء کی عملی تشکیل کا حال بھی یہی ہے۔ اسی طرح جہاد کا تمام باب غنائم کی سب تفصیلات فدیہ اور قیدیوں کے جملہ احکام، تدبیر و کتابت، ام ولد اور عتق کے سب مسائل کا ہندوستان میں نام و نشان تک نابود ہو چکا ہے تواتر تو کجا —— یہی حال معاملات میں بیع و شراء، رہن و وقف کا ہے۔ حدود و تعزیرات کا تو (ماسوائے سعودی عرب کے) دنیا کے کسی خطہ میں نفاذ ہی نہیں۔ بلکہ خود مسلمان کہلانے والوں کو کفار کی اتباع میں ان کی مشروعیت پہ اعتراض ہے۔ اسلم صاحب تو دین کی بنیاد متواتر اسوۂ حسنہ پر قائم کرنا چاہتے ہیں۔ مگر یہاں ہمیں

تواتر کی بجائے آج اس کا وجود ہی نظر نہیں آتا۔ کاش امت محمدیہ اگر اس اسوۂ حسنہ پر تواتر کے ساتھ نہ سہی متفرقاً ہی عمل کرتی تو مسلمانوں کو اپنے زوال کا یہ روزِ بد دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔۔۔۔۔پس یا تو اسلم صاحب کو یہ کہنا چاہیے تھا کہ قرآن خود اپنا بیان آپ ہے۔ اس کو کسی اور بیان کی احتیاج ہی نہیں اور اگر یہ احتیاج مسلم ہے تو پھر اس کو کسی ایک باب کے ساتھ مقید کرنا صحیح نہیں اور اگر مخصوص کیا ہے تو اس کے تواتر کا دعویٰ صحیح نہیں۔۔۔۔۔جو شخص دین کی تشکیل کے متعلق تواتر کا دعوےٰ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے یہ خوشنما اور خوش کن الفاظ موجودہ دین کی صورتِ عمل کے لیے تخریب کا کام تو کر سکتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کے لیے کسی انداز فکر میں کارآمد نہیں ہو سکتے۔[۱]

اسلم صاحب جیراجپوری نے عمل رسول اور اسوۂ رسول میں فرق کرکے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔ بلکہ دین کے ثبوت میں تشکیک کے ایسے کانٹے بکھیرے ہیں کہ مسلمانوں کے اس خصوصی امتیاز کو ہی مٹا دیا ہے۔ جو بقول اسپنگر اس امت کو دوسری امتوں کے بالمقابل حاصل تھا۔

(۱۱) قرآن کریم کی گیارہویں شہادت کہ پیغمبر کی مخالفت اسکے طریقہ پر نہ چلنا ہے

ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدیٰ و یتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولیٰ ونصلہ جھنم وساءت مصیرا۔

ترجمہ۔ اور جو شخص اس رسول کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ حق اس پر واضح ہو چکا اور وہ مسلمانوں کی راہ چھوڑ کر کسی اور طرف ہولے تو ہم (دنیا میں) اسے جانیں دیں گے جدھر وہ مڑا اور (آخرت میں) اسے جہنم پہنچائیں گے اور بری جگہ ہے جانے کی۔

یہاں رسول کے حکم کی ایک عملی راہ بتائی ہے۔۔۔۔۔وہ کیا؟ جس پر صحابہ کرامؓ چل نکلے تعلیم رسول عملی تشکیل پا گئی۔ جو شخص اس عملی تشکیل کے خلاف چلے گا۔ وہ رسول کی مخالفت کا

---

[۱] ترجمان السنۃ جلد ۱ صفحہ ۱۶۷ بتغییر یسیر ۔ پ ۵ النساء آیت ۱۱۵

مجرم ٹھہرے گا اور آخرت میں اس کا ٹھکانہ جہنم ہے ـــــ جب صحابہؓ کی راہ کے خلاف چلنا مخالفتِ رسول ہے۔ تو خود حضورؐ کے حکم کو نہ ماننا کس درجے کی مخالفت رسول ہوگا۔ یہ آپ سوچیں ـــــ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر بات مسلمانوں کے لیے واجب التسلیم ہے۔ کسی ایک بات کا انکار بھی مخالفت رسول کو مستلزم ہے۔

حضرت شیخ الہندؒ اس آیت پر لکھتے ہیں :۔

جب کسی کو حق بات واضح ہو چکے۔ اس کے بعد بھی حکم رسول کی مخالفت کرے اور سب مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جدی راہ اختیار کرے تو اس کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی مخالفت کا ذکر نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کا بیان ہے اور اسے اتباع غیر سبیل المومنین کے مقابل ذکر کیا ہے۔ معلوم ہوا یہاں مخالفت سے مراد آپ کے راستے کی اتباع چھوڑنا ہے اور آپ کی مخالفت خود اللہ رب العزت کی مخالفت ہوگی۔ سبیل مومنین کو اس لیے حجت ٹھہرایا ہے کہ یہ حضرات خود عمل رسالت کے گواہ تھے اور ذات رسالت خود ان کے لیے رضائے الٰہی کا نشان تھی۔

یہی مضمون اس آیت میں مذکور ہے :۔

وکذٰلک جعلناکم امۃ وسطاً لتکونوا شہداء علی الناس ـــــ ویکون الرسول علیکم شہیداً۔[1]

ترجمہ۔ اور ہم نے تمہیں ایسی جماعت بنا دیا ہے جو (ہر پہلو سے) نہایت اعتدال پر ہے تاکہ تم لوگوں پر حق کے گواہ رہو اور تمہارے لیے یہ رسول حق کے گواہ ہوں۔

(۱۲) قرآن کریم کی بارہویں شہادت کہ حضورؐ کے بیان پر حلال وحرام کے فیصلے ہیں۔

الذین یتبعون الرسول النبی الامی الذی یجدونہ مکتوباً عندھم فی التوراۃ والانجیل یامرھم بالمعروف وینھاھم عن المنکر ویحل لھم الطیبات و

[1] پ۲ البقرہ ع ۱۷ آیت ۱۴۳

یحرم علیہم الخبائث ویضع عنہم اصرہم والاغلال التی کانت علیہم[1]

ترجمہ. وہ لوگ جو اتباع کریں گے اس رسول اُمی کی ـــــ جس کو وہ اپنے ہاں لکھا ہوا پاتے ہیں تورات وانجیل میں ـــــ وہ حکم کرتا ان کو نیک کام کا اور روکتا ہے بُرے کام سے ـــــ اور حلال کرتا ہے ان کے لیے پاک چیزیں اور حرام ٹھہراتا ہے ان پر گندی چیزیں اور اتارتا ہے ان سے ان کے بوجھ اور دکھولتا ہے) ان کے طوق جو اُن پر پڑے تھے۔

اس آیت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے مدتوں پہلے ان کی اتباع کی بشارت دی گئی. بتایا گیا کہ حضورؐ کی اتباع اور تابعداری جو لوگ کر پاتے ہیں ان پر اللہ رب العزت دنیا وآخرت کی راہیں کھولے گا اور وہ دونوں جہانوں کی اچھائی پالیں گے ـــــ اب کہیں پیغمبر صرف پیغام رسانی کے لیے آتے ہیں. یا ان کی اتباع بھی ان کی امتوں پر لازم ٹھہرتی ہے. اگر اتباع رسول امر مامور بہ نہ ہوتا تو اللہ رب العزت اس پیرایہ مدح میں اس کا ذکر نہ فرماتے.

اس آیت میں تحلیل وتحریم کی نسبت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی ہے. حالانکہ تحلیل وتحریم کا حق صرف اللہ رب العزت کا ہے. معلوم ہوا اللہ رب العزت کی طرف سے تحلیل وتحریم آپ کے ذریعہ ہی ظاہر ہوئی ہے. قرآن کریم نے جن چیزوں کو حرام فرمایا. ان کے علاوہ اور بہت سی چیزیں حرام ہیں. ان کا پتہ کہاں سے ملے گا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ـــــ گندم کی بیع گندم سے کمی بیشی کے ساتھ یہ سود ہے. یہ کس سے پتہ چلے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ـــــ یہ ان کی شان میں ہے. یحل لھم الطیبات ویحرم علیہم الخبائث ـــــ اگر آپ کی زبان مبارک اور عمل رفیع امت کے لیے سند اور دلیل نہ ہوتے اور آپ کی حدیث اور سنت مسلمانوں کے لیے حجت نہ ہوتی تو قرآن کریم کا پیرایہ بیان یہ نہ ہوتا. اور حلال وحرام کے بیان کی آپ کی طرف نسبت نہ ہوتی.

محقق ابن ہمام (۸۶۱ھ) لکھتے ہیں : الحاکم لاخلاف فی انہ اللہ رب العالمین[1]

ترجمہ : علماء میں اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ حاکم صرف اللہ رب العالمین ہی ہے۔

---

[1] التحریر جلد ۲ ص۲۹ لابن الہمام

اور علامہ عینیؒ (۸۵۵ھ) فرماتے ہیں :-

ان التحليل والتحريم من عند الله لا مدخل فيه لبشر فيه[1]

ترجمہ بے شک کسی چیز کو حلال کرنا اور حرام کرنا اللہ کی طرف سے ہے۔ کسی انسان کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں :-

وسر ذلك ان التحليل والتحريم عبارة عن تكوين نافذ فى الملكوت ان الشئ الفلانى يؤاخذ به اولا يؤاخذ به فيكون هذا التكوين سببا للمواخذة وتركها وهذا من صفات الله تعالى واما نسبة التحليل والتحريم الى النبى صلى الله عليه وسلم فبمعنى ان قوله امارة قطعيه لتحليل الله تعالى وتحريمه[2]

تحلیل و تحریم کی نسبت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اس لیے ہوئی ہے کہ آپ کا کہنا اس بات کا قطعی نشان ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بات قابل مؤاخذہ نہیں اور یہ بات قابل مواخذہ ہے حرام ہے لائق گرفت ہے۔ اور اس چیز پر گرفت نہیں یہ حلال ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ آپ کی زبان حق تعالیٰ کی ترجمان ہے اور دین کے باب میں آپ جو کچھ کہتے ہیں خدا کی طرف سے کہتے ہیں۔ خدا اور آپ کی ہر کہی ہوئی بات ہم پر خدا کی حجت ہے۔ تحلیل و تحریم کسی انسان کا حق نہیں۔ آپ تحلیل و تحریم کے فیصلے خدا کی نیابت میں کرتے تھے۔

خنزیر اور کتے بلے کا حرام ہونا یہ سب خدا کے حکم سے تھا۔ یہ کہنا درست نہیں کہ حرام چیزیں اللہ اور رسول نے بانٹ رکھی تھیں۔ اس دور کے ایک صاحب لحم الخنزیر کی تشریح میں لکھتے ہیں :-

"رب کی مرضی تھی کہ سور کا گوشت ہی حرام کردں اور اس کے باقی اجزاء میرے حبیب حرام فرمائیں۔ اس نے صرف سور کو حرام کیا باقی کتا بلا وغیرہ اس کے حبیب نے[3]"

اس سوچ پہ جو تحلیل و تحریم میں خدا اور رسول میں حصے کرے ہم سوائے افسوس کے اور کیا کہہ سکتے ہیں۔

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۱۲ صفحہ ۲۱۵ [2] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۶ [3] نور العرفان ص ۲۹ گجرات

حفاظتِ حدیث

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

لفظ حفاظت سے مراد

آج کے عنوان میں حفاظت سے مراد یہ نہیں۔ کہ اس میں کوئی غلطی نہ لگے۔ بلکہ مراد یہ یہ ہے۔ کہ اس میں غلطی راہ نہ پائے۔ جب بھی غلطی لگے یا کوئی بات رہ جائے تو اس کی اصلاح واتمام کے تمام ذرائع اور وسائل موجود ہوں۔ اور وہ وسائل ضرورت کے موقعہ پر میتسر بھی آسکیں۔ حفاظتِ حدیث کے موضوع کو سمجھنے کے لیئے پہلے یہ بات ذہن میں صاف ہونی چاہیئے۔ کہ قرآن کریم کی حفاظت کس طرح سے ہے۔

قرآن کریم کی حفاظت کس طرح سے ہے

آپ جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی حفاظت کا ذمہ لیا ہوا ہے۔ لیکن کیا آپ نے کسی حافظ یا قاری کو تلاوت میں بھولتے یا متشابہ لگتے نہیں سنا؟ کیا بعض نادان قرآن کریم کو غلط نہیں پڑھتے؟ کیا کسی کاتب سے قرآن پاک کی کتابت میں کبھی کوئی غلطی نہیں ہوئی؟ اور کیا کسی پریس میں کوئی زیر وزبر کی فروگذاشت نہیں پائی گئی؟ ان سب سوالوں کا جواب ایک ہی ہے کہ غلطی لگ جانا اور بات ہے اور غلطی کا راہ پا جانا اور بات ہے جب تک کوئی غلطی راہ نہ پا جائے Established نہ ہوجائے، ہم نہیں کہہ سکتے۔ کہ قرآن کی حفاظت نہیں رہی یا قرآن کریم سے خدائی حفاظت کا ذمہ اب اُٹھ گیا ہے۔ (معاذاللہ) بلکہ جب کوئی غلطی کرتا ہے تو اسے روک دیا جاتا ہے۔ ٹوک دیا جاتا ہے۔ اور اس غلطی کی اصلاح کر دی جاتی ہے۔ کوئی بدنیت ہو تو اس کی تردید کر دی

دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ قرآن پاک صحیح پڑھنے والے صحیح لکھنے والے صحیح یاد رکھنے والے اور صحیح بیان کرنے والے ہمیشہ غالب اور واضح رہے ہیں۔ تلاوت ہو یا قرأت۔ کتابت ہو یا طباعت کہیں کوئی غلطی قائم نہیں رہی۔ نہ راہ پا سکی ہے۔ قرآن کریم کی ابدی حفاظت کا خود اللہ رب العزت نے تکفل فرمایا ہوا ہے۔

حدیث کی حفاظت کس طرح ہوئی

جب تلاوت و قرأت میں بھول چوک حفاظتِ قرآن کو مجروح نہیں کرتی۔ تو نقل و روایت کی کسی غلطی سے یا راوی کی بھول چوک سے بھی حفاظتِ حدیث مجروح نہیں ہوتی۔ جس طرح غلط تلاوت پر ٹوکنے اور لقمہ دینے والے ہر جگہ اور ہر دور میں ملتے ہیں۔ ضعیف اور نامکمل روایات پر راویوں کی بھول چوک کو نمایاں کرنے والے محدثین بھی ہر دور میں حفاظتِ حدیث کی خدمت سرانجام دیتے آئے ہیں۔ مبتدعین اور ملحدین نے جب بھی موضوع و منکر اور شاذ و متروک روایات کا سہارا لیا اور عقائد باطلہ اور خیالاتِ فاسدہ کو ان کا پانی ملا۔ تو محدثین کرام نے کبھی ان خودرو پودوں پر بہار نہیں آنے دی۔ اہل حق باطل پر جاء الحق و زھق الباطل کی ضرب سے ٹوٹ پڑے۔

سو جو شخص ضعیف و منکر روایات کے سہارے کل ذخیرۂ احادیث کو مشکوک سمجھتا ہے۔ وہ اس شخص سے کچھ زیادہ فاصلے پر نہیں۔ جو تلاوت اور قرأت کی بعض عام غلطیوں کے باعث حفاظتِ قرآن ہی سے منکر ہو یا اسمیں شک کرنے لگے قرآن کریم کی ابدی حفاظت کا تکفل خود قرآن پاک میں مذکور اور آیت کریمہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون[1] میں مزبور ہے۔ اس کا ترجمہ ہے "بے شک ہم نے ہی ذکر نازل کیا ہے۔ اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں"

یہاں قرآن کریم کو لفظ ذکر سے ذکر کیا گیا ہے۔ الفاظ معنی سے ہی نصیحت بنتے ہیں۔

---

[1] پ ۱۴ سورۃ الحجر ع ۱

قرآن کس چیز کا نام ہے

قرآن کریم کس چیز کا نام ہے؟ الفاظ کی اس خاص ترکیب کا جو وحی الٰہی میں ہے۔ اور انسان اس جیسے نظم الفاظ سے عاجز ہے۔ اس نظم الفاظ میں جو معنی مراد ہیں وہ بھی قرآن کی ذات ہیں۔ اصول کی مشہور کتاب نور الانوار میں ہے:۔

هو (القرآن) اسم للنظم والمعنى جميعاً۔

ترجمہ۔ قرآن ایک خاص ترتیب الفاظ اور ان کے معنی مراد کے مجموعے کا نام ہے۔

اس کے یہ معنی خاص قرآن پاک کی ذات ہیں اور ان سے امان اٹھنے کا مطلب یہ ہے۔ کہ قرآن کریم کی حفاظت نہ رہی۔ (معاذ اللہ) سو یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ حفاظت قرآن کا الٰہی وعدہ اس کے معنی مراد کو شامل نہ ہو

حفاظتِ قرآن کا مطلب

قرآن پاک کی یہ حفاظت کیا الفاظِ قرآن پاک تک محدود ہے؟ یا قرآن پاک کے مطالب بھی اس آیت کی رو سے پوری طرح محفوظ ہیں؟ جواب یہ ہے کہ قرآن پاک ہر پہلو سے محفوظ ہے۔ یہ نظم و معنی کے مجموعہ کا نام ہے اور اس کا نظم مراد اور معنی مراد ہر دو، خدا کے زیرِ حفاظت ہیں۔ پورے قرآن پر خدا کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ کوئی کتنی ہی غلط تفسیر کیوں نہ کرے یا غلط مطالب کیوں نہ بیان کرے، اس پر روکنے اور ٹوکنے والے اہل علم ہر دور میں موجود رہے ہیں اور رہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ کہ محرفین کے ہاتھوں یہ کتابِ عزیز معنوی تحریف کا شکار ہو جائے اور وہ تحریف اس میں راہ پا جائے۔ اس کتاب کی کلی ابدی حفاظت خدا کے ذمے ہے۔ اور وہی اس کا محافظ ہے۔ حفاظت سے یہی مراد ہے۔ اور حفاظت ہمیشہ سے اس کے الفاظ و معانی کو شامل رہی ہے۔

صرف الفاظ کی حفاظت بے معنی ہے

قرآن کریم میں اگر معنوی تحریف کو راہ دی جائے اور حفاظت صرف نقوش کتابیہ کے تحفظ تک محدود ہو تو قرآن کی ابدی حفاظت کی بشارت ایک بے معنی بات ہو کر رہ جائے گی۔ الفاظ کی حفاظت خود مقصود نہیں ہوتی۔ ان کا تحفظ محض اس لیے ہوتا ہے کہ وہ معانی و مطالب کی حفاظت کا ذریعہ بن سکیں۔ الفاظ کا تحفظ معانی کی صحت کے لیے ہے۔ اور حق یہی ہے کہ الفاظ کی ابدی حفاظت کی طرح اس کے معانی و مطالب کا تحفظ بھی اس وعدۂ الٰہی اور عظیم پیشگوئی میں منطوی ہے۔ اسی لیے اس وعدۂ الٰہی میں اسے لفظ ذکر سے ذکر کیا گیا ہے۔ جو ساتھ ساتھ معانی پر بھی دلالت کر رہا ہے۔

حفاظتِ قرآن کا ایک اہم پہلو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن پاک کی تشریح و توضیح کرنے کے خدا کی طرف سے مامور تھے[۱] قرآن پاک میں بہت سے احکام ہیں۔ جو بہت مجمل صورت میں بیان ہوئے جیسے نماز اور زکوٰۃ وغیرہ جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و توضیح کو ان مجمل احکام کے ساتھ نہ ملایا جائے۔ اس وقت تک ہم معلوم نہیں کر سکتے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کس چیز کا مکلف ٹھہرایا ہے۔ ان مجمل احکام کی وہ تفصیل جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً اختیار کی۔ اگر محفوظ نہ رہی ہو اور اس "بیانِ رسول" کے محفوظ رہنے کی کہیں کوئی ذمہ داری نہ ہو۔ تو ان صورتوں میں قرآن پاک کی ان آیات سے جو گو مجمل ہیں۔ مگر صریح نہیں۔ کبھی کوئی فائدہ حاصل نہ ہو گا اور قرآن کریم کے بہت سے احکام جن کا اللہ تعالیٰ نے ہمیں مکلف کیا ہے یکسر معطل ہو کر رہ جائیں گے۔ نتیجہ لازم یہ ہو گا۔ کہ ہم ان مقامات میں خدا تعالیٰ کی صحیح مراد نہ جان سکیں گے[۲] کیا اس سے حفاظتِ قرآن سے امان نہ اُٹھ گئی؟ اور حفاظتِ قرآن مجروح نہ ہوئی۔

---

[۱] وانزلنا الیک الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم پ۱۴ النحل ع ۶ [۲] الاحکام لابن حزم جلد ۱ صـ۱۲۱

یہ صورتِ حال قرآن پاک کی ابدی حفاظت کو بُری طرح متأثر کرے گی۔ پس ہم اس اقرار پر مجبور ہیں۔ کہ قرآن پاک کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس کی وہ تفصیل بھی پوری طرح محفوظ ہے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عملاً اختیار فرمائی۔ اسے بیان کیا یا اسے دوسروں کے سامنے منظوری بخشی۔ گو یہ سکوت سے ہو۔ سو ہمیں اس یقین سے چارہ نہیں۔ کہ حفاظتِ قرآن حفاظت حدیث کو بھی شامل و لازم ہے۔ ورنہ حفاظتِ قرآن کا وعدہ بھی بے کار اور بے سود ہو کر رہ جائے گا۔ اور یہی سمجھا جائے گا۔ کہ قرآنی حفاظت کا وعدہ محض ایک لفظوں کا کھیل ہے۔ اور قرآن اپنے مفہوم کو قطعی شکل میں محفوظ رکھنے میں فیل ہے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ)۔ ظاہر ہے کہ کوئی صاحبِ علم اس کی تائید نہ کر سکے گا۔

حفاظتِ حدیث کا قرآنی عنوان

اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب کے کئی نام ہیں۔ جب اس کے الفاظ اور ان کی قرأت پر نظر ہو تو قرآن کا نام زیادہ ممتاز ہے۔ جس کی اصل قرأت اور پڑھنا ہے ــــــــ جب اسے باطل کے مقابلہ میں دیکھا جائے تو یہ فرقان ہے۔ جس کا کام حق و باطل میں فرق کرنا ہے ــــــــ جب اس کی معنوی حیثیت پر نظر کی جائے تو اس کا نام ذکر ہے۔ جس سے فہم بیدار ہوتا ہے اور حقیقت کھلتی ہے ــــــــ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کے قرآنی عنوان میں اس کا نام قرآن یا فرقان کے بجائے الذکر ذکر فرمایا ہے۔ جو بجائے خود اس کتاب کی معنوی حفاظت کی ایک دلیل ہے۔

ارشاد ہوتا ہے :۔

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون [1]

"بیشک ہم نے ہی یہ سمجھی جانے والی بات آتاری ہے اور بے شک ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔"

پس اللہ تعالیٰ نے الذکر کی حفاظت کا جو وعدہ فرمایا ہے۔ وہ حفاظتِ قرآن تک

---

[1] پ ۱۴ سورۃ الحجر ع ۱

محدود نہیں۔ الفاظِ قرآن کے ساتھ ساتھ اس بیانِ قرآن کو بھی شامل ہے۔ جس کے لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی طرف سے مامور تھے ــــــ قرآن کریم واضح کرتا ہے کہ الذکر قرآن کریم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس تبیین و توضیح کو بھی شامل ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کریم کی تفصیل و تشریح کے لیے بالعمل اختیار فرمائی :۔

وانزلنا الیك الذکر لتبین للناس ما نزل الیھم[1]

ترجمہ۔ اور اتارا ہم نے آپ کی طرف الذکر کہ آپ لوگوں کے سامنے بیان کر سکیں۔ جو ان کی طرف اتارا گیا ہے۔

یہاں ما نزل الیھم سے مراد تو قرآن پاک ہے اور بیانِ پیغمبر سے مراد قرآن پاک کی وہ تفصیل ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیاناً اور عملاً اختیار فرمائی تھی۔ اور اسے ہی حدیث کہتے ہیں۔ اس آیت سے پتہ چلا کہ الذکر قرآن پاک کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کی تبیین کو بھی شامل ہے۔ اور اس کی وہ تفصیل و تشریح جو حضورؐ کے ذریعہ ہوئی وہ بھی ایک عطیہ ربانی اور نزول آسمانی ہے اور اللہ رب العزت نے ہی اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتارا ہے۔ حافظ ابن حزم (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں :۔

تمام اہل لغت اہل شرائع کا اس پر اتفاق ہے کہ جو وحی بھی (خواہ متلو ہو یا غیر متلو جیسا کہ انزل اللہ علیك الکتاب والحکمۃ[2] میں دونوں کو ذکر فرمایا) اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی وہ اللہ کی طرف سے اُتارا ہوا ذکر ہے اور یہ پوری وحی الٰہی اللہ کی حفاظت میں ہے۔۔۔۔۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ آیت حفاظت میں الذکر کا مصداق صرف قرآن کریم ہے اور وہ بھی الفاظ کی حد تک ان کا دعوےٰ یہ بالکل غلط ہے۔ جس پر کوئی دلیل نہیں۔۔۔۔۔ لفظ الذکر کا مصداق ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی۔ الفاظ ہوں یا معنی۔ قرآن ہو یا سنت دونوں وحی الٰہی ہیں۔ قرآن کی مراد سنت ہی سے تو واضح ہوتی ہے[3]

---

[1] پ۱۴ النحل ع ۶ [2] پ۵ النساء ع ۱۷ [3]

قرآن وسنت کا علم رکھنے والے ہی اہل ذکر ہیں اور وہی اس آیت میں مراد لیئے گئے ہیں۔ اور انہی کا حق ہے۔ کہ امت قرآن پر عمل پیرا ہونے میں ان سے ہدایت پائے۔ قرآن حکیم میں ہے:۔

فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون ۝[1]

ترجمہ۔ تم اہل ذکر سے پوچھ لیا کرو۔ اگر تم (کسی بات کو) نہیں جانتے۔

کیا یہاں ہدایت کا سبب اہل ذکر کو نہیں ٹھہرایا گیا؟ کیا اہل ذکر سے مراد صرف الفاظ قرآن کے حافظ ہیں؟ اور کیا صرف حافظ دین میں پیدا ہونے والے ہر سوال کا جواب بن سکتے ہیں؟ اگر نہیں تو یقین کیجئے کہ ذکر سے مراد یہاں صرف سطح الفاظ نہیں۔ الفاظ اپنی تمام گہرائی اور گیرائی کے ساتھ مراد ہیں۔ اور اس پورے قرآن کو خدائی حفاظت شامل ہے۔ الحمد للہ حفاظت ذکر کا یہ وعدہ حفاظت قرآن کے پہلو سے حفاظ و قراء مفسرین اور اہل حق کے ذریعہ پورا ہوا اور حفاظت حدیث کے پہلو سے ائمہ حدیث اور فن حدیث کے ناقدین کے ہاتھوں تاریخ کے ہر دور میں پورا ہوتا رہا۔ فجزاہم اللہ عنا احسن الجزاء۔

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا | لگایا پتہ اس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا | کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

کیئے جرح و تعدیل کے وضع قانوں
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

(حالی)

حدیث کی حفاظت کا لازم وعدہ

حفاظت ذکر کے عنوان میں الفاظ قرآن اور بیان قرآن ہر دو کی حفاظت کا وعدہ دیا گیا ہے۔ بیان قرآن کی حفاظت کے ضمن میں حدیث کس طرح محفوظ رہی۔ اسے سمجھنے کے لیئے حضرت امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) کے اس بیان پر غور کیجئے:۔

سنت کا سب ذخیرہ مجموعی طور پر محدثین کے پاس موجود ہے۔ گو

---

[1] پ ۱۴ النحل ع ۶۔ پ ۱۷ الانبیاء ع ۱

بعض محدثین کے ہاں زیادہ اور بعض کے ہاں کم. لیکن اگر تمام محدثین کی حدیثوں کو یکجا کیا جائے تو سنّت کا پورا ذخیرہ جمع ہو جاتا ہے. ہاں ہر محدّث کی جمع کردہ ذخیرۂ احادیث کو الگ الگ لیا جائے. تو ہر محدّث سے کچھ نہ کچھ حدیثیں رہ گئی ہیں. لیکن یہ حقیقت ہے کہ جو حدیثیں ایک محدّث سے رہ جاتی ہیں وہ دوسرے کے ہاں مل جاتی ہیں[1]

حضرت امام شافعیؒ کے اس بیان سے واضح ہوتا ہے. کہ حدیث مجموعی طور پر ہمیشہ سے محفوظ رہی ہے. اور بعض روایات اور جزئیات میں اختلاف اس مجموعی حفاظت میں کبھی حارج نہیں رہا. یہ دوسری صدی کے آخری دَور کی شہادت ہے. اور اس وقت تک ابھی امام بخاری اور امام مسلم جیسے ائمہ فن نے اپنی نادرہ روزگار کتابیں تالیف نہ کی تھیں تیسرے دور میں جب صحاح ستہ جیسی گرانقدر تالیفات مرتب ہو گئیں. تو حدیث اس وقت ایک ایسے دورِ حفاظت میں داخل ہو چکی تھی. کہ اس پر قطعی حفاظت کا لفظ بغیر کسی تاویل کے پُورا اُترتا تھا.

اگر یہ قطعیت ان ائمہ صحاح سے اوپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک متواتر ہو (یعنی حضورؐ کی کچھ احادیث امت کو آگے اسی تواتر یقین سے پہنچی ہوں. جس طرح صحابہ کرامؓ کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نقشۂ عمل قطعی اور یقینی تھا) تو بے شک اس پر اسی طرح ایمان لانا ضروری تھا. اس کی وجہ یہی ہے. کہ حدیث بھی ایک پہلو سے قرآن ہی ہے کیونکہ یہ قرآن کا عملی بیان اور اس کے مجملات کی ہی توضیح و برہان ہے.

حضرت قاضی عیاض (۵۴۴ ھ) لکھتے ہیں:-

وکذلك نقطع بتكفير كل من كذّب وأنكر قاعدةً من قواعد الشرع وما عرف يقيناً بالنقل المتواتر من فعل الرسولؐ ووقع الاجماع المتصل عليه كما انكر وجوب الصلوات الخمس وعدد ركعاتها وسجداتها.[2]

---

[1] رسالہ امام شافعیؒ صـ۴۳ [2] الشفاء جلد۲ صـ۲۸۷ مصر

ترجمہ۔ اور اسی طرح ہم ہراس شخص کو جو شریعت کے قواعد میں سے کسی قاعدے کا انکار کرے اور حضورؐ کے اس فعل کا انکار کرے جو یقین اور تواتر سے معلوم ہو چکا ہو اور اس پر اجماع پورے تسلسل سے چلا آیا ہو قطعی طور پر کافر جانتے ہیں۔ جیسے وہ شخص جو پنجگانہ نمازوں کی فرضیت اور ان کے عدد رکعات کا منکر ہو کافر ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کے ذریعہ یہ وحی الٰہی کی حفاظت ہے۔ حدیث کی حفاظت نے اور کتنے پیرائے اختیار کیئے اور عمل رسول کن کن راہوں سے امت کے لیئے پگڈنڈی بنتا رہا اور امت کے قافلے کس طرح سے اس راہ پر چلتے آئے۔ اب اس کی کچھ تفصیل کی جاتی ہے۔

حفاظتِ حدیث کی عملی صُورتیں

ہم مسلمان قرآن کریم میں حفاظت حدیث کا وعدہ دیئے گئے ہیں اور اللہ تعالیٰ بے شک اپنے اس وعدہ کو پُورا کیئے ہوئے ہیں۔ یہ اس کا تکوینی فیصلہ ہے اور قرآن میں اس کی تشریعی خبر موجود ہے۔ بے شک ہم اللہ کے اس وعدے پر قائم ہیں۔ لیکن جو اسباب اس کے لیئے عملاً واقع ہوئے۔ اور ان کے ذریعہ یہ ارادہ الٰہی پُورا ہوا۔ وہ امور ہمارے لیئے سنگِ میل کا درجہ رکھتے ہیں۔

① قرآنی ہدایت میں

قرآن کریم نے ہدایت فرمائی کہ مسلمانوں کو ہر وہ بات قبول کرنی چاہیئے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے اور ہر اس بات سے مجتنب رہنا چاہیئے۔ جس سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا ہو ——— ارشاد ہوتا ہے:۔

ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنه فانتھوا۔[1]

---

[1] پ ۲۸ ما اتاکم الرسول ۔ الحشر ع ۱

ترجمہ۔ جو کچھ تمہیں یہ رسول دیں اسے لے لو اور جس بات سے بھی وہ تمہیں روکیں تم رُک جاؤ۔

اور یہ بھی فرمایا:۔

لقد کان لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللہ والیوم الاخر[1]

ترجمہ۔ بے شک تمہارے لیئے رسول اللہ میں ایک اچھا نمونہ ہے۔ یہ اس اس کے لیئے جو اللہ سے ملنے اور آخرت کا یقین رکھتا ہو۔

ان آیات کی روشنی میں صحابہ کرامؓ کو پوری فکر رہی۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی امر۔ آپ کی کوئی نہی ——— اور آپ کا کوئی اُسوہ ان سے اوجھل نہ رہنے پائے قرآن پاک کی اس ہدایت سے حفاظت حدیث کی عملی فکر پیدا ہوئی اور اس کے ساتھ ایک اور ہدایت اُتری۔ جس نے امت کے لیئے تحقیق و تبیین کی راہیں کھول دیں ——— ارشاد ہوا:۔

یا ایھا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا[2]

ترجمہ۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی غلط کار شخص کوئی خبر لے کر آئے تو اسے اچھی طرح معلوم کر لیا کرو۔

اس میں بتایا گیا۔ کہ ہر کس و ناکس کی روایت قابل قبول نہیں۔ فاسق کوئی بات کرے تو اسے مزید تحقیق کے بغیر بلا تبیین قبول نہ کر لیا کرو۔ اسے بلا تحقیق ہرگز نہ لینا چاہیئے۔

یہاں یہ بھی نہیں فرمایا کہ اسے رد کر دیا کرو ——— کسی راوی کے کمزور ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اسے کلیتہً رد ہی کر دیا جائے۔ بلکہ دوسرے ذرائع اور قرائن سے اس کی مزید تحقیق لازم ہوگی اور بسا اوقات ایسا بھی ہوگا۔ کہ ان دوسرے شواہد سے اس کمزور راوی کی روایت بھی قابل قبول ٹھہرے ——— ہاں اسے

---

[1] پ ۲۱ الاحزاب ع ۲ [2] پ ۲۶ الحجرات ع ۱

بلاتحقیق قبول کرلینا ہرگز درست نہیں۔ یہ آیت اگرچہ ایک دوسرے واقعہ میں نازل ہوئی تھی۔ لیکن الفاظ کا عموم اسے ایک اصول ہدایت کے طور پر پیش کرتا ہے اور حق یہ ہے کہ یہی قرآنی ہدایات آگے حفاظت حدیث کا عملی سبب بنیں۔

② نقل و روایت میں

کسی بات کی صحیح نقل و روایت کے لیئے کون سے اسباب ہو سکتے ہیں۔ کہ بات اس نقل و روایت میں پُوری طرح محفوظ ہے اور اس میں کوئی تبدیلی ہونے نہ پائے۔ یہاں تک کہ اس پر پُورا اعتماد کیا جا سکے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیئے وہ تمام انداز اختیار کیئے۔ جو عملی طور پر اس باب میں اختیار کیئے جا سکتے تھے۔

① آپ نے صحابہ کے ذمے لگایا کہ وہ آپ کی باتیں آگے لے جاتے رہیں، گو ایک بات ہی کیوں نہ ہو۔

② آپ نے چند صحابہ کے ذمہ تبلیغ حدیث کی محنت نہ لگائی۔ بلکہ ہر ایک حاضر صحابی کے ذمہ لگایا کہ وہ غائبین تک آپ کی باتیں لے جائیں۔ اور تبلیغ حدیث کریں۔

③ ہر نقل و روایت میں آپ کی خواہش رہی۔ کہ بات ان لوگوں کے ذریعے آگے پہنچے۔ جو اسے زیادہ سمجھنے کے اہل ہوں۔ تاکہ بات کا مفہوم برقرار رہے۔

④ آپ نے اس پر شدید نکیر فرمائی۔ کہ کوئی شخص جان بُوجھ کر آپ کے ذمہ کوئی ایسی بات لگائے جو آپ نے نہ کہی ہو۔

⑤ آپ نے اس پر بھی شدید نکیر فرمائی۔ کہ کوئی شخص آپ کی کسی بات کو چھپائے۔ شریعت میں کتمانِ علم کو اُصولی درجے میں ایک بڑا گناہ قرار دیا گیا۔

⑥ بعض صحابہ کو ان کی طلب پر احادیث لکھنے کی بھی اجازت دی۔ تاکہ انہیں یاد رہے اور وہ آگے پہنچا سکیں۔

⑦ عورتوں کے لیئے مستقل تعلیم کا اہتمام فرمایا۔ تاکہ ان میں بھی نقل و روایت کا سلسلہ چلے۔ اور تاریخ گواہ ہے۔ کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے

کس قدر روایات کا بوجھ اُٹھایا اور کس محنت سے یہ ذخیرۂ علم آگے امت تک پہنچایا۔

ذخیرۂ حدیث میں ان تمام پہلوؤں پر مشتمل روایات ملتی ہیں ــــــ اور ان سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آنحضرتؐ کو کس اہتمام سے حفاظتِ حدیث کی فکر تھی۔ دُنیا نے پھر عملاً دیکھا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس حکم کو کس اخلاص اور جانفشانی سے اپنی زندگیوں کا موضوع بنایا۔ اب ہم ساتوں امور کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ ارشادات پیش کرتے ہیں۔

(۱) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۰ھ) کہتے ہیں۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

بلّغوا عنّی ولو آیۃ [۱]

اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ آپ ایک ایک بات کے بارے میں چاہتے تھے۔ کہ آگے پہنچ جائے۔ یہاں عنّی کا لفظ بتا رہا ہے کہ اس سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہی تھیں۔ حضرت ابو سعید خدریؓ (۷۴ھ) کہتے ہیں۔ کہ حضورؐ کو تعلیم امت کی اتنی فکر تھی کہ آپؐ نے صحابہ کو وصیت فرمائی:۔

ان الناس لکم تبع وان رجالاً یاتونکم من اقطار الارض
یتفقھون فی الدین واذا اتوکم فاستوصوا بھم خیرا [۲]

ترجمہ۔ آئندہ آنے والے لوگ تمہارے پیچھے لگنے والے ہوں گے اور بے شک لوگ تمہارے پاس دنیا کے کناروں سے دین سیکھنے کے لیئے پہنچیں گے۔ جب وہ تمہارے پاس آئیں تو انہیں اچھی باتیں بتلانا۔

یہ بات تو خود طالبین کے بارے میں ہوئی۔ رہی یہ بات کہ خود پہنچ کر تعلیم دیں۔ اس کے بارے میں مالک بن حویرث (۹۴ھ) کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ارجعوا الیٰ اھلیکم فعلموھم [۳]

ترجمہ۔ اپنے گھروں کو جاؤ تو انہیں تعلیم دو۔

(۲) حضرت ابوبکرہؓ (۹۴ھ) کہتے ہیں۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع

---

[۱] مشکوٰۃ صـ۳۲ عن البخاری [۲] جامع ترمذی جلد ۲ صـ۸۹ [۳] صحیح بخاری جلد ۱ صـ۲۲

کے دن میدانِ عرفات میں انسانی حقوق کا جو چارٹر پیش کیا۔ اس میں آپ نے یہ بھی فرمایا تھا:۔

الا لیبلغ الشاھد الغائب فان الشاھد عسیٰ ان یبلغ من ھو ادعی لہ منہ۔[۱]

ترجمہ۔ خبردار : چاہیئے کہ جو میرے پاس حاضر ہے وہ میری باتوں کو اس حد تک پہنچائے۔ جو اس وقت مجھ سے غائب ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ حاضر اسے اس شخص تک پہنچادے۔ جو اس سے بھی زیادہ اسے یاد رکھنے والا ہو۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہر صحابی آپ کے سامنے ہر وقت حاضر نہ ہوتا تھا۔ کبھی کوئی حاضر ہوتا اور کبھی غائب۔ حاضرین غائب تک آپ کی تعلیمات پہنچاتے تھے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سُنا۔

نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثاً فحفظہ حتّٰی یبلغہ غیرہ فرب حامل فقہ الیٰ من ھو افقہ منہ ورب حامل فقہ لیس بفقیہ۔[۲]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز فرمائے جس نے ہم سے کوئی حدیث سُنی اسے یاد رکھا۔ یہاں تک کہ اسے کسی اور تک پہنچا دیا۔ کئی ایسے بھی علم کو اُٹھانے والے ہوتے ہیں جو اسے ان تک پہنچا دیں۔ جو ان سے زیادہ دین کی سمجھ رکھتے ہوں اور کئی ایسے بھی علم کو اٹھانے والے ہوتے ہیں جو خود فقیہ نہیں ہوتے۔

حضرت انس بن مالکؓ (۹۱ھ) کہتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کلام فرماتے تو آپ کی پُوری کوشش ہوتی۔ کہ لوگ اچھی طرح سمجھ جائیں۔

(۴) اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلثاً۔[۳]

ترجمہ۔ آپ جب کوئی کلمہ ارشاد فرماتے تو اسے تین تین دفعہ دُہراتے۔

تین دفعہ دُہرانے کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ آپ اپنی احادیث

---

[۱] صحیح بخاری جلد۱ صفحہ ۲۶، صفحہ ۳۷ [۲] جامع ترمذی جلد۲ صفحہ ۹۰ [۳] صحیح بخاری جلد۱ صفحہ ۲۴

کو انمٹ نقوش کی طرح چھوڑنا چاہتے تھے۔ بھولے سے بھلائی نہ جاسکیں اور صفحہ قلب سے مٹائی نہ جاسکیں۔

④ حضرت زبیرؓ (۳۶ھ) کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من کذب علی فلیتبوأ مقعدہ من النار۔[1]

ترجمہ۔ جو شخص (جان بوجھ کر) مجھ پر کوئی جھوٹ باندھے اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے (یعنی یہ کام وہ جہنم میں جانے کے لئے کر رہا ہے۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا۔ کہ مجھ پر جھوٹ لگانا ایسا نہیں جیسے تم میں سے کسی پر کوئی جھوٹ لگائے ——— اگر آپ کی حدیث ہمیشہ کے لئے سند اور حجت نہ ہوتی۔ تو آپ پر جھوٹ باندھنا اتنا بڑا گناہ نہ ہوتا ——— اور حدیث کو اس کی اصل صورت میں نقل کرنے کا یہ اہتمام نہ ہوتا۔

⑤ حضرت ابوہریرہؓ (۵۷ھ) کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

من سئل عن علم ثم کتمہ الجم یوم القیٰمۃ بلجام من نار۔[2]

ترجمہ۔ جس سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اسے چھپائے اُسے قیامت کے دن آگ کی لگام میں جکڑا جائے گا۔

حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں:۔

لو وضعتم الصمصامۃ علی ھذہ (واشار الی قفاہ) ثم ظننت انی انفذ کلمۃ سمعتھا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان تجیزوا علی لانفذتھا۔[3]

ترجمہ۔ اگر تم تلوار میری اس گردن پر رکھ دو پھر بھی مجھے پتہ ہو کہ پیشتر اس کے کہ تم اسے مجھ پر چلا دو۔ میں ایک ایسی بات جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی بیان کرسکوں گا تو میں اسے ضرور کہہ دوں گا (یعنی اتنے نازک وقت میں بھی روایت حدیث سے نہ رکوں گا)

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۸ [2] جامع ترمذی جلد ۲ ص ۲۹ [3] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۷

(۶) ایک انصاری حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی۔ کہ میں آپؐ سے حدیث سنتا ہوں اور بھول جاتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ استعن بیمینک۔[1] (اپنے دائیں ہاتھ سے مدد لے لیا کرو) یعنی لکھ لیا کرو۔ روایت میں یہ بھی ہے۔ کہ واومأ بیدہ للخط۔ کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ بھی فرمایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حدیث کی حفاظت کا کس قدر اہتمام فرمایا ہے۔

(۷) عورتیں امت کا نہایت لائق احترام طبقہ ہیں اور یہی نئی نسلوں کی پہلی استاذ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی نقل و روایت میں شرف تلمذ بخشا۔

(۳) صحابہؓ کی درایت میں

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۶۵ھ) نے حفاظت حدیث کی عملی صورت یہ بیان کی۔ کہ راوی اپنی ذات میں (اپنے ضبط میں) اور دین میں (اپنی دیانت میں) قابل بھروسہ ہونا چاہیئے۔ آپ سے پوچھا گیا۔ فکیف بما جاء من حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ (ترجمہ۔ سو اس باب میں کہ وہ حدیث رسول بیان کرے۔ کیا ہونا چاہیئے)۔ تو آپ نے فرمایا:۔

ما اخذ تموہ عمن تامنونہ علی نفسہ ودینہ فاعقلوہ۔[2]

ترجمہ۔ جو تم ایسے شخص سے لو جسے تم اس کی ذات (اہلیت) میں اور اس کے دین (دیانت) میں لائق بھروسہ سمجھتے ہو تو اسے جان لیا کرو۔

ہاں جب عقائد میں بدعت الحاد راہ پالے تو پھر اخبار احاد سے پرہیز کی جائے۔ اس لیے کہ عقائد دلائل قطعیہ یقینیہ سے ثابت ہوتے ہیں۔ اور ان کے لیئے قرآن کریم اور حدیث متواتر ہی روشنی کے دو مینار ہیں۔ بدعت والحاد کے اندھیروں میں خبر واحد سے چلنا صحابہ کرامؓ کی درایت کے خلاف تھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ) فرماتے ہیں:۔

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صـ۱۰۷ [2] الوجیز صـ۱۱

انا کنا نحدث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذ لم یکن یکذب علیہ فلما رکب الناس الصعب والذلول ترکنا الحدیث عنہ۔[1]

ترجمہ۔ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیثیں روایت کیا کرتے تھے اور ان دنوں حضورؐ پر جھوٹ نہ باندھا جاتا تھا جب لوگ آپ پر رطب و یابس کہنے لگے تو ہم نے آپ سے روایات لانا چھوڑ دیا۔ (کہ کہیں غلط کار لوگ بھی اس طرح حضورؐ کا نام لے کر اپنی باتیں نہ کہنے لگیں)۔

حضرت ابوہریرۃؓ (۵۷ھ) نے فرمایا:۔

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذونہ۔[2]

ترجمہ۔ بے شک یہ علم "دین" ہے۔ سو تم دیکھو کہ تم کن لوگوں سے دین لے رہے ہو۔

حضرت امام سیرینؒ نے بھی یہی بات کہی:۔

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم۔[3]

راوی میں نظر کرنا مقدمۃ الواجب واجب کے قبیل سے خود دین ہے۔ پھر اہلِ حق کی یہی کاوش رہی کہ کسی غیر محتاط آدمی سے حضورؐ کے نام پر کوئی بات قبول نہ کی جائے۔

حضرت عقبہ بن نافع (ھ) اپنے بیٹوں کو نصیحت فرماتے تھے۔

یا بنی لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا من ثقۃ۔[4]

ترجمہ۔ اے میرے بیٹو! تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کوئی بات کسی سے نہ لو۔ جبتک کہ وہ شخص قابل اعتماد نہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۶۲ھ) نے بھی کہا:۔

الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔[5]

ترجمہ۔ سند لانا بھی دین کا ہی کام ہے اگر سند لانا نہ ہو تو جو شخص جو چاہے کہتا رہے۔

---

[1] تمہید ا صـ۴۳ [2] تمہید ا صـ۴۵ [3] صحیح مسلم ا صـ۱۱ [4] تمہید ا صـ۴۵ کفایہ صـ۳۱ [5] صحیح مسلم صـ۱۲

صحابہ کی یہ درایت اس کے حقیقی پہلوؤں میں تھی. حضورؐ نے کیا فرمایا اور کیا کیا. اس بارے میں ان کی پوری کاوش تھی. کہ صحیح نتائج ان کے ہاتھ لگیں. اصولِ روایت اُن کے ہاں اصولِ درایت پر مبنی تھے. جہاں تک متن حدیث کا تعلق ہے اسے وہ اپنی درایت میں نہ اُتارتے. صرف اکابر صحابہ جو اپنے علم وفہم میں نہایت ممتاز سمجھے جاتے. وہ کبھی روایات کو قرآن سے منطبق کرتے اور ان پر درایۃً بحث کرتے. لیکن یہ مقام ہر ایک صحابی کا نہ تھا. نہ ہر ایک کا اجتہاد اس درجے کا تھا. کہ وہ حضورؐ کے ارشادات میں ان دقیق مباحث میں پڑیں. ایسے مباحث کہیں کہیں حضرت عمرؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے ہاں ملتے ہیں.

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (۵۸ھ) فرماتی ہیں:۔

این انت من ثلاث من حدثکھن فقد کذب. من حدثک ان محمدا صلی اللہ علیہ وسلم رأی ربہ فقد کذب ثم قرأت لا تدرکہ الابصار وھو یدرک الابصار وھو اللطیف الخبیر وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من وراء حجاب ومن حدثک انہ یعلم ما فی غد فقد کذب ثم قرأت وما تدری نفس ماذا تکسب غداً ومن حدثک انہ کتم فقد کذب ثم قرأت یا ایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الآیۃ۔[1]

ترجمہ. تم ان تین باتوں میں کہاں ہو؟ جو کوئی تمہارے پاس یہ بیان کرے اس نے درست نہیں کہا. جو تمہیں یہ کہے کہ حضورؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے صحیح نہیں کہا. حضرت ام المؤمنین نے اس پر یہ آیت پڑھی. "آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں اور وہ آنکھوں کو پائے ہوئے ہے اور وہ ہے باریک بین خبر والا" ——— اور پڑھا "اور یہ کسی انسان کے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۶ ص۱۷۵ مصر

لیئے نہیں کہ خدا اس سے ان تین صورتوں کے علاوہ کلام کرے ۔ ۱. اشارہ
سے ذریعہ ۔ ۲. پردہ کے پیچھے سے ۔ ۳. کسی فرشتے کو بھیج کر" ـــــــ اور جو کوئی
تم سے یہ بیان کرے کہ آپ جانتے تھے کل کیا ہونے والا ہے . اس نے
بھی درست نہیں کہا اور آیت پڑھی " اور کوئی جی نہیں جانتا کہ کل وہ
کیا کرے گا » ـــــــ اور جو کوئی تم سے یہ بیان کرے کہ آپ نے دین
کی کوئی بات چھپائی (تقیہ کرتے رہے) سو اس نے بھی غلط کہا اور آیت
پڑھی " اے رسول ! جو کچھ آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا
ہے اسے آگے ضرور بیان کر دیں ۔"

آپ نے دیکھا حضرت ام المومنین کس طرح حدیث کو قرآن کے سائے میں لا رہی ہیں . حدیث وہی صحیح ہے جو قرآن سے نہ ٹکرائے . اکابر صحابہ کئی دفعہ حدیث بیان کرتے ہوئے اس پر قرآن کریم کی آیت پڑھ دیتے تھے . اس قسم کی روایات سے پتہ چلتا ہے . کہ صحابہ نے حدیث کی حفاظت کا ایک یہ بھی انداز اختیار کیا تھا کہ وہ قرآن سے نہ ٹکراتی ہو ۔

ایک اصولی نکتہ

یہ کن لوگوں کا مقام ہے کہ روایت کو درایت پر پرکھیں ؟ جن کا قرآنی علم اس کے مبادیات کے ساتھ نہایت اونچا ہو . مختلف اقسام آیات پر مجتہدانہ نظر رکھتے ہوں . تاریخ قرآن سے پورے واقف ہوں اور فہم امت کی روشنی میں انہوں نے قرآن پاک سمجھا ہو ـــــــ ان کے لیئے ضروری ہے کہ عربیت اور اسلوب عرب میں ملکہ راسخ رکھتے ہوں اور صحابہ کرام اور اکابر تابعین کی تفسیرات پر بھی ان کی پوری نگاہ ہو ـــــــ

درایت محض عقلی توجیہات کا نام نہیں . یہ خود ایک فن ہے جس کے اپنے آداب ہیں ۔
جہاں تک ہمارے تجربے کا تعلق ہے . اس زمانے میں کوئی ایسا شخص نہیں پایا گیا جو علمی طور پر اس درجے میں ہو کہ قرآنی درایت سے روایات حدیث کو پرکھ سکے . اس زمانے

میں حدیث کی پرکھ، اس کی اسناد اور امت کے تعامل کی راہ سے ہی ہو سکتی ہے مفتی محمد عبدہ مصری، سر سید احمد خاں، مولوی چراغ علی، علامہ رشید رضا، علامہ مشرقی، تمنا عمادی، اسلم جیراجپوری اور علامہ اقبال میں سے کسی کا یہ علمی مقام نہ تھا کہ ائمہ اربعہ کی طرح شان اجتہاد رکھتے ہوں اور روایات حدیث میں قرآنی درایت کی رو سے ردًّا اور قبولاً بحث کر سکیں علامہ اقبال کی کاوش یہی رہی کہ جس طرح بھی بن پڑے مسلمانوں کو اس لائن میں لا کھڑا کریں جو پہلوں سے چلی آرہی ہے۔ ؎

من کجا نغمہ کجا ساز سخن بہانہ ایست
سوئے قطار مے کشم ناقہ بے زمام را (اقبال)

تاہم اس سے انکار نہیں کہ اکابر صحابہ کرام اور مجتہدین عظام کے ہاں حدیث کی حفاظت کی ایک یہ صورت بھی کار فرما رہی کہ حدیث ہمیشہ قرآن کے تابع رہے اور یہ کہیں قرآن سے ٹکرا نہ پائے۔

(۴) صحابہؓ کے اعمال میں

حدیث کی حفاظت صحابہ کے عمل میں اس انداز سے رہی کہ ان کے اعمال تعلیمات محمدی کی عملی تصویر سمجھے گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صراطِ مستقیم کے تعین میں اپنے صحابہ کو بھی ہمیشہ ساتھ رکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکمیل شریعت کے کئی مدارج سے گزرے تھے۔ شریعت کی وہ آخری صورت کون سی ہے "جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی قرأت علمی" کہا جا سکے اور شریعت قرار دیا جائے؟ وہ منفرد روایات سے نہیں صحابہ کے عمل سے معتین ہو سکے گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی شریعتِ قائمہ اور اپنی غیر منسوخ احادیث کی نشاندہی کے لیے معیارِ صحت حضراتِ صحابہ کا عمل ہی بتاتے رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جس حدیث کے ساتھ صحابہ کا عمل ہوگا۔ وہی حدیث "شریعتِ باقیہ" ہوگی۔ یہ صرف صحابہ کا عمل ہے۔ جس کے ذریعے حفاظتِ حدیث قائم ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی تو صحیح راہ والے وہی ہوں

گے۔ جو میرے اور میرے صحابہ کے طریقے پر ہوں گے۔ فرمایا ما انا علیہ و اصحابی۔
(یعنی جس طریقہ پر میں اور میرے صحابہ ہوں)۔ معلوم ہوا کہ اعمال اصحاب حفاظتِ حدیث کے عملی پیمانے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی باب میں روایات مختلف منقول ہوں۔ تو صحابہ کے عمل سے ہی صحیح راہِ عمل کا تعین ہو سکے گا۔

حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) نے امام مالکؒ (۱۷۹ھ) اور امام محمدؒ (۱۸۹ھ) کا تاریخی فیصلہ ان الفاظ میں نقل کیا ہے:۔

روی محمد بن حسن عن مالك بن انس انه قال اذا جاء عن النبی صلی الله علیه وسلم حدیثان مختلفان و بلغنا ان ابا بكر وعمر عملا باحد الحدیثین و تركا الاٰخر كان فی ذلك دلالة ان الحق فیما عملا به۔[1]

ترجمہ۔ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف روایتیں پہنچیں اور ہمیں یہ بات بھی پہنچے۔ کہ حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ نے ان میں سے ایک پر عمل کیا اور دوسری کو چھوڑا ہے۔ تو اس میں یہ راہ ملتی ہے۔ کہ سنتِ قائمہ وہ ہے جس پر ان دونوں نے عمل کیا ہے۔

امام ابو داؤد السجستانی (۲۷۵ھ) صحاح ستہ کی معروف کتاب سنن ابی داؤد میں لکھتے ہیں:۔

اذا تنازع الخبران عن النبی صلی الله علیه وسلم نظر الی ما عمل به اصحابه من بعده۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جب دو حدیثیں مختلف منقول ہوں تو دیکھا یہ جائے گا کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے عمل کس پر کیا؟

حافظ عبدالرحمٰن ابو زرعۃ الدمشقی (۲۸۱ھ) امام وکیع بن الجراح سے روایت کرتے

---

[1] التمہید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید جلد ۳ ص ۲۵۳ [2] سنن ابی داؤد مع البذل جلد ا ص ۳۷۶

ہیں. کہ حدیث کے یاد کرنے اور اسے حفظ رکھنے پر عمل سے بھی مدد لی جاتی تھی. کہ اس پر عمل کیا گیا اور وہ یاد رہ گئی. یہ عمل امت میں مسلسل رہا تو حدیث بھی مسلسل رہی۔ وکیع روایت کرتے ہیں :۔

کان یستعان علی حفظ الحدیث بالعمل بہ۔[1]

ترجمہ۔ حدیث کے حفظ کرنے میں عمل سے بھی مدد لی جاتی رہی ہے۔

امام امام ابوبکر حصاص رازی (۳۷۰ھ) کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ احادیث کے اختلاف کا حل عمل سلف کی روشنی میں کیا جانا چاہیئے. فرماتے ہیں :۔

اذا کان متی روی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خبران متضادان وظہر عمل السلف باحدھما کان الذی ظہر عمل السلف بہ اولی بالاثبات۔[2]

ترجمہ۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف حدیثیں منقول ہوں اور سلف (صحابہ کرام) کا عمل ایک پر ہو تو جس پر سلف کا عمل پایا گیا. وہ حدیث اثبات مسئلہ میں مقدم ہوگی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کے کل اعمال حسنہ کو ستاروں کی روشنی بتا کر انہیں اپنی ذاتِ گرامی سے وابستہ کر لیا. اب گویا ان کے اعمال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے گرد حفاظت کا پہرہ دے رہے ہیں اور ان کی پیروی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی ہی ہے۔ آپ نے ارشاد فرمایا :۔

اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔[3]

ترجمہ۔ میرے صحابہ ستاروں کی طرح ہیں جس کی بھی تم نے اقتدا کی ہدایت پائی۔

محدثین کے ہاں یہ حدیث حسن لغیرہ کے درجہ میں ہے اور تلقی بالقبول میں تو یہ اول درجہ کی روایات میں سے ہے۔

آثار صحابہ ساتھ نہ ہوں تو محدثین جمع حدیث کی جملہ کوششوں کو ضائع سمجھتے تھے. حضرت صالح بن کیسان کہتے ہیں . میں اور زہری جمع حدیث کی محنت میں اکٹھے تھے.

---

[1] تاریخ ابی زرعۃ جلد ا صـ۲۱۱ [2] احکام القرآن جلد ا صـ۷ طبع ۱۳۴۱ھ البہیۃ المصریہ [3] مشکوٰۃ صـ۵۵۴ دہلی

جب ہم نے مرفوع احادیث لکھ لیں تو زہری کہنے لگے ہم آثار صحابہ بھی لکھیں گے. وہ لکھتے گئے اور میں نے انکار کر دیا. وہ کامیاب ہوئے اور میری محنت ضائع ہوئی۔

فکتب ولم اکتب فانجح وضیعت[1]

ترجمہ. وہ لکھتے رہے اور میں نہ لکھ سکا وہ کامیاب رہے اور میں ضائع ہوا۔

⑤ فروع فقہیہ میں

احادیث احکام جس طرح فروع فقہیہ میں محفوظ ہوئیں اس کی مثال نہیں ملتی. مجتہدین کی پوری کوشش ہوتی. کہ احادیث احکام میں راویوں کی پڑتال اور دیکھ بھال کچھ سخت رہے. حفاظت حدیث میں یہ فکر ہر باب میں کارفرما رہی. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دین عالمگیر ہے اور قیامت تک کے لیئے ہے اور زندگی کے ہر دور کو شامل ہے قرآن کریم کی آیات اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث میں لاکھوں ایسے مسائل اصولی طور پر لپٹے ہوئے ہیں. جن تک مجتہدوں کی نظر ہی پہنچ سکتی ہے ہر ایک کی نہیں. مجتہدین کرام کتاب و سنت کی اسی گہرائی میں غوطے لگاتے رہے اور آیات و احادیث کی روشنی میں ان جزئیات کا حل تلاش کرتے رہے. جو واضح اور صریح الفاظ میں پہلے سے مروی نہ ہوں. اجتہاد یعنی اصل سے فرع تک حکم پہنچانے میں ان کی پوری محنت کارفرما ہوتی تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے. کہ احادیث کے مظان و محال اور اس کی دلالتوں اور اضافتوں کی حفاظت فروع فقہیہ میں ایک عجیب شان سے جلوہ گر رہی. احادیث کی حفاظت جس طرح محدثین کے ہاں نقل و روایت کے ذریعہ جاری رہی. فقہاء کرام کے ہاں فروع و احکام کے ضمن میں ساری ہے. امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں:۔

وکذلک قال الفقہاء وھم اعلم بمعانی الحدیث[2]

ترجمہ. اور اسی طرح فقہاء نے کہا ہے اور یہ لوگ (فقہ کے ماہرین) ہی حدیث کے

---

[1] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۸ [2] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۳۰۲

معنوں کو زیادہ جانتے ہیں۔

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) احمد بن محمد بن خالد البرائیؒ سے روایت کرتے ہیں۔ کہ ایک شخص حضرت امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور حلال وحرام سے متعلق ایک مسئلے میں استفسار کیا۔ حضرت امام نے اس مسئلے میں اسے فقہاء کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ اس سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حدیث کا حاصل فقہاء سے ہی ملتا تھا۔ حضرت امام نے اسے فرمایا :-

سل عافاك الله غيرنا سل الفقهاء وسل ابا ثور۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تجھے عافیت بخشے۔ کسی اور سے پوچھ۔ فقہاء سے سوال کر۔ ابو ثور سے پوچھ لے۔

(۶) مسالک کی وسعت میں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح عقائد واصول کو قطعیت بخشی ہے کہ ان میں کسی اور معنی ومفہوم کی گنجائش نہیں۔ اسی طرح آپ نے فروع اعمال میں بھی پوری وسعت اختیار فرمائی۔ بعض دفعہ ایک ایک موضوع پر کئی کئی طرح عمل فرمایا۔ فروع میں توسع اختیار کیا یا زمانے کے اختلاف سے اعمال کے مختلف پیمانے اختیار فرمائے۔ بعض لوگوں نے اسے تعارض سمجھا اور ان میں ترجیح کے درپے ہوئے۔ بعض نے دونوں کے علیحدہ علیحدہ محل تلاش کیئے اور تطبیق کی راہ اختیار کی۔ اسی سے مختلف مسالک عمل بنے اور ہر مسلک کے لیئے کوئی نہ کوئی اصل حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام سے مل گئی۔

اسلام کی اس وسعت عمل کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ہر ادا اور ہر ہر عمل کے گرد محنت ہونے لگی۔ مختلف ائمہ کے مسالک میں مختلف احادیث زیر عمل ہیں۔ ان کی اسانید اور رواۃ پر کلام بھی ہوتا رہا۔ لیکن یہ ضرور ہے۔ کہ ان فروع فقہیہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی حفاظت کچھ اس طرح رہی۔ کہ ان کا کوئی ذخیرہ بھی نظر انداز

---

[1] بغدادی جلد ۶ ص۶۶

نہ ہونے پایا۔ ہر امام نے اور اس کے پیروؤں نے اپنے اپنے مسلک کو زیادہ موجہ اور راجح کرنے کے لئے احادیث احکام پر بہت محنت کی اور ان ابواب میں تنقید و تفحص اور بڑھتا گیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن و آثار اور زیادہ نکھریں اور آپکے زیادہ اعمال کی وسعت میں حدیث ہر پہلو سے منضبط اور محفوظ ہوتی چلی گئی۔

⑦ دین کے تسلسل میں

آپ سن آئے ہیں۔ کہ اللہ رب العزت نے ہم سے دین کی حفاظت کا وعدہ فرما رکھا ہے۔ دین کی یہ حفاظت مسلسل ہے اور ہم ہر ہر قرن اور ہر ہر دورِ حیات میں اللہ کے اسی وعدہ پر ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

لا تزال طائفة من امتي قائمة بامر الله لا يضرهم من خذلهم او خالفهم حتى ياتي امر الله [1]

ترجمہ۔ میری امت کا ایک طبقہ ہمیشہ حق پر قائم رہے گا۔ اس کی مخالفت کرنے والے اسے کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے۔ یہانتک کہ قیامت قائم ہو جائے

اس حدیث میں دینِ اسلام کا تسلسل قیامت تک ممتد بتلایا گیا ہے۔ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ میں اور قیامت ان دو انگلیوں کی طرح (متصل) ہیں۔ بعثت انا والساعة كهاتين [2]۔ اور ساتھ دو انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔ سو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اسلام اور اہلِ اسلام قیامت تک رہیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ الجهاد ماض مع البر والفاجر الى يوم القيمة۔ جہاد قیامت تک باقی رہے گا۔ اس سے بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ دین قیامت تک رہے گا۔ اور یہ کہ اس کے ماننے والے بھی قیامت تک رہیں گے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

وفيه ايضاً بشرے ببقاء الاسلام واهله الى يوم القيمة لان من لازم بقاء الجهاد بقاء المجاهدين وهم المسلمون وهو مثل

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۳ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۴۸۰

الحدیث الآخر لا تزال طائفة من امتی یقاتلون علی الحق... الحدیث[1]

ترجمہ. اس حدیث میں اسلام اور مسلمانوں کے قیامت تک باقی رہنے کی بشارت ہے. جہاد کا قیامت تک کو باقی رہنا اس بات کو لازم ہے کہ مجاہدین بھی اس وقت تک موجود ہوں گے اور (ظاہر ہے کہ) وہ مسلمان ہی ہو سکتے ہیں یہ اس حدیث کی طرح ہے جس میں اس امت کے ایک طبقہ کے حق پر رہنے کی قیامت تک کے لیئے بشارت ہے.

دین کا یہ تسلسل ایک تکوینی سبب ہے. جس کے ذریعہ دین کی حفاظت رہی. یہ تسلسل امت کے اعمال میں رہا ہے. جس کی جزئیات بدون احادیث کوئی شکل اختیار نہیں کرتیں. سو حدیث کی حفاظت جن اسباب سے ہوئی. ان میں دین کا تسلسل اور تعامل امت ایک نہایت مؤثر ذریعہ بنا رہا ہے.

(۸) عشقِ رسولؐ کے سائے میں

صحابہؓ کا عشقِ رسولؐ بھی حفاظتِ حدیث میں بڑا مؤثر عامل رہا ہے. عہدِ اوّل میں عشقِ رسالت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک ایک ادا کو علم و عمل کے پیمانوں میں محفوظ رکھا اور عقیدت و جذبات کے اس انداز نے بھی حفاظتِ حدیث میں ایک بھرپور کردار ادا کیا ہے. قرآن کریم نے حضورؐ کے بارے میں تعلیم دی تھی:-

تؤمنوا باللہ ورسولہ وتعزّروہ وتوقروہ.[2]

ترجمہ. تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر. اور اس رسول کی تعظیم اور توقیر کرو.

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تعظیم و توقیر کے اس دباؤ میں حضورؐ کے سامنے اپنی آواز دبی رکھتے. یہ دربارِ رسالت کا اجلال و احترام تھا.

ان الذین یغضون اصواتہم عند رسول اللہ اولئک الذین امتحن

---

[1] فتح الباری جلد ۶ صـ۴۲ [2] پ ۲۶ الفتح ع ۱

اللہ قلوبھم للتقویٰ[1]

ترجمہ۔ بیشک جو لوگ اپنی آوازیں حضورؐ کے سامنے پست رکھتے ہیں، اللہ نے ان کے دلوں کو پرہیزگاری کے لیئے پرکھ لیا ہے۔

اِدھر سے تعظیم و توقیر تھی اور اُدھر سے رحمت و عطوفت کا ہاتھ ہر ایک کے لیئے بڑھ رہا تھا۔ رحمۃ للعالمین کا دامنِ رحمت ہر سمت اپنا سایہ ڈالے تھا۔ فبما رحمۃ من اللہ لنت لھم[2]۔ یہ خدا کی مہربانی ہے کہ آپ ان کے لیئے نرم دل ہوئے۔

تعظیم و اکرام کا جواب جب رحمت و رأفت سے ملے تو محبت جذبات میں ڈھلتی ہے۔ عقلی محبت جذبات کے سایوں میں عشقِ رسالت کا عنوان تیار کرتی ہے۔ یہ خدا کی شانِ کریمی ہے۔ کہ اس نے صحابہ کے دلوں میں اس راہ سے حضورؐ کی محبت پیدا کر دی اور اس جذبۂ محبت نے نہ صرف حضورؐ کی پیروی امت کے لیئے آسان کر دی۔ بلکہ حضورؐ کا ہر عمل عشق و محبت کے اس سائے میں محفوظ ہونے لگا۔ آپؐ کا ہر عمل اُن کی زبانوں پر بھی اترا۔ اور اُن کے عمل میں بھی ڈھلا۔ اور اس سے حفاظتِ حدیث کے جملہ اسباب پیدا ہوتے گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو امت سے طلبِ محبت کی ہرگز کوئی ضرورت نہ تھی۔ آپ ان سے اپنی محبت اسی لیئے چاہتے تھے۔ کہ آپ کی پیروی اُن کے لیئے آسان ہو جائے۔ جس سے محبت ہو۔ انسان پھر اُس کی اداؤں کی نقل میں بھی لذت محسوس کرتا ہے کسی نے خوب کہا ہے۔

ان المحب لمن یحب یطیع۔

ترجمہ۔ محبت کرنے والا محبوب کے نقشِ پا پر چلتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جذبۂ محبت کو اور جلا بخشی اور کھل کر فرمایا۔

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من والدہٖ وولدہٖ والناس اجمعین[3]۔

ظاہر ہے کہ یہ تجویز بھی امت پر مشقت پیروی کو آسان کرنے کے لیئے تھی۔ محبت ایک ایسا سلسلہ ہے جس سے پہاڑ کھودنے میں بھی مشقت نہیں لذت ملتی ہے۔ دل میں

---

[1] پ ۲۶ الحجرات ع ۱ [2] پ ۴ آل عمران ع ۱۷ [3] مشکوٰۃ صد ۱۲ عن البخاری و مسلم

کسی کا بسیرا ہے۔ تو اس کے لیئے یہ مشقت جھیلی جا رہی ہے۔

؎ کسی کی یاد میں ہیں نے مزے ستم کے لیئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کسی لمبے سفر کے دوران مختلف مقامات پر جو نماز پڑھی صحابہ نے ان مواضع واماکن کو بھی اپنی یادوں میں محفوظ رکھ لیا۔ حالانکہ نماز نماز ہے وہ جہاں بھی ادا ہو۔ لیکن خدام آقا کے عشق و محبت میں اس قدر آگے جا چکے تھے۔ کہ آپ نے اگر کہیں اتفاقاً بھی پڑاؤ ڈالا تو اس جگہ کی یاد صحابہ کے دلوں میں کبھی بھی محو نہ ہو سکی۔ امام بخاریؒ نے الصحیح میں اس پر باب باندھا ہے۔

باب المساجد التی علی طرق المدینة والمواضع التی صلی فیها النبی صلی الله علیه وسلم[1]

ترجمہ۔ وہ سجدہ گاہیں جو مدینہ کی راہوں میں بنیں اور وہ مقامات جہاں اس دوران حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے تھے۔

موسیٰ بن عقبہؒ کہتے ہیں میں جلیل القدر تابعی حضرت سالمؒ کو دورانِ سفر ان مقامات کو تلاش کرتے دیکھا۔ جہاں وہ نماز پڑھیں۔ اور بیان کرتے سنا۔ کہ ان کے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی ان مقامات پر نماز پڑھتے تھے اور فرماتے تھے۔

انه رای النبی صلی الله علیه وسلم یصلی فی تلك الامکنة۔[2]

ترجمہ۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا ہے۔

ان مقامات پر نماز کسی تخصیص کے لیئے نہ تھی۔ حضورؐ ان مقامات پر اتفاقاً اُترتے رہے۔ لیکن صحابہؓ کے جذباتِ محبت کو دیکھیئے۔ کہ انہوں نے آپ کی ان یادوں کو بھی تاریخ میں محفوظ کر لیا۔ یہاں تک کہ کبار تابعین بھی پھر ان راہوں میں اُترنے لگے۔

اس تفصیل سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے۔ کہ حدیث کی حفاظت میں عشقِ رسالت نے بھی ایک بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

---

[1] صحیح البخاری جلد ۱ صفحہ [2] ایضاً

⑨ سند کے اہتمام سے

تابعینؒ کے آخری دور میں پھر سُنی سنائی باتیں چلنے لگیں، تو علماء تابعینؒ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کی بات کو آگے بیان کرنے میں سند لانے کا پُورا اہتمام کیا اور دین کی بات لانے کے لیئے سند لانے کو بھی دین ٹھہرایا۔ امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) نے کہا نقل کرنے والوں کی پہچان رکھنا بھی دین میں سے ہے۔ دیکھ لیا کرو کہ بات کس سے لے رہے ہو۔ اس اہتمام نے علم اسناد کو بہت اہمیت دی، اس سے علم اسماء الرجال پیدا ہوا۔ سند کے اس اہتمام نے بھی حفاظتِ حدیث میں ایک بڑا کردار ادا کیا ہے

حفاظت حدیث کے مختلف پیرایوں میں ان نو۹ امور کا بہت دخل رہا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ امت کے پاس حدیث کا لائق اعتماد ذخیرہ انہی وجوہ سے موجود اور زیرِعمل رہا ہے اور اس کی حفاظت ہر دور میں خود دین کی حفاظت سمجھی گئی ہے۔

شیعہ کے ہاں حفاظت حدیث

شیعہ کے ہاں نبوت کے بعد امامت خدا کے بندوں پر خدا کی حجت سمجھی گئی ہے امام وحی باطنی (وحی غیر متلو) سے خدا کی رضا اور عدم رضا پر مطلع ہوتا ہے اور عملاً معصوم ہوتا ہے شیعہ کے جب تک گیارہ امام زندہ رہے حضورؐ کی تعلیمات ان کے ہاں ائمہ کے وجود سے محفوظ رہیں —— ان کے عقیدہ میں ائمہ معصومین کو تقیہ کے ادوار سے بھی گزرنا ہوتا تھا اور اس صورت حال میں ان کے اقوال و اعمال مختلف اور متعارض رہتے تھے لیکن ائمہ کی اصل تعلیمات تک ان کا ایک مخفی تواتر قائم تھا جسے ان کے علمائے خاصہ ہی پہچانتے تھے گیارہویں امام کی وفات (۲۶۰ھ) کے بعد بارھویں امام کسی غار میں جا چھپے پھر ان کے اور شیعہ علماء کے مابین سفراء کام کرتے رہے —— وقت کے انقلابات سے پھر یہ سلسلہ سفارت بھی ٹوٹ گیا اور بقول علامہ تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) ان روایات کا تواتر جاتا رہا —— پھر ان کے محدثین اٹھے جو راویوں کی جانچ پڑتال سے اپنی روایات کو جمع کرنے لگے —— سو ان کے ہاں حفاظت حدیث ان تین مرحلوں سے گزرتی ہے۔

تدوین حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد:

حدیث کی ضرورت اور حجیت سے ہم فارغ ہو چکے ہیں اور یہ موضوع تفصیل سے آپ کے سامنے آ گئے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے قابلِ اعتماد علمی ذخیرہ کہاں موجود ہے اور یہ ذخیرہ علم کن کن مراحل سے گزر کر اس مقام پر پہنچا ہے کہ اس پر علمی اطراف سے اعتماد کیا جا سکے۔

تدوین کی ضرورت

حجیت حدیث کا تقاضا تھا کہ حدیث مدون کی جائے اسے محفوظ کیا جائے۔ اس کے مطالب کھلے رکھے جائیں۔ اس سے استنباط کے چشمے پھوٹیں اور ان سے اجتہاد کی راہیں بھی معلوم ہوں۔ دینِ اسلام اولادِ آدم پر خدا کی آخری حجت اور شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم بنی نوعِ انسان کے لیے آخری شریعت ہے تو اس دین و شریعت کا قیامت تک کے لیے باقی رہنا بھی ضروری ہے۔ پس لازم تھا کہ جوں جوں یہ تقاضا شدید ہوتا جائے تدوین حدیث کے عملی اسباب سامنے آتے جائیں اور حدیث جمع ہوتی جائے۔

قرآن کریم کے لکھا جانے سے یہ بات از خود ظاہر ہے کہ علم کی پوری حفاظت لکھا جانے سے ہی ہوتی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی آیت اترتی تو آپ کاتب کو بلا کر ارشاد فرماتے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں مقام پر لکھ لو۔ قرآن کریم اسی ترتیب سے پڑھا جاتا اور لکھا جاتا تھا جس ترتیب سے حضورؐ اس کے لکھنے کی ہدایت فرماتے قرآن کریم کی تحریرات Documents نے تحریر حدیث کی فکر بھی پیدا کر دی تھی۔ اگرچہ حضور اکرم

صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر مرحلہ آپ کا ہر ارشاد اور آپ کی ہر ادا حدیث تھی۔ تاہم ان دنوں اندیشہ تھا کہ تحریر حدیث کے اہتمام میں کہیں تحریر قرآن دب کر نہ رہ جائے اور ہو سکتا تھا کہ ایسے حالات میں جب کہ عرب ابھی ابھی جاہلیت سے نکلے ہیں تعلیم و تعلم کا عام رواج نہیں تحریراتِ قرآن اور تحریراتِ حدیث آپس میں کہیں خلط ملط Mix نہ ہو جائیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ تحریراتِ قرآن کی طرح تحریراتِ حدیث کی بھی عبادت کے طور پر تلاوت ہونے لگے سو مصلحت کا تقاضا تھا کہ تحریر قرآن کے دور تک تحریر حدیث پر عام حلقوں میں پابندی رہے۔ صرف انہی حضرات کو اجازت ہو جو ان حدود و فروق میں پورے طور پر محتاط رہیں۔ علم کی حدود اور زبان کو پہچانتے ہوں اور انہیں محفوظ رکھنے کا پورا اہتمام ملحوظ رکھ سکیں۔

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کہ جب حدیث اسلام میں قانونی طور پر حجت ہے۔ تو اسے محفوظ بھی ہونا چاہیئے تھا اور دیگر مصالح کتنی ہی کیوں نہ ہوا صولاً تحریر حدیث کی اجازت ہونی چاہیئے تھی۔ عمومی اجازت نہ سہی لیکن جن صحابہ کے علمی حلقوں میں ان تحریرات کے خلط ملط ہونے کا اندیشہ نہ ہو انہیں تحریر حدیث کی اجازت دی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ تحریر قرآن کے دور تک تحریر حدیث پر پابندی ہونے کے باوجود یہ تقاضا اصولاً باقی رہا اور اس احساس کے تحت بعض صحابہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تحریر حدیث کی اجازت بھی مانگی اور آپ نے انہیں یہ اجازت مرحمت فرمائی۔

تحریر حدیث کی اجازت

(۱) ایک انصاری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ میں آپ سے حدیث سنتا ہوں تو بھول جاتا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ استعن بیمینک[1] "اپنے ہاتھ سے مدد لو" یعنی لکھ لیا کرو۔ روایت میں ہے۔ واومأ بیدہ للخط۔ کہ آپ نے ہاتھ سے لکھنے کا اشارہ فرمایا —— یہ آپ کی طرف سے حدیث لکھنے کی اجازت تھی۔

(۲) یمن کا ایک شخص ابو شاہ فتح مکہ کے موقع پر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوا جب اس

---

[1] جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰۱

نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان سُنا تو گذارش کی کہ حضورؐ مجھے لکھ دیجئے۔ آپ نے صحابہ کرام کو حکم دیا کہ یہ بیان ابُوشاہ کے لئے قلم بند کر دو :۔

اکتبوہ لابی شاہ[۱] ابُوشاہ کے لیئے یہ باتیں لکھ دو۔

حضور نے اس روایت میں صریح طور کتابت حدیث کا اہتمام فرمایا اور اُس کے لیئے صحابہ کو امر کیا[۲]

(۳) حضرت ابو رافع نے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث لکھنے کی اجازت مانگی تھی۔ آپ نے انہیں بھی اجازت دے دی تھی۔ آپ کا یہ مجموعہ حدیث اتنا معتمد تھا۔ کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ بھی اس مجموعہ سے روایات نقل کر لیا کرتے تھے۔ حضرت سلمی کہتے ہیں :۔

رأیت عبداللہ بن عباسؓ معہ الواح یکتب علیھا عن ابی رافع شیئاً من فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم[۳]

ترجمہ۔ میں نے عبداللہ بن عباس کو دیکھا، لکھنے کی تختیاں ان کے پاس تھیں اُن پر وہ ابی رافع سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ افعال لکھ رہے تھے۔

(۴) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کہتے ہیں کہ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ میں آپ کی احادیث روایت کرنا چاہتا ہوں۔ اگر آپ اجازت دیں۔ تو میں اپنے دل کے ساتھ ساتھ کچھ مدد اپنے ہاتھ سے بھی لے لوں (یعنی لکھ لوں) اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بھی اجازت دے دی[۴]

وہ کہتے ہیں قریش نے مجھے حدیث نہ لکھنے کا مشورہ دیا اور کہا

انما ھو بشر یغضب کما یغضب البشر[۵]

ترجمہ۔ حضورؐ بھی تو انسان ہیں کبھی غصے میں ہوتے ہیں جیسا کہ انسان غصے میں آتا ہے۔

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۱ صـ۲۲ ، جامع ترمذی جلد ۲ صـ۱۰۷ [۲] مقدمہ صحیفہ ہمام بن منبہ صـ۳۳ [۳] طبقات ابن سعد جلد ۲ صـ۱۷ [۴] دیکھئے سنن دارمی جلد صـ۱۰۴ وطبقات ابن سعد جلد ۴ صـ۲۶۲ [۵] سنن ابی داؤد صـ۵۱۴

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے جب حضور کو یہ بات بتلائی تو آپ نے فرمایا:۔

والذی نفس محمد بیدہ، ما یخرج مما بینھما الا حق فاکتب۔[1]

ترجمہ. قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے ان دو ہونٹوں کے درمیان سے حق کے سوا کچھ نہیں نکلتا. سو تم لکھتے رہو.

(۵) حضرت رافع بن خدیجؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضورؐ کی خدمت میں عرض کی ہم آپ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں تو کیا ہم انہیں لکھ لیا کریں. آپ نے فرمایا:۔

اکتبوا ولا حرج۔[2] ترجمہ. لکھ لیا کرو اور اس میں کوئی حرج نہیں

(۶) حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں. کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔

قیدوا العلم بالکتاب۔[3] ترجمہ. علم کو قید کتابت میں لاؤ.

علم سے مُراد علم منقول ہے. اس کے مقابلہ میں لفظ رای ہے. لفظ علم سے اس دور میں حدیث مراد لی جاتی تھی. امام ابو حنیفہ کے استاد امام تفسیر حضرت عطا بن ابی رباح جب کوئی مسئلہ بیان کرتے تو لوگ پوچھتے. علمٌ او رایٌ (یہ علم ہے یا رائے ہے؟) اگر وہ بات منقول ہوتی تو آپ فرماتے "علم ہے" اور اگر وہ اجتہادی ہوتی تو فرماتے یہ رائے ہے

فان کان اثراً قال علم وان کان رأیاً قال رأیٌ۔[4]

ترجمہ. سو اگر وہ بات روایت ہوتی تو فرماتے یہ علم ہے اور اگر وہ رای ہوتی تو اسے رای کہتے.

سو حضرت انس بن مالکؓ کی مذکورہ بالا روایت قیدوا العلم بالکتاب میں علم سے مراد حدیث ہی ہے. سو آنحضرتؐ نے امر فرمایا ہے کہ حدیثیں لکھ لیا کرو ــــــ یہ صرف اجازت نہیں بلکہ امر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے.

حضرت انس بن مالکؓ نہ صرف حضورؐ سے حدیثیں لکھتے رہے. بلکہ لکھ کر بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سنا بھی دیا کرتے تھے. سعید بن ہلال آپ کے معروف شاگرد بیان کرتے ہیں.

کنا اذا اکثرنا علی انس بن مالکؓ فاخرج الینا مجال عندہ فقال ھذہ سمعتھا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم فکتبتھا وعرضتھا۔

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صـ ۵۱۳ [2] تدریب الراوی صـ ۲۸۲ [3] جامع بیان العلم جلد ۱ صـ ۷۲ [4] طبقات ابن سعد صـ ۵۲۶ / ۵

ترجمہ: ہم جب حضرت انس بن مالکؓ سے زیادہ روایات پوچھتے تو وہ مجلات (بیاضیں) نکال لیتے اور کہتے یہ وہ روایات ہیں جو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنیں میں نے انہیں لکھا اور انہیں (آپ کو) پڑھ کر بھی سناتا رہا۔[1]

قاضی الحسن بن عبد الرحمٰن الرامہرمزی (۳۶۰ھ) نے حضرت انسؓ کی یہ روایت ہبیرہ بن عبد الرحمٰن سے بھی نقل کی ہے۔[2]

حضرت انسؓ نے اپنے شاگرد خالد بن خداش بغدادی کو نصیحت فرمائی کہ اہل علم سے احادیث لکھ لیا کریں۔ فرمایا:۔

علیك بتقوی اللہ فی السر والعلانیة والنصح لکل مسلم وکتابة العلم من عند اھلہ۔[3]

ترجمہ: ان چیزوں کو لازم پکڑو۔ ۱۔ ظاہر اور باطن میں اللہ کا خوف۔ ۲۔ ہر مسلمان کے لئے خیر خواہی۔ ۳۔ علماء سے احادیث لکھنا۔

آپ اپنے بیٹوں کو نصیحت کرتے کہ حدیثیں لکھ لیا کرو۔[4]

اس دور اول میں حضرت انسؓ اور ان کی اولاد کا حدیث لکھنے کا یہ اہتمام بتلاتا ہے کہ صحابہ اور تابعین کے ہاں حدیث کا کافی مواد جمع ہو چکا تھا۔

حدیث آگے پہنچانے کی اصولی ہدایات

تبلیغ شریعت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصولی ہدایت جاری کی تھی کہ آپ کی تعلیم ہر شاہد و غائب تک پہنچے۔ آپ نے ارشاد فرمایا: لیبلغ الشاھد الغائب۔[5] سو آپ کی ایک بات بھی کسی کے پاس ہو تو ضروری تھا کہ وہ اسے آگے پہنچائے۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ بلغوا عنی ولو آیة۔[6] میری ایک بات بھی تمہیں یاد ہو تو اسے آگے پہنچانا ـــــــ یہ پہنچانا

---

[1] مستدرک حاکم جلد ص — معرفۃ الصحابہ جلد ۳ ص ۵۷۴ [2] المحدث الفاصل ص ۳۶۷ [3] جامع بیان العلم جلد ۱ ص ۴
[4] دیکھئے صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۲، سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۰۵، المحدث الفاصل ص ۳۶۸ [5] صحیح بخاری جلد ۱ ص ۲۲، ص ۲۴، جلد ۹ ص ۲۳، صحیح مسلم جلد ۲ ص ۶۰ [6] رواہ البخاری کما فی المشکوٰۃ ص ۳۲

زبانی پیغامی تحریری اور تعمیلی جس طرح بھی ہو سکے صحابہ کے ذمہ ٹھہرا۔ حدیث کے آگے پہنچانے کا یہ حکم عام تھا جو اپنی تمام صورتوں کو شامل رہا۔ آپ نے اسے لفظ حدیث سے بھی ذکر فرمایا۔ ارشاد فرمایا۔ حدثوا عنی[۱] (مجھ سے حدیث آگے پہنچاؤ) اس حکم اور تاکید کا تقاضا تھا کہ علم نبوی ہر طرح سے محفوظ رہے اور آگے پہنچتا رہے۔ آپ نے اس پر عمل کرنے والوں کو دعا بھی دی۔

نضر الله امرأ سمع منا شيئاً فبلغه كما سمعه[۲]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز رکھے جو ہم سے کچھ سُنے تو اسے آگے پہنچا دے اور اسی طرح پہنچائے جیسا اس نے سُنا ہو۔

عربوں کی قوی یادداشت

یہ حقیقت ہے کہ عربوں میں ان دنوں زبانی یادداشتوں کا بہت رواج تھا۔ ان میں حفظ کی زبردست صلاحیت موجود تھی۔ صدیوں سے یہ لوگ اپنے قبائل کی تاریخ یاد رکھتے اور اُسے بار بار دہرانے کے خوگر تھے اور راوی کا لفظ ان کے ہاں پہلے سے موجود تھا جب دینِ قویم کا پرچم اس زمین میں لہرایا تو سوال پیدا ہوا کہ علوم نبوت کا حفظ و نشر کس طرح کیا جائے اسے صرف اسی طریق سے باقی رکھا جائے یا اس میں مزید فکر و دانش کی بھی کوئی ضرورت ہے۔

یہ پُرانا طریق آخر کب تک چل سکتا تھا ایک ایسے دین میں جسے قیامت تک باقی رہنا ہے اس میں زبانی حفظ و روایت کی کڑیاں کب تک ساتھ دے سکتی تھیں۔ اسی فکر کے تحت حضرت ابوہریرہؓ (۵۸ھ) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی یادداشت کی شکایت کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اپنی چادر پھیلاؤ" آپ نے باذنِ الٰہی اس میں روحانی توجہ فرمائی اور حضرت ابوہریرہؓ بے نظیر حفظ کی دولت سے مالا مال ہو گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ سے حدیث کی وہ خدمت لی کہ جو سُنا پھر کبھی نہ بھولے اور جو دیکھا وہ ہمیشہ کی یاد بن گیا۔ خود فرماتے ہیں۔

فضممته فما نسيت شيئاً بعده[۳]

ترجمہ۔ پس میں نے وہ چادر سمیٹ لی۔ اس کے بعد میں کبھی کچھ نہ بھولا۔

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۴۱۴ [۲] رواہ الترمذی کما فی المشکوٰۃ صفحہ ۳۵ [۳] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۱ مصر

تدوین وقت کا تقاضا تھا

حفظ و فکر کے اس دور کے جلدی بعد ضروری تھا کہ حدیث باقاعدہ مرتب اور مدون ہو جائے اور اس تحریر و تدوین کی ابتدار خود ذات پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے ہی ہو صحابہ کے شاگرد اپنے اساتذہ سے روایت حدیث کے ساتھ ساتھ تحریر حدیث کی طرف بھی توجہ دینے لگے۔
یہاں تک کہ تابعین کے بعد علم حدیث باقاعدہ ترتیب کی منزل میں داخل ہو گیا۔ یہ وہ وقت تھا جب اسلامی تہذیب عجمی ممالک میں پھیل چکی تھی اور یہی وہ تین دور تھے جن کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیر اور بھلا ہونے کی شہادت دی تھی۔ امیر المؤمنین سیدنا حضرت عمرؓ (۲۳ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اکرموا اصحابی فانهم خیارکم ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم ثم یظهر الکذب۔[1]

ترجمہ: میرے صحابہ کی عزت کرو کیونکہ وہ تم میں سے بہترین ہیں پھر وہ لوگ جو انہیں ملیں پھر جھوٹ پھیل جائے گا۔

تابعی کبیر حضرت قتادہ بن دعامہؒ (۱۱۸ھ) کا حافظہ حیرت ناک تھا جو بات ایک مرتبہ سن لیتے ہمیشہ کے لئے یاد ہو جاتی[2] پھر امام زہریؒ اور امام بخاریؒ کے حافظے تاریخ اسلام میں شہرہ آفاق ہیں۔ ان کی نظیر دنیا نے کبھی نہ دیکھی تھی۔ نہ ان جیسا کوئی اور طبقہ ان کے بعد دیکھنے میں آیا۔ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین بہترین امم تھے۔ ان میں خیر غالب تھی۔ ان کے بعد انتشار کذب کا دور شروع ہوا۔ حدیث کے آخری جملے پر غور کریں۔ ثم یفشو الکذب۔ (پھر جھوٹ پھیل جائے گا) اس میں خبر دی گئی ہے کہ اس وقت میں جھوٹ عام ہو جائے گا۔

قرون ثلثہ کے بعد دور کذب

جھوٹ خبر و روایت میں ہی چل سکتا ہے ذکر و تلاوت میں نہیں۔ قرآن کریم خود عہد رسالت میں ہی متواتر اللفظ تھا۔ اس کی سورتیں اور آیات معین تھیں۔ ہزاروں سینوں میں محفوظ اور لاکھوں زبانوں پر جاری اور ملفوظ تھا۔ اس کے پڑھنے میں غلطی اور متشابہ تو لگ سکتا تھا لیکن

---

[1] مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۴ عن النسائی [2] تفصیل کے لئے دیکھئے تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۱۶، تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۳۵۸

جھوٹ کا اس میں دخل نہ ہو سکتا تھا۔ قرآن کریم متواتر طبقاتی ہے۔ ظاہر ہے کہ جھوٹ کا موضوع اخبار اور روایات احاد ہی ہو سکتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس بات کی خبر دینا کہ ان تین طبقوںؒ کے بعد جھوٹ پھیل جائے گا بتلاتا ہے کہ ان تین طبقوں تک دینی تعلیمات زبانی خبر و روایت میں بھی چل سکتی تھیں اور اس میں کوئی دینی حرج نہ تھا۔ پوری احتیاط برتی جائے تو دین کی صحیح تعلیمات اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قول و عمل کی جملہ روایات صحابہ سے تابعین کو اور تابعین سے تبع تابعین کو زبانی نقل و روایت سے پوری محفوظ شکل میں پہنچ سکتی تھیں اس دور میں صدق و کذب اور صحیح و ضعیف کا آسانی سے پتہ چل جاتا تھا۔ سو ان تین طبقوں کا حفظ اور زبانی روایت ہر اعتبار سے قابلِ اعتماد رہے گی۔ لیکن ارشادِ نبوت کے مطابق ان تین دوروں کے بعد جب جھوٹ عام ہو جائے تو ضروری تھا کہ اس دور کذب کے عام ہونے سے پہلے پہلے حضور کی تعلیمات باقاعدہ مرتب اور مدون ہو جائیں۔ حضورؐ کی مذکورہ بالا حدیث صدق و کذب کے ان دو زمانوں میں تاریخی فصل ہے۔ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے دور میں صدق و رشد غالب تھا اور ان کے بعد نقل روایت میں کڑی تحقیق درکار اور لازم ہو گئی کیونکہ اب بفحوائے حدیث جھوٹ پھیل چکا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بعض احکام شریعت تحریر کروائے۔ بعض صحابہ کو تحریر حدیث کی اجازت مرحمت فرمائی اور نقل و روایت کی کچھ اصولی ہدایات ارشاد فرمائیں۔ ظاہر ہے کہ ان زمانوں کی تحریرات کا آئندہ کی نقل و روایت اور حدیث کی باقاعدہ جمع و تدوین میں بہت اثر رہا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ اس تدوین کا سہرا بہت حد تک ان پہلی تحریرات حدیث کے سر پر ہی بندھتا ہے جو اس پہلے دور میں حضور کی تعلیمات کے گرد وفا کے پھول پورے اہتمام سے چن چکی تھیں۔

صحابہ کرام کا دور تقریباً سنہ ۱۲۰ھ تک رہا ہے۔ آخری صحابہ حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہؓ کی وفات سنہ ۱۰۰ھ میں ہوئیؒ۔ تابعین کا دور سنہ ۱۷۰ھ تک رہا ہے اور تبع تابعین کا دور سنہ ۲۲۰ھ تک

ؒ صحابہ تابعین اور تبع تابعین کے تین طبقے خیر القرون کہلاتے ہیں یہاں قرن بمعنی طبقہ ہے صدی کے معنوں میں نہیں۔
ؒ دیکھیے صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۵۸ راجح یہ ہے کہ آپ کی وفات ۱۱۰ھ میں ہوئی۔ تہذیب التہذیب جلد ۵ صفحہ ۸۲

منتہی ہوا ہے۔ ان تین زمانوں کے بعد بدعات کھلے طور پر پھیلنے لگیں معتزلہ نے اپنی زبانیں کھولیں اور فلاسفہ نے اپنے سر اُٹھائے۔ اہل علم کی خلق قرآن کے مسئلہ میں آزمائش ہوئی۔ لوگوں کے دینی حالات بدلنے لگے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "پھر جھوٹ پھیل جائے گا"، تصدیق بن کر سامنے آگیا۔ تاہم شکر درگاہ ایزدی ہے کہ تدوین حدیث کے ابتدائی اور وسطانی مرحلے ان قرون ثلٰثہ مشہود لہا بالخیر میں سرانجام پا چکے تھے اور پھر جب جھوٹ کا دور دورہ ہوا تو محدثین نے حدیث کے گرد تحقیق و تنقید کے کڑے پہرے بٹھا دیے اور تاریخ بتاتی ہے کہ حدیث کے بڑے بڑے ذخیرے تیسری صدی ہجری میں مرتب ہو چکے تھے۔ اب ہم ابتدائی تحریرات حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اس باقاعدہ تدوین کی اساس تھیں اور جن کی اعتمادی حیثیت کسی پہلو سے مجروح قرار نہیں پا سکی۔

تدوین کی ابتدائی صورت

یہ تدوین بطور فن کے نہیں بطور یادداشت کے تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے کی اجازت بھی دے رکھی تھی۔ خود بھی بعض احکام سامنے لکھوا دیئے تھے۔ صحابہ کرامؓ نے بھی احادیث کی کچھ یادداشتوں کو محفوظ کر رکھا تھا۔ موجودہ ذخائر حدیث میں ان یادداشتوں کی کہیں کہیں نشاندہی ملتی ہے۔ بعض صحائف حدیث کا بھی کہیں کہیں ذکر آتا ہے ہم یہاں الصحیفۃ الصادقۃ، کتاب الصدقۃ، صحیفہ علی، صحیفہ عمرو بن حزم، صحیفہ جابر، صحیفہ سمرہ بن جندب، کتاب معاذ بن جبل، کتاب ابن عمر، کتاب ابن عباس، کتاب سعد بن عبادہ کا کچھ تذکرہ کریں گے۔ اس کے ضمن میں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انس بن مالکؓ کے جمع کردہ مجموعوں کا ذکر بھی کہیں کہیں کر دیا جائے گا۔ یہ پہلے دور کی حدیثی تحریرات ہیں۔

(۱) الصحیفۃ الصادقۃ

یہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا جمع کردہ صحیفہ تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ (۵۷ھ) کہتے ہیں:۔

ما من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم احدٌ اکثر حدیثاً عنہ منی الا ما
کان من عبد اللہ بن عمرو فانہ کان یکتب ولا اکتب[1]

ترجمہ: حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں مجھ سے زیادہ حضور کی حدیثیں رکھنے والا بجز عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کے اور کوئی نہ تھا اور اس کی بھی وجہ یہ تھی کہ عبد اللہ بن عمروؓ حدیثیں لکھتے تھے اور میں نہ لکھتا تھا۔

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ جو اس صحیفے کے مؤلف ہیں۔ ایک جگہ خود فرماتے ہیں:۔

حفظت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الف مثل[2]

ترجمہ: میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک ہزار امثال یاد کی ہیں۔

جب امثال کی احادیث ایک ہزار کے قریب تھیں تو عام احادیث کا ذخیرہ کس قدر ہوگا جو آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا ہوگا اور وہ آپ کے ہاں محفوظ ہوگا؟

حضرت عبد اللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) کو حدیثیں لکھنے کی اجازت جیسا کہ ہم تحریر حدیث کی بحث میں کہہ آئے ہیں۔ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دے رکھی تھی۔ محدث شہیر عبد الرزاق بن ہمام

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۲ المصنف لعبد الرزاق جلد ۱۱ صفحہ ۲۵۹ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۰۷ سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۰۲ حضرت ابو ہریرہؓ کا یہ عمل صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ تک تھا۔ آپ کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے بھی حدیثیں لکھنی شروع کر دی تھیں۔ آپ کے شاگرد حسن بن عمرو کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابو ہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث بیان کی آپ نے اس سے لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے کہا میں نے یہ حدیث تو آپ سے ہی سنی تھی۔ آپ نے فرمایا۔ ان کنت سمعتہ منی فھو مکتوب عندی۔ (جامع بیان العلم صفحہ ۷۴ وراجع لہ الفتح جلد ۱ صفحہ ۱۸۴) ترجمہ۔ اگر تم نے یہ مجھ سے سنی ہوگی تو میرے پاس لکھی بھی ہوگی۔

پھر آپ حسن بن عمرو کو اپنے ساتھ گھر لے گئے اور انہیں وہ ساری تحریرات دکھائیں اور ان میں وہ حدیث مل گئی۔ آپ نے کہا میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ اگر میں نے تمہیں سنائی ہوگی تو میرے پاس لکھی ہوئی بھی ہوگی۔ حضرت عمر بن عبد العزیز کے والد جب مصر کے گورنر تھے تو ان کے پاس بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی احادیث کا ایک مجموعہ موجود تھا۔ (دیکھئے طبقات ابن سعد جلد ۷ صفحہ ۴۴۸) [2] اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۳

الصنعانی (۲۱۱ھ) حضرت عطاء الخراسانی سے روایت کرتے ہیں :۔

ان عبداللہ بن عمرو بن العاص قال یارسول اللہ انا نسمع منك احادیث افتأذن لی فاکتبہا؟ قال نعم فکان اول ما کتب بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی اھل مکۃ کتابا۔[۱]

ترجمہ۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نے عرض کی۔ اے اللہ کے رسول! ہم آپ سے احادیث سنتے ہیں، کیا آپ اجازت دیتے ہیں کہ میں انہیں لکھ لیا کروں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ سو اس میں پہلی تحریر وہ تھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی طرف لکھی تھی۔

سنن ابی داؤد، مستدرک حاکم، معالم السنن اور طبقات ابن سعد[۲] میں اس کی تفصیل موجود ہے امام المفسرین تابعی کبیر حضرت مجاہد (۱۰۰ھ) کہتے ہیں میں نے حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے ہاں ایک صحیفہ گدے کے نیچے چھپا دیکھا تو اٹھا لیا۔ آپ نے مجھے ہاتھ لگانے سے روکا اور فرمایا:۔

ھذہ الصادقۃ ما سمعت من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لیس بینی و بینہ احد اذا سلمت ھذہ کتاب اللہ والوھط فلا ابالی علی ما کانت علیہ الدنیا۔[۳]

ترجمہ۔ یہ صحیفہ صادقہ ہے جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا اس میں مجھ میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اور کوئی شخص واسطہ نہیں ہے جب تک میرے پاس یہ احادیث اور قرآن ہیں اور وہط کی زمین ہے مجھے فکر نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔

یہ صحیفہ صادقہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کی اولاد کے پاس سالہا سال رہا۔ آپ کے پڑپوتے عمرو بن شعیب اسے باقاعدہ پڑھاتے تھے۔ حدیث کی موجودہ کتابوں میں جو احادیث اس سند سے مروی ہوں۔ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ۔ وہ اسی مجموعہ سے ماخوذ ہوتی ہیں۔

---

[۱] المصنف جلد ۸ ص۲۱۴ [۲] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص۱۵۳ مستدرک حاکم جلد ۱ ص۱۰۵ معالم السنن للخطابی جلد ۴ ص۱۸۴ طبقات ابن سعد جلد ۴ ص۸ [۳] جامع بیان العلم جلد ۱ ص۷۲ اسد الغابہ جلد ۳ ص۲۴۳

حافظ ابن حجر عسقلانی، یحیی بن معین اور علی بن المدینی کے حوالہ سے اس کی تصریح کرتے ہیں[۱] حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے اس صحیفے کا نام الصادقہ تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں :۔

ھٰذہ الصادقۃ ما سمعت من رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم لیس بینی وبینہ احد[۲]

ترجمہ۔ الصادقہ وہ کتاب ہے جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھی تھی۔ میرے اور آپ کے مابین کوئی اور راوی نہیں۔

امام ترمذی (۲۷۹ھ) نے بھی اپنی سنن میں اس صحیفہ صادقہ کا ذکر کیا ہے۔ ایک حدیث کے تحت آپ لکھتے ہیں :۔

وقد تکلم یحیی بن سعید فی حدیث عمرو بن شعیب وقال ھو عندنا واہ ومن ضعفہ فانما من قبل انہ یحدث من صحیفۃ جدہ عبداللّٰہ بن عمرو واما اکثر اھل العلم فیحتجون بحدیث عمرو بن شعیب ویثبتونہ[۳]

ترجمہ۔ عمرو بن شعیب کی حدیث میں یحییٰ بن سعید القطان کلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں وہ ہمارے ہاں کچھ نہیں اور جس نے ان کی حدیث کو ضعیف کہا ہے وہ اسی اساس پر کہا ہے کہ عمرو بن شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو کے صحیفہ سے روایت کرتے ہیں۔ اکثر اہل علم عمرو بن شعیب کی روایت سے سند لیتے ہیں اور اسے ثابت مانتے ہیں۔

اس وقت یہ بحث نہیں کہ عمرو بن شعیب واقعی یادداشت سے روایت کرتے تھے یا صرف اس صحیفے سے۔ اس وقت یہ موضوع زیر بحث نہیں۔ نہ یہ بحث ہے کہ تحریر سے روایت جائز ہے یا نہیں؟ یہاں ہمیں صرف یہ بتلانا ہے کہ قرون اولیٰ میں واقعی یہ صحیفہ موجود تھا اور حدیث کی یہ تحریر اپنی جگہ بہت قابل اعتماد سمجھی جاتی تھی۔

حضرت ابوہریرہؓ نے تصریح کی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) کے پاس ان سے زیادہ حدیثیں موجود تھیں۔ حضرت ابوہریرہؓ کی مرویات Reported traditions کی تعداد پانچ ہزار کے قریب بتلائی جاتی ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ اس

---

[۱] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۵۳-۴۹ [۲] سنن دارمی جلد ۱ ص ۱۲۷ [۳] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۴۳، ص ۸۲

سے بھی زیادہ تعداد میں احادیث جمع کر چکے تھے۔ حدیث کی یہ خدمت اس پہلے دور کی ہے جو حضورؐ اور صحابہؓ کا دور تھا۔ صحابہؓ کے دور کی یہ یادگار آئندہ بھی مدت تک موجود رہی۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ ھ) لکھتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے پوتے عمرو بن شعیب کے پاس یہ کتاب موجود تھی[1] حافظ جمال الدین زیلعی (۷۶۲ ھ) نے بھی اس نسخہ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کا ذکر کیا ہے۔[2]

۲ کتاب الصدقہ

یہ حضورؐ کے املاء فرمودہ احکام کا ایک مجموعہ ہے جو اس پہلے دور میں ہی ترتیب پا گیا تھا۔
حضرت عمرؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ تحریر کرائی تھی۔ یہ وہ احکام تھے جو آپؐ نے اپنے گورنروں کے لیے لکھوائے تھے۔ آپؐ ابھی انہیں بھیجنے نہ پائے تھے کہ آپؐ کی وفات ہو گئی۔ آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے اس پر عمل کیا اور ان کے بعد حضرت عمرؓ اس پر عمل کرتے رہے۔ محدث شہیر عبدالرزاق بن ہمام الصنعانی (۲۱۱ ھ) لکھتے ہیں :-

ان النبی کتب کتاباً فیہ ھذہ الفرائض فقبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان یکتب الی العمال فاخذ بہ ابوبکر و امضاہ بعدہ علی ما کتب۔[3]

ترجمہ۔ بے شک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کتاب تحریر کرائی تھی جس میں یہ فرائض لکھے گئے۔ پیشتر اس کے کہ حضورؐ اسے گورنروں کی طرف بھجوائیں، حضورؐ کی وفات ہو گئی۔ آپؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے یہ تحریر حاصل کی اور اسے آپ کی تحریر کے مطابق نافذ فرمایا۔

امام ترمذی نے بھی حدیث کی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں :-

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب کتاب الصدقۃ فلم یخرجہ الی عمالہ حتی قبض فقرنہ بسیفہ فلما قبض عمل بہ ابوبکر حتی قبض وعمر حتی قبض۔[4]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۸ صہ ۴۹ [2] نصب الرایہ جلد ۲ صہ ۳۴۲ [3] المصنف جلد نہم صہ ۲۵ سنن ابی داؤد جلد ۱ صہ ۲۱۹ [4] جامع ترمذی جلد ۱ صہ ۷۹، صہ ۱۰۱

ترجمہ. رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کتاب الصدقہ لکھوائی. آپ اسے اپنے عمال کی طرف بھیجنے نہ پائے تھے کہ آپ کی وفات ہوگئی. یہ آپ نے اپنی تلوار سے لگا رکھی تھی. جب آپ کی وفات ہوگئی تو حضرت ابوبکرؓ نے اس پر عمل فرمایا یہاں تک کہ آپ کی بھی وفات ہوگئی. پھر حضرت عمرؓ بھی اس پر عمل کرتے رہے. یہاں تک کہ آپ کی بھی وفات ہوگئی.

ان روایات سے پتہ چلتا ہے کہ اس پہلے دور میں قرآن کریم کے ساتھ ساتھ حدیث کے یہ ذخیرے یقیناً زیرِ عمل تھے اور اُمتِ اسلامی انہیں ایک مستقل ماخذِ علم کے طور پر برابر قبول کرتی تھی انہی پر ماخذوں پر خلفائے راشدینؓ کا عمل تھا. حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ اگر عمل بالحدیث کے قائل نہ ہوتے تو اس مجموعہ حدیث کو اپنے ہاں اس طرح حفاظت سے نہ رکھتے اور اس طرح اسے نافذ نہ کرتے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بعد یہ نسخہ (کتاب الصدقہ) حضرت عمرؓ کی اولاد کے پاس رہا. حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بیٹے سالم بن عبداللہ نے یہ کتاب امام زہری کو پڑھائی تھی. حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے بھی اس کی نقل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادوں (حضرت سالم اور حضرت عبداللہ) سے لے لی تھی.

امام زہری (۱۲۴ھ) اس کتاب کو درسًا پڑھایا کرتے تھے. آپ فرماتے ہیں:

> یہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کتاب ہے جو آپ نے صدقات پر لکھائی تھی. اس کا اصل نسخہ حضرت عمرؓ کی اولاد کے پاس رہا ہے. مجھے یہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادے حضرت سالم نے پڑھایا تھا. میں نے اسے پُورا حفظ کر لیا تھا..... حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی نقل حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے صاحبزادوں عبداللہ اور سالم سے حاصل کی تھی. یہ وہی نقل ہے.[۱]

حضرت امام زہری کو جمع احادیث پر حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے مامور کیا تھا. ظاہر ہے کہ انہوں نے ہی یہ نقل امام زہری کو دی ہوگی.

کتابُ الصدقہ کی نقول

حضرت ابوبکرؓ نے خود بھی اس تحریر کی نقول کرائیں اور اپنے عمال کو بھجوائیں. اسی طرح

---

[۱] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۲۰

حضرت عمرؓ نے بھی اس کی نقول لیں اور آگے اپنے عاملوں کو دیں. بعض حضرات کو گمان ہے کہ یہ اس کتاب الصدقہ سے جو حضورؐ نے لکھوائی تھی علیحدہ تالیفات ہیں. لیکن حضرت حماد بن سلمہ کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ کی کتاب الصدقہ وہی کتاب ہے جس پر کہ حضورؐ کی مہر تھی.

حضرت ابوبکرؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت انس بن مالکؓ کو عامل بنا کر بحرین بھیجا. تو انہیں ایک کتاب الصدقہ دی اور امر فرمایا کہ اس کے مطابق ان سے زکوٰۃ وصول کریں. یہ کتاب بعد میں حضرت انسؓ کے خاندان میں رہی. حضرت حماد بن سلمہ نے اسے حضرت انسؓ کے پوتے ثمامہ بن عبداللہ کے پاس بھی دیکھا تھا[۱]. وہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر ثبت تھی. اس کتاب کے کچھ حوالے صحیح بخاری میں بھی ملتے ہیں[۲]

حضرت عمرؓ کے پاس بھی غالباً اسی کتاب الصدقہ کی نقل ہو گی. جس میں حضرت عمرؓ نے اپنی روایت سے کچھ اور احادیث لکھ لی ہوں گی. جس کی وجہ سے محدثین اُسے حضرت عمرؓ کی اپنی کتاب الصدقہ کہنے لگے ہوں گے. حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں :-

انّه قرأ كتابَ عمر بن الخطاب فی الصدقة .[۳]

ترجمہ. حضرت عمر بن الخطابؓ کی کتاب الصدقہ میں نے خود پڑھی ہے.

ان روایات کی روشنی میں آپ اس کتاب کی اہمیت، شہرت اور ضرورت کا بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں. اس کتاب کے اقتباسات کا بعد کی بڑی کتبِ معروفہ میں پایا جانا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ کس طرح بعد کی تالیفاتِ حدیث ان ابتدائی تحریرات کی بنا پر ترتیب پائی ہیں.

(۳) صحیفہ علی مرتضیٰ

حضرت علی المرتضیٰؓ کے پاس بھی حدیث کی کچھ تحریرات موجود تھیں جنہیں صحیفۂ علیؓ کہتے تھے کتبِ حدیث میں اس کا ذکر بھی ملتا ہے. اسے کتابِ علی کے نام سے ذکر کرتے ہیں[۴]. امام بخاریؒ نے

---

[۱] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۲۱۸ [۲] دیکھئے بخاری کتاب الزکوٰۃ جلد صہ [۳] مؤطا امام مالک صفحہ ۱۰۹، صفحہ ۱۱۰
[۴] مصنف عبدالرزاق جلد ۳ صفحہ ۲۰۳

صحیح بخاری کے کئی ابواب میں اس کا ذکر کیا ہے[۱]۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ اس کے مضامین بہت پھیلے ہوئے تھے۔ تاریخ کی اس پر کھلی شہادت موجود ہے کہ پہلے دور میں اس صحیفہ علی کو بڑی شہرت حاصل تھی۔ شیعہ کتب حدیث میں بھی جا بجا کتاب علی کا نام ملتا ہے[۲]۔ حضرت علی مرتضیٰؓ فرماتے ہیں :-

من زعم ان عندنا شیئاً نقرؤہ الا کتاب اللہ وھذہ الصحیفۃ فقد کذب[۳]۔

ترجمہ۔ جس نے یہ خیال کیا کہ ہمارے پاس قرآن کریم اور اس صحیفہ کے علاوہ بھی کوئی اور چیز ہے جسے ہم پڑھتے ہیں تو اس نے جھوٹ کہا۔

اس صحیفہ حدیث میں زیادہ تر مالیات کے مسائل تھے۔ زکوٰۃ، دیت، خونبہا، فدیہ، ولا قصاص اور حقوق اہل ذمہ کی روایات تھیں۔ مدینہ شریف کے حرم ہونے کی احادیث بھی اس میں شامل تھیں۔ اب یہ روایات موجودہ کتب مدونہ میں عام ملتی ہیں۔ اونٹوں کی مختلف عمروں پر کیا کیا احکام ہیں ان کا بھی ان روایات میں کچھ ذکر تھا۔

صحیفہ علم کی نشر و اشاعت

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰؓ نے اس صحیفے کے بعض اجزاء کی نقلیں بھی لکھوا رکھی تھیں۔ آپ سہ لینے والے سے ان کے کاغذات کی قیمت ایک درہم لیتے تھے۔ آپ نے ایک دن خطبہ میں فرمایا :-

من یشتری علماً بدرھم[۴] ترجمہ۔ کون ہے جو علم کو ایک درہم میں خرید لے۔

۱؎ دیکھئے صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۸ جلد ۲ ص ۲۶ جلد ۴ ص ۱۲۲ جلد ۹ ص ۱۲ ص ۱۲۰ کتاب العلم کتاب الحج (فضائل المدینہ) کتاب الجہاد (باب فکاک الاسیر، باب ذمۃ المسلمین، باب اثم من عاہد ثم غدر) کتاب الاعتصام (باب مایکرہ من التعمق والتنازع) ۲؎ کافی کلینی جلد ۱ ص ۴۱ ص ۴۰۷ جلد ۲ ص ۲۷۸ ص ۴۸۴ ص ۲۲۲ جلد ۳ ص ۹ ص ۱۶۵ ص ۳۱ ص ۵۰۵ جلد ۴ ص ۳۶۸ ص ۳۸۹ ص ۳۹۰ جلد ۵ ص ۱۳۶ ص ۲۷۹ ص ۵۴ جلد ۶ ص ۲۰۲ ص ۲۴۶ ص ۲۵۵ معانی الاخبار ابن بابویہ ص ۱ ص ۱۰۲ شرح الفقیہ ص ۱۳ ص ۲۴ ص ۲۲ استبصار جلد ۴ ص ۲۸۹ ۳؎ صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۴۲ ص ۴۹۵ صحیح بخاری جلد ۱ ص ۳۸ المصنف لعبدالرزاق جلد ۹ ص ۲۶۳ جلد ۱۰ ص ۱۰ ۴؎ طبقات ابن سعد جلد ۶ ص ۱۶۸ ۵؎ ایضاً جلد ۵ ص ۴۶۹

علم ان دنوں حدیث کو کہا جاتا تھا۔ حارث الاعور نے ایک درہم میں کچھ ورق خرید لیے اور پھر حضرت علیؓ کی خدمت میں احادیث لکھنے کے لیے آئے۔ فکتب له علما کثیرا[۱]۔ آپ نے ان کو بہت سا علم (بہت سی احادیث) لکھا کر دیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے شاگردوں میں سے حجر بن عدی نے اور آپؓ کے بیٹے محمد بن الحنفیہ نے بھی اس صحیفہ علی کی نقلیں لے رکھی تھیں اور اس صحیفہ کی روایت آگے بھی چلتی رہی تھی۔ کسی شخص نے حجر بن عدی سے ایک مسئلہ پوچھا۔ آپ نے فرمایا وہ صحیفہ جو طاق میں رکھا ہے مجھے پکڑا دو۔ اس نے وہ صحیفہ آپ کو دیا۔ اس میں لکھا تھا۔

هذا ما سمعت علی بن ابی طالبؓ یذکر ان الطهور نصف الایمان[۱]

ترجمہ۔ یہ روایات ہیں جو میں نے علی ابن ابی طالب سے سُنیں۔ آپ حدیث بیان کرتے تھے کہ طہارت نصف ایمان ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حجر بن عدی کے پاس صحیفہ علی کی نقل موجود تھی۔ جو اُن کے ہاں طاق میں رکھا رہتا تھا۔

عبدالاعلیٰ غسانی (۱۱۸ھ) محمد بن الحنفیہ (۸۱ھ) سے بہت روایات کرتے تھے۔ ان کا محمد بن الحنفیہ سے سماع ثابت نہیں معلوم ہوا کہ ان کے پاس محمد بن الحنفیہ کی ایک کتاب تھی عبدالاعلیٰ اس کتاب سے محمد بن الحنفیہ کے نام سے روایتیں کرتے تھے[۲]

ظاہر ہے کہ یہ روایات محمد بن الحنفیہ نے اپنے والد حضرت علیؓ سے ہی لی ہوں گی۔ حضرت حسینؓ کے پوتے حضرت امام باقر کے ہاں بھی بعض صحف حدیث کا پتہ ملتا ہے۔ امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حدیثوں کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا۔

انما وجدتها فی کتبه[۳] کہ یہ روایات انہوں نے ان کی (امام باقر کی) کتابوں سے لی ہیں۔

(۴) صحیفہ عمرو بن حزم

یہ تحریر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کے لیے لکھائی تھی۔ اس میں زیادہ تر فرائض

---

[۱] طبقات ابن سعد جلد ۶ صفحہ ۲۲۰ [۲] دیکھئے تذکرہ عبدالاعلیٰ [۳] تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۱۰۴

وسنن اور دیات کے احکام تھے۔ انہیں صحیفہ عمرو بن حزم اس لیئے کہا گیا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تحریر حدیث حضرت عمرو بن حزمؓ (۵۳ھ) کے ہاتھ میں بھجوائی تھی اور آپ نے ہی اسے پڑھ کر سنایا تھا۔ امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) نے دیات کے سلسلے میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

قال الحارث بن مسكين قراءة عليه و انا اسمع عن ابن القاسم حدثني مالك عن عبد الله بن ابي بكر بن محمد بن عمرو بن حزم عن ابيه الكتاب الذي كتبه رسول الله صلى الله عليه وسلم لعمرو بن حزم في العقول ..... الخ[1]

اس روایت میں صریح طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی ایک کتاب کا ذکر ملتا ہے۔ اس میں اس کی بھی وضاحت ہے۔ کہ آپ نے عمرو بن حزمؓ کے لیئے یہ تحریر لکھائی تھی اور یہ کہ اس میں خونبہا اور دیات وغیرہ کے مسائل تھے۔

حضرت عمرؓ اس کتاب پر بڑا اعتماد فرماتے تھے اور اس کی احادیث کو حجت سمجھتے تھے۔ محدث شہیر عبدالرزاق الصنعانی (۲۱۱ھ) روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے انگلیوں کے بارے میں ایک فیصلہ صادر فرمایا۔ پھر آپ کے سامنے یہ کتاب پیش کی گئی۔ اس میں یہ حدیث تھی کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہے۔ اس پر آپ نے اپنے فیصلے کو واپس لے لیا اور حدیث کے اس فیصلے کو صادر فرمایا۔ محدث عبدالرزاق لکھتے ہیں:۔

قضى عمر بن الخطابؓ في الاصابع ثم اخبر بكتاب كتبه النبي لآل حزم في كل اصبع مما هنالك عشر من الابل فاخذ به و ترك امره الاول۔[2]

ترجمہ: حضرت عمرؓ نے انگلیوں کی دیت کے بارے میں فیصلہ کیا۔ پھر آپ کو اس کتاب کے حوالے سے جو حضورؐ نے آل حزم کے لیئے تحریر کروائی تھی یہ حدیث بتلائی گئی کہ ہر انگلی کی دیت دس اونٹ ہیں۔ آپ نے اس حدیث کو لے لیا اور اپنے پہلے فیصلے سے رجوع فرمایا۔

حضرت عمرؓ نے ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم کی طرف لکھا تھا:۔

ان يجمع له السنن و يكتب بها اليه۔[3] ترجمہ: کہ وہ ان کے لیئے احادیث جمع کریں

---

[1] سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۵۱ [2] المصنف لعبدالرزاق جلد ۹ صفحہ ۳۸۵ [3] ترتیب المدارک جلد ۱ صفحہ ۳۹

اور انہیں ان کی طرف بھجوائیں۔

انہوں نے احادیث جمع کیں اور پیشتر اس کے کہ انہیں ان کی طرف بھجوائیں حضرت عمرؒ کی وفات ہوگئی۔ سید التابعین حضرت سعید بن المسیب (۹۳ھ) کہتے ہیں:۔

وجدنا کتاباً عند آل حزم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الاصابع کلھا سواء۔[1]

ترجمہ۔ ہم نے آل حزم کے پاس ایک کتاب پائی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی تھی۔ اس میں تھا کہ تمام انگلیاں (دیت میں) برابر ہیں۔

عن عبد اللہ بن ابی بکر عن ابیہ عن جدہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کتب لہم کتاباً فیہ: وفی الانف اذا اوعب جدعہ الدیۃ کاملہ مئۃ ——— مئۃ من الابل۔[2]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے ایک تحریر لکھی اس میں تھا کہ ناک جب جڑ سے کاٹی جائے تو اس کی پوری دیت ہو گی سو ——— سو اونٹ

اس میں تصریح ہے کہ حضورؐ نے خود احکام پر مشتمل ایک کتاب لکھوائی۔

جلیل القدر تابعی امام زہری (۱۲۴ھ) بھی کہتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کتاب کو پڑھا ہے۔ عمرو بن حزمؓ کے پوتے نے انہیں یہ کتاب دی تھی۔ اس کے شروع میں تھا۔ هذا بيان من الله ورسوله۔ یہ کتاب اہل یمن کو پڑھ کر سنائی گئی تھی۔ یہی نسخہ امام زہری کے پاس تھا۔[3] حضرت عمر بن عبد العزیزؒ (۱۰۱ھ) نے ایک شخص کو مدینہ منورہ بھیجا تھا کہ وہ ٹیکسوں کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث جمع کرے۔ اسے حدیث کی یہ کتاب عمرو بن حزمؓ کے پوتے کے پاس ملی۔[4] امام مالکؒ (۱۷۹ھ) نے بھی موطا میں اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔[5] حافظ جمال الدین زیلعی (۷۶۲ھ) لکھتے ہیں:۔

---

[1] المصنف جلد ۹ صفحہ ۳۸۴ [2] المصنف جلد ۹ صفحہ ۳۳۸ اور ایک روایت میں یہ بھی ہے۔ وفی السن خمس من الابل۔ المصنف جلد ۹ صفحہ ۳۴۴ [3] نقرأ علی اهل الیمن۔ هذه نسخته سنن نسائی جلد ۲ صفحہ ۲۱۸ [4] سنن دار قطنی صفحہ ۵۸ [5] موطا امام مالک صفحہ ۱۸۱ مع تنویر الحوالک کتاب العقول

قال احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کتاب عمرو بن حزم فی الصدقات صحیح قال و احمد یشیر بالصحۃ الی ھذہ الروایۃ لا بغیرھا مما سیاتی وقال بعض الحفاظ من المتاخرین ونسخۃ کتاب عمرو بن حزم تلقاہ الائمہ الاربعۃ بالقبول وھی متوارثۃ کنسخۃ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ وھی دائرۃ علی سلیمان بن ارقم و سلیمان بن داؤد الخولانی ــــ عن الزہری عن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم[1]

ترجمہ۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عمرو بن حزم کی کتاب الصدقات صحیح ہے۔ امام احمد کا اشارہ اس کی روایت کی صحت کی طرف ہے۔ اگلی بات اس کے خلاف نہیں۔ متاخرین کے بعض حفاظ حدیث نے کہا ہے کہ عمرو بن حزم کی اس کتاب کو ائمہ اربعہ نے قبول کیا ہے اور یہ اسی طرح متوارث چلا آرہا ہے جس طرح عمرو بن شعیب کا نسخہ جسے وہ اپنے باپ سے اور پھر اپنے دادا سے نقل کرتے چلے آرہے ہیں اور اس کا مدار سلیمان بن ارقم اور سلیمان بن ابی داؤد پر ہے وہ اسے امام زہری سے نقل کرتے ہیں اور وہ محمد بن عمرو بن حزم سے۔

اس صحیفہ عمرو بن حزم میں صرف ٹیکسوں کے مسائل ہی نہ تھے۔ عام احکام کی احادیث بھی اس میں بکثرت موجود تھیں، نماز، زکوٰۃ، عشر، عمرہ، حج، جہاد، تقسیم غنائم، جزیہ اور دیات وغیرہ کے مسائل بھی تھے۔ محدث عبدالرزاق نے طہارت کے سلسلہ میں اس کتاب سے یہ روایت نقل فرمائی ہے:

فی کتاب النبی لعمرو بن حزم لا یمس القرآن الا علی طہر[2]

ترجمہ۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو عمرو بن حزم کے لیے جو کتاب لکھوائی اس میں ہے کہ قرآن کریم کو بغیر طہارت نہ چھوئے۔

کتب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) الی عمرو بن حزم حین وجھہ الی نجران ان اخر الفطر و ذکر الناس وعجل الاضحیٰ[3]

ترجمہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عمرو بن حزم کو جب نجران بھیجا تو انہیں جو

---

[1] نصب الرایہ جلد ۲ صد ۳۴۲ [2] المصنف جلد ۱ صد ۳۴۲ [3] المصنف جلد ۳ صد ۲۸۶

احکام لکھ کر دیئے اُن میں یہ بھی تھا کہ عید الفطر کی نماز ذرا دیر سے اور عید الاضحیٰ کی نماز ذرا جلدی پڑھیں اور لوگوں کو (خطبہ میں) نصیحتیں کریں۔

صحابہ کرام اور تابعین عظام کو حدیث کے اس مجموعے کا بخوبی علم تھا وہ اس کی طرف مبہمات مسائل میں مراجعت کرتے تھے اور اس کے سامنے اپنی رائے چھوڑ بھی دیتے تھے۔ حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ) لکھتے ہیں:۔

کان اصحاب النبیؐ والتابعون یرجعون الیه و یدعون الی و یدعون آرائهم[1]

ترجمہ۔ صحابہ کرام اور تابعین عظام اس کی طرف مراجعت کرتے اور اسکی طرف بلاتے اور اپنی آراء کو چھوڑ دیتے۔

المصنف بعبد الرزاق میں اس صحیفہ عمرو بن حزم کا بہت تذکرہ ملتاہے اور ان النبی

المصنف لعبد الرزاق میں اس صحیفہ عمرو بن حزم کا بہت ذکر ملتاہے۔ اور ان النبی کتب لهم کتاباً کے الفاظ کی جگہ آئے ہیں[2] سنن دار قطنی[3] (۳۸۵ھ) اور سنن بیہقی[4] (۴۵۸ھ) میں بھی اس کا ذکر پہلے دور کی کتاب کے طور پر موجود ہے یعقوب بن سفیان الفسوی کہتے ہیں:۔

لا اعلم فی جمیع الکتب المنقولة اصح منه و اصحاب النبیؐ والتابعون یرجعون الیه و یدعون آرائهم[5]

ترجمہ۔ جو کتابیں اب تک نقل ہوتی آئیں اس سے زیادہ صحیح کتاب مجھے ان میں نہیں ملی صحابہ کرام اور تابعین اسی کی طرف مراجعت فرماتے تھے اور اپنی باتیں چھوڑ دیتے تھے۔

صحت روایت اور صحت نسخہ کی اس سے بڑی ضمانت کیا ہو سکتی ہے کہ روایات حضورؐ کی اپنی لکھوائی ہوئی ہوں اور اس نسخے کے امین آپ کے ایک صحابی ہوں۔

⑤ صحیفہ جابرؓ

حضرت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ (۷۴ھ) مسجد نبوی کے مدرس حدیث تھے۔ آپ کے پاس بھی حدیث کی ایک دستاویز تھی۔ محدثین کی ایک بڑی تعداد نے ان سے اسکی روایت

---

[1] نصب الرایہ للزیلعی جلد ۲ صفحہ ۳۴۲ [2] المصنف جلد ۴ صفحہ ۴ صفحہ جلد ۹ صفحہ ۳۳۵ صفحہ ۳۴۴ [3] دار قطنی صفحہ ۴۵
[4] سنن کبریٰ جلد ۱ صفحہ ۸۵ [5] زیلعی جلد ۲ صفحہ ۳۴۲

لی ہے۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) حضرت قتادہؒ (۱۰۷ھ) کی عجیب قوتِ حافظہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صحیفہ جابرؓ ان کے سامنے ایک دفعہ پڑھا گیا تو انہیں یاد ہو گیا۔[۱] حضرت قتادہؒ نے خود بھی فرمایا:۔

لانا لصحیفة جابر احفظ منی لسورة البقرة[۲]

ترجمہ۔ میں صحیفہ جابر کا سورۂ بقرہ سے بھی زیادہ پختہ حافظ ہوں۔

اس سے صحیفہ جابر کی ضخامت کا بھی کچھ اندازہ ہوتا ہے اور اس روایت سے یہ پتہ بھی چلتا ہے کہ پہلی صدی کے آخر میں صحابہ کرامؓ کی یہ تحریرات تابعین کے پاس آچکی تھیں اور خاصی معروف تھیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس صحیفہ جابرؓ کا ذکر کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں کہ حضرت سفیان ثوری (۱۶۱ھ) نے بھی اس صحیفہ سے روایات لی ہیں۔[۳]

حضرت جابرؓ کے شوقِ حدیث کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ صرف ایک حدیث کی طلب میں جو آپ نے حضورؐ سے براہِ راست نہ سنی تھی اور آپ کو اطلاع ملی تھی کہ وہ حدیث حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ نے حضورؐ سے سنی ہوئی ہے۔ آپ نے ایک مہینہ بھر کا سفر کیا اور شام پہنچے اور اُن سے براہِ راست وہ حدیث سنی۔ امام بخاریؒ لکھتے ہیں:۔

ورحل جابر بن عبداللہ مسیرة شھر الی عبداللہ بن انیس فی حدیث واحد۔[۴]

ترجمہ۔ اور جابر بن عبداللہ نے جابر بن انیس کی طرف ایک حدیث کے لیے مہینے بھر کا سفر کیا (وہ شام میں تھے)

صرف سماع ہی نہیں حدیث لکھنے کا بھی آپ کو بہت شوق تھا۔ ربیع بن سعد کہتے ہیں:۔

رأیت جابرًا یکتب عند ابن سابط فی الواح۔[۵]

ترجمہ۔ ابن سابط کے ہاں میں نے حضرت جابرؓ کو کئی تختیوں پر روایات لکھتے دیکھا۔

حضرت علیؓ کے نواسے عبداللہ بن محمد اور امام باقر بھی حضرت جابرؓ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور ان سے احادیث لکھا کرتے تھے۔[۶]

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبیؒ جلد ۱ صفحہ ۱۱۶ [۲] تہذیب التہذیب جلد ۸ صفحہ ۳۵۴ [۳] ایضاً جلد ۵ صفحہ ۲۷ [۴] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۷ [۵] جامع بیان العلم جلد ۱ صفحہ ۷۲ [۶] المحدث الفاصل للرامہرمزی صفحہ ۱۴۷

صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہؓ نے فرمایا:۔

كتب النبي (صلى الله عليه وسلم) على كل بطن عقوله ثم كتب انه لا يحل ان يتوالى مولى رجل مسلم بغير اذنه ثم اخبرت انه لعن فى صحيفة من فعل ذلك۔[1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھوایا کہ ہر قبیلہ (بطن) پر اس کے خونبہا لازم آئیں گے۔ پھر آپ نے یہ لکھوایا کہ کوئی شخص کسی دوسرے مسلمان کا مولیٰ نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ دوسرا اسے اس کا اذن نہ دے۔ پھر مجھے پتہ چلا کہ آپ نے اُس شخص پر لعنت لکھوائی جو ایسا کرے۔

یہ خبر ابوالزبیر (ھ) دے رہے ہیں کہ صحیفہ جابرؓ میں اس کردار پر لعنت کی گئی۔ نفس مسئلہ اپنی جگہ رہا تاہم اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحیفہ جابرؓ ان دنوں بھی موجود اور معروف تھا۔

حافظ ذہبی کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ اس صحیفہ کے علاوہ حج پر بھی آپ کی ایک مختصر تالیف تھی۔ آپ فرماتے ہیں۔ وله منسك صغير فى الحج[2] امام مسلم نے صحیح مسلم کتاب الحج میں حجۃ الوداع کی روایت بڑی طویل ذکر کی ہے اور یہ صحیح ہے کہ وقائع حجۃ الوداع کے سب سے بڑے حافظ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ تھے۔ معلوم ہوتا ہے کہ صحیح مسلم میں انکا رسالہ منسک صغیر پورا لے لیا گیا ہے۔ ذکرہ الذہبی فی التذکرۃ۔

صحیفہ جابرؓ سے مشہور محدث معمر بن راشد نے بھی احادیث روایت کی ہیں[3] صحیفہ جابر کی ایک نقل اسماعیل بن عبدالکریم کے پاس بھی تھی جو وہب بن منبہ کی تحریر کردہ تھی[4] حضرت حسن بصریؒ نے حضرت جابرؓ کی روایات اسی صحیفہ جابر سے لی تھیں[5]

(۶) صحیفہ سمرۃ بن جندبؓ

حضرت سمرہ بن جندبؓ (۵۹ھ) نے بھی کچھ احادیث جمع کی تھیں۔ ابن سیرین (۱۱۰ھ)

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۹۵ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۴۱ [3] دیکھئے المصنف لعبدالرزاق جلد ۱ صفحہ ۱۸۳
[4] تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۱۵ [5] ایضاً جلد ۲ صفحہ ۲۶۷

فرماتے ہیں کہ اس میں علم کثیر موجود ہے[1] امام حسن بصری (۱۱۰ھ) اسے روایت کرتے تھے[2] ابن حجر عسقلانی اسے نسخۂ کبیرہ کہہ کر ذکر کرتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کثیر حدیثی مواد موجود تھا۔ امام ترمذی اپنی سنن میں لکھتے ہیں :-

قال علی بن المدینی سماع الحسن من سمرة صحیح وقد تکلم بعض اهل الحدیث فی روایة الحسن عن سمرة وقالوا انما یحدث عن صحیفة سمرة[4]

ترجمہ۔ امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) کہتے ہیں حسن بصری کا سمرہ بن جندبؓ سے احادیث سننا صحیح ہے۔ لیکن بعض محدثین نے اس میں کلام کیا ہے۔ ان کا خیال ہے کہ حسن حضرت سمرہؓ کے صحیفے سے روایت کرتے تھے۔ خود انہوں نے حضرت سمرہ سے احادیث نہیں سنیں۔

حضرت حسن بصری کی سمرہ بن جندبؓ سے روایت براہ راست ہو یا ان کے صحیفہ سے لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ اس دور میں حضرت سمرہ بن جندبؓ کا جمع کردہ یہ مجموعہ حدیث موجود اور معروف تھا اور محدثین روایت میں اس سے مدد لیتے تھے۔ یحییٰ بن سعید القطان کہتے ہیں کہ حسن بصری نے جتنی روایات حضرت سمرہ بن جندبؓ سے لی ہیں، سب اسی صحیفہ سے ماخوذ ہیں[3]۔ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) نے اس صحیفہ سمرہ بن جندبؓ کا متعدد مقامات پر ذکر کیا ہے۔ حضرت سمرہ بن جندبؓ کے بعد یہ مجموعہ حدیث ان کے صاحبزادے سلیمان کے پاس رہا۔ پھر ان کے بعد ان کے بیٹے حبیب بن سلیمان کی تحویل میں رہا۔ سلیمان اور حبیب دونوں نے اس مجموعہ سے احادیث روایت کی ہیں۔

(۷) کتاب معاذ بن جبلؓ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ (۱۸ھ) کا شمار فضلاء صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ آپ انصار میں سے تھے اور علم و فضل میں آپ مجتہد کا درجہ رکھتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۳۶ [2] ایضاً جلد ۲ ص ۲۶۹ [3] ایضاً جلد ۴ ص ۱۹۸ [4] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۵۵ [5] طبقات ابن سعد جلد ۷ ص

آپ کو یمن کا قاضی اور معلم بنایا تو آپ نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کریں گے۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اظہار مسرت فرمایا اور آپ کو مجتہد ہونے کی عزت کرامت فرمائی۔ ارشاد فرمایا:-

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ[1]

ترجمہ سب تعریف اس اللہ کیلئے جس نے اپنے رسول کے قاصد کو اس چیز کی توفیق بخشی۔ جس سے اللہ کا رسول راضی ہو۔

حدیث کی کتب مدونہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے بھی حدیث کا ایک مجموعہ ترتیب دے رکھا تھا۔ حضرت ابن طاؤس اپنے والد طاوس بن کیسان (۱۰۵ھ) سے روایت کرتے ہیں:-

فی کتاب معاذ بن جبل من ارتھن ارضاً فھو یحسب ثمرھا لصاحب الرھن من عام حج النبی (صلی اللہ علیہ وسلم)[2]

ترجمہ۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی کتاب میں تھا کہ جس شخص نے زمین رہن لی تو وہ پھلوں سمیت مالک کی ہی رہے گی۔

ابن طاؤسؒ بار بار اپنے والد سے ایک کتاب کا ذکر کرتے ہیں اور اسے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب بتلاتے ہیں۔ ابن جریج (۱۵۰ھ) کہتے ہیں:-

(۱) اخبرنی ابن طاؤس قال عند ابی کتاب عن النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) فیہ وفی الید خمسون وفی الرجل خمسون[3]

ترجمہ۔ حضرت ابن طاؤس (ھ) نے مجھے خبر دی کہ میرے باپ کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ایک کتاب تھی۔ اس میں تحریر تھا کہ ہاتھ اور پاؤں کی دیت پچاس اونٹ ہیں۔

(۲) اخبرنی ابن طاؤس قال عند ابی کتاب عن النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) فیہ واذا قطع الذکر ففیہ مئۃ ناقۃ قد انقطعت شھوتہ وذھب نسلہ[4]

ترجمہ۔ حضرت ابن طاؤس کہتے ہیں کہ میرے باپ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمودہ ایک کتاب تھی جس میں لکھا تھا کہ کسی شخص کا آلۂ تناسل کاٹ دیا

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۲ صہ [2] رواہ الترمذی وابوداؤد والدارمی کما فی المشکوٰۃ صہ ۳۲۴ [3] المصنف جلد ۹ صہ ۳۸۱ [4] ایضاً صہ ۳۷۲

جائے تو اس میں سو اُونٹ دیت لازم آئے گی۔ اس کا جوہرِ مردانہ جاتا رہا اور اُسکی نسل (کی راہ) بھی گئی۔

(۳) عند ابی کتاب فیہ ذکر من العقول جاء بہ الوحی الی النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) انہ ما قضی بہ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) من عقل او صدقۃ فانہ جاء بہ الوحی[1]

ترجمہ۔ میرے باپ کے پاس ایک کتاب تھی جس میں خونبہا اور دیت کے مسائل تھے۔ یہ مسائل وحی کے ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتلائے گئے تھے۔ حضورؐ نے خونبہا کی یا صدقہ کی جس بات کا بھی فیصلہ فرمایا وہ وحی خداوندی سے تھا۔

اسی روایت میں جہاں یہ تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی غیر متلو بھی اُترتی تھی وہاں یہ بات بھی موجود ہے کہ اس دور میں بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کسی نہ کسی درجے میں کتابی شکل پائے ہوئے تھیں۔ ابن طاؤس ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:۔

(۴) عند ابی کتاب عن النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) فیہ وفی الاصابع عشر عشر[2]

ترجمہ۔ میرے باپ کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک کتاب تھی جس میں لکھا تھا کہ انگلیوں کی دیت دس دس اُونٹ ہیں۔

ان روایات میں اس کتاب کا نام مذکور نہیں۔ جو حضرت طاؤس بن کیسان کے پاس تھی اور وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی تھی لیکن محدث عبدالرزاق المصنف باب میں حضرت طاؤس کی روایت سے ایک کتاب کتاب معاذ بن جبلؓ کا ذکر کرتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت طاؤسؒ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی لکھوائی ہوئی کتاب ہوگی۔ جو حضرت معاذؓ نے مرتب کی تھی۔ حضرت معاذؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نہایت معتمد اور مقرب صحابی تھے اور اُن ستر صحابہؓ میں سے تھے جنہوں نے عقبہ ثانیہ میں حضورؐ کی بیعت کی تھی۔

---

[1] المصنف جلد ۹ صفحہ ۲۷۹ [2] ایضاً جلد ۱۰ صفحہ ۳۸۳

⑧ کتاب عبداللہ بن عمرؓ

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پوتے عبدالحمید کے پاس اُن کے داداکی ایک کتاب موجود تھی جس میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے بعض واقعات کو قلمبند کر رکھا تھا حضرت یحییٰ بن سعید انصاری (ھ) کہتے ہیں کہ عبدالحمید نے اس کتاب کی ایک نقل انہیں بھی دی تھی۔ اس کی ابتدائی عبارت یہ تھی :۔

هٰذا ما كتب عبدالله بن عمر[1] ..... الخ

ترجمہ۔ یہ وہ کتاب ہے جو عبداللہ بن عمرؓ نے لکھی تھی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ بھی کچھ تحریریں تیار کر چکے تھے۔ آپ کے شاگرد اور آزاد کردہ غلام حضرت نافعؒ کا حدیث لکھنے کا شوق اور عمل بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ سلیمان بن موسیٰ حضرت نافع کے بارے میں لکھتے ہیں۔ کہ وہ حدیثیں املا کرتے ہیں اور وہ ان کے سامنے لکھی جاتی تھیں[2] حضرت سعید بن جبیر (۹۵ ھ) بھی جب ان سے احادیث سُنتے تو لکھتے جاتے۔ آپ بیان کرتے ہیں :۔

كنت اسمع من ابن عمر وابن عباس الحديث بالليل فاكتب في واسطة الرحل[3]۔

ترجمہ۔ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے اور حضرت ابن عباسؓ سے رات کو حدیثیں لکھا کرتا تھا میں اسے پالان کے سہارے لکھ لیتا تھا۔

⑨ کتاب ابن عباسؓ

حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ ھ) نے بھی حدیث کی ایک مقدار لکھ لی تھی۔ لوگ دُور دُور سے آکر ان روایات کی سند لیتے تھے۔ حضرت عکرمہ (ھ) کہتے ہیں کہ ایک دفعہ طائف سے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے۔ ان کے پاس آپ کی تحریرات میں سے ایک تحریر تھی۔ آپ نے انہیں کہا کہ یہ مجھے سناؤ۔ میرا ان کا اقرار کرنا اس طرح ہے گویا کہ میں نے تمہیں پڑھ کر

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۶ صفحہ ۱۱۸ [2] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۰۵ [3] ایضاً

سُنائیں۔ امام ترمذیؒ کتاب العلل میں لکھتے ہیں :۔

عن عکرمۃ ان نفرا قدموا علی ابن عباس من بعل الطائف بکتاب من کتبہ فجعل یقرأ علیہم فیقدم و یوخر فقال انی بلھت لھذہ المصیبۃ فاقروا علی فان اقراری بہ کقرأتی علیکم۔[1]

ترجمہ۔ حضرت عکرمہ سے روایت ہے کہ بعل الطائف سے کچھ لوگ حضرت عبداللہ کے پاس ان کی تحریروں میں سے ایک کتاب لائے۔ آپ نے اسے ان کے سامنے پڑھنا شروع کیا اور تقدیم و تاخیر فرمائی۔ آپ نے کہا کہ میں اس مصیبت سے پریشان ہو گیا ہوں۔ تم ہی اسے میرے سامنے پڑھو میرا اس کا اقرار کرتے جانا اس طرح ہے کہ گویا میں نے ہی اسے تمہارے سنا پڑھا۔

اس میں آپ نے تعلیم دی کہ تم میرے اقرار کی بنیاد پر بھی اسے میری طرف سے روایت کر سکتے ہو۔ ضروری نہیں کہ تم نے اس کا لفظ لفظ مجھ سے ہی سنا ہو۔

کتاب ابن عباسؓ کی شہادت صحیح مسلم شریف کی ایک روایت سے بھی ملتی ہے۔ امام مسلم نقل کرتے ہیں۔ کہ آپ کے پاس ایک کتاب لائی گئی جس میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے کچھ فیصلے Legal decisions درج تھے۔ آپ نے اس سے اپنی کتاب میں کچھ لکھا بھی اور بعض چیزوں کے بارے میں کہا کہ یہ حضرت علیؓ نے ہرگز نہ کہا ہو گا۔ صحیح مسلم میں ہے :۔

فدعا بقضاء علی فجعل یکتب منہ اشیاء و یمرّ بہ الشیٔ فیقول واللہ ما قضی بھذا علی الا ان یکون ضل۔[2]

ترجمہ۔ آپ نے حضرت علی کے فیصلے منگوائے ان میں سے بعض چیزوں کے نوٹ بھی لیئے اور کئی باتیں آپ کے سامنے سے اس طرح بھی گزریں۔ کہ آپ کہتے گئے بخدا علیؓ نے یہ فیصلہ نہ کیا ہو گا۔ مگر یہ کہ کہیں بھٹک گئے ہوں۔

اس سے جہاں یہ پتہ چلتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ اپنی کتاب کے بارے میں بہت محتاط تھے۔ وہاں اس بات کی بھی شہادت ملتی ہے کہ اس دور میں ہی حضرت علیؓ کے نام سے

---

[1] ترمذی شریف کتاب العلل جلد ۲ صت ۲۸۳۔ [2] صحیح مسلم جلد ۱ صنا

افترا ات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ شیعہ حضرت علیؓ کے نام پر جو کچھ کہتے تھے وہ آپ کی تعلیمات نہ تھیں۔ سو علماء اہلسنت حضرت علیؓ کی انہی روایات پر اعتماد کرتے تھے۔ جو کوفہ میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے منقول ہوں۔ کوفہ میں یہی ایک مسند علم ایسی تھی جہاں حضرت علیؓ کی صحیح تعلیمات شیعی تقیہ سے محفوظ رہ سکی تھیں۔ حضرت ابن عباسؓ ان پر تنقیدی نظر رکھتے تھے۔

(۱۰) کتاب سعد بن عبادہؓ

حضرت سعد بن عبادہؓ سردارانِ انصار میں سے تھے۔ قبل از اسلام بھی لکھنا جانتے تھے۔ حدیث کی مدوّن کتابوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے حدیث کا کوئی مجموعہ ترتیب دے رکھا تھا۔ ربیعہ بن ابی عبدالرحمٰن (۱۳۶ھ) کہتے ہیں کہ انہیں سعد بن عبادہؓ کے ایک لڑکے نے اپنے باپ سعدؓ (۱۵ھ) کی کتاب سے ایک حدیث سنائی۔ امام ترمذی لکھتے ہیں:۔

قال ربیعة وأخبرنی ابن سعد بن عبادة قال وجدنا فی کتاب سعد ان النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) قضی بالیمین مع الشاھد۔[1]

ترجمہ۔ حضرت ربیعہ (۱۳۶ھ) کہتے ہیں مجھے سعد بن عبادہ کے بیٹے نے بتلایا کہ ہم نے حضرت سعد کی (جمع کردہ) کتاب میں یہ حدیث پائی۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم پر ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ فرمایا۔

حدیث کی یہ وہ تحریریں اور دستاویزات ہیں جو بیشتر عہد نبوی میں ہی قلمبند ہو چکی تھیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کاتبین حدیث میں آپ کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (۵۸ھ) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ (۵۷ھ) اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ (۹۱ھ) کا نام نہ ملے گا۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان حضرات کے ہاں حدیثوں کو زبانی یاد رکھنا اور آگے روایت کرنا زیادہ اہم سمجھا جاتا تھا۔ لیکن جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ کی مرویات کو ان کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر[2] (۹۴ھ) نے حضرت ابوہریرہؓ

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۱۶۲ [2] حضرت عروہ بن الزبیر نے یہاں تک مرویات ام المؤمنین جمع کر لی تھیں کہ بر ملا فرمایا کرتے تھے میں حضرت عائشہ صدیقہ کی وفات سے چار پانچ سال پہلے (بقیہ اگلے صفحہ پر)

کی مرویات کو ان کے شاگرد ہمام بن منبہ[۱] (۱۰۱ ھ) اور بشیر بن نہیک[۲] (۹۹ ھ) اور حضرت انسؓ کی مرویات کو ان کے شاگرد حضرت ابان بن عثمان (۱۰۵ ھ) نے استاد کے سامنے قلمبند کرنا شروع کر دیا تھا. تو پھر یہ موضوع اور بھی بہت واضح ہو جاتا ہے. خود حضرت انس کے پاس بھی حدیث کی کئی بیاضیں موجود تھیں. جن کی شہادت سعید بن ہلال کے بیان میں بہت واضح طور پر ملتی ہے.[۳]

(بقیہ حاشیہ) اس گمان پر آچکا تھا کہ اگر آج ان کا انتقال ہو جائے مجھے اس بات پر پشیمانی نہ ہوئی. کہ میں نے ان کی روایت کردہ کوئی حدیث محفوظ نہ کی ہو. حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن (۱۵ ھ) حضرت ام المومنین کی بھتیجی تھیں اور قاسم بن محمد (۱۰۷ ھ) بھی حضرت کے بھتیجے تھے. یہ دونوں بھی حضرت ام المومنین کے علوم کے وارث تھے. مشہور محدث سفیان بن عینیہ کہتے ہیں. کہ حضرت عائشہ کی روایات کا سب سے زیادہ علم عروہ، عمرہ اور قاسم کے پاس تھا. تہذیب التہذیب جلد ۷ صـ۱۸۲ جلد ۸ صـ۲۳۴ عروہ تو حضرت ام المومنین کی زندگی میں ہی ان کی احادیث لکھ چکے تھے. گر یہ مجموعہ ان سے ضائع ہو گیا تھا. مگر حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن کی روایت کردہ احادیث حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے پورے اہتمام سے لکھ لی گئیں. آپ نے حضرت عمرہ کے بھانجے ابو بکر بن محمد بن عمرو بن حزم کو لکھا کہ حضرت عمرہ کی احادیث قلمبند کریں. تہذیب التہذیب جلد ۱۲ صـ۴۳۹ بعض روایات میں ہے کہ حضرت قاسم بن محمد کی مروی احادیث بھی ساتھ ہی جمع کی گئیں تھیں.

(حاشیہ صفحہ ہذا) [۱] ہمام بن منبہ کے اس مجموعہ کا نام الصحیفۃ الصحیحہ تھا. حضرت ابو ہریرہؓ نے انہیں یہ حدیثیں خود قلم بند کرائی تھیں. یہ صحیفہ اب صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے بے مثال مقدمے کے ساتھ حال ہی میں چھپ چکا ہے. یہ کتاب اس وقت حدیث کی قدیم ترین کتاب ہے جو مل سکتی ہے. [۲] آپ نے بھی حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ احادیث بڑے اہتمام سے جمع کی تھیں. آپ کہتے ہیں.

فلما اردت ان افارقه اتيته بكتابه فقرأت عليه.

ترجمہ. میں نے جب حضرت ابو ہریرہؓ سے الوداع ہونا چاہا تو آپ کے پاس حاضر ہوا اور تمام روایات آپ کو پڑھ کر سنائیں. آپ نے ان کی تصدیق فرمائی.

دیکھئے سنن دارمی جلد ۱ صـ۱۰۵ جامع بیان العلم جلد ۱ صـ۷۲ طبقات ابن سعد جلد ۷ صـ۲۲۳

[۳] دیکھئے مستدرک حاکم جلد صـ معرفۃ الصحابہ جلد ۳ صـ۵۷۴

کہ حدیث کی تدوین اس پہلے دور میں ہی شروع ہو چکی تھی۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے دو ہزار دو سو دس حدیثیں مروی ہیں، جن میں سے ۲۲۸ صحیح بخاری میں اور ۲۳۲ صحیح مسلم میں منقول ہیں۔ ان میں سے ۱۷۴ پر دونوں امام متفق ہیں۔ باقی مرویات دیگر حدیثی ذخائر میں ملتی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے پانچ ہزار تین سو چوہتر حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے صحیح بخاری میں ۴۴۸ اور صحیح مسلم میں ۵۴۵ منقول ہیں۔ ۳۲۵ پر دونوں امام متفق ہیں اور باقی روایات دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔ حضرت انس بن مالکؓ جن کی زیارت کا شرف امام ابو حنیفہؒ نے بھی پایا۔ ان سے دو ہزار دو سو چھیاسٹھ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے ۱۵۰ صحیح بخاری میں اور ۲۵۹ صحیح مسلم میں مروی ہیں۔ ان میں سے ۱۶۸ پر دونوں امام متفق ہیں۔ اُن کی باقی احادیث دیگر کتابوں میں منقول ہیں۔ ان جہاندہ علم صحابہ کرامؓ کے سامنے اُن کے شاگردوں (تابعین کرامؒ) نے حدیث لکھنی شروع کر دی تھی۔ صحابہؓ کی اپنی تحریرات کے بعد تدوین حدیث کا یہ دوسرا دور تھا۔ ایک ایک حدیث کے لیئے یہ حضرات دور و دراز کے سفر کرتے تھے اور اس تمام محنت کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں عبادت سمجھا جاتا رہا۔ حضرت ابو الدرداءؓ شام کی ایک مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے کہا:

یا ابا الدرداء انی جئتك من مدینة الرسول صلی اللہ علیہ وسلم لحدیث بلغنی انك تحدثه عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما جئت لحاجة۔[1]

ترجمہ: میں مدینہ منورہ سے آپ کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سننے کے لیئے حاضر ہوا۔ مجھے پتہ چلا تھا کہ وہ حدیث آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی۔ میں یہاں کسی اور کام کے لیئے حاضر نہیں ہوتا۔

حضورؐ کے زمانے میں روایت حدیث اور تدوین حدیث کی یہ کوششیں صرف اسی ماحول میں جاری تھیں۔ جہاں قرآن میں غیر قرآن کے التباس کا اندیشہ نہ تھا اور وہ بھی زیادہ تر اسی لیئے کہ یہ حضرات ان روایتوں کو بھول نہ جائیں۔ ورنہ جو حضرات اپنی قوتِ حافظہ پر زیادہ اعتماد رکھتے تھے۔ اُن کے ہاں مدتوں زبانی نقل و روایت اور بار بار کے مذاکراتِ حدیثی سے ہی

---

[1] رواہ احمد والدارمی والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ کما فی المشکوٰۃ ص۳۴

اس متاعِ علمی کا پہرہ دیا جاتا رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوہریرہؓ اور حضرت انس بن مالکؓ اور امیر معاویہ رضؓ وغیرہم نے بھی احادیث کے مجموعے تیار کیے حضرت براء بن عازبؓ (۷۲ھ) حضرت زید بن ثابتؓ (۴۵ھ) اور حضرت امیر معاویہؓ کے ذوقِ حدیث اور ان کی مرویات کے قلمبند کیے جانے سے کون آشنا نہیں۔ عبداللہ بن حنش کہتے ہیں میں نے حضرت براء کے پاس لوگوں کو کلکیں ہاتھ میں لیے (حدیثیں) لکھتے پایا[1] حضرت امیر معاویہؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ سے ایک حدیث سُنی تو اُسے فوراً لکھوالیا[2] حضرت زید بن ثابتؓ گو حدیث لکھنے کے خلاف تھے لیکن یہ بھی صحیح ہے کہ آپ کی مرویات بھی (گو آپ کی مرضی سے نہیں) قلمبند کی جاتی رہیں[3] اور انہیں اکابر تابعین نے آگے روایت کیا تو اس وقت اس بات کا قطعاً کوئی مظنہ باقی نہ رہا تھا۔ کہ قرآن کریم غیر قرآن سے مختلط ہو جائے۔ اس لیے یہ حضرات اس دور میں بڑے اہتمام اور بڑی ہمت سے احادیث قلمبند کرتے رہے اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس سلسلہ میں خاص محنت فرمائی تھی۔

تابعین میں تدوینِ حدیث کی کوشش

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ) نے اپنے دورِ خلافت میں بعض ائمہ علم کو جو حدیث کی نقل و روایت میں زیادہ معروف تھے اسی طرف توجہ دلائی تھی۔ کہ وہ احادیث تحریری طور پر جمع کریں۔ صحیح بخاری میں :۔

(۱) كتب عمر بن عبدالعزيز الى بكر بن حزم انظر ما كان من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم فاكتبه فانى خفت دروس العلم وذهاب العلماء ولا تقبل الا حديث النبىّ و ليفشوا العلم و لتجلسوا حتى يعلم من لا يعلم فان العلم لا يهلك حتى يكون سرًّا[4]

ترجمہ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ابوبکر بن حزم کو لکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ

---

[1] سنن دارمی جلد ۱ ص۱۰۶ جامع بیان العلم جلد ۱ ص۷۳ [2] مسند امام احمد جلد ۵ ص۱۸۲ [3] دیکھئے سنن دارمی جلد ۱ ص۱۰۱ [4] صحیح بخاری جلد ۱ ص۲۸

وسلم کی احادیث پر نظر رکھیں اور انہیں لکھ لیں. کیونکہ مجھے علم کے مٹ جانے اور علماء کے اُٹھ جانے کا ڈر ہے اور حضورؐ کی حدیث کے سوا اور کسی روایت کو قبول نہ کرنا اور چاہیئے کہ تم علم پھیلاؤ اور بیٹھو۔ یہاں تک کہ نہ جاننے والا جان لے اس لیئے کہ علم برباد نہیں ہوتا جب تک کہ اسے مخفی نہ رکھا جائے۔

علامہ ابن عبد البرؒ میں لکھتے ہیں کہ ابو بکر حزمی نے اس حکم کی تعمیل میں مجموعہ حدیث ترتیب دے لیا تھا۔ ابھی وہ حضرت عمرؓ کے پاس پہنچا نہ تھا کہ آپ کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے امام زہری کو بھی اس طرح کا ایک حکم دیا تھا اور اُن سے احادیث لکھوائی تھیں۔ آپ کے احکام پُورے عالم اسلام میں پہنچے کہ جہاں جہاں احادیث ہوں انہیں جمع کر لیا جائے۔ جو مجموعہ ہائے حدیث دار الخلافہ (دمشق) میں جمع ہوئے۔ آپ نے اُن کی نقلیں تمام علاقوں میں پھیلا دیں۔

(۲) حضرت ہمام بن منبہؒ (۱۰۱ھ) بھی حضرت عمر بن عبد العزیزؒ کے ہمعصر تھے۔ آپ نے اپنے استاد حضرت ابو ہریرہؓ (۵۸ھ) سے جو مجموعہ حدیث حاصل کیا وہ آپ نے اپنے شاگرد معمر بن راشدؒ کے سامنے پُورا روایت کیا اور پھر اُن کے سپرد بھی کر دیا۔ اُن سے یہ اُن کے شاگرد عبد الرحمٰن بن ہمام بن نافع کو ملا۔ ان سے لے کر حضرت امام احمد بن حنبل نے اسے اپنی مسند میں جگہ دی۔ اس صحیفہ ہمام بن منبہ کے دو قلمی نسخے برلن اور دمشق کے کتب خانوں میں ملے ہیں۔ جو اس کی مسند امام احمد میں مروی روایات سے لفظ بلفظ ملتے ہیں۔ پیرس یونیورسٹی کے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے اس صحیفہ ہمام بن منبہ پر بہت مفید تحقیقی کام کیا ہے۔

(۳) علامہ ابن شہاب الزہریؒ (۱۲۴ھ) نے بھی حضرت عمرؓ کے حکم سے ہی حدیث لکھنی شروع کی تھی۔ حضرت صالح بن کیسانؒ (۱۴۰ھ) بھی حدیث لکھنے میں آپ کے ساتھ تھے۔ فرمایا:

اجتمعت انا و ابن شہاب ونحن نطلب العلم فاجتمعنا ان نکتب السنن فکتبنا کل شیء سمعناہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ثم کتبنا ایضاً ما جاء عن اصحابہ فقلت لا لیس بسنۃ وقال ھو بل ھو سنۃ فکتب ولم اکتب فانجح وضیعت۔

ترجمہ: میں اور زہری اکٹھے تھے ہم احادیث کی تلاش کرتے رہتے اور ہمارا اتفاق ہوا کہ ہم سنن لکھیں سو ہم نے ہر چیز جو حضورؐ کے حوالے سے سُنی لکھ ڈالی پھر ہم نے صحابہ کی روایات لکھنے کا ارادہ کیا میں نے کہا میں نہیں لکھتا یہ سنت نہیں ہیں۔ زہری نے کہا یہ بھی سنت ہیں۔ سو انہوں نے لکھیں میں نے نہ لکھیں وہ کامیاب ہوئے اور میں ضائع گیا۔[1]

(۴) مجموعہ امام شعبیؒ (۱۰۳ھ) علامہ شعبی نے تیار کیا تھا۔ آپ نے اس کی تبویب بھی فرمائی۔ حدیث کی پہلی کتاب ہے۔ جو ابواب میں مرتب ہوئی۔ اس تالیف کا ذکر خطیب بغدادی نے الکفایہ میں اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں بھی کیا ہے۔

محدثین از اکابر تابعین

حضرات تابعین میں حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) حضرت مکحولؒ (۱۰۱ھ) حضرت سالمؒ (۱۰۶ھ) عطاء بن رباحؒ (۱۱۵ھ) سعید بن المسیبؒ (۹۳ھ) سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) قیس بن ابی حازمؒ (۹۸ھ) اور ہشام بن عروہؒ (۱۴۶ھ) جیسے کئی ائمہ اکابر ہیں۔ جنہوں نے اس موضوع پر باہمت قدم اٹھایا اور بہت مخلصانہ محنت کی۔ یہ صحیح ہے کہ تدوین حدیث کا باقاعدہ کام تابعین کے آخری دور میں شروع ہوا۔ لیکن تاریخ تابعین کرام کی ان حدیثی محنتوں کو خراج تحسین ادا کیے بغیر آگے نہیں بڑھ سکتی۔

دوسری صدی ہجری میں حدیثی خدمات

تابعین کرام کے بعد یہ سعادت تبع تابعین کے ممتاز اہل علم کو ملی اور ان کی محنتوں سے حدیث مستقل کتابوں میں جمع ہونے لگی۔ جو ائمہ علم اس باب میں گوئے سبقت لے گئے ان میں موسیٰ بن عقبہ (۱۴۴ھ) صاحب مغازی ابن جریج رومی (۱۵۰ھ) مکہ مکرمہ میں معمر بن راشد (۱۵۴ھ) یمن میں امام اوزاعی (۱۵۷ھ) شام میں سعید بن عروبہ (۱۵۶ھ) مدینہ میں ابن ابی ذئب (۱۵۹ھ)

---

[1] المصنف لعبد الرزاق جلد ۱۱ صـ ۲۵۸ شرح السنۃ للبغوی جلد ۱ صـ

میں ربیع بن صبیح (۱۶۰ھ) اور حماد بن سلمہ (۱۶۷ھ) مدینہ میں امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کوفہ میں سفیان الثوریؒ (۱۸۱ھ) اور امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) اور امام محمدؒ (۱۸۹ھ) ہشیم بن بشیرؒ (۱۸۳ھ) اور امام عبداللہ بن مبارکؒ (۱۸۲ھ) معتمر بن سلیمانؒ (۱۸۷ھ) صاحب مغازی جریر بن عبدالحمید رازیؒ (۱۸۸ھ) امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۶ھ) اور سفیان بن عینیہؒ (۱۹۸ھ) بہت معروف اور ممتاز ہیں۔

یہ سب حضرات تقریباً ایک زمانے کے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ حدیث کی باقاعدہ کتاب لکھنے میں اُن میں سے کون بزرگ اولیت کا شرف رکھتے ہیں۔ ان میں سے تین نام سرفہرست ہیں۔ ابن جریجؒ (۱۵۰ھ) کی کتاب الآثار، معمر بن راشدؒ (۱۵۴ھ) کی الجامع اور امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کی کتاب موطا مالک۔ مولانا عبدالحی لکھنوی کی رائے ہے کہ حدیث کی سب سے پہلی باقاعدہ کتاب، کتاب الآثار ہے۔ جامع معمر کا ایک نسخہ انقرہ میں اور ایک استامبول میں مخطوطات میں موجود ہے۔ معمر حضرت ہمام بن منبہ کے شاگرد تھے۔ ان کی تالیف صحیفہ ہمام بن منبہ اس وقت شائع شدہ ہے اور حدیث کی جو کتابیں اس وقت ملتی ہیں ان میں اوّل ترین ہے۔ اس کے بعد حدیث کی جو کتابیں ملتی ہیں ان میں سے مؤطا امام مالک حدیث کی پہلی کتاب ہے۔ اس سے پہلے کی جو تحریرات حدیث اب شائع ہو رہی ہیں۔ وہ درحقیقت مخصوص دستاویزات یا کسی شیخ کی مرویات یا بعض جزئی احکام کی تحریری یادداشتیں ہیں۔ حدیث کی باقاعدہ کتابی صورت مؤطا امام مالک سے ہی شروع ہوتی ہے۔ ان کے بعد یہ شرف امام ابو یوسف اور امام محمد کو حاصل ہے، جنہوں نے کتاب الآثار کو ابواب فقہیہ پر مرتب کیا۔ اس میں مخالف و موافق ہر طرح کی حدیثیں جمع کیں اور تحقیق و اجتہاد میں نئے ابواب کا اضافہ کیا۔ قاضی ابو یوسفؒ مصنف فی الحدیث کہے جاتے ہیں۔ امام محمد کی کتاب الحجۃ علی اہل المدینۃ اور مؤطا امام محمد بھی اس دور کی یادگار کتابیں ہیں۔

اس دور کے بعد پھر دورِ مسانید آتا ہے۔ جس میں صحابہ کے نام پر ان کی مرویات جمع کی گئیں۔ حدیث کی ان کتابوں کو مسند کہتے ہیں۔ مسند ابی داؤد طیالسیؒ (۲۰۴ھ)، مسند امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) مسند اسد بن موسےٰ الاموی (۲۱۲ھ)، مسند عبداللہ بن موسیٰؒ (۲۱۳ھ) نعیم بن حماد الخزاعیؒ (۲۲۸ھ) اسحٰق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ) عثمان بن ابی شیبہؒ (۲۳۹ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) سرفہرست ہیں۔

تدوین حدیث کی فنی صُورت

اس دور کے بعد پھر ان ائمہ حدیث کا دور آتا ہے جو اس فن کے آفتاب و ماہتاب تھے یعنی حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) حضرت امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) اور اُن کے تلامذہ میں حضرت امام ابوداؤدؒ (۲۷۵ھ) امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) ابن ماجہؒ (۲۷۳ھ) جن کی چھ کتابیں صحاح ستہ کہلاتی ہیں اور اُن کی ترتیب و تدوین پر فن حدیث اپنے نصف النہار کو پہنچ گیا تھا۔ ان کتابوں کی خصوصیات پر کبھی کتب حدیث کے عنوان سے آئندہ کبھی گفتگو ہوگی۔ ان جبال علم کے دیگر ہمعصر محدثین جو اپنی ترتیب و تدوین میں خود صاحب طرز رہے اور کسی وجہ سے ان کی کتابیں اس مرکزی درجہ میں نہ آسکیں۔ تاہم ان کی دقت نظر اور افادیت بھی اپنی جگہ مسلّم رہی۔ ان میں دارمیؒ (۲۵۵ھ) ذہلیؒ (۲۵۸ھ) مزنیؒ (۲۷۴ھ) ابویعلی موصلیؒ (۳۰۷ھ) ابن جارودؒ (۳۰۷ھ) ابن جریر طبریؒ (۳۱۰ھ) علامہ ابوجعفر طحاویؒ (۳۲۱ھ) ابن خزیمہؒ (۳۲۱ھ) ابوعوانہؒ (۳۱۶ھ) بہت معروف ہیں۔

تدوین حدیث کا چوتھا دور

تدوین حدیث کا چوتھا دور پانچویں صدی ہجری پر ختم ہو جاتا ہے۔ تدوین حدیث کے پہلے دور کے آثار ہمیں بعد کی تالیفات میں جابجا ملتے ہیں۔ دوسرے دور کی تمام کتابوں کا مواد تیسرے دور کی کتابوں میں مل جاتا ہے اور پھر ان تمام ادوار کا سرمایہ آج اس فن کے متون و شروح کے لاکھوں صفحات میں پھیلا ہوا ہمارے سامنے ہے۔ چوتھے دور کے نامور محدثین میں ابن ابی العوامؒ (۳۳۵ھ) ابومحمد الحارثیؒ (۳۴۰ھ) ابن حبانؒ (۳۵۴ھ) طبرانیؒ (۳۶۰ھ) ابومحمد حسن بن محمد الرامہرمزیؒ (۳۶۰ھ) ابن عدیؒ (۳۶۵ھ) ابن شاہینؒ (۳۸۰ھ) ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) حاکمؒ (۴۰۵ھ) ابونعیم اصفہانیؒ (۴۳۰ھ) البیہقیؒ (۴۵۸ھ) خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) کی خدمات علم حدیث کا نہایت اہم باب ہیں۔

تدوین حدیث کا پانچواں دور

پانچویں صدی کے نصف آخر سے لے کر ساتویں صدی تک محدثین کا پانچواں دور ہے۔ اس کے بعد یہ فنی کاوشیں ختم ہو جاتی ہیں اور اُن کے بعد اسمار رجال، تخریجات اور شروح حدیث کے سوا خدمتِ حدیث کا کوئی میدان باقی نہیں رہ جاتا۔ پانچویں دور کے محدثین میں کچھ سند بھی چلتی رہی اور کچھ تخریجات چلتی رہیں۔ اس دور کے معروف محدثین میں بغویؒ (۵۱۶ھ) قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) ابن عساکرؒ (۵۷۱ھ)، قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) حافظ عبدالغنی المقدسیؒ (۶۰۰ھ) ابن صلاحؒ (۶۴۳ھ) ابن تیمیہؒ (۶۵۲ھ) امام نوویؒ (۶۷۶ھ) امام ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) سرِفہرست ہیں۔

قواعدِ حدیث کے عنوان پر اگر گفتگو کا موقع ملا تو بتلایا جائے گا۔ چوتھے دور کی کتابوں کی مرویات کو لینے اور ان کے صحیح وسقیم کو پرکھنے میں علمار کا کیا طریقہ رہا ہے۔ یہ آج کا موضوع نہیں۔ آج صرف یہ کہنا ہے کہ تدوین حدیث کی کوششیں کن کن مراحل سے گزریں۔ ان جملہ مراحل پر مجموعی نظر کرتے ہوئے یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں۔ کہ کسی علم کے منضبط کرنے کے جو جو طریقے انسانی فکرو عمل میں ممکن ہو سکتے تھے۔ وہ سب کے سب اس موضوع میں کار فرما رہے ہیں اور آج یہ بات معلوم کرنے کے لیے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی قرآن کریم کی تشریح میں سنتِ قائمہ کی تکمیل اور دین کی عملی تشکیل میں تعلیمات کیا کیا تھیں۔ امت کے پاس ہر دور میں نہایت قابلِ اعتماد ذخیرۂ احادیث کی صُورت میں موجود رہی ہیں اور آج بھی بفضلہٖ تعالیٰ یہ قابلِ اعتماد علمی ذخیرہ ہمارے پاس پوری حفاظت سے موجود ہے۔

تدوین حدیث کا سُنہرا دور — GOLDEN AGE

تدوین حدیث کے یہ پانچ ادوار آپ کے سامنے ہیں۔ ان میں تیسرا دور تاریخ تدوین کا سُنہرا دور تھا۔ جامعیت اسی دور کو حاصل ہے اور اسی دور کی کتابیں اس لائق ہیں کہ اُن پر فنی اور درسی محنت کی جائے ان دنوں جہاں جہاں دورۂ حدیث ہو رہا ہے وہاں زیادہ کاوش اس تیسرے دور کی کتابوں پر ہی ہوتی ہے اور شروح بھی زیادہ تر اسی دور کی کتب مدونہ پر لکھی گئی ہیں اور اللہ کی کتاب کے بعد سب سے زیادہ صحیح کتاب اسی دور کی تسلیم کی گئی ہے۔

تدوین حدیث کے مختلف مراحل کا بیان ختم ہوا۔

حدیث لکھنے کی ممانعت ۔۔ پہلے دور میں

حضرت ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے (حدیث) لکھنے کی اجازت مانگی آپ نے ہمیں اس کی اجازت نہ دی امام ترمذیؒ نے اس پر کراھیۃ کتابۃ العلم کا باب باندھا ہے اور ظاہر ہے کہ علم ان دنوں حدیث کو ہی کہتے تھے امام ترمذی اس کے بعد یہ باب لائے ہیں باب فی الرخصۃ فیہ (لکھنے کی اجازت کے بیان میں)

اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ممانعت کا حکم ابتداء اسلام میں تھا منشاء رسالت یہ تھا کہ لوگ آپکی باتوں کو عمل میں اتاریں اور اس طرح سنت کا تحفظ ہو لوگ اگر اسے لکھنے لگیں گے تو یہ صرف ایک یاد رہ جائے گی علم اعمال میں نہیں اسفار میں آجائے گا پھر آپ نے جب دیکھا کہ صحابہ آپ کی ایک ایک ادا کو عملاً یاد رکھے ہوئے ہیں تو آپ نے توثیق مزید کے لیے لکھنے کی اجازت بھی دے دی۔

یہ وجہ بھی ہو سکتی ہے کہ نزول قرآن کے زمانے میں دوسری دستاویزات ساتھ نہ رہنے پائیں تاکہ کلام قدیم اور کلام حدیث میں کہیں خلط واقع نہ ہو آمیزش نہ ہونے پائے حفاظت قرآن کا تقاضا تھا کہ قرآن کے ساتھ اور کوئی چیز لکھنے میں نہ آئے جب یہ اندیشہ جاتا رہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنے کی اجازت دے دی

اور اگر اس ممانعت کا مطلب یہ لیا جائے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک حدیث سرے سے حجت نہ تھی اور آپ امت کو صرف قرآن کے گھاٹ اتارنا چاہتے تھے تو یہ مطلب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ان ارشادات کے صریحاً خلاف ہوگا جن میں آپ نے فرمایا

لا الفین احدکم متکئاً علی اریکتہ یاتیہ امر مما امرتُ بہ او نھیتُ
عنہ فیقول لا ادری ما وجدناہ فی کتاب اللہ اتبعناہ (رواہ الترمذی)

اور یہ خیال ان روایات کے بھی صریح خلاف ہوگا جن میں آپ نے صحابہ سے کہا کہ مجھ سے جو چیز بھی سنو اسے آگے پہنچا دیا کرو۔ اور جس نے مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ جب وہ اندیشے اٹھ گئے جن کے پیش نظر آپ نے حدیث لکھنے کی ممانعت کی تھی تو صحابہ و تابعین صحن تدوین میں نکل آئے۔

رجال الحدیث

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد:۔

آج ان مردانِ باوفا کا تذکرہ ہے۔ جن کی وجہ سے حدیث پہلوں سے پچھلوں تک پہنچی۔ ان میں ائمہ حدیث بھی شامل ہیں اور عام رواۃِ حدیث بھی ——— جہاں تک نقل وروایت کا تعلق ہے۔ اس میں سبھی اہلِ خبر عامی ہوں یا خاصی، امام ہوں یا سامع اپنی اپنی بساط کے مطابق آگے بڑھے۔ ائمہ حدیث کا ذکر امامتِ فن کے اعتبار سے آئندہ کسی مجلس میں کریں گے۔ آج اُن رجالِ حدیث کا تذکرہ ہے جن کی وجہ سے علمی دنیا ایک نئے فن سے آشنا ہوئی ——— یہ فن علم اسماء الرجال کہلایا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سب صحابہ کو رجال الحدیث بنایا ہے۔ آپ انہیں ارشاد فرما چکے تھے۔ بلغوا عنی ولو اٰیۃ[۱]۔ "تم مجھ سے باتیں آگے پہنچاتے رہو گو ایک ہی بات کیوں نہ ہو۔" اس ارشادِ رسالت سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔

(۱) حضورؐ کی نظر میں ہر ایک صحابی نقل روایت کا اہل تھا۔ صادق اور امین تھا۔

(۲) ہر ہر صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث آگے پہنچانے کا ذمہ دار تھا۔

تاہم جو صحابہؓ اس محنت میں آگے نکل گئے وہ دورِ اوّل کے رجال الحدیث کہلائیں گے۔

صفِ اوّل کے رجال الحدیث

یُوں تو سب صحابہ کرامؓ رجال الحدیث ہیں، لیکن یہ آٹھ حضرات ان میں سرِفہرست ہیں۔ ان کی روایات سب سے زیادہ ہیں۔

---

[۱] مشکوٰۃ ص۳۲ عن البخاری ومسلم

①	حضرت عبداللہ بن مسعودؓ	(۳۲ھ)	آپ سے تقریباً ۸۴۸	احادیث مروی ہیں۔
②	اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ	(۵۸ھ)	〃 〃 ۲۲۱۰	〃 〃
③	حضرت ابوہریرہؓ	(۵۹ھ)	〃 〃 ۵۳۷۴	〃 〃
④	حضرت عبداللہ بن عباسؓ	(۶۸ھ)	〃 〃 ۱۶۶۰	〃 〃
⑤	حضرت عبداللہ بن عمرؓ	(۷۳ھ)	〃 〃 ۲۶۳۰	〃 〃
⑥	حضرت ابوسعید خدریؓ	(۷۴ھ)	〃 〃 ۱۱۷۰	〃 〃
⑦	حضرت جابر بن عبداللہ (انصاریؓ)	(۷۸ھ)	〃 〃 ۱۵۴۰	〃 〃
⑧	حضرت انس بن مالکؓ	(۹۳ھ)	〃 〃 ۲۲۸۶	〃 〃

ان کے بعد جن صحابہؓ سے زیادہ روایات ہیں۔ اُن میں حضرت ابوالدرداءؓ (۳۲ھ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (۷۳ھ) سمرہ بن جندبؓ (۵۹ھ) عبادہ بن صامتؓ (۳۴ھ) عبدالرحمن بن عوفؓ (۳۲ھ) معاذ بن جبلؓ (۱۸ھ) ابوموسیٰ اشعریؓ (۵۲ھ) حضرت علیؓ (۴۰ھ) حضرت امیر معاویہؓ (۶۰ھ) حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ) اور حضرت عثمان ذوالنورینؓ (۳۵ھ) سرفہرست ہیں۔

علمی حیثیت سے جو صحابہؓ اس دور میں زیادہ ممتاز رہے۔ وہ مشہور فقیہ تابعی حضرت مکحولؒ (۱۰۱ھ) کے بیان کے مطابق یہ حضرات تھے۔

عن مسروق قال شاممت اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوجدت علمهم انتهى الى ستة عمر وعلى وعبد الله ومعاذ وابى الدرداء وزيد بن ثابت[1]۔

ترجمہ: میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحابؓ کا بہت قریب سے مطالعہ کیا ہے میں نے ان کا علم چھ افراد میں منتہی ہوتے پایا۔ عمرؓ، علیؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، معاذؓ، ابوالدرداءؓ اور زید بن ثابتؓ ہیں۔

دورِ ثانی کے رجال الحدیث

تابعین کرام میں جو حضرات اس میدان میں زیادہ پیش پیش رہے۔ حضرت امام شافعیؒ کے

---

[1] تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی جلد ۱ صفحہ ۶۴۷

ایک بیان میں اُن کا ذکر مختلف شہروں کے اعتبار سے اس طرح ملتا ہے۔ یہ بحث امام شافعی رحمہ نے خبر واحد کی حجیت کے ذیل میں لکھی ہے :۔

میں نے مدینہ منورہ و مکہ، یمن و شام و کوفہ کے حضرات ذیل کو دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی سے روایت کرتے تھے اور صرف اس ایک صحابی کی حدیث سے ایک سنت ثابت ہو جاتی تھی۔ اہل مدینہ کے چند نام یہ ہیں۔ محمد بن جبیرؓ، نافع بن جبیرؓ، یزید بن طلحہؓ، نافع بن عجیرؓ، ابو سلمہ بن عبدالرحمٰنؓ، حمید بن عبدالرحمٰنؓ خارجہ بن یزیدؓ، عبدالرحمٰن بن کعبؓ، عبداللہ بن ابی قتادہؓ، سلیمان بن یسارؓ، عطاء بن یسارؓ وغیرہم اور اہل مکہ کے چند اسماء حسب ذیل ہیں۔ عطاء، طاؤس، مجاہد ابن ابی ملیکہ، عکرمہ بن خالد، عبید اللہ بن ابی یزید، عبداللہ بن باباہ، ابن ابی عمار، محمد بن المنکدر وغیرہم اور اسی طرح یمن میں وہب بن منبہ اور شام میں مکحول اور بصرہ میں عبدالرحمٰن بن غنم، حسن اور محمد بن سیرین۔ کوفہ میں اسود، علقمہ اور شعبی۔

غرض تمام بلادِ اسلامیہ اسی پر تھے۔ کہ خبر واحد حجت ہے۔ اگر بالفرض کسی خاص مسئلہ کے متعلق کسی کے لیے یہ کہنا جائز ہوتا کہ اس پر مسلمانوں کا ہمیشہ اجماع رہا ہے۔ تو خبر واحد کی حجیت کے متعلق بھی میں یہ لفظ کہہ دیتا۔ مگر احتیاط کے خلاف سمجھ کر اتنا پھر بھی کہتا ہوں کہ میرے علم میں فقہاء مسلمین میں سے کسی کا اس میں اختلاف نہیں ہے[1]

ان کے علاوہ بھی اس دور کی عظیم تعداد ہے جن سے ہزاروں روایات آگے چلیں۔ یہ سب حضرات رجال الحدیث تھے۔ جن کی سندیں آگے چلیں۔ جہاں تک فقہ حدیث اور علم کا تعلق ہے علامہ شعبی (۱۰۳ھ) فرماتے ہیں۔ کہ صحابہ کے بعد حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے زیادہ دین کی سمجھ رکھنے والا کوئی نہ تھا۔ حضرت ابو زرعۃ الدمشقی لکھتے ہیں :۔

سمعت الشعبی یقول لم یکن قوم بعد اصحاب محمد افقہ من اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ[2]

---

[1] ترجمان السنۃ جلد اول ص۱۷۱ [2] تاریخ ابی زرعۃ جلد ۱ ص۶۵ کان اصحاب عبداللہ یقرءون و یفتون علقمۃ والاسود ومسروق وعبیدۃ والحارث بن قیس وعمرو بن شرجیل ص۶۵

ترجمہ: میں نے علامہ شعبی کو کہتے سنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے بعد کوئی طبقہ حضرت عبداللہ بن مسعود کے اصحاب سے زیادہ فقیہہ نہیں تھا۔

امام ابوحنیفہؒ اس دور کے اکابر مجتہدین کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

فاذا انتهى الامر وجاء الامر الى ابراهيم والشعبي وابن سيرين والحسن وعطاء وسعيد بن المسيب وعدد رجالا فقوم اجتهدوا فاجتهد كما اجتهدوا۔[۱]

ترجمہ: جب معاملہ ابراہیم نخعی، علامہ شعبی، امام محمد بن سیرین، حسن بصری، حضرت عطاء بن ابی رباح اور، حضرت سعید بن المسیب تک پہنچے اور آپ نے کئی اور بھی نام لیئے۔ تو یہ وہ لوگ تھے جو مجتہد تھے سو میں بھی اجتہاد سے کام لیتا ہوں جیسا کہ یہ اجتہاد سے کام لیتے تھے۔

یہ حضرات اپنے دور کے ائمہ علم تھے۔ رجال الحدیث ان کے علاوہ ہزاروں وہ لوگ بھی تھے جو مجتہدین کے درجہ کے نہ تھے لیکن رواۃ حدیث میں خاصے معروف تھے۔ یہاں تک کہ آگے تبع تابعین میں ہزاروں رجال حدیث میدان علم میں آگئے۔ یہی تین طبقے تھے جن کے اہل ہونے کی خود لسان شریعت نے خبر دی تھی۔ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم۔ ان خیر القرون کے بعد رجال حدیث محض زبانوں پر نہ رہے، کتابوں میں آنے لگے اور حدیث کی کتابیں متون احادیث اور ان کی اسانید کے ساتھ مرتب ہونے لگیں۔

اس دور میں صداقت وثقاہت غالب تھی اور رجال الحدیث کی باضابطہ جانچ پڑتال کی چنداں ضرورت نہ پڑتی تھی۔ لیکن جب فتنے پھیلنے شروع ہوئے اور بدعات کا شیوع ہوا۔ تو اسانید پر باقاعدہ نظر کی ضرورت سمجھی گئی۔ یہاں تک کہ آگے چل کر اسماء الرجال کا علم ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر گیا۔

اسماء الرجال کا امتیاز

یہ وہ علم ہے جس کے موجد خالصۃً مسلمان ہیں اور دوسری کوئی قوم اپنے مذہبی علمی حلقوں میں اس کی نظر پیش نہیں کر سکتی۔ مشہور جرمن مستشرق ڈاکٹر اسپرنگر الاصابہ فی احوال الصحابہ کے ۱۸۸۶ء کے

---

[۱] تاریخ یحییٰ بن معین جلد ۲ صفحہ ۶۰۸ طبع ۱۳۹۹ھ مکہ۔

ایڈیشن کے دیباچہ میں لکھتا ہے:۔

"کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال کا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو۔ جس کی بدولت پانچ لاکھ مسلمانوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"

علم اسماء الرجال کی ضرورت

مولانا عبدالقیوم جونپوری اس فن کی ضرورت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔ یہ تحقیق کی جائے کہ جو حضرات سلسلہ روایت میں ہیں وہ کون لوگ تھے۔ کیسے تھے۔ ان کے مشاغل کیا تھے۔ ان کا چال چلن کیسا تھا۔ سمجھ بوجھ کیسی تھی۔ سطحی الذہن تھے یا نکتہ رس۔ عالم تھے یا جاہل۔ کس تخیل اور کس مشرب کے تھے۔ سن پیدائش اور سن وفات کیا تھا۔ شیوخ کون تھے تاکہ ان کے ذریعے حدیث کی صحت و سقم دریافت کی جا سکے۔ ان جزئی باتوں کا دریافت کرنا اور ان کا پتہ لگانا سخت مشکل تھا۔ لیکن محدثین نے اپنی عمریں اس کام میں صرف کیں اور ایک شہر کے راویوں سے ان کے متعلق ہر قسم کے حالات دریافت کیے۔ انہی تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال کا ایک عظیم الشان فن ایجاد ہو گیا ہے۔ جس کے ایجاد کا شرف مسلمانوں کو حاصل ہوا۔ لیکن مجھے افسوس کے ساتھ لکھنا پڑتا ہے کہ جو کتابیں اسماء الرجال میں لکھی گئی ہیں عام اس سے کہ وہ متقدمین کی ہوں یا متاخرین کی۔ ان میں تعصبات مذہبی کے علاوہ ذاتی مناقشات اور فرعی اور سیاسی اختلافات اور ہم عصری نوک جھوک کی بناء پر لوگوں کی جرح کی گئی ہے۔ بعض حضرات نے تو ایسے امور کو بھی جرح کا باعث قرار دے دیا کہ جو نہ شرعی اور نہ اخلاقی اور نہ عرفی حیثیت سے قابلِ اعتراض ہیں۔ جیسے کھنکار کر تھوکنا یا سیر و سیاحت میں گھوڑے دوڑانا یا مطلقاً خوش طبعی یا مطلقاً نوعمری یا قلتِ روایت یا مسائل فقہیہ یا دیگر علوم میں مشغولیت وغیرہ۔ یہاں تک کہ علامہ ذہبیؒ (۷۴۸ھ) کا دامن بھی اس سے پاک

نہیں ہے۔ البتہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) نے اس فن میں جو کتابیں لکھی ہیں وہ ایک بڑی حد تک افراط و تفریط سے پاک ہیں۔ لہٰذا ان کتابوں کے مطالعہ کے وقت یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو جرحیں اُمور متذکرۂ بالا کے ماتحت کی گئی ہیں وہ عقلاً میرے نزدیک قابلِ التفات نہیں ہیں۔ تنقید رجال کے اصُول جنہوں نے سب سے پہلے قائم کیئے وہ شعبہ بن الحجاج (۱۶۰ھ) ہیں جو جرح و تعدیل کے امام کہلاتے ہیں (لیکن ان سے بھی بعض دفعہ تشدد ہو جاتا ہے)۔

مختصر یہ کہ حدیث کی صحت و سقم دریافت کرنے کے لیئے اصُولِ حدیث کی اس قدر ضرورت تھی کہ اگر کوئی محدث اس علم سے غافل ہوتا تو اس کو بڑی دقتوں کا سامنا پیش آتا۔ خصوصاً اس وقت جب کہ فتن کے دروازے کھل گئے۔ بدعات کا شیوع ہوا۔ سیاسی انتشار کے علاوہ الحاد و زندقہ نے زور پکڑا۔ عقائد میں فرقہ بندی شروع ہو گئی اور ہر شخص اپنے خیالات کی تائید میں حدیثیں پیش کرنے لگا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ رطب و یابس حدیثیں ان مجموعوں میں شامل ہو گئیں۔ جن کے جانچنے پرکھنے کے لیئے اصول کی سخت ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ علامہ ابن سیرینؒ سے "میزان الاعتدال" میں منقول ہے کہ اسناد کے جانچنے کی ضرورت واقعات فتن کے بعد ہوئی۔ سب سے پہلے اس موضوع پر بقول حافظ ابن حجر عسقلانیؒ قاضی ابو محمد الرامہرمزی (۳۶۰ھ) نے قلم اُٹھایا اور اصول حدیث میں ایک کتاب لکھی۔ جس کا نام المحدث الفاصل ہے۔ لیکن یہ پایۂ تکمیل کو نہ پہنچی اور دوسرے حاکم ابُوعبداللہ النیشاپُوری نے خامہ فرسائی کی مگر ان کی کتاب غیر مرتب رہی۔ اس کے بعد ابونعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) نے حاکم کی کتاب کو پیش نظر رکھ کر اس میں بہت سے اضافے کیئے۔ مگر وہ تشنہ کام رہی اور وہ بعد کے آنے والوں کے لیئے کام چھوڑ گئے پھر خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) پیدا ہوئے جنہوں نے قوانین روایت میں ایک کتاب لکھی جس کا نام الکفایہ ہے اور طرق روایت میں دوسری کتاب لکھی۔ جس کا نام الجامع لآداب الشیخ والسامع ہے۔ بلکہ فنون حدیث میں کوئی فن نہیں چھوڑا

کہ جس میں اُنہوں نے کوئی مستقل کتاب نہ لکھی ہو۔[۱]

لیکن ہم یہ ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکتے کہ خطیب سے بھی بعض اُمور میں سخت فروگذاشتیں ہوئی ہیں، اگر ان میں تعصب کا پہلو کارفرما نہ ہوتا، تو وہ بے شک جلالتِ قدر کے آسمان پر مثل آفتاب تھے۔

اصُولِ حدیث پر اہم کتابیں

اصُول حدیث میں مقدمہ ابن صلاح ایک بے مثل کتاب ہے۔ ابن صلاح ۶۴۳ھ میں فوت ہوئے۔ علمائے حدیث نے مقدمہ ابن صلاح کی بڑی خدمت کی ہے اور اس پر کئی شروح لکھی ہیں، امام نووی (۶۷۶ھ) نے اس کی تلخیص کی جس کا نام تقریب رکھا۔ یہ تقریب نووی کے نام سے مشہور ہے۔ حافظ سیوطی نے اس کی شرح لکھی، جس کا نام تدریب الراوی ہے۔ حافظ زین الدین عراقی (۸۰۶ھ) نے مقدمہ ابن صلاح کو منظوم کیا ہے، جس کا نام الفیۃ الحدیث ہے۔ پھر اس کی شرح حافظ شمس الدین سخاوی (۹۰۲ھ) نے فتح المغیث کے نام سے بہت اہم مفید اور جامع لکھی ہے۔ جو محدثین میں بہت متداول رہی ہے۔ مولانا عبدالقیوم جونپوری لکھتے ہیں :

> ابن صلاح کے ایک زمانہ بعد سید شریف (۸۱۶ھ) نے اس فن میں ایک کتاب لکھی جس کا نام مختصر الجرجانی ہے جس کی شرح حضرت مولانا عبدالحی (۱۳۰۴ھ) نے بہت ہی شرح و بسط سے لکھی جس کا نام ظفر الامانی ہے اور تحقیق اور تفصیل مذاہب کے اعتبار سے بے مثل ہے اور سید شریف کے ہی لگ بھگ حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس فن میں نخبۃ الفکر مع شرح لکھی جو درس میں بھی داخل ہے۔[۲]
>
> (محدث کبیر ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) نے اس کی عظیم شرح لکھی ہے۔)

علمائے دیوبند نے بھی اس باب میں بھی بہت علمی خدمات سرانجام دی ہیں۔ فتح الملہم بشرح صحیح مسلم کا مقدمہ قطع کبیر کے ۱۰۸ صفحات پر انہی ابواب پر مشتمل ہے۔ سماحۃ الشیخ ابوالفتح ابوغدہ نے فتح الملہم کے اس مقدمہ پر بہت مفید تحقیقی کام کیا ہے۔ مقدمہ فتح الملہم کی یہ شرح دو ضخیم جلدوں میں مکمل ہوئی ہے۔ لامع الدراری بشرح صحیح البخاری کی جلد اوّل اسی موضوع پر ہے اور صفحات پر

---

[۱] میزان الحدیث صفحہ ۲۴، صفحہ ۲۵ [۲] ایضاً صفحہ ۲۶ اس کا نام نزہۃ النظر فی توضیح نخبۃ الفکر ہے۔

کو شامل ہے مولانا ظفر الوحیدی نے شرح نخبۃ الفکر کی اردو شرح   نام سے لکھی ہے. حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ نے قواعد علوم الحدیث لکھ کر تمام دُنیائے عرب سے خراج تحسین حاصل ہے. شیخ عبد الفتاح ابو غدہ نے اسے بھی اپنے تحشیہ کے ساتھ بہت آب و تاب سے شائع کیا ہے.

ان اصُولوں اور جزئیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ روایات میں راویوں کی جانچ پڑتال کی ضرورت کیوں پڑی اور جانچ پڑتال کے لیئے مستقل قواعد و ضوابط تھے جو علمائے تحقیق نے طے کیئے اور وہ آئندہ آنے والے علماء کے لیئے رہنما اصُول بنے. قواعد حدیث کے عنوان میں اس پر تفصیلی بحث آگے آرہی ہے

علم رجال کے اہم مباحث

آج کا موضوع گفتگو علم اسماء الرجال ہے. اس کے اہم مباحث یہ ہوں گے.

(۱) اسلام میں تنقید و تبصرے کا درجہ کیا ہے؟ (۲) علم اسناد کی دینی حیثیت کیا ہے؛ (۳) فن اسماء الرجال کی تدوین کیسے ہوئی؛ (۴) علم حدیث کے لیئے اس فن کا ساتھ ساتھ رہنا کیا ضروری ہے؛ (۵) جرح و تعدیل سے کیا مراد ہے؛ (۶) جرح و تعدیل کے عام الفاظ کیا کیا ہیں؛ (۷) جرح و تعدیل کے بڑے بڑے امام کون تھے؛ (۸) اسماء الرجال میں کن کن کتابوں پہ اعتماد کیا جا سکتا ہے؛ (۹) شیعہ کی کتب اسماء الرجال کیا علیحدہ ہیں؛ (۱۰) حدیث کے طلبہ اس فن سے کیسے استفادہ کریں؟

(۱) اسلام میں تنقید و تبصرہ

پہلا اہم موضوع یہ ہے کہ اسلام میں تنقید و تبصرہ کا کیا حکم ہے؛ شیخ الحدیث حضرت مولانا سید بدر عالم مدنیؒ نے اس پر بہت مفید بحث لکھی ہے.

> خبر واحد کی حجیت کے سلسلہ میں یہاں دو غلط فہمیاں اور بھی ہیں. ایک یہ کہ محدثین کا گروہ محض ایک جامد گروہ ہے جسے فن روایت سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا. وہ دقیانوسی خبروں کو آنکھ میچ کر مان لینا علم اور دین سمجھتا ہے اور نقد و تبصرہ کو بد دینی تصور کرتا ہے. دوم یہ کہ ادیان سماویہ کا مبنیٰ صرف روایت پہ ہے. درایت

کو یہاں کوئی دخل نہیں۔ دراصل پہلی غلط فہمی بھی اسی کی ایک فرع ہے۔ ان دو غلط فہمیوں کی وجہ سے بعض ناواقف تو حدیث کا رتبہ تاریخ سے بھی کمتر تصور کرتے ہیں۔

بنی اسرائیل میں فن روایت کا فقدان

بنو اسرائیل میں اعتدال کلیۃً مفقود تھا۔ جب وہ تحقیق پر آتے تو کوہ طور پر کلام باری بلاواسطہ سُن کر بھی سو طرح کے شبہات نکالنے لگتے اور جب تقلید کرنے پر آمادہ ہوتے تو جو ان کے احبار و رہبان ان کے سامنے ڈال لیتے اسے اندھوں کی طرح نگلنے کے لیئے تیار ہو جاتے۔ غرض نقد و تبصرہ اور فہم و فکر کی ان میں کوئی استعداد نہ تھی۔ حضرت الشیخ مولانا بدر عالم مدنی مذکورہ بالا تبصرہ کے بعد لکھتے ہیں:۔

> روایت اور درایت کے اس غیر متوازن دور میں اسلام آیا اور اس نے ان دونوں کا توازن قائم کر کے صحیح تنقید کی راہ دکھلائی اور اس کے لیئے ایک ایسا معتدل آئین مرتب فرمایا جس میں نہ افراط ہو نہ تفریط۔ اس نے بتایا کہ ہر کان پڑی خبر کی طرف دوڑ پڑنا بھی غلط ہے اور تحقیق و تفتیش کے سلسلہ میں بدگمانی کی حد تک پہنچ جانا بھی غلو اور وہم پرستی ہے۔ انسان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ بے اعتمادی کی حالت میں آنکھ میچ کر تغلیط اور اعتماد کی صورت میں بے دلیل تصدیق کر لیا کرتا ہے۔ مگر قرآن نے یہاں دوست دشمن اپنے اور پرائے کا فرق ختم کر کے سب کے لیئے یکساں تحقیق و تبیین کا قانون مقرر کر دیا ہے۔

قرآن نے یہ تعلیم کی کہ ہر خبر کی تحقیق و تبیین کر لیا کرو خواہ وہ فاسق شخص ہی کی خبر کیوں نہ نہ ہو۔ ہر چند کہ فاسق آدمی کی خبر رد کر دینے میں بھی مضائقہ نہیں تھا۔ مگر قرآن کسی خبر کا رد کرنا بھی پسند نہیں کرتا۔ فاسق آدمی بھی صحیح خبر دے سکتا ہے۔ پس اس کی ہر خبر کا رد کر دینا بھی قرین مصلحت اور طور انصاف نہیں ہے۔

یاایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قومًا بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم نادمین۔ (پ۲۶ الحجرات ع۱)

ترجمہ۔ اے ایمان والو! جب کوئی فاسق شخص تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آیا کرے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم بے تحقیق کسی قوم پر حملہ کر دو بعد میں اپنے کیے پر شرمندہ ہونا پڑے۔

دوسری طرف اس نے تجسس اور بدظنی کی بھی ممانعت فرمائی۔ کہ ایسی تحقیق سے بھی نظام عالم برباد ہوتا ہے۔

یاایھا الذین اٰمنوا اجتنبوا کثیرا من الظن ان بعض الظن اثم ولا تجسسوا۔

ترجمہ۔ اے ایمان والو بہت سی بدگمانیوں سے بچا کرو کیونکہ بعض بدگمانی گناہ کی حد تک ہوتی ہیں اور تجسس اور ڈھونڈ ڈھونڈ کر لوگوں کے عیب بھی تلاش کرنے کی خصلت مت اختیار کرو۔ (پ۲۶ الحجرات ع ۲)

ہر چیز کی تحقیق کے لیئے اس کی اہلیت چاہیئے۔

ہر خبر کی تفتیش کا سلیقہ ہر انسان نہیں رکھتا۔ بعض خبریں ایسی ہوتی ہیں کہ ان کی تفتیش خاص افراد ہی کر سکتے ہیں۔ یہ تفتیش کے محکمہ جات کی طرف اشارہ ہے۔ ہر خبر کی تحقیق کے لیئے اس کے مناسب اہلیت درکار ہے۔

واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا به ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمه الذین یستنبطونه منھم۔ (پ۵ النساء ع ۱۱)

ترجمہ۔ جب ان کے پاس کوئی امن یا ڈر کی کوئی خبر آتی ہے تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اگر اس کو رسول یا اپنے علماء و حکام تک پہنچا دیتے تو جو ان میں ملکہ استنباط رکھنے والے شخص تھے وہ اُس کو پُورے طور پر معلوم کر لیتے۔ (پ۵ النساء ع ۱۱)

روایتی پہلو میں جو چیز سب سے زیادہ حائل ہو سکتی ہے وہ مخبر اور شاہدوں کا بیان ہے اس لیئے ان کو یہ تعلیم دی گئی۔ کہ اپنے بیان اور گواہی میں پُوری احتیاط سے کام لیں۔ جھوٹ یا طرفداری کا شائبہ نہ آنے پائے۔ اس لیئے جھُوٹ بولنے یا ایک دوسرے پر جھوٹا الزام لگانے کی اتنی مذمت کی گئی کہ اس سے بدتر سوسائٹی کا کوئی عیب نہ رہا۔

ان بنیادی اصول کی روشنی میں مذہب اسلام جتنی ترقی کرتا رہا، اسی قدر اس کے بنیادی تنقید کے اصول بھی ساتھ ساتھ ترقی کرتے رہے۔ حتیٰ کہ اسناد، جرح و تعدیل، احوال رواۃ ہر ایک کے لیے جدا جدا مستقل فن مرتب ہو گئے۔ علامہ جزائری نے توجیہ النظر میں حدیث کے سلسلہ میں ۵۲ قسم کے علوم بالتفصیل بیان فرمائے ہیں۔ جن کے مطالعہ کے بعد احادیث کے مفید یقین ہونے میں ایک منٹ کے لیے بھی شبہ کرنے کی گنجائش نہیں رہتی۔[1]

(۲) علم اسناد کی دینی حیثیت

حدیث کا متن Text حدیث کی سند Chain of transmitters پر موقوف ہے۔ سند صحیح متصل سے کوئی بات ثابت ہو جائے تو اس کی تمام ذمہ داریاں لازم آجاتی ہیں۔ حدیث اگر حجت ہے اور اس پر عمل واجب ہے تو اس کی سند معلوم کرنا اور اس کے راویوں کی جانچ پڑتال کرنا سب علم دین قرار پائے گا۔ یاد رکھیے واجب کا مقدمہ بھی واجب ہوتا ہے ——— قرآن کریم میں ہے:۔

ان جاءکم فاسق بنبا فتبینوا۔[2]

ترجمہ: اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی رُو سے راوی کی بات کی تحقیق کرنا ایک عظیم دینی ذمہ داری ہے جو سامع پر عائد ہوتی ہے۔ سو اسناد کو پہچاننا اور راویوں کو جاننا خود دین ہو گا۔

امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) فرماتے ہیں:۔

ان ھذا العلم دین فانظروا عمن تاخذون دینکم۔[3]

ترجمہ: بے شک یہ علم دین ہے سو دیکھ لیا کرو کہ کن لوگوں سے تم اپنا دین اخذ کر رہے ہو ——— امام نووی نے اس پر یہ باب باندھا ہے:۔

باب بیان ان الاسناد من الدین و ان الروایۃ الا یکون الا عن الثقات و ان جرح الرواۃ بما ھو فیھم جائز بل واجب۔

---

[1] ماخوذ از ترجمان السنۃ جلد اول از ص۱۹۳ تا ص۱۹۸ [2] پ۲۶ الحجرات ع ۱ [3] مسلم جلد ۱ ص۱۱

ترجمہ: سند لانا دین میں سے ہے روایت ثقہ راویوں سے ہو۔ راویوں پر اس پہلو سے جرح کرنا جو ان میں ہو جائز ہے بلکہ یہ واجب ہے۔

علم اسناد کی یہاں تک اہمیت ہو گئی کہ حضرت عبداللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ) نے اس کا سیکھنا دین قرار دیا۔ آپ فرماتے ہیں:۔

الاسناد من الدین ولولا الاسناد لقال من شاء ما شاء۔[1]

ترجمہ: علم اسناد بھی دین کا ہی ایک حصہ ہے اور اگر سند ضروری نہ ہوتی تو جو شخص جو چاہے کہہ سکتا تھا۔

قبول روایت کا معیار آپ کے ہاں اتنا دقیع تھا کہ جو شخص سلف (پہلے بزرگوں) کو برا بھلا کہے، اس کی روایت نہ لینے کا حکم فرماتے تھے۔ ایک جگہ فرماتے ہیں:۔

دعوا حدیث عمرو بن ثابت فانہ کان یسب السلف۔[2]

ترجمہ: عمرو بن ثابت کی روایت چھوڑ دو وہ تو سلف صالحین کو برا کہتا تھا۔

حافظ شمس الدین سخاوی (۹۰۲ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

وتاریخ الرواۃ والوفیات فن عظیم الوقع من الدین قدیم النفع بہ للمسلمین لا یستغنی عنہ ولا یعتنی باھم منہ خصوصا ما ھو القدر الاعظم منہ و ھو البحث عن الرواۃ والفحص عن احوالھم فی ابتدائھم وحالھم و استقبالھم لان الاحکام الاعتقادیۃ والمسائل الفقھیۃ ماخوذۃ من کلامھم الھادی من الضلالۃ والمبصر من العمی والضلالۃ۔[3]

ترجمہ: اور راویوں کی تاریخ اور ان کی وفات کے سنین کا جاننا دین کا ایک عظیم الوقعت فن ہے۔ مسلمان قدیم سے اس سے کام لیتے آئے ہیں۔ اس سے استغنا نہیں برتا جا سکتا نہ اس سے زیادہ کوئی اور موضوع اہم ہو سکتا ہے خصوصاً اس کی قدر اعظم ہے اور وہ راویوں کے حالات کو کھولنا اور ان کے حالات کی ان کے ماضی، حال اور استقبال کی تفصیل کے ساتھ تفتیش کرنا ہے۔ اعتقادی

---

[1] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲ [2] مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۲ [3] فتح المغیث صفحہ ۴۵۹، صفحہ ۴۶۰

ابواب اور فقہی مسائل اس کلام سے ماخوذ ہیں جو ضلالت سے بچ کر ہدایت دے اور گمراہی اور اندھاپن سے ہٹا کر راہ دکھائے۔

ایک سوال اور اس کا جواب

مشہور ہے حضرت علیؓ نے فرمایا۔ انظرالی ما قال و لاتنظر الی من قال۔ (اسے دیکھو جو کسی نے کہا ہے یہ نہ دیکھو کہ کس نے کہا ہے) معلوم ہوا کہ ہمیں متن سے غرض ہونی چاہیئے سند سے نہیں؟

جواب

حضرت علیؓ سے یہ ثابت بھی ہو تو اس کا موضوع دانائی اور حکمت کی باتیں ہیں۔ قانون اور تاریخ کی باتیں نہیں۔ حکمت مومن کی گمشدہ چیز ہے۔ جہاں بھی ملے اس نے اپنی متاع پالی۔ وہ اس کا سب سے زیادہ حقدار ہے۔ جو شخص کوئی بات نقل کرے یا کوئی قانون بیان کرے تو اسے بغیر جانے کہ کون کہہ رہا ہے لے نہیں لیا جاتا۔ بلکہ دیکھا جاتا ہے کہ یہ شخص کہاں سے نقل کر رہا ہے اور یہ کہ خود کیسا شخص ہے۔ دیانت دار ہے یا نہ؟ کس حکومت کا نمائندہ اور کس قانون کا ترجمان ہے اگر اس کے پاس اس بات کی جو وہ کہہ رہا ہے سند نہ ہو تو اس کا کوئی اعلان ہرگز قابل قبول نہ ہوگا۔

شریعت بھی قانونِ الٰہی ہے اور یہ نقل سے ہی پہچانی جاتی ہے۔ البتہ اس کے بعض پہلو استنباط سے کھلتے ہیں۔ شریعت کسی تجربے اور حکمت سے مرتب نہیں ہوتی۔ نہ یہ کبھی حکمتِ عملی کے نام سے ترتیب پاتی ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

ان الامة اجمعت علی ان یعتمدوا علی السلف فی معرفة الشریعة فالتابعون اعتمدوا فی ذلك علی الصحابة و تبع التابعین اعتمدوا علی التابعین وهكذا فی كل طبقة اعتمد العلماء علی من قبلهم والعقل یدل علی حسن ذلك لان الشریعة لایعرف الا بالنقل و الاستنباط و النقل لایستقیم الا بأن یاخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال[1]

ترجمہ۔ امت نے اتفاق کیا ہے کہ وہ معرفت شریعت میں سلف پر اعتماد کریں۔

---

[1] عقد الجید ص۵۴ مترجم طبع کراچی

تابعینؒ نے صحابہؓ پر۔ تبع تابعینؒ نے تابعینؒ پر۔ اور اسی طرح ہر طبقہ کے علماء نے اپنے سے پہلوں پر اعتماد کیا ہے اور عقل اس کی تحسین پہ دلالت کرتی ہے اس لیئے کہ شریعت نقل اور استنباط سے ہی پہچانی جاتی ہے اور نقل بغیر اس کے قائم نہیں رہ سکتی کہ ہر طبقہ اسے اپنے پہلوں سے اتصال کے ساتھ لیتا رہے ____

۵ اس حقیقت سے واقف ہیں اہل نظر ____ مقتدا وہ نہیں جو نہیں مقتدی

پس علم شریعت کے لیئے یہ جاننا ضروری ہے کہ بات کہاں سے آرہی ہے۔ اس کا ماخذ کیا ہے بات کہاں سے ہے اور اسے آگے روایت کرنے والے کس قوم کے لوگ ہیں۔ کیا ان پر اعتماد کر کے آخرت کی تمام زندگی ان لوگوں کی نقل و روایت کے سپرد کی جا سکتی ہے؟ دنیوی امور کے کسی اہم فیصلے سے یہ فیصلہ کہیں زیادہ اہم ہے۔

اکرام مومن کی شرعی حیثیت

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مسلمان جو بھی خبر دے اکرام مومن کے طور پر اسے قبول کر لینا چاہیئے یہ پڑتال نہ کی جائے کہ خبر دینے والا کیسا ہے۔ یہ صحیح نہیں۔ اکرام مومن کا مفہوم یہ ہے کہ مسلمان کی طرف سے کسی مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو پر کوئی حرف نہ آئے اور وہ اس کے ساتھ عزت اور مروت کا برتاؤ کرے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح اور مسلّم ہے کہ دین کا تحفظ اور اکرام ایک مومن کے اکرام سے کہیں زیادہ ہے۔ اگر کوئی مسلمان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات آگے نقل کرے۔ تو چونکہ اس دوسرے شخص نے اس بات کو دین اور شریعت سمجھ کر زندگی بھر اپنانا ہے۔ اور اپنے بعد والوں کے لیئے بھی اسے سند بنانا ہے۔ اس لیئے ضروری ہے کہ اس کی نقل و روایت میں اچھی طرح پڑتال کر لے۔ اب راویوں کے حالات معلوم کرنا اور ان کی صحت و سقم کو پہچاننا اکرام مومن کے شرعی تقاضے کے خلاف ہرگز نہیں ہے۔ اس باب میں اگر کسی مسلمان کی برائی اس کی عدم موجودگی میں کی جائے تو وہ شرعی غیبت نہ ہوگی۔ دین کی حفاظت کے لیئے ایک قدم ہوگا۔

مومن کے بارے میں نیک گمان رکھنے کا مفہوم

ظنوا بالمومنین خیرا۔ (مومن کے بارے میں نیک گمان ہونا چاہیئے) مشہور مقولۂ حکمت ہے اس کا موضوع اس کی اپنی ذات ہے اس کی نقل و روایت نہیں۔ دین کا معاملہ اس سے کہیں اونچا ہے کہ اسے محض نیک گمان کے سہارے قائم کر لیا جائے۔ اس باب میں اگر کسی گمان کو اہمیت دی جا سکتی ہے تو وہ صرف اہلِ فن کا گمان اور اعتماد ہے انہوں نے کسی شخص کی روایت قبول کر لی ہو[۱] تو آپ ان پر نیک گمان کرتے ہوئے اسے قبول کر سکتے ہیں لیکن اگر کسی طرح اس کی غلطی ظاہر ہو گئی۔ تو پھر اس نیک گمان سے دستبردار ہو جانا چاہیئے۔ ہاں مومن کی کوئی اپنی بات جس کا تعلق اس کی ذات سے ہو۔ دین سے یا دوسروں سے نہ ہو۔ تو دوسرے مسلمانوں کی پوری کوشش ہونی چاہیئے۔ کہ اس پر نیک گمان کریں اور اس کے وہی معنی مراد لیں جو اچھائی پر محمول ہوں۔ اس کی بات کی ایسی مراد نہ لیں جو ایک مسلمان سے توقع نہ کی جا سکتی ہو۔

فبشر عبادی الذین یستمعون القول فیتبعون احسنہ[۲]

ترجمہ۔ آپ خوشخبری دیں ان لوگوں کو جو سنتے ہیں بات پھر چلتے ہیں اس (پہلو) پر جو سب سے اچھا دکھائی دے احسن ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی فرمایا ؛۔

فظنوا بہ الذی ھو اھیأ والذی ھو اھدی والذی ھو اتقی[۳]

ترجمہ۔ سو اس کی نسبت گمان کرو جو زیادہ مناسب ہو، ہدایت کے زیادہ قریب ہو اور زیادہ خوفِ خدا پر مبنی ہو۔

(۳) فن اسماء الرجال کی تدوین کیسے ہوئی؟

ضرورت ایجاد کی ماں ہے۔ حدیث کے راوی جب تک صحابہ کرامؓ تھے۔ اس فن کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ وہ سب کے سب عادل، انصاف پسند اور محتاط تھے[۴] کبار تابعین بھی اپنے علم و تقوےٰ کی روشنی میں ہر جگہ لائق قبول سمجھے جاتے تھے۔ جب فتنے پھیلے اور بدعات شروع

---

[۱] اسے صرف روایت نہ کیا ہو قبول کر لیا ہو [۲] پ۲۳ الزمر ع ۲ [۳] سنن دارمی جلد ۱ ص۱۴۵

[۴] لان الصحابۃ عدول ونقلھم صحیح فلا درجۃ للخلاف۔ مرقات جلد ۵ ص۱۱

ہوئیں تو ضرورت محسوس ہوئی کہ راویوں کی جانچ پڑتال کی جائے۔ فتنے سب سے پہلے کوفہ اور بصرہ سے اٹھے۔ اس لیئے علم کی تدوین و تنقیح پہلے یہیں ہونی ضروری تھی۔ کوفہ میں دو علمی مرکز تھے۔ (۱) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کا اور (۲) حضرت علی کرم اللہ وجہہ (۴۰ھ) کا حضرت علیؓ کے خلیفہ بنتے ہی مسلمانوں کا سیاسی اختلاف عراق میں اُمڈ آیا اور اس سیاسی تشیع سے حضرت علیؓ کے حلقے میں بہت سے غلط لوگ آشامل ہوئے۔ حضرت علیؓ کی زندگی میں وہ ان اختلافات کو دینی اختلاف نہ بنا سکے۔ لیکن آپ کے بعد انہوں نے حضرت علیؓ کے نام سے بہت سی غلط باتیں کہنی شروع کر دیں۔ اس ورطۂ شبہات میں انہوں نے دین کا بنیادی تصور تک بدل ڈالا۔ یہ اسلام میں فرقہ بندی کی طرف پہلا قدم تھا۔ اہل حق کے لیئے اب صرف ایک ہی سلامتی کی راہ تھی۔ کہ حضرت علیؓ کی وہی روایات قابلِ اعتماد سمجھی جائیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں کے واسطے سے آئیں۔ کیونکہ کوفہ میں یہی ایک علمی حلقہ تھا جو بیرونی حکمت سے محفوظ اور بچا رہا تھا اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے یہ شاگرد حضرت علیؓ کے حلقۂ درس میں بھی گاہے بگاہے حاضر ہوتے رہے تھے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ (۵۰ھ) جو تک کوفہ میں رہے ہیں۔ فرماتے ہیں:۔

لم یکن یصدق علی علیؓ فی الحدیث منہ الا من اصحاب عبداللہ بن مسعودؓ[۱]

ترجمہ۔ حضرت علیؓ کی وہی روایات لائق قبول سمجھی جاتی تھیں جو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں سے منقول ہوں۔

حضرت ابو اسحٰق السبیعی (۱۲۹ھ) کہتے ہیں کہ بدعات کے ان شیوع پر خود حضرت علیؓ کے شاگردوں میں سے ایک نے کہا کہ ان لوگوں (بدعتیوں) کو خدا غارت کرے انہوں نے کتنا علم (حضرت علیؓ کا) ضائع کر دیا ہے۔

امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) کہتے ہیں کہ جب یہ فتنے اُٹھے تو علماء نے طے کیا:۔

سموا لنا رجالکم فینظر الی اھل السنۃ فیوخذ حدیثھم وینظر الی اھل البدع فلا یوخذ حدیثھم[۲]

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰ دہلی [۲] ایضاً صفحہ ۱۱

ترجمہ۔ اپنے رواتِ حدیث کے نام بتاؤ دیکھا جائے گا کہ اہل سنت کون ہیں۔ انہی کی روایات لی جائیں گی۔ اہل بدعت کا بھی پتہ لگایا جائے گا اور اُن کی احادیث نہ لی جائیں گی۔

یہ صحیح ہے کہ عراق کی سرزمین پہلے فتنوں کی آماجگاہ بنی۔ کوفہ کے بعد بصرہ عراق کا دوسرا بڑا شہر تھا۔ کوفہ سے تشیع اُٹھا تو بصرہ سے انکار قدر کی صدا اُٹھی۔

عن یحیٰی بن یعمر قال کان اول من قال فی القدر بالبصرۃ معبد الجھنی۔

ترجمہ۔ سب سے پہلے بصرہ میں جس نے عقیدہ قدر میں بات چیت کی وہ معبد جہنی تھا۔ یحییٰ بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمٰن حمیری حج کے موقع پر حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے ملے اور ان لوگوں کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا:۔

واذا لقیت اولئك فاخبرھم انی بریٔ منھم وھم براء منی والذی یحلف به عبداللہ بن عمر لو ان لاحدھم مثل احد ذھبًا فانفقه ما قبل اللہ منه حتی یومن بالقدر[1]

ترجمہ۔ جب تم ان لوگوں کو ملو تو انہیں کہہ دو کہ میں ان سے لاتعلق ہوں اور وہ مجھ سے لاتعلق ہیں میں بقسم کہتا ہوں کہ اگر یہ اُحد کے برابر سونا خیرات کریں اسے اللہ تعالیٰ ان سے قبول نہ کریگا۔ اس سے پتہ چلا کہ ان دونوں صحابہ کی بات اہل حق کے ہاں حجت سمجھی جاتی تھی۔ تبھی تو یحییٰ بن یعمر اور حمید بن عبدالرحمٰن نے صحابی رسول سے اس بارے میں پوچھنے کا فیصلہ کیا تھا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا جواب بھی اسی طرف رہنمائی کر رہا ہے کہ صحابہ جس سے لاتعلق ہوں وہ اس کے اہل باطل ہونے کا ایک کھلا نشان ہے اور یہ کہ صرف اہل باطل ہی صحابہ سے بے تعلق رہتے ہیں اہل حق ہمیشہ اُن کی پیروی کرتے آئے ہیں۔

علم اسماء الرجال کا احساس یہیں سے پیدا ہوا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ (۶۸ھ) حضرت علیؓ کی بہت سی مرویات کے بارے میں کہہ چکے تھے کہ یہ بات حضرت علیؓ نے کبھی نہ کہی ہوگی۔ امام مسلم لکھتے ہیں:۔

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص۲۷

فدعابقضاء علی فجعل یکتب منه اشیاء و یمر به الشئ فیقول واللہ ماقضی بهذا علی الا ان یکون ضل[1]

ترجمہ: آپ نے حضرت علیؓ کے فیصلے منگوائے ان سے کچھ باتیں نقل بھی فرمائیں اور ایسی چیزیں بھی آپ کے سامنے سے گزریں کہ آپ نے فرمایا کہ یہ بات حضرت علیؓ نے کبھی نہ کہی ہوگی۔ مگر یہ کہ آپ راہ سے اتر جائیں۔

حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) لکھتے ہیں:۔

قد وجد غیر واحد من الائمة من التابعین قد تکلموا فی الرجال منهم الحسن البصری وطاؤس تکلما فی معبد الجهنی وتکلم سعید بن جبیر فی طلق بن حبیب وتکلم ابراهیم النخعی وعامر الشعبی فی الحارث الاعور وهکذا روی عن ایوب السختیانی وعبداللہ بن عون وسلیمان التیمی و شعبة بن الحجاج وسفیان الثوری ومالك بن انس والاوزاعی وعبداللہ بن مبارك ویحیٰی بن سعید القطان ووکیع بن الجراح وعبدالرحمٰن بن مهدی وغیرهم من اهل العلم تکلموا فی الرجال وضعفوا فانما حملهم علی ذلك عندنا واللہ اعلم النصیحة للمسلمین لا یظن بهم ارادوا الطعن علی الناس والغیبه انما ارادوا عندنا ان یبینوا ضعف هولاء لکی یعرفوا لان بعض الذین ضعفوا کان صاحب بدعة وبعضهم کان متهما فی الحدیث وبعضهم کانوا اصحاب غفلة وکثرة خطأ فاراد هؤلاء الائمة ان یبینوا احوالهم شفقة علی الدین وتثبیتاً لان الشهادة فی الدین احق ان یتثبت فیها من الشهادة فی الحقوق والاموال[2]

ترجمہ: تابعین میں کئی ائمہ گزرے۔ جنہوں نے اسماء الرجال (راویانِ حدیث) میں کلام کیا۔ ان میں حسن بصری (۱۱۰ھ) اور طاؤس (۱۰۵ھ) نے معبد جہنی میں کلام کیا۔ سعید بن جبیر (۹۵ھ) نے طلق بن حبیب میں کلام کیا۔ ابراہیم نخعی (۹۵ھ)

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۱۰ [2] کتاب العلل للترمذی جلد ۲ صفحہ ۲۳۵

اور عامر الشعبی (۱۰۳ھ) نے حارث الاعور میں کلام کیا۔ اسی طرح ایوب سختیانی عبداللہ بن عون، سلیمان تیمی، شعبہ بن حجاج، سفیان الثوری، مالک بن انس اوزاعی عبداللہ بن مبارک، یحییٰ بن سعید القطان، وکیع بن الجراح اور عبدالرحمٰن بن المہدی جیسے اہلِ علم نے بھی رجال میں کلام کیا ہے اور کمزور راویوں کی تضعیف کی ہے انہیں اس بات پر اللہ بہتر جانتا ہے۔ مسلمانوں کے خیر خواہی کے جذبے نے آمادہ کیا۔ یہ نہ سمجھا جائے کہ انکی غرض لوگوں پر طعن کرنا اور ان کی غیبت کرنا تھا۔ ہمارے نزدیک ان کی غرض ان راویوں کا ضعف بیان کرنا تھا۔ تاکہ وہ پہچانے جائیں۔ بعض وہ راوی جن کی تضعیف کی گئی بدعتی تھے۔ بعض ان میں سے متہم فی الحدیث تھے۔ بعض بھولنے والے تھے اور کثرت سے غلطی کرنے والے تھے۔ سو ان ائمہ نے چاہا کہ ان کے احوال بیان کر دیئے جائیں۔ اور اس سے دین کی خیر خواہی ملحوظ نظر تھی اور دین میں ثابت قدمی پیش نظر تھی۔ حقوق و اموال کے بارے میں شہادت دینے سے دین کے بارے میں شہادت دینے کی زیادہ ضرورت ہے۔

طلق بن حبیب میں امام ابو حنیفہؒ نے بھی کلام کیا ہے کہ وہ تقدیر کا قائل نہ تھا۔[1] زید بن عیاش کے بارے میں کہا وہ مجہول ہے[2]۔ جابر جعفی کے بارے میں کہا کہ میں نے اس سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں پایا[3] (جابر ۱۲۸ھ) سو یہ صحیح ہے کہ ائمہ کرام نے راویوں کی جانچ پڑتال کو تحفظِ دین کی خاطر جائز کہا ہے۔ نہ اسے غیبت سمجھا گیا نہ اکرام مومن کے خلاف ——— یہ صرف تحفظِ دین کا جذبہ تھا جو ان سے راویوں کی پڑتال کراتا رہا۔ اور اس سے دین کی پوری حفاظت ہوتی رہی۔

علم اسماء الرجال کی مشکل

اس علم میں یادداشت اور ضبط ہی ضبط ہے۔ جن علوم میں قیاس اور درایت کو کچھ بھی دخل ہو یا اس میں کچھ ترتیب خود کار فرما ہو کہ اس کے ماقبل یا مابعد سے کچھ اندازہ ہو جائے۔ وہ علوم اپنے

---

[1] الجواہر المضیۃ جلد ا صفحہ ۳ [2] تہذیب التہذیب جلد ۲ صفحہ ۳۲۴ [3] ایضاً جلد ص

علماء کے لئے اس جہت سے کچھ سہل ہو جاتے ہیں لیکن یہاں تو حفظ ہی حفظ ہے۔ اور معرفت طبقات ہے۔ سو ناموں پر ضبط بہت اہتمام سے ہونا چاہیئے۔ اس میں ذرا بھی اندازے سے کام نہیں لیا جا سکتا۔ نہ انہیں اپنے اول اور آخر کی ترتیب سے کہیں معین کیا جا سکتا ہے۔ ابو اسحق ابراہیم بن عبداللہ النجیرمی فرماتے ہیں:۔

اولی الاشیاء بالضبط اسماء الناس لانہ شیٔ لا یدخلہ القیاس ولا قبلہ شیٔ ولا بعدہ شیٔ یدل علیہ[1]

ترجمہ: سب سے زیادہ جس چیز پر ضبط ہونا چاہیئے وہ (حدیث روایت کرنے والے) لوگوں کے نام ہیں۔ کیونکہ کوئی ایسی چیز نہیں جس میں قیاس کام کر سکے اور نہ اُن سے پہلے اور نہ اُن کے بعد کوئی ایسی چیز ہوتی ہے جو اس کا پتہ دے سکے۔

حافظ ذہبی ایک جگہ لکھتے ہیں کہ طبقہ تابعین (صحابہ کے بعد جو لوگ ان کی پیروی میں چلے) میں انتہائی چھان بین کے باوجود مجھے ایک راوی بھی چھپا اور کاذب نہیں مل سکا۔ غلطی لگ جانا اور بات ہے۔ حافظے کا ضعف امر دیگر ہے۔ لیکن جان بوجھ کر جھوٹ بولنا اس حد تک اس طبقے میں کوئی مجروح نہ تھا۔ کذب اپنی نمایاں صورت میں بعد میں نمودار ہوا ہے۔ تابعین اسی لیے تابعین تھے۔ کہ صحابہ ان کے متبوعین تھے۔ جو صحابہ کے نقش پا سے راہ تلاش نہ کرے وہ تابعین میں سے کیسے ہو سکتا ہے۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ارد گرد رہنے والے لوگ اگر ان پر جھوٹ باندھتے رہے تو وہ سبائی منافقین تھے تابعین ہرگز نہ تھے۔ وہ تابعین بغیر اتباع ہرگز نہ ہو سکتے تھے۔

اسماء الرجال میں پہلے لکھنے والے

حضرت علی بن المدینی (۲۳۴ھ) نے کتاب العلل میں، امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) نے کتاب العلل و معرفۃ الرجال میں، امام بخاری (۲۵۶ھ) نے تاریخ میں، امام مسلم (۲۶۱ھ) نے مقدمہ صحیح مسلم میں، امام ترمذی (۲۷۹ھ) نے کتاب العلل میں، امام نسائی (۳۰۳ھ) نے کتاب الضعفاء والمتروکین میں، ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازی (۳۲۷ھ) نے کتاب الجرح والتعدیل میں، دارقطنی (۳۸۵ھ)

---

[1] تہذیب التہذیب جلد صہ المؤتلف المختلف صہ ۲ للحافظ عبدالغنی الازدی

نے اپنی کتاب العلل میں اور امام طحاوی (۳۲۱ھ) نے رجال پر بہت مفید بحثیں کی ہیں۔

ائمہ حدیث نے ایک ایک صحابی کے اصحاب کا جائزہ لیا۔ سب سے زیادہ کون کن کے قریب رہے، ان کو پہچانا اسی نسبت علم سے وہ حضرات فقیہ سمجھے گئے اور اسی نسبت سے ان کے فیصلے حجت سمجھے گئے۔ یہ حضرات اپنے ضبط تثبت اور فقہ و روایت میں اگلے لوگوں کے لیے امام ٹھہرے۔ حضرت امام طحاوی (۳۲۱ھ) باب نکاح المحرم میں حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگردوں کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

واثبت اصحاب عبداللہ بن عباس سعید بن جبیر وعطاء وطاؤس ومجاهد
وعکرمه وجابر بن زید وهؤلاء کلهم ائمة فقهاء یحتج بروایاتهم وآرائهم.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس کے شاگردوں میں سعید بن جبیر، عطاء، طاؤس
مجاہد، عکرمہ اور جابر بن زید سب سے زیادہ تثبت والے ہیں اور یہ سب امام
اور فقہاء ہیں کہ ان روایت بھی مستند سمجھی جاتی ہے اوران کے فقہی فیصلے بھی حجت
مانے جاتے ہیں

پھر جن لوگوں نے آگے ان سے دین نقل کیا وہ بھی اسی طرح معروف ہوئے۔ ان میں عمرو بن دینار، ایوب السختیانی اور عبداللہ بن ابی نجیح وغیرہم ہیں اور یہ سب ایسے امام تھے کہ روایت میں مقتدا ٹھہرے۔ امام طحاوی مذکورہ بالا عبارت کے بعد لکھتے ہیں:۔

والذین نقلوا عنهم فکذلك ایضاً منهم عمرو بن دینار وایوب السختیانی و
عبداللہ بن ابی نجیح فهؤلاء ایضاً ائمة یقتدی بروایتهم...... ابو عوانه
عن مغیرہ عن ابی الضحیٰ عن مسروق فکل هؤلاء ائمة یحتج بروایاتهم
فمارووا من ذلك اولیٰ مما روی من لیس کمثلهم فی الضبط والتثبت و
الفقه والامانة۔ شرح معانی الآثار جلد ا ص ۱۳ ۵

محدثین کی سلسلہ رواۃ پر کس درجے کی کڑی نظر رہی ہے اور وہ ہر دو راویوں کے درمیان کس کس درجے کے تعلق و رابطے کے جویا رہے۔ امام طحاوی کا یہ بیان اس پر شاہد ناطق ہے۔ کون صاحب علم ہے جو محدثین کی ان خدمات کا انکار کر سکے۔

امام احمد کی کتاب کتاب العلل ومعرفۃ الرجال انقرہ سے چھپ چکی ہے۔ دو جلدوں میں ہے ابن ابی حاتم الرازی کی کتاب الجرح والتعدیل نو جلدوں میں ہے حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ یہ اساسی طور پر امام احمد کی کتاب کو بھی ساتھ لیے ہوئے ہے۔ دارقطنی اپنی کتاب کو مکمل نہ کر پائے تھے کہ وفات پائی۔ اسے ان کے شاگرد ابو بکر الخوارزمی البرقانی (۴۲۵ھ) نے مکمل کیا شمس الدین سخاوی (۹۰۲ھ) نے اس کی ایک تلخیص مرتب کی ہے۔ جس کا نام بلوغ الامل بتلخیص کتاب دارقطنی فی العلل ہے۔ ان کتابوں میں رجال کے علاوہ علل حدیث پر بھی بہت مفید مباحث موجود ہیں۔ اس سے اگلے دور میں وہ کتابیں لکھی گئیں جن میں اسماء الرجال ہی مستقل موضوع بنا ہے۔ ان میں راویوں کے حالات اور ان کے طبقات کا ذکر ہے اور ساتھ راویوں کی جرح و تعدیل سے بھی بحث کی گئی ہے۔

⑷ علم حدیث اور علم رجال کا ساتھ ساتھ رہنا ضروری ہے؛

احادیث جمع کرنے والے ائمہ حدیث اپنی پوری احتیاط اور ضبط و عدالت کے باوجود آخر تھے تو انسان ہی۔ انہوں نے نہ چاہا کہ دین پیغمبر کی پوری ذمہ داری اپنے سر لیں، انہوں نے جو روایتیں لکھیں، انہیں انہوں نے ان اساتذہ کا نام لے کر روایت کیا جن سے انہوں نے وہ روایات سنی تھیں اور پھر ان کی سند بھی پیش کر دی جس سے وہ اس بات کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرام تک پہنچاتے رہے۔

جب حدیث کے ذکر میں سند ساتھ آنے لگی۔ تو ضروری تھا کہ پڑھنے والوں پر ان راویوں کا حال بھی کھلا ہو جو اس حدیث کو آگے لانے کی ذمہ داری لیے ہوئے ہیں، سو حدیث کے لیے جس طرح متن کو جاننا ضروری ہے۔ سند کو پہچاننا بھی ضروری ہے کہ اسماء الرجال کے علم کے بغیر علم حدیث میں کوئی شخص کامیاب نہیں ہو سکتا۔ امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) کہتے ہیں،

الفقه فی معانی الحدیث نصف العلم و معرفة الرجال نصف العلم[1]

ترجمہ۔ معانی حدیث میں غور کرنا نصف علم ہے تو معرفت رجال بھی نصف علم ہے۔

---

[1] مقدمہ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال صفحہ ۴

⑤ راویوں کی جرح و تعدیل سے کیا مُراد ہے؟

راویوں کے حالات قابلِ اعتراض ہوں تو وہ روایت مجروح ہو جاتی ہے. جن الفاظ سے وہ اعتراضات سامنے آئیں وہ الفاظ جرح سمجھے جاتے ہیں اور جو الفاظ ان کی اچھی اور لائق اعتماد پوزیشن بتلائیں انہیں تعدیل کہا جاتا ہے۔

جرح کے معنی زخم کرنے کے ہیں. جرّاح اپریشن کرنے والے کو کہا جاتا ہے. تعدیل کا لفظ عدل سے ہے. جو روایت کے معیار پر پُورا اترنے کی خبر دیتا ہے اور برابر کے معنی میں ہے. جرح و تعدیل سے راویوں کے حالات پہچانے جاتے ہیں. راویوں کو پہچاننے میں سُستی برتی جائے اور اُن کی جانچ پڑتال پر محنت نہ کی جائے تو پُورے دین کے بگڑنے کا اندیشہ پیدا ہو جاتا ہے

دین کی عظمت تقاضا کرتی ہے کہ اس کا کوئی مسئلہ پُوری تحقیق و تنقیح اور پُوری احتیاط کے بعد ہی طے ہونا چاہیئے۔

⑥ جرح و تعدیل کے عام الفاظ

یُوں تو الفاظ جرح و تعدیل بہت ہیں. انہیں اصطلاحات سے دُور رہ کر عام الفاظ میں بھی ذکر کیا جا سکتا ہے. تاہم اس باب میں جو الفاظ اب تک زیادہ مشہور ہوئے وہ یہ ہیں. پھر ان الفاظ کے بارے میں بھی بعض بعض ائمہ کے استعمالات مختلف ہیں. لیکن موضوع کے عمومی تعارف کے لیئے ہم انہی الفاظ پہ اکتفا کریں گے۔

الفاظ تعدیل

ثبت حجت	اُونچے درجہ میں قائم ہے یہاں تک کہ دوسروں کے لیئے سند ہے۔
ثبت حافظ	" " " خوب یاد رکھنے والا ہے۔
ثبت متقن	" " " اور بہت مضبوط ہے۔
ثقہ ثقہ	بہت ہی قابلِ اعتماد ہے۔

ثقہ ——— قابل وثوق اور قابل اعتماد ہے۔
ثبت ——— اکھڑنے والا نہیں قائم رہنے والا ہے۔
صدوق ——— بہت سچا ہے۔
لا بأس بہ ——— اس میں کوئی جرح کی بات نہیں ہے۔
محلہ الصدق ——— سچائی والا ہے
جید الحدیث ——— حدیث روایت کرنے میں بہت اچھا ہے۔
صالح الحدیث ——— روایت میں اچھا ہے۔

الفاظ جرح

دجال ——— سخت دھوکے باز ہے۔ دجل حق اور باطل کے ملانے کو کہتے ہیں۔
کذاب ——— بہت جھوٹا ہے (یا غلط بات کہنے والا ہے)
وضاع ——— حدیثیں گھڑنے والا ہے۔
یضع الحدیث ——— حدیث گھڑتا ہے۔
متہم بالکذب ——— غلط بیانی سے متہم ہے۔
متروک ——— لائق ترک سمجھا گیا ہے۔
لیس بثقہ ——— قابل بھروسہ نہیں ہے۔
سکتوا عنہ ——— اس کے بارے میں خاموش ہیں۔
ذاہب الحدیث ——— حدیث ضائع کرنے والا ہے۔
فیہ نظر ——— اس میں غور کی ضرورت ہے۔
ضعیف جدًا ——— بہت ہی کمزور ہے۔
ضعفوا ——— اس کو کمزور ٹھہرایا ہے۔
واہ ——— فضول ہے کمزور ہے
لیس بالقوی ——— روایت میں پختہ نہیں۔

ضعیف ——— روایت میں کمزور ہے۔
لیس بحجۃ ——— حجت کے درجہ میں نہیں۔
لیس بذاک ——— ٹھیک نہیں ہے۔
لین ——— یادداشت میں نرم ہے۔
سیئ الحفظ ——— یادداشت اچھی نہیں۔
لایحتج بہ ——— لائق حجت نہیں۔

جرح وتعدیل کے بڑے بڑے امام

یُوں تو بڑے بڑے محدثین نے مختلف راویوں پر بحث کی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے بھی جابر جعفی پر جرح کی ہے۔ لیکن جو حضرات اس موضوع میں زیادہ معروف ہوئے۔ انہیں جرح وتعدیل کے امام کہیں تو بہت مناسب ہوگا۔ یہ حضرات اس باب میں بہت معروف رہے ہیں۔

① امیرالمؤمنین فی الحدیث شعبہ (۱۶۰ھ)
② یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ)
③ عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۹۸ھ)
④ یحییٰ بن معین (۲۲۳ھ)
⑤ علی بن المدینی (۲۳۴ھ)
⑥ امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)
⑦ امام نسائیؒ (۳۰۲ھ)
⑧ دار قطنی (۳۸۵ھ)

ان حضرات نے جرح وتعدیل کے قوانین وضع کیئے۔ رواۃ حدیث کے درجات معلوم کیئے اور ایک لاکھ کے قریب اشخاص کے حالاتِ زندگی چھان مارے۔ یہی وہ حضرات ہیں جو علم نبی کو نکھار لائے۔ علماء اسلام کا ایسا عظیم علمی کارنامہ ہے۔ کہ اقوام عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

مولانا حالی نے اسی لیئے کہا تھا۔ ؎

گروہ ایک جویا تھا علم نبیؐ کا — لگایا پتہ جس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا — کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا
کیئے جرح وتعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسوں

اسی دُھن میں آساں کیا ہر سفر کو — اسی شوق میں طے کیا بحر و بر کو
سُنا خازنِ علمِ دیں جس بشر کو — لیا اس سے جاکر خبر اور اثر کو
پھر آپ اس کو پرکھا کسوٹی پہ رکھ کر
دیا اور کو خود مزہ اس کا چکھ کر

ان حضرات کی محنتیں اب ہمارے سامنے فنِ رجال کی مستقل کتابوں کی صورت میں بڑی وسعت سے موجود ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ مرکزی حیثیت امام یحییٰ بن معین کی ہے۔

(۱) قال احمد کان ابن معین اعلمنا بالرجال[۱]

(۲) صار علماء یقتدی به فی الاخبار و اماما یرجع الیه فی الاٰثار[۲]

(۳) حدثنی من لم تطلع الشمس علی اکبر منه[۳]

اور ان میں سب سے کمزور امام دارقطنی ہیں، جو مخصوص فکر اور تعصب کے باعث بہت سے صحیح راویوں کو بھی ضعیف کہہ جاتے ہیں۔ علامہ بدرالدین العینی نے اس کی تصریح کی ہے۔ وقد روی فی سننه احادیث سقیمة ومعلولة ومنکرة وغریبة وموضوعة[۴]

کتبِ اسماء الرجال

پہلے دور کی اسماء الرجال کی کتابیں راویوں کے نہایت مختصر حالات کو لیئے ہوئے تھیں ابن عدی (۳۶۵ھ) اور ابو نعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) نے سب سے پہلے معلومات زیادہ حاصل کرنے کی طرف توجہ کی۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) ابن عبدالبر (۴۶۲ھ) اور ابن عساکر دمشقی (۵۷۱ھ) نے ضخیم جلدوں میں بغداد اور دمشق کی تاریخیں لکھیں تو ان میں تقریباً سب اعیان ورجال کے تذکرے آگئے ہیں۔

جہاں تک فنی حیثیت کا تعلق ہے سب سے پہلے حافظ عبدالغنی المقدسی (۶۰۰ھ) نے اس پر قلم اُٹھایا اور الکمال فی اسماء الرجال لکھی۔ یہ اس باب میں سنگِ میل کا حکم رکھتی ہے بعد کے آنے والے مصنفین رجال نے اسی پر آگے محنتیں کیں، اضافے کیئے، تلخیصات کیں، ترتیبیں

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۴۲۹ تہذیب الکمال جلد ۱ صفحہ ۲۱ [۲] تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۲۸۹ [۳] تاریخ بغداد جلد ۱۴ صفحہ ۱۸۱
[۴] عمدۃ القاری بشرح صحیح البخاری جلد ۳ صفحہ ۱۶۴

بدلیں۔ لیکن حق یہ ہے کہ اس کتاب کی مرکزی حیثیت سے کوئی نیا لکھنے والا مستغنی نہیں رہ سکا۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اب ہم علم رجال پر لکھی گئیں چند اہم کتابوں کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔ زیادہ تر یہ وہی کتابیں ہیں جن سے ہمارے طلبہ کسی نہ کسی درجے میں پہلے سے مانوس ہیں۔

(۱)	رجال	یحیٰ بن سعید القطان	(۱۹۱ھ)
(۲)	طبقات ابن سعد	ابن سعد	(۲۳۰ھ)
(۳)	معرفۃ الرجال	امام احمد بن حنبل	(۲۴۱ھ)
(۴)	تاریخ	امام بخاری	(۲۵۶ھ)

نقد رجال کے یہ ابتدائی نقوش تھے۔ آگے ان میں کچھ وسعت پیدا ہوئی۔ اس دوسرے دور میں پانچ کتابیں زیادہ معروف ہوئیں۔

(۱)	کامل[1]	ابن عدی	(۳۶۵ھ)
(۲)	تاریخ نیشاپور	ابونعیم اصفہانی	(۴۳۰ھ)
(۳)	تاریخ بغداد	خطیب بغدادی	(۴۶۳ھ) ۱۴ جلدوں میں ہے۔
(۴)	الاستیعاب	ابن عبد البر مالکی	(۴۶۳ھ)
(۵)	تاریخ دمشق	ابن عساکر	(۵۷۱ھ) ۸ جلدوں میں ہے۔

ان کتابوں کی زیادہ حیثیت تاریخ کی ہے۔ گو ان میں بہت سے رجال حدیث کا ذکر مل جاتا ہے۔ اس کے بعد علم اسماء الرجال ایک مستقل فن کی حیثیت میں مرتب ہوا۔ اس باب میں حافظ عبد الغنی المقدسی (۶۰۰ھ) سرفہرست ہیں۔

(۱) حافظ عبد الغنی المقدسی دمشق کے رہنے والے تھے اور حنبلی المسلک تھے۔ آپ نے الکمال فی اسماء الرجال لکھی اور انہی کے نقوش و خطوط پر آگے کام ہوتا رہا۔ انہوں نے ابتدائی اینٹیں جنہیں

[1] دار قطنی کی رائے ہے کہ اسماء الرجال میں یہی ایک کتاب کافی ہے۔ ذہبی نے بھی اسے بے مثل کہا ہے

اور آگے آنے والوں نے ان پر دیواریں کھڑی کریں۔

(۲) آپ کے بعد حافظ جمال الدین ابوالحجاج یوسف بن عبدالرحمٰن المزی (۷۴۲ھ) آئے۔ اور انہوں نے الکمال کو پھر سے بارہ جلدوں میں مرتب کیا اور اس کا نام تہذیب الکمال رکھا۔ آپ بھی دمشق کے رہنے والے تھے۔ لیکن مسلکاً شافعی تھے۔ آپ نے اس میں اور اہل فن سے بھی معلومات جمع فرمائیں۔

(۳) پھر حافظ المزی کے شاگرد جناب حافظ شمس الدین ذہبی (۷۴۸ھ) اٹھے اور اُنہوں نے تہذیب الکمال کو مختصر کرکے تذہیب التہذیب لکھی۔ اس کے علاوہ میزان الاعتدال اور سیر النبلاء اور تذکرۃ الحفاظ جیسی بلندپایہ کتابیں بھی لکھیں جو اپنے فن پر وقت کی لاجواب کتابیں سمجھی جاتی ہیں۔

(۴) پھر شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی نے تذہیب التہذیب کو اپنے انداز میں مختصر کیا۔ اور تہذیب التہذیب[۱] لکھی جو بارہ جلدوں میں ہے۔ پھر خود ہی اس کا خلاصہ تقریب التہذیب کے نام سے لکھا۔ اس کے علاوہ آپ نے لسان المیزان بھی لکھی۔ جو چھ ضخیم جلدوں میں ہے۔ اور حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔

(۵) پھر شیخ الاسلام حضرت علامہ بدرالدین عینی نے (۸۵۵ھ) معانی الاخبار من رجال شرح معانی الآثار لکھی[۲] اور طحاوی کے رجال جمع کیے۔ تلخیص کشف الاستار کے نام سے علامہ ہاشم سندھی نے لکھی ہے جو دیوبند سے شائع ہو چکی ہے۔

(۶) ان کے بعد حافظ صفی الدین الخزرجی (۹۲۳ھ) نے خلاصہ تذہیب التہذیب الکمال لکھی۔ یہ کتاب مطبع کبرٰے بولاق سے (۱۳۰۱ھ) میں شائع ہوئی۔

---

[۱] تہذیب التہذیب پر نظر ثانی کی بہت ضرورت ہے۔ پہلی دفعہ حیدر آباد سے شائع ہوئی تھی۔ افسوس کہ اس پر کسی نے تحقیقی کام نہیں کیا۔ بہت سے اغلاط اس میں پائے جاتے ہیں۔ [۲] محدث جلیل مولانا محمد ایوب مظاہری نے تراجم الاحبار من رجال شرح معانی الآثار چار ضخیم جلدوں میں لکھ کر علمی دنیا پر بڑا احسان کیا ہے علم اسماء الرجال کی یہ وہ خدمت ہے جس کی نظیر پاک و ہند میں اس عہد میں نہیں ملتی۔ مکتبہ اشاعت العلوم سہارن پور نے اسے شائع کیا ہے۔

ہمارے دور میں علمائے اہلسنت کے ہاں تحقیق رجال میں زیادہ تر یہی کتابیں رائج ہیں۔ ان کے علاوہ کچھ اور کتابیں بھی ہیں۔ جو گو خاص اسماء الرجال کے فن پر نہیں لکھی گئیں لیکن ان میں رجال حدیث کی بڑی تحقیقات مل جاتی ہیں۔ جیسے نصب الرایہ حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ)

شیعہ کی کُتب رجال

جس طرح شیعہ کی کتب حدیث علیحدہ ہیں ان کی اسماء الرجال کی کتابیں بھی علیحدہ ہیں۔ شیعہ حضرات جب ہماری کتابوں کا حوالہ دیتے ہیں تو اس لئے نہیں کہ ان کے ہاں صحیح بخاری اور صحیح مسلم معتبر ہیں بلکہ محض اس لئے کہ وہ اپنے مخالفین پر حجت تمام کر سکیں۔ یہ بر سبیل مناظرہ نہیں بر سبیل مجادلہ ہوتا ہے۔ جس میں تحقیق نہیں الزام خصم پیش نظر ہوتا ہے۔

یہ صحیح ہے کہ شیعہ کی کتب حدیث اپنی ہیں۔ انہیں اصول اربعہ کہتے ہیں ان کے روات بھی اپنے ہیں اور ان کی کتب رجال بھی علیحدہ ہیں۔ ان اصول اربعہ کا ذکر ہم انشاء اللہ شیعہ ورعلم حدیث کے عنوان میں کریں گے۔ یہاں ان کی بعض کتب رجال کا ذکر کیا جاتا ہے۔ تاکہ اہل سنت کی کتب رجال کے ساتھ کچھ شیعہ کتب رجال کا بھی تعارف ہو جائے اور شیعہ طلباء ان سے استفادہ کر سکیں۔

① ابو عمرو کشی (۳۷۰ھ کے قریب وفات پائی) ابن قولویہ (۳۶۹ھ) کا معاصر تھا۔ رجال کشی اس کی تالیف ہے۔ اور شیعہ کے ہاں بہت معتبر ہے۔

② علامہ نجاشی (۴۵۰ھ) نے رجال نجاشی لکھی۔ اس میں جابجا رجال کشی کا ذکر بھی ملتا ہے[۱] معلوم ہوتا ہے نجاشی کے پاس قدماء کی لکھی گئی کتب رجال موجود تھیں۔ متعدد مقامات پر اس قسم کی عبارات ملتی ہیں:۔

ذکر اصحاب الرجال فی کتبھم (رجال کشی ص۸ ص۱۱ ص۱۶۵ ص۲۲۳) ذکر ذلک ابو العباس فی کتاب الرجال (نجاشی ص۹۹) محمد بن الحسن بن علی کی بھی ایک کتاب الرجال کا پتہ ملتا ہے۔ (نجاشی ص۲۴۷) ایک جگہ یہ بھی ملتا ہے کہ حمزہ بن قاسم نے امام باقر کے رجال لکھے تھے (رجال نجاشی ص۱۰۱)۔ تتمۃ المنتہیٰ میں یہ کتاب ابن عقدہ (۳۳۲ھ) کی بتائی گئی ہے۔

---

[۱] دیکھیے رجال نجاشی ص۷ ص۱۱ ص۱۶۷

③ رجال طوسی (۴۶۰ھ) یہ محمد بن حسن طوسی تہذیب الاحکام اور الاستبصار کے مؤلف ہیں۔ ان کی ایک الفہرست بھی ہے۔ جو اسمار الرجال میں ہے۔ رجال طوسی اس کے علاوہ ہے۔

④ متاخرین میں محمد بن علی استرآبادی رجالی کے نام سے معروف ہیں۔

⑤ علامہ مامقانی کی کتاب تنقیح المقال شیعہ اسمار الرجال کا سب سے بڑا ذخیرہ ہے۔

⑥ جامع الرواۃ دو ضخیم جلدوں میں ہے

شیعہ مراتب رجال

① کل راوی ثقہ اور امامی ہوں تو حدیث فنی طور پر صحیح کہلائے گی یہ شیعہ اصطلاح ہے

② کل راوی لائق مدح ہوں اور امامی ہوں تو حدیث فنی طور پر حسن کہلائے گی۔

③ راوی کچھ ممدوح ہوں کچھ ثقہ۔ تو بھی حدیث فنی طور پر حسن ہی کہی جائے گی۔

④ کل راوی ثقہ ہوں مگر امامی نہ ہوں تو حدیث قوی کہلائے گی۔ صحیح نہیں۔

⑤ کل راوی ثقات ہوں مگر بعض غیر امامی ہوں تو بھی حدیث قوی شمار ہوگی۔

⑥ بعض راوی ممدوح ہوں اور امامی اور بعض ثقہ ہوں اور غیر امامی۔ تو بھی حدیث قوی ہوگی۔

ان رجال میں راوی کا لائق مدح ہونا ایک مستقل صفت کے طور پر مذکور ہے۔ ثقہ کے الفاظ عام ہیں۔ امامی اور غیر امامی کا فرق بھی واضح ہے۔ امامی وہ لوگ ہیں جو آئمہ کی الہٰی امامت اور اُن کی آسمانی بعثت کے قائل ہیں۔ شیعہ کے ہاں امامت نبوت کی طرح ایک آسمانی منصب ہے۔ ان کے ہاں امام بندگانِ خدا پر خدا کی حجت ہوتا ہے۔ جو اس نظریۂ امامت کے قائل ہوں۔ وہ امامی کہلاتے ہیں۔ ضروری نہیں کہ یہ سب کے سب ثقہ ہوں۔ ان میں ایسے بھی تھے جو آئمہ کے بہت گستاخ تھے بایں ہمہ وہ انکے مرکزی راوی سمجھے جاتے تھے۔

جو راوی امامی نہ ہوں مگر آئمہ کے حضور بڑے با ادب ہوں۔ انہیں امام معصوم نہ سمجھیں لیکن انہیں صلحاء اور اتقیاء میں سے جانتے ہوں اور ان کے پاس آتے جاتے ہوں اور ان سے روایت لیتے ہوں۔ یہ راوی ممدوح کہلاتے ہیں۔ اس سے مراد اُن کا آئمہ کا نظر میں لائق قبول ہونا ہے۔

لے جامع الرواۃ جلد ۲ صـ۴۷

ضبط الاسماء

اسماء الرجال میں ضبط اسماء ایک نہایت دقیق راہ ہے۔ محدثین نے اس فن پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور الاسماء والکنیٰ کی فہرستیں مرتب کی ہیں۔ اس راہ کی مشکلات اساتذہ فن کے سماع کے بغیر مشکل سے حل ہوتی ہیں۔ تاہم چند قواعد معروض ہیں، تاکہ طلبہ اس باب میں بھی کچھ جھانک سکیں۔ پہلے دور میں عربی نقطوں کے بغیر لکھی جاتی تھی ان کے صرف اشارات ہوتے تھے۔ اس جہت سے ضبط اسماء میں بہت مشکلات محسوس کی جاتی تھیں۔ اب نقطوں کی وجہ سے کچھ آسانی ہوگئی ہے۔ تاہم نمونہ کے طور پر چند قواعد بیان کئے جاتے ہیں۔ اس انداز میں اور اسماء بھی پوری طرح ضبط ہو سکتے ہیں ہم یہاں صرف پچیس ضبط اسماء ذکر کرتے ہیں:

۱۔ لفظ عیسی ـــــ کبھی عیشی بھی پڑھا جاتا ہے۔ اس وقت اس کی نسبت عیش کی طرف ہوتی ہے۔ اگر یہ بصریوں کی سند میں آئے تو اُسے عیشی پڑھا جائے کوفیوں کی سند میں آئے تو عیسیٰ بطورِ علم پڑھا جائے گا۔ شامیوں کی سند میں آئے تو لفظ عنسی ہوتا ہے۔ جہاں تصحیف لفظی ہو چکی ہو۔ وہاں ہر طرح پڑھنا روا ہوگا، جیسے عیسی بن عیسی الحباط دوسرا نام مسلم حباط ہے۔ اسے حناط بھی پڑھا گیا ہے، اور حباط پتے اور کانٹے بیچنے والا ہے، حناط گندم کا تاجر اور خیاط سینے والے کو کہتے ہیں۔ لکھنے میں یہ الفاظ متقارب ہیں۔

۲۔ لفظ سلام جہاں بھی آئے اُسے تشدید کے ساتھ سلّام پڑھیں گے اس میں صرف پانچ استثناء میں ہیں۔ جہاں تخفیف لازم ہے:

(۱) حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۲) محمد بن سلام بیکندی۔ (۳) سلام بن محمد المقدسی (۴) عبدالوہاب بن سلام (مغربی) (۵) سلام بن ابی الحقیق

۳۔ عُمارہ ـــــ ہمیشہ پیش (ضمہ) سے پڑھیں البتہ ابی بن عمارہ میں عین زیر (کسرہ) سے پڑھیں۔

۴۔ کریز کا نام آئے تو قبیلہ معلوم کرو۔ اگر خزاعی ہے تو کَریز (بالفتح) پڑھیں گے عبشمی ہے تو کُریز ضمہ کے ساتھ (بطور تصغیر) پڑھیں۔

۵۔ حزام کا لفظ ہو۔ اگر قریش میں سے ہو تو حِزام پڑھا جائے گا۔ اگر انصاری ہے تو اسے حَرام پڑھیں گے۔

۶۔ عسل میں عین زیر کسرہ کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ ہاں عَسَل زکوان میں عین اور سین زبر سے پڑھیں۔

۷۔ کبھی لفظ عنام اور عثام ایک جیسے لکھے ملتے ہیں۔ دونوں میں پہلا حرف مفتوح اور دوسرا مشدّد ہوگا۔ عثام بن علی عامر کوفی کا نام ہے۔

۸۔ اگر لفظ قمیرا آئے تو یہ تصغیر سے پڑھا جائے گا۔ اگر قمیر کا لفظ کسی عورت کے لئے ہو تو اُسے طویل کے وزن سے پڑھیں گے۔

۹۔ مسور نام مضرب کے وزن پر ہے۔ دو نام اس قاعدہ سے باہر ہیں۔
(۱) مُسَوّر بن یزید (صحابی) (۲) مُسوّر بن عبدالملک

۱۰۔ براء بن عازب میں براء تخفیف سے ہے۔ تشدید سے نہیں۔ لفظ براء جہاں بھی ہو اسی طرح پڑھا جائے۔ سوائے دو جگہ کے۔ (۱) بَرّاء ابوالعالیہ (۲) بَرّاء ابوالمعشری۔ یہاں دونوں جگہ تشدید سے پڑھیں گے۔

۱۱۔ جریر لکھنے میں حریز سے متشابہ ہوگا۔ کوفہ کے حُریز بن عثمان رحبی اور حریز عبداللہ بن حسین کے سوا یہ لفظ "جریر" جیم اور راء سے ہی پڑھا جائے گا۔

۱۲۔ حَارِثہ میں حا کی زبر اور راء کی زیر ہے۔ جب نقطے نہ ہوں تو جاریہ بھی اس سے متشابہ ہوگا: (۱) جاریہ بن قدا (۲) یزید بن جاریہ (۳) اسید بن جاریہ (۴) علاء بن جاریہ۔ انہیں حارثہ نہ پڑھا جائے گا۔

۱۳۔ خِراش میں خاء ہے۔ ربعی بن حراش میں حاء ہے۔

۱۴۔ حُصَین جہاں بھی ہو تصغیر سے پڑھیں۔ سوائے ایک راوی عثمان نام کے اسے ابو حَصِین (بروزن طویل) پڑھیں گے۔ حضین بن منذر دوسرا راوی ہے جس کے نام میں حاء زبر سے ہے۔

۱۵۔ حازم سے خازم نام ملتا جلتا ہے۔ ابو معاویہ کے ساتھ یہ نام آئے تو خازم ہے۔ یہ اعمش کوفی کے شاگرد تھے۔

۱۶۔ حَبّان پانچ مقامات پر حاء کی زبر اور باء کی تشدید سے ہے۔ (۱) حبان بن منقذ۔ (۲) یحییٰ بن حبان (۳) حبان واسع کا دادا حبان (۴) حبان بن ہلال۔ (۵) حبان واسع ——— تین جگہ حبان کسرہ سے پڑھیں: (۱) حِبان بن موسیٰ۔ (۲) حِبان بن عرفہ (۳) حِبان عطبہ۔

۱۷۔ حبیب کو تین جگہ تصغیر سے پڑھیں: (۱) حبیب بن عدی (۲) حبیب عبدالرحمٰن۔ (۳) حبیب عبداللہ۔

۱۸۔ حکیم دو جگہ تصغیر سے پڑھا گیا ہے: (۱) ازیق بن حکیم (۲) حکیم بن عبداللہ۔ اس کے سوا اُسے جہاں پڑھیں حکیم بروزن طویل پڑھیں گے۔

۱۹۔ زبید اور زبید بغیر نقطے کے لکھے جائیں تو ایک جیسے ہیں۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں یہ لفظ آئے تو تصغیر کے طور پر زبید پڑھا جائے گا۔ ہاں موطا امام مالکؒ میں اُسے زید کی تصغیر کے طور پر زیید پڑھیں گے۔

۲۰۔ سلیم کو تصغیر کے ساتھ سُلیم پڑھا جائے۔ لیکن سلیم بن حبان میں سَلیم طویل کے وزن پر ہے۔ سَلْم میں لام ہمیشہ ساکن پڑھا جائے گا۔

۲۱۔ قاضی شریح کا نام کس نے نہ سنا ہو گا۔ یہ شین کی پیش کے ساتھ ہے اور تیسرا صرف حاء ہے لیکن تین ناموں میں حاء نہیں جیم ہے۔ سریج بن یونس، سریج بن نعمان اور ابو سریج میں

۲۲۔ سلمان فارسی، سلمان بن عامر، عبدالرحمان بن سلمان، سلمان اعز، سلمان ابو حازم رجاء بن سلمان کے علاوہ یہ لفظ سلیمان ہے : حماد بن ابی سلیمان کوفہ کے مشہور استاذ۔

۲۳۔ سَلِمہ کا نام جہاں ہوگا۔ سین اور لام دونوں پر زبر آئے گی مگر عمر بن سلمہ جرمی میں لام کے نیچے زیر پڑھیں گے۔ انصار کے قبیلہ بنو سلمہ میں بھی لام سین کے ساتھ ہوگا۔

۲۴۔ عُبَیدہ تصغیر کے وزن پر ہوگا مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے شاگرد عَبیدہ، عَبیدہ بن حمید، عَبیدہ بن سفیان اور عامر بن عَبیدہ باہلی میں یہ تصغیر کیساتھ نہ پڑھا جائیگا۔

۲۵۔ حضرت عُبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے اسم گرامی سے کون واقف نہیں۔اس میں عُبادہ عین کی پیش (ضمہ) کے ساتھ ہے۔ یہ لفظ جہاں بھی آئے گا۔ عین کی پیش اور باء کی تخفیف سے آئیگا (تشدید سے نہیں) ہاں محمد بن عَبادہ میں عین زبر کے ساتھ پڑھی جائے گی۔ عبّاد اکیلا ہو تو عین کی زبر اور باء کی تشدید ہوگی۔ صرف قیس بن عُباد میں عین پیش کے ساتھ اور باء تخفیف سے ہے ــــــ عَبد جہاں ہوگا عین کی زبر ہوگی اور باء ساکن ہوگی، البتہ عامر بن عَبَدہ اور بحالہ بن عَبَدَ میں عین اور باء زبر سے۔

۲۶۔ عُقَیل کا لفظ جہاں بھی ہو۔طویل کے وزن میں پڑھا جائے۔ہاں امام زہری کے شاگرد عُقیل بن خالد اور یحییٰ بن عُقیل میں اُسے تصغیر کے ساتھ پڑھیں گے۔عقیل ایک قبیلہ کا نام بھی ہے۔ ان تین کے سوا اُسے صفت مشبہ کے وزن پر پڑھا جائیگا۔

حافظ ابو اسحق ابراہیم بن عبداللہ النجیرمی اس فن کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

اولی الاشیاء بالضبط اسماء الناس لانہ شئ لایدخلہ القیاس ولاقبلہ شئ ولابعدہ شئ یدل علیہ[1]

ترجمہ: ضبط کے اعتبار سے سب سے اہم لوگوں (راویوں) کے نام ہیں کیونکہ یہ ایک ایسی چیز جسمیں قیاس کا کوئی دخل نہیں اور نہ اس سے پہلے اور اس کے بعد کوئی ایسی چیز ہے جو اسی پر (نام پر) دلالت کرسکے۔

حافظ ذہبی کی تذہیب التہذیب کے مقدمہ میں امام علی المدینی (۲۳۴ھ) سے منقول ہے:

الفقہ فی معانی الحدیث نصف العلم ومعرفۃ الرجال نصف العلم[2]

---

[1] المؤتلف المختلف ص۲ للحافظ عبدالغنی الازدی المصری (۴۰۹ھ) [2] مقدمہ خلاصہ تہذیب الکمال ص۲

شیعہ اور علم حدیث

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد

تاریخ اسلام میں عامۃ المسلمین اس علمی زینہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچے ہیں۔ جس کی بحث ہم تدوین حدیث میں کر آئے ہیں۔ شیعہ علماء اس علمی رسائی میں عامہ اہل اسلام کے ساتھ نہیں وہ اس پورے سلسلے پر اعتماد نہیں کرتے اگر وہ کہیں ان کتابوں سے حوالہ پیش کرتے ہیں تو وہ محض الزاما ہوتا ہے ان کا علم حدیث ایک متوازی سلسلہ ہے جو چوتھی صدی سے شروع ہوا ان کا پہلا مرکزی محدث ملا محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۸ھ) ہے کلین بغداد کے ایک محلہ کا نام ہے علامہ کلینی نے شیعہ عقیدہ کے مطابق امام منتظر (محمد بن حسن المہدی) کی غیبت صغریٰ کا دور پایا ہے اور حضرت امام نے اپنے پہلے ظہور میں ان کی کتاب الکافی کی پوری تصدیق کی ہے[۱]۔ اس کا کتاب کا نام حضرت امام کی تصدیق ھٰذا کافٍ لشیعتنا سے ماخوذ ہے اس سے اس کتاب کی عظمت اور بڑھ جاتی ہے اور اس کا لفظ لفظ شیعہ حضرات کے لئے سند بن جاتا ہے۔

بارھویں امام محمد بن حسن المہدی (۲۵۶ھ) میں پیدا ہوئے یہ سن عامۃ کے مرکزی محدث امام بخاریؒ کا سال وفات ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ علماء اہل السنۃ والجماعۃ تدوین حدیث میں شیعہ علماء سے بہت پہلے اپنے کمال کو پہنچ چکے تھے شیعہ علماء ہنوز اپنے آئمہ معصومین امام تقی محمد بن علی بن موسیٰ الجواد (۲۲۰ھ) امام نقی علی بن محمد ابوالحسن الثالث (۲۵۴ھ) سے فیضیاب ہو رہے تھے اور ان کی حدیثیں ابھی املاء میں تھیں کہ امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) اپنا شاہکار الجامع الصحیح المسند (صحیح بخاری) مکمل کر چکے تھے۔

علامہ کلینی (۳۲۸ھ) نے جب اپنی کتاب الکافی مکمل کی اس وقت اہل السنۃ والجماعۃ کے امام حدیث امام ابوجعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) ان کے ہم عصر تھے۔ علامہ کلینی کی ان کے برابر شہرت نہ تھی۔

---

[۱] مزید دیکھئے منتھی المقال صفحہ ۲۹۸ الصافی جلد ۱ صفحہ ۴ مستدرک الوسائل جلد ۳ صفحہ ۵۳۲

[۲] روضات الجنات صفحہ ۵۵۳ حاشیہ اصول کافی جلد نمبر ۱ صفحہ ۲۵

کیونکہ انہیں ان کے خاص حالات میں تقیہ کے پردے میں رہنا پڑتا تھا۔ آئمہ اہل سنت کھلے بندوں اپنی روایات کی جمع و تدوین اور شرح و تطبیق کے درپے تھے اور شیعہ کے ہاں اس قسم کی کھلی آزادی نہ تھی تاہم یہ صحیح ہے کہ اس دور میں اس کتاب (کافی کلینی) کے ذریعے اثنا عشری شیعہ مذہب پہلی مرتبہ مرتب ہوا اور جو علماء بھی اس کتاب پہ مطلع ہوئے۔ شیعہ مذہب اپنی مذہبی شکل میں اب ان کے سامنے بالکل واضح تھا۔ آئمہ اہل سنت ابوالحسن الاشعری (۳۲۴ھ) اور ابوالمنصور الماتریدی (۳۳۳ھ) اس دور میں اُٹھے اور انہوں نے عقائد اہل السنت کے گرد حفاظتی بند باندھے۔ یہ وہ دور تھا جب شیعہ مذہب پہلی مرتبہ مرتب ہو کر ایک علمی شکل میں عوام کے سامنے آیا۔

شیعہ کے اصول اربعہ

جس طرح اہل سنت والجماعت کے ہاں صحاح ستہ مرکزی کتب حدیث سمجھی جاتی ہیں۔ شیعہ کے ہاں اُصول اربعہ ہیں جو تین محمد نامی محدثین کی تالیفات ہیں یہ مؤلفین محمد بن ثلثہ (تین محمد) کے نام سے معروف ہیں۔ شیعہ علم حدیث کا انہی پہ مدار ہے۔ محدثین ثلثہ کے دیگر اقران میں مؤلف نہج البلاغہ شریف رضی (۴۰۴ھ) شیخ مفید (۴۱۲ھ) اور علم الہدیٰ سید مرتضیٰ (۴۳۶ھ) بھی معروف ہیں۔ اور ان حضرات کی تالیفات بھی اسی نہج پر مُرتّب ہوئیں مگر یہ شیعہ علماء کے ہاں اُصول اربعہ کے درجہ میں نہیں

اُصول اربعہ کے اِبتدائی ماخذ

یہ درست ہے کہ ان قدماء شیعہ کے پاس بہت سے ابتدائی مسودے تھے جو مختلف لوگوں نے آئمہ کی مجالس سے مُرتّب کئے تھے اور ان کی نقل و اِملاء سے شیعہ مذہب اندر ہی اندر ترتیب پا رہا تھا۔ ایسی تحریریں ان کے پاس چار سو کے قریب بتائی جاتی ہیں جن سے یہ

اُصول اربعہ مرتب ہوئے۔ کافی کلینی سے پتہ چلتاہے کہ ائمہ بھی حدیثیں لکھتے رہے ہیں[1] اور دوسروں کی لکھی کی تصحیح بھی کرتے رہے ہیں[2]۔ یونس نے کتاب الدیات امام رضا کو سنائی[3]۔ کتاب الفرائض بھی آپ پر پڑھی گئی[4]۔ آئمہ حدیثوں کی تصحیح بھی کرتے تھے۔ امام رضا اپنے ایک شاگرد کو ایک حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں ارو ہ فانہٗ صحیح[5] اسے روایت کرو۔ یہ بیشک صحیح ہے۔ امام زین العابدین کی تقریر قلم بند کی جاتی تھی[5]۔ ظاہر ہے اس میں احادیث کس قدر ہوتی ہوں گی امام باقر کا مسائل لکھنا[6]۔ دسویں امام الہادی ابوالحسن الثالث کلمسائل کا لکھنا[7] یہ بھی کافی کلینی میں مذکور ہے رجال کشی میں ہے یونس بن عبدالرحمٰن کی کتاب یوم دلیلۃ امام رضا کی نظر سے گزری[8]۔ کافی کلینی میں ساتویں امام موسیٰ کاظم کے ایک رسالہ کا ذکر بھی ملتا ہے۔[9] امام زین العابدین کے ایک صحیفہ کا ذکر روضہ کافی جلد ۸ صفحہ ۱۴ پر ملتا ہے اس میں یہ بھی ہے کہ امام نے اسے صحیح فرمایا ہے۔ اصول کافی میں بھی اس طرف ایک اشارہ موجود ہے[10]

شیعہ علماء لکھتے ہیں کہ چار سو کے قریب ایسے مسودے تھے جو اصول کہلاتے تھے۔ محمدین ثلثہ نے انہی کی مدد سے یہ اصول اربعہ مرتب کئے ہیں۔ جن پر آج شیعہ علم حدیث کا مدار ہے۔ علامہ مامقانی لکھتے ہیں۔ دیکھئے یہ کتاب مذکور ہے۔

استقرار الامامیۃ علی اربعمائۃ مصنفٍ سمّوھا اصولاً[11]

الکافی میں زرارہ کے ایک پوتا شاگرد موسیٰ بن بکیر کی کتاب کا بھی پتہ ملتا ہے[12]

---

[1] آٹھویں امام رضا کی تحریرات کے لئے دیکھئے اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۹۶۔ دوسرے ائمہ کی تحریرات کا پتہ اصول کافی جلد ۲ صفحہ ۳۲۷، صفحہ ۵۲۴ فروع کافی جلد ۳ صفحہ ۲۸۲ جلد ۴ صفحہ ۵۳۶ جلد ۷ صفحہ ۱۶۳ صفحہ ۲۲۸، ۲۳۸، ۲۹۷، ۳۸۱، ۴۲۱ سے ملتا ہے۔ حضرت علیؑ کا تحریر کردہ مسودہ کتاب علی کے نام سے جگہ جگہ ملتا ہے۔ دیکھئے اصول کافی جلد ۱ صفحہ ۴۱، ۵۷، ۶۴، ۲۴۲، ۴۰۷ جلد ۲ صفحہ ۱۳۶، ۲۷۸، ۲۵۹، ۴۸۴، ۶۶۶ فروع کافی جلد ۳ صفحہ ۹، ۳۱، ۱۷۵، ۳۹۷، ۵۰۵، ۵۳۹ جلد ۴ صفحہ ۳۶۸، ۳۸۹، ۳۹۰، جلد ۵ صفحہ ۱۳۶، ۲۷۹، ۵۱۴ چھٹی ساتویں جلد میں اس کتاب کے بہت حوالے ملتے ہیں جلد ۸ روضہ کافی صفحہ ۱۲۱، ۲۹۵، ۱۶۳، ۲۳۳ میں بھی اس کتاب کا حوالہ ملتا ہے۔ معانی الاخبار کے پہلے صفحہ پر بھی کتاب علی کا ذکر ہے استبصار جلد ۴ صفحہ ۲۸۹ پر بھی دیکھئے یہ کتاب مذکور ہے۔

[2] فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۳۱۱ [3] فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۳۳۰ [4] جلد ۷ صفحہ ۳۲۴، ۳۲۷ [5] روضہ کافی جلد ۸ صفحہ ۲۰۷ [6] فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۲۲۸ [7] جلد ۷ صفحہ ۲۳۸ [8] رجال کشی صفحہ ۴۰۹ [9] فروع کافی جلد ۷ صفحہ ۳۸۱، ۴۲۱ [10] دیکھئے اصول کافی ۲ صفحہ ۲۸۲ [11] رجال مامقانی جلد ۳ صفحہ ۱۸۴ علامہ تقی مجلسی بھی شرح الفقیہ جلد ۱ صفحہ ۵۹۱ ان کا ذکر کرتے ہیں۔ [12] فروع کافی صفحہ ۹۷ جلد ۷

علامہ کلینی کی ابوبصیر سے ملاقات نہیں ہوئی مگر وہ ان سے روایت لیتے ہیں یہ سب ابوبصیر کی تحریرات سے لیا معلوم ہوتا ہے۔ شیخ مفید اور شیخ صدوق کلینی سے روایت کرتے ہیں۔ حالانکہ دونوں کی کلینی سے ملاقات ثابت نہیں۔ شیعہ علماء ایسے تمام مباحث میں ان مسودوں پر بھروسہ کرتے ہیں۔ جو ان کے ہاں اصول سمجھے جاتے تھے۔ امام باقر کتابوں سے روایت کرنا جائز بتاتے تھے۔[۱]

ان الکلینی روی عن ابی بصیر مع انہ لم یلاقہ والشیخ والصدوق رویا عن الکلینی مع انہما لم یلاقاہ وامثال ھٰذا کثیر فھم یروون عن الاصول التی لھم[۲]

ترجمہ :۔ کلینی نے ابوبصیر سے احادیث روایت کی ہیں حالانکہ اس کی اس سے ملاقات نہیں ہوئی اسی طرح شیخ اور صدوق نے کلینی سے احادیث روایت کی ہیں اور ان کی کلینی سے ملاقات ثابت نہیں اور اس جیسی اور بھی مثالیں ہیں۔ سو یہ لوگ (اصل محدث سے نہیں) ان کتابوں سے روایت کرتے ہیں جو ان کے پاس اصل کے درجہ میں تھیں۔

اُصول اربعہ اور ان کے شروح

۱۔ الکافی ۔ یہ کتاب کافی کلینی کے نام سے موسوم ہے پہلی دو جلدیں اصول کافی کی ہیں اگلی جلدیں فروع کافی اور آٹھویں جلد روضہ کافی کے نام سے موسوم ہے۔ الکافی کی مختلف شروح لکھی گئیں۔ فارسی شروح میں ملا خلیل قزوینی (۱۰۸۹ھ) کی شرح جامع ہے۔ عربی شروح میں مراۃ العقول فی شرح اخبار الرسول۔ ملا باقر مجلسی (۱۱۱۰ھ) کی مفصل شرح ہے۔

شیخ مفید (۴۱۳ھ) اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

ھو من اجل کتب الشیعہ واکثرھا فائدۃ[۳]

ملا فیض کاشانی لکھتے ہیں :۔

اشرفھا واوثقھا واتمھا واجمعھا لاشتمالہ علی الاصول من بینھا وخلوہ من الفضول وشینھا[۴]

---

[۱] اصول کافی جلد ۲ صفہ ۳۸۱ [۲] حاشیہ فروغ کافی جلد ۴ صف ۵۰۷ اسناد الراوی الی ما وجدہ فی کتاب ولم یسمعہ من محدث حاشیہ فروغ کافی جلد ۳ صفہ ۴۰۱ [۳] تصحیح الاعتقاد صفہ ۲۷ [۴] الوافی جلد ۱ صفہ ۶ طبع طہران

ترجمہ:- ان تمام کتب میں یہ اشرف ہے اوثق ہے کامل ہے اور اجمع ہے سب اصول کو مشتمل ہے اور ہر زائد اور عیب سے خالی ہے۔

۲- **من لا یحضرہ الفقیہ** علّامہ محمد بن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) کی تالیف ہے۔ دو ضخیم جلدوں میں ہے دونوں جلدیں یکجا مجلد ملتی ہیں۔ مؤلف کے ہمعصر علمائے اہل السنت والجماعت میں حافظ ابوالشیخ اصبہانی (۳۶۹ھ) اور علامہ خطابی (۳۸۸ھ) مشہور محدث گزرے ہیں۔

اس کی مشہور ترین فارسی شرح ملا محمد تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) نے کی ہے جو شرح الفقیہ کے نام سے موسوم ہے اور ضخیم جلدوں میں ہے۔ اسے لوامع صاحبقرانی بھی کہتے ہیں۔

۳- **تہذیب الاحکام** ابوجعفر محمد بن حسن الطوسی (۴۶۰ھ) کی تالیف ہے۔ ایران کی قدیم طبع، بڑی تقطیع کی دو ضخیم جلدوں میں ہے احادیث احکام کا بڑا شیعی ذخیرہ ہے مؤلف کے ہمعصر سُنی محدثین میں حافظ ابوبکر البیہقی (۴۵۸ھ) علامہ ابن البر مالکی (۴۶۳ھ) خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) مشہور شخصیتیں ہیں۔ ابن حزم (۴۵۷ھ) بھی اسی دور سے تعلق رکھتے ہیں۔ تہذیب کی سند سے علمائے شیعہ نے کئی جگہ کافی کی سند کی بھی تصحیح کی ہے [1] اس سے ان کے ہاں اس کتاب کی عظمت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کی احادیث ساڑھے تیرہ ہزار کے قریب ہیں۔ قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) نے تہذیب الاحکام کے نام سے اس کی شرح لکھی ہے۔ علامہ تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) نے احیاء الاحادیث کے نام سے اور ملا باقر مجلسی نے ملاذ الاخیار کے نام سے اس کی شروح لکھی ہیں۔

۴- **الاستبصار فیما اختلف من الاخبار** ابوجعفر محمد بن حسن طوسی کی تالیف ہے۔ مؤلف نے روایات متعارضہ کو جمع کیا ہے۔ اور ان میں تطبیق پیدا کرنے کی کوشش کی ہے یہ تین جلدوں میں ہے۔ پہلی دو جلدیں عبادات پر ہیں۔ تیسری میں دیگر معاملات اور عقود و احکام ہیں۔

شیعہ اقسام حدیث

جس طرح شیعہ علم حدیث اہل سنت علم حدیث کے متقابل بالکل ایک متوازی راہ ہے ان کی اصطلاحات بھی عامۃ المحدثین سے مختلف ہیں [2]

انکے ہاں فائدہ رابعہ کے تحت احادیث کی یہ قسمیں بتائی گئی ہیں۔

---

[1] دیکھئے کافی کلینی جلد ۵ صفحہ ۱۷۴، ۲۱۲، [2] دیکھئے جامع الرواۃ جلد ۲ صفحہ ۴۷۰ پر

تمام راوی ثقہ ہوں اور عقیدہ امامت رکھتے ہوں۔ ان کی حدیث صحیح شمار ہوگی۔ راوی امامی ہوں مگر ثقہ نہ ہوں۔ ہاں ممدوح ہوں تو ان کی روایت حدیث حسن سمجھی جائے گی۔ بعض رواۃ ثقہ ہوں اور بعض ممدوح تو بھی حدیث حسن رہے گی ۔ ہاں راوی سب کے سب ثقہ ہوں۔ مگر عقیدہ امامت نہ رکھتے ہوں تو ان کی حدیث قوی شمار ہوگی۔ بعض راوی امامی ہوں اور بعض غیرامامی مگر ہوں سب کے سب ثقہ تو بھی حدیث قوی سمجھی جائے گی ۔۔۔۔ کسی حدیث کے بعض راوی ممدوح ہوں اور امامی ہوں اور بعض دوسرے راوی ثقہ ہوں۔ مگر غیر امامی ہوں تو بھی حدیث قوی ٹھہرے گی۔ ضعیف راویوں کی روایت البتہ ضعیف ہوگی۔ حدیث ضعیف کی مثال الکافی جلد ۳ صفحہ ۱۰۵ میں دیکھئے۔ داؤد الرقی اور یعقوب بن سالم میں ضعف الکافی جلد ۳ صفحہ ۶۴ پر دیکھیں۔ عباد بن صہیب اور سکرنی میں سند کا ضعف الکافی ۳ صفحہ ۶۶ کے حاشیہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اہل سنت کے ہاں کسی راوی کے بارے میں یہ پتہ چلے کہ وہ عمداً غلط بیانی کرتا ہے تو اس کی روایت قابل اعتماد نہیں رہتی۔ لیکن شیعہ کے ہاں اس سے روایت متردد نہیں ہوتی۔ کیونکہ ممکن ہے وہ تقیہ کے تحت ایسا کر رہا ہو۔ اور تقیہ ان کے ہاں ہر بات میں ہوسکتا ہے۔ اس صورت حال میں ان کے علماء زیادہ تر گروہی اعتماد پر فیصلہ کرتے ہیں۔

آئمہ شیعہ کے ہاں اٹھنے بیٹھنے والے سب کے سب امامی نہ تھے وہ حضرات انہیں علماء، نیکو کار اور صلحاء امت سمجھ کر ان کی مجلسوں میں آتے اور ان سے مستفید ہوتے تھے ان حضرات کا عقیدہ ان بزرگوں کے بارے میں وہی تھا جو آج کے اہل سنت کا ہے یہ لوگ اسی نظریہ سے ان کی مجالس میں حاضری دیتے تھے آئمہ حضرات بھی انہیں مومن سمجھتے تھے۔ اور ان کی عدالت کے معترف رہتے تھے۔ ملا محمد باقر مجلسی (۱۱۱۰ھ) لکھتے ہیں۔

"جمعے از راویان کہ در اعصار ائمہ بودہ اند از شیعان اعتقاد بعصمت ایشان نداشتہ اند بلکہ ایشان را از علمائے نیکو کار میدانستہ اند چنانچہ از رجال کشی ظاہر مے شود و مع ذلک ائمہ حکم بایمان بلکہ بعدالت ایشاں مے کردہ اند" [1]

---

[1] حق الیقین صفحہ ۵۴۴ مطبع ایران

ترجمہ :- بہت سے شیعہ راویان حدیث جو ائمہ کے ہمعصر ہوئے ان کے معصوم ہونے کا عقیدہ نہ رکھتے تھے اس کی بجائے وہ انہیں علمائے نیکو کار ہیں سے جانتے تھے۔ رجال کشی سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے اس کے باوجود ائمہ کرام انہیں مومن سمجھتے تھے اور انہیں عادل راوی جانتے رہے ہیں۔

الحاصل شیعہ کتب حدیث میں وہ رواۃ بے شمار ہیں جو امامی نہ تھے۔ ائمہ کا عام طریقہ بھی یہی رہا کہ قبول روایت کے لئے راویوں میں امامی ہونے کی شرط نہ رکھی جائے۔ آج شیعہ علماء جن کتابوں پر اعتماد رکھتے ہیں وہ سب ملے جلے راویوں کا مجموعہ ہیں۔ اصول کافی تو اس لئے ہر جرح سے نکل گئی کہ اسے امام منتظر محمد بن حسن امام مہدی نے پسند فرمایا اور باقی تین کتابیں اس لئے اصول ٹھہریں کہ ان پر اثنا عشری شیعوں کے معتمد اور مسلم علماء نے اظہار اعتماد کیا یہ صحیح ہے۔ کہ ان میں بعض ایسی روایات بھی ہیں جو تقیہ پر مبنی ہیں لیکن تقیہ سے یکسر علیحدہ ہو کر بھی تو شیعہ مذہب کا کوئی خاکہ طے نہیں کیا جا سکتا۔

متاخرین شیعہ پر اس سلسلہ میں بہت مشکلات آئیں۔ ان روایات کی جانچ پڑتال میں انہیں بہت مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔ تقیہ کی روایات کو دوسری روایات سے نکھارنا کچھ کم مشکل راہ نہ تھی ان کے بعض متاخرین نے اپنے علم حدیث پر قلم اٹھایا اور محنت شاقہ کی۔ ان میں محمد بن علی موسوی صاحب المدارک (۱۰۰۹ھ) زین الدین بحرانی (۱۰۶۴ھ) محمد بن علی استر بادی رجالی (۱۰۲۸ھ) شہید ثانی زین الدین عاملی (۱۰۳۲ھ) میر محمد باقر داماد (۱۰۴۱ھ)۔ قاضی نور اللہ شوستری (۱۰۱۹ھ) ملا فیض صاحب الوافی (۱۰۹۱ھ) ملا تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) ملا باقر مجلسی (۱۱۱۰ھ) ملا محسن کاشانی (۱۱۱۲ھ) نعمت اللہ الجزائری (۱۱۱۲ھ) اور محمد باقر خوانساری صاحب روضات الجنات اور مرزا حسین نوری صاحب مستدرک الوسائل بہت ممتاز ہیں۔

صحاح ستہ اور اصول اربعہ میں فرق روایت

جس طرح اہل السنۃ والجماعۃ کی صحاح ستہ اپنے مؤلفین سے تواتر کے ساتھ منقول ہیں ان سے لے کر اب تک ہزاروں راوی انہیں نقل کرتے آئے ہیں شیعہ اصول اربعہ اس

شہرت و تواتر سے اپنے مؤلفین سے آگے نہ نکل سکیں شیعہ علماء کو تقیہ کی کٹھن منزلوں سے گزرنا ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات اپنے کو بھی چھپانا پڑتا تھا ان حالات میں ان کتابوں کا درس اس انداز سے نہ چل سکا جس طرح صحاح ستہ کا دورۂ حدیث چلا اور اب تک چل رہا ہے

ہاں اس میں شبہ نہیں کہ شیعہ علماء نے اپنے خاص حلقوں میں ان کتابوں کی نقل و املاء برابر جاری رکھی۔ حلقہ خاصہ کا انہیں برابر اعتماد حاصل رہا۔ لیکن ظاہر ہے کہ انہیں اس قسم کا تواتر د یقین میسر نہ آسکتا تھا۔ جو تلبس تقیہ کے بغیر کسی قوم کو حاصل ہو سکتا ہے یہاں تک کہ ان کے ائمہ بھی اپنے گرد ایسا ماحول نہ بنا سکے۔ جو صرف امامی تلامذہ کا ہو۔ بلکہ ان کے گرد جمع ہونے والے شیعہ بھی سب کے سب امامی نہ ہوتے تھے۔

ان حالات میں واضح ہے کہ شیعہ مذہب میں حدیث قواعد و کتب کے گرد نہیں اپنی خاص شخصیات کے گرد گھومتی ہے ان کے ہاں علماء اور مجتہدین قواعد و کتب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ پھر ان کے ہاں کسی فوت شدہ کی تقلید بھی تو نہیں۔ جس پر گذشتہ فتووں کی ان پر کوئی ذمہ داری آئے۔ ہر زندہ مجتہد نئے مقلدین کا سردار ہوتا ہے اور اسی پر ان کے سارے دین د مذہب کا مدار ــــــ شیعہ طلبہ کی راہنمائی کے لئے ہم نے یہ اُن کے گھر کا خاکہ پیش کیا ہے۔

زندہ علماء میں اتفاق رہے تو انہیں کتابوں سے زیادہ اہمیت دی جا سکتی ہے۔ لیکن اگر یہ اختلاف راہ پا جائے اور علماء مختلف فرقوں میں بٹ جائیں تو پھر صرف کتابیں فیصلہ کن رول ادا کر سکتی ہیں۔ پہلے دور اس زمانے کی نسبت خیر کے تھے۔ اس زمانے میں زبانی اعتماد پر بہت کام کیا جا سکتا تھا۔ لیکن اس زمانے میں جو شر و فساد اور طمع و اغراض کا دور ہے اور ظاہر ہے کہ کئی علماء بھی اس سے متاثر ہو نگے سو اگر کسی قوم کو زندہ علماء کے سپرد کر دیا جائے اور انہیں ان کی تقلید کا پابند کیا جائے اور پچھلوں کی پیروی اذامات المفتی مات الفتوی کی نذر کر دی جائے تو پھر قوم نہایت قابل رحم ہوگی۔ پھر ایسے دور میں جب ان کے موجودہ مسائل کا تواتر اپنے قدماء سے ٹوٹ چکا ہو جیسا کہ ملا تقی مجلسی کی رائے ہے تو پھر یہ منزل قوم کے لئے کس قدر اذیت ناک ہو سکتی ہے یہ آپ سوچیں اور پھر اسکے سوا چارۂ کار نہیں کہ سب مل کر حضرت امام مہدی کا انتظار کریں۔

اسلوب حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد!

حدیث کے طلبہ کے لئے یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اسلوب بیان کیا تھا۔ قرآن کریم کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ آپ کا انداز بیان حکیمانہ اور لہجہ سخن بہت نرم تھا۔ قرآن کریم میں ہے کہ آپ قرآن کریم سنانے اور صحابہ کی تربیت کرنے کے ساتھ ساتھ معلم حکمت بھی ہیں۔ آپ نے امت میں اخلاق و حکمت کے پھول چُنے۔ اپنے آپ کو معلم اخلاق بتلایا۔ قرآن کریم نے آپ کے وصف ویعلمہم الکتاب والحکمۃ کی بھی خبر دی ہے اور آپ کا لہجہ سخن یہ بتایا فبما رحمۃ من اللہ لنت لہم ولو کنت فظاً غلیظ القلب لانفضوا من حولک[۱]

(ترجمہ): سو یہ اللہ ہی کی رحمت ہے کہ آپ ان کے سامنے نرم دل رہے۔ اور اگر آپ ہوتے سخت دل تند خو تو یہ آپ کے پاس سے متفرق ہو جاتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

انزلوا الناس منازلہم۔[۲]

(ترجمہ): لوگوں کے سامنے اس طرح اترو جس درجہ کے وہ ہوں۔

آپ اُمت کے لئے شفقت مجسم تھے۔ بات نہایت آسان کرتے۔ مثالیں دے دے کر بات واضح کرتے اور اُسے دلوں میں اتارتے۔ ایسی بات جس سے مغالطہ پیدا ہو، اس سے منع فرماتے۔ ایک بات پر لمبی تقریر نہ فرماتے۔ جو بات فرماتے پختہ اور محکم ہوتی۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ جب کسی امر الٰہی کا بیان ہوتا تو اللہ رب العزت کے اجلال میں آپ کے چہرہ انور پر کبھی کچھ آثار جلال آجاتے۔ یہ خالق اور مخلوق کے درمیان ہو کر خالق کیطرف جھکنے کا ایک پیرایہ تھا۔ یہ بات آپ پہلے جان چکے ہیں کہ حدیث کا سرچشمہ بھی وحی خداوندی ہے۔ الفاظ خدا کی

---

[۱] پ ۴، آل عمران ع ۱۷)　[۲] سنن ابی داؤد، جلد ۲ ص ۶۶۵۔

طرف سے مقرر ہوں تو یہ وحی قرآن ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے ہوں تو یہ حدیث ہے۔ سو حدیث معنیً شانِ اعجاز رکھتی ہے اور اسے کسی پہلو سے غلط ثابت نہیں کیا جا سکتا لفظاً یہ معجز نہیں تاکہ قرآن کریم کی شان اعجاز واضح رہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح قرآن کے مقابل مشرکین سے نظیر مانگی اپنے الفاظ کو آپ نے کبھی بے مثل نہ ٹھہرایا نہ کبھی یہ دعویٰ کیا کہ یہ حد اعجاز کو چھو رہے ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ آپ جوامع الکلم سے نوازے گئے اور انسانی کلام فصاحت اور بلاغت کی جس بلندی تک جا سکتا ہے آپ اس میں بات کہتے تھے اور اس پہلو سے آپ کی بات بہت جامع ہوتی تھی۔

اسلوب بیان حالات کے آئینہ میں

انسان کی زندگی طرح طرح کے حالات سے گزرتی ہے۔ کہیں انسان غموں میں گھرا ہوتا اور کہیں خوشی کی لہروں میں گھومتا ہے۔ یعنی غم کے وقت اس سے خوشی کی بات نہیں نکلتی اور عین خوشی میں اس کے الفاظ کبھی غم آلود نہیں ہوتے۔ اس کا اسلوب گفتگو اس کے حالات کے ساتھ ساتھ بدلتا ہے اور اس کے خیالات کا مظہر ہوتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن اترتا تو اس کا اسلوب بیان اپنا ہوتا تھا۔ یہ کلام معجز تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات خوشی یا غمی سے گزرتے اور آپ کا لہجہ سخن انکے مطابق ہوتا۔ آپ کے الفاظ میں آپ کے حالات کی جھلک ہوتی، پھر کبھی اچانک قرآن کریم کا نزول ہوتا جسکا پیرایہ آپ کے حالات سے بالکل مختلف ہوتا۔ سننے والوں کو اس کے کلام الٰہی ہونے کا اور یقین ہوتا کہ اگر یہ واقعی آپ کا اپنا بنایا کلام تھا تو آپ کے خوشی یا غمی کے حالات اس میں کیوں نہیں جھلکتے۔ انہیں اسلوب حدیث اور اسلوب قرآن میں واضح فرق محسوس ہوتا تھا اور انہیں جب ایک ہی شخصیت سے دو مختلف اسلوب ملتے تو یہ وہ سچائی ہے جو مخالف سے مخالف سے بھی اپنا لوہا منوائے بغیر نہ رہی اور وہ بے اختیار کہنے لگتے، ہو سکتا ہے یہ کسی جن کا کلام ہو، جو آپ کے کلام سے بالکل علیحدہ اسلوب رکھتا ہے۔ وہ اپنے پہلے موقف

پر کہ یہ کلام آپ کا اپنا بنایا ہوا ہے۔ قائم نہ رہتے۔ یہ اسی لیئے ہوتا کہ آپ کا اپنا اسلوب بیان قرآنِ پاک کے اسلوب سے مختلف ہوتا تھا۔

آپ اپنی بات کہتے بعض دفعہ اسے تین تین بار دہراتے۔ حدیث میں یہ تکرار بظاہر خلافِ فصاحت نظر آتا ہے لیکن جب حالات سامع پر نظر کی جائے تو آپ کا یہ کلام بلاغت پر پورا اُترتا تھا اور مقتضائے حال کے بالکل مطابق ہوتا تھا۔

آپ غرائب الفاظ سے پرہیز فرماتے، لیکن عرب اسالیب کبھی خود ان کا تقاضا کرتے ہیں۔ سو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی بعض اوقات غرائب کا استعمال کرتے تھے۔ ان میں کچھ پیچیدگی تو ہوتی تھی، لیکن مغالطہ دہی نہیں۔ حدیث ام زرع کے بعض پیچیدہ الفاظ اسی قبیل سے ہیں اور یہ زبان کی دقیق راہوں سے گزرنا ہے۔ دقائق پر قابو پانا کسی جہت سے مخل فصاحت نہیں ہیں[1] علمائے حدیث کے ہاں غریب الحدیث ایک مستقل موضوع کلام ہے جس پر انشاء اللہ آئندہ کبھی گفتگو ہوگی۔ آج کی مجلس میں حدیث کے ان پیراؤں پر نظر کریں جنہیں آپ نے کمال شان جامعیت اور کبھی عجیب و غریب مثالوں سے واضح فرمایا اور بات دلوں میں اتاری۔ کبھی آپ نے اپنے ادبی ذوق میں قافیہ دار الفاظ بھی کہے اور اسے بھی آپ کے اسلوب بیان میں ایک اہم درجہ حاصل ہے۔ ہم پہلے احادیث سے آپ کے اسلوب بیان کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔ پھر آپ کی اپنی بیان کردہ مثالوں کا ذکر ہوگا۔ اس دوسرے حصے کو امثال الحدیث کے مستقل عنوان سے بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔ گو یہ پیرایہ بیان بھی اسلوب حدیث کا ایک حصہ ہے۔

اسلوب جامعیت

دیانت کے تین محال ہیں:

۱ــــ دیانت HONESTY اور نفاق HYPOCRACY مقابلے کے الفاظ ہیں۔

(۱) زبان۔ یہ دیانت پر ہو۔ تو اس سے سچ نکلتا ہے جھوٹ نہیں۔ (۲) نیت دیانت پر ہو تو انسان آئندہ کے بارے میں کوئی ایسی بات نہیں کرتا کہ دل میں اس کے خلاف ہو۔

---

[1] آپ نے فرمایا: لا یدخل الجنۃ الجواظ الجعظری۔ والجواظ الغلیظ الفظ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۳) عمل دیانت پر ہو تو انسان کسی کی امانت اور اس کے حق میں خیانت نہیں کرتا۔
ظاہر ہے کہ نفاق کے موضوع بھی تین ہی ہونگے، زبان، نیت اور عمل۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی علامات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

آیۃ المنافق ثلث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اوتمن خان (بخاری ج۱)

منافق کے تین نشان ہیں۔ بات کرے تو جھوٹ بولے۔ وعدہ کرے تو اُلٹ کرے (پہلے سے نیت ہو کہ پورا نہ کرونگا) اور جب اُسکے پاس کسی کی امانت (یا حق) ہو تو وہ خیانت کرے۔ جس شخص میں ان میں سے کوئی عیب ہو۔ اس میں یہ علامت نفاق ہے اور جس میں یہ سب صفات پائی جائیں اس کے پکا منافق ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس حدیث کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کتاب الایمان میں لائے ہیں۔ کتاب الادب میں نہیں۔

اس حدیث نے کس طرح نفاق کے مضامین کا احاطہ کیا ہے، یہ آپ کے سامنے ہے اس جامعیت سے بات کرنا آپ کو کلام رسالت میں ہی ملے گا یہی اسلوب حدیث ہے۔

۲۔ انسان خواہشات کا پتلا ہے۔ اپنی چیز دوسروں سے سمیٹ کر رکھتا ہے اپنے خیال رائے کو پختہ سمجھتا ہے۔ خواہش نفسانی (ھوی) اپنے کو سمیٹ کر رکھنا (بخل) اور ہر بات میں اپنی رائے دینا ہے۔ یہ انسان کی فطرت تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روک اور قدغن نہیں لگائی، یہ نہ فرمایا کہ اس میں خواہش نہ اُبھرے۔ جذبہ بخل نہ اُبھرے اور وہ ہر بات میں اپنی رائے قائم نہ کرے۔ آپ نے فطری تقاضوں پر زنجیریں نہیں لگائیں۔ فرمایا:

اما المھلکات فھوی متبع وشح مطاع واعجاب المرء بنفسہ (مشکوٰۃ ۴۳۴)

ترجمہ: انسان کو ہلاک کرنے والی چیزیں تین ہیں۔ خواہش جب اس کی پیروی کی جائے۔ بخل جب انسان اس پر عمل کرے اور رائے جب انسان اسی کو اچھا سمجھے۔

غور کیجئے ہلاکت ھوی پر نہیں اسکی اتباع پر ہے۔ بخل پر نہیں۔ اس کی پیروی پر ہے رائے پر نہیں اس کے اعجاب پر ہے۔ اتنا محتاط اور جامع کلام صاحب جوامع الکلم کے سوا اور کس کا ہو سکتا ہے۔ یہ مہلکات کا بیان تھا۔ اب منجیات کو بھی دیکھ لیجئے:

انسانی زندگی دو حصوں میں منقسم ہے۔ پرائیوٹ زندگی اور پبلک زندگی پھر ہر شخص کی زندگی پر دو حالتیں ضرور آتی ہیں۔ کبھی رضامندی، کبھی غصہ اور پھر کبھی آسودگی اور پھر کسی وقت محتاجگی۔ زندگی کا کوئی حصہ ہو۔ پرائیویٹ یا پبلک، اللہ کا ڈر ہر حال میں ہونا چاہیئے اور پھر رضامندی پر یا غصہ۔ بات ہمیشہ حق ہونی چاہیئے۔ اور حالت آسودہ ہو یا احتیاج کی میانہ روی ہر حال میں بہتر ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اما المنجیات فتقوی اللہ فی السر ولعلانیۃ والقول بالحق فی الرضا والسخط والقصد فی الغنی والفقر۔ (رواہ البیہقی)

ترجمہ: منجیات (نجات دلانے والی اشیاء) باطن اور ظاہر میں اللہ سے ڈرنا ہے۔ خوشی اور سختی ہر حال میں سچ بات کہنا ہے اور دولت مندی ہو یا محتاجگی ہر حال میں میانہ روی اختیار کرنا ہے۔

۳۔ <u>ادبی ملاحت کا اسلوب</u>: آپ نے فرمایا:

کلمتان حبیتان الی الرحمٰن خفیفتانِ علی اللسان ثقیلتان فی المیزان سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم۔ (صحیح بخاری ص ۱۱۲۹/۲)

اسماء بنت عمیس کہتی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

بئس العبد عبد تخیل واختال ونسی الکبیر المتعال وبئس العبد عبد تجبر واعتدی ونسی الجبار الاعلیٰ وبئس العبد عبد سہا ولہا ونسی المقابر والبلیٰ وبئس العبد عبد عتا وطغیٰ ونسی المبتدا والمنتہیٰ یختل الدنیا بالدین وبئس العبد عبد یختل الدین بالشبہات بئس العبد عبد طمع یقودہ بئس العبد عبد ھوی یضلہ وبئس العبد عبد رغب یذلہٗ۔ (رواہ الترمذی)

(ترجمہ) بُرا[1] بندہ وہ ہے جو اپنے خیال میں لگا رہے اور اپنے کو بڑا سمجھے اور اللہ تعالیٰ برتر وبالا کو بھول جائے ـــــ اور بُرا[2] بندہ وہ ہے جو سختی کرے اور حد سے نکلے اور جبّار اعلیٰ کو بھول جائے (کہ کوئی اس پر بھی سختی کرنیوالا ہے) ـــــ اور بُرا[3] بندہ وہ ہے جو اطاعت الٰہی سے غافل ہو اور لایعنی میں مشغول ہو اور بھول جائے قبروں کو اور کفن کے پرانا ہونے کو ـــــ اور بُرا[4] بندہ وہ ہے جو تجبر کرے اور سرکش ہو اور اپنے اول اور آخر کو بھول جائے ـــــ اور بُرا[5] بندہ وہ ہے جو دین کو دنیا کے ذریعہ طلب کرے ـــــ اور بُرا[6] بندہ وہ ہے جو دین کو شبہات کے ساتھ طلب کرے ـــــ اور بُرا[7] بندہ وہ ہے جسکو لالچ چلاتا رہے ـــــ اور بُرا[8] بندہ وہ ہے جسے خواہشات نے رستے سے بھلا رکھا ہو ـــــ اور بُرا[9] بندہ وہ ہے جسکو اس کی رغبتیں (خواہشات) ذلیل کراتی رہیں ـــــ اوکما قال ﷺ

آپ نے اس حدیث میں بُرے لوگوں کے نو عنوان ذکر فرمائے۔ نو سب سے بڑا عدد ہے۔ ان عنوانوں میں سے ہر ایک ادبی پارہ ہے اور ہدایت ربانی کا ایک اُچھلتا فوارہ ہے۔ حدیث کا یہ اُدبی اسلوب معاشرے کے ہر پہلو کو چھو رہا ہے۔ احکام کی احادیث میں بات کی وضاحت آپ کے پیش نظر ہوتی ہے لیکن نصائح کے موقعہ پر بات کی صحت کے علاوہ آپ کی قوت تاثیر بھی اسلوب میں لپٹی ہوتی ہے۔

۴۔ مثال دیکر بات کو واضح کرنا اور شرعی امور کے کوئی نقشے سامنے لے آنا۔ یہ آپ کا نمایاں پیرایۂ ہدایت تھا۔ عرب کے اُمیوں میں اس خاص نہج پر کام کرنے کی بہت ضرورت تھی۔ آپ نے دقیق فلسفیانہ کلام کی بجائے عام اور فطری پیرایہ بیان اختیار فرمایا آپ کی زیادہ توجہ اس پر ہوتی تھی کہ حق کس طرح حق تعالےٰ کے بندوں میں اتر آئے اور ان کے دل و دماغ اسلام کی اس فطری روشنی سے منور ہو جائیں۔ اسلوب حدیث کے اس دائرہ کو ہم امثال الحدیث کے عنوان سے پیش کرتے ہیں، یہ دراصل اسلوب حدیث کا ہی ایک پیرایہ ہے۔

امثال الحدیث

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد :۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے الٰہی ہدایت کے مختلف پہلوؤں کو کبھی مثالوں سے بھی واضح فرمایا۔ مثال سے بات ذہن میں پوری طرح جم جاتی ہے اور آسان ہو جاتی ہے۔ مثال اور ممثل لہ میں ہر جہت سے مطابقت نہیں ہوتی۔ جس غرض سے مثال دی جائے صرف اس جہت سے مطابقت کافی سمجھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی بندوں کی رعایت کرتے ہوئے قرآن کریم میں بہت سے مضامین مثالوں سے واضح فرمائے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے :۔

وللہ المثل الاعلیٰ وھو العزیز الحکیم۔[1]

ترجمہ۔ اللہ کی مثال سب سے اوپر ہے اور وہ ہے زبردست حکمت والا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی علمی اور ادبی راہ پر چلے۔ بہت سے مقامات پر آپؐ نے اپنی بات مثالوں سے واضح فرمائی۔ سلیم بن عامرؒ تابعی کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نُصِرْتُ بالرعب واوتیت جوامع الکلم واوتیت الحکمۃ وضرب لی من الامثال مثل القرآن۔

ترجمہ۔ میری (الٰہی) رعب سے مدد کی گئی، مجھے جامع کلمات دیئے گئے، میں حکمت دیا گیا اور جیسے قرآن میں مثالیں ہیں مجھے بھی مثال سے بیان کرنا عطا کیا گیا۔

---

[1] پ۱۴ سورۃ النحل آیت ۶۰۔ [2] امثال للرامھرمزی۔ ص

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۶۷ھ) وہ صحابی ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں حدیث لکھنے کی اجازت حاصل کرلی تھی اور حدیث لکھنی شروع کردی تھی۔ آپ کہتے ہیں :۔ حفظت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الف مثل۔[۱]

ترجمہ۔ میں نے آپؐ سے ایک ہزار مثالیں یاد کر رکھی ہیں۔

محدثین میں امثال حدیث ایک خاص موضوع سمجھا جاتا ہے۔ قاضی ابو محمد الحسن (۳۶۰ھ) جیسے بلند پایہ محدثین نے اسی دور میں اس موضوع کو اپنایا اور اس پہ کتابیں لکھیں۔ یہ وہ بابِ حدیث ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی اور ادبی پیرایہ بیان نکھر کر سامنے آتا ہے اور آپؐ کے بیان اور مثالوں کے تحت مشبّہ اور مشبہ بہ کے لطیف حسی اور معنوی فاصلے بات کے اندر کی سطح کو عملی طور پر سامنے لے آتے ہیں۔ اور طلبہ اور علماء افصح العرب والعجم کے مثال والے بے مثال پیرایۂ بیان پر پھڑک اُٹھتے ہیں۔ آج کی مجلس میں ہم اس بات کے چند مباحث انہی ائمہ فن کے بیانات کی روشنی میں آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ فنی نقطۂ نظر سے یہ ایک باب عظیم ہے۔ جس نے علوم اسلامی میں علم معانی اور علم بیان کو ایک مستقل شعبہ کی جگہ دی ہے۔

مثال اول

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

مثلی ومثل الانبیاء من قبلی کمثل رجل بنی بنیاناً فاحسنه واجمله الا موضع لبنة من زاویة من زوایاه فجعل الناس یطوفون به ویعجبون منه ویقولون هلا وضعت هذه اللبنة - قال فانا اللبنة وانا خاتم النبیین[۲]

---

[۱] دیکھئے مسند امام احمد جلد ۴ صفحہ ۲۰۳، مجمع الزوائد جلد ۸ صفحہ ۲۶۴

[۲] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۸، صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۱، مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۴۹۸، جامع ترمذی مترجم جلد ۲ صفحہ ۵۴۴

(وفی روایۃ) فجعل الناس یطوفون بہ ویقولون ما راینا احسن من ھذا لولا موضع ھذہ اللبنۃ۔ الا فکنت تلک اللبنۃ۔

ترجمہ: میری اور مجھ سے پہلے انبیاء کی مثال ایسی ہے جیسے کسی شخص نے گھر بنایا اور اس کو بہت آراستہ و پیراستہ کیا۔ مگر اس کے گوشوں میں سے ایک گوشہ میں ایک اینٹ کی جگہ خالی تھی۔ لوگ اسے دیکھنے آتے رہے اور خوش ہوتے رہے اور کہتے۔ کہ یہ اینٹ کی جگہ کیوں خالی رہی ——

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ اینٹ میں ہوں (جس سے اس قصر نبوت کی تکمیل ہوئی) اور میں ہوں نبیوں کو ختم کرنے والا (خاتم النبیین)۔

اس مثال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قصر نبوت کے دو مرحلے ذکر فرمائے (۱) بنی بنیانا (اس کی تعمیر) (۲) فاحسنہ واجملہ (اس کی تحسین وتجمیل) عمارات انہی دو مرحلوں سے گزرتی ہیں۔ پہلے مکان بنتا ہے پھر اس کی تحسین وتجمیل Decoration ہوتی ہے۔ یہ وال پیپر کی صورت میں ہو یا سفیدی کی صورت میں، یہ مرحلہ مکان بننے کے بعد عمل میں آتا ہے اور اسی پر مکان کی تکمیل ہوتی ہے۔

اس مثال میں واضح ہے کہ قصر نبوت کی ہر پہلو سے تکمیل ہوئی ہے۔ تشریعی پہلو سے بھی اس کی تعمیر مکمل ہوئی اور غیر تشریعی نبوتوں کی تحسین وتجمیل بھی ہو چکی۔ نبوت کا محل ماسوائے ایک اینٹ کے ہر پہلو سے مکمل تھا۔ خالی اینٹ کی جگہ آپ نے پر کی فرمایا ایک اینٹ کی جگہ باقی تھی وہ میرے آنے سے پر ہو گئی۔ یہ آخری اینٹ اپنی ذات میں ہر پہلو سے کامل اور مکمل ہے کسی مزید تجمیل کی محتاج نہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم قصر نبوت کے کامل طور پر مکمل (اسے تکمیل بخشنے والے) ہیں۔ آپ نے جس مثال سے اپنے پر نبوت کا ختم ہونا بیان کیا ہے۔ یہ ہر نبوت کے ختم کا بیان ہے۔

جو نبوتیں نئی شریعت لاتی ہیں ان سے قصرِ نبوت کی تعمیر ہوتی ہے اور جو غیر تشریعی انبیاء ان شرائع پر لوگوں کو چلاتے ہیں۔ ان سے ان شرائع کی تحسین وتکمیل ہوتی ہے وہ سابقہ تشریعی نبوت کا آلۂ کار ہوتے ہیں۔ ان کے وجود سے اس سابقہ نبوت کا فیضان آگے پھیلتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں نبوت کے دونوں سلسلوں کو لپیٹ لیا کہ اب آپ کے بعد کوئی تشریعی نبی یا غیر تشریعی نبی جو پچھلے فیضان کو آگے لے کر چلے ہرگز پیدا نہ ہو گا۔ آپ خاتم النبیین ہیں اور آپ پر ہر پہلو سے نبوت ختم ہو چکی۔ آپ یہاں بندوں پر خدا کی آخری حجت ہیں۔ آپ کے بعد کسی سلسلہ وحی کا آغاز نہیں۔

غیر تشریعی نبی بھی اپنے وقت میں خدا کی حجت ہوتا ہے اور اس پر وحی بھی آتی ہے جب یہ حجت ہی ختم ہولی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی اللہ کے بندوں پر آخری حجت ٹھہرے اور سلسلہ وحی ہی منقطع ہو گیا تو اس یقین سے چارہ نہیں کہ اب آپ کے بعد کسی قسم کا کوئی نبی کبھی پیدا نہ ہو گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں ختم نبوت کو کس وضاحت سے پیش کیا ہے۔ اسے مشہور محدث قاضی ابو محمد الحسن (۳۶۰ھ) کے الفاظ میں سنیئے:۔

قال ابو محمد ھٰذا مثل نبوته صلی الله علیه وسلم وانه خاتم الانبیاء وبه تتم حجة الله عزوجل علی خلقه ومثل ذلك بالبنیان الذی یشد بعضه بعضاً وھو ناقص الکمال بنقصان بعضه فاکمل الله به دینه وختم به وحیه۔[۱]

ترجمہ۔ میں کہتا ہوں یہ آپ کی نبوت کی مثال ہے اور آپ بے شک خاتم النبیین ہیں اور آپ کی ذات سے اللہ عزوجل کی حجت بندوں پر تمام

---

[۱] امثال الحدیث للرامہرمزی صـ مطبوعہ بمبئی ہند

ہوئی (آپؐ کے بعد کوئی حجۃ اللہ نہیں) اور مثال اسے ایک تعمیر سے دی گئی ہے جس کے اجزاء ایک دوسرے سے بندھے ہوتے ہیں۔ کچھ بھی کمی ہو تو اس تعمیر کی تکمیل نہیں ہوتی۔ (۱) اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنے دین کو مکمل کیا اور (۲) اور آپؐ پر سلسلہ وحی ہی ختم کر دیا۔

مثال دوم

فقیہ الامت سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

ضرب اللہ مثلاً صراطاً مستقیماً وعن جنبتی الصراط سوران فیھما ابواب مفتحۃ وعلی الابواب ستور مرخاۃ وعند رأس الصراط داع یقول استقیموا علی الصراط ولا تعوجوا وفوق ذلک داع یدعو کلما ھمّ عبدٌ ان یفتح شیئاً من تلک الابواب قال ویحک لا تفتحہ فانک ان تفتحہ تلجہ ثم فسرہ فاخبران الصراط ھو الاسلام وان الابواب المفتحۃ محارم اللہ وان الستور المرخاۃ حدود اللہ وان الداعی علی رأس الصراط ھو القرآن وان الداعی من فوقہ ھو واعظ اللہ فی قلب کل مومن[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے صراطِ مستقیم کی مثال ایک راہ سے دی ہے جس کے دونوں طرف دو دیواریں ہوں ان میں دروازے کھلتے ہوں اور دروازوں پر پردے لٹکے ہوں۔ راستے کے سر پر ایک پکارنے والا کہہ رہا ہے۔

---

[1] رواہ احمد والبیہقی عن النواس بن سمعان ورواہ رزین عن عبداللہ بن مسعودؓ کما فی المشکوٰۃ صا۳۱ ورواہ القاضی ابو محمد الحسن عن النواس بن سمعان کما فی امثال الحدیث صا۱۴

رستے پر سیدھے چلے آؤ۔ اِدھر اُدھر نہ ہونا۔ اور اس کے اُوپر ایک
اور آواز دینے والا ہے۔ جب بھی کوئی انسان ان دروازوں میں سے
کسی دروازے کو کھولنے کا ارادہ کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے اسے تیری بربادی
اسے تو نہ کھول، اگر تو اسے کھولے گا تو اس میں پھنس کر رہ جائے گا۔ پھر
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفسیر بیان فرمائی۔ آپ نے کہا:۔
راہ سے مراد اسلام ہے، کھُلے دروازوں سے مراد اللہ کی حرمتیں ہیں۔
(جن امور کو اللہ تعالیٰ نے ناقابل عبور ٹھہرایا ہے) لٹکے ہوئے پردوں سے
مراد اللہ کی حدیں ہیں (جنہیں پھاندنے کی اجازت نہیں) راہ (صراط)
کے سرے پر پکارنے والا قرآن ہے اور اس کے اُوپر آواز دینے والی
اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک ناصحانہ آواز ہے جو ہر قلب مومن پر
دستک دے رہی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت فرمائی ہے۔ آپ نے اس کے دونوں طرف دیواریں ذکر کیں جن کے درے اللہ کی حدیں ٹوٹتی ہیں اور انسان حرام کا مرتکب ہوتا ہے۔ صراطِ مستقیم پر چلنا ان سے بچ کر ہی میسر آسکتا ہے۔ یہ بالکل اسی طرح ہے جیسے سورۂ فاتحہ میں صراطِ مستقیم طلب کرنے کی ہدایت کی ہے اور اس میں مغضوب علیہم اور ضالین سے بچ کر نکلنے کی بھی ہم دُعا مانگتے ہیں —— جو اُمور اکابر اسلام میں اجتہادی طور پر مختلف ہوگئے۔ وہ ان اختلافات کے باوجود پوری وسعت سے صراطِ مستقیم میں ہی شامل رہیں گے جو بچنے کی حدود ہیں وہ حرام وحلال کے فاصلے ہیں ان میں انسان اجتہاد میں نہیں اعوجاج کی راہ پر گامزن ہوتا ہے۔ اجتہاد ممنوع نہیں ہے اعوجاج ممنوع ہے۔
اجتہاد کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذمت نہیں فرمائی۔ اس میں خطا بھی ہو

جائے تو مجتہد مخطی کو اس پہ ماجور بتلایا۔ لیکن اعوجاج کی حضورؐ نے مذمت فرمائی اور اس سے بچنے کا حکم دیا۔ پس ٹیڑھی راہوں میں وہی راہیں شمار ہوں گی جو اصولاً مختلف ہوں اور آپس میں حق و باطل کا فاصلہ قائم کریں۔ مسالکِ اربعہ اپنے تمام اختلافات کے باوجود ایک صراطِ مستقیم ہیں انہیں ٹیڑھی راہیں بتلانا اس حدیث سے کھلا تصادم ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس مضمون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان الفاظ میں بھی نقل کیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں:۔

خط لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطا ثم قال ھذا سبیل اللہ ثم خط خطوطاً عن یمینہ وعن شمالہ وقال ھذہ سبل علی کل سبیل منہا شیطان ـــــ یدعوالیہ وقرأ ان ھذا صراطی مستقیما[1]

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیدھی لکیر کھینچی اور فرمایا یہ اللہ کی طرف جانے کی سیدھی راہ ہے ـــــ پھر آپ نے اس کے دائیں بائیں بہت سے خطوط کھینچے اور فرمایا یہ وہ راہیں ہیں جن میں سے ہر ایک پر ایک شیطان بیٹھا ہے اور وہ لوگوں کو اس کی طرف بلاتا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل فتفرق بکم عن سبیلہ (پ الانعام ع ۱۹) اور یہ راہ ہے میری سیدھی سو اس اس پر چلو اور نہ چلو اور رستوں پر وہ تمہیں جدا جدا کر دیں گے۔

اس حدیث میں دائیں بائیں لڑنے والوں سے اجتہادی فاصلے مراد نہیں اعوجاجی فاصلے پیش نظر ہیں ورنہ اس حدیث کا حدیث من اجتہد واصاب فلہ اجران واذا حکم فاجتہد واخطأ فلہ اجر واحد[2] سے کھلا تصادم لازم آئے گا۔

پھر اس مثال میں انسان کے ضمیر کو بڑا وسیع مقام دیا گیا ہے۔ پہلا داعی قرآن ہے

---

[1] رواہ احمد والدارمی والنسائی مشکوٰۃ صہ۳۰ [2] رواہ الشیخان مشکوٰۃ صہ۳۲۴

جس کی دعوت انسان کو خارج سے پہنچتی ہے دوسرا داعی وہ آواز ہے جو انسان کے اندر سے اُٹھتی ہے یہ اس کے ضمیر کی آواز ہے۔ یہ مضراب اللہ رب العزت کی طرف سے ہر مردِ مومن کے دل پر لگتا ہے۔ غور کیجئے آنحضرت ؐ نے کس شانِ بلاغت سے اسلام کے دینِ فطرت ہونے کا اثبات فرمایا۔ اور اسے دل کی آواز قرار دیا۔

مثال سوم

عن ابی موسیٰ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما مثلی ومثل ما بعثنی اللہ بہ کمثل رجل اتی قوماً فقال یا قوم انی رأیت الجیش بعینیّ وانی انا النذیر العریان فالنجاء النجاء فاطاعہ طائفۃ من قومہ فادلجوا فانطلقوا علی مھلھم فنجوا وکذبت طائفۃ منھم فاصبحوا مکانھم فصبّحھم الجیش فاھلکھم واجتاحھم فذلک مثل من اطاعنی فاتبع ما جئت بہ ومثل من عصانی وکذب ما جئت بہ من الحق [1]

ترجمہ۔ میری اور میری رسالت کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص ایک قوم کے پاس آیا اور کہا میں نے خود اپنی آنکھوں سے ایک لشکر کو دیکھا ہے اور میں کھلے بند ول اس سے ڈرا رہا ہوں سو جلدی کرو جلدی کرو۔ اس قوم میں ایک گروہ نے اس کی بات مانی اندھیرے میں نکلے اور اسی وقت چل دیئے۔ سو وہ بچ گئے اور ایک گروہ نے اس کی بات صحیح نہ جانی وہ اپنی جگہ ہی رہے۔ یہاں تک کہ لشکر نے انہیں صبحدم جا لیا اور انہیں ہلاک کر دیا اور انہیں سرے سے ختم کر دیا ——— یہ مثال

---

[1] رواہ البخاری ومسلم مشکوٰۃ صـ ۲۸

اس کی ہے جس نے مجھے مانا اور میرے پیغام پر عمل کیا اور اس کی جس نے مجھے نہ مانا اور جو سچائی میں لے کر آیا ہوں اس کی تکذیب کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں واضح فرمایا کہ نبی اپنی امت کے حق میں کس قدر مہربان اور سراپا رحمت ہوتا ہے۔ کس طرح وہ انہیں آنے والے خطرہ سے آگاہ رکھتا ہے۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی بات کو اپنی تصدیق قرار نہیں دیا کہ آپ خدا کی طرف سے جو کتاب لے کر آئے اسی کو مانو۔ بلکہ اپنی بتلائی ہوئی ہر بات کو خدا کی طرف سے ایک حجت اور برہان ٹھہرایا۔ آپ نے جس ہونے والے حملے کی خبر دی اس کو درست ماننا بھی اسی طرح ضروری ہے جس طرح آپ کی نبوت کو یا آپ کی لائی کتاب کو ماننا اور تسلیم کرنا ضروری ہے آپکی حدیث کا ماخذ بھی خدا ہی کی ذات ہے۔

مثال چہارم

عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثلی کمثل رجل استوقد نارًا فلما اضاءت ما حولہا جعل الفراش وھذہ الدواب التی تقع فی النار یقعن فیہا وجعل یحجزھن یغلبنہ فیقحمن فیہا فانا اٰخذ بحجزکم عن النار وانتم تقحمون فیہا۔[1]

ترجمہ۔ میری مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی جب آگ نے پورا ماحول روشن کردیا تو پروانے اور زمین کے جانور جو آگ میں گرا کرتے ہیں اس میں گرنے لگے وہ شخص انہیں بچاتا رہا مگر وہ اس پر غالب آئے اور آگ میں گرتے رہے سو میں تمہیں تمہاری کمر سے پکڑ کر آگ سے ہٹا رہا ہوں اور تم اس میں گھسے جاتے ہو۔

---

[1] رواہ البخاری ومسلم وراجع لہ المشکوٰۃ ص ۲۸

اس میں بھی حضور رحمۃ للعالمین کی شانِ رحمت نمایاں ہے۔ آپ کی تعلیمات اور ہدایات آگ میں گرتے انسانوں کو بچا سکتی ہیں بشرطیکہ کوئی آپ کے نسخہ شفا کو سمجھے اور اُسے عمل میں لائے۔ اس مثال سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آپ کی نافرمانی موجب جہنم ہے اور آپ کی مخالفت کا انجام آگ کے سوا کچھ نہیں۔ آپکی بات خدا کی حجت ہے۔

مثال پنجم

عن ابی موسیٰ رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل ما بعثنی اللہ بہ من الھدیٰ والعلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضاً فکانت منھا طائفۃ طیبۃ قبلت الماء فانبتت الکلاء والعشب الکثیر و کانت منھا اجادب امسکت الماء فنفع اللہ بھا الناس فشربوا و سقوا و زرعوا و اصاب طائفۃ اخریٰ انما ھی قیعان لا تمسک ماء ولا تنبت کلاء فذلک مثل من فقہ فی دین اللہ ونفعہ بما بعثنی اللہ بہ فعلم وعلّم و مثل من لم یرفع بذلک رأساً ولم یقبل ھدی اللہ الذی ارسلت بہ ——— متفق علیہ۔[1]

ترجمہ۔ میری اور اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر مجھے بھیجا ہے کی مثال اس بھاری بارش کی سی ہے جو کسی زمین پر برسی۔ ایک قطعہ زمین بہت عمدہ تھا اس نے پانی کو جذب کیا اور گھاس اور تازہ سبزہ اُگایا۔ اور ایسی بھی زمین تھی جس نے پانی روک لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کی ضرورتیں پوری کیں۔ انہوں نے پیا اور پلایا اور فصلیں لگائیں اور بارش ایسی جگہ بھی برسی جو چٹیل تھی نہ پانی روک سکے نہ گھاس اُگائے ———

---

[1] رواہ البخاری ومسلم کما فی المشکوٰۃ صد ۲۸

یہ مثال اس شخص کی ہے جو اللہ کے دین میں سمجھ پیدا کرے فقیہ بنے۔ اللہ نے اسے اس چیز سے نفع مند کیا جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں۔ اس نے سیکھا اور سکھایا اور مثال اس کی بھی ہے جس نے اس طرف دھیان نہ کیا اور نہ وہ ہدایت قبول کی جو میں دے کر بھیجا گیا ہوں۔

اس مثال میں آپ نے انسانوں کی تین قسمیں بتائیں۔ (۱) مجتہدین (۲) مقلدین (۳) غیر مقلدین ـــــ مجتہدین دین میں تفقہ حاصل کر کے مسائل غیر منصوصہ کا حکم بھی دریافت کر لیتے ہیں۔ یہ گھاس اور نئے سبزہ کا اُگنا ہے۔ انہوں نے نئے نئے استخراج اور استنباط کیے۔ مقلدین خود تو اجتہاد نہ کرتے رہے۔ لیکن انہوں نے فقہاء کی محنتوں کو حفاظت سے لوگوں تک پہنچایا۔ وہ ان سے فائدہ پاتے رہے اور ان جزئیات کی روشنی میں آگے بھی کچھ استنباط کرتے رہے۔ وہ ذدعوا پر بھی کچھ عمل کر پائے۔ مگر ایک گروہ ایسا بھی رہا جو نہ مجتہدین کے درجہ میں آسکے اور نہ مقلدین کی طرح مجتہدین کی دولت سنبھال سکے۔ وہ بالکل بے پرواہ رہے اور اسلام میں علم کے جو چشمے پھوٹے وہ اپنے آپ کو ان سے مستفید نہ کر سکے۔ لم یقبل سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کا کھلا انکار مقصود نہیں۔ بلکہ اس نظام ہدایت کو نہ سمجھنا ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ظہور میں آیا۔ وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ دین ہے تو سب لوگوں کے لیے مگر اسے عالموں کے سوا کوئی سمجھتا نہیں۔ سو جو عالم نہیں چاہیئے کہ وہ عالموں کے پیچھے چلیں۔ دین سے بے پروا نہ رہیں

وتلك الامثال نضربها للناس وما يعقلها الا العالمون (پ ۲۰ العنکبوت ع ۴)

ترجمہ۔ یہ مثالیں ہیں ہم انہیں سب لوگوں کے لیے ٹھہراتے ہیں۔ مگر انہیں صرف عالم سمجھتے ہیں صرف عالم (جو فقہاء کہلاتے ہیں)۔

قرآن کریم اپنی جملہ تفاصیل کے ساتھ سب انسانوں کے لیے منبع ہدایت ہے لیکن صرف عالم اسکی گہرائی میں اُترتے ہیں اور اس سے غیر منصوص مسائل کا استنباط کرتے ہیں جو عالم نہیں ان

کے لیئے عالموں پر اعتماد کرنے کے سوا چارہ نہیں۔

مثال ششم

عن جابرؓ قال جاءت ملئکة الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو نائم فقال بعضھم انہ نائم وقال بعضھم ان العین نائمة والقلب یقظان فقالوا ان لصاحبکم ھذا مثلاً قال فاضربوا لہ مثلاً... فقالوا مثلہ کمثل رجل بنی دارًا وجعل فیھا مأدبة وبعث داعیاً فمن اجاب الداعی دخل الدار واکل من المأدبة ومن لم یجب الداعی لم یدخل الدار ولم یاکل من المأدبة فقالوا اولوھا لہ یفقھھا فقال بعضھم انہ نائم وقال بعضھم ان العین نائمة والقلب یقظان۔ فقالوا فالدار الجنة والداعی محمد صلی اللہ علیہ وسلم فمن اطاع محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم فقد اطاع اللہ ومن عصی محمدا صلی اللہ علیہ وسلم فقد عصی اللہ ومحمد صلی اللہ علیہ وسلم فرق بین الناس۔[1]

ترجمہ۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ سو رہے تھے کہ آپ کے پاس فرشتے آئے۔ ایک کہنے لگا آپ سوئے ہیں۔ دوسرے نے کہا آپ کی آنکھ تو سو رہی ہے لیکن دل جاگتا ہے پھر انہوں نے کہا۔ آپ کے اس صاحب کے لیے ایک مثل ہے سو آپ کے مثال لاؤ۔۔۔۔ پھر کہا آپ کی مثال ایسی ہے کہ ایک شخص نے گھر بنایا اس میں ایک دستر خوان بچھایا اور ایک بلانے والے کو بھیجا (جو لوگوں کو یہاں آنے کی دعوت دے) جس نے اس داعی (بلانے والے) کی آواز کو لبیک کہا۔

---

[1] صحیح البخاری کما فی المشکوٰۃ ص۲۷ وروی الترمذی عن ابن مسعودؓ مثلہ

وہ گھر میں داخل ہوگیا اور اس نے دعوت میں خوب کھایا اور جس نے داعی کی بات نہ مانی۔ وہ نہ گھر آیا نہ اس نے کچھ کھایا، پھر انہوں نے کہا مراد کلام واضح کر دو تاکہ آپ اسے سمجھ جائیں۔ پھر ایک نے کہا آپ تو سوئے ہوئے ہیں۔ دوسرے نے کہا آنکھ تو سوتی ہے مگر آپ کا دل جاگتا ہے۔ پھر انہوں نے کہا گھر سے مراد تو جنت ہے۔ اس کی طرف بُلانے والے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، جو جس نے آپ کی بات مانی اس نے اللہ کی بات مانی اور جس نے آپ کی نہ مانی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ آپ لوگوں کے درمیان نقطۂ امتیاز ہیں۔

اس سے ملتی جلتی ایک روایت قاضی ابو محمد الحسن نے بھی روایت کی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم استراحت فرما رہے تھے کہ آپ کے پاس دو فرشتے آئے، ایک سر مبارک کی طرف کھڑا تھا اور دوسرا پاؤں مبارک کی طرف۔ جو سر کی طرف کھڑا تھا وہ میری طرف جھکا اور کہا آپ کی آنکھ سوتی ہے— کان سنتے ہیں— اور دل یاد رکھتا ہے۔ حضورؐ اسے نقل کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں کہ بات اسی طرح ہے۔ جیسا کہ اس نے کہا۔ پھر اس نے ایک اور مثال دی۔

برکۃ فیہا شجرۃ نابتۃ وفی الشجرۃ غصن خارج فجاء ضارب فضرب الشجرۃ فوقع الغصن واقع معہ ورق کثیر لا ادری ماوقع فیہا اکثر اوما خرج منہا؟

ترجمہ۔ ایک تالاب ہے اس میں ایک درخت اُگا ہوا ہے اور درخت سے ایک ٹہنی باہر نکلی ہوئی ہے۔ ایک شخص آیا اس نے درخت پر ایک ضرب لگائی ٹہنی گر پڑی اور اس کے ساتھ بہت سے پتے گرے اور وہ تمام پتے تالاب میں ہی گرے کوئی باہر نہیں پڑا۔ پھر اس نے ایک اور ضرب لگائی اور اس کے

ساتھ بھی بہت سے پتے گرے کوئی باہر نہیں گرا. پھر اس نے تیسری بار ضرب لگائی اور بہت سے پتے گرے. میں نہیں جانتا کہ جو پتے اندر گرے وہ زیادہ تھے یا جو باہر گرے وہ زیادہ تھے.

پھر اس مثال کی اس فرشتے نے جو آپ کے پاؤں کی طرف تھا. یوں شرح بیان کی.

اما برکة فھی الجنة واما الشجرة فھی الامة واما الغصن فھو النبی صلی اللہ علیہ وسلم واما الضارب فملک الموت ضرب الضربة الاولیٰ فی القرن الاول فوقع النبی صلی اللہ علیہ وسلم واھل طبقة وضرب الثانیة فی القرن الثانی فوقع کل ذٰلک فی الجنة ثم ضرب الثالثة فی القرن الثالث فلا ادری ما وقع فیھا اکثر او ما خرج منھا ؟

ترجمہ. تالاب سے مراد جنت ہے اور درخت سے مراد امت ہے ٹہنی سے مراد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس شخص سے جس نے ضرب لگائی مراد ملک الموت ہے اس نے قرن اول میں پہلی ضرب لگائی تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے عہد کے لوگ اس سے جھڑے (اور جنت میں گرے) پھر اس نے دوسرے قرن میں دوسری ضرب لگائی تو بھی سب پتے جنت میں گرے. پھر اس نے تیسری ضرب لگائی. اس پر نہیں کہا جا سکتا. کہ باہر گرنے والے پتے زیادہ تھے یا اندر گرنے والے.

صحابہؓ کے پاس یہ مثال کس نے بیان کی ؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ——— فرشتوں کو یہ باتیں کرتے کس نے سنا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ——— آپؐ نے ان کی باتوں میں سے کسی کی تردید کی ؟ نہیں ——— سو یہ ساری مثل ہمارے لیے ایک حدیث کے درجہ میں ہے. اس حدیث سے یہ دو باتیں مزید واضح ہوئیں.

۱. آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب سوتے تو آنکھ سوتی تھی دل نہ سوتا تھا. دل پوری

طرح بیدار رہتا. اور اسے اپنے جملہ احوال بدنیہ کی خبر رہتی ــــــ وضو ہے یا نہیں اس کا پورا دھیان رہتا ــــــ آپ کے پاس کوئی بات کرے تو آپ اسے سنتے اور سمجھتے ــــــ گو اس وقت ظاہراً سوئے ہوتے تھے ــــــ عام انسان نیند کی حالت میں دوسروں کی باتیں نہیں سُن پاتے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سُن لیتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سماع مبارک دوسرے لوگوں کی طرح نہیں۔ اس میں آپ کا دل پوری طرح بیدار رہتا تھا ــــــ نیند موت کی بہن ہے ــــــ سو اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد وفات بھی یہ شانِ سماع حاصل ہو تو تعجب نہیں۔ روضہ مبارک کے پاس آپ پر درود بھیجا جائے تو آپ اسے سُن لیتے ہیں اور دُور سے پڑھا جائے تو پھر فرشتے اُسے حضورؐ کے پاس پہنچاتے ہیں۔

۲۔ اس مثال سے یہ واضح ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ بہترین زمانہ تھا پھر تابعین کا دور ــــــ پھر تیسرے دور میں لوگ اس سچ دھج پر نہ رہے (جھوٹ پھیلنے لگا اور اللہ کا خوف دلوں سے جاتا رہا) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ سب کے سب جنت میں گئے ان میں ایک بھی نہیں جس کا پتہ اس تالاب (جنت) کی حدود سے باہر گرا ہو۔ یہ سب لوگ اپنے وقت میں خیرِ اُمت تھے اور دوسروں کے لئے یہ دینِ حق کا کھلا نشان تھے۔

مثال ہفتم

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں میں نے حضورؐ سے عرض کیا آپؐ نرم بستر پر آرام فرمایا کریں۔ سخت چٹائی سے بدن مبارک پر نشان پڑ جاتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

مالی وللدنیا ؛ انما مثلی ومثل الدنیا کمثل راکب مر بارض فلاۃ فرای

الشجرة فاستظل تحتها ثم راح وترکہا۔[1]

ترجمہ: میں کیا اور یہ دنیا کیا ــــــ میری اور دنیا کی مثال اس سوار کی ہے جو کسی صحرا سے گزرا۔ ایک درخت دیکھا اور وہ اس کے سائے تلے جا بیٹھا پھر چلتا بنا اور اس نے اسے چھوڑ دیا۔

یہ مثال دنیا کو جلد چھوڑنے کی ہے اس میں بتلایا گیا کہ یہاں کی لذتیں اور بہاریں سب عارضی ہیں جو پیدا ہوا مرنے کے لئے اور جو عمارت بنی، گرنے کے لیے ہر ایک نے فنا کی گھاٹی پر آنا ہے اور یہاں کی ہر لذت کو چھوڑ جانا ہے۔ حضورؐ نے دنیا کو ایک اور مثال سے واضح فرمایا۔

مثال ہشتم

ما الدنیا فی الآخرۃ الا کما یصنع احدکم اصبعہ فی الیم فلینظر بم ترجع الیہ۔[2]

ترجمہ: آخرت کے مقابلہ میں دنیا اس طرح ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی دریا میں رکھے وہ دیکھے کہ انگلی پر کتنا پانی لگا۔

مثال نہم

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

انما اجالکم فی اجال من خلا کما بین صلوۃ العصر الی مغرب الشمس وانما مثلکم ومثل الیہود والنصاریٰ کرجل استعمل عمالاً فقال من یعمل الی نصف النہار علی قیراط قیراط فعملت الیہود الی نصف النہار علی قیراط قیراط ثم قال من یعمل من نصف النہار الی صلوۃ العصر علی قیراط

---

[1] رواہ الترمذی وابن ماجہ، مسند احمد جلد ۱ صفحہ ۳۹۱، مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۳۱۰
[2] رواہ مسلم، مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۲۲۹

قیراط فقال من یعمل من صلوٰۃ العصر الی غروب الشمس علٰی قیراطین قیراطین؟ الا لکم الاجر مرتین قال فغضبت الیھود والنصاریٰ قالوا نحن اکثر عملاً واقل عطاءً قال اللہ عزوجل ھل ظلمتکم من حقکم شیاء قالوا لا قال فانہ فضلی اعطیہ من شئت[1]

ترجمہ۔ تمہاری عمر پہلی امتوں کی نسبت ایسے ہے جیسے عصر اور مغرب کے درمیان کی مدت ـــــ تمہاری اور یہود و نصاریٰ کی مثال یُوں ہے کہ ایک شخص نے مزدور طلب کیئے اور کہا کون کون دوپہر تک کام کرے گا اسے ایک ایک قیراط مزدوری ملے گی یہود اس پر کام کرتے رہے۔ مالک نے پھر کہا کون کون دوپہر سے عصر تک قیراط قیراط پر کام کرے گا سو نصاریٰ دوپہر سے عصر تک کام کرتے رہے۔ پھر اس نے کہا کون کون عصر سے مغرب تک دو دو قیراط مزدوری پر کام کرے گا (اے مسلمانو!) خبردار رہو تمہاری اُجرت دگنی ہو گئی۔ اس پر یہود و نصاریٰ غصے میں آگئے اور کہا ہم نے کام زیادہ (وقت) کیا اور مزدوری ہمیں کم ملی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے کوئی تمہارا حق چھینا ہے؟ انہوں نے کہا نہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ سو یہ میرا فضل ہے جس کو چاہوں دوں۔

اس سے پتہ چلا کہ امتِ محمدیہ اللہ رب العزت کے ہاں بہت عزت یافتہ اور محبوب امت ہے۔ یہ اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس کا ہر اول دستہ (صحابہ کرامؓ) خیر امت ہوں، دوسرے لوگوں کے لیئے نشانِ راہ ہوں (اُخرجت للنّاس) اور لتکونوا شہداء علی الناس کی شان سے ممتاز ہوں اور ان سب امور کی تصدیق قرآن کریم میں موجود ہے۔

---

[1] رواہ الترمذی واحمد جلد ۲ صـ۶ واخرجہ البخاری فی الاجارہ والبویعلی جلد صـ

مثال دہم

حضرت امیر معاویہؓ (۶۰ھ) کہتے ہیں کہ انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سُنا :-

انما بقی من الدنیا بلاء و فتنة - انما مثل عمل احدکم کمثل الوعاء اذا طاب اعلاہ طاب اسفله و اذا خبث اعلاہ خبث اسفله[1]

ترجمہ۔ دنیا میں تو آزمائشیں ہی رہ گئی ہیں۔۔۔ تم میں سے ہر ایک کے عمل کی مثال اس برتن کی سی ہے جس کا اوپر کا حصہ ستھرا ہو تو اس کا نچلا حصہ بھی ستھرا ہوگا اور جب اس کا اوپر کا حصہ گندا ہو تو نچلا حصہ بھی گندا ہو گا۔

اس مثال میں بتایا گیا ہے کہ اعمال کی جزاء آخرت میں گو حسبِ نیات ہوگی لیکن یہاں دنیا میں ظاہر کو دیکھا جائے گا جن اعمال کا ظاہر اچھا ہو گا اندر کی اچھائی بھی انہی کی ہو گی۔ ظواہر اعمال، بواطن الامور سے جُدا نہیں رہ سکتے۔۔۔ یا یوں کہیئے جو اعمال اپنے مبادی میں اچھے ہوں انجام بھی انہی کا اچھا ہو گا۔

برتنوں میں چیزیں محفوظ رکھی جاتی ہیں۔ اعمال گو اپنی ذات میں اعراض ہیں واقع ہوتے ہی ان کا نشان مٹ جاتا ہے۔ لیکن جزاء کے لیے انہیں محفوظ رکھا جاتا ہے اور وہ حساب کے دن تولے جائیں گے۔

مثال یازدہم

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۶۷ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں :-

ان رجلاً کان فیمن کان قبلکم استضاف قوماً فاضافوہ ولھم کلبة

---

[1] دیکھئے مسند امام احمد جلد ۴ ص ۹۴ سنن ابن ماجہ ص

تنبح قال فقالت الكلبة واللہ لا انبح ضيف اهلى الليلة قال فعوى جراء ها فى بطنها فبلغ ذلك نبيا لهم فقال مثل هذه مثل امة تكون بعدكم يقهر سفهاؤها حلماءها ويغلب سفهاؤها علماءها۔[1]

ترجمہ: پہلی امتوں میں ایک شخص تھا جس نے کسی قوم کا مہمان بننا چاہا۔ انہوں نے اسے مہمان بنایا۔ ان کی ایک کتیا تھی جو ہر آنے والے کو بھونکتی تھی۔ اس نے کہا میں آج رات اپنے گھر کے کسی مہمان کو نہ بھونکوں گی (آپ نے بتایا) پھر اس کے بچے جو اس کے پیٹ میں تھے (اندر ہی) بھونکنے لگے۔ یہ بات اس دور کے نبی کو پہنچی۔ اس نے کہا۔ یہ مثال ان لوگوں کی ہے جو تمہارے بعد آئیں گے۔ ان کے بیوقوف اپنے بردبار لوگوں پر سختی کریں گے اور ان کے جہلاء ان کے علماء پر چڑھ دوڑیں گے

اس مثال میں اس امت کی طرف اشارہ ہے جس کی ہلاکت ان کے نوجوانوں کے ہاتھوں سے ہوگی ——— دیکھیے نوجوان امیرالمومنین حضرت عثمانؓ کے خلاف کس طرح اٹھ کھڑے ہوئے اور پھر انہوں نے کس طرح سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ان کے عہد خلافت میں دبائے رکھا ——— اب بھی اس امت میں کتنے اصاغر ہیں جو امت کے اکابر پر دن رات بھونکتے ہیں۔ کوئی صحابہؓ کی غلطیاں نکال رہا ہے کوئی اہل بیتِ کرام پر تنقید کر رہا ہے۔ کوئی امام ابوحنیفہؒ کو بھونک رہا ہے اور کوئی محدثین عظام کو عجمی سازش کے کارندے بتلا رہا ہے۔ پچھلے پہلوں کو بیوقوف بنا کر ترقی کے بھنور میں ڈوب رہے ہیں اور یہ نہیں جانتے کہ جب اس امت کے پہلے طبقے کو قرآن کریم میں خیر امت کہا گیا ہے۔ تو کیا یہ شقاوت نہیں کہ پچھلے اپنی کامیابی پہلوں کو برا کہنے میں سمجھیں۔

مثال دوازدہم

حضرت نعمان بن بشیرؓ (۶۴ھ) کہتے ہیں کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] دیکھیے مسند امام احمد جلد ۲ صفحہ ۱۷۰ فیض القدیر شرح جامع صغیر جلد ۴ صفحہ ۲۵۲ مجمع الزوائد جلد صفحہ ۱۸۳ جلد ۷ صفحہ ۲۸۰

سے سُنا :-

ان مثل المدھن فی امر اللہ کمثل رھط رکبوا سفینۃ فاقترعوا
علی المنازل فیھا فاصاب بعضھم اعلی السفینۃ واصاب بعضھم
اسفلھا فاطلع مطلع من الذین اعلی السفینۃ فاذا بعض من
فی اسفلھا یخرقھا۔ قال ما تصنع یا فلان؟ قال اخرق مکانا
فاستقی منہ ـــــ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فان
غلیدوا علیہ نجی ونجوا ان ترکوہ یخرقھا غرق وغرقوا۔[1]

ترجمہ۔ اللہ کے دین میں مداہنت کرنے والے (دبے دبے کو آرام
سے برداشت کرنے والوں) کی مثال ان لوگوں کی سی ہے جو ایک
کشتی میں سوار ہوئے اور اس کی مختلف منازل میں اترے۔ کچھ
اوپر کے حصہ میں پہنچے اور کچھ نیچے کے حصہ میں ـــــ اوپر کے حصہ میں
جو لوگ تھے ان میں سے کسی نے کسی نچلے والے کو کشتی میں سوراخ
کرتے دیکھا ـــــ اس نے پوچھا کیا کر رہے ہو؟ اس نے کہا مجھے
پانی چاہئے اس لیے میں سوراخ کر رہا ہوں ـــــ اس پر آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اگر انہوں نے اس کو ایسا کرنے
سے روک دیا تو وہ بھی بچ گیا اور یہ بھی بچ گئے اور اگر انہوں نے
ایسا کرنے سے نہ روکا تو وہ بھی ڈوبا اور یہ بھی ڈوبے۔"

اس مثال میں بتایا گیا ہے کہ یہ امت ایک جسم واحد کی طرح ہے۔ اس کے جملہ افراد ایک کشتی میں سوار ہیں۔ کنارے پر پہنچنا یا ڈوبنا سب کے لیے یکساں رہے گا۔ جونہی کسی نادان نے کوئی نادانی کی اس کی افتاد ساری امت پر آئے گی ـــــ سو باقی افرادِ امت کا فرض ہے کہ جونہی کوئی اس کشتی میں سوراخ کرنے لگے وہ اپنی قومی ذمہ داری سے کام لیں اور اسے ہر ممکن طریق سے روکیں۔ یہ نہ کہیں کہ ہر شخص اپنے عملوں کا

---

[1] رواہ البخاری والترمذی واحمد (جلد ۴ صفحہ ۲۶۸ منہ ۲۷)

ذمہ دار ہے۔ قومی زندگی میں انسان کبھی دوسرے انسانوں کے اعمال کا بھی ذمہ دار بنتا ہے۔ معاشرہ ایک اجتماعی زندگی کا نام ہے اور اسے افراد ہی بناتے ہیں۔ سو یہاں ہر فرد کے ذمہ ہے کہ وہ دوسرے افراد کے اعمال پر بھی ساتھ ساتھ نگاہ رکھے — مبادا وہ اسے کہیں لے نہ ڈوبیں۔

مثال سیزدہم

حضرت عبداللہ بن کعب انصاریؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرمؐ نے فرمایا:۔

مثل المومن کمثل الخامة تفیئه الریاح تعد لها مرة ویقیمها مرة اخری حتی یاتیه اجله[1] ومثل الکافر کمثل الارزة المجذیه علیٰ اصلها لا یقیمها حتی یکون انجعافها مرة واحدة۔

ترجمہ۔ مومن کی مثال اس تازہ ٹہنی کی ہے جسے ہوائیں اُٹھاتی ہیں، کبھی اسے برابر کر دیں اور کبھی اسے سیدھا کھڑا کر دیں۔ یہاں تک کہ وہ مومن اپنے سفرِ آخرت پر روانہ ہو جائے اور کافر کی مثال اس جڑ پکڑے درخت کی سی ہے جو سیدھا کھڑا ہو۔ اس کا اُکھڑنا بس ایک ہی دفعہ واقع ہوتا ہے۔

اس مثال میں بتلایا گیا کہ مومن کی سیرت عاجزی پر قائم ہوتی ہے۔ اکڑنا اور ضد کرنا اس کے شایانِ شان نہیں۔ یہ کافر ہے جو اپنی جگہ اَڑا رہتا ہے۔

مثال چہاردہم

حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مثل الصلوات الخمس مثل نهر جار علی باب احدکم یغتسل منه کل یوم خمس مرات[2] فما ذا یبقین منه درنه[3]

---

[1] رواہ البخاری ومسلم والدارمی، مسند احمد ۳ صـ۴۵۴ [2] رواہ احمد ۲ صـ۳۰۵/۳۱۷ صـ۳۵۷ والدارمی ومسلم [3] رواہ احمد صـ۴۲۶/۲ ومسلم والترمذی

ترجمہ۔ پانچ نمازوں کی مثال اس دریا کی سی ہے جو تمہارے دروازے کے پاس سے گزرے کہ تم اس میں ہر روز پانچ دفعہ غسل کر لیا کرو۔ کیا اس کے بعد اس میں کوئی آلائش باقی رہ سکتی ہے؟

اس میں بتایا گیا کہ نماز چھوٹے موٹے گناہوں کا کفارہ بنی رہتی ہے۔ جس طرح غسل سے میل کچیل اترتا ہے نماز سے گناہ اترتے ہیں ــــ جاری پانی میں کچھ پڑے وہ پاک رہتا ہے۔ نماز میں کتنے وسوسے اور خیالات کیوں نہ آئیں وہ نماز کی نہر جاری کو گدلا نہیں کرتے۔ گو کوشش ہونی چاہیئے کہ ایسا نہ ہو۔

مثال پانزدہم

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

مثل الجلیس الصالح کمثل صاحب المسک ان لم یصبک منه شیء اصابک من ریحه ــــــــ ومثل الجلیس السوء کمثل صاحب الکیران لم یصبک من سواده اصابک من دخانه[1] ــــ (وفی روایة) کمثل صاحب الکیران لم یصبک من شراره اصابک من ریحه[2]

ترجمہ۔ اچھے ساتھی کی مثال کستوری والے کی سی ہے اگر وہ تمہیں نہ ملے تو خوشبو اس کی تو تم پا ہی لوگے۔ اور برے ساتھی کی مثال اس بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے کہ اگر تمہارے کپڑوں کو سیاہ نہ کرے تو اس کا دھواں تو تمہیں مل ہی جائے گا (اس کی بدبو تو تمہیں مل کر ہی رہے گی) ــــ (ایک روایت میں ہے) برے ساتھی کی مثال بھٹی دھونکنے والے کی سی ہے کہ اگر اس کی چنگاریاں تمہیں نہ آلیں اس کی ہوا تمہیں پہنچ کر رہے گی۔

---

[1] رواہ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۲۶۴ [2] رواہ البخاری ومسلم واحمد وابویعلیٰ والحاکم جلد ۴ صفحہ ۲۸

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو توجہ دلائی کہ بُری صحبت سے بچو۔ صحبت کے اثرات غیر شعوری طور پر بھی اثر کرتے ہیں۔ جو شخص یہ سمجھے کہ میں بُرے ماحول پہ قابو پالوں گا۔ یہ ایک بڑا دعوٰے ہے جس پر پورا اترنا ہر کسی کے بس میں نہیں ——
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی متنبہ فرمایا کہ جب عطر فروش کے اثرات بلا خرید بھی اثر کرتے ہیں تو جو لوگ حضور ؐ کی صحبت میں شب و روز بیٹھے ان پر اس باکمال صحبت نے کیا لازوال اثرات چھوڑے ہوں گے۔ اس پر صحابہ کرام رضؓ کے مقام کا اندازہ کر لیجئے۔ پھر کیا کوئی پوری امت میں سے ان کے مقام کو پہنچ سکتا ہے ؟

مثال شانزدہم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضؓ سے پوچھا۔ تم جانتے ہو کہ تمہاری اور تمہارے اہل و مال اور عمل کی مثال کیا ہے ؟ آپ ؐ نے فرمایا :-

انما مثل احدکم ومثل مالہ واھلہ وولدہ وعملہ کمثل رجل لہ ثلاثۃ اخوۃ فلما حضرتہ الوفاۃ دعا بعض اخوتہ فقال انہ قد نزل من الامر ما تری فمالی عندک ومالی لدیک ؟

ترجمہ۔ تمہاری اور تمہارے مال اہل و عیال اور عمل کی مثال اس شخص کی سی ہے جس کے تین بھائی تھے۔ جب اس کی وفات کا وقت آیا اس نے ایک بھائی کو بلایا اور کہا تم میری حالت دیکھ رہے ہو۔ —— تم سے میں کیا امید رکھوں۔

اس نے جواب دیا —— میں تمہیں غسل دوں گا، کفن پہناؤں گا اور دوسروں کے ساتھ مل کر تمہارا جنازہ اُٹھاؤں گا۔ واپس ہونے پر جہاں تیرا ذکر کروں گا اچھائی سے تیرا ذکر کروں گا» —— یہ وہ بھائی ہے جسے اہل و عیال سے تعبیر کیا جا سکتا ہے۔
پھر اس نے دوسرے بھائی کو بلایا اور یہی کہا۔ اس دوسرے نے جواب دیا —— میرے پاس دولت اس وقت تک ہے جب تک تم زندہ ہو۔ تمہاری وفات پر دولت تم سے

چلی جائے گی اور مجھ سے بھی"۔۔۔۔۔ یہ وہ بھائی ہے جسے مال سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

پھر اس نے تیسرے بھائی کو آواز دی اس تیسرے نے جواب دیا۔۔۔۔۔ "میں قبر میں بھی تیرے ساتھ رہوں گا اور تیری پریشانی میں تیرا ساتھی ہوں گا جس دن اعمال تولے جائیں گے میں ترازو میں بیٹھوں گا تاکہ تیرا پلڑا بھاری رہے"۔۔۔۔۔ یہ وہ بھائی ہے جسے عمل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔ صحابہؓ نے اس پر کہا۔۔۔۔ "خیر اخ وخیر صاحب یارسول اللہ" (یارسول اللہ یہ بہترین بھائی ہے اور بہترین دوست ہے) اس پر حضورؐ نے فرمایا۔ بات اسی طرح ہے جیسے تم کہہ رہے ہو۔۔۔۔ حضورؐ نے فرمایا۔

یتبع المیت ثلثة فیرجع اثنان ویبقی واحد یتبعه اهله وماله وعمله فیرجع اهله وماله ویبقی عمله۔[1]

ترجمہ۔ میت کے ساتھ تین چیزیں جاتی ہیں دو لوٹ آتی ہیں اور ایک ساتھ رہتی ہے اہل وعیال، مال اور اس کا عمل۔۔۔۔ اس کے اہل و عیال اور مال تو واپس لوٹ آتے ہیں اور اس کے اعمال اس کے ساتھ رہتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مثال میں عمل کے لازوال پہلو کو بیان کیا۔ اعمال انسان کے ساتھ رہتے ہیں اور یہ وہ رفیق ہے جو کسی وقت بھی انسان سے جدا نہیں ہوتا۔ انسان کا ان تینوں میں سب سے بڑا خیر خواہ یہی ہے۔

مثال ہفدہم

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

من شق عصا المسلمین فقد خلع ربقة الاسلام من عنقه۔[2]

ترجمہ۔ جو شخص مسلمانوں کی جماعت سے نکلا سو اس نے اسلام کا پٹکا اپنے گلے سے اتار پھینکا۔

---

[1] رواہ البخاری ومسلم والترمذی [2] مسند امام احمد جلد ۵ صفحہ ۱۸۰ قال فی المشکوٰۃ رواہ احمد و ابو داؤد صفحہ ۳۱

حضورؐ نے اس حدیث میں مسلمانوں کی جماعتی زندگی اور ان کے اتفاق و اجماع کی اہمیت واضح کی ہے اور بتایا ہے کہ مسلمان کو دوسرے مسلمان سے کٹ کر نہ رہنا چاہیئے۔ بلکہ دیکھنا چاہیئے کہ جماعتِ مسلمین کدھر جارہی ہے۔ اسے اپنی راہ علیحدہ نہ بنانی چاہیئے۔ سبیل مومنین کی پیروی کرنی چاہیئے۔ مسلمان ہمہ تن آزاد نہیں ہے اس کے گلے میں دوسرے مسلمانوں کے ساتھ رہنے کا پٹکا ضرور ہونا چاہیئے ـــــ پٹکا یہ ہے کہ مومن مسلمانوں کے اجماع سے بغاوت نہ کرے۔ اپنی راہ علیحدہ نہ چلے۔ کیوں کہ حوزۂ اسلام سے خروج کرنے والا بالآخر اسلام سے ہی نکل جاتا ہے۔

اس حدیث میں پٹکے کے لیے ربقہ کا لفظ آیا ہے پٹکے کو قلادہ بھی کہتے ہیں اور مقلدین سے مراد پٹکے والے مسلمان ہیں جو دین میں آزاد راہوں پر نہیں چلتے۔ اسی راہ پر چلنے کی دعا کرتے ہیں جس پر پہلے انعام یافتہ لوگ چل چکے ہیں۔

قاضی محمد حسن (۳۶۲ھ) لکھتے ہیں۔ الربقۃ القلادۃ[1] تقلید کا لفظ کوئی ایسی تعبیر نہیں جس سے انسان وحشت کھانے لگے حضورؐ نے ربقہ خود مسلمانوں کی گردن پر ڈالا ہے۔

مثال ہژدہم

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔

من خاف ادلج ومن ادلج بلغ المنزل، الا ان سلعۃ اللہ غالیۃ،
الا ان سلعۃ اللہ غالیۃ۔[2]

ترجمہ: فکرمند انسان رات سے ہی سفر کے لیے اُٹھتا ہے اور جو رات سے اُٹھا منزلِ مراد پر پہنچ گیا۔ خبردار رہو خدا کی منڈی کا مال بہت قیمتی ہے۔ خبردار اس کا سودا سستے داموں ہاتھ لگنے کا نہیں۔

اس حدیث میں بتلایا گیا کہ آخرت کی فکر کے بغیر کبھی کوئی خدا کی بادشاہت میں داخل نہیں ہوا ـــ خدا کی بستی ایسی دکان نہیں کہ جب اُٹھو وہاں سے سودا لے لو۔ اس

---

[1] امثال الحدیث ص۱۸۴ [2] رواہ الترمذی والحاکم جلد ۴ ص۳۰۸ مسند احمد ۵ ص۱۳۶

کے لیے پہلے سے ارادوں کو درست کرنا پڑتا ہے اور جزاء اعمال نیتوں پر ہی مرتب ہوتی ہے۔ تم حسب مراد اپنی منزلوں کو پہنچو گے۔

مثال نوازدہم

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

یوشك ان ینطوی الاسلام فی کل بلد الی المدینة کما تنطوی الحیة الی جحرھا۔[1]

ترجمہ۔ وقت آنے والا ہے کہ اسلام ہر شہر سے سمٹتا ہوا مدینہ آ رہے جیسے سانپ ہر طرف سے بھاگ کر پھر اپنے بل کی طرف پلٹتا جاتا ہے۔

اس حدیث میں سانپ کی جارح حیثیت (کہ وہ کسی کو کاٹنے کے درپے ہو) مذکور نہیں۔ بلکہ اسے بھاگ کر پناہ لینے والے کی صورت میں ذکر کیا گیا ہے۔ سو یہ بات نہ کی جائے کہ اسلام کو سانپ سے کیوں تشبیہ دی ——— مشبہ اور مشبہ بہ میں ہر جہت سے تشبیہ نہیں ہوتی۔ یہ سانپ کی اس حالت سے تشبیہ ہے جب وہ کسی کے درپے آزار نہیں۔

اس حدیث میں بتلایا گیا کہ مدینہ منورہ قیامت تک مرکز اسلام رہے گا۔ جب اسلام کہیں نہ ہوگا مدینہ منورہ اس وقت بھی بقعہ اسلام ہوگا۔ علاماتِ قیامت کے طور پر بھی حرمین شریفین کبھی مقبوضہ کفار نہ ہوں گے۔ جاء الحق وزھق الباطل کے اعلان سے اسلام وہاں بطور دوام آیا ہے۔ کفر وہاں سے بطور دوام نکلا ہے۔ نہ وہاں کوئی باطل نئے سرے سے آئے گا نہ پہلا ہی عود کرے گا۔ قرآن کریم میں ہے:۔

قل جاء الحق وما یبدئ الباطل وما یعید۔[2]

مثال بستم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ تبوک کے لیے نکلے تو حضرت علی مرتضیٰؓ کو

---

[1] رواہ البخاری فی کتاب الحج ومسلم فی کتاب الایمان وراجع لہ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ صفحہ ۲۲۲ صفحہ ۴۹۶ [2] پ ۲۲ السبأ ع ۶

گھروں کی دیکھ بھال کے لیے مدینہ چھوڑ گئے۔ حضرت علیؓ نے اسے اپنی منقصت جانا اور حضورؐ سے عرض کی۔ آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا رہے ہیں؟ اس پر حضورؐ نے آپ کو اس طرح مطمئن کیا:۔

اما ترضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لا نبوة بعدی[1]

ترجمہ۔ کیا تم اس سے راضی نہیں کہ مجھ سے تمہاری وہی نسبت ہو۔ جو ہارون کی موسیٰ سے تھی سوائے اس کے کہ ہارون تو موسیٰ کے بعد نبی ہوئے مگر میرے بعد کسی قسم کی کوئی نبوت نہیں۔

حضرت ہارون کے موسیٰ کے بعد نبی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ نبوت حضرت موسیٰ کو پہلے ملی اور حضرت ہارون کو بعد میں ــــــ وہ ان کے بعد نبی ہوئے ــــــ یہ مطلب نہیں کہ وہ حضرت موسیٰ کی وفات کے بعد نبی بنے ــــــ بعدیت سے مراد نبوت ملنے میں بعدیت ہے نہ کہ زندگی کی بعدیت ــــــ حضرت ہارون تو حضرت موسیٰ کی زندگی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔

حضورؐ نے اس مثال میں کیا سمجھایا؟ حضرت ہارون کسی شرع جدید کے نبی نہ تھے حضرت موسیٰ کی شریعت کے ماتحت تھے۔ حضورؐ نے ان کا ذکر کرنے بعد فرمایا۔ مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ سو اس کا مطلب اس کے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ میرے بعد غیر تشریعی نبوت بھی کسی کو نہ ملے گی۔ آپ پر ہر قسم کی نبوت ختم ہو چکی۔ اب اس امت میں کوئی حضرت ہارون جیسا غیر تشریعی نبی بھی نہ ہو گا۔

حضورؐ نے ہارون کی مثال دے کر اشارہ فرما دیا کہ جس طرح حضرت ہارون حضرت موسیٰ کے بعد خلیفہ نہ ہوئے (کیونکہ وہ فوت ہو چکے تھے) بلکہ یوشع بن نون آپ کے خلیفہ ہوئے۔ حضرت علیؓ حضورؐ کے بعد خلیفہ بلافصل نہ ہوں گے بلکہ ابو بکر صدیقؓ خلیفہ ہوں گے ــــــ علم حساب میں کامل ترین عدد نو (۹) ہے۔ خلیفہ بلافصل کامل ترین فرد ہوتا ہے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۶۳۲ (دہلی)، مشکوٰۃ صفحہ ۵۶۳

یوسع بن نون کے حرف نوؐ ہیں تو ابوبکر صدیقؓ تلک عشرۃ کاملہ کے مظہر تھے دونوں اپنے آقا کے خلیفہ بلافصل ہے ــــــ حضرت ہارون کے بیٹوں کے نام شبر اور شبیر تھے۔ یہ عبرانی لفظ ہیں۔ ان کا ترجمہ عربی میں حسن اور حسین ہے۔

ذخیرۂ حدیث میں متعدد اور امثال بھی ملتی ہیں۔ امثال ابی الشیخ اور قاضی ابو محمد حسن کی کتاب امثال حدیث میں دیکھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کن کن مثالوں اور کس کس پیرایۂ بیان میں ہدایتِ الٰہی قلوب مومنین میں اُتاری۔ یہ امثال ان کی منہ بولتی تصویریں ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کی امانت اور الٰہی ہدایت کس آسان سے آسان پیرانہ میں امت کے سامنے رکھی ــــــ اس امت میں بھی کئی ایسے جہابذہ علم ہوئے جنہوں نے دین کے باریک سے باریک مسائل کو مثالوں سے آسان کر دیا۔ ان پر امام غزالی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہم اللہ اجمعین بھی اپنی مثال آپ تھے۔ اس دور میں حضرت مولانا محمد علی جالندھری دامت برکاتہم مثالوں کے بادشاہ سمجھے جاتے ہیں۔

ہم یہاں اس باب کو ان میں مثالوں پر ختم کرتے ہیں۔ موضوع کے تعارف کے لیے امید ہے یہ بیس مثالیں کافی ہوں گی۔

غریب الحدیث

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد:

آج کا عنوان مباحثِ حدیث میں واقعی بہت غریب (نادر قسم کا) ہے۔ اس کی غرابت الفاظ و معانی کے اعتبار سے ہے اسناد کے پہلو سے نہیں۔ غرابت وطن سے دُوری کا نام ہے۔ غریب مُسافر کو کہتے ہیں۔ جو مضمون ظاہر الفاظ سے دور یا فہم عام سے بالا ہو وہ غریب ہے عجیب ہے۔ اس کی غرابت اسی پہلو سے ہے اور یہ کوئی کمزوری کی بات نہیں۔ نہ یہ کوئی جرح کی بات ہے۔ اس کا سنداً غریب ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ حدیث اسناد کے پہلو سے غریب ہو تو اس پر اصولِ حدیث کے تحت بحث کی جاتی ہے۔ لغت، ادب اور اسالیب عرب کے تحت نہیں۔ سو حدیث غریب اور غریب الحدیث میں فرق ہے۔

حدیث غریب

حدیث صحیح کی وہ قسم ہے جس کا "سند کے کسی مرحلے میں" راوی صرف ایک ہو۔ یہ درجہ حدیث عزیز اور حدیث متواتر کے مقابل ہے۔ درجہ میں اول حدیث متواتر ہے۔ پھر حدیث عزیز اور پھر حدیث غریب۔ یہ حدیث غریب ہونا اس کی صحت کے منافی نہیں، اصول حدیث کی کتابوں میں ہے:۔

ان الغرابة لا تنافی الصحة۔ حدیث کا ضعیف ہونا صحت کے منافی نہیں۔

ہاں غریب کا لفظ کبھی شاذ کے معنوں میں بھی آجاتا ہے۔ اس صورت میں حدیث غریب کی سند پہ بحث ہوسکتی ہے۔ اس پہلو سے بھی حدیث غریب درجہ صحت سے نہیں نکلتی حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رسالہ اصولِ حدیث میں لکھتے ہیں:۔

فالشذوذ بهذا المعنیٰ لا ینافی الصحة کالغرابة۔

اللہ تعالیٰ نے قلم کو پیدا کیا، اس قلم نے تمام تقدیریں لکھیں۔ جو کچھ ہوا یا ہونے والا تھا سب ما کان وما یکون اس نے لکھ دیا۔ اس حدیث پر امام ترمذی لکھتے ہیں۔ ھٰذا حدیث غریب اسناداً[1] معلوم ہوا غرابت کبھی الفاظ اور متن کے پہلو سے بھی ہوتی ہے۔ مولانا سید عمیم الاحسان لکھتے ہیں :۔

الغرابة کما تکون فی السند کذالک تکون فی المتن۔

ترجمہ :۔ غرابت جس طرح کبھی (حدیث کی) سند میں ہوتی ہے کبھی متن میں بھی ہوتی ہے۔

غریب الحدیث

علامہ خطابی (۳۸۸ھ) لکھتے ہیں :۔

الغریب من الکلام انما ھو الغامض البعید من الفھم[2]

وہ بات غریب (بہت عجیب اور نادر) ہوتی ہے جو گہری اور فہم عام سے اونچی ہو۔

الفاظ اور بات کی غرابت سے مراد وہ دقیق الفاظ اور اونچے مضامین ہیں۔ جن کا سمجھنا آسان نہ ہو۔ ایسے غریب الفاظ اور نادر مضامین پر محدثین نے جس فن میں گفتگو کی ہے اسے غریب الحدیث کہتے ہیں۔ بعض محدثین کا ذوق ایسے مضامین اور الفاظ کی خاص تلاش رہا ہے جو اپنی ندرت اور غرابت میں ہر ایک کی رسائی میں نہ ہوں۔ اس باب میں صرف وہی علماء فن آگے بڑھ سکے جن کو طلب حدیث میں خصوصی شغف اور اور خاص انہماک رہا۔۔۔ حافظ اسمٰعیل عبداللہ بن محمد الاصبہانی (۴۹۲ھ) غریب الحدیث کی طلب اور روایت میں خاص ذوق رکھتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں :۔

یروی الغریب من المحدثین فیبالغ قال لی مرۃ ھذا الشان شان من لیس لہ شان سوے ھذا الشان یعنی طلب الحدیث[3]

---

[1] مشکوٰۃ ص۲۱ [2] غریب الحدیث ص۔ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص۲۷۷

ترجمہ۔ آپ محدثین سے غریب الحدیث روایت کرتے اور آپ کی توجہ اس باب میں بہت زیادہ رہتی (راوی کہتا ہے) ایک دفعہ آپ نے مجھے کہا غریب (نادر الفاظ اور معانی کی) احادیث کر لینا صرف انہی لوگوں کا کام ہے جن کو اس حال سے سوا کسی اور حال سے غرض نہ ہو۔ ہر وقت طلب حدیث اُن کا کام ہو۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ غریب الحدیث کی تلاش اور روایت کسی کمزوری کی بات نہیں بلکہ یہ وہ بابِ کمال ہے جو اس فن کے متوالوں کو ہی نصیب ہوتا ہے اور اس کا ذوق وہ شانِ علم ہے جو اس فن کے اُونچے علماء کو ہی میسر آتا ہے۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذوقِ حدیث اس قسم کی روایات کا خاص متلاشی رہتا تھا اور آپ پھر ان روایات کی تشریح اور تفصیل میں بہت اُونچی پرواز کرتے "سات زمینوں میں سات آدم آئے"، یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک اثر ہے[1] جو اپنے معنی اور مفہوم میں بہت دقیق ہے۔ آپ نے اس پر ایک کتاب تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس لکھی۔ حدیث عماء[2] ایک نہایت دقیق اور غامض روایت ہے۔ آپ نے اس پر ایک مستقل رسالہ رقم فرمایا۔ چند اور روایات پر بھی بحث کی ہے۔

علماء نے حدیث کے مشکل الفاظ پر مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں۔ انہیں بالمعنی الاخص لغات حدیث بھی کہا جا سکتا ہے۔ قرآن کریم کے غریب الفاظ پر بھی علماء نے بحث کی ہے۔ معلوم رہے کہ غرابت الفاظ، فصاحت کلمہ یا فصاحت کلام کے خلاف نہیں اور افصح العرب والعجم کی زبانِ مبارک سے غریب الحدیث کا صدور ان کی اس شان کے منافی نہ تھا۔ صحیح بخاری کی حدیث ام زرع اس کی وافی مثال ہے۔

جن قدماء نے غریب الحدیث پر خاص توجہ کی۔ ان میں سے بعض یہ ہیں:-

۱۔ نضر بن الشمیل (۲۰۴ھ) ۲۔ قطرب (۲۰۶ھ)
۳۔ ابو عبیدہ معمر بن المثنیٰ (۲۰۸ھ) ۴۔ اصمعی (۲۱۸ھ)

---

[1] مستدرک حاکم جلد ۲ صفحہ ۴۹۳ ذہبی نے تلخیص میں اس کی تصحیح کی ہے۔ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۵۰۱

غریب الحدیث پر لکھی گئی یہ کتابیں بہت اہم ہیں ؛۔

۱. غریب الحدیث لابی عبید قاسم بن سلام[1] (۲۲۴ھ)

۲. غریب الحدیث لابن قتیبہ الدینوری (۲۷۶ھ)

۳. غریب الحدیث لابی سلیمان الخطابی (۳۸۸ھ)

یہ تین کتابیں اس فن کی امہات سمجھی جاتی ہیں۔ یہ بڑی کتابیں نہیں رسائل سے ہیں لیکن اپنی نوع کے لحاظ سے بہت اہم ہیں :۔

پھر ہرات کے ایک مقتدر عالم جو ابوسلیمان الخطابی اور ابومنصور ازہری کے شاگرد ہیں۔ ابوعبید احمد بن محمد (۴۰۱ھ) نے غریب القرآن والحدیث کے موضوع پر کتاب الغریبین لکھی۔ آپ نے مقدمہ میں لکھا ہے :۔

فان اللغة العربیہ انما یحتاج الیہا لمعرفة غریبی القرآن والحدیث ـــــ والکتب المولفة فیہا جمة وافرة۔

ترجمہ۔ قرآن اور حدیث کے غریب الفاظ کو جاننے کے لیے لغت عربی کی ضرورت پڑتی ہے ـــــ اس باب میں بہت کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔

یہ کتاب اپنے موضوع پر بہت معروف ہوئی۔ علامہ ابوموسیٰ المدینی (۵۸۱ھ) نے اس کا ایک قابل قدر تکملہ لکھا ہے۔ اس کے بعد اس موضوع پر یہ کتابیں معروف ہوئیں :۔

۱. الفائق۔ علامہ محمود زمخشری (۵۳۸ھ) تفسیر کشاف انہی کی تالیف ہے۔ علوم عربیہ میں امام فن سمجھے جاتے ہیں، فائق کا معنیٰ ہے فوقیت سے جانے والا ـــــ سو یہ کتاب واقعی اسم بامسمیٰ ہے۔ اس نے غریب الحدیث کی ہر مشکل آسان کر دی ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری (۶۰۶ھ) جنہوں نے خود اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھی ہے۔ الفائق کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

ولقد صادف ہذا الاسم المسمی وکشف من غریب الحدیث کل معمی۔

---

[1] ابوعبید ہرات کے رہنے والے ہیں۔ اسحٰق بن راہویہ (۲۳۸ھ) اور امام احمد (۲۴۱ھ) کے ہمعصر تھے۔ اسلامی معاشیات پر کتاب الاموال انہی کی تالیف ہے۔

النہایہ

پورا نام النہایہ فی غریب الحدیث والاثر ہے۔ مؤلف مجد الدین مبارک بن محمد بن عبدالکریم ابن اثیر الجزری (۶۰۶ھ) ہیں۔ ان کی کنیت ابو السعادات ہے۔ جامع الاصول من احادیث الرسول ۱۲ جلدوں میں انہی کی تالیف ہے۔ ان کے بھائی عز الدین ابن اثیر تاریخ کی مشہور کتاب کامل ابن اثیر کے مؤلف ہیں۔ ابو السعادات مجد الدین نے مسند امام شافعی کی بھی مبسوط شرح لکھی ہے۔ علم تفسیر میں آپ نے الانصاف فی الجمع بین الکشف والکشاف لکھی۔ اس میں آپ نے علامہ ثعلبی اور علامہ زمخشری کی کتابوں کو جمع کر دیا ہے۔ آپ حدیث، تفسیر، فقہ، ادب عربی اور علم اصول کے جلیل القدر امام تھے۔ النہایہ پانچ ضخیم جلدوں میں ہے اور عام ملتی ہے۔ خطیب تبریزی لکھتے ہیں :-

کان عالماً محدثاً لغویاً روی عن خلق من ائمۃ الکبار کان بالجزیرۃ وانتقل الی الموصل سنۃ خمس وستین وخمس مائۃ (۵۶۵ھ) ولم یزل بہا الی ان قدم بغداد۔[۱]

ترجمہ: آپ بڑے عالم، محدث اور ماہر لغت تھے۔ کثیر تعداد بڑے بڑے ائمہ سے حدیث روایت کی ہے۔ جزیرہ کے رہنے والے تھے۔ پھر ۵۶۵ھ میں موصل چلے گئے۔ اور بغداد روانہ ہونے تک وہیں رہے۔

حافظ ابن کثیر[۲] اور ابن خلکان[۳] ان کی عبقریت اور علمی بصیرت کے پورے معترف ہیں آپ کی کتاب النہایہ لغت حدیث اور غریب الحدیث میں سند سمجھی جاتی ہے۔

مجمع البحار

مجمع بحار الانوار۔ علامہ طاہر الفتنی الگجراتی (۹۸۱ھ) کی تالیف ہے۔ بڑی تقطیع کی تین ضخیم جلدوں میں طبع ہوئی۔ لغت حدیث میں سند سمجھی جاتی ہے۔ غریب الحدیث پر اس میں

---

۱ الاکمال ص ۶۳۲ ۲ البدایہ والنہایہ جلد ۱۳ ص ۵۴ ۳ وفیات الاعیان جلد ۳ ص ۲۸۹

کافی مواد ملتا ہے۔ برصغیر پاک و ہند کی علمی دُنیا اس کتاب پر جتنا فخر کرے کم ہے مؤلف مضمون کی غرابت پر بھی پوری نظر رکھتے ہیں۔ مثلاً جریر بن حازم تابعی (۱۷۵ھ) نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے یہ روایت نقل کی تھی۔ جو ظاہری سطح پر بہت عجیب مضمون بیان کرتی ہے۔ قولوا خاتم النبیین ولا تقولوا لا نبی بعدی۔[۱] مجمع البحار میں اس کی غرابت ساتھ ہی حل کر دی گئی ہے۔ ھذا ناظر الی نزول عیسیٰ[۲] یعنی یہ بات نزول عیسیٰ علیہ السلام کے پیشِ نظر کہی گئی ہے تذکرۃ الموضوعات بھی اسی مؤلف کی تالیف ہے۔ حدیث اور ادب عربی کے مسلم امام ہیں یا د النہایہ غریب الحدیث کے موضوع کا علمی سرمایہ ہے۔

اسرار اللغہ الملقب بہ وحید اللغات

علامہ وحید الزمان (۱۳۳۸ھ) اس کے مؤلف ہیں۔ اردو میں لغتِ حدیث پر یہ پہلی کتاب ہے۔ چھ ضخیم جلدوں میں ہے۔ مولانا وحید الزمان مسلکاً غیر مقلد تھے۔ نہایت افسوس ہے کہ آپ نے حل لغات کے سائے میں کہیں کہیں ملحدانہ عقائد بھی سمو دیئے ہیں۔ مثلاً مادہ "عجز" کے تحت لکھتے ہیں:۔

"حضرت علیؓ اپنے تئیں سب سے زیادہ خلافت کا مستحق جانتے تھے۔

اور ہے بھی یہی۔"

یہ صحیح نہیں یہ تو شیعہ عقیدہ ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو آخری وقت میں حضرت ابو بکر صدیقؓ کو اپنی جگہ امام بنائیں اور حضرت علیؓ اپنے آپ کو ان سے زیادہ مستحق سمجھیں ——— یہ بات باور کرنے کے لائق نہیں۔ حضرت علیؓ کی سوچ کھلم کھلا منشاءِ رسالت کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے۔

مولانا وحید الزمان اہلحدیث تھے۔ افسوس کہ وہ شیعہ نظریات کا شکار بھی ہو گئے ہیں۔ آزاد روی کا یہ پہلا پھل ہے۔ جو انہوں نے چکھا۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں مادہ عز کے تحت لکھتے ہیں:۔

---

[۱] المصنف لابن ابی شیبہ جلد ۹ صفحہ ۱۱۰ [۲] تکملہ مجمع البحار جلد صفحہ ۸۵

" ان کی نسبت کلمات تعظیم مثل حضرت و رضی اللہ عنہ سخت دلیری اور بیباکی ہے"

اہل السنۃ والجماعت کے ہاں تین دن سے زیادہ سوگ کی اجازت نہیں۔ شیعہ ہر سال محرم میں سوگ مناتے ہیں۔ مولوی وحید الزماں صاحب بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ مادہ عود کے تحت لکھتے ہیں:۔

"یہ مہینہ خوشی کا مہینہ نہیں رہا۔ . . محرم کا مہینہ شہادت کی وجہ سے غم کا مہینہ ہو گیا ہے"

مادہ ختم کے تحت لکھتے ہیں:۔

"شیخین کو اکثر اہلسنت حضرت علیؓ سے افضل کہتے ہیں اور مجھ کو اس امر پر بھی کوئی دلیل قطعی نہیں ملتی۔ نہ یہ مسئلہ کچھ اصولِ دین اور ارکانِ دین سے ہے زبردستی اس کو متکلمین نے عقائد میں داخل کر دیا ہے"

مولانا وحید الزماں کی یہ بات صحیح نہیں۔ اس پر صحابہؓ کا اجماع ہوا تھا۔ امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی لکھتے ہیں:۔

افضلیت شیخین باجماع صحابہ و تابعین ثابت شدہ است چنانچہ نقل کردہ اند آں را اکابر ائمہ کہ یکے از ایشاں امام شافعی است۔ شیخ ابوالحسن اشعری کہ رئیس اہلسنت است مے فرماید کہ افضلیت شیخین بر باقی قطعی است۔ انکار نکند مگر جاہل یا متعصب [1]

مولانا وحید الزماں کے شیعہ نظریات کی وجہ سے کچھ علمائے حدیث بھی ان کے خلاف ہو گئے۔ مولانا مادہ شر کے تحت لکھتے ہیں:۔

مجھ کو میرے ایک دوست نے لکھا کہ جب سے تم نے یہ کتاب ہدیۃ المہدی تالیف کی ہے اہلحدیث کا ایک بڑا گروہ . . . . تم سے بد دل ہو گئے ہیں اور عام اہلحدیث کا اعتقاد تم سے جاتا رہا۔ میں نے ان کو جواب دیا۔ الحمد للہ کوئی مجھ سے اعتقاد نہ رکھے نہ میرا مرید ہو ـــــ مجھ کو پیشوا اور مقتدا جانے نہ میرا ہاتھ چومے نہ میری تعظیم و تکریم کرے۔ میں مولویت اور مشائخیت کی روٹی نہیں کھاتا۔

---

[1] مکتوبات دفتر ۲ مکتوب ۶۷ صفحہ ۱۳۱ لکھنؤ۔

آپ نے مادہ شعب کے تحت اہلحدیث پر کڑی تنقید کی ہے اور مادہ شر میں انہیں قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) کا مقلد قرار دیا ہے۔ ان کے ہاں اہلحدیث غیر مقلد نہیں ہیں۔ بلکہ ابن تیمیہ، ابن قیم اور قاضی شوکانی کے مقلد ہیں۔

یہ چند مثالیں ہیں۔ ان سے پتہ چلتا ہے کہ وحید اللغات صرف لغات پر مشتمل نہیں ہے اس میں مؤلف نے جگہ جگہ اپنے نظریات بھی سمو دیئے ہیں۔ ہاں اس میں لغت حدیث پر بڑی سیر حاصل بحث ملتی ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء

پہلے اس کتاب کا نام انوار اللغۃ تھا۔ اس کی پانچ جلدیں مطبع احمدی لاہور نے شائع کی تھیں۔ اس وقت کتاب ۲۸ حصوں میں تھی۔ مؤلف خود لکھتے ہیں :-

انوار اللغۃ جو جامع لغات احادیث مع احادیث فریقین یعنی امامیہ و اہلسنت ہے بڑی محنت اور جانفشانی سے تالیف کی۔

آپ نے پھر اس کا نام اسرار اللغۃ رکھا۔ اب بھی یہی نام ہے اس کا لقب وحید اللغات ہے جو اصح المطابع کے نئے ایڈیشن میں ۲۴ جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ چھ مجلدات میں یہ ۲۴ جلدیں ملتی ہیں۔ آغاز میں لکھا ہے کہ آپ نے اس کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے مدد لی ہے۔

نہایہ ابن اثیر، مجمع البحار، قاموس المحیط، صحاح جوہری، محیط المحیط، منتہی الارب، مجمع البحرین، الدر النثیر الغریبین، الفائق المغرب لسان العرب وغیرہ..... شیعہ کتابوں میں سے مجمع البحرین، مطلع النیرین مؤلفہ فخر الدین الطریحی (۱۰۸۵ھ) سے استفادہ کیا ہے۔

کہیں کہیں مولانا نے اہل لغت پر بھی گرفت کی ہے۔ لیکن جہاں تک ہم ان مواقع پر غور کر سکے ہیں وہاں غلطی خود مولانا کی اپنی ہوتی ہے۔ غرائب لغات میں مولانا نے نہایہ اور مجمع بحار الانوار کے تقریباً تمام کے تمام مباحث لے لیئے ہیں اور یہ حدیث کی ایک بڑی خدمت ہے کہ یہ مطولات وحید اللغات کی شکل میں اردو میں آگئی ہیں۔

مولانا وحید الزمان کی یہ بد اعتقادی ان سے استفادہ کرنے میں حارج نہیں ہونی چاہیئے علم حدیث میں کمال اور بات ہے اور لغت میں دسترس اور محنت دوسری بات ہے۔ اس ضرورت میں تو عفان بن مسلم (۱۲۰ھ) جیسے محدثین بھی اخفش کے پاس آتے جاتے تھے اور ان سے اعراب

کی اصلاح لے لیتے۔ امام اوزاعی (۱۵۷ھ) جیسے مجتہد بھی لحن کی صورت میں ان اہلِ فن سے رجوع کرتے۔ ابو حاتم کہتے ہیں:

کان عفان بن مسلم یجئ الی الاخفش والی اصحاب النحو یعرض علیهم الحدیث یعربه فقال له الاخفش علیك بهذا یعنینی[1]

ترجمہ: عفان بن مسلم اخفش اور دوسرے نحویوں کے پاس آتے تھے اور انہیں احادیث دکھلاتے کہ وہ ان کے اعراب پڑھ دیں۔ اخفش انہیں کہتے ایسا ضرور کر لیا کریں ان کی مراد یہ ہوتی کہ یہ کام (اعراب کی درستگی) مجھ سے ہوتا ہے۔

امام اوزاعی (۱۵۷ھ) کہتے ہیں:

اذا سمعتم عنی الحدیث فاعرضوه علی اصحاب العربیة ثم احکموه[2]

ترجمہ: جب مجھ سے کوئی حدیث سنو تو اسے علماء عربیت کو دکھلا لیا کرو۔ پھر اس پر فیصلہ کرو۔

خطیب بغدادی نے یہ روایات اس باب کے تحت نقل کی ہیں:

باب القول فی المحدث یجد فی اصل کتابه کلمة من غریب اللغة[3]

ترجمہ: یہ باب محدثین کی اس بات میں ہے جب انہیں اپنی تحریرات حدیث میں غریب لغت کے کلمات ملیں تو وہ کیا کریں۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ علمائے حدیث غریب الحدیث اور کلمات کی غرابت میں ہمیشہ اس فن والوں کی طرف رجوع کرتے رہے ہیں۔ لغت پر محنت کرنے والوں کے لیے ضروری نہیں کہ وہ صحیح العقیدہ ہوں یا یہ کہ فن حدیث میں ماہر بھی ہوں۔

اس پہلو سے اسرار اللغۃ الملقب بہ وحید اللغات اس لائق ہے کہ اس سے استفادہ کیا جائے۔ مولانا وحید الزمان گو علمائے عربیت میں سے نہ تھے۔ لیکن النہایہ پوری کی پوری نقل کر دینے میں ان کی محنت کچھ کم لائق تحسین نہیں ہے —— ہاں انکے بعض ناشرین نے ترجمہ صحیح مسلم میں صحیح مسلم کے جو یہ الفاظ نکال دیئے ہیں ہم اس پر افسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

---

[1] الکفایہ للخطیب البغدادی ص۲۵۵ [2] ایضاً [3] ایضاً [4] ترجمہ صحیح مسلم مولانا وحید الزماں ص

صحیح مسلم کی اس حدیث سے کون واقف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بام القرآن اس حدیث کو امام مسلم اپنے استاد اسحق بن ابراہیم اور عبد بن حمید سے اسطرح نقل کرتے ہیں کہ دونوں نے عبدالرزاق سے انہوں نے معمر سے انہوں نے زھری سے زھری نے محمود بن الربیع سے اور انہوں نے حضرت عبادہ بن الصامت رضی اللہ عنہ سے اسے اسطرح روایت کیا کہ حضورؐ نے فرمایا۔

جس نے سورہ فاتحہ اور اس سے آگے نہ پڑھا اسکی نماز نہ ہوگی [۱]

حضرت ابوسعید الخدری رضؓ کہتے ہیں امرنا ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وما تیسّر [۲] ہمیں حضورؐ کا حکم ہے کہ سورۂ فاتحہ اور کوئی حصہ قرآن جو آسانی سے لے سکیں پڑھیں۔ اسکی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابوھریرہؓ کو حکم دیا کہ منادی کردیں:

لا صلوٰۃ الا بقرآۃ فاتحۃ الکتاب وما زاد [۳]

(ترجمہ) سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور حصہ قرآن پڑھنے کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

صحیح مسلم کے اردو ترجمہ سے قصاً اکے الفاظ کو نکال دینا یہ بعض متعصب ناشرین کی حرکت معلوم ہوتی ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم مولانا وحیدالزمان کی تراجم حدیث کی خدمت کا بھی انکار کردیں۔

وحید اللغات انکی لائق داد محنت ہے اس کا مطالعہ النھایہ اور مجمع بحارالانوار جیسی ضخیم کتابوں سے مستغنی کردیتا ہے۔ مؤلف ان حضرات کی ساری کاوش کو اپنے لفظوں میں نقل کردیتے ہیں ان کی اپنی کوئی علیحدہ محنت نہیں ہے۔

مولانا وحیدالزمان کچھ شیعہ عقائد بھی رکھتے تھے لیکن انکا یہ موقف کوئی دھوکہ نہ تھا اہلحدیث باصطلاح جدید کسی ایک منضبط ضابطہ عقائد اور لائحہ عمل پر جمع ہونے والوں کا نام نہیں ہر ایک کی اپنی اپنی سوچ اور اپنی (تحقیق) ہے ان میں صرف ایک قدر مشترک ہے اور وہ ہے ترک تقلید اور اسمیں بھی انکے دو طبقے ہیں ایک وہ جو تقلید کو گناہ سمجھتے ہیں اور دوسرے وہ جو مذاہب اربعہ کو حق سمجھتے ہیں لیکن تقلید کو ضروری نہیں سمجھتے جماعت اہلحدیث کا غزنوی مکتب فکر اس دوسرے طبقے میں سے ہے

اس وقت ہم یہ کہنا چاہتے کہ اس قسم کے اختلافات ہمیں مولانا وحیدالزمان کے تراجم سے استفادہ کرنے میں مانع نہ ہونے چاہئیں۔ غرائب اللغات اور مشکل الفاظ میں عصری تراجم پر نظر رکھنا بلکہ مستشرقین کے تراجم کو بھی سامنے رکھنا اسمیں کوئی حرج نہ سمجھنا چاہیئے ـــــ تم الجلد الاول وللہ الحمد ویتلوہ الثانی ان شاء اللہ۔

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ صہ ۱۶۹ [۲] رواہ ابوداؤد و احمد و ابویعلی و ابن حبان واسنادہ صحیح کما فی الفتح جلد ۲ صہ ۲۱ [۳] رواہ احمد واسنادہ حسن

— از —
حضرت العلامہ
خالد محمود صاحب
ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی
— مانچسٹر —

آداب الحدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد :

آج کا موضوع بحث حدیث کو قبول کرنے، سُننے سنانے، اس کے پڑھنے پڑھانے اور اس کی طلب و یافت میں پیش نظر رکھے جانیوالے آداب ہیں۔ گذشتہ موضوعات میں یہ بات معلوم ہوچکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی باین جہت کہ آپ اللہ کے رسول ہیں، اور صحابہ کرام کی شخصیات کریمہ باین جہت کہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں، حدیث کے موضوع ہیں۔ اب اس سے یہ بات سمجھنا آسان ہوگئی کہ حدیث کا ادب کیا ہے اور حدیث سُننے سنانے اور پڑھنے پڑھانے کے آداب کیا ہیں!

جو ادبؐ حضورؐ کا ہے وہی آپ کی حدیث کا ہے

جو ادب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے وہی آپ کی احادیث کا ہے، اور جو ادب صحابہ کرامؓ کا ہے وہی ادب ان کے آثار وسنن کا ہے۔ جو عظمت اللہ رب العزت کی ہے وہی اسکے کلام کریم کی ہے سو ادب حدیث ادب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ایک پہلو ہے۔ اور آثار صحابہؓ کی توقیر و تعظیم فیض رسالتؐ ہی کی تعظیم و تکریم ہے اور ان کا احترام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل "تزکیہ اصحاب" کا ہی ایک اکرام ہے۔

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گستاخی و بے ادبی کفر ہے اسی طرح اُن کے ارشادات کی بے ادبی و گستاخی بھی کفر ہے۔ اور جسطرح صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی بے ادبی گمراہی کی انتہا ہے اُن کے آثار و ارشادات سے لاپرواہی بھی ایک کھلی ضلالت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد اور ہر طریقے کو قبول کرنا ضروری ہے خواہ ہماری عقل میں آئے یا نہ آئے۔ یہ ہوسکتا ہے کہ ہماری عقل اسکو سمجھنے سے قاصر ہو لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات غلط ہو۔ آپکے ہر ارشاد کے آگے سر تسلیم خم کرنا ضروری ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات کے بارے میں دل میں کسی قسم کا ثقل او جھ وغیرہ نہ ہونا چاہیئے۔ ورنہ ایمان قائم نہ رہ سکے گا۔ قرآن کریم میں ہے :

فلا وربك لا يؤمنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في
انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما ۝ (پ۵ : النساء)

(ترجمہ) "قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ تجھ کو منصف جانیں اس جھگڑے میں جو ان میں اٹھے، پھر نہ پاویں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور (تیرے فیصلہ کو) قبول کریں خوشی سے۔"

ادبؐ رسالتؐ قرآن پاک کی رُو سے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کو دل سے قبول کرنا ضروری ہے اور اس کے بغیر کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا۔ تو یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب دل سے بھی اسقدر ہونا چاہیئے کہ مجال ہے آپ کی کسی بات کے بارے میں تنگی آئے۔ قرآن کریم میں ہے

يا ايها الذين آمنوا لا ترفعوا اصواتكم فوق صوت النبي ولا تجهروا له بالقول كجهر بعضكم لبعض ان تحبط اعمالكم وانتم لا تشعرون ٥ (پ ۲۶ : الحجرات)

ترجمہ "اے ایمان والو اپنی آوازیں بلند نہ کرو نبی کی آواز سے اور آپ سے تیز آواز کے ساتھ نہ بولو جیسے تم آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو. اندیشہ ہے کہ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تمہیں خبر نہ ہو"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حضرت رسالت مآبؐ کا ادب بتایا ہے۔ اس سے پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے امتیوں کو اپنے نبی کے آداب سکھائے ہیں کہ تمہیں اپنے نبی کی توقیر و احترام عزت و اعظام اسقدر کرنا چاہئیے کہ تم اپنے سارے کاموں کو خدا اور اس کے رسول کے پیچھے رکھو۔ اس آیت میں ارشاد ہوا کہ نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو جیسے ایک دوسرے سے بے محابا بات کرتے ہو۔ اس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اونچی آواز کرنا ایک قسم کی بے ادبی اور گستاخی ہے۔

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں :

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شور نہ کرو، اور جیسے آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چہک چہک کر بات کرتے ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا خلافِ ادب ہے۔ آپ سے خطاب کرو تو نرم آواز سے، تعظیم و احترام کے لہجہ میں۔ ادب و شائستگی کے ساتھ۔ دیکھو ایک مہذب بیٹا اپنے باپ، لائق شاگرد اُستاد سے، مخلص مرید پیرومرشد سے اور ایک سپاہی اپنے افسر سے کس طرح بات کرتا ہے۔ پیغمبر کا مرتبہ تو ان سب سے کہیں بڑھ کر ہے۔ آپ سے گفتگو کرتے وقت پوری احتیاط رکھی جائے مبادا بے ادبی ہو جائے اور آپؐ کو تکدر پیش آئے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانہ کہاں ہے ایسی صورت میں تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت رائیگاں جانے کا اندیشہ ہے۔"[۱]

حضرت شیخ الاسلام کی اس تفسیر میں علماء دیوبند کا موقف روزِ روشن کی طرح واضح ہے کہ یہ حضرات رسالت کا ادب و احترام کس طرح مانتے ہیں۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ نبی کا درجہ اپنے بڑے بھائی کا سا نہیں۔ باپ، اُستاد، پیرومُرشد اور اپنے افسر و آقا ہر ایک سے بڑھ کر ہے۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عقیدہ بھی یہی تھا۔

"بشر کے حق میں رسالت سے بڑا کوئی مرتبہ نہیں اور سارے مراتب اس سے نیچے ہیں"[۲]

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ لکھتے ہیں کہ :

"ہمارے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) سارے جہان کے سردار ہیں کہ اللہ کے نزدیک ان کا مرتبہ سب سے بڑا ہے اور اللہ کے احکام پر سب سے زیادہ قائم ہیں اور لوگ اللہ کی راہ سیکھنے میں ان کے محتاج ہیں"[۳]

آپ اس سے پہلے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لکھ آئے ہیں :

"سب انبیاء و اولیاء کے سردار پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم تھے اور لوگوں نے ان کے بڑے بڑے معجزے دیکھے انہیں سے سب اسرار کی باتیں سیکھیں اور سب بزرگوں کو انہی کی پیروی سے بزرگی حاصل ہوئی"[۴]

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں کسی پہلو سے کوئی گستاخی اور بے ادبی نہ ہونے پائے

---

[۱] فوائد القرآن ص ۶۸۴ [۲] تقویۃ الایمان ص ۵۴ [۳] تقویۃ الایمان ص ۵۵ [۴] تقویۃ الایمان ص ۲۱

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کو ایک بڑا خطرہ قرار دیتے ہیں :

"خطرہ اس لئے ہے کہ رسول کی شان میں گستاخی یا اُن کی آواز پر اپنی آواز کو بلند کر کے غالب کرنا ایک ایسا امر ہے جس سے رسول کی شان میں گستاخی اور بے ادبی ہونے کا احتمال ہے جو سبب ہے ایذاءِ رسول کا"۔ ؎۱

حضرات صحابہ کرامؓ اس آیۃ شریفہ کے نزول کے بعد بہت احتیاط سے آپ کے ساتھ کلام کرتے تھے اور ڈرتے تھے کہ کہیں ان کی آواز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند نہ ہو جائے۔ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضوان اللہ تعالیٰ علیہم جیسے اکابر صحابہ کرام بھی آپ سے بات کرتے ہوئے جھجکتے تھے نھاباہ ان یکلماہ (بخاری شریف ج ۸ صفحہ ۴۲ مصر) یہ دونوں حضرات بڑی ہیبت کھاتے تھے کہ آپ سے کلام کریں۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ صحابہؓ کے ہاں دربارِ رسالت کا عزو احترام اور توقیر و احترام کتنا تھا۔

ایک روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضورؐ سے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کی قسم اب تو میں آپ سے اس طرح بات کروں گا جس طرح کوئی سرگوشی کرتا ہے۔ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ اسی طرح آہستگی سے بات کرتے تھے کہ بعض اوقات حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی بات سُن نہ پاتے جبتک کہ دوبارہ استفہام نہ فرماتے۔ ؎۲

قرآن کریم آپ کی تعظیم و توقیر کا ان الفاظ میں حکم دیتا ہے :

انا ارسلنٰک شاھداً و مبشراً و نذیراً ۞ لتؤمنوا باللّٰہ و رسولہ وتعزروہ وتوقروہ ؕ

ترجمہ : "ہم نے تجھ کو بھیجا احوال بتانیوالا، اور خوشخبری اور ڈر سنانیوالا تاکہ تم اللہ پر اور اس کے رسول پر یقین لاؤ اور اس کی نصرت کرو، اور اس کی عظمت قائم رکھو اور خدا کی پاکی بولو صبح و شام"۔ (الفتح ، پ ۲۶ ، ع ۱)

یہ حکم خداوندی بتا رہا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم و توقیر اور آپ کا اکرام و احترام ہر بندہ مومن کے ذمہ لازم ہے یہ تعظیم ایمانی اور قلبی حدود میں تو ہے ہی کہ بدوں اس کے مومن ہونے کا تصور بھی نہیں ہو سکتا لیکن بیرونی حدود میں بھی تعظیم درکار ہے کہ آپ کی آواز سے آواز بلند نہ کرے۔ آپ کو اپنوں جیسوں کی طرح نہ بلائے ، آپ کی ہر پکار پر لبیک کہے ، آپ کے ہر حکم کو اپنے لئے واجب العمل جانے ، اس کے انکار کو کفر جانے اور اس کے ترک کو گناہ سمجھے۔ رہا موضوع بدنی تعظیم کا تو آپ کے سامنے دست بستہ قیام رکوع اور سجدہ نہ کرے۔ بدنی تعظیم اتنی ہی کرے جتنی چھوٹے درجے کے انسان بڑے درجے کے انسانوں کی کرتے چلے آتے ہیں۔

بعد الوفات آپ کے ادب و احترام کی صورت

جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں آپ کے رُوبرو اونچی آواز سے کلام کرنا گویا اپنے اعمال کو ضائع کرنا ہے اسی طرح آپ کے اس دُنیا سے روپوش ہونے کے بعد بھی آپ کے کلام یعنی احادیث کریمہ کے سامنے اونچی آواز نہ کرنی چاہیئے۔ شیخ الاسلام حضرت عثمانیؒ لکھتے ہیں :

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضورؐ کی احادیث سننے اور پڑھنے کے وقت بھی یہی ادب چاہیئے اور جو قبر شریف کے پاس ہو تو وہاں بھی ان آداب کو ملحوظ رکھے نیز آپ کے خلفاء علماء ربانیین اور اولوالامر کے ساتھ درجہ بدرجہ اسی ادب سے پیش آنا چاہیئے۔ ؎۳

؎۱ معارف القرآن، جلد ۸ ص ۱۰۲ ؎۲ تفسیر ابن کثیر پ ۲۶ ص ۲۰۶ ؎۳ فوائد القرآن صفحہ ۶۹۱

جس طرح بعد وفات آپ کی احادیث کریمہ کے سامنے اونچی آواز کرنے سے منع فرمایا ہے اسی طرح آپ کے تمام اعمال اور آپ کی سنتوں اور آپ کے احکام سے تجاوز کرنا بھی بے ادبی اور گستاخی سمجھا جائیگا اور یہ حکم قیامت تک کے لئے ہے۔ یہ حکم قیامت تک باقی رہے گا منسوخ نہیں ہوا۔ لہٰذا سنتوں سے آگے بڑھنا اور آپ کے احکام سے تجاوز کرنا بعد وفات بھی ایسا ہی ہے جیسا کہ حالتِ حیات میں تھا اس میں کوئی فرق نہیں[۱]

حضرت قاضی ابوبکر بن عربی فرماتے ہیں کہ:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم اور ادب آپ کی وفات کے بعد بھی ایسا ہے جیسا کہ حیات میں تھا اسی لئے بعض علماء نے فرمایا کہ آپ کی قبر شریف کے سامنے بھی زیادہ بلند آواز سے سلام و کلام کرنا ادب کے خلاف ہے"[۲]

آپ کی مسجد میں آواز بلند نہ کرے

یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دو شخصوں کو مسجد نبوی میں بلند آواز سے کلام کرتے سنا تو آپ نے انکو منع فرمایا کیونکہ اس حالت میں آپ کا ادب و احترام قائم نہ رہ سکتا تھا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں بلند آواز سنی اور دریافت فرمایا تو معلوم ہوا کہ مسجد مقدس میں دو اشخاص آواز بلند کر رہے ہیں۔ آپ نے انکو بلایا اور فرمایا تم لوگوں کو پتہ نہیں کہ تم کہاں بیٹھے ہو۔ فرمایا کہ یہ مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کسی نے کہا کہ حضرت یہ دونوں اہلِ طائف ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم لوگ باہر سے نہ آئے ہوتے تو میں تمہیں دُرّوں کی سزا دیتا[۳]

لو کنتما من اهل المدينة لاوجعتكما ترفعان اصواتكما فی مسجد رسول الله صلی الله علیه وسلم

ترجمہ: "اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو میں تمہیں بدنی سزا دیتا تم حضورؐ کی مسجد میں اپنی آواز بلند کر رہے ہو۔"

(مشکوٰۃ شریف، رواہ البخاری وفی روایۃ ان مسجدنا ھذا لا یرفع فیہ الصوت)

فی مسجد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں مناط کلام مسجد نہیں بلکہ مسجد با ایں نسبت ہے کہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا روضۂ انور ہے اور اس میں آواز بلند کرنا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اکرام و احترام کے خلاف ہے۔

آدابِ حدیث قرآن کریم کی رُو سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلانے کا فوری حق یہ ہے کہ جس وقت اور جدھر بلائیں سب اشغال چھوڑ کر اُدھر ہی پہنچ جائے۔ حدیثِ رسُول کوئی ایسی بات نہیں کہ اس پر فوری دھیان نہ کیا جائے حدیث کا پہلا ادب یہ ہے کہ اس پر فوری توجہ دی جائے دیر نہ کرے۔ قرآن کریم یہ آداب یوں سکھاتا ہے: یاایھا الذین اٰمنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم

ترجمہ: "اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور رسُول کا جس وقت وہ بُلائیں اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے۔"[۴]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد و عمل یا بلاوا ایسی چیز نہیں جس سے کوئی ایک لمحہ کے لئے بھی پہلو تہی یا رُو گردانی کرے۔ قرآن کریم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بُلانے پر فوراً لبیک کا حکم دیتا ہے اور حضورؐ کا بلانا صرف آپ کا ہی بُلانا نہیں خُدا کا بلانا بھی ہے۔ سو قرآن کریم کی روشنی میں حدیث رسُول کا ادب یہ ہے کہ اس کے حکم پر فوراً لبیک کہی جائے

---

[۱] مدارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۵۱۴ [۲] معارف القرآن جلد ۸ صفحہ ۱۰۱ [۳] مواہب الرحمٰن پ ۲۶ صفحہ ۲۲۲ [۴] پ ۹ الانفال ۳

اسی میں مومن کی زندگی ہے اور اس کے آداب میں سے ہے کہ مومن حدیث کے سامنے مطیع و منقاد ہو جائے کہ اے آقا میں بسر و چشم حاضر ہوں۔ اب یہ بات مومن کی مرضی پر نہیں کہ حدیث کو تسلیم کرے یا نہ کرے یا اس سے کس طرح پیچھے رہے۔ ہاں حدیث کے حدیث ہونے میں شک ہو تو یہ ایک علمی اختلاف ہوگا۔ حدیث کے ادب و احترام سے سرتابی نہ ہوگی۔

ادب حدیث خود حدیث کی رُو سے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین میں بیٹھے کوئی حدیث بیان فرما رہے تھے کہ ایک شخص (کوئی اعرابی) آیا اور اس نے آپ کے دوران بیان ہی ایک سوال کر دیا۔ آپ نے اس کی طرف توجہ نہ فرمائی اور حدیث برابر بیان فرماتے رہے جب بات پوری کر چکے تو فرمایا وہ شخص کہاں ہے جو قیامت کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔۔۔۔ الخ[1]

آپ کے طرز عمل سے حدیث کے احترام کا پتہ چلا کہ حدیث جب بیان ہو رہی ہو تو اور کوئی بات درمیان میں نہ لانی چاہیئے گو وہ بات خود دین کی ہی کیوں نہ ہو۔ پوری حدیث آگے اس بحث میں آئے گی کہ حدیث کے بیان کے دوران کسی اور طرف توجہ نہ کرے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام میں ایک دفعہ ان کے حالات کے تفاوت سے غنیمت تقسیم فرما رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ہر ایک کے حالات پیش نظر اس کے لئے مقدار مختلف تھی اور اسی لئے آپ نے اسے کسی اور کے سپرد نہ کیا تھا بلکہ خود ہی تقسیم فرما رہے تھے کہ اچانک ذوالخویصرہ تمیمی نے کہا حضور! عدل فرمائیے، برابر تقسیم کیجئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،

و یلک من یعدل اذا لم اعدل "تیری بربادی، میں عدل نہ کرونگا تو اور کون کریگا"[2]

اور ایک روایت میں ہے کہ یہ بھی فرمایا: "انا امین من فی السماء یاتینی خبر السماء صباحا و مساءً" میں تو آسمان والے کا امین ہوں صبح و شام میرے پاس آسمانی خبریں آتی ہیں۔[3]

یعنی آسمانی باتوں میں تو مجھے امین کہا جاتا ہے تو کیا ان دنیوی امور میں کوئی بات خلاف امانت و دیانت مجھ سے ہو سکتی ہے؟ ہرگز نہیں۔ ذوالخویصرہ کے اس اعتراض پر آپ ناراض ہوئے۔ آپ نے اس شخص کے بارے میں یہ بھی فرمایا:

انہ یخرج من ضئضئی ھذا قوم یتلون کتاب اللہ رطبا لا یجاوز حناجرھم یمرقون من الدین کما یمرق السھم من الرمیۃ[3]

ترجمہ: اس کی پشت سے ایک ایسی قوم نکلے گی جو کتاب اللہ کی تلاوت میں ہر وقت رہیں گے لیکن تلاوت ان کے حلق سے نیچے اتر کر دل تک، نہ جا سکے گی، دین سے اسطرح نکل جائیں گے جس طرح تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔

آپ کی یہ پیشگوئی بالکل درست نکلی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں بے ادبی کا ارتکاب کر نیوالا خوارج کا مورث اعلیٰ بنا۔ نبی کی بات کے سامنے یہ جسارت بالکل ناجائز تھی، نبی کی تو شان یہ ہے کہ اس کے سامنے آپس میں بھی کوئی جھگڑا نہ ہونا چاہیئے۔ جھگڑا کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ یا آپ کی طرف توجہ نہیں یا کسی کو آپ کی حدیث کو قبول کرنے میں تردد ہو رہا ہے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۱۴ [2] ایضاً صفحہ ۱/۹۱، صفحہ ۲/۱۰۲۴، صفحہ ۱/۵۰۹، صفحہ ۱/۴۷۲ [3]

سیدنا حضرت ابن عباس رضؓ فرماتے ہیں :

و لا ینبغی عند نبی تنازع[1] ترجمہ: "اور نبی کے پاس تنازع نہ ہونا چاہیئے:"

بلکہ اگر کہیں آپس میں اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ نبی کی ذاتِ اقدس سے لینا چاہیئے۔ اس اختلاف کو ہی آپ کی طرف منسوب کر دینا کسی بدنصیب کی فکر ہی ہو سکتی ہے۔

ادبِ حدیث عمل صحابہؓ کی رو سے جن حضرات نے حلقۂ نبوت میں تربیت پائی تھی ان سے زیادہ حدیث کا احترام کرنیوالا کون ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرو بن میمون تابعی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی خدمت میں ہر جمعرات کو حاضر ہوتے تھے آپ ایک رات کا واقعہ نقل کرتے ہیں : فلما کان ذات عشیۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال فنکس قال فنظرت الیہ فھو قائم محللۃ ازرار قمیصہ قد اغرورقت عیناہ و انتفخت اوداجہ قال " او دون ذالک او فوق ذالک "۔ او قریباً من ذالک او شبیھاً بذالک ۔ (سنن ابن ماجہ ص[4]) ترجمہ: ایک رات آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا تھا آپ حضورؐ کی حدیث بیان کرتے سرنگوں ہو گئے تھے پھر میں نے آپ کی طرف دیکھا کہ آپ کھڑے ہیں بٹن کرتے کے کھلے ہیں آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں، رگیں پھولی ہوئی ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے ذرا کم یا کچھ زیادہ یا اس کے قریب قریب یا اس سے ملتی جلتی بات فرمائی تھی۔ اس حلقہ ارشاد میں جب حدیث رسول کا اتنا ادب تھا کہ مجال ہے کوئی بات خلاف مراد رسول صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کی زبان سے نکلے، تو ظاہر ہے کہ ہماری مجالس اور ہمارے مدارس میں بھی حدیث بڑے ادب و احترام سے روایت کی جانی چاہیئے۔

صحابہ کرامؓ جنہوں نے حلقۂ نبوت میں تربیت پائی تھی وہ حدیث کے احترام میں جھکے جاتے تھے۔ جب حضورؐ کی کوئی حدیث سامنے آتی وہ جھٹ اپنی بات چھوڑ دیتے۔ ایک دفعہ حضرت کعب احبار اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہما میں کسی موضوع پر اختلاف ہوگیا۔ کعب احبار کی تورات کی ایک یادداشت صحیح نہ تھی۔ حضرت ابوہریرہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے خلاف روایت کر رہے تھے۔ حضرت کعبؓ نے جب تورات کھولی تو روایت ابوہریرہؓ کو درست پایا۔ فوراً پکار اٹھے صدق رسول صلی اللہ علیہ وسلم آنحضرتؐ نے سچ فرمایا :[3]

حضرت ابوہریرہؓ کا صحت حدیث پر اصرار اور اس کے مقابلہ میں تورات کی بات کو نہ ماننا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ صحابہؓ کے ہاں حدیث کی اہمیت اور اسکا ادب کتنا تھا

حضرت عمرو بن میمون فرماتے ہیں کہ : " میں ابن مسعودؓ کے پاس ایک سال تک برابر آتا جاتا رہا مگر ان کو کسی وقت بھی بے تعظیمی سے قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے نہیں سنا اور جبکہ ایک دن بے خیالی میں ان کی زبان پر یہ جاری ہو گیا تو وہ اتنے روئے کہ ان کے چہرے کا رنگ فق ہوگیا اور وہ پسینہ پسینہ ہو گئے[3]

حضرت انس بن مالکؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی حدیث نقل کرتے تو محض اس لئے کہ نادانستہ طور پر کوئی بات خلاف مراد مصطفےٰ زبان سے نہ نکل گئی ہو۔ آخر میں کہہ دیتے " او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم "

---

[1] بخاری جلد ۲ ص[1] [2] سنن نسائی جلد ا ص[21] [3] مدارج النبوۃ جلد ا ص ۵۴۱ [4] سنن ابن ماجہ ص

ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو) یعنی میری بات اگر کسی پہلو سے صحیح نہ ہو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات تو یقیناً صحیح اور حق ہے وہی میری بات سمجھ لو۔

آداب الحدیث عمل ائمہ کی رُو سے

افضل التابعین حضرت سعید بن المسیب رضؓ (۹۳ھ) کا حدیث کے لئے احترام ملاحظہ ہو: " حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت سعید بن المسیبؒ کے پاس آیا اور اس نے ان سے ایک حدیث دریافت کی تو وہ ایک پہلو پر لیٹے ہوئے تھے فوراً اٹھ کر بیٹھ گئے اور حدیث بیان کی۔ اس شخص نے کہا مجھے اچھا نہیں معلوم ہوتا کہ آپ تکلیف اٹھائیں اور اٹھ کر بیٹھیں۔ انہوں نے فرمایا میں اسے مکروہ جانتا ہوں کہ پہلو پر لیٹے لیٹے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بیان کروں

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ادب حدیث ملاحظہ ہو:

" جو لوگ حضرت امام مالکؒ کے پاس آتے تو پہلے ان کی باندی باہر آتی اور پوچھتی کہ تم شیخ سے مسائل شرعیہ پوچھنے آئے ہو یا حدیث! اگر لوگ کہتے کہ ہمیں مسائل دریافت کرنے ہیں تو امام مالکؒ فوراً باہر تشریف لے آتے اور اکثر مسائل کا جواب ارشاد فرماتے اور اگر لوگ کہتے کہ ہم لوگ حدیث معلوم کرنے آئے ہیں تو آپ پہلے غسل خانہ تشریف لیجاتے غسل کرتے اور بدن پر خوشبو ملتے اور نئے کپڑے پہنتے اور اپنا چغہ جو سیاہ یا سبز ہوتا زیب تن کرتے اور عمامہ سر پر رکھتے اور ایک تخت بچھایا جاتا، پھر باہر تشریف لاتے تخت پر خشوع وخضوع سے بیٹھتے بخور جلایا جاتا جب تک حدیث کے بیان سے فارغ نہ ہوتے اسی ہیئت کے ساتھ بیٹھے رہتے"

لیجئے حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ) کا حال بھی ملاحظہ ہو:

جب ان کے سامنے حدیث پڑھی جاتی تو لوگوں کو خاموش رہنے کا حکم دیتے اور فرماتے لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اور فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی قرأت کے وقت خاموش رہنا اسی طرح فرض ہے جسطرح کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام فرمانے کے دوران خاموش رہنا اور سننا فرض تھا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح مقام رسالت کا ادب ہے اسی طرح حدیث رسالت لائق احترام ہے آپ کی احادیث کریمہ کا ادب انتہائی لازمی ہے جہاں حدیث پڑھی پڑھائی جاتی ہو وہاں اونچی آواز نہ کرے اور خلاف ادب ذرا شور وشغب نہ کرے آداب حدیث میں یہ پہلا ادب ہے۔

حضرت ابو ابراہیم یحییٰ فرماتے ہیں: " ہر مسلمان پر فرض ہے کہ جب وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کرے یا اس کے سامنے حضور کا ذکر کیا جائے تو وہ خشوع وخضوع کا اظہار کرے اور بدن کو ساکن کرکے جنبش تک نہ دے اور خود پر ہیبت وجلال طاری کرے۔ گویا کہ اگر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے روبرو ہوتا اور اسوقت جو ادب فرض تھا وہی ادا کرتا تو اسوقت بھی ویسا ہی ادب کرے"

۱؎ مدارج النبوۃ ص۱۴۱ ۲؎ مدارج النبوۃ جلد ۱ ص۱۴۲ ۳؎ مدارج النبوۃ جلد ۱ ص۵۲۹ ۴؎ مدارج النبوۃ جلد ۱ ص۵۲۰

حدیث ماننے کے آداب

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے سامنے اپنی بات نہ چلائے

رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی بات کا فیصلہ فرما دیں تو کسی مردِ مومن یا مومنہ عورت کو یہ حق نہیں رہتا کہ آپ کے ارشادات کے سامنے وہ اپنی بات چلائیں۔ قرآن کریم میں ارشادِ ربانی ہے: وماکان لمؤمن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امراً ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم (پ ۲۲ الاحزاب، ع ۶)

ترجمہ: "اور نہیں کسی مردِ مومن کے لئے اور نہ کسی مومن عورت کے لئے اپنے معاملے کا کوئی اختیار بعد اس کے کہ خدا اور اس کا رسول اس کام کے بارے میں کوئی فیصلہ صادر کریں۔"

حدیث کو قبول کرنیکا جذبۂ اطاعت

آیت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی حدیث کو قبول کرنے میں دل میں تنگی نہ ہونی چاہیئے مومن کو چاہیئے کہ آپ کے ہر ایک حکم کو خوشی کے ساتھ دل سے قبول کرے اور آپ کے ہر حکم کو ظاہراً و باطناً تسلیم کرے۔ ایسا نہ کرے گا تو اس کے ایمان کا کہیں اعتبار نہیں۔ قرآن کریم میں ہے:

فلیحذر الذین یخالفون عن امرہ ان تصیبھم فتنۃ او یصیبھم عذاب الیم [۱]

ترجمہ: "سو ڈرتے رہیں وہ لوگ جو خلاف کرتے ہیں اس کے حکم کا کہ آپڑے ان پر کوئی فتنہ یا پہنچے ان کو کوئی دردناک عذاب۔"

ایک یہودی اور ایک منافق میں کسی بات پر جھگڑا ہوا۔ فیصلے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم بنایا گیا۔ جب دونوں آپ کی خدمت میں آئے اور مقدمہ پیش کیا تو آپ نے اس یہودی کے حق میں فیصلہ دیدیا۔ وہ منافق اس فیصلہ سے مطمئن اور راضی نہ ہوا، اس نے کہا کہ حضرت عمر فاروق رضؓ کی خدمت میں چلتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کو فیصلہ کرنے سے پہلے اس یہودی نے بتا دیا کہ ہم حضور علیہ السلام کے پاس سے آرہے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے حق میں فیصلہ دیا ہے۔ حضرت عمرؓ نے اس منافق سے اس بات کی تصدیق کی۔ پھر حضرت عمرؓ تلوار لیکر آئے اور اس منافق کو تہہ تیغ کر ڈالا۔ اس مقتول کے اولیاء نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عدالت میں مقدمہ دائر کیا کہ انہوں نے ایک مسلمان کو بلاوجہ قتل کیا ہے۔ جب یہ استغاثہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو آپ کی زبان مبارک سے بھی بے ساختہ یہ الفاظ نکلے:

ماکنت اظن ان عمر یجترئ علی قتل رجل مومن [۲]

ترجمہ: "مجھے گمان تک نہ تھا کہ عمر بھی کسی مومن کے قتل کی جسارت کرے گا۔"

لیکن جب اس آیت کریمہ (فلا وربک لا یومنون الخ) کا نزول ہوا تو حقیقت واضح ہو گئی کہ وہ شخص مومن ہی نہ تھا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گمان حضرت عمرؓ کے بارے میں بالکل درست تھا کہ وہ کبھی قتل مومن کے مرتکب نہ ہو سکتے تھے۔

حضرات مفسرین نے اس آیت کریمہ کے تحت یہ بات لکھی ہے کہ یہ عمل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک کیساتھ ہی نہیں، آپ کے بعد آپ کی شریعت مطہرہ کا فیصلہ آپ کا ہی فیصلہ شمار ہوگا۔ سو یہ حکم قیامت تک اسی طرح جاری رہے گا۔ آپ

---

[۱] پ ۱۹: النور: ع ۹ [۲] تفسیر جلالین ص ۱۲۳

کے زمانہ مبارک میں خود بلا واسطہ آپ سے رجوع کیا جاتا تھا۔ سو آپ کے بعد آپ کی شریعت مطہرہ کی طرف رجوع جاری رہیگا اور یہ حقیقت میں آپ کی طرف ہی رجوع ہے۔ فردوہ الی اللّٰہ والرسول (پ ۵ النساء) پر اب اسی صورت میں عمل ہو سکتا ہے کہ قرآن کریم کی طرف رجوع اللہ کی طرف رجوع سمجھا جائے اور حدیث کی طرف رجوع خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع مانا جائے۔ ورنہ یہ آیت اس باقی امت کے لئے بیکار ہو کر رہ جائے گی۔ اور قیامت تک لائق عمل نہ ٹھہرے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضورؐ کے فیصلے آپ کی وفات کے بعد بھی پوری امت کے لئے حجت ہیں۔ آپؐ کی کسی حدیث پر اپنی رائے سے اعتراض کرنے بیٹھ جانا بہت نادانی ہے۔

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں: "ادبِ نبوی میں سے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد ذُمل پر اپنی رائے سے اعتراض اور شک و شبہ نہ کرو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قول سے اپنی رائے پر اعتراض اور شک و شبہ کرلو اور قیاس سے نص کا مقابلہ نہ کرو بلکہ قیاس کو نص کے تابع کرو اسے اس کے مطابق بناؤ۔ قیاس کے صحیح ہونے کی شرط ہی یہ ہے کہ وہ نص کے مقابلہ میں نہ ہو۔" [۱]

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ "رسول کی آواز سے اپنی آواز اونچی کرنا جب عمل کو اکارت کر دیتا ہے تو اسکے احکام کے سامنے اپنی رائے کو مقدم کر دینا اعمالِ صالحہ کے لئے کیونکر تباہ کن نہ ہوگا؟" [۲]

حدیث رسول سامنے آئے تو اس سے بڑی سند نہ مانگئے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کی جائے تو مغرب زدہ لوگ بعض اوقات کہنے لگتے ہیں کہ یہ بات قرآن میں کہاں ہے؟ انہیں حدیث سے بڑی سند کی ضرورت ہوتی ہے مگر یہ بات صحیح نہیں ہے حدیث کو خود ایک بڑی دلیل سمجھنا چاہیئے جسے اور دلیل کی حاجت نہیں نہ اس پر کسی بالا سند کا تقاضا کیا جانا چاہیئے۔

حضرت مقدام بن معدی کرب کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوشك الرجل متکئا علی اریکتہ یحدث بحدیث من حدیثی فیقول بیننا و بینکم کتاب اللّٰہ عزوجل فما وجدنا فیہ من حلال استحللناہ وما وجدنا فیہ من حرام حرمناہ الا و ان ما حرم رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مثل ما حرم اللّٰہ [۳]

ترجمہ: قریب ہے کہ ایک شخص جسکے پاس میری حدیث بیان کی جارہی ہو اپنے صوفے پر ٹیک لگائے دبڑے تکبر سے) کہے ہمارے تمہارے لئے اللہ کی کتاب ہی ہے اسی میں جسے حلال کیا گیا اسے ہم حلال سمجھیں گے اور جو چیز اس میں ہم حرام پائیں اسے ہی حرام سمجھیں گے بیشک جو چیز اللہ کے پیغمبر نے حرام بتلائی وہ ایسے ہی ہے جیسے وہ چیز جسے اللہ نے حرام بتلایا۔

معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تحلیل و تحریم سب امر الٰہی کے تحت ہی بیان فرماتے تھے۔ آپ اللہ کے نام پر کچھ بیان فرمادیں یا اللہ کا نام لئے بغیر حلال و حرام کی کوئی بات کہیں سب کا منبع و مرکز وحی الٰہی ہے متلو ہو یا غیر متلو پیغمبر کا اس میں اپنا دخل نہیں ہوتا۔

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی تمام باتوں کو قرآن کے اس فیصلے کی رو سے کہ ما اتاکم الرسول فخذوہ و ما نھاکم عنہ فانتھوا (پ ۲۸ الحشر، ع ۱) قرآنی تعلیمات ہی سمجھتے تھے۔

---

[۱] مدارج النبوۃ جلد ۱ صفحہ ۵۱۴ [۲] ترجمان السنۃ جلد ۱ صفحہ ۱۴۲ نقلاً عن اعلام الموقعین ج ۱ ص ۴۲ [۳] ابن ماجہ صفحہ ۳

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص کو سلے ہوئے کپڑوں میں غرم دیکھا تو منع فرمایا۔ اس نے قرآن کریم سے دلیل پوچھی تو آپ نے یہی آیت کریمہ پڑھی کہ جو چیز تمہیں رسول دے اُسے لے لو اور جس چیز سے اس نے روکا اس سے رُک جاؤ۔ [1]

اسی طرح آپ نے ایک مسئلہ کے بارے میں حدیث پڑھی تو ایک عورت نے ایسا ہی سوال کیا آپ نے پھر وہی آیت کریمہ تلاوت فرمائی یعنی یہ کہ قرآن کی رُو سے پیغمبر کی ہر بات تمہارے لئے سند ہے۔[2]

اس قسم کی روایات پتہ دیتی ہیں کہ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو خدا کی بات ہی سمجھتے تھے جب حدیث کے پیش ہونے پر قرآن کی سند طلب کرنا بے فائدہ ہے تو جو لوگ حدیث پیش ہونے کے بعد پھر اس پر عقلی دلائل مانگتے ہیں وہ مقام حدیث سے کس قدر بے خبر ہیں۔ حق یہ ہے کہ صحیح حدیث سامنے آجائے تو کوئی اور سند مانگنے کا تصور بھی ذہن میں نہ آنا چاہیئے۔

آنحضرت نے مذکورہ بالا حدیث میں منکر حدیث کا نقشہ جس صورت میں کھینچا ہے اس سے اس کی تکبر کی حالت عیاں ہے۔ معلوم ہوا کہ سند حدیث پر اکتفا نہ کرنا متکبرین کا شعار ہوگا۔ ایک طریق میں یہ الفاظ بھی ہیں: الا یوشك رجل شبعان علی اریکتہ یقول علیکم بھذا القرآن (رواہ ابوداؤد والدارمی بمعناہ) "خبردار رہو قریب ہے کہ ایک سیر شدہ (امیر) آدمی اپنے صوفے پر ٹیک لگائے کہے تمہیں اس قرآن کی پابندی کرنی ہے جو اس میں حلال ہے اسے ہی حلال جانو اور جو اس میں حرام ہے اسے ہی حرام سمجھو" انتہی

حضرت عرباض بن ساریہؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا: ایحسب احدکم متکئاً علی اریکتہ یظن ان اللہ لم یحرم شیاء الا ما فی ھذا القرآن (مشکوٰۃ ص۲۹) ترجمہ: کیا تم میں سے کوئی شخص صوفے سے ٹیک لگائے اس گمان میں ہوگا کہ حرام صرف وہی کچھ ہے جو قرآن میں ہے۔

حدیث کے مقابل کسی کی بات نہ ماننے

ائمہ اربعہ جن کی اجتہادی اُمور میں امت میں تقلید جاری ہوئی اور جن کا قول ان کے معتقدین کے ہاں حجت اور سند سمجھا جاتا ہے ان سب کا بھی ارشاد ہے کہ حدیث صحیح سامنے آجائے تو ہماری بات فوراً چھوڑ دو۔ حدیث کے مقابل کسی کی بات مانے جانے کے لائق نہیں۔ حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

فقد صح عنہ انہ قال اذا صح الحدیث فھو مذھبی وقد حکی ذالك ابن عبدالبر عن ابی حنیفۃ وغیرہ من الائمۃ.... و نقلہ ایضاً الامام الشعرانی عن الائمۃ الاربعۃ ولا یخفی ان ذالك لمن کان اھلاً للنظر فی النصوص و معرفۃ محکمھا من منسوخھا [3]

---

[1] مواہب الرحمٰن پ۲۸ ص۱۲۰ و ترجمان السنہ جلد ۱ [2] مشکوٰۃ شریف ص۳۸۱ [3] رد المحتار جلد ۱ ص ۔۔

زبہ : حضرت امام صاحب سے صحیح طور پر ثابت ہو چکا کہ جب کوئی حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے
عبدالبر نے بھی یہی امام ابوحنیفہؒ اور دوسرے اماموں سے نقل کیا ہے۔ امام شعرانی نے ائمہ اربعہ سے یہی نقل کیا ہے
اور یہ بات مخفی نہیں کہ یہ اس کے لئے ہے جس کی نصوص (کتاب وسنت) پر نظر ہو اور محکم اور منسوخ کو سمجھتا ہو۔ یہ صحیح ہے
کہ اس شخص میں جو حدیث کے بالمقابل اپنے امام کی بات چھوڑ رہا ہے حدیث سمجھنے کی پوری اہلیت ہونی چاہیئے۔ جو
لوگ حدیث کے محض ترجمے پڑھ کر ائمہ کی بات کو ٹھکرانے لگتے ہیں اور فن حدیث اور اس خاص موضوع کی دیگر روایات
پر نظر نہیں رکھتے انہیں چاہیئے کہ محض اپنی رائے سے اس روایت کو حدیث نہ سمجھیں بلکہ بات سمجھنے کے لئے راسخ العلم
علماء کی طرف رجوع کریں تاہم یہ پھر بھی ضروری ہے کہ ان کے سامنے جو حدیث پیش ہو اس کے مقابل کوئی کلمہ جسارت
زبان پر نہ آجائے۔ ہاں جس وسیع النظر عمیق العلم عالم کی دوسری احادیث پر بھی پوری نظر ہو اور پھر وہ دیانتداری سے محسوس
کرے کہ اس میں میرے امام کی بات واقعی حدیث کے مقابل ہے تو پھر صرف حدیث ہی ہے جس کی اتباع کی جائے
قولِ امام کو حدیث کے سامنے کوئی وزن حاصل نہیں نہ مقلدین کے ہاں امام شریک فی الرسالۃ سمجھا جاتا ہے۔ سو اس صورتحال
میں فقہ کی تعلیم یہی ہے کہ وہ شخص امام کی بات چھوڑ دے اور حدیث کی بات مانیں۔

امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ (۳۲۱ھ) اور امام کرخیؒ جیسے سادات حنفیہ نے اسی اصول پر کئی مواقع میں قولِ امام کو
چھوڑا ہے۔ ہر وقت ملحوظ رہے کہ مقلدین کے ہاں قولِ امام ہرگز حدیث کے مقابلے میں نہیں لیا جاتا نہ ان کے ہاں ان کا
امام معصوم سمجھا جاتا ہے اصولِ برحق یہی ہے کہ حدیث کے مقابل کسی کی بات نہ مانی جائے۔ یہ نکتہ بھی یاد رکھنے کے
قابل ہے کہ ضروری نہیں کہ اگر کچھ علماء نے کسی حدیث کے باعث قولِ امام چھوڑا ہو تو ضروری نہیں کہ اور سب علماء بھی ان کے
ہم خیال ہو جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ ان دوسرے علماء راسخین کو کچھ اور احادیث ایسی مل گئی ہوں کہ انہیں قولِ امام کی صحت پھر
محقق ہو گئی ہو۔ علامہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں کہ ائمہ کا یہ ارشاد کہ حدیث کے بالمقابل ہماری رائے چھوڑ دو انہی
لوگوں کے لئے ہے جو فہم حدیث میں اونچے درجے کے عالم ہوں، جو حدیث جانتے ہی نہیں انہیں حق نہیں کہ محض ترجمہ پڑھ
کر مجتہدین پر بحثیں کرنے لگیں۔ اور ان کے فیصلوں پر جلد بازی میں خلاف حدیث ہونے کا فتویٰ دینے لگیں۔

حدیث کو وحی سمجھ کر پڑھا اور سنا جائے

قرآن وحی متلو ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے لیکن اس کا سرچشمہ اور مخزن و منبع
بھی اللہ رب العزت کی ہی ذات ہے۔ حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

(قال) ان الناس یقولون اکثر ابوہریرۃ ولولا آیتان فی کتاب اللہ ماحدثت حدیثا ثم یتلو ان
الذین یکتمون ما انزلنا من البینات ..... الی قولہ الرحیم - ان اخواننا من المہاجرین کان یشغلہم
الصفق بالاسواق وان اخواننا من الانصار کان یشغلہم العمل فی اموالہم وان ابا ہریرۃ کان
یلزم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بشبع بطنہ یحضر مالا یحضرون ویحفظ مالا یحفظون (بخاری شریف ص۲۲ ج۱)

ترجمہ : بیشک لوگ کہتے ہیں کہ ابوہریرہ بہت حدیثیں روایت کرتا ہے۔ قرآن کریم میں اگر یہ دو آیتیں نہ ہوتیں تو میں کوئی بھی
حدیث بیان نہ کرتا۔ پھر آپ نے وہ آیتیں پڑھیں (۱) بیشک جو لوگ ہدایت اور ان روشن باتوں کو جو ہم نے اتاریں

چھپاتے ہیں بعد اس کے کہ ہم نے ملے لوگوں کے لئے بیان کر دیا وہ ایسے ہیں کہ اللہ ان پر لعنت کرتا ہے اور سب لعنت کرنیوالے بھی ان پر لعنت کرتے ہیں۔ (۲) مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی اور (جو چھپایا تھا) بیان کر دیا سو میں ان کی توبہ قبول کرتا ہوں اور میں تواب قبول کرنیوالا رحم کرنے والا ہوں۔ (پ۲ البقرہ ع ۱۹) (حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا) ہمارے مہاجر بھائیوں کو مارکیٹوں میں آنے جانے کی مصروفیت رہتی اور انصار بھائیوں کو کھیتی باڑی کی مصروفیت روکے رکھتی اور ابوہریرہ (یعنی میں) پیٹ بھوکا رکھے بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس پکڑے رہتا اور جہاں اور نہ جا سکتے وہاں بھی جاتا اور جو باتیں اور یاد نہ رکھ سکتے انہیں بھی یاد رکھتا (سو اس لئے وہ زیادہ حدیثیں روایت کرتا ہے۔)

اس روایت میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صریح طور پر حدیث کو رب العزت کے ما انزلنا (جو ہم نے نازل کیا) میں داخل کیا ہے۔ آپ کے اس ارشاد پر صحابہ وتابعین میں سے کسی کا انکار ثابت نہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ حضرات حدیث کو وحی الٰہی سمجھ کر پڑھتے اور پڑھاتے اور سنتے اور سناتے تھے اور حضرت حسان بن عطیہؒ نے تو اس پر جبریلؑ کے آنے کی بھی صراحت کر دی ہے۔

(قال) کان جبریل علیہ السلام ینزل علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالسنۃ کما ینزل علیہ بالقرآن و یعلمہ ایاھا کما یعلمہ القرآن (قواعد التحدیث من فنون مصطلح الحدیث للشیخ جمال الدین القاسمی الدمشقی)

ترجمہ: حضرت جبریل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم (کے قلب مبارک پر) سنت لیکر بھی اسی طرح اترتے تھے جسطرح قرآن کریم لیکر نزول فرماتے اور آپ کو سنت بھی اسی طرح سکھاتے تھے جسطرح آپ کو قرآن سکھاتے تھے۔

حدیث پڑھنے میں ادب کو ملحوظ رکھے — قرأت حدیث کے وقت جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی آئے وہاں صلی اللہ علیہ وسلم ضرور ساتھ کہے اور جہاں انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی کا نام آئے وہاں بھی علیہ السلام پڑھے اور جب صحابہؓ اور امہات المؤمنین کا نام گرامی آئے وہاں ترضی (رضی اللہ عنہ کہنا) کی پوری پابندی کرے۔

انبیاء کرامؑ اور صحابہ کرامؓ کی شخصیات علم حدیث کا محور تھیں انہی کے گرد یہ سارا علم گھومتا ہے۔ ان کا پورا احترام نہ کیا جائے گا تو حدیث کا طالب علم کبھی ساحل مراد پہ نہ اتر سکے گا۔

صحابہ کرامؓ کیلئے دو طرفہ رضا — قرآن کریم میں صحابہؓ کے لئے دو طرفہ رضا کا بیان ہے۔ ایک یہ کہ اللہ ان سے راضی ہوا اور دوسرا یہ کہ وہ اللہ سے راضی ہو گئے۔ ان حضرات سے اللہ کا راضی ہونا ہی کافی تھا۔ رضوان من اللہ اکبر سے آگے اور کس مقام رضا کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ لیکن اللہ رب العزت نے ان نفوس قدسیہ کے ایمان واخلاص کی اس طرح شہادت دی کہ محبت خداوندی میں ان حضرات کی طبیعت شریعت ہو چکی تھی اللہ اور رسول کی ہر بات ان کے لئے ان کی اپنی خوشیوں میں ایک نیا اضافہ ہوتا تھا وہ اللہ اور اس کے رسول کی ہر بات میں دل وجان سے راضی تھے۔

انسان جب کبھی کسی مقصد کی راہ میں قدم اٹھاتا ہے اور مصیبتوں سے دو چار ہوتا ہے تو دو طرح کی حالتیں پیش آتی ہیں کچھ لوگ جوانمرد اور باہمت ہوتے ہیں وہ بلا تامل ہر طرح کی مصیبتیں جھیلتے ہیں لیکن انکو جھیلنا جھیل لینا ہی ہوتا ہے۔ یہ بات نہیں ہوتی کہ مصیبتیں نہ رہی ہوں عیش وراحت ہو گئی ہو۔ کیونکہ مصیبت پھر مصیبت ہے۔ باہمت آدمی کڑوا گھونٹ

بغیر کسی جھجک کے پی لے گا لیکن اس کی کڑواہٹ کی بدمزگی محسوس ضرور کرے گا لیکن کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جنہیں صرف راحت ہی نہیں کہنا چاہیئے بلکہ اس سے بھی زیادہ کچھ کہنا چاہیئے ۔ ان میں صرف ہمت و جوانمردی ہی نہیں بلکہ عشق و شیفتگی کی حالت پیدا ہو جاتی ہے وہ مصیبتوں کو مصیبتوں کی طرح نہیں جھیلتے بلکہ عیش و راحت کی طرح ان سے لذت و سرور حاصل کرتے ہیں ۔ راہِ محبت کی ہر مصیبت ان کے عیش و راحت کی ایک نئی لذت بن جاتی ہے ۔ اگر اس راہ میں کانٹوں پر لوٹنا پڑے تو کانٹوں کی چبھن میں انہیں ایسی راحت ملتی ہے جو کسی کو پھولوں کی سیج پر لوٹ کر نہیں مل سکتی ۔ حتیٰ کہ اس راہ کی مصیبتیں جس قدر بڑھتی جاتی ہیں اتنی ہی زیادہ ان کے دل کی خوشحالیاں بھی بڑھتی جاتی ہیں ۔ ان کے لئے صرف اس بات کا تصور کہ یہ سب کچھ کسی کی راہ میں پیش آ رہا ہے اور اس کی نگاہیں ہمارے حال سے بے خبر نہیں عیش و سرور کا ایک ایسا بے پایاں جذبہ پیدا کر دیتا ہے کہ اس سرشاری میں جسم کی کوئی کلفت اور ذہن کی کوئی اذیت محسوس ہی نہیں ہوتی ۔

یہ بات سننے میں عجیب معلوم ہوتی ہوگی لیکن فی الحقیقت اتنی عجیب حالت نہیں بلکہ انسانی زندگی کے معمولی واردات میں سے ہے اور عشق و محبت کا مقام تو بہت بلند ہے ۔ بوالہوسی کا عالم بھی ان واردات سے خالی نہیں ۔

ع حریفِ کاوشِ مژگانِ خونریزش نہ ناصح   بدست آور رگِ جانِ و نشتر را تماشا کن

سابقون الاولون کی محبت ایمانی کا یہی حال تھا ۔ ہر شخص جو ان کی زندگی کے سوانح کا مطالعہ کرے گا بے اختیار تصدیق کرے گا کہ انہوں نے راہِ حق کی مصیبتیں صرف جھیلی ہی نہیں بلکہ دل کی پوری خوشحالی اور روح کے کامل سرور کیساتھ اپنی پوری زندگیاں ان میں بسر کر ڈالیں ۔ ان میں سے جو لوگ اول دعوت میں ایمان لائے تھے ان پر شب و روز کی جانگاہیوں اور قربانیوں کے پورے ۲۳ برس گزر گئے لیکن اس تمام مدت میں کہیں سے بھی یہ بات دکھائی نہیں دیتی کہ مصیبتوں کی کڑواہٹ ان کے چہروں پر کبھی کھلی ہو ۔ انہوں نے مال و علائق کی ہر قربانی اس جوش و مسرت کے ساتھ کی گویا دنیا جہان کی خوشیاں اور راحتیں ان کے لئے فراہم ہو گئی ہیں اور جان کی قربانیوں کا وقت آیا تو اس طرح خوشی خوشی گردنیں کٹوا دیں گویا زندگی کی سب سے بڑی خوشی زندگی میں نہیں موت میں تھی[۱] ۔

تعلیمِ حدیث میں یکطرفہ ترضی پر اکتفا

علماءِ حدیث صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام پر دو طرفہ ترضی نہیں کہتے صرف رضی اللہ عنہ پر اکتفا کرتے ہیں ۔ یہ قرآن کریم کے بظاہر خلاف ہے ۔ قرآن کریم رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کہہ کر دو طرفہ اظہارِ رضا کرتا ہے ۔ جواباً عرض ہے کہ روایتِ حدیث میں صحابہ رضی اللہ عنہم کا نام سند کے طور پر آتا ہے اور ہمارے لئے یہ بات کافی ہے کہ اللہ ان سے راضی ہوا ، تبھی تو وہ ہمارے لئے سند بنے کہ انکی پیروی سے ہم سے بھی اللہ راضی ہوگا ۔ رہی یہ بات کہ وہ بھی خدا سے راضی ہو گئے ، یہ انکے اپنے محبوبِ خدا ہونے کا تذکرہ ہے ۔ جس میں ہم ان کے اور خدا کے درمیان کسی پہلو سے دخل نہیں رکھتے ۔ سو سنتِ اسلاف اسی طرح جاری ہوئی کہ انکے اسماءِ گرامی کے بعد یکطرفہ ترضی کو کافی سمجھ لیا گیا ۔

حدیثِ رسول کو احادیثِ صحابہ رضی اللہ عنہم سے علیحدہ نہ کرے

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حدیث کے عملی گواہ سمجھتے ہوئے ان کی مرویات کو روایاتِ نبوی کیساتھ ہی بیان کرے جہاں دو مختلف حدیثیں بظاہر مختلف یا متعارض ملیں تو وہاں صحابہ کے عمل سے فیصلہ لازم جانے ۔

---

[۱] ترجمان القرآن ۲ صفحہ ۱۴۳

امام ابوداؤد السجستانی (۵ ۲۷ھ) لکھتے ہیں : اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ (بذل المجہود فی حل ابی داؤد ص۳۷۶) ترجمہ : جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو مختلف خبریں ملیں تو دیکھا جائیگا کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہؓ نے کس پر عمل کیا یعنی وہ سُنت باقیہ ہوگی اور دوسری جانب منسوخ یا مخصوص یا حالا کبھی جائیگی۔

حضرت امام مالکؒ سے بھی سُن لیجئے : اذا جاء حدیثان مختلفان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وبلغنا ان ابابکر وعمر عملا باحد هما و ترکا الآخر کان فی ذالک دلالۃ علی ان الحق فیما عملا بہ۔ ؎

حضرت صالح بن کیسان کہتے ہیں کہ میں اور امام ابن شہاب زہریؒ (۱۲۴ھ) سماع حدیث اور طلب علم میں ساتھی تھے ہم دونوں نے حدیث لکھنے کا فیصلہ کیا اور حدیث لکھتے رہے ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو احادیث ہم تک پہنچیں ہم نے لکھیں پھر امام زہریؒ نے کہا : نکتب ایضا ما جاء عن اصحابہ فقلت لولیس بسنۃ فقال بل هی سنۃ (قال) فکتب ولم اکتب فانجح وضیعت۔

ترجمہ : ہم وہ روایات بھی لکھیں جو صحابہ سے آئی ہیں . میں (صالح) نے کہا نہیں وہ تو سُنت نہیں . امام زہری نے کہا وہ بھی سُنت ہیں . (صالح نے کہا) سو زہری نے تو (روایات صحابہ بھی) لکھیں اور میں نے نہ لکھیں ، زہری کامیاب گئے اور میں ضائع ہوا۔

صالح بن کیسان کا یہ اعتراف بتلا رہا ہے کہ اب وہ بھی اس عقیدے پر آگئے تھے کہ اعمال صحابہ سنت ہیں اور انہیں بھی اُمت تک پہنچانا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان نفوس قدسیہ کے آثار کو بھی حدیث کا ہی سرمایہ سمجھا جائے اور ان کا اس درجہ احترام ہو کہ ان کا عمل تعامل بھی دین کا پورا ماخذ سمجھا جائے ، اور ان کا وہی احترام ہو جو صحابہ کرامؓ کا ہو سکتا ہے۔

امام مالک ، امام احمد ، امام بخاری ، امام دارمی ، امام مسلم ، امام ابوداؤد ، امام ابوعوانہ ، امام ترمذی ، امام نسائیؒ ، امام طحاوی اور امام بیہقی رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین وغیرہم من الائمۃ الکرام نے اپنی حدیث کی کتابوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات و اعمال کیساتھ ساتھ صحابہ کرامؓ کے آثار و سنن کو بھی بڑی وسیع جگہ دی ہے اور بڑی تفصیل سے انہیں ذکر کیا ہے اور جگہ جگہ ان سے روایات کی ہیں ، سو جو ان سے بے پرواہ رہا اس نے اپنے علم کو ضائع کیا ۔

حضرت امام شعبیؒ (۱۰۳ھ) فرماتے ہیں :

ما حدثوك عن اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فخذوا بہ و ما قالوا برأیهم فبل علیه

ترجمہ : علماء کرام تمہارے سامنے جو بات صحابہؓ سے روایت کریں تو اسے لے لو اور جو بات وہ اپنی طرف سے ہیں تو اُسے جانے دو۔

امام اہل الشام امام اوزاعی (۱۵۷ھ) نے لبقیہ بن الولید کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا :

یا بقیۃ العلم ما جاء عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم و مالم یجئ عن اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فلیس بعلم ۔ مقدمہ اوجزا المسالک ص۱

ترجمہ : اے لبقیہ ! علم وہی ہے جو اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے آئے اور جو ان سے نہیں آیا وہ علم ہی نہیں ۔

سو صحابہ کا ادب وہی ہے جو ایک مسلمان کے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دائرہ فیض کا ہو سکتا ہے یہی وہ دائرہ ہے جس کا ہر نشان مرکز سے برابر نسبت رکھتا ہے حق یہ ہے کہ صرف انہی حضرات کے ذریعہ مرکز سے تعلق قائم رہ سکتا ہے کیونکہ یہ دائرہ اس مرکزِ نبوت پر ہی تو کھچا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اس اُمت میں صحابہ کرامؓ کا درجہ ہے۔ یہ حضرات بھی جیسا کہ گذارش کیا جا چکا ہے حدیث کا موضوع ہیں لہٰذا ان کی تعظیم و تکریم بھی تبعاً لازم ہے۔ قرآن کریم کی روشنی میں اس کی بھی ایک جھلک ملاحظہ ہو:

مقام صحابہؓ قرآن پاک کی رُو سے

جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ادب بایں جہت کہ آپ اللہ کے رسول ہیں سب پر لازم ہے اسی طرح صحابہ کرام کا ادب بھی بایں جہت کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ اور تربیت یافتہ ہیں سب پر لازم ہونا چاہیئے۔ صحابہ کرام کی عزت و عظمت اور ان کے تقویٰ قلوب کے بارے میں قرآن کریم میں ہے:

ان الذین یغضون اصواتھم عند رسول اللہ اولٰئک الذین امتحن اللہ قلوبھم للتقوٰی لھم مغفرۃ و اجر عظیم ۝ (پ ۲۶: الحجرات: ع ۱)

ترجمہ: "جو لوگ دبی آواز سے بولتے ہیں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس وہی ہیں جن کے دلوں کو جانچ لیا ہے اللہ نے ادب کے واسطے سے، ان کے لئے معافی ہے اور بڑا ثواب"

یہ خدا کی گواہی ہے کہ صحابہ کرامؓ کے دل تقویٰ کی دولت سے مالا مال تھے اللہ نے انہیں پوری طرح جانچ لیا تھا جو باتیں پہلے ان سے ہو چکیں اُن پر مغفرت کا وعدہ دے دیا اور آئندہ اعمال پر ان کے لئے اجرِ اجر کی بشارت دی اور فرمایا کہ وہ بڑا اجر پائیں گے۔ تقویٰ کی بات اس طرح ان کے دلوں کے ساتھ لازم کی کہ گویا وہ ان کا جوہر ذات ہے اور حق یہ ہے کہ وہی حضرات ان کے زیادہ حقدار تھے۔ قرآن کریم میں ہے:

الزمھم کلمۃ التقوٰی وکانوا احق بھا و اھلھا (الفتح: پ ۲۶: ع ۳)

ترجمہ: "اور لازم کر دیا ان کے ساتھ کلمہ تقویٰ اور وہی اس کے زیادہ حقدار تھے اور اس کے اہل تھے"

کلمہ تقویٰ سے ان کی بصیرت چمک اٹھی تھی اور ادب رسالت سے ان کی بصیرت آسمانِ عروج پر پہنچی تھی اب ان کا ہر فعل اور ہر قول حقیقتہً علمِ رسالت کا ہی ترجمان تھا اور جو کچھ ان کا اجتہاد تھا اس کا مدار بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہی رہی تھی۔

قرآن کریم جس احترام سے صحابہ کرامؓ کا ذکر کرتا ہے اس سے لازم ہے کہ ان کی روایات، ان کے ارشادات اور ان کے اعمال کو اسی عقیدت و بصیرت سے قبول کیا جائے جو عقیدت ان کی قرآن کریم مسلمانوں کے دلوں میں بٹھاتا ہے۔ اگر ان حضرات کی ذوات صدق و صفات حدیث کا موضوع نہ ہوتیں تو قرآن کریم اس طرح انہیں آئینہ عظمت میں نہ اتارتا۔ حق یہ ہے کہ یہی حضرات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ سنن و نوامیس کے حافظ و وارث تھے:

ـہ مات رسول اللہ فیہا و بعدہ بسنتہ اصحابہ قد تادلبوا
وتفرق سبیل العلم فی تابعیھم و کل امرئ منھم لہ فیہ مذھب

حضورؐ کی وفات کے بعد آپ کے صحابہ آپ کے طریقے پر چلے اور علم کی راہیں ان کے تابعین میں بٹ گئیں اور ان میں سے ہر مرد ایک مستقل مسلک پر چلنے لگا۔

مقام صحابہؓ تاریخ کے آئینہ میں مولانا ابوالکلام آزادؒ نے صحابہؓ کی تاریخ کا نقشہ کس ایجاز سے کھینچا ہے۔ اسے دیکھئے:
"محبت ایمان کی اس آزمائش میں صحابہ کرام جس طرح پورے اترے اس کی شہادت تاریخ نے محفوظ کرلی اور وہ محتاج بیان نہیں۔ بلا شائبہ و مبالغہ کہا جاسکتا ہے کہ دنیا میں انسانوں کے کسی گروہ نے کسی انسان کے ساتھ اپنے سارے دل اور اپنی ساری روح سے ایسا عشق نہیں کیا ہوگا جیسا صحابہؓ نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے راہِ حق میں کیا۔ انھوں نے اس محبت کی راہ میں وہ سب کچھ قربان کر دیا جو انسان کرسکتا ہے اور پھر اسی کی راہ سے سب کچھ پایا جو انسانوں کی کوئی جماعت پاسکتی ہے۔"

صحابہ کرامؓ کی روایت پر رائے زنی سے بچئے حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ جب صحابہ کرامؓ کسی مسئلہ میں خود مختلف ہوں تو ان میں غور کرنا کہ کس کی بات درست ہے کیا جائز ہے؟
تو آپ نے فرمایا "نہیں" تم جس کی چاہو پیروی کرلو۔ لیکن ان میں سے کسی کے موقف پر رائے زنی نہ کرو۔

اذا اختلف اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی مسألۃ ھل یجوز فیہ ان ننظر فی اقوالھم لنعلم مع من الصواب منھم فنتبعہ؟ فقال لی "لا یجوز النظر بین اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقلت کیف الوجہ فی ذٰلک قال تقلد ایھم احببت۔

ترجمہ: صحابہ کرامؓ کا جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو کیا جائز ہے کہ ہم ان کے اقوال کا جائزہ لیں کہ راستی کس کے پاس ہے کہ ہم اس کی پیروی کریں؟ تو آپ نے فرمایا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جائزہ لینا جائز نہیں۔ میں نے کہا پھر کیا کریں آپ نے فرمایا ان میں سے جس کی بات پسند ہو اس کی تقلید کریں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کے استاذ ہیں۔ انہوں نے صحابہ کرامؓ کی روایات سے تمسک کرنے میں وہی موقف اختیار کیا ہے جو حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ کا ہے۔ (جامع بیان العلم جلد ۲ ص۸۳) ہر دو صحابہؓ کے فیصلوں کو اپنے لئے حجت اور سند سمجھتے ہیں اور اعتقاد رکھتے تھے کہ ان کی بات پر امت کو رائے زنی کی اجازت نہیں ہے۔

حدیث اور اصول حدیث کے امام ابن صلاحؒ بھی لکھتے ہیں کہ صحابہؓ کی خصوصیت ہے کہ ان میں سے کسی کی عدالت پر سوال نہیں کیا جاسکتا۔ سب کے سب عادل ہیں اور امت کے لئے سند ہیں۔

لکونھم علی الاطلاق معدلین بنصوص الکتاب و السنۃ و اجماع من یعتد لہ فی الاجماع من الامۃ قال تعالٰی کنتم خیر امۃ اخرجت للناس۔ (علوم الحدیث للامام ابن صلاح ص۲۶۴)

ـہ التمہید لابن عبدالبر ج۲ ـہ جامع بیان العلم وفضلہ از حافظ ابن عبدالبر ج۲ ص۱۰۲

یہ ایک طے شدہ مسئلہ ہے کہ قرآن وسنت کی نصوص قطعیہ اور ان لوگوں کے اجماع سے جن کا اجماع امت میں معتبر ہے یہ ثابت ہے کہ صحابہ علی الاطلاق عادل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم بہترین امت ہو جو باقی لوگوں کے لئے سند ہو۔

صحابہؓ روایت میں تائید سے مستغنی ہیں

محدثین کے ہاں راوی کتنا ہی ثقہ کیوں نہ ہو کثرت ثقات سے روایت میں اور قوت آجاتی ہے مگر صحابی چونکہ خود سند ہے اس لئے اس کی کتنی ہی تائید کیوں نہ ہو ان کی ذوات عادلہ تائید سے مستغنی ہیں۔ جب ایک صحابی کوئی حدیث روایت کرے تو اس کی تصدیق کے لئے دوسرے کے پاس جانا بالکل بے ضرورت ہے۔ صحابی کی بات خود اپنی جگہ ایسی قوی ہے کہ اسے مزید تائید کی ضرورت نہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک موقع پر اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت سعد بن ابی وقاص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سن کر مزید تسلی چاہی تھی۔

اذا حدثك شيئا سعدؓ عن النبي صلى الله عليه وسلم فلا تسأل عنه غيره [1]

ترجمہ: جب سعد تیرے سامنے حضورؐ کی کوئی حدیث بیان کریں تو اس کے بارے میں کسی اور سے پوچھنے کی کوئی حاجت نہیں۔

حدیث کی سماعت کے وقت مجلس کا احترام

حدیث کی سماعت کے وقت محدث کے سامنے بڑے ادب واحترام سے بیٹھے۔ حضرت امام بخاریؒ نے باب باندھا ہے باب من برك على ركبتيه عند الامام او المحدث یعنی جو شخص امام اور محدث کے سامنے تلمذ کا شرف حاصل کر رہا ہو اُسے دوزانو ہو کر بیٹھنا چاہئے۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حدیث بیان فرما رہے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک خاص کیفیت طاری تھی۔ آپؐ نے فرمایا سَلُوْنِی (مجھ سے کچھ پوچھ لو) اس پر حضرت عمرؓ فوراً دوزانو ہو گئے فبرك عمر على ركبتيه (بخاری شریف جلد ۱ ص۲۲ مصر) امام بخاریؒ نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب حدیث بیان ہو تو اپنی ہیئت اور انداز نشست میں بھی ادب کا خیال رکھے اور دوزانو بیٹھے۔

بلکہ علماء تو یہ لکھتے ہیں: "جس مجلس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پڑھی یا بیان کی جا رہی ہوں اس میں بھی شور وشغب کرنا بے ادبی ہے کیونکہ آپ کا کلام جس وقت آپ کی زبان مبارک سے ادا ہو رہا ہو اس وقت سب کیلئے خاموش ہو کر اس کا سننا واجب اور ضروری تھا اسی طرح بعد وفات جن مجلسوں میں آپ کا کلام سنایا جاتا ہو وہاں بھی بدستور شور وشغب کرنا بے ادبی ہے۔" [2]

روایت حدیث کے وقت کسی اور طرف توجہ نہ کرے

حدیث شریف پڑھتے پڑھاتے سنتے سناتے وقت کسی کی طرف توجہ بھی نہ کرے اور درمیان قرأت حدیث یا سماع حدیث میں کسی کی بات کا جواب نہ دے۔ حضرت امام بخاری نے اپنی صحیح میں باب باندھا ہے: باب من سئل علماً وهو مشتغل في حديثه فاتم الحديث ثم اجاب السائل یعنی اگر کوئی تم سے اس حال میں کوئی مسئلہ دریافت کرے کہ تم حدیث بیان کرنے میں مشغول ہو تو تم پر لازم ہے کہ پہلے حدیث کا اتمام کرو۔ پھر اس سائل کا جواب دو۔ یہی ادب حدیث ہے۔ اس لئے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ ص۳۲ [2] معارف القرآن جلد ۸ ص۱۰۱

کہ اگر تم نے مدیث کو درمیان میں چھوڑا اور دوسرے کی بات کا جواب دیا تو تمہارے عمل نے یہ ثابت کیا کہ تم مدیثِ نبوی پر کسی اور کی بات مقدم کر رہے ہو۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک مجلس میں حدیث بیان کر رہے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے پوچھا قیامت کب آئے گی؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پہلی بات میں ہی مصروف رہے۔ جب آپ اپنی مدیث پوری کر چکے تو دریافت فرمایا سائل کہاں ہے؟ اس اعرابی نے کہا یا رسول اللہ میں یہاں ہوں فرمایا جب امانتیں ضائع ہونے لگیں تو قیامت کا انتظار کرو۔ اس نے پوچھا امانتوں کا ضائع ہونا کیسا ہوگا؟ آپ نے فرمایا: اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ[۱]

ترجمہ: جب کام ان لوگوں کے سپرد ہونے لگے جو اس کے اہل نہیں تو قیامت کا انتظار کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل مبارک سے ثابت ہوا کہ مدیث کو نامکمل چھوڑ کر دوسرے کی طرف متوجہ ہونا ادب مدیث کے خلاف ہے۔ یہ مدیث اس بحث میں بھی پیش کی جاسکتی ہے کہ مدیث کا ادب خود دربار رسالت میں کتنا تھا۔

حضرت امام مالکؒ کا عمل اس بارے میں کیا تھا۔ اسے حضرت ابو قتادہؓ سے سنیئے!

امام مالکؒ ہمارے سامنے مدیث بیان کر رہے تھے تو ان کو بچھو نے سولہ مرتبہ ڈنک مارا اور امام مالکؒ کا رنگ متغیر ہو گیا چہرہ زرد پڑ گیا مگر مدیث کو درمیان میں قطع نہیں فرمایا۔ جب بیان مدیث سے فارغ ہو گئے اور جب سب لوگ روانہ ہو گئے تو میں نے اُن سے عرض کیا اے ابو عبد اللہ (امام مالکؒ کی کنیت) میں نے آج آپ کا عجیب حال پایا؟ امام مالکؒ نے فرمایا کہ آج مدیث پڑھاتے وقت بچھو نے سولہ جگہ ڈنک مارا مجھے اس سے تکلیف ہو رہی تھی۔ لیکن میں مدیث کے اجلال و تعظیم کی بناء پر صبر کرتا رہا[۲]

معروف اہل فن سے اخذ روایات

اہلِ علم میں جن اساتذہ کی کسی خاص فن میں شہرت ہو اس فن میں انہی کی طرف رجوع کرے کاملین فن کے ساتھ مختصر سا وقت بھی بسر ہو جائے تو طالب علم صحیح سمت چل پڑتا ہے۔ حضرت عبد الرحمن بن یزید بن جابر (۱۵۳ھ) ارشاد فرماتے ہیں:

لا یوخذ العلم الاعمن شھد لہ بطلب الحدیث[۳]

علم انہی لوگوں سے حاصل کیا جائے جو علم مدیث میں شہرت پاچکے ہوں۔ یہ ملحوظ رہے کہ ان مشائخ نے یہ علم باقاعدہ اساتذہ سے حاصل کیا ہو محض مطالعہ اور تجربہ سے نہ سیکھا ہو۔ دین کی اساس لٹریچر نہیں وارثین انبیاء سے باقاعدہ تعلیم و تعلم ہے۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:

یجب ان یکون حفظہ ماخوذاً عن العلماء لا عن الصحف[۴]

ضروری ہے کہ اس کی یاد داشت علماء سے ماخوذ ہو لٹریچر سے نہیں۔

حافظ عبد الرحمن ابو زرعۃ دمشقی (۱۸۱ھ) حضرت سعید بن عبد العزیز سے روایت کرتے ہیں۔

لا یؤخذ الحدیث من صحفی[۵] مدیث لٹریچر والوں سے نہ لی جائے۔

---

[۱] بخاری شریف صـ۱۴ [۲] مدارج النبوۃ جلد ا صـ۵۴۲ [۳] الکفایہ فی علوم الروایۃ صـ۱۶۱ [۴] ایضاً صـ۱۶۲ [۵] تاریخ ابی زرعۃ الدمشقی جلد ا صـ۳۱۸

اس سے معلوم ہوا کہ علم دین کی اساس علماء وارثین انبیاء ہیں۔ لٹریچر اور رسالوں سے دین حاصل نہیں کیا جاسکتا صحافی قسم کے لوگوں سے علم دین حاصل کرنے کی کوشش بے فائدہ اور بے ثمر رہے گی۔ امیر المومنین فی الحدیث امام شعبہ (۱۶۰ھ) فرماتے ہیں :

خذوا العلم من المشتہرین[1] علم ان لوگوں سے حاصل کرو جو اس علم میں مشہور ہو چکے ہوں۔

حضرت سلیمان بن موسیٰ نے نصیحت فرمائی :

لا تاخذوا العلم من الصحفیین ـــــ لا یوخذ العلم من صحفی[2]

ترجمہ: علم صحافی قسم کے لوگوں سے جو لٹریچر اٹھائے پھرتے ہوں ہرگز نہ لو علم لٹریچر سے نہیں (علماء سے) لیا جاتا ہے۔

غیر اہل فن نیک لوگوں کی روایات

کہیں ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو لوگ اپنے حلقہ میں نیک اور بزرگ سمجھے جاتے ہوں مگر علم و فن سے ناآشنا ہوں۔ جاہل صوفی آپ کو اکثر دینی حلقوں میں ملیں گے یہ لوگ اپنی جگہ کتنے ہی نیک اور کتنے ہی بزرگ کیوں نہ ہوں ان پر روایت کا مدار نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ حدیث میں ہرگز سند اور حجت نہیں ہو سکتے نہ ان لوگوں کی روایت قابل قبول شمار ہوگی۔ علم کا حق اہل علم ہی ادا کر سکتے ہیں۔ امام وکیع (۱۹۷ھ) سے ایک روایت کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے دریافت کیا من یرویہ (اسے کون روایت کرتا ہے؟) عرض کی گئی وھب بن اسمٰعیل اس پر آپ نے فرمایا : ذالك الرجل صالح والحدیث رجال یہ شخص نیک ہے اور حدیث کے اہل اور لوگ ہوتے ہیں۔

امام مالکؒ نے ان لوگوں کی فہرست میں جن سے علم نہ لیا جائے یہ بھی لکھا ہے :

ورجل له فضل وصلاح لا یعرف ما یحدث به[3]

روایت کے علاوہ فتوے میں بھی اہل کشف کی بات نہ مانی جائے گی۔ یہاں فقہاء کا اعتبار ہوگا۔ صوفی قسم کے لوگ بعض اوقات کشف سے کوئی بات کہہ دیتے ہیں اور اس کی بات صحابہؓ تک نہیں پہنچی ہوتی۔ علماء کے نزدیک دین وہی ہے جو صحابہؓ سے ملے۔ علماء حقیقت میں صحابہ ہی ہیں اور باقی سب ان سے خوشہ چین ہیں۔

مجاہد (۱۰۰ھ) کہتے ہیں : العلماء اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم[4]

حضرت حذیفہ بن الیمان (۳۶ھ) فرماتے ہیں : کل عبادة لم یتعبد ھا اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلا تعبدوھا۔ ترجمہ: دین کا ہر عمل جسے صحابہؓ نے دین نہ سمجھا ہو تم اس راہ سے خدا کے آگے نہ جھکنا اسے دین نہ سمجھنا۔

حضرت امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی فرماتے ہیں :

عمل صوفیہ در حل وحرمت سند نیست ہمیں بس است کہ ما ایشاں را معذور داریم و ملامت نکنیم و امر ایشاں را بحق سبحانہ وتعالیٰ مفوض داریم اینجا قول امام ابی حنیفہ و امام ابی یوسف و امام محمد معتبر است نہ عمل ابوبکر شبلی و ابوالحسن نوری[5]

ترجمہ: صوفی قسم کے لوگوں کا عمل حلال و حرام کے امتیاز میں سند نہیں ہے یہی کافی ہے کہ ہم انہیں معذور سمجھیں اور ملامت نہ کریں اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد کریں۔

سو علم وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثین سے تعلیم و تعلم کے ذریعے جاری ہوا۔ اس کے سوا بات جس

---

۱ الکفایہ ص۱۶۱ ۲ الکفایہ ص۱۶۲ ، تاریخ ابی زرعہ ص۳۶۸ ۳ جامع البیان العلم جلد ۲ ص۴۰ ۴ جامع البیان العلم ص۳۵
۵ مکتوبات امام ربانی فارسی دفتر اول مکتوب نمبر۲۶۶ ص۳۳۵ لکھنؤ

راہ سے بھی آئے اس کا نام علم نہیں ہو سکتا۔

لیس العلم المعتبر الا الماخوذ من الانبیاء و ورثتھم علی سبیل التعلم (فتح الباری ج۱ ص۱۶۱)

ترجمہ: علم معتبر وہی ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے وارثوں سے تعلیم کے طور پر ملے۔

سو کشف وغیرہ سے حاصل شدہ معلومات کا نام علم نہیں اور نہ وہ حجت ہے۔

صغر سنی میں سنی گئی روایات

محدثین نے اس نکتہ پر بھی بحث اٹھائی ہے کہ چھوٹی عمر کے بچے کی روایت کیا معتبر ہے؟ روایت کرتے وقت وہ بیشک بیدار مغز اور ضابطہ ہے لیکن جس دور کی سنی بات وہ ذکر کر رہا ہے اسوقت وہ بچہ تھا کیا اسوقت کی روایات اس سے لی جا سکتی ہیں؟

اس کا جواب ہاں میں ہے۔ صحابہؓ کی تو مرسلات بھی حجت ہیں گو وہ جس دور کی روایت کر رہے ہوں اس میں پیدا بھی نہ ہوئے ہوں۔ لیکن دوسرے صغر سن راویوں کی روایت بھی عند التحقیق لائق قبول ہوگی بشرطیکہ روایت کرنے کے وقت وہ پورے عادل اور ضابطہ ہوں، قواعد پر پوری نظر رکھتے ہوں۔

عہد جدید کے جو لوگ حدیث سے جان چھڑانا چاہتے ہیں وہ اس نکتہ کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ ان کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ حدیث کا جو ذخیرہ حضرت حسن (۵۰ھ) حضرت عبداللہ بن عباس (۶۸ھ) حضرت نعمان بن بشیر (۶۴ھ) حضرت ابوسعید الخدری (۷۴ھ) اور حضرت انس بن مالک (۹۱ھ) جیسے اکابر سے مروی ہے اسے بیک جنبش قلم ایک طرف رکھ سکیں۔ ان حضرات کی عمریں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت بالترتیب ۸ سال، ۸ سال، ۱۰ سال، ۹ سال، ۱۹ سال اور ۱۹ سال کے قریب تھیں اور ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی صغر سنی تو معروف ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ کی وفات سے پانچ چھ سال پہلے سے جو روایات سنی ہوں گی ان کا تحمل روایت کس عمر میں کیا ہوگا؟ سو ان حضرات کی روایات کو اگر صغر سنی کی بناء پر قابل قبول نہ سمجھا جائے تو دین کا آخر کونسا حصہ امت کے پلے میں رہے گا۔

خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) نے الکفایہ میں اس پر سیر حاصل بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ راجح مذہب میں صغر سنی کی سنی گئی روایات حجت اور لائق قبول ہیں۔

محقق ابن ہمام (۸۶۱ھ) بھی فرماتے ہیں: من شرائط الراوی کونہ بالغاحین الاداء وان کان غیر بالغ وقت التحمل لاتفاق الصحابۃ وغیرھم علی قبول روایۃ ابن عباس وابن الزبیر والنعمان بن بشیر والنعمان بن بشیر والنعمان من غیر استفسار عن الوقت الذی تحملوا فیہ مایروونہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ہاں اہل کوفہ روایت حدیث میں بہت زیادہ محتاط واقع ہوئے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو پہلے حفظ قرآن اور زہد و عبادت میں لگاتے اور جب محسوس کرتے کہ بچہ اب احترام حدیث کے لائق ہو چکا ہے تو اسے تعلیم حدیث کے لئے بٹھاتے۔

خطیب بغدادی رقمطراز ہیں: ان اھل الکوفۃ لم یکن الواحد منھم یسمع الحدیث الا بعد استکمالہ عشرین سنۃ ویشتغل قبل ذالک بحفظ القرآن والتعبد[2]

---

[1] کما فی فتح الملہم جلد ۱ ص۴۳ [2] الکفایہ ص۵۴

اہل کوفہ میں سے ایک شخص بھی حدیث سننے کے لئے نہ بیٹھتا جب تک کہ بیس برس تک نہ پہنچ جاتا اور اس سے پہلے حفظ قرآن اور زہد و عبادت میں وقت لگاتا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں صغر سن صحابہ نظر رسالت کے اثر اور آپ کی مجلس کی برکت سے ہی تقویٰ و تعبد کی وہ دولت پا لیتے تھے جو دوسرے نوجوانوں کو بیس برس کی عمر میں بھی نہ ملتی تھی۔ سو بعد کے زمانوں میں اہل اللہ نے تعلیم حدیث کے لئے اگر اس وقت بچے بٹھائے جب وہ حفظ قرآن اور تعبد اسلامی میں کافی آگے بڑھ چکے ہوں۔ تو یہ اس لئے نہ تھا کہ وہ اس سے کم عمر میں حدیث کا سننا اور تحمل روایت ناجائز سمجھتے تھے بلکہ یہ سب اہتمام محض احترام حدیث کے لئے تھا۔ ایک شدید احتیاط تھی جو ان کے عمل میں کارفرما تھی۔

امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) فرماتے ہیں: ہم حضرت جریر کے پاس بیٹھے تھے کہ ہم نے سماع حدیث میں کچھ سخت شرائط لگانی شروع کر دیں۔ آپ نے اس پر فرمایا: انتم افقه من ابن المبارك! کیا تم حضرت عبداللہ بن مبارک سے زیادہ دین کی سمجھ رکھتے ہو؟[1]

اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ حضرت عبداللہ بن مبارک سماع حدیث کے لئے سخت شرائط اور کسی شدت کے قائل نہ تھے نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ صغر سنی کی روایت کا قبول ہونا یا نہ ہونا اور تحمل روایت کے لئے کچھ شرطیں لگانا یا نہ لگانا یہ سب باتیں فقہ کا موضوع ہیں اور اس میں جو فیصلہ بھی سامنے آئے گا اس میں اجتہاد ضرور کارفرما ہوگا۔ اس پہلو سے دیکھیں تو اہل کوفہ کے عمل اور جمہور محدثین کے عمل میں اصولی طور پر کوئی تعارض نہیں ہے۔ نہ اہل کوفہ کم عمر میں روایت لینے کو ناجائز سمجھتے تھے۔ ان کا عمل محض احتیاط اور مزید احترام کے پہلو سے تھا اور یہ بھی محض رواج کے طور پر تھا۔ حافظ ابو نعیم فرماتے ہیں:

کان اهل الکوفة لا یخرجون اولادهم فی طلب الحدیث صغاراً حتی یستکملوا عشرین سنة[2]

رواج کی بات اپنی جگہ رہی عام فہم بات اس بحث میں یہ ہے کہ فہم حدیث کی صلاحیت جس عمر میں پیدا ہو جائے اس میں وہ سننے کے لائق ہو جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

ان المرد فی ذلک الی الفهم فیختلف باختلاف الاشخاص[3]

اس باب میں بات فہم پر لوٹائی جائے گی اور وہ مختلف لوگوں میں مختلف درجے میں ہوتا ہے۔

کبر سنی میں حدیث روایت کرنے سے احتیاط

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت زید بن ارقمؓ سے کہا کہ ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث سنائیں۔ اس پر آپ نے فرمایا: کبرنا ونسینا والحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید[4]

ترجمہ: ہم بوڑھے ہو گئے اور بھولنے پر آ گئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بات نقل کرنا تو بہت اہم بات ہے۔ (یعنی اس میں صحت کی بہت تاکید ہے)

اس سے پتہ چلا کہ آداب حدیث میں ایک ادب یہ ہے کہ روایت کرنے والا پوری پختگی اور تیقظ سے روایت کرے بڑھاپے اور نسیان کا غلبہ ہو تو روایت سے احتراز کرے۔ اسی طرح لوگوں کو بھی نہ چاہیئے کہ ایسے معمرین کو روایت کرنے

---

[1] الکفایہ ص۶۷ [2] (الکفایہ) [3] (فتح الباری جلد ۱ ص۱۷۱) [4] (مقدمہ مشکوٰۃ ص۱۰۵)

پر مجبور کریں ورنہ کوئی نہ کوئی بات درمیان سے ضرور رہ جائے گی ۔ مولانا عبد القیوم بجنوری لکھتے ہیں کہ :

"جب کبھی کبرسن یا کسی مرض کی وجہ سے نسیان کا غلبہ ہو یا تغیر و تبدل حدیث کا اندیشہ ہو تو اسوقت حدیث کے بیان کرنے سے گریز کرنا چاہیئے "۔

حدیث بیان کرنیوالے سے مزید شہادت لینا

ثقہ راوی کی روایت از خود کافی شہادت ہے اسپر مزید شہادت کی ضرورت نہیں نہ ایسے قسم کھلوانے کی ضرورت ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ اصول حدیث سب اجتہادی ہیں مقصود صحیح بات کو پالینا ہے وہ جس طرح بھی میسر آسکے اور یقین بڑھا سکے ۔ خطیب بغدادی اصول حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں وجب الاجتهاد فی علم اصولها[۱] جس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اس موضوع کی ہر بات میں اجتہاد سے کام لیا گیا ہے ۔ فقہاء حدیث نے اپنے اپنے تفقہ کی روشنی میں اس کے اصول طے کئے ہیں سو اگر کسی خاص موضوع پر اس روایت کی مزید شہادت طلب کی جائے یا کوئی شخص کسی راوی حدیث سے قسم بھی کھلوائے تو اس میں مضائقہ نہیں ۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے میراث جنین کی روایت میں حضرت مغیرہ بن شعبہ کی روایت پر اکتفا نہ کی جب تک کہ محمد بن مسلمہ سے اس کی تائید نہ سن لی ۔ حضرت عمرؓ نے استیذان میں حضرت ابوموسیٰ الاشعری کی روایت پر اکتفا نہ کی یہاں تک کہ حضرت ابو سعید نے بھی اس کی شہادت دی ۔ حضرت ام المؤمنینؓ نے زندوں کے رونے سے میت کو عذاب ہونے کی حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں تردد کا اظہار فرمایا تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ ان اکابر کے ہاں ثقہ راوی کی خبر واحد حجت نہ تھی بلکہ اس مزید توثیق کی تلاش میں کوئی حرج نہیں ۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی[۲] اس بحث میں لکھتے ہیں کہ : واجیب بان ذالك انما وقع منهم اما عند الارتياب ---- و اما عند معارضة الدليل القطعی كما فی انكار عائشةؓ ---- فقد جاء فی بعض طرقه ان عمر قال لابی موسی اما انی لم اتهمك ولكن اردت ان يتجرأ الناس علی الحديث عن رسول الله صلی الله عليه وسلم[۲]

اہل بدعت سے لیگئی روایات

اہل بدعت سے وہ لوگ مراد ہیں جو بدعت فی العقائد کے مجرم ہوئے جیسے معتزلہ اور قدریہ شیعہ اور خوارج، کرامیہ اور جہمیہ وغیرہ ۔ بدعت فی الاعمال اس سے اخف ہے ۔ اور اہل بدعت دونوں ہیں ۔ جن محدثین نے فن حدیث پر بطور ایک فن کے نظر کی ان کا نقطۂ نظر صرف یہ رہا کہ جو صورت بھی ہو روایت صحیح ہو انہیں کسی بدعتی میں بھی بیان کی پختگی نظر آئی تو انہوں نے اس سے روایت لے لی ۔ جن علماء نے حدیث کو محض ایک فن کے طور پر نہیں پورے تدین اور اعتماد سے دیکھا انہوں نے اہل بدعت سے روایت لینے کو جائز نہ سمجھا وہ دین کو بدعتی سے حاصل کرنا جائز نہ سمجھتے تھے ۔

حضرت امام ابن سیرینؒ (۱۱۱ھ) اور حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) اہل بدعت سے روایت لینے کے حق میں نہیں وہ اس کی اجازت نہیں دیتے ۔ امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) حضرت سفیان ثوری (۱۶۱ھ) اور امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اس کے جواز کے قائل ہیں ۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ سوائے روافض (اثنا عشری شیعوں) کے دیگر اہل بدعت سے (اگر وہ جھوٹ بولنے والے نہ ہوں اور ان کی یادداشت کمزور نہ ہو) روایت لی جاسکتی ہے ۔ امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ) اس میں تفصیل کے قائل ہیں جو اہل بدعت

---

[۱] الکفایہ ص۳ [۲] فتح الملہم ج ۱ ص۱۵۸

ن بدعات کو فروغ دینے والے ہوں ان کی روایت کسی صورت میں قبول نہ کی جائے گی اور غیر داعی اہل بدعت کی روایت دیگر شرائط پوری ہونے پر قبول کی جا سکتی ہے۔

روافض سے روایت نہ لینے کی وجہ یہ ہے کہ تقیہ ان کے مذہب کا جزو ہے وہ کسی مذہبی مصلحت سے خلاف واقع بات کہنا جائز سمجھتے ہیں۔ سو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کہاں کہاں جھوٹ بول رہے ہیں۔

ع تن ہمہ داغ داغ شد پنبہ کجا کجا نہم

خطیب بغدادی لکھتے ہیں: وقال کثیر من العلماء یقبل اخبار غیر الدعاۃ من اہل الاھواء فاما الدعاۃ فلا یحتج باخبارھم [1]

ترجمہ: بہت سے علماء نے کہا ہے کہ ان اہل بدعت کی جو داعی الی البدعۃ نہ ہوں روایت قبول کی جا سکتی ہے لیکن ان لوگوں کی جو اپنی بدعات کی طرف دعوت دیتے ہیں روایت سے احتجاج نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے شرح صحیح مسلم میں اس پر تفصیل سے بحث کی ہے [2]

امام مالکؒ تو یہاں تک فرما گئے کہ: لا یوخذ العلم عن اربعۃ عن مبتدع ولا عن سفیہ ولا عمن یکذب فی احادیث الناس وان کان یصدق فی احادیث النبیؐ ولا عمن لا یعرف ھذا الشان۔

ترجمہ: علم حدیث چار شخصوں سے نہ لیا جائے نہ بدعتی سے نہ بیوقوف سے نہ اس شخص سے جو لوگوں کی باتوں میں جھوٹ بول لیتا ہو اگرچہ حدیث نبوی میں سچ ہی کہتا ہو اور نہ اس سے جو اس (موضوع) کی شان کو ہی نہ جانتا ہو [3]

جہاں تک ہو سکے اہل بدعت سے روایت نہ لے اگر کہیں روایت بایں نظر لی ہے کہ شاید کسی دوسری روایت میں متابعت کے کام آئے تو بھی ان لوگوں کی مجلس کو لازم نہ پکڑے تاکہ انہیں باقاعدہ استاد نہ کہنا پڑے اور وہ بھی پوری احتیاط کے ساتھ۔ سیدنا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:

ولا شک ان اخذ الحدیث من ھذہ الفرق یکون بعد التحری والاستصواب ومع ذلک الاحتیاط فی عدم الاخذ لانہ قد ثبت ان ھؤلاء الفرق کانوا یضعون الاحادیث لترویج مذاھبھم وکانوا یقرون بہ بعد التوبۃ والرجوع واللہ اعلم (مقدمہ مشکوۃ ص۶)

ترجمہ: اس میں شک نہیں کہ ان فرقوں سے حدیث لینا غور اور پڑتال کے بعد ہی چاہیے اور اس کے باوجود احتیاط نہ لینے میں ہی ہے کیونکہ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ یہ لوگ اپنے خیالات باطلہ کو رواج دینے کے لئے حدیثیں گھڑتے تھے اور جب (ان میں کسی کو) توبہ کی توفیق ہو جاتی تو اقرار کرتے (کہ انہوں نے بدعقیدگی کے دور میں کیا کیا حدیثیں گھڑی تھیں)

یہ ادب و احترام تو شیخ کے عقائد و اعمال کے متعلق ہے کہ اہل حق میں سے ہو گمراہ فرقوں میں سے نہ ہو تاہم اس ادب و احترام کا بھی اپنا ایک مقام ہے جو اخلاق و عادات کی راہ سے قائم ہوتا ہے۔

---

[1] الکفایہ ص ۱۲۱ [2] فتح الملہم جلد ۱ ص ۶۱ [3] مقدمہ اوجز المسالک ص ۲

احادیث احکام میں مزید احتیاط — ویسے تو کوئی روایت بھی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہو کسی غیر ثقہ راوی سے نہیں لینی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کہی بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتلادی جائے لیکن حرام و حلال کے باب میں اس سے زیادہ سختی کی گئی ہے۔ یہاں کسی غیر پختہ بات پر ہرگز کوئی اعتماد نہ ہونا چاہیئے حلال و حرام کا غلط فیصلہ پوری شریعت پر ایک بدنما داغ اور صاحب شریعت پر ایک بڑا افتراء ہے۔

ہے اور پھر مسئلہ حلال و حرام سے متعلق تو اور بھی احتیاط ضروری ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی فرماتے ہیں:

اذا روینا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحلال والحرام والاحکام شددنا فی الاسانید وانتقدنا فی الرجال واذا روینا فی الفضائل والثواب والعقاب سهلنا فی الاسانید وتسامحنا فی الرجال[1]

ترجمہ: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں کوئی روایت پہنچے جو حلال و حرام اور احکام کے بارے میں ہو تو ہم سند کی تحقیق اور راویوں کی تنقید میں سختی کرتے ہیں فقط فضائل اور ثواب و عقاب کی بات ہو تو سند میں ہم نرمی سے کام لیتے ہیں اور راویوں سے ہم درگزر کرکے چلتے ہیں۔

خطیب بغدادی لکھتے ہیں: قد ورد عن غير واحد من السلف انه لا يجوز حمل الاحاديث المتعلقة بالتحليل والتحريم الاعمن كان برئيا من التهمة بعيداً من الظنة[2]

ترجمہ: سلف میں کئی بزرگوں سے منقول ہے کہ وہ احادیث جن میں حلت و حرمت کا بیان ہو وہ انہی راویوں سے قبول کی جائیں جو تہمت سے بری اور غلط گمان سے بچے ہوئے ہوں۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی منقول ہے کہ حلال و حرام کی بحث میں نہایت مضبوط قسم کے راوی ہونے چاہئیں۔

اساتذہ حدیث کا ادب و احترام — اساتذہ حدیث کا احترام بایں جہت کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم و اقوال ہم تک پہنچا رہے ہیں اور یہ ہی وارثین انبیاء ہیں بہت ہونا چاہیئے ان کی عزت و عظمت کا خوب خیال رکھے اور کوشش کرے کہ حدیث میں انہی لوگوں کو استاد بنائے جن کے دین پر اعتماد ہو۔

حضرت امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں:

ان هذا العلم دين فانظروا عمن تاخذون دينكم[3]

ترجمہ: بیشک یہ علم دین ہے سو دیکھا کرو کہ کن لوگوں سے تم اپنا دین حاصل کرتے ہو۔

حضرت عقبہ بن نافع نے اپنے بیٹے کو نصیحت فرمائی تھی۔ یا بنی لا تقبلوا الحديث عن رسول الله صلى الله عليه وسلم الا من ثقة۔ (التمہید لابن عبدالبر جلد ۱ ص ۴۵) ترجمہ: اے میرے بیٹو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کسی معتمد آدمی سے ہی لیا کرو۔"

اور حق یہ ہے کہ اس سے بڑی جہالت کی قباحت کیا ہوگی کہ انسان علم کے بغیر مسئلہ بتائے اور غیر معتمد لوگوں سے حدیث لے لے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے حضرت قاسم بن محمد (۱۰۱ھ) جو اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے

---

[1] (فتح الملہم ج ۱ ص) [2] (الکفایہ ص ۱۳۳) [3] (مسلم شریف جلد ۱ ص ۱۱)

بھا فرماتے ہیں: اقبح من الجمل ان اقول بغیر علم او احدث عن غیر ثقة[1]

ترجمہ: "میں اونٹ سے بدتر ہوں گا اگر بغیر علم کے کوئی بات کہوں یا غیر معتمد سے حدیث بیان کروں"

خلیفہ راشد سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں: اذا کتبتم الحدیث فاکتبوہ باسنادہ فان یک حقا کنتم شرکاء فی الاجر وان یک باطلا کان وزرہ علیہ[2]

ترجمہ: جب تم کوئی حدیث لکھو تو اسے اس کی سند کے ساتھ لکھا کرو اگر وہ صحیح ہوگی تو تم اس کے اجر و ثواب میں شریک ہوگئے اور اگر روایت غلط ہوگی تو اس کا گناہ اس غلط راوی پر ہی ہوگا۔

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں: لا تاخذوا الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا عن ثقة (الکفایہ ص..)

"تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ حدیث اس شخص سے لیا کرو جو ثقہ (قابل اعتماد) ہو"

حضرت عقبہ بن نافع (ھ) نے بھی اپنے بیٹوں کو یہی نصیحت فرمائی تھی۔

یا بنیّ لا تقبلوا الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا من ثقة[3]

"اے بیٹو! تم ثقہ راوی کے بغیر اور کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کردہ حدیث نہ لیا کرو"

صحابہؓ سے روایت کرنے والا راوی اگر کمزور بھی ہو تو اس سے اتنا نقصان نہیں پہنچ سکتا جتنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے والا کمزور راوی دین کے لئے وجہ خلفشار ہو سکتا ہے۔ سو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرنے میں بہت احتیاط کی ضرورت

محدثین سلف کا احترام

مذکورہ سابقہ مثال سے یہ نہ سمجھیں کہ راویوں پر جس طرح جی میں آئے زبان کھولدیں۔ ہر گز نہیں۔ جس طرح اپنے زمانہ کے اساتذہ اور اکابر کا احترام کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے اسی طرح محدثین سلف کا بھی اور ان تمام رواۃ حدیث کا بھی ادب و احترام لازم ہے۔ محدثین کرام نے احادیث کی تخریج بڑی کاوشوں اور محنتوں سے فرمائی ہے اس لئے ان احادیث پر کلی بحث کے دوران کوئی ناشائستہ جملہ زبان سے نہ نکلنے پائے۔ ہاں جرح و تعدیل یا راویوں کی تحقیق اپنی جگہ مسلم ہے لیکن ان میں بھی ایک محدث کا دوسرے محدث سے موازنہ کرتے وقت کوئی بے ادبی کا پہلو نہ آجائے عام طور پر طلبا اس سے غافل رہتے ہیں اس میں احتیاط کی اشد ضرورت ہے۔

مطالعہ حدیث کے وقت کتاب کا احترام

حدیث سننے سنانے پڑھنے پڑھانے تک یہ معاملہ نہیں بلکہ آداب میں سے یہ بھی ہے کہ کتب حدیث کا بھی بڑا احترام کرتے تھے۔ حدیث کی کتابوں پر کسی کی کتب بھی نہ رکھتے تھے کتب احادیث کو اپنے سے نیچے نہ رکھے نہ زمین پر بغیر کوئی کپڑا بچھائے۔ نہ کتب حدیث پر پھلانگ لگا کے جائے۔ کتب حدیث جس پر رکھی جاتی ہے اس کا ادب بھی ملحوظ ہے یہ نہ ہو کہ اس کے اوپر پیر رکھدے یا پھلانگ کر چلا جائے۔ عام کتب کی طرح نیچے لٹکائے ہوئے نہ چلے بلکہ سینے کے ساتھ چمٹائے ہوئے چلے۔ بمطالعہ حدیث کے وقت بھی اس کا خاص اہتمام کرے کہ کسی طرح بے ادبی نہ ہو جائے۔ محدثین عظام اور علماء کرام کا معمول تو یہاں تک رہا ہے کہ کتب حدیث کے مطالعہ کے وقت بھی اس کا اتنا ادب کرتے تھے کہ کتاب

---

[1] (التمہید لابن عبدالبر ص۴۶) [2] (شرح الجامع الصغیر للمناوی ص۵۵) [3] (التمہید لابن عبدالبر جلد ا ص۴۵)

کا حاشیہ دیکھنے کے لئے اُلٹ پلٹ یا آگے پیچھے نہ کرتے تھے بلکہ حدیث اور کتاب کے احترام اور ادب میں خود اُٹھ اٹھ کر جایا کرتے تھے۔ دارالعلوم دیوبند کے محدث شہیر حضرت مولانا علامہ انور شاہ صاحب کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کا ادب حدیث ملاحظہ کیجئے:

کتاب کو مطالعہ میں کبھی اپنے تابع نہیں کیا جس نشست پر بیٹھ کر کتاب کا مطالعہ کرتا ہوں اگر حاشیہ دوسری جانب ہوتا ہے تو کتاب کو گردش دیکر حاشیہ اپنے سامنے کرنے کی کوشش نہیں کی کتاب کی ہیئت بدلے بغیر خود اپنی نشست بدل کر حاشیہ کی جانب آبیٹھتا ہوں۔[1]

جونپور کے حضرت مولانا عبدالقیوم ایک جگہ لکھتے ہیں:

تحصیل علم کے لئے جس طریقہ سے اُستاذ کی تعظیم وتکریم ضروری ہے کتاب کی بھی تعظیم ضروری ہے لہٰذا کتاب کی طرف پاؤں نہ پھیلائے مراتب کتاب کا لحاظ رکھے حدیث کی کتابوں پر تفسیر کے علاوہ کسی دوسری کتاب کو نہ رکھے اور کسی کتاب پر کوئی دوسری چیز نہ رکھنا چاہیئے۔[2]

بلکہ حضرت شمس حلوانی تو یہاں تک فرما گئے کہ جو کچھ مجھ کو علم نصیب ہوا وہ تعظیم کی بدولت یہاں تک کہ میں نے کوئی کاغذ بلا وضو نہیں چھوا۔[3]

جب تک کتاب و استاد کی عزت و عظمت ذہن نشین نہ ہوگی اسوقت تک علم قریب نہیں آتا۔ صحابہ کرام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر رہتے اور ہر آن فیض رسالت سے فیضیاب ہوتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی مضمون بیان فرماتے ہیں تو صحابہ کرامؓ اور بھی احترام سے بیٹھتے۔ ایسے ہی ایک موقع پر حضرت عمرؓ کے دوزانو ہو کر بیٹھ جانے کی روایت "حدیث کی سماعت کے وقت مجلس کا احترام" کی بحث میں آپ دیکھ چکے ہیں۔

اسی طرح بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ حدیث بیان کرنیوالے کئی حضرات موجود ہوں اس صورت میں عام بات ہو تو جس سے چاہے پوچھ لے لیکن اعلم (زیادہ علم والا) سامنے ہو تو اسی سے پُوچھے۔ اس کے سامنے دوسرے سے پوچھنا اس کے ادب کے خلاف ہے۔ ہاں بات اہم اور پیچیدہ ہو اور بڑے شیخ سے سوال ممکن ہو تو پھر دوسروں سے پوچھنا شیخ کے احترام کے خلاف سمجھے۔ سیدنا حضرت امام عبداللہ بن مسعودؓ حدیث کے بڑے امام تھے ان کے اسی شہر میں ہوتے ہوئے ایک مسئلہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ (۵۲ھ) سے پوچھا گیا تو آپ نے کچھ کہا اور اس کی تصدیق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نہ ہوسکی تو حضرت ابوموسیٰ نے صاف فرمایا لا تسألونی ما دام ھذا الحبر فیکم[4]

جب تک یہ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ) بڑے عالم تم میں موجود ہیں مجھ سے کوئی مسئلہ مت پوچھو۔

حضرت ابراہیم نخعی حضرت امام شعبی (۱۰۳ھ) کی موجودگی میں کچھ گفتگو نہیں فرماتے تھے ہاں کبرسنی یا کسی مرض کا غلبہ ہو تو بڑے حضرات خود ہی احتیاط فرماتے تھے روایت کم کرتے تھے۔ بڑے حضرات کا احترام و ادب اپنی جگہ تاہم یہ ضروری نہیں کہ استاذ لازمی طور پر شاگرد سے زیادہ علم رکھتا ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

---

[1] نقش دوام ص۱۰۱ [2] مقدمہ شرح مشکوٰۃ ص۱۰۹ [3] مقدمہ شرح مشکوٰۃ ص۱۰۵ [4] بخاری شریف جلد ۲ ص۱۸۸

رب حامل فقہ الی من ھو افقہ منہ مشکوٰۃ شریف

حضرت ابراہیم نخعی بھی تو فقہ میں نادرۂ روزگار تھے اور امام شعبی تو شعبی ہی ہیں۔

اساتذہ کے آداب میں سے ہے کہ طلبا سبق کے وقت استاد کے زیادہ قریب نہ بیٹھیں۔ ادب واحترام کی حدود تبھی قائم رہ سکتی ہیں۔ شاگرد اور استاد کے درمیان کم از کم ایک کمان کا فاصلہ ضرور رہنا چاہیئے اس لئے کہ یہ اقرب الی التعظیم ہے۔

اُستاد اور شاگرد کے ادب کی ایک مثال لیجئے:

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ اپنے کمرہ میں مصروف مطالعہ تھے ان دنوں زاد المعاد لابن القیمؒ نئی نئی چھپ کر آئی تھی اور حضرت شیخ اسی میں منہمک تھے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ بھی ان دنوں دار العلوم دیوبند میں مدرس تھے اور حضرت شیخ کے شاگرد رشید تھے۔ حضرت شاہ صاحبؒ اپنی کسی ضرورت سے حضرت شیخ کو ملنے آئے دروازہ کھلا تھا شاہ صاحبؒ مسلسل کھڑے رہے کہ حضرت شیخ کی نظر پڑے تو اندر آئیں۔ حضرت شیخ الہندؒ کتاب میں استقدر اترے پڑے تھے کہ آدھ گھنٹہ سے زائد ہو گیا کہ حضرتؒ نے نظر نہ بدلی اور حضرت شاہ صاحبؒ مسلسل کھڑے رہے اور محض اس لئے کہ استاذ کے کام میں خلل نہ ہو اور ادب کے خلاف نہ ہو انہیں آواز نہ دی۔ یہ حضرات اپنے وقت کے آفتاب و ماہتاب تھے مگر ادب واحترام میں دیکھیں کہ کس قدر کوشاں رہے یہی وہ حضرات ہیں جو ادب کی وجہ سے علم کے خزانے جمع کر گئے اور پھر سالہا سال پوری دُنیا میں یہ علم کے موتی بکھیرتے رہے۔

اساتذہ حدیث کی بے ادبی کا انجام جس طرح اساتذہ کی خدمت اور ان کے ادب واحترام سے علم میں ترقی اور نُور پیدا ہوتا ہے ظاہر ہے کہ ان کی بے ادبی اور ترک احترام سے علم سے نورانیت اور برکت اٹھ جائے گی اسی طرح علم سے وہ کتنا ہی ذخیرہ کیوں نہ جمع کر لے اس کا علم نافع نہ ہو گا اور ظاہر ہے کہ ایسا علم کی طلب نہ ہونی چاہیئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اللّٰھم انا نعوذ بک من علم لا ینفع علم تو بہت ہیں لیکن جس کا علم نفع پہنچائے اور وہ نفع دائمی ہو وہی عالم عالم ہے اور جس کا علم خود اسے نفع نہ دے وہ اوروں کو کیا نفع دے گا۔ وہ مثل حمار کے ہو گا کہ کتابوں کے انبار تو اس پر ہیں مگر بے سود۔ کمثل الحمار یحمل اسفاراً اس لئے طلبہ کے ذمہ ضروری ہے کہ اساتذہ کے ادب واحترام کا دامن مضبوطی سے تھامے۔ مثل مشہور ہے با ادب بانصیب بے ادب بے نصیب۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

از خدا خواہیم توفیق ادب ۔۔۔ بے ادب محروم گشت از فضل رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد ۔۔۔ بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

شیخ پر سوال کا جواب دینا ضروری نہیں طالب علم سوال کرے تو شیخ جواب دے یا نہ دے طالب علم اس پر اصرار اور تکرار نہ کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ سفر میں تھے حضرت عمرؓ ان کے ساتھ تھے۔ حضرت عمرؓ نے ایک بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی۔ آپ نے جواب نہ دیا، تین بار ایسا ہوا۔ آپ پر وحی اتر رہی تھی۔ حافظ ابن عبد البر مالکیؒ (۴۶۳ھ) اس روایت پر لکھتے ہیں:

وفیہ ان العالم اذا سئل عن شیئی لا یجب الجواب ۔۔۔ فیہ ان یسکت ولا یجیب بنعم ولا بلا ۔۔۔ رب کلام جوابہ السکوت ۔۔۔ وفیہ من الادب ان سکوت العالم عن الجواب یوجب علی المتعلم ترک

الالحاح علیہ ـــــ فیہ الندم علی الالحاح علی العالم خوف غضبہ وحرمان فائدتہ فیما یستانف و قلما اغضب العالم الا احترمت فائدتہ (التمہید جلد ۳ ص ۲۶۵)

ترجمہ: اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ عالم سے جب کوئی بات پوچھی جائے تو اس پر جواب دینا لازم نہیں ـــــ اسمیں یہ بھی ہے کہ وہ چپ رہے اور ہاں یا نہ بالکل نہ کرے ـــــ اور کئی ایسے سوال بھی ہوتے ہیں کہ ان کا جواب خاموشی ہی ہوتا ہے ـــــ اور اسمیں ادب کی تعلیم بھی ہے کہ عالم کا جواب دینے سے خاموشی اختیار کرنا ہی طالب علم پر ترک اصرار لازم کر دیتا ہے ـــــ اسمیں یہ بھی ہے کہ عالم سے سوال کرتے اصرار ہو جائے تو اس کی ناراضگی اور اس کے فائدہ سے محرومی کے اندیشہ سے اپنے پھر سے پوچھنے پر نادم ہو اور بہت کم ہوتا ہے کہ عالم کو ناراض کر دیا گیا ہو اور اس کے فائدہ سے محرومی نہ ہوئی ہو۔

اس روایت میں گو آپ کے جواب نہ دینے کا سبب نزول وحی ہے مگر محدثین نے اسے عام رکھا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی عالم پر وحی نازل ہونے کا کوئی احتمال نہیں لیکن اور کئی وجوہ ہو سکتے ہیں جن کے باعث عالم جواب نہ دے رہا ہو۔ سو طالب علموں کو چاہیئے کہ ایسے ہر موقع پر ہر شیخ کے احترام کی کوشش کریں اور اس کی ناراضگی کے ہر انداز سے بچنے کی فکر کریں ورنہ عالم کے فیض سے محروم رہنے کا قوی اندیشہ ہے۔

دانستہ سوال کرنا بھی بے ادبی ہے

بعض طلبہ بات معلوم کرنے کے لئے امتحاناً بھی سوال کر دیتے ہیں بات انہیں معلوم ہوتی ہے مگر وہ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ استاد نے تازہ مطالعہ کیا ہے یا نہیں۔ یہ دانستہ سوال کرنا ہے اور استاد کا جائزہ لینا سخت بے ادبی ہے۔ شیخ روحانی باپ ہے۔ کوئی نیک بیٹا باپ کی پڑتال نہیں کرتا۔

دانستہ سوال کرنے کی ایک اور صورت بھی ہے۔ طالبعلم سمجھتا ہے کہ اس کے ساتھ بعض ساتھی ایسے ہیں جو کسی خاص مسئلہ میں اس سے اختلاف رکھتے ہیں۔ وہ مسئلے کو جانتا ہوتا ہے اور دانستہ استاد سے سوال کرتا ہے تاکہ اس ذہن کے طلبہ استاد سے اس مسئلہ کو مدلل سن پائیں۔ اس صورت میں سوال کرنا شیخ کی بے ادبی نہیں کسی مصلحت کیلئے ہے۔ کبھی یہ جاننا بھی پیش نظر ہوتا ہے کہ اس باب میں جو کچھ میں سمجھے ہوئے ہوں، وہ درست ہے یا نہیں مقصود اپنی اصلاح ہوتی ہے استاد کا امتحان نہیں یہ بھی بے ادبی نہیں۔

طلبہ سے سوال نہ کرنے کا عہد لینا کیسا ہے

استاد اگر یہ سمجھے کہ طلبہ جب تک پوری بات سن نہ لیں دوران بیان ان کا سوال کرنا تضیع اوقات ہوگا اور وہ طلبہ سے سوال نہ کرنے کا عہد لے تو اسے اس کا حق ہے۔ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عہد لیا تھا:

فان اتبعتنی فلا تسئلنی عن شیٔ حتی احدث لك منہ ذکرا۔ (پ ۱۵، الکہف ع ۹)

(ترجمہ) سو اگر تو نے میرے ساتھ رہنا ہے تو مت سوال کرنا مجھ سے کسی چیز کا یہاں تک کہ میں خود اسے بیان

اُستاذِ حدیث کی امتیازی نشست

تابعی کبیر حضرت نصر بن عمران ابو حمزہ (۱۲۸ھ) حضرت ابن عباسؓ کے شاگردوں میں سے ہیں۔ آپ فارسی زبان جانتے تھے اور حضرت ابن عباس کے مترجم کے فرائض بھی انجام دیتے تھے۔ آپ حدیث پڑھاتے وقت حضرت ابو حمزہ کو اپنے ساتھ بٹھاتے۔ امام بخاریؒ حضرت ابو حمزہ سے روایت کرتے ہیں: کنت اقعد مع ابن عباسؓ یجلسنی علی سریرہ[1] (ترجمہ) میں حضرت ابن عباس کے پاس بیٹھتا تھا آپ مجھے اپنے تخت پر (ساتھ) بٹھاتے تھے۔

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس روایت پر فرماتے ہیں:

اس سے معلوم ہوا کہ ابن عباس سریر (تخت) پر بیٹھتے تھے ..... اس سے معلم کے لئے امتیازی نشستگاہ کا ثبوت ملتا ہے[2] شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ لکھتے ہیں کہ حضرت امام مالکؒ حدیث کے اعزاز میں خود ایک تخت پر بیٹھ کر اسے روایت کرتے۔ اس سے طالبین اور سامعین پر حدیث اور شیخ دونوں کا ادب و احترام اور ہیبت و جلال طاری رہتا۔ آپ عمامہ سر پر رکھتے اور ایک تخت بچھایا جاتا۔ پھر آپ باہر تشریف لاتے۔ تخت پر خشوع و خضوع سے بیٹھتے۔ بخور جلایا جاتا پھر جب تک حدیث کے بیان سے فارغ نہ ہو جاتے اسی ہیئت کے ساتھ بیٹھے رہتے[3]

عالم کے لئے خود بھی اپنے علم کی عزت کرنا ضروری ہے یہ اس لئے نہیں کہ وہ اپنے آپ کو بڑا سمجھے بلکہ اس لئے کہ جو علم اس کے پاس ہے اس کی نسبت خدا اور اس کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہے۔ اب اس نسبت کے احترام میں وہ کبھی اپنے آپ کو اہلِ دُنیا کے سامنے متواضع نہ کرے عالم میں خود ایک اپنا وقار ہونا چاہیئے اور اپنے علم کا وقار قائم رکھتے ہوئے کبھی اہلِ دُنیا کے دروازوں پر دستک نہ دے۔ حضرت علامہ عینیؒ لکھتے ہیں: لا ینبغی للعالم ان یاتی بعلمہ اھل الدنیا ولا یتواضع لھم اجلالاً للعلم[4] (ترجمہ) عالم کے لئے مناسب نہیں کہ اپنا علم لے کر اہلِ دُنیا کے دروازوں پر جائے اور نہ ان کے سامنے اپنے آپ کو عاجز ظاہر کرے تاکہ علم کا جلال (رعب و احترام) قائم رکھ سکے۔

شاگردوں میں تیقظ و بیداری پیدا کریں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ حدیث بیان کرتے کرتے کبھی اختباراً سوال بھی کرتے تاکہ صحابہ کی توجہ کو پوری طرح حدیث میں جذب کر دیں۔ توجہ کامل اور بیداری ایسے اوصاف ہیں جو بات کو سمجھنے میں مدد دیتے ہیں اس سے علم میں پختگی پیدا ہوتی ہے اور آگے چلنے کی کئی راہیں کھلتی ہیں۔ نفسیات کا یہ ایک اہم موضوع ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس پر ایک مستقل باب لکھا ہے۔

طرح الامام المسئلة علی اصحابه لیختبر ما عندهم من العلم[1] (ترجمہ) استاد اپنے شاگردوں کو کبھی سوال بھی کرے تاکہ ان کے علم (اور سمجھ) کا ساتھ ساتھ امتحان بھی ہوتا رہے۔ صحیح بخاری جلد ۱ ص۱۴

شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانیؒ فرماتے ہیں: تیقظ و بیداری ایک ایسا وصف ہے جو حصولِ علم میں کامیابی کا سبب بنتے ہیں اور غفلت سے ناکامی و محرومی ہوتی ہے اس لئے معلم کو چاہیئے کہ کبھی کبھی تلامذہ سے سوال بھی کرتا رہے یہ استحباب کے درجہ میں ہے وجوب کے درجہ میں نہیں۔ فضل الباری جلد ۱ ص۵۱۳

---

[1] صحیح بخاری ج ۱ ص۲۱ [2] فضل الباری ج ۱ ص۵۵۰ [3] دیکھئے مدارج النبوۃ ج ۱ ص۵۴۲ [4] عمدۃ القاری ج ۲ ص۱۸

حضرت علامہ عینیؒ لکھتے ہیں : فیہ استحباب القاء العالم المسئلۃ علی اصحابہ لیختبر افہامہم ویرغبہم فی الفکر ۱؎ (ترجمہ) اسمیں اس استحباب کا بیان ہے کہ عالم کوئی مسئلہ اپنے شاگردوں پر ڈالدے (ان سے سوال کرے) تاکہ ان کے فہم کا پتہ کرتا ہے اور انہیں سوچنے کی رغبت دلاتا رہے۔

استاد شاگردوں کو بھی سوال کا موقع دے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی حدیث بیان کرتے تو صحابہؓ بعض اوقات درمیان میں سوال کرتے اور حضورؐ انہیں جواب بھی دیتے اسمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے اپنی بات کو مکمل فرما لیتے اور پھر سوال کا جواب دیتے۔ سوال اس حدیث کے متعلق نہ بھی ہو تو بھی آپ اس کا جواب دیتے۔ امام بخاریؒ نے اس پر ایک مستقل باب باندھا ہے۔

من سئل علماً وھو مشتغل بحدیثہ فاتم الحدیث ثم اجاب السائل ۲؎

ترجمہ: "جس سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اپنے ہاں کوئی حدیث بیان کر رہا ہو تو پہلے وہ حدیث پوری کرے پھر سائل کا جواب دے"۔ حافظ بدرالدین العینیؒ لکھتے ہیں : یجب علی العالم ان یؤدی المتعلم لقولہ فاولہ اللہ ۳؎

ترجمہ: عالم پر واجب ہے کہ شاگرد کو موقع دے سو اسکو مطمئن کرے۔"

شیخ الاسلام فرماتے ہیں: "اگر کوئی شخص سوال کر بیٹھے تو دیکھا جائے گا کہ اہل مجلس کا نقصان تو نہیں۔ اگر اہل مجلس کا کوئی نقصان نہ ہو تو جواب فوراً بھی دیا جا سکتا ہے اور اگر حارج ہو تو جواب مؤخر کیا جا سکتا ہے ــــ پھر سوال کی نوعیت بھی دیکھی جاتی ہے کہ وہ ضروری ہے یا غیر ضروری ــــ اور اگر کوئی اہم معاملہ ہو یا کسی بنیادی عقیدہ سے متعلق سوال ہو تو اس میں تاخیر کی قطعاً گنجائش نہیں ہوتی ۴؎

صحابہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دوران حدیث اور بعد اتمام حدیث موضوع سے متعلق اور اس سے مختلف سوالات کرنا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب دینا متعدد احادیث سے ثابت ہے۔

تلامذہ کی طرف سے بعض اوقات ایسے سوالات بھی آجاتے ہیں جو طبعاً ناگوار ہوں۔ کبھی بے وقت اور ناموزوں قسم کے استفسارات کی نوبت بھی آجاتی ہے ایسی صورت میں انہیں چپ کرانا اور بعض اوقات زجر و تشدد سے کام لینا بھی ضروری ہوتا ہے۔ استاد کو ایسے موقعوں پر حالات کی مناسبت سے صورت عمل اختیار کرنے کی پوری گنجائش ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ طلبہ کا فائدہ اور حدیث کا احترام اپنی جگہ پورا قائم رہے اور علم و تحقیق کا حق بھی اپنی جگہ ادا ہو سکے۔ اگر کوئی استاد طلبہ کو اس لئے سوال سے روکے کہ اس کی اپنی تیاری مکمل نہ تھی تو وہ اس مسند کے لائق نہیں ہے۔

یہ بات تو اساتذہ کے لئے تھی۔ جہاں تک طلبہ کا تعلق ہے انہیں بھی پوری توجہ سے استاد کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے ضروری سوالات سے ہرگز نہ رکنا چاہیئے طلبہ کے لئے سوال کرنے سے حجاب کرنا ان کی تعلیم میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے اور اگر اس لئے سوال نہ کرے کہ استاد کو شاگرد کی جہالت معلوم نہ ہو جائے اور وہ یہ نہ کہے کہ یہ اتنی بات بھی نہیں جانتا تو یہ ایک طرح کا تکبر اور اپنے کو بے وجہ بڑا بنانے کی ایک تمنا ہے۔ سوال کرنے سے حجاب کرنیوالا اور اپنے آپ کو (اپنے اصل پیمانے سے) بڑا ظاہر کرنیوالا کبھی علم حاصل نہیں کر سکتا۔ تابعی کبیر حضرت مجاہد (۱۰۰ھ) فرماتے ہیں:

۱؎ عمدۃ القاری جلد ۲ ص ۱۵ ۲؎ صحیح بخاری ص ۲۲/۱ ۳؎ عمدۃ القاری ص ۳۴/۲ ۴؎ صحیح بخاری ص ۲۲/۱

لا یتعلم العلم مستحی و لا مستکبر [1] (ترجمہ) حیاکرنیوالا سوال کرنے سے شرمانے اور اپنے آپ کو بڑا ظاہر کرنیوالا کبھی علم حاصل نہیں کرسکتا۔

مرد تو مرد ہے دین کے بارے میں تو عورتوں کو بھی سوال کرنے کا پورا حق حاصل ہے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ انصار کی عورتوں کی اس لئے تعریف کیا کرتی تھیں کہ انہیں سوال کرنے میں کوئی حجاب مانع نہ ہوتا تھا وہ برملا مسائل پوچھتی تھیں۔ آپ فرماتی ہیں: نعم النساء نساء الانصار لم یکن یمنعهن الحیاء ان یسألن عن الدین و یتفقهن فیه [2]

حافظ بدرالدین العینیؒ لکھتے ہیں: لا ینبغی لاحد ان یستحی من السؤال عما له فیه حاجة زاعماً ان العلم مخصوص بقوم دون قوم بل علیه ان یسأل عن کل ما لا یعلمه من امر دینه و دنیاه [3]

ترجمہ: کسی کو نہ چاہیئے کہ اس سوال سے جس کی اسے ضرورت ہو رُکا رہے اور سمجھے کہ علم کسی ایک قوم کی میراث ہے دوسرے کا اس میں حق نہیں بلکہ اسے چاہیئے کہ جو چیز جسے وہ اپنے دین یا دنیا کی نہ جانتا ہو اس کے بارے میں سوال کرے۔

طلبِ حدیث میں نامور اساتذہ کی تلاش اساتذہ کی تلاش کبھی ان کی جامعیت اور عالمی شہرت کے سبب ہوتی ہے اور کبھی سندِ عالی کی تلاش میں۔ حدیث جتنے کم واسطوں سے ملے اسے بہتر سمجھا جاتا ہے۔ محدثین ہر دو اعتبار سے نامور اساتذہ کی تلاش میں رہتے تھے۔ امام بخاریؒ کی ثلاثیات اسی وجہ سے ممتاز ہیں کہ ان میں امام بخاریؒ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان صرف تین واسطے ہیں۔ سندِ عالی محدثین کے لئے ایک بڑا تحفہ اور ایک بہت بڑا اعزاز تھا۔ محدثین عظام اور تابعین کرام تو ایک طرف خود صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تلاشِ علم میں ایک عجیب علمی ذوق محسوس کرتے تھے۔ اور طلبِ حدیث میں ایک والہانہ قلبی شوق رکھتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کی جلالتِ علمی سے کون واقف نہیں۔ آپ بھی فرماتے ہیں: لو اعلم احداً هو اعلم بکتاب الله منی تبلغه الابل لو کبت الیه۔ کتاب اللہ کے بارے میں علم کی طلب یہ نہیں کہ وہ آیات کی تلاش میں دور دراز جانا چاہتے تھے قرآن کے بارے میں طلبِ علم سے مُراد تلاشِ حدیث ہی ہے۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (۷۴ھ) نے حضرت عبداللہ بن انیس سے ایک حدیث سُننے کے لئے مہینے بھر کا طویل سفر کیا تھا اس سے آپ ان حضرات کے شوقِ حدیث کا اندازہ کرسکتے ہیں۔ حضرت امام بخاریؒ لکھتے ہیں:

رحل جابر بن عبد الله رضی الله تعالیٰ عنه مسیرة شهر الی عبد الله بن انیس فی حدیث واحد [4]

ترجمہ: جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک حدیث کی خاطر عبداللہ بن انیسؓ صحابی (۵۴ھ) کی طرف ایک مہینہ بھر چلتے رہے تابعین کو پتہ چلتا کہ فلاں دُور دراز علاقے میں کوئی صحابی موجود ہے جو اس موضوع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث سُننے ہوئے ہے تو وہ اسے ملنے اور اس سے حدیث لینے کی خاطر دُور دراز کے سفر اختیار کرتے گو وہ حدیث انہوں نے اور تابعین سے اس صحابی کی روایت سے سُن بھی رکھی ہو لیکن سندِ عالی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے قریب کی نسبت ان حضرات کے لئے ایک گوہرِ نایاب تھی وہ اس کی گردیسمائی کو ایک بڑی سعادت سمجھتے تھے۔ پھر تابعین اور محدثین نامور اساتذہ کی تلاش میں پوری اسلامی دنیا میں چلتے پھرتے رہتے۔ محدثین کے عرض و سماع اور تحدیث و تدریس کے بڑے بڑے حلقے

---

[1] عمدۃ القاری ص ۲۴/۲۸ [2] فضل الباری ص ۵۶۹/۱۸ [3] شرح صحیح بخاری ص ۱۴۲/۲۸ [4] مسلم شریف جلد ۱ ص ۲۹

گئے اور لوگ اطراف عالم سے پروانہ وار شمع حدیث کے گرد چلے آتے ۔ حج کے موقع پر بھی بڑی بڑی ملاقاتیں ہوتیں۔ حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مشہور تابعی مکحول (۱۱۸ھ) سے موسم حج میں ہی سند حدیث لی تھی۔

متحدہ ہندوستان میں حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کی سلطنتِ علمی پاک و ہند، مصر و شام اور بلخ و بخارا تک پھیلی ہوئی تھی اور علماء اور طلبہ چہار دانگ عالم سے اس حلقہ حدیث میں کھچے چلے آتے ۔ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ اور حضرت مولانا محمد انور شاہ کشمیریؒ کی علمی شہرت نے تمام ہندوستان کے طالبین حدیث کو ایک مرکز میں جمع کر لیا تھا اور ہم کتنے ہی نیر تاباں ہیں جو ان سے مستنیر ہو کر آفاق عالم پر پوری تابانی سے چمکے اور حق یہ ہے کہ اپنے عہد میں دنیا نے ان کا مثل نہ دیکھا۔

تعلیم حدیث کیلئے اہل لوگوں کی تلاش جسطرح طلبہ کے لئے نامور اساتذہ کی تلاش وقت کا ایک اہم موضوع رہا ہے اساتذہ کے لئے بھی اہل اور لائق طلبہ کی طلب ایک فطری اور استادانہ ذوق رہا ہے ۔ اساتذہ پر پابندی تھی کہ حدیث اس درجہ تک بیان کریں جتنی لوگوں میں سمجھنے کی استعداد ہو۔ ظاہر ہے کہ ہر پہلے علم کے نکھار کے لئے انہیں ایک ایسے ماحول کی ضرورت ہوتی تھی جہاں وہ جم کر غوامض حدیث دقائق روایات اور نقد مطالب پر بات کر سکیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کامل حضرت عمرؓ جیسے انسان کے انتظار میں رہی اور امام ابوحنیفہؒ جیسے بزرگ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کو عمر بھر کے ساتھی بنا گئے تو محدثین کی نظر انتظار بھی لائق تلامذہ کی راہیں دیکھتی رہیں اور یہ اس لئے تھا کہ تعلیم حدیث کے لئے زیادہ سے زیادہ اہل لوگوں کے حلقے قائم ہو سکیں نااہل لوگوں کے سامنے حدیث بیان کرنے میں خطرہ یہ ہے کہ وہ ناسمجھی میں کہیں خدا اور اس کے رسول کی ہی تکذیب نہ کر بیٹھیں ۔ سیدنا حضرت علی المرتضیٰؓ نے فرمایا ؛

حدثوا الناس بما يعرفون أتحبون ان يكذب الله ورسوله لہ صحیح بخاری جلد اول ۲۴

ترجمہ ؛ لوگوں کے سامنے اسی حد تک حدیث بیان کرو کہ وہ سمجھ سکیں ۔کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ اور اس کے رسول کی تمام باتیں جھٹلائی جائیں ؟

امام بخاریؒ نے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے ترجمۃ الباب میں لکھا ہے ؛

من خص بالعلم قوما دون قوم كراهية ان لا يفهموا

ترجمہ : یہ باب اس سلسلہ میں ہے کہ کوئی شخص کچھ لوگوں کو علم کے لئے خاص کر لے اور دوسروں کو اس میں نہ آنے دے کہ اسے ان کے ان احادیث کو نہ سمجھنے کا اندیشہ ہو اور وہ اسے ناپسند کرتا ہو۔

سو اساتذہ کو حق پہنچتا ہے کہ وہ اہل طلبہ کے لئے کوشاں رہیں اور استاد کو یہ حق بھی ہے کہ اگر کسی طالب علم کے بارے میں اسے پتہ چل جائے کہ وہ بدعمل ہے اور ملحد سوچ کا ہے ؛ اسے اندیشہ ہو کہ وہ علم کا غلط استعمال کرے گا تو اسے وہ اپنے حلقۂ درس سے اٹھا دے کہ گو وہ سبق کو تو سمجھ رہا ہے لیکن تقاضائے سبق کو وہ بالکل نہیں سمجھ رہا ایسا طالب علم فتنے کا ایک باب ہے اگر یہ کھل گیا تو معلوم نہیں کون کون اس میں داخل ہو۔

؎ سعدیا شیرازیا پندے مدہ کم زاد را کم زاد گر عالم شود گردن زند استاد را

اہل طلبہ کی تلاش میں اہلیت صرف فہم و ذہانت میں نہ دیکھی جائے ضبط و حفظ کے پہلو سے بھی اہلیت کا جائزہ لیا جائے کئی دفعہ ضابطہ و حافظہ قسم کے لوگ آگے کسی فہیم و ذکی شخص سے روایت کرتے ہیں اور اس تک اپنا علمی سرمایہ پہنچا دیتے ہیں اور وہ اس کی گہرائیوں میں اتر کر اس سے بہت سے موتی نکال لاتا ہے تو یہ ضبط و حفظ آگے جا کر کام آگیا

اور جن حضرات میں یہ دونوں صفتیں ہوں گویا ہوں وہ بہت بڑی ایک بڑی سعادت پاگئے تاہم یہ ضروری ہے کہ غوامض حدیث ان لوگوں کے سامنے نہ کھولے جائیں جو انہیں نہ سمجھ کر کسی اور فتنے میں مبتلا ہو جائیں۔ علم ہمیشہ اپنے مناسب حلقوں میں پھیلتا ہے نامناسب حلقوں سے اس میں ظلمت آتی ہے۔ حضرت علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

الاسرار الالهية لا يجوز كشفها الا للخواص خوفا من يسمع ذلك من لا علم له فيشكل عليه — يجب ان يخص بالعلم قوم فيهم الضبط وصحة الفهم ولا يبذل المعنى اللطيف لمن لا يتاهل من الطلبة ومن يخاف عليه الترخص والاتكال لتقصير فهمه له[1]

ترجمہ: اسرار الٰہیہ کو خواص کے سوا اور کسی کے سامنے نہ کھولنا چاہیئے اندیشہ ہے کہ انہیں وہ لوگ سن پائیں جو ان باتوں کو نہیں جانتے اور ان پر کوئی اور مشکل آن پڑے —— سو چاہیئے کہ تعلیم کے لئے ایسے لوگوں کو چنا جائے جن میں ایسے علم کو ضبط کرنے کی اہلیت اور صحیح سمجھنے کی قابلیت ہو اور عالم باریک بات کو ان طلبہ کے سامنے عام نہ کرے جو اس کے اہل نہیں اور خدشہ ہو کہ وہ آسانی اور سستی کی راہ لیں گے کہ ان کا فہم ان تک پہنچنے سے قاصر ہے۔

یہ بات حقائق خواص اور مسائل ذات و صفات کی حد تک ہے جہاں تک تعلق تعلیم دین کا تعلق ہے حدیث ہر ایک تک پہنچانا اپنی جگہ ضروری ہے۔

ہر ایک تک حدیث پہنچانا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مختلف مقامات سے لوگ آتے آپ انہیں علم و ایمان کی باتیں سکھاتے اور ارشاد فرماتے کہ وہ اپنے علاقے میں جاکر یہ باتیں دوسروں تک بھی پہنچائیں۔ آپ کے پاس وفد عبد القیس آیا اور انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دین کی بہت سی باتیں دریافت کیں اور جب جانے لگے تو آپ نے فرمایا: احفظوه و اخبروه من وراءكم[2]

ترجمہ: انہیں یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں انہیں ان کی خبر کرو۔

حافظ بدر الدین العینیؒ رقمطراز ہیں: من علم علما انه يلزمه تبليغه لمن لا يعلمه وهو اليوم من فروض الكفاية لظهور الاسلام و انتشاره و اما في اول الاسلام فانه كان فرض معينا ان يبلغه حتى يكمل الاسلام ويبلغ مشارق الارض و مغاربها[3]

ترجمہ: جو کوئی دین کی کوئی بات جانے اس کا ان لوگوں تک پہنچانا لازم ہے جو نہیں جانتے آج یہ چیز فرض کفایہ ہے کیونکہ اسلام ظاہر ہو چکا اور پھیل چکا لیکن پہلے دور میں یہ بات فرض عین تھی کہ ہر جاننے والا اس بات کو دوسروں تک پہنچائے یہاں تک کہ دین کامل ہو جائے اور مشرق و مغرب تک پھیل جائے۔

حضرت ابو شریحؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دوسرے دن قدسیت مکہ پر ایک نہایت دلپذیر تقریر فرمائی اور آخر میں کہا: ليبلغ الشاهد الغائب۔ صحیح بخاری جلد ا صـ۳۲، سنن ابن ماجہ صـ۲۱

ترجمہ: چاہیئے کہ تم میں سے جو میرے پاس حاضر ہے وہ اسے پہنچائے جو مجھ سے غائب ہے۔

اور سنن ابی داؤد میں ہے: ليبلغ شاهدكم غائبكم

---

[1] عمدۃ القاری جلد ۲ صـ۲۰۶ [2] صحیح بخاری جلد ا صـ۳۲ [3] عمدۃ القاری جلد ۲ صـ۱۰۱

ترجمہ: تم میں سے جو حاضر ہے اپنی اپنی قوم کے ان لوگوں تک جو موجود غائبین ہیں اس پیغام کو پہنچا دے۔

یہ بات صرف مردوں تک محدود نہیں۔ عورتوں میں بھی دین کی یہ تعلیم جاری کی جاسکتی ہے۔ حضرت امام بخاریؒ نے اس کے لئے مستقل باب باندھے ہیں:

باب عظة الامام النساء وتعليمهن [1] باب هل يجعل للنساء يوم على حدة من العلم [2]

اس درجہ ضرورت کے لئے ان کا مردوں سے ہمکلام ہونا اور سوال وجواب کرنا ممنوع نہیں۔ حافظ عینیؒ رقمطراز ہیں:

فيه سوال النساء عن امر دينهن وجواز كلامهن مع الرجال فى ذالك وحيثما لهن الحاجة اليه [3]

ترجمہ: اس میں عورتوں کا اپنے دین کے بارے میں سوال کرنا اور ان کا دوسرے مردوں سے کلام کرنا مذکور ہے اور یہ کہ جب انہیں اسکی حاجت ہو یہ ان کے لئے جائز ہے۔

حدیث پڑھنے کے لئے بڑے احترام سے بیٹھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ تعلیم کے وقت بیٹھ کر حلقے باندھتے۔ آپ انہیں بیٹھنے کے آداب بتلاتے اور احادیث بھی سناتے تھے۔ حضرت ابو واقد اللیثیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک حلقۂ درس کے بارے میں فرماتے ہیں:

ان رسول الله صلى الله عليه وسلم بينما هو جالس فى المسجد والناس معه اذا قبل ثلاثة نفر اما احدهما فرای فرجة فى الحلقة فجلس فيها واما الآخر فجلس خلفهم واما الثالث فادبر [4]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرماتے اور لوگ آپ کے پاس بیٹھے تھے کہ تین آدمی آئے ایک نے حلقے میں ایک خالی جگہ دیکھی تو وہ وہاں بیٹھ گیا دوسرا ان کے پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا واپس چلا گیا۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ کر حدیث کی تعلیم حاصل کیا کرتے تھے اگر کسی کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملے وہ واپس ہو جاتا لیکن کھڑے کھڑے حدیث سننا اس کے نزدیک احترام حدیث کے خلاف تھا۔ حضرت ابن عباسؓ حدیث پڑھاتے تو ایک تخت پر بیٹھتے [5] امام مالکؒ بھی ایک امتیازی شان سے بیٹھتے اور حدیث روایت کرتے کھڑے ہو کر حدیث سننا ان کے ہاں بہت ناپسندیدہ سمجھا جاتا تھا۔ ایک دفعہ آپ حضرت ابو حازم کی مجلس حدیث سے اس لئے واپس آگئے کہ وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی لکھتے ہیں:

حضرت مالک بن انسؓ ایک روز ابو حازم کے پاس گئے اسوقت وہ حدیث بیان کر رہے تھے حضرت امام مالکؒ ادھر سے گذر گئے اور فرمایا میں نے وہاں بیٹھنے کی جگہ نہ پائی اور میں اسے مکروہ سمجھتا ہوں کہ کھڑے کھڑے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل کروں حالانکہ میں کھڑا ہو سکتا تھا۔ [6] حافظ بدرالدین العینی رقمطراز ہیں:

ان من حسن الادب ان يجلس المرء حيث انتهى مجلسه ولا يقيم احدًا۔ استحب ان يجلس حيث ينتهى [7]

ترجمہ: حُسنِ ادب یہ ہے کہ انسان وہیں بیٹھ جائے جہاں تک کہ مجلس پہنچ چکی ہے اور کسی کو نہ اٹھائے ــــ یہ مستحب ہے۔

یہ حدیث کو قبول کرنے، پڑھنے پڑھانے اس کی طلب ودریافت اور طلبہ واساتذہ کے حقوق وآداب کا بیان تھا۔ اب یہ بھی پیش نظر رکھئے کہ جو روایت نقل کی جارہی ہے اسکے بہارے ذمے کتنے حقوق ہیں روایت نقل کرنے میں کیا کیا باتیں ملحوظ نظر رہنی چاہئیں۔

---

[1] ایضاً ص۲۵ [2] ایضاً ص۲۰ [3] عمدة القاری ۲ ص۱۳۲ [4] صحیح بخاری جلد۱ ص۱۶ [5] ایضاً ص۱۷

[6] مدارج النبوة جلد۱ ص۵۴۲ [7] مدارج النبوة جلد۱ ص۲۱۲ [8] عمدة القاری جلد۱ ص۴۲

آداب روایت کا بیان

حدیث کا تکرار کرنا کہ یاد ہو جائے جتنا کوئی کلام زیادہ مہتم بالشان ہوتا ہے اتنا ہی اسے یاد رکھنے کی زیادہ فکر ہوتی ہے اتنا ہی اسے یاد رکھنے کی زیادہ فکر ہوتی ہے حضرت انس بن مالک (۹۱ھ) کہتے ہیں: عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه كان اذا تكلم بكلمة اعادها ثلاثاً حتى تفهم عنه [1]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی بات کہتے تو اسے تین دفعہ دہراتے تاکہ اس کا آپ کی طرف سے ہونا اچھی طرح سمجھا جا سکے" امام بخاری نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے: من اعاد الحديث ثلاثاً ليفهم — فقال الا وقول الزور فما زال يكررها — وقال ابن عمر قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم هل بلغت ثلثاً

ترجمہ: جس نے حدیث کو تین دفعہ دہرایا کہ پوری طرح سمجھ آجائے — آپ نے ایک دفعہ قول زور سے بچنے کی تاکید فرمائی اور بار بار اسے دہراتے رہے — حضرت ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ آپ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں، ہل بلغت کے الفاظ تین دفعہ ارشاد فرمائے تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیث کو اس دور میں بھی ابدی سچائی کی حیثیت حاصل تھی۔ آپ کی ہدایات اگر صرف اس وقت کے لئے ہوتیں تو ان کے فہم و حفظ میں اسقدر اہتمام کر لیا گیا ہوتا۔

موجودہ دور میں طلبہ کو چاہیئے کہ حدیث بیان کرتے وقت اس ترتیب کو ضرور ملحوظ رکھیں جس ترتیب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ کرامؓ نے بیان کیا ہے۔ اور اسے اس طرح یاد رکھنے کے لئے آپس میں اس کا تکرار بھی کر لیا کریں تاکہ جب وعظ و درس کی ذمہ داریاں ان پر آئیں تو ذمہ دارانہ بیان کی عادت پڑ چکی ہو۔

حدیث کا طالب علم قلم و دوات ساتھ رکھے پہلے دور میں تو کچھ اختلاف رہا کہ حدیث لکھی جائے یا نہ۔ گو اس میں بھی تحقیق یہ ہے کہ لکھنے کی ممانعت مطلق نہ تھی تاہم اس میں کہیں اختلاف نہیں ہوا کہ آئندہ ادوار میں محدثین لکھنے کی ضرور پابندی کریں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (۱۰۱ھ) نے امام زہریؒ (۱۲۴ھ) کو حدیث لکھنے کے لئے حکم دیا تو اعیان امت جو اس وقت کثیر تعداد میں موجود تھے ان میں سے کسی نے اس سے اختلاف نہ کیا اور سنت اسلاف اسی طرح جاری ہوئی کہ حدیث کے طالب علم لکھنے کا پورا اہتمام کریں۔ حضرت یحییٰ بن معینؒ (۲۳۳ھ) فرماتے ہیں۔

" حكم من يطلب الحديث الا يفارق محبرته و مقلمته وان لا يحضر شيئاً يسمعه فيكتبه " [2]

ترجمہ: حدیث کے طالب علم کے لئے حکم ہے کہ اپنے قلمدان اور دوات کو ہمیشہ ساتھ رکھے اور حدیث سننے کی کسی مجلس میں حاضری نہ دے مگر یہ کہ جو کچھ سنے اسے لکھ لے"

موجودہ دور میں دورہ میں انہی طلبہ کو داخلہ دینا چاہیئے جو لکھنے کی مشق رکھتے ہوں۔ علماء کے لئے لکھنا سیکھنا بہت ضروری ہے۔ طلبہ میں شروع سے ہی تقریر و تحریر کے لئے محنت ہونی چاہئے۔

حضورؐ کو بھی حدیث یاد کرانے کی بہت فکر ہوتی تھی — خاص مواقع پر ترغیب مزید پر توجہ دلانا مقصود تھا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۲۲ [2] کتاب التاریخ لیحیی بن معین صفحہ ۱۵۶

لکھتے ہوئے سنی گئی روایات | شیخ حدیث سنا رہا ہو اور طلبہ لکھ رہے ہوں تو کیا لکھتے ہوئے سنی گئی روایات صیغہ سماع سے بیان ہو سکتی ہیں؟

اس میں علماء حدیث کا اختلاف رہا ہے۔ ابراہیم الحربی اور ابوبکر بن اسحٰق الصبغی وقت کتابت سماع کو صحیح نہیں مانتے وہ سمجھتے ہیں کہ اس خیال میں توجہ بٹی ہوتی ہے اور سننے کا حق ادا نہیں ہوتا سو اسطرح سُنی روایت کو سماع سے ذکر کرنا درست نہیں۔

امام عبداللہ بن مبارکؒ اس طرح سنی گئی روایات کا سماع درست تسلیم کرتے ہیں اور اسے سماع سے روایت کرنا جائز سمجھتے ہیں جو اسے جائز نہیں سمجھتے وہ اسے تحریر سے روایت کرنے کے ضمن میں لے آتے ہیں۔

یاد داشت کی بجائے تحریر سے روایت کرنا | اگر کسی صحابی، تابعی، امام یا راوی حدیث کے پاس کوئی باوثوق تحریر ہو۔۔ اس نے وہ تحریر خود اپنی یاد داشت سے لکھی ہو اس کے پاس محفوظ ہو اور اسے پوری طرح یاد ہو کہ یہ تحریر اسی کی ہے اور وہ اسے پہچانتا ہو یا اس نے وہ تحریر اپنے شیخ یا اپنے باپ یا دادا سے لی ہو اور اس تحریر پر اس اوپر کے راوی کے دستخط یا اس کی توثیق کسی پیرایہ میں درج ہو۔۔۔ اور نچلا راوی اب حدیث کو اپنی یاد داشت سے نہیں بلکہ اس تحریری دستاویز سے روایت کرے تو جائز ہے؟

ہاں جائز ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو ابن العاص (۶۷ھ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو مجموعہ احادیث لکھا تھا اور وہ صحیفہ جس کا نام "الصادقہ" تھا۔ پھر آپ کی اولاد میں منتقل ہوتا رہا۔ آپ کے پوتے اور پڑپوتے اس دستاویز سے ہی ان احادیث کو آگے روایت کرتے رہے۔

یحییٰ بن سعید القطان عمرو بن شعیب کی روایت کو اسی لئے کمزور سمجھتے رہے کہ وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو کے تحریر کردہ مجموعے سے احادیث کو روایت کرتے ہیں (یاد داشت سے نہیں) لیکن اکثر اہل علم اسطرح روایت کرنے کو ناجائز نہیں سمجھتے۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:

قد تکلم یحییٰ بن سعید فی حدیث عمرو بن شعیب وقال هو عندنا واہ ومن ضعفه فانما ضعفه من قبل ان یحدث من صحیفة جدہ عبداللہ بن عمرو واما اکثر اهل العلم فیحتجون بحدیث عمرو بن شعیب و یثبتونه (جامع ترمذی جلد ۱ ص ۴۲۳) ترجمہ: یحییٰ بن سعید نے عمرو بن شعیب کی حدیث میں کلام کیا ہے اور کہا ہے کہ اس کی روایت ہمارے ہاں کمزور ہے اور جس نے بھی اسے ضعیف کہا اس نے کہا ہے کہ وہ اپنے دادا عبداللہ بن عمرو کے صحیفہ (الصادقہ) سے حدیث روایت کرتے تھے لیکن اکثر اہل علم عمرو بن شعیب کی حدیث سے حجت پکڑتے ہیں اور اسے ثابت مانتے ہیں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اکثر اہل علم کے ہاں باوثوق تحریر سے حدیث روایت کرنا ناجائز نہ سمجھا جاتا تھا۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اس کتاب "الصادقہ" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ "الصادقہ" وہ کتاب ہے جو میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لکھی تھی[1]

---

[1] سنن دارمی ج ۱ ص ۱۲۷

...یث بیان کرتے وقت قبلہ رُخ ہونا محدث جب اپنی سند سے روایت کر رہا ہو تو وہ ایک بہت بڑی ذمہ داری ادا کر رہا ہوتا ہے اسے چاہیئے کہ مجلس اور آداب کا پورا لحاظ رکھے۔ حضرت سفیان
...ب حدیث روایت کرتے تو قبلہ رُخ ہو کر حدیث پڑھتے۔ یحییٰ بن معین لکھتے ہیں:

کان سفیان اذا حدث استقبل القبلۃ [1]

...یث باوضو پڑھنا مستحب ہے قرآن مجید تو وحی متلو ہے جسے بغیر وضو چھونا منع ہے لا یمسہ الا المطہرون۔ حدیث شریف غیر متلو ہے، سو مستحب ہے کہ اسے بھی بغیر وضو نہ چھوئے بلکہ وضو سے ...ہ پڑھے اور پڑھائے۔ اکابر علماء امت حدیث باوضو ہی پڑھاتے رہے ہیں۔

تابعی کبیر حضرت قتادہؒ (۱۱۸ھ) کے بارے میں مروی ہے: لقد کان یستحب ان لا تقرأ الاحادیث التی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم الا علی وضوء [2]

ترجمہ: آپ مستحب سمجھتے تھے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث باوضو ہی پڑھیں۔

حضرت امام مالکؒ (۱۷۹ھ) کا عمل بھی ملاحظہ کیجئے: کان مالک بن انس لا یحدث بحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا وھو علی وضوء اجلالا لحدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [3]

ترجمہ: امام مالک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث جب بھی بیان کرتے تو وضو سے ہوتے۔ آپ کا یہ عمل حدیثِ رسول کی اجلال شان کے لئے تھا۔

حضرت امام لیث مصری (۱۷۵ھ) بھی حدیث کی کتابت طہارت وضو کے ساتھ کرتے تھے [4]

سلف صالحین بے وضو حدیث بیان کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ حضرت اعمش (۱۴۷ھ) سے جب وضو نہ ہو سکتا تو تیمم ہی کر لیتے تھے (مدارج النبوۃ ص۵۴۲) حضرت امام بخاری کے بارے میں تو مشہور ہے کہ ہر حدیث کی تخریج سے پہلے غسل کرتے اور دو رکعت صلوٰۃ الاستخارہ پڑھتے تھے [5]

اس سے آپ اندازہ کریں کہ اس دور میں حدیث کا کس قدر احترام ہوتا تھا اور مومنین کس طرح شریعت کے اس چشمہ زلال پر دل وجان سے قربان ہوتے تھے۔

حدیث کو مختصر کرنے سے احتراز علماء حدیث کا اس باب میں اختلاف رہا ہے۔ خلیل بن احمد کہتے ہیں کہ حدیث اسی طرح روایت کرنی چاہیئے جیسے کہ سُنی گئی تھی اسے اپنی طرف سے مختصر کرنا جائز نہیں۔

لا یحل اختصار الحدیث لقولہ رحم اللہ امرأ سمع مناحدیثا فبلغہ کما سمعہ۔

یحییٰ بن معین کی رائے اس مسئلہ میں یہ ہے: کان یکرہ الانتخاب ویذمہ ویقول صاحب الانتخاب یندم ولذلک کان یکتب علی الوجہ لئلا یسقط علیہ حدیث۔

---

[1] کتاب التاریخ لیحییٰ بن معین جلد ۲ ص۲۱۳ طبع ۱۳۹۹ مکہ [2] المصنف لعبد الرزاق ص۳۴۴ وشرح السنۃ للبغوی ص۲۸۴ [3] جامع بیان العلم لابن عبد البر ج۲ ص۱۹۹ [4] مدارج النبوۃ ص۵۴۳ [5] فضل الباری ص۹۱ للشیخ العثمانیؒ

ترجمہ: آپ حدیث کے انتخاب کرنے کو مکروہ جانتے تھے اور اسے برا کہتے تھے آپ کا منشاء تھا کہ انتخاب کرنے والا آخر کار شرمندہ ہوتا ہے۔

سفیان الثوری (۱۶۱ھ) اس شخص کے سامنے جس کے پاس حدیث پوری روایت کی جا چکی ہو اس کا اختصار سے پیش کرنا جائز سمجھتے تھے۔ یروی الاحادیث علی الاختصار لمن قد سرواھا له علی التمام[1]

ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی (۵۱۶ھ) ایک بحث میں لکھتے ہیں: وفیه دلیل علی کراھیة اختصار الحدیث لمن لیس بالمتناھی فی الفقه لانه اذا فعل ذلک فقد قطع طریق الاستنباط علی من بعده ممن ھو افقه وفی ضمنه وجوب التفقه والحث علی استنباط معنی الحدیث واستخراج المکنون من سره (شرح السنة ج۱ ص۲۳۶)

ترجمہ: اور اس میں اس شخص کے لئے جو فقہ میں ماہر نہیں حدیث کو مختصر کرنا مکروہ قرار دیا گیا ہے وہ اگر ایسا کرے گا تو اس نے اپنے بعد کے کسی زیادہ فقہ جاننے والے پر طریق استنباط روک دیا اور اس حدیث کے ضمن میں حدیث پر تفقہ کرنا اور حدیث سے معانی کو مستنبط کرنا اور اس کے چھپے اسرار کو کھولنا واجب بتلایا گیا ہے۔

تقطیع حدیث حدیث کو جزو جزو کر کے مختلف ابواب میں لانا تقطیع حدیث کہلاتا ہے۔ صحیح بخاری میں امام بخاریؒ نے بڑی محنت اور گہری فکر سے صحیح کے مختلف باب قائم کئے ہیں سو ہر باب میں آپ اتنی ہی روایت لاتے ہیں جتنی اس سے متعلق ہو اور آپ اس کے مطابق حدیث کی تقطیع (ٹکڑے ٹکڑے کر کے بیان کرنا) کرتے چلے گئے ہیں۔ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں خود باب نہیں باندھے اس لئے وہ حدیث مسلسل بیان کرتے ہیں تقطیع حدیث نہیں کرتے تاہم صحیح یہ ہے کہ تقطیع حدیث اس شخص کے لئے جو فقہ میں ماہر ہو اور تقطیع سے مضمون میں فرق نہ آنے دے جائز ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی صحیح بخاری کی ایک حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ان البخاری یذھب الی جواز تقطیع الحدیث اذا ما کان یفصله منه لا یتعلق بما قبله ولا بما بعده تعلقا یفضی الی فساد المعنی فصنیعه کذلک یوھم من لا یحفظ الحدیث ان المختصر غیر التام لا سیما اذا کان ابتداء المختصر من اثناء التام[2]

پھر تقطیع اور اختصار میں بھی فرق ہے تقطیع کی اجازت سے مراد یہ نہیں کہ ہر شخص اور ہر عامی جس حدیث کو چاہے اس کی تقطیع کر لے۔ ہرگز نہیں۔ یہ کسی صورت میں جائز نہیں تقطیع حدیث کی اجازت سے مراد صرف ان محدثین کیلئے ہے جو حاذق فن ہوں بارع فی الاثر والنظر ہوں اور اختصار کرنے سے حدیث کے مضمون میں کہیں فرق نہ آ جانے دیں۔ سو اصولاً یہ صحیح ہے کہ تقطیع ان شرائط سے جائز ہے۔ وکان غیر واحد من الائمة یفعل ذلک[3]

روایت بالمعنیٰ سے حتی الوسع احتراز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نضر اللہ امرأ سمع منا حدیثا فبلغه کما سمعه (سنن دارمی ص۹۶) اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز فرمائے جس نے میری کوئی بات سنی اسے یاد رکھا اور اسے آگے اسی طرح نقل کیا جیسا کہ اس نے سنا تھا...... سو چاہیئے کہ

---

[1] الکفایہ ص۱۹۲ [2] فتح الباری جلد ۱ صفحہ ۵ [3] الکفایہ ص۱۹۳

حدیث کو اس طرح روایت کرے جیسا کہ اس نے سُنا۔ اس میں کوئی تبدیلی نہ کرے۔

صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ اتباعِ لفظی کے قائل تھے لیکن حضرت واثلہ بن الاسقعؓ روایت بالمعنیٰ کو جائز سمجھتے تھے۔ فرماتے ہیں: اذا حدثناکم بالحدیث علی معناہ فحسبکم[51]

امام ابو حنیفہؒ گو روایت باللفظ پر زور دیتے ہیں لیکن مفہوم کی روایت میں نفس جواز کے قائل تھے۔

ائمہ اربعہ اور اکثر محدثین اور علماء اصول روایت بالمعنیٰ کو جائز سمجھتے ہیں۔ امام سفیان ثوری (١٩١ھ) کہتے ہیں ان قلت انی حدثتکم کما سمعت فلا تصدقونی فانما ھو المعنیٰ۔ اگر میں کہوں کہ میں نے حدیث تمہارے سامنے اسی طرح روایت کی ہے جیسے میں نے سُنی تھی تو میری تصدیق نہ کرنا جو میں روایت کر رہا ہوں وہ تو اس کا معنیٰ ہے۔ اور امام وکیعؒ (١٩٧ھ) کہتے ہیں وان لم یکن المعنیٰ واسعا فقد ھلک الناس[52]

اگر روایت بالمعنیٰ کی گنجائش نہ ہو تو لوگ بے شک ہلاک ہو جائیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: والاکثرون علی الجواز ومن اقویٰ حججھم الاجماع علی جواز شرح الشریعۃ للعجم بلسانھم للعارف الی بخواص التراکیب ومفھومات الخطاب وعالم بالعربیۃ وماھو فی اسالیب الکلام۔ اکثر علماء اس کے جواز کے قائل ہیں اور ان کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ عجمی ممالک کے لوگوں کے لئے ان کی زبانوں میں شریعت بیان کرنا بالکل جائز ہے۔ ہاں یہ اس کے لئے ہے جو خواص ترکیب کلام اور مفہومات خطاب کو پہچانتا ہو۔ عربیت کا عالم ہو اور اسالیب کلام میں مہارت رکھتا ہو۔

صدر الشریعۃ توضیح میں لکھتے ہیں۔ اگر حدیث محکمات میں سے ہے کہ نہ محتمل تاویل ہے اور نہ محتمل نسخ تو ایسی حدیث کو بالمعنیٰ روایت کرنا صرف ان حضرات کو درست ہے۔ جو علم لغت سے کماحقہ واقف ہیں اور جس حدیث میں احتمال تاویل ہو تو ایسی حدیثوں کو بالمعنیٰ روایت کرنا صرف فقہاء و مجتہدین کے لئے جائز ہے اور اگر حدیث جوامع الکلم میں سے ہے یا اس میں کوئی لفظ مشترک یا مجمل یا متشابہ ہے تو اس کو بالمعنیٰ روایت کرنا کسی کے لئے جائز نہیں۔

حضرت قاسم بن محمد (١٠٧ھ) امام ابن سیرین (١١١ھ) رجاء بن حیوۃ (ھ) امام مالک (١٧٩ھ) ابن علیہ، عبدالوارث، یزید بن زریع (١٨٢ھ) وہیب (ھ) امام احمد بن حنبل (٢٤١ھ) اور یحییٰ بن معین (٢٣٣ھ) لفظی پابندی کے قائل تھے لیکن امام حسن بصری علامہ شعبی (١٠٣ھ) اور ابراہیم نخعی جیسے بزرگ اس کے جواز کے قائل تھے۔

دونوں میں راجح بات جواز کی ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ روایت حدیث میں الفاظ کی پابندی کرنا افضل ہے اور یہی امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے لیکن یہ بات بھی لائق غور ہے کہ یہ جواز اور عدم جواز کی بحث صرف قرونِ اولیٰ تک کے لئے تھی۔ اب جبکہ تالیفات حدیث مکمل ہو چکی ہیں اور مجموع ہائے حدیث چہار دانگ عالم میں پھیل چکے ہیں احادیث کا ترجمہ تو دوسری زبانوں میں کیا جا سکتا ہے لیکن ان روایات کو اب اور روایت بالمعنیٰ سے گرگز نادرست نہیں۔ حدیث کسی بھی زبان میں بیان کی جا رہی ہے اس کا مضمون اور ترتیب وہی رہنی چاہئیے جو موجودہ تالیفات حدیث میں پائی جاتی ہے نہ انہیں اپنی طرف سے مختصر کرے نہ کسی روایت کو اپنے مفہوم میں نقل کرے اور روایت بالمعنیٰ کے جواز کو اس

---

[51] شرح السنۃ للبغوی ص ٢٣٦ ج ١ [52] شرح السنۃ للبغوی ص ٢٣٦ ج ١

پندرھویں صدی تک وسیع نہ کرے جہاں تک ہوسکے روایت بالمعنی سے احتراز کرے اور اسی میں احتیاط ہے۔

کثرت روایت سے حتی الوسع احتراز حدیث بیان کرنے میں پوری احتیاط کرنی چاہیئے۔ صحابہ کبر سنی (بڑھاپے) میں جب ذرا محسوس کرتے کہ اب روایت صحیح نہ ہوسکے گی تو صاف کہدیتے کہ ہمیں اب حدیث پر ضبط نہیں رہا۔ حضرت زید بن ارقمؓ نے ایک موقع پر صاف فرمادیا تھا:

کبرنا ونسینا والحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شدید[1]

ترجمہ: "اب ہم بوڑھے ہوگئے اور بھولنے لگے ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث روایت کرنا تو ایک بڑا اہم معاملہ ہے" حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ، امام شافعیؒ سے نقل کرتے ہیں: کان مالک اذا شک فی الحدیث طرحہ کلہ (التمہید ص۶۳ ج ۱) امام مالکؒ کو جب کسی حدیث کی روایت میں کوئی شک ہوجاتا تو وہ اس پوری کی پوری روایت کو چھوڑ جاتے۔ اسی سے آپ محدثین کی احتیاط فی الحدیث کا اندازہ لگائیں۔ کثرت روایت سے احتراز اسی احتیاط کے لئے تھا

بعض محدثین اسی وجہ سے اکثار الحدیث (حدیث کثرت سے روایت کرنا) کے خلاف تھے کہ اس میں احتیاط نہیں رہ سکتی۔ امام بغویؒ (۵۱۶ھ) لکھتے ہیں: ولذلک کرہ قوم من الصحابۃ والتابعین اکثار الحدیث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم خوفا من الزیادۃ والنقصان والغلط فیہ حتیٰ ان من التابعین کان یھاب رفع المرفوع فیوقفہ علی الصحابی ویقول الکذب علیہ اھون من الکذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ومنھم من یسند الحدیث الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی اذا بلغ بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال "قال" ولم یقل رسول اللہ .... وکل ذالک ھیبۃ للحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخوفا من الوعید[2]

صحابہ اور تابعین میں سے کچھ حضرات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث کثرت سے روایت کرنا مکروہ سمجھتے تھے یہ اس اندیشے سے تھا کہ آپ سے روایت کرنے میں زیادتی کمی اور کہیں غلطی نہ ہوجائے ــ یہاں تک کہ بعض ایسے تابعین بھی تھے جو حدیث کو مرفوع (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہوئی) بیان کرنے سے ڈرتے تھے اور اسے صحابی پر ہی (جو اسے روایت کر رہا ہو) موقوف کردیتے تھے (گویا کہ یہ صحابہ کا ہی ارشاد ہے) اور کہتے تھے کہ کوئی بات صحابی کے بارے میں غلط ہوجائے یہ اس سے آسان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے کوئی بات زبان سے غلط نکل جائے اور ان میں ایسے بھی تھے جو حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے تو صرف "قال" (انہوں نے کہا) کہہ کر بیان کردیتے۔ "قال رسول اللہ" نہ کہتے۔ اور یہ سب کچھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث بیان کرنے میں آپ کی ہیبت اور جلال سے ہوتا اور اس وعید سے (جس میں آپ نے فرمایا کہ جو شخص میرے نام سے کوئی ایسی بات کہے جو میں نے نہ کہی ہو تو اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے) سے ڈرنے کی وجہ سے ہوتا تھا۔

---

[1] مقدمہ مشکوٰۃ ص۱۰۵ [2] شرح السنۃ جلد ۱ ص۲۵۵، ۲۵۶

ثقہ راویوں کے زیادہ الفاظ کی قبولیت

حافظ ابن صلاح لکھتے ہیں کہ ثقہ راوی اگر باقی ثقہ راویوں کی روایت پر کچھ زیادہ الفاظ روایت کرے تو وہ زیادہ الفاظ اگر دوسروں کی روایت کردہ حدیث سے ٹکراتے ہیں تو انہیں قبول نہ کیا جائے اگر وہ زیادت ان کے معارض نہیں تو وہ لائق قبول ہے۔ ثقہ راوی کی روایت رد نہیں نہیں کی جا سکتی۔ محدثین کا تقریباً اس پر اتفاق ہے کہ ثقہ کی زیادتی قابل قبول ہے۔ حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ) نے نصب الرایہ میں بسم اللہ بالجہر پڑھنے کی بحث میں اس موضوع پر بڑی مفید بحث کی ہے (دیکھئے جلد اول ص ۳۶۰)

ابوعوانہ نے حضرت قتادہ سے انہوں نے یونس بن جبیر سے انہوں نے حطان بن عبداللہ سے انہوں نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اذا صلیتم فاقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبر فکبروا واذا قال غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا آمین

لیکن حضرت سلیمان التیمی نے قتادہ عن یونس بن جبیر عن حطان بن عبداللہ الرقاشی سے اس حدیث کو روایت کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی روایت کئے: واذا قرأ فانصتوا (ترجمہ: جب امام قرآن پڑھے تو تم چپ رہو) یہ الفاظ سلیمان کے سوا قتادہ کے دوسرے شاگردوں نے روایت نہیں کئے لیکن ان کی روایت سے ٹکراتے بھی نہیں تو ثقہ راوی کی یہ زیادتی لائق قبول ہوگی۔ امام مسلم سے ان کے شاگرد ابواسحٰق ابراہیم بن سفیان کہتے ہیں کہ ابوبکر بن اخت ابوالنضر نے امام مسلم سے اس زیادتی کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا: "تریدا احفظ من سلیمان" (تم سلیمان سے زیادہ حافظہ میں کس کو پاتے ہو؟) پھر ابوبکر بن اخت ابی النضر نے پوچھا کہ اس موضوع میں حدیث ابی ہریرہ کے بارے میں آپ کی کیا رائے ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ بھی صحیح ہے۔

واذا قرأ فانصتوا فقال هو عندي صحيح فقال لم لم تضعه هاهنا قال ليس كل شيء عندي صحيح وضعته هاهنا

استاد شاگرد کے اختلاف میں مسئلے کا حل

شیخ اور اس سے سننے والے دونوں ہی علم پیغمبر کے وارث و امین ہیں اس لئے ایسے موقع پر کہ کہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بات کی نسبت غلط نہ ہو جائے استاذ یا اوپر کے کسی راوی سے اختلاف کرنا یا کسی راوی اور استاد کی جانچ پڑتال کرنا یہ کوئی امر ناجائز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کا ادب و احترام استاد کے ادب و احترام سے کہیں زیادہ ہے۔

حضرت عمرو بن دینار نے حضرت ابومعبد سے بھی روایات لیں۔ ایک روایت میں استاذ شاگرد کا اختلاف ہو گیا حضرت ابومعبد نے فرمایا کہ میں نے اسطرح یہ حدیث تمہارے پاس روایت نہیں کی۔ (مسلم شریف جلد اول ص ۲۱۷) روایت یہ تھی کہ صحابہؓ اختتام نماز پر بلند آواز سے تکبیر کہا کرتے تھے اس کے راوی سفیان، عمرو بن دینار، ابومعبد اور حضرت ابن عباسؓ تھے۔ صحیح مسلم کی اسناد یہی ہے اس میں استاد شاگرد کا اختلاف ہو گیا۔ قال عمرو فذکرت ذالک لابی معبد فانکره وقال لم احدثك بهذا قال عمرو وقد اخبرنيه قبل ذالك

ترجمہ: عمرو کہتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کو ابومعبد کے پاس ذکر کیا تو انہوں نے اس روایت کا انکار کر دیا اور فرمایا کہ میں نے تو یہ حدیث تمہارے پاس بیان نہیں کی تھی۔ عمرو کہتے ہیں کہ انہوں نے بیشک یہ حدیث میرے پاس بیان کی تھی۔

ترجمہ امام ابوحنیفہ اور امام یوسف، امام احمد اس طرف گئے ہیں کہ اس روایت پر عمل ساقط ٹھہرتا ہے جیساکہ پہلی صورت میں تھا اور یہی امام کرخی اور فخر الاسلام اور قاضی ابوزید کا مختار ہے۔

روایت حدیث پر اجرت لینا جو محدث حدیث روایت کر رہا ہو وہ دراصل ادائے امانت کر رہا ہے۔ علم دین کی جو امانت اس کے پاس تھی اُسے آگے پہنچا رہا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم کہ میری جو بات تمہیں ملے اسے آگے پہنچا دو "بلغوا عنی ولو آیۃ" اور "فلیبلغ الشاھد الغائب" اسی پر شاہد ناطق ہے۔

ادائے امانت پر اُجرت لینا یہ کاروبار کچھ میں نہیں آتا۔ امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا "أیکتب عمن یبیع الحدیث" کیا اس شخص سے روایت لکھی جائے جو حدیث کو بیچتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں۔ لا — ولا کرامۃ[۱]

روایت حدیث اور تعلیم حدیث میں فرق ہے۔ راوی کی حیثیت سے روایت کرنے پر اُجرت نہیں لی جاسکتی ہاں معلم تعلیم حدیث پر اجرت لے سکتا ہے جیساکہ تعلیم قرآن پر بھی اجرت لی جاسکتی ہے۔

اب سوال یہ رہتا ہے کہ اس صورت حال میں حدیث لائق استدلال رہتی ہے یا نہیں؟ سو اس سلسلہ میں حنفیہ کا مذہب یہ ہے خالفھم الکرخی من اصحاب ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہما فقال لا یحتج بہ۔

ترجمہ: امام ابوحنیفہؒ کے اصحاب میں سے کرخیؒ نے اس قسم کی حدیث قبول کرنے والوں کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس صورتحال میں متعلقہ حدیث سے استدلال نہ کیا جائے[۲]

بلکہ علامہ عینیؒ نے خود حضرت امام ابوحنیفہؒ سے یہی نقل کیا ہے:

فذھب ابوحنیفۃ وابو یوسف واحمد فی روایۃ الی انہ یسقط العمل بہ کالوجہ الاول وھو مختار الکرخی والقاضی ابی زید وفخر الاسلام[۳]

امام مالک کھڑے کھڑے حدیث پڑھنے والے پر پچاس کوڑوں کا حکم لگاتے تھے[۴] ضعیف حدیث بیان کرے اس کا ضعف بیان کردینا چاہیئے عقائد میں اس سے استدلال جائز نہیں اور موضوع حدیث تو بالکل بیان نہ کرے اسے موضوع جانتے ہوئے بیان کرنا حرام ہے۔

آداب محدثین کی پوری معرفت طلبہ حدیث کو چاہئے کہ آداب محدثین سے پوری طرح واقف ہوں ان کے تعبیری فرق سمجھتے ہوں جو روایت صیغہ تحدیث سے آرہی ہے (نچلا راوی اوپر والے راوی کا نام لیکر کہے کہ اس نے میرے پاس یا ہمارے پاس یہ روایت بیان کی ہے) اور جو صیغہ عن (نچلا راوی اوپر کے راوی سے عن کہکر بیان کرے) سے آرہی ہے ان میں فرق جانتے ہوں۔ عن والی روایت میں نچلے راوی نے اوپر والے راوی سے نہ بھی سُنا ہو بلکہ اسے دیکھا بھی نہ ہو تو اس سے عن سے روایت کرنا جھوٹ نہیں ہوگا۔ درمیانے راوی کو حذف بھی کیا جاسکتا ہے لیکن اگر وہ عن کی بجائے حدثنی کہہ کر اس سے روایت کرتا ہے تو صیغہ تحدیث یقیناً سماع پر محمول ہوگا جو ثقہ راوی استاد کا نام نہ ظاہر کرنا چاہتے تھے وہ تدلیس سے کام لیتے ہوئے اس سے ادھر کے راوی سے عن کہکر روایت کر جاتے تھے اور وہ غلط نہیں کہہ رہے ہوتے تھے پھر اگر کہیں ان سے صیغہ تحدیث یا سماعت کی صراحت بھی مل جائے تو یہ گمان تدلیس بالکل اُٹھ جاتا تھا

---

[۱] الکفایہ صفحہ ۵۴ [۲] شرح صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۲۱۷ [۳] عینی علی البخاری جلد ۶ صفحہ ۱۲۴ [۴] مدارج النبوۃ جلد صفحہ

قواعد الحدیث

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد:۔

آج موضوع یہ ہے کہ حدیث قبول کیسے کی گئی ؛ وہ کون سے اصول تھے جن پر حدیث قبول کی جاتی رہی ؛ جو کچھ کسی نے کہہ دیا بس لے لیا جاتا رہا. یا روایت قبول کرنے کے لیئے واقعی کچھ اصول کارفرما رہے ؛ وہ اصول تھے تو کیا تھے کون سے قواعد تھے جن پر حدیث قبول کی جاتی رہی ؟ ان میں احتیاط سے کون کون سے اصول کارفرما رہے اور کہاں کہاں ان قواعد میں نرمی اختیار کرنے کی گنجائش رہی ؟ اس نرمی کا تدارک پھر کس طرح قرائن سے کیا جاتا رہا ؟

پھر ایسے بھی کئی مواقع تھے کہ روایت اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود لکھ لی گئی. کیونکہ ہو سکتا تھا کہ آئندہ اس کے بارے میں کوئی اور بات کھلے اور یہ کمزور روایت اس بات کے قرائن میں شمار ہو جائے یا کہیں اس سے اعتبار کا کام لیا جائے. گو احتجاج نہ کیا جائے. بہر حال یہ ایک نہایت عمیق موضوع ہے. جس کی گہرائی میں وہی لوگ جا سکتے ہیں جنہوں نے حدیث پڑھنے پڑھانے میں زندگیاں صرف کی ہوں. ان حاذقین کا ذوق بولتا ہے کہ بات کہاں قابل اعتماد ہے. اور کہاں اس کے اعتماد میں جھول ہے اور ہے تو وہ کتنا ہے. قواعد کا سرسری مطالعہ یا اصول حدیث کی چند کتابوں کا پیش نظر ہونا اس فن کی پیراکی کے لیئے کافی نہیں.

اس وقت ہمیں اس فن کی گہرائی میں اترنا نہیں. صرف اس موضوع کا کچھ تعارف کرانا ہے. اس میں اس فن کا کچھ تاریخی تجزیہ بھی ہو جائے گا اور یہ بات کھل کر سامنے آئے گی. کہ فن روایت Science of transmission وہ نیا باب علم ہے جس سے دنیا قبل از اسلام نا آشنا تھی. فن تاریخ اور فن روایت کو مسلمانوں نے جو تازگی اور پختگی بخشی. اس کی مثال اقوام عالم اور ملل سابقہ

میں کہیں نہ ملے گی۔

محدثین نے حدیث کو یُونہی جمع نہیں کر لیا کہ جو کچھ کسی نے کہہ دیا اُنہوں نے سُن لیا قبول کر لیا اور لکھ لیا ——— ان کے سامنے روایت قبول کرنے اور اسے آگے نقل کرنے کے کچھ قواعد تھے اور ان قواعد کے ساتھ روایات پر ردًا یا قبولاً بحث ہوتی تھی جتنا کوئی باب نکھرتا جاتا اس کے بارے میں پختگی اور وثوق بڑھتا جاتا اور سند کے مراتب بدلتے جاتے۔ یہاں تک کہ بعض روایات متواتر ہو جاتیں۔ قوت سند کے انہی مراتب سے احادیث کی مختلف قسمیں ہوتی گئیں اور اس دور میں جو کمزور روایتیں قبول کی گئیں۔ وہ بدستور ان کمزوریوں کی حامل رہیں۔ انہیں انہی اسانید کے ساتھ پیش کیا جاتا رہا اور انہیں بالکل نظرانداز اس لیئے نہ کیا گیا کہ ہوسکتا ہے کوئی آنے والا محقق اس باب میں کوئی اور انکشاف کرے اور یہ روایت کسی دوسری روایت یا تعامل کی تائید بن جائے۔ ایک رائے یا چند آراء کے ساتھ علم کے کسی گوشے کو کلیۃً دفن کر دینا قرین مصلحت نہ تھا۔

اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس کے اصُول فطرت کے پیمانوں میں ڈھلتے اور اُبھرتے ہیں حدیث قبول کرنے میں بنیادی اصول تقریبًا وہی ہیں۔ جو فطری تقاضوں کے مطابق کسی بات کو قبول کرنے یا رد کرنے کے ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان کا تعین ہر شخص کی اپنی فطرت پر موقوف نہیں۔ اہل فن کے تجربات اور فیصلوں سے ہی ہوتا آیا ہے۔

بات کے لائق قبول ہونے کے عقلی تقاضے

کسی بات کے لائق قبول ہونے کے لیئے بہت سی باتوں کو پیش نظر رکھا جاتا ہے لیکن ان سب وجوہ کا اجمال دو باتوں میں لپٹا ہوا ہے۔ اوّل یہ کہ بیان کرنے والے کی یادداشت اچھی ہو وہ قوی حفظ رکھتا ہو۔ دوم یہ کہ دیانت دار ہو۔ مخلصانہ سچائی پر رہتا ہو ———

یہ قوی حفظ Strong memory اور مخلصانہ سچّائی Sincere righteousness ہی وہ بنیادی اصُول ہیں۔ جن پر فن حدیث میں تعدیل کی چکّی گھومتی ہے۔ آگے جو کچھ ہے وہ انہی اصُولوں کی تفصیل ہے۔ مثلاً یہ کہ (۱) راوی کمزور نہ ہو (۲) جانا پہچانا اور معروف ہو۔ مجہول نہ ہو۔

③ اس کی روایت کا کہیں انکار نہ کیا گیا ہو منکر نہ ہو۔ ④۔ دیانت اور نیکی سے آراستہ ہو جھوٹ بولنے والا نہ ہو۔ ⑤ ہر کس و ناکس کو اعتماد میں نہ لے۔ علم ذمہ دار لوگوں کے سپرد کرے اور انہی میں رہے وغیر ذٰلک اب ہم انہیں یہاں ذرا تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

① راوی کمزور نہ ہو۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس میں بات سننے کی ــــــ یاد رکھنے کی ــــــ اور آگے نقل کرنے کی قوت موجود ہو۔ اتنا قوی نہ ہوگا تو کمزور شمار ہوگا، سمجھنے میں پوری گہرائی مطلوب نہیں۔ اصولی درجے میں سمجھنے کی اہلیت کافی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں۔ کہ کئی روایت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں جو خود بات کی تہہ تک نہیں پہنچتے۔ لیکن جن کے پاس روایت کرتے ہیں وہ ان سے زیادہ اس بات کو پالیتے ہیں۔ سو راوی کمزور نہ ہونے سے مراد سننے، یاد رکھنے اور روایت کرنے میں کمزور نہ ہونا ہے سمجھنے میں فقیہ ہونا ضروری نہیں۔

② راوی جانا پہچانا ہو۔ جن سے روایت لے رہا ہے اور جن کو روایت دے رہا ہے ان میں جانا پہچانا ہو اور راویوں میں قابل اعتماد سمجھا جائے۔ اس کی روایت اس شخص کی روایت سے کہیں زیادہ لائق اعتماد ہوگی۔ جس نے ان سے روایت سنی اور اسے اپنے شیخ روایت کے ہاں کبھی اٹھنے بیٹھنے کا اور موقع نہ ملا۔ گو یہ راوی اپنی جگہ سچا ہو۔ مگر اس سے وہ راوی جو سچا بھی ہو اور اپنے شیخ کی مجلس اچھی جگہ پائے ہوئے ہو زیادہ قابل اعتماد سمجھا جائے گا۔

③ اس کی روایت کا کہیں انکار نہ کیا گیا ہو۔ اور لوگ جنہوں نے وہ بات سنی تھی۔ ان کا اس سے اتفاق رہا ہو۔ کسی نے اس کی بات سے انکار نہ کیا ہو۔ ایک شخص سے چار آدمی ایک بات سن کر گئے۔ ان میں سے ایک اس بات کو اسی طرح روایت کرتا ہے کہ باقی تین اس سے اتفاق نہیں کرتے۔ تو وہ شخص شاذ کا راوی یا منکر الروایۃ سمجھا جائے گا۔ کہ اس کی روایت کا انکار ثابت ہو چکا ــــــ قبولیت کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بات پر کہیں انکار نہ کیا گیا ہو ــــــ وہ ہمیشہ کے لیے اپنی بات میں مطاع to be obeyed اور قابل قبول رہے۔

④ راوی دیانت دار honest اور راستباز righteous ہو فاسق نہ ہو۔ غلط کار wicked نہ ہو۔ امین ہو ــــــ فسق سے مراد فسق فی العمل ہے۔ فاسق کی روایت

کمزور ہوگی اور مزید تبیین کی محتاج ہوگی۔ رہا فسق فی القول تو ایسا کذاب راوی لائق تذکرہ ہی نہیں نہ اس کی روایت کسی درجہ میں لائق قبول ہوگی۔

⑤ عام مجلسی نہ ہو۔ ہر کس و ناکس سے بات کہنے والا نہ ہو۔ ایسا کرنے والا بسا اوقات خود بھی اس زمرے میں آجاتا ہے۔ صحیح پختہ راوی وہ ہے جو انہی سے روایت کرے جو حفظ و ضبط میں پختہ ہوں اور امانت و دیانت کے اہل ہوں اور انہی کو روایت کرے جو اس کی بات میں کمی بیشی کرنے والے نہ ہوں۔ ایسا شخص اگر کبھی غیر معروف کسی شخص سے بھی روایت لے لے تو اس کی اس عام عادت کے سبب اس غیر معروف راوی کی بھی جہالۃ العین اٹھ جائے گی۔

نقل و روایت ان فطری اصولوں سے آگے چلے تو بات نہایت پختہ اور لائق قبول ہو جاتی ہے اور جہاں یہ سب باتیں جمع ہو جائیں تو دل اس روایت کی صداقت کی گواہی دینے لگتا ہے اور اس میں کوئی تردد باقی نہیں رہتا۔ قبول روایت کے یہی فطری اصول ہیں اور دین فطرۃ بے شک انہی اصولوں کی طرف رہنمائی کرتا ہے۔

بات کے لائق اعتماد ہونے کا قرآنی نظریہ

قرآن کریم میں براہِ راست تو اس پر بحث نہیں ملتی کہ نقل و روایت کن اصولوں سے لائق اعتماد بنتی ہے۔ لیکن حضرت جبریل علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی باتیں آگے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک نقل کیں۔ تو قرآن کریم نے اس باب میں حضرت جبریل کی چند صفات کا خصوصی ذکر فرمایا۔ یہ صفات ایک راوی کی حیثیت سے ہمارے لیے رہنمائے اصول ہیں۔ جبریل امین بے شک معصوم ہیں۔ ان سے نقل روایت میں کسی غلطی کا احتمال نہیں۔ لیکن امت کو نقلِ روایت کے رہنمائے اصول دینے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی ان صفات کا بھی ذکر فرمادیا:۔

علمہ شدید القوی ۝ ذو مرۃ فاستوی ۝ وھو بالافق الاعلی ۝ پ۲۷ النجم ع ۱

ترجمہ۔ سکھایا اسے سخت قوتوں والے نے۔ زور آور طاقت ور نے پھر سامنے سیدھا بیٹھا اور وہ آسمان کے اونچے کنارے پر تھا۔

پھر سورۂ تکویر میں اللہ رب العزت نے جبریل امین کی صفات کے ساتھ اگلے راوی

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی آپ سے اتصال بیان فرمایا۔ آپ کی قوی ذہنی قوت بیان کی اور دونوں کے مابین اتصال اور ملاقات کا اثبات فرمایا۔ یُوں کہیئے قرآن کریم نے ان صفات میں روایت کے تقریباً تمام رہنمائے اصول بیان کر دیئے۔

انہ لقول رسول کریم ہ ذی قوۃ عند ذی العرش مکین ہ مطاع ثم امین ہ وما صاحبکم بمجنون ہ ولقد راٰہ بالافق المبین۔ پ۳۰ التکویر ع۱

ترجمہ۔ بے شک یہ بات ہے ایک معزز بھیجے ہوئے کی (یعنی جبریل امین کی)، جو قوت والا ہے ـــــ عرش کے مالک کے پاس مجلس پانے والا ہے ـــــ سب کا مانا ہوا ہے اور پھر وہاں اعتماد یافتہ ہے ـــــ اور یہ تمہارا رفیق (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کوئی دیوانہ نہیں ـــــ اور اس نے دیکھا ہے اسے (اس فرشتہ کو) آسمان کے کھلے کنارے کے پاس۔

شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رہ لکھتے ہیں:۔

قرآن کریم جو اللہ کے پاس سے ہم تک پہنچا ہے۔ اس میں دو واسطے ہیں۔ ایک وحی لانے والا فرشتہ (جبریل علیہ السلام) اور دوسرا واسطہ جناب پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم ـــــ دونوں کی صفات وہ ہیں جن کے معلوم ہونے کے بعد کسی قسم کا شک وشبہ قرآن کے صادق اور منزل من اللہ ہونے میں نہیں رہتا کسی روایت کے صحیح تسلیم کرنے کے لیئے اعلیٰ سے اعلیٰ راوی وہ ہوتا ہے جو اعلیٰ درجے کا ثقہ، عادل، ضابط، حافظ اور امانت دار ہو۔ جس سے روایت کرے اس کے پاس عزت وحرمت سے رہتا ہو۔ بڑے بڑے معتبر ثقات اس کی امانت وغیرہ پر کلی اعتماد رکھتے ہوں اور اسی لیئے اس کی بات بیچوں وچرا مانتے ہوں۔ یہ تمام صفات جبریل میں موجود ہیں۔ (تفسیر عثمانی ص۷۶۲)

رسُول ملکی کا اعتبار و ثقاہت

وہ کریم ہیں جن کے لیئے اعلیٰ، نہایت متقی اور پاکباز ہونا لازم ہے ـــــ بڑی قوت

والے ہیں. جس میں اشارہ ہے کہ حفظ وضبط اور بیان کی قوت بھی کامل ہے ــــــ اللہ کے ہاں اُن کا بڑا درجہ ہے ــــــ سب فرشتوں سے زیادہ بارگاہِ ربوبیت میں قرب اور رسائی حاصل ہے ــــــ آسمانوں کے فرشتے ان کی بات مانتے اور ان کا حکم تسلیم کرتے ہیں. کیوں کہ ان کے امین اور معتبر ہونے میں کسی کو شک نہیں.

رسُولِ مَلکی کے بعد رسُولِ بشری کی ثقاہت

یہ تو رسول ملکی کا حال تھا. اب رسول بشری کا حال سُن لیجئے. بعثت سے پہلے چالیس سال تک وہ تمہارے اور تم ان کے ساتھ رہے. اتنی طویل مدت تک تم نے اس کے تمام کھلے چھپے احوال کا تجزیہ کیا. کبھی ایک مرتبہ اس میں جھُوٹ، فریب یا دیوانہ پن کی بات نہ دیکھی ہمیشہ اس کے صدق وامانت اور عقل ودانائی کے معترف رہے. اب بلا وجہ اُسے جھوٹا یا دیوانہ کیوں کر کہہ سکتے ہو؛ کیا یہ وہی تمہارا رفیق نہیں ہے جس کی رتی رتی احوال کا تم پہلے سے تجربہ رکھتے ہو؛ اب اس کو دیوانہ کہنا بجز دیوانگی کے کچھ نہیں ــــــ مشرقی کنارہ کے پاس آپ نے جبریل کو؛ اس کی اصل صورت میں صاف صاف دیکھا. اس لیے یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ شاید دیکھنے یا پہچاننے میں کچھ اشتباہ و التباس ہو گیا ہو گا ــــــ جب جھُوٹ، دیوانگی، تخیل و توہم اور کہانت وغیرہ کے سب احتمالات مرفوع ہوئے تو بجز صدق وحق کے اور کیا باقی رہا. پھر اب اس روشن اور صاف راستہ کو چھوڑ کر کدھر بہکے جا رہے ہو. [۱]

قرآن کریم کی ان آیات میں نقل و روایت اور اس کے اعتماد و ثقاہت کے جملہ اصول ملتے ہیں. قرآن کریم نے جس انداز میں انہیں بیان کیا ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سب اصول فطرت ہیں جن سے کسی بات کی نقل و روایت میں اعتماد پیدا ہوتا ہے. بات کے لائق اعتماد ہونے کے تمام عقلی تقاضے ان قرآنی آیات میں پلنے ہوئے ہیں. تاہم یہ صحیح ہے کہ اصولی درجے

---

[۱] تفسیر عثمانی ج ۲ ص ۷۶۲

میں عدالت اور ضبط ہی وہ صفات ہیں جن کی تفصیلات آگے اصُول روایت بن کر پھیلیں اور مختلف پیرایوں میں راویوں اور ان کے باہمی تعلق سے آگے چلتی رہیں۔

راوی کے بنیادی اوصاف

راوی کے بنیادی اوصاف یہی ہیں کہ اس کی ذات کے بارے میں اعتماد ہو کہ وہ یاد رکھنے میں لائق وثوق ہے۔ اس کا ضبط قابل اعتماد ہے اور اس کی دیانت داری (امانت) پر بھروسہ کیا جا سکتا ہے۔ حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دارالعلوم دیوبند نے راوی کے اوصاف پر ایک نہایت جامع اور وجیز بحث تحریر فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:۔

> راوی کے وہ تمام اوصاف جو بلحاظ روایت اس کی قبولیت کا معیار بن سکتے ہیں دو اصُولی صفات کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ عدالت اور ضبط۔ اگر روایت کے راوی عادل ہوں جن میں عدالت کا فقدان یا نقصان نہ ہو اور ادھر وہ ضابط ہوں جن میں حفظ و ضبط اور تیقظ و بیداری کا نقصان و فقدان نہ ہو اور قلت عدالت و ضبط سے جو کمزوریاں راوی کو لاحق ہوتی ہیں جن کی تفصیل آگے آتی ہے ان سے راوی پاک ہوں اور ساتھ ہی سند مسلسل اور متصل ہو تو وہ روایت صحیح لذاتہ کہلائے گی۔ جو اوصاف راوی کے لحاظ سے روایت کا اعلیٰ مرتبہ ہے۔ کیوں کہ اس میں عدالت و ضبط مکمل طریق پر موجود ہے۔ جو راویوں کو ثقہ اور معتبر ثابت کرتا ہے۔ اس لیے اس دائرہ میں حدیث کی یہ قسم بنیادی اور اساسی کہلائے گی۔ اس کے بعد جو قسم بھی پیدا ہوگی، وہ ان اوصاف کی کمی بیشی اور نقصان یا فقدان سے پیدا ہوگی۔ اس لیے وہ اسی خبر کی فرع کہلائے گی۔ مثلاً اگر راوی ساقط العدالت ہو تو اس نقصانِ عدالت یا فقدانِ عدالت سے پانچ اصُولی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں جنہیں مطاعن حدیث کہا جاتا ہے۔ ① کذب ② تہمت کذب ③ فسق ④ جہالت ⑤ بدعت۔ یعنی راوی کاذب ہو یا کذب کی تہمت لیئے ہوئے ہو یا فاسق ہو یا

جاہل و نادان ہو یا بدعتی ہو تو کہا جائے گا کہ وہ عادل نہیں۔ اس لیئے اس کی روایت کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح اگر راوی ضابط نہ ہو تو اس نقصان حفظ یا فقدانِ حافظہ سے بھی پانچ ہی کمزوریاں پیدا ہوتی ہیں جو روایت کو بے اعتبار بنا دیتی ہیں۔ ① فرطِ غفلت ② کثرتِ غلط ③ مخالفتِ ثقاۃ ④ وہم ⑤ سوءِ حفظ۔ یعنی راوی غفلت شعار اور لااُبالی ہو۔ جس میں تیقظ اور احتیاط اور بیدار مغزی نہ ہو یا کثیر الاغلاط ہو یا ثقہ لوگوں سے الگ نئی اور مخالف بات کہتا ہو یا وہمی ہو اسے خود ہی اپنی روایت میں شبہ پڑ جاتا ہو یا حافظہ خراب ہو۔ بات بھول بھول جاتا ہو تو کہا جائے گا کہ یہ راوی ضبط و حفظ کا مضبوط نہیں۔ اس لیئے اس کی روایت کا کچھ اعتبار نہیں۔ لیکن اس نقصانِ عدالت وضبط یا ان دس مطاعن کے درجات و مراتب ہیں۔ اگر ان صفاتِ عدل و ضبط میں کوئی معمولی سی کمی ہو۔ مگر روایت کے اور طریقوں اور سندوں کی کثرت سے ان کی کمزوریوں کی تلافی ہو جائے۔ تو اس حدیث کو صحیح لغیرہ کہیں گے۔ اگر یہ تلافی اور جبر نقصان نہ ہو اور وہ معمولی کمزوریاں بدستور قائم رہ جائیں۔ تو حدیث حسن لذاتہ کہلائے گی۔ اگر اس حالت میں بھی کثرتِ طُرق سے تلافیٔ نقصان ہو جائے تو حدیث حسن لغیرہ کہلائے گی اور اسی نسبت سے اُن کے اعتبار اور حجیت کا درجہ قائم ہو گا۔

پس اوصاف رواۃ کے لحاظ سے حدیث کی چار اساسی قسمیں نکل آئیں صحیح لذاتہ، صحیح لغیرہ، حسن لذاتہ، حسن لغیرہ۔ اور ان میں بھی بُنیادی قسم صرف صحیح لذاتہ ہے جو اپنے دائرہ میں سب سے اُونچی قسم ہے[1]

ان قسموں کا بیان اقسامِ حدیث کی بحث میں آگے آئے گا۔ اس وقت صرف یہ بتلانا ہے۔ کہ وہ قواعد جن پر حدیث قبول کی گئی ہے کچھ یُونہی مرتب نہیں ہو گئے۔ بلکہ ان میں قرآن کریم اور اصُولِ فطرت پُوری ثقاہت سے کار فرما رہے ہیں۔ یہی قواعد محدثین کی اساس تھے اور انہی پر

---

[1] فضل الباری للشیخ شبیر احمد عثمانیؒ جلد ا صـ ۹۸ مقدمہ از مولانا قاری محمد طیب صاحب۔

علم حدیث کا ذخیرہ ترتیب پاتا رہا اور اہل فن میں قبول بھی ہوتا گیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ نے بھی اس پر زور دیا کہ راوی کے بارے میں دیکھا جائے کہ اس کا ضبط اپنے اوپر کتنا ہے اور اس کی دیانت و امانت کیسی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو (۶۷ھ) بیان کر رہے تھے کہ آخری زمانہ میں شر پھیل جائے گا۔ آپ سے پوچھا گیا کہ اس دور میں ہم حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کیا کریں؟ آپ نے فرمایا:۔

ما اخذ تموہ عمن تأمنونہ علی نفسہ ودینہ فاعقلوہ وعلیکم بالقرآن فتعلموہ وعلموہ ابناءکم فانکم عنہ تسئلون وبہ تجزون وکفی بہ واعظاً لمن عقل[1]

ترجمہ: جو حدیث تم اس راوی سے لو جسے تم اپنے میں سنبھلے پاؤ اور اسے دیانتدار سمجھو تو اس کا اعتبار کر لو اور قرآن کو لازم پکڑو، اسے سیکھو اور اپنے بچوں کو سکھاؤ اور اس کے بارے میں تم قیامت کے دن پوچھے جاؤ گے اور اسی پر تمہیں جزا ملے گی اور سمجھ دار کے لئے اسی میں کافی مصلحت ہے۔

اس سے پتہ چلا کہ قبول روایت میں اصل الاصول یہی ہے کہ راوی کی ذات اور دیانت دونوں قابل بھروسہ ہوں۔ نہ اتنا کمزور ہو کہ یاد نہ رکھ سکے نہ اتنا عام کہ اس کی دیانت مشتبہ ہو۔ روایت کے لائق اعتماد نہ ہونے پر بحث کرتے ہوئے علامہ محمد بن جریر طبری (۳۱۰ھ) نے بھی صفات جبریلی کا ذکر کیا ہے:۔

ترجمہ: جبریل اللہ تعالیٰ کے ہاں، اس کے پیغام میں اس سے روایت کرنے میں اور ان تمام کاموں میں جو ان کے سپرد کیئے گئے لائق اعتماد ہیں۔

چھٹی صدی کے مشہور شیعی مفسر الطبرسی (۵۴۸ھ) نے بھی حضرت جبریل علیہ السلام کے صاحب قوت ہونے پر بحث کرتے ہوئے اصول روایت میں جبریلی صفات سے استدلال کیا ہے[3]۔

---

[1] تفسیر المحرر الوجیز للقاضی عبدالحق الاندلسی (۵۴۶ھ) ج۱ ص۱۱ [2] تفسیر ابن جریر ج۳۰ ص۵۱ [3] مجمع البیان ج۵ ص۴۴۶

یہ صفات راوی کا اصولی بیان ہے۔ چونکہ ان تمام مواقع میں حضرت جبریل امین اور حضور نبی کریم کے ہی روایت لینے اور دینے کا تذکرہ ہے۔ اس لیئے ان تمام مواقع پر خدائی حفاظت اور شان عصمت بھی کارفرما ہے اور ان کی روایت اپنی ہر ادا میں غلطی اور بھول سے پاک ہے۔ لیکن جہاں تک دوسرے ثقہ راویوں کا تعلق ہے ان سے بعض اوقات غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں۔ جن کا جبر دوسرے راویوں کی روایت سے کر لیا جاتا ہے اور یہ بات اہل فن کے نزدیک ان کی ثقاہت کو کمزور نہیں کرتی۔ حضرت مولانا سید انور شاہ محدث کشمیری فرماتے ہیں:۔

ومن ظن ان الثقات براء من الاغلاط فلم یسلك سبیل السداد وانما المعصوم من عصمه الله والجاهل لایفرق بین اغلاط الرواة وبین اخبار الانبیاء علیهم السلام فیحمل خبطهم واغلاطهم علی رقاب الرسل علیهم الصلوٰة والسلام ما اضله وما اجهله[1]

ترجمہ۔ اور جس نے یہ گمان کیا کہ ثقہ راوی غلطیوں سے کلیۃً مبرّا ہیں۔ وہ صحیح رستے پر نہیں چلا معصوم وہی ہے جسے الہٰی عصمت حاصل ہو۔ جاہل لوگ راویوں کی غلطیوں اور انبیاء کرام کی خبروں میں فرق نہیں کرتے۔ راویوں کے وہم اور اغلاط پیغمبروں کے ذمہ لگا دیتے ہیں۔ کتنی بڑی گمراہی اور کتنی بڑی جہالت ہے۔

صفاتِ جبریلی کے ذکر میں صرف اصول اعتماد مذکور ہیں۔ اللہ ربّ العزت سے ایک ہی خبر لانے والا اور اس سے ایک ہی خبر لینے والا تھا۔ سو یہاں خبر واحد کی بحث نہ تھی جبریل امین اور حضور سید المرسلین دونوں معصوم تھے۔ جہاں تثبت اور عصمت پوری قوت اور تحدّی سے کارفرما ہوں۔ وہاں خبر واحد اور خبر متواتر دونوں برابر ہیں۔ ایک معصوم کی بات بھی یقین کا فائدہ دیتی ہے۔ دو معصوموں کی بات بھی اسی یقین کو قائم کرتی ہے اور دوسے

---

[1] فیض الباری جلد ۴ صـ۸۶

زیادہ معصوموں کی بات بھی اسی یقین تک پہنچاتی ہے۔ سو خدائی حفاظت کے ساتھ خبر واحد اور خبر متواتر دونوں میں کوئی فرق نہیں رہتا۔ ہاں جہاں خدائی حفاظت کا وعدہ نہ ہو۔ وہاں کثرۃ رواۃ سے روایت بے شک پختہ ہو جاتی ہے۔

قرآن کریم نے خبر واحد کی قبولیت کا ایک دوسری جگہ ذکر فرمایا ہے اور شرط لگائی ہے کہ راوی فسق سے مجروح نہ ہو اور اگر ایسی جرح موجود ہو پھر بھی روایت کلیۃً رد کرنے کے لائق نہیں۔ بلکہ اور ذرائع اور قرائن سے اس کا تبین کر لیا جائے۔

فسق راوی اور مظنہ جہالت

قرآن کریم میں ہے:۔

یاایھا الذین امنوا ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا ان تصیبوا قوماً بجھالۃ فتصبحوا علی ما فعلتم ندمین۔ (پ ۲۶ الحجرات)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ کسی قوم پر نادانی سے جا پڑو اور کل اپنے کئے پر پچھتانے لگو۔

قرآن کریم کی اس آیت سے تین اہم باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) ایک یہ کہ فاسق کی روایت از خود حجت نہیں۔ (۲) دوسرے یہ کہ فاسق کی روایت کلیۃً واجب الرد بھی نہیں بلکہ مزید لائق تحقیق ہے۔ (۳) تیسرے یہ کہ خبر واحد قابل قبول ہے۔ بشرطیکہ اسے نقل کرنے والا فاسق نہ ہو۔ یہ تب اگر مفہوم مخالف کا اعتبار کیا جائے —— اگر خبر واحد معتبر نہ ہوتی تو وجہ تبین صرف فسق نہ ہوتا۔ راوی کا ایک ہونا بھی مزید تائید کا محتاج ہوتا۔

اس آیت کی رُو سے کسی خبر کے بارے میں دو باتیں موجب جرح ہیں۔ (۱) راوی کا فسق اور (۲) صورت واقعہ سے بے خبری۔ جہاں راوی کی دیانت اور اصل بات کی یاد (حفظ و ثبت) قائم ہو وہاں خبر جرح سے محفوظ اور قابل قبول سمجھی جائے گی۔ محدثین کرام کے نزدیک روایت کی تحقیق اور پڑتال کے انداز بہت ہیں۔ لیکن ان سب کا اجمال یہ ہے کہ حدیث روایت کرنے والا راوی مخلصانہ دیانت sincere righteousness اور اچھی یادداشت strong memory

رکھتا ہو۔ جہاں حافظہ کمزور ہو گا یا دیانت مشتبہ ہو گی۔ روایت کمزور پڑتی جائے گی۔
آیت مذکورہ بالا اگرچہ ایک خاص واقعہ سے متعلق ہے۔ لیکن اس کا حکم عام ہے اور حدیث قبول کرنے کے بارے میں محدثین نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فاسق کی روایت قابلِ قبول نہیں، مزید تحقیق سے اسے قبول کر لیا جائے تو یہ امر دیگر ہے۔ حضرت امام مسلم اپنے مقدمہ صحیح میں لکھتے ہیں :۔

ان الواجب علیٰ کل احد عرف التمییز بین صحیح الروایات وسقیمہا ..... وان یتقی منہا ما کان عن اہل التہم والمعاندین من اہل البدع والدلیل علی ان الذی قلنا من ھذا ھو اللازم دون ما خالفہ قول اللہ تبارک وتعالیٰ ذکرہ یا ایہا الذین اٰمنوا ان جاءکم فاسق بنبأٍ فتبینوا..... ان خبر الفاسق ساقط غیر مقبول۔[1]

ترجمہ۔ ہر ایک کے ذمہ واجب ہے جو صحیح اور کمزور روایات میں فرق جان سکے کہ .... اور جو بات اہلِ تہمت اور معاند اہلِ بدعت سے مروی ہو اس سے بچے اور جس چیز کو ہم نے اوروں کے موقف کے خلاف لازم ٹھہرایا ہے اس پر دلیل اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق ایک روایت لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو...... بے شک فاسق کی خبر از خود ساقط اور غیر مقبول ہے۔

امام بخاریؒ باب ماجاء فی اجازۃ الخبر الواحد الصدوق میں لکھتے ہیں :۔

وقولہ تعالیٰ ان جاءکم فاسق بنبأ فتبینوا وکیف بعث النبی امراءہ واحداً ابعد واحد۔[2]

ترجمہ۔ اور قول خداوندی ہے" اگر تمہارے پاس کوئی فاسق ایک خبر لے کر

---

[1] صحیح مسلم جلد اصد ۶ [2] صحیح بخاری جلد ۹ صد ۱۰۱ پورا ترجمۃ الباب آگے آرہا ہے دیکھئے صد ۸۹ کتاب ہذا۔
اس میں دیکھئے حضورؐ نے کسطرح عبادات اور جملہ فرائض واحکام میں ایک سچے راوی کو قابل قبول قرار دیا ہے۔ کیا یہ خبر واحد کی قبولیت نہیں ؟

آئے تو اسے تحقیق کر لیا کرو"۔۔۔۔۔ اور حضورؐ نے اپنے امیر کس طرح ایک ایک بھیجے۔

(نوٹ) ایک شخص کی روایت اگر لائق قبول نہ ہوتی تو حضورؐ کبھی ایک ایک شخص کو اپنے احکام دے کر کہیں نہ بھیجتے اور نہ ایک فاسق کی خبر پر مزید تحقیق کی ضرورت سمجھی جاتی

شیعہ محدثین نے بھی حدیث کے بارے میں اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ ملا تقی مجلسی (۱۰۷۰ھ) من لایحضرہ الفقیہہ کی شرح لوامع صاحبقرانی المسمّٰی بہ شرح الفقیہ میں لکھتے ہیں:۔

ترجمہ۔ یہ آیت بتلاتی ہے کہ دیانتدار اور سچے راوی کی روایت قابل قبول ہے۔

علامہ مامقانی (سیزدہم ھ) لکھتے ہیں:۔

ترجمہ۔ یہ آیت فاسق کی روایت کو بغیر مزید پڑتال اور تحقیق کے قبول کرنے سے روکتی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ تحقیق و تبین کے بعد فاسق (اور وہ بھی گو شخص واحد ہی ہو اس کی) روایت قابلِ قبول ہو سکتی ہے۔ اس سلسلہ میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کا فاضلانہ بیان سُنیئے۔ موصوف مقدمہ فضل الباری میں لکھتے ہیں:۔

اس سے واضح ہے کہ شخص واحد کی خبر اس کے فاسق ہونے کے باوجود بھی معتبر اور حجت ہونے کی شان رکھتی ہے بشرطیکہ تحقیق میں آجائے اور حجت بھی ایسے اہم معاملات میں جن کے بگڑ جانے کی صورت میں ندامت اُٹھانی پڑے جو کسی اہم اور بڑے ہی معاملہ کی شان ہوتی ہے۔ حاصل یہ نکلا کہ شخص واحد کی خبر بھی قرآنی اصول پر قابلِ رد یا غیر معتبر نہیں۔ بلکہ تبین و تحقیق کے بعد معتبر اور بڑے بڑے معاملات میں حجت ہوتی ہے، جس پر دیانتاً معاملہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے روکا اگر گیا ہے تو قبل از تحقیق اس پر عمل کرنے سے نہ کہ مطلقاً۔ ورنہ یُوں کہا جاتا کہ فاسق اگر کوئی خبر لائے تو ہرگز اس کی بات کا

لہ شرح الفقیہہ جلد ا ص۳۲ ۲ہ تنقیح المقال جلد ا ص۱۸۵

اعتبار مت کرو، نہ یہ کہ تحقیق کے بعد اسے مان لو اور معتبر سمجھو۔ پس تحقیق کی شرط اس لیئے لگائی کہ خبردہندہ اور روایت کنندہ کے فسق و فجور سے اس کی خبر میں جو بے اعتباری کی گنجائش پیدا ہو گئی تھی وہ ختم ہو جائے اور خبر قابلِ اعتبار ہو جائے۔ مگر خبر بہرحال وہ ایک ہی کی رہے گی۔ اس لیئے صاف ثابت ہوا کہ ایک کی روایت معتبر اور معاملات میں حجت ہے۔ اب اگر خبر دینے والا فرد فاسق بھی نہ ہو بلکہ غیر مجروح ہو جیسے رجل یسعیٰ کی خبر تو وہ بلا تبین بھی اس اصول سے قابلِ قبول بن سکتی ہے اور اگر راوی غیر مجروح ہونے کے ساتھ عادل و متقی متدین اور امین ہو۔ جیسے ملائکہ، انبیاء اور صلحاء۔ تو اس اصول پر اس کی بلا واسطہ خبر کو معتبر ماننے کے لیئے قطعاً تبین و تحقیق کی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے لیکن اگر وسائط کی وجہ سے اس پر بھی تحقیق و تبین کر لیا جائے تو پھر تو یہ خبر بطریقِ اولیٰ واجب الاعتبار بن جائے گی۔ مگر بہرصورت رہے گی خبر فرد ہی۔ اس لیئے خبر فرد جسے خبر غریب بھی کہتے ہیں قرآن کی رو سے معتبر اور حجت ثابت ہو گئی۔ گو اس کی حجیت درجۂ ظن ہی کی حد تک ہو کہ ظنیات بھی شرعاً حجت اور معاملات میں قانوناً مؤثر ہوتے ہیں۔ کیونکہ ظنیات کے معنی وہمیات کے نہیں بلکہ صرف اس کے ہیں کہ خبر پہ وثوق و اعتماد کے ساتھ جانبِ مخالف کا احتمال بھی باقی رہے نہ یہ کہ اصل خبر بے اعتبار اور قابلِ رد ہو جائے۔ البتہ اس کے ساتھ اس راوی واحد کی جو ثقہ اور عادل ہے تحقیق بھی کر لی جائے۔ یعنی اس خبر کے متابعات، مؤیدات اور شواہد و قرائن بھی فراہم ہو جائیں تو پھر اس خبر فرد سے ظن اس حد تک بھی ہو سکتا ہے کہ وہ یقین کی سرحد سے جا ملے اور ایسی خبر اگر قطعیت کے ساتھ درجۂ یقین تک نہ پہنچے گی تو شبہ یقین تک ضرور پہنچ جائے گی جس کا نام اصطلاح میں غلبۂ ظن ہے۔ سو ایسی خبر اصول و آئین کی رُو سے نہ رَد کی جا سکتی ہے نہ غیر معتبر ٹھہرائی جا سکتی ہے۔ جب کہ قرآن خود خبر فرد کے سلسلہ میں ایک فاسق کی خبر کو بھی کلیتہً غیر معتبر نہیں ٹھہراتا۔ بلکہ بعد تبین اُسے

معتبر قرار دیتا ہے تو ایک ثقہ اور عادل کی خبر کو اس قرآنی اصول کی روشنی میں کیسے رد کیا جا سکتا ہے ؟ اس لیئے خبر فرد اور اس کی حجیت کا ثبوت آیاتِ بالا سے بہت کافی وضاحت کے ساتھ ہو جاتا ہے۔[۱]

خبر واحد کے لائق قبول ہونے میں قرآنی موقف

قرآن کریم کی یہ آیت کہ فاسق کی روایت بغیر مزید تحقیق کے قابلِ قبول نہیں۔ بتلاتی ہے کہ اگر وہ راوی فاسق نہ ہوتا تو اس کی روایت لائق قبول تھی۔ اسلام میں اگر خبر واحد کا اعتبار نہ ہوتا تو قرآن کریم فاسق کی روایت کو صرف فسق کی بناء پر رد نہ کرتا۔ خبر واحد کی بناء پر بھی رد کرتا۔ خبر واحد کے لائق قبول ہونے پر امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) نے قرآنی آیات سے استدلال کرتے ہوئے اس آیت کو بھی پیش کیا ہے۔ آپ لکھتے ہیں :-

امام بخاری کی شہادت

باب ماجاء فی اجازة خبر الواحد الصدوق فی الاذان والصلاة والصوم والفرائض والاحکام وقول الله تعالیٰ فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفة لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیهم لعلهم یحذرون۔ ویسمی الرجل طائفة لقوله تعالیٰ وان طائفتان من المومنین اقتتلوا فلو اقتتل رجلان دخل فی معنی الآیة وقوله تعالیٰ ان جاءکم فاسق بنبأٍ فتبینوا وکیف بعث النبی صلی الله علیه وسلم امراءه واحدا بعد واحد فان سها احد منهم رُدَّ الی السنة۔[۲]

ترجمہ: ایک سچے راوی کی خبر اذان، نماز، روزہ اور فرائض و احکام کے بارے میں جائز ہونے کے باب میں جو کچھ آیا ہے خدا کا فرمان کہ ہر فرقہ سے کیوں نہ ایک طائفہ نکلا کہ وہ دین میں تفقہ حاصل کرتے اور واپس لوٹ کر اپنی قوم

---

[۱] مقدمہ فضل الباری جلد ۱ ص ۹۶ [۲] صحیح بخاری جلد ۹ ص ۱۰۱

کو ڈراتے۔ تاکہ وہ بچ جاتے۔ ایک آدمی کو بھی طائفہ کہہ دیتے ہیں۔ خدا تعالیٰ کا فرمان ہے اگر مومنوں کے دو طائفے آپس میں لڑیں تو اگر دو شخص بھی آپس میں لڑیں گے تو وہ اس آیت کے تحت آئیں گے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اس کی تحقیق کر لیا کرو ——— اور حضورؐ نے کیسے اپنے امراء ایک ایک کر کے بھیجے۔ ان میں سے اگر کوئی بھول جائے تو بات سنت کی طرف لوٹائی جائے گی۔

خبر واحد کے لائق قبول ہونے پر نبوی موقف

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلامی معاشرہ ترتیب دیا اس میں خبر واحد کی بناء پر بہت احکام چلتے تھے۔ دینی اطلاعات میں فرائض تک کا اعلان خبر واحد سے کافی سمجھا جاتا اور اس پر اس پہلو سے کہیں نکیر نہ سنی گئی۔

(۱) عن عبد اللہ بن دینار قال بینا الناس بقباء فی صلاۃ الصبح اذ جاء ھم اٰت فقال ان رسول اللہ صلی اللہ قد انزل علیہ اللیلۃ قرآن وقد امر ان یستقبل الکعبۃ فاستقبلوھا وکانت وجوھھم الی الشام فاستداروا الی الکعبۃ۔[۱]

عبداللہ بن دینار سے روایت ہے کہ لوگ صبح کی نماز کے لیے مسجد قباء میں تھے کہ ان کے پاس ایک آنے والا آیا۔ اس نے کہا کہ آج رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حکم قرآنی اترا ہے کہ آپ نماز میں کعبہ کی طرف رخ کیا کریں۔ سو تم کعبہ کو ہی قبلہ بناؤ ——— ان لوگوں کے رخ شام کی طرف تھے۔ سو سب کعبہ کی طرف گھوم گئے۔

نماز دین کا ستون ہے۔ صحابہ کرام اگر اس میں ایک خبر لانے والے پر اعتماد کر کے اپنا قبلہ بدل سکتے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس معاشرہ میں خبر واحد بشرطیکہ خبر لانے والا ثقہ عادل اور قابل

---

[۱] صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۰۸

اعتماد ہو کا کتنا قانونی اور اخلاقی وزن ہو گا۔ اس پر آپ خود ہی غور فرمالیں۔

عن حذیفة ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لاھل نجران لا بعثن الیکم رجلا امینا حق امینا فاستشرف لھا اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم فبعث ابا عبیدة۔[1]

(۲) حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو فرمایا میں تمہاری طرف ایک پورا امین شخص کو بھیجوں گا سب صحابہ سر اٹھا کر دیکھنے لگے (کہ آپ کس کو بھیجتے ہیں اور کون ایسا امین ہے جو حق امانت کا پورا حامل ہو) سو آپ نے حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ کو بھیجا۔

اہل نجران کے سامنے اگر ایک شخص اسلام کی آواز لگا سکتا تھا اور وہ ساری قوم اس کی مکلف ہو سکتی ہے کہ اس ایک کی تبائی ہوئی دینی راہنمائی کو اسلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم سمجھے تو خبر واحد کے لائق قبول ہونے میں کسی کو کیا شک ہو سکتا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل نجران کو اس راوی کی صفات بیان کرتے ہوئے جو ان کے ہاں دین کو روایت کرے گا۔ خبر دی کہ وہ راوی امین ہو گا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ امین راوی کی بنیادی صفت ہے۔ حافظے کے پہلو سے بھی وہ امین ہو، اس سے کوئی بات رہ نہ جائے اور دیانت کے پہلو سے بھی وہ امین ہو کوئی غلط بات نہ کہہ سکے۔

(۳) عن عمرؓ قال وکان رجل من انصار اذا غاب عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشھدتہ اتیتہ بما یکون من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واذا غبت عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وشھد اتانی بما یکون من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[2]

ترجمہ۔ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک انصاری جب کبھی حضورؐ کی خدمت میں حاضر نہ ہو سکتا تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں میں تبا دیا کرتا تھا اور جب کبھی میں حضورؐ سے غائب ہوتا اور وہ انصاری حاضر ہوتے تو وہ مجھے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۹ صفحہ ۱۰۲ [2] ایضاً

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں بتا دیا کرتے تھے۔

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی جب ایک دوسرے کے سامنے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ تعلیمات نقل کرتے جو اس ایک نے حضورؐ سے سنی ہوتیں تو اسے سن کر اسے پوری طرح قبول کر لیتے۔ کیا یہ اس امر کی کھلی شہادت نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اسلامی معاشرہ قائم کیا تھا اس میں خبر واحد بلا تردد لائق قبول سمجھی جاتی تھی۔ صرف یہی دیکھا جاتا تھا کہ خبر واحد لانے والا وہ شخص کس درجہ کا ثقہ اور امین ہے۔

قواعد حدیث کے اصول اعتماد جس طرح قرآنی آیات میں دلالت اور اشارت سے لپٹے ہوئے ملے تھے۔ انہیں ہم نے نبوی موقف میں بھی نہایت واضح طور پر موجود پایا، خبر دینے والا ثقہ اور امین ہو تو خبر واحد بلا تردد قبول کی جائے گی۔ اب صرف ایک بات لائق غور رہ جاتی ہے کہ نقل روایت میں الفاظ کی پابندی ضروری ہے یا روایت بالمعنی بھی کفایت کر سکتی ہے۔

روایت بالمعنی کے لائق قبول ہونے میں قرآنی موقف

تاریخ مذاہب کا مشہور واقعہ ہے کہ جب حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے شجر ممنوعہ کا پھل چکھا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا تھا کہ دونوں نیچے اتر جاؤ۔ یہ واقعہ قرآن کریم میں کئی طرح سے منقول ہے:۔

(۱) قال اهبطا منها جميعًا بعضكم لبعض عدو فاما یأتینکم منی هدًی فمن تبع هدای فلا یضل ولا یشقٰی۔[۱]

ترجمہ۔ خدا نے کہا تم دونوں اکٹھے اس سے نیچے اترو کہ ایک کا دشمن ایک ہو گا پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو اس کا اتباع کرے گا تو وہ نہ دنیا میں گمراہ ہو گا اور نہ آخرت میں شقی ہو گا۔

(۲) قال اهبطوا بعضكم لبعض عدو ولكم فی الارض مستقر ومتاع الی حین۔[۲]

ترجمہ۔ خدا نے کہا تم سب نیچے اترو ایک دوسرے کے تم دشمن ہو گئے اور

---

[۱] پ ۱۶ طٰہٰ ع ۷، [۲] پ ۸ الاعراف ع ۲

تمہارے لیئے زمین میں ٹھکانہ اور رہنا ہے ایک وقت تک۔

(۳) قلنا اهبطوا منها جميعا فاما يأتينكم منى هدى فمن تبع هداى فلا خوف عليهم ولا هم يحزنون[1]

ترجمہ۔ ہم نے کہا اُترجاؤ جنّت سے سب کے سب سو پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے پیغام ہدایت تو جس نے میری پیروی کی اُن پر کوئی خوف نہ ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

یہ ایک ہی واقعہ کی تین مختلف تعبیریں ہیں۔ رب العزت نے جب یہ بات کہی ہوگی تو ظاہر ہے کہ ایک بات کہی ہوگی اور باقی تعبیرات اس بات کی روایت بالمعنی ہوں گی۔ روایت بالمعنی اگر جائز نہ ہوتی تو قرآن کریم ایک بات کو مختلف تعبیرات میں پیش نہ کرتا۔ رب العزت نے جب فرشتوں کو حکم دیا تھا کہ آدم کو سجدہ کرو تو یا تو کہا ہوگا۔ اسجدوا لآدم۔ (پ البقرہ ع ۴) یا کہا ہوگا۔ فقعوا له سٰجدين۔ (پ۲۳ ص ع ۵) ظاہر ہے کہ ان دو میں ایک تعبیر ضرور روایت بالمعنیٰ بنے گی۔ علّامہ محمود آلوسیؒ نے بھی ان آیات سے روایت بالمعنیٰ کا اشارہ کیا ہے۔[2]

---

[1] پ البقرہ ع ۴۔ [2] دیکھئے روح المعانی جلد ۱ ص۲۳۶ جلد ۸ ص۸۹

قبولیتِ روایت میں اصل الاصول اعتماد ہے۔

قرآن کریم کی رُو سے فاسق کی خبر بھی مطلقاً لائقِ رد نہیں۔ بلکہ اس کی مزید تحقیق کی جائے گی۔ دوسرے ذرائع اور قرائن سے اس کا تبیّن ہو جائے تو اسے بھی قبول کیا جائے گا۔ بات کے لائقِ اعتماد ہونے میں نبوی مؤقف بھی آپ کے سامنے آچکا۔ اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ قبولیتِ روایت میں اصل الاصول اعتماد اور وثوق ہے۔ جب یہ حاصل ہو جائے تو یہی مدارِ عمل ہے نہ خبر کا ایک راوی سے ہونا اس میں رُکاوٹ بن سکتا ہے نہ روایت کا بالمعنیٰ مروی ہونا اس میں سبب قدح ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض صورتوں میں سند کا متصل ہونا بھی ضروری نہیں۔ پچھلا راوی اگر کوئی مسلّم علمی شخصیت ہو اور روایت استدلال میں پیش کی جا رہی ہو تو یہ مرسل روایت interupted report. بھی اعتماد و وثوق پر قبول کی جا سکتی ہے۔

صحابہ کرامؓ کے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی بات پہنچتی تو گو اس کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست نقل کرنے والا نہ بھی ملتا وہ اُس کی تحقیق میں برابر لگ جاتے۔ اگر اتصالِ روایت نہ ملتا۔ ایسے قرائن میسر آجاتے جن سے پتہ چل جاتا کہ یہ روایت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے تو وہ اس کو قابلِ قبول سمجھتے اور اس پر عمل پیرا ہوتے اور روایت کا متصل نہ ہونا اس کی راہ میں رکاوٹ نہ بنتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو بتایا گیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حجاز میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔ بیان کرنے والا صحابی تھا یا تابعی۔ بصورتِ اولیٰ صحابی نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُنی تھی یا کسی اور نے اس کے سامنے یہ روایت نقل کی تھی۔ ان تمام امور میں یہ خبر مجہول unknown تھی۔ حضرت عمرؓ نے اس پر مزید تحقیق اور تفحص فرمایا۔ یہاں تک کہ آپ کو اس پر وثوق و اعتماد حاصل ہو گیا اور آپ نے اس پر عمل فرمایا۔ محدث شہیر عبدالرزاق الصنعانی (۲۱۱ھ) کہتے ہیں:۔

لہ مثلاً مختلف تابعین کرام جو مختلف شہروں میں رہتے ہوں اور آپس میں ملاقات نہ ہوئی ہو دین کے کسی موضوع میں ایک ہی بات کہیں تو ظاہر ہے کہ وہ بات انہوں نے مختلف صحابہ کرامؓ سے لی ہوگی اور اگر اس میں اجتہاد کا پہلو نہ ہو تو اسے بحالات حضورؐ کی بات ہی سمجھا جائے گا۔

اخبران النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال فی وجعہ الذی مات فیہ لا
یجتمع بأرض الحجاز دینان ففحص عن ذلک حتی وجد علیہ التثبت۔[۱]
حضرت عمرؓ کو بتایا گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس مرض میں جس میں
وفات پائی تھی کہا تھا کہ اس زمین حجاز میں دو دین جمع نہ ہونے پائیں (یہ مرکز
اسلام ہے جہاں صرف اسلام ہی رہے گا) آپ نے اس کی تحقیق فرمائی اور اس
پر تثبت پالیا۔ (کہ یہ واقعی صحیح خبر تھی)۔

وہ صحابی کون تھے جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات سُنی تھی ان کا نام نہیں ملا۔ امام مالکؒ نے مؤطا میں اسے امام زہری (۱۲۴ھ) سے روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا تھا۔ صحابی کا نام درمیان میں نہیں ملتا۔ مگر چونکہ اور ذرائع سے اس کی تحقیق ہوگئی اور وہ تحقیق بھی خود حضرت عمرؓ نے ہی فرمائی تھی۔ اس لیئے اس روایت کو محض اس لیئے قبول کرلیا گیا۔ کہ اس پر دوسرے ذرائع سے تثبت و وثوق حاصل ہوچکا ہے۔ معلوم ہوا کہ ان دنوں اصل ”سند کا اتصال“ نہیں تھا۔ قبولیت روایت میں اصل الاصول اعتماد تھا۔ جب یہ حاصل ہوجائے تو روایت قابل عمل ہوجاتی تھی اور اسی پر حضرت عمرؓ نے یہودیوں کا خیبر سے اخراج کیا تھا۔[۲] امام محمدؒ (۱۸۹ھ) اس حدیث کو اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

بلغنا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ لا یبقیٰ دینان فی جزیرۃ العرب
فاخرج عمر من لم یکن مسلماً من جزیرۃ العرب لہذا الحدیث۔[۳]
ترجمہ: ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بات پہنچی ہے آپ نے فرمایا کہ جزیرہ
عرب میں دو دین باقی نہ رہ سکیں گے حضرت عمرؓ نے اس حدیث کی وجہ سے
ہر اس شخص کو جو مسلمان نہ تھا جزیرۂ عرب میں نہ رہنے دیا۔

یہاں پر حضرت عمرؓ نے سند کا اتصال نہیں دیکھا۔ بلکہ قرائن و ذرائع سے اس کی تحقیق فرمائی۔ جب ثابت ہوگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے تو آپ نے اس پر عملی قدم اُٹھایا اور یہودیوں کا اخراج فرمایا۔ پتہ چلا کہ کبھی قرائن بھی ایسے باوثوق ہوتے تھے۔ کہ انکار کی

۱؎ المصنف لعبد الرزاق جلد ۴ صفحہ ۱۲۶ ۲؎ مؤطا امام مالک صفحہ ۳۶۰ ۳؎ موطا امام محمد صفحہ ۳۷۳

گنجائش نہیں ہوتی حضرت عمرؓ کے اس طریق کار پر کسی صحابی نے جرح نہیں کی. نہ آپ پر کسی نے کوئی انگلی اٹھائی. بلکہ آپ کی اس تحقیق کے بعد سارے صحابہؓ اس پر متفق ہو گئے کہ حضورؐ کی تعلیم یہی ہے.

کُل صحابہ عادل اور لائق اعتماد

قبولیت روایت میں اعتماد یہاں تک دخیل رہا کہ نقل و روایت میں "کل صحابہ عادل اور لائق اعتماد" مانے گئے. الصحابۃ کلھم عدول آپ نے سُنا ہو گا. سب صحابہ ایک دوسرے کے نزدیک ثقہ اور دیانت دار تھے کوئی کسی کے ہاں جھوٹا نہ تھا. صحابہ کرام سب کے سب عادل تھے. آپس میں ان کے کتنے ہی اختلافات کیوں نہ ہوں، مسائل میں بھی کتنے ہی اختلاف واقع ہو چکے ہوں، فقہی موقف بھی جُدا جُدا ہو چکے ہوں. مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بات نقل کرتے میں سب کے سب ثقہ اور قابل اعتماد سمجھے جاتے تھے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی صحابی جھوٹ کہے اس کا اُن کے ہاں تصور بھی نہ ہو سکتا تھا. حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ ھ) حضرت امام مزنی (ھ) سے حدیث اصحابی کالنجوم نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

وھذا ایبین لک ان قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابی کالنجوم ھو علی ما فسرہ المزنی وغیرہ من اھل النظر ان ذلک فی النقل لان جمیعھم ثقات ماموںن عدول رضی فواجب قبول ما نقل کل واحد منھم وشھد بہ علی نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ترجمہ. یہ بات تمہیں تبلاتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جیسا کہ اہل نظر میں سے امام مزنی نے اس کی تشریح کی ہے یہ ہے کہ یہ بات حضورؐ سے نقل کرنے میں ہے کیونکہ سب کے سب صحابہ ثقہ امین اور عادل ہیں. سو ہر ایک سے جو نقل پہنچی اور جس نے جو شہادت بھی اپنے نبی کے بارے میں دی. اس کا قبول کرنا واجب ہے.

---

[1] التمہید جلد ۴ صـ ۲۶۳

ایک شبہ کا ازالہ

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ بھی ایک دوسرے پر جھوٹ کی چوٹ کر جاتے تھے۔ یہ صحیح نہیں۔ عربی میں لفظ کذب صرف جھوٹ کے معنی میں نہیں بعض دفعہ خلاف واقع بات کرنے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ مگر اُردو میں یہ لفظ صرف جھوٹ کے معنوں میں آتا ہے صحابہ کرامؓ ایک دوسرے کی بات کو اگر کبھی خلاف واقع کہتے تھے بھی تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ فلاں صحابی کی بات صحیح نہیں (انہیں غلطی واقع ہو رہی ہے) یہ نہیں کہ وہ صحابی (معاذاللہ) جھوٹ بول رہے ہیں۔ صحابہ کرامؓ سے اس قسم کی بات عادۃً ہرگز ممکن نہ تھی۔ مشہور محدث علامہ خطابی (۳۸۸ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں:-

قوله كذب ابو محمد يريد اخطأ ولم يرد به تعمد الكذب الذى هو ضد الصدق۔[1]

ترجمہ۔ اس کا کہنا کہ ابو محمد نے کذب (غلط) کہا۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اس نے غلطی کی کہنے والے کی مراد یہ نہیں کہ اس نے جھوٹ بولا جو سچ کی ضد ہوتی ہے۔

پھر ایک صحابی کے بارے میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

هو رجل من الانصار له صحبة والكذب عليه فى الاخبار غير جائز والعرب تضع الكذب موضع الخطأ فى كلامها فتقول كذب سمعى وكذب بصرى اى زل ولم يدرك ما رأى وما سمع۔[2]

ترجمہ۔ وہ انصاری صحابی ہیں ان پر خبریں جھوٹ بولنے کا الزام جائز نہیں عرب بات میں غلطی کرنے پر بھی کذب کا لفظ بولتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں میرے کان نے (کذب) غلطی کی۔ میری آنکھ نے (کذب) غلطی کی یعنی وہ پھسل گیا۔ اور جو دیکھا اور سُنا اسے نہ سمجھ سکا۔

اس محاورے کی تائید ایک واقعہ سے بھی ہوتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور حضرت کعب احبارؓ کے مابین اختلاف ہوا کہ وہ گھڑی جس میں دعا لازماً قبول ہوتی ہے سال میں ایک

---

[1] معالم السنن للخطابی جلد ۱ ص ۱۳۴ [2] ایضاً ص ۱۳۵

دفعہ آتی ہے یا ہفتہ وار؟ حضرت عبداللہ بن سلامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر رہے تھے کہ وہ گھڑی جمعہ آتی ہے۔ حضرت کعبؓ کہہ رہے تھے کہ نہیں سال میں ایک دفعہ آتی ہے۔ امام نسائی (۳۰۳ھ) روایت کرتے ہیں کہ :-

قال کعب ذلك يوم في كل سنة فقال عبد الله بن سلام كذب كعب قلت ثم قرأ كعب فقال صدق رسول الله صلى الله عليه وسلم۔[۱]

ترجمہ: کعب نے کہا وہ گھڑی سال میں ایک دفعہ آتی ہے۔ عبداللہ بن سلام کہنے لگے کعب کی زبان سے جھوٹ نکل گیا۔ پھر کعب نے تورات پڑھی اور کہا کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام کا کذب کعبؓ کہنا ان پر جھوٹ کی چوٹ کرنا نہیں تھا۔ نہ یہ مطلب تھا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہیں۔ ان کی مراد صرف یہ تھی کہ کعبؓ غلط کہہ رہے ہیں۔ چنانچہ کعبؓ نے جب تورات مطالعہ کی تو اپنی غلطی تسلیم کر لی اور کہا۔ صدق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ کہا۔

عدالتِ صحابہؓ کی نرالی شان

صحابہ عام ثقہ رواۃ کی طرح نہیں۔ دیگر راوی گو کتنے ہی ثقہ ہوں کثرت رواۃ سے اُن کی روایت میں قوت ضرور آتی ہے۔ لیکن صحابی ایک بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر دے تو اب مناسب نہیں کہ اس کی تائید میں اور صحابہ سے بھی مزید تحقیق کی جائے۔ اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ اس تحقیق کرنے والے نے صحابی کو ناقل ہی سمجھا خود سند نہ سمجھا۔ ورنہ اس کے بعد وہ ایک صحابی سے سن کر دوسرے کسی اور راوی کی تلاش نہ کرتا۔ صحابہؓ سے اس کی تائید لینا اگر روایت میں قوت پیدا کرتا۔ تو امیرالمؤمنین حضرت عمرؓ حضرت سعدؓ سے مروی روایت کے بعد اس کی مزید تحقیق سے نہ روکتے۔ علم جس قدر پختہ ہو اس میں کیا حرج تھا۔ معلوم ہوا صحابیؓ کا حضورؐ سے کسی بات کو نقل کر دینا علم کا وہ نقطۂ عروج ہے کہ اب اس کے بعد کوئی خلجان باقی

---

[۱] نسائی شریف جلد اول صفحہ ۲۱۱

نہ رہنا چاہیئے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا:۔

اذا حدثك سعد عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فلا تسئل عنہ غیرہ۔[1]

ترجمہ جب سعد تمہارے پاس حضورؐ کی کوئی بات نقل کریں تو اسکے بارے میں کسی اور سے نہ پوچھنا۔

مُرسلاتِ صحابہؓ پر اعتماد

ائمہ اربعہ میں گو اختلاف ہے کہ روایتِ مرسل جس میں تابعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے براہِ راست روایت کرے قبول کی جائے یا نہ؟ امام اعظم ابُو حنیفہ النعمانؒ اور امام مالکؒ ثقہ تابعی کی مرسل کو قبول کرتے ہیں اور امام شافعیؒ و امام بخاریؒ اسے قبول نہیں کرتے۔ لیکن اس پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے کہ صحابہ کی مرسلات سب کی سب قبول ہیں۔

صحابہ کی مرسلات سے وہ روایات مراد ہیں جن میں صحابی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اس دور کی روایت نقل کرے۔ جب وہ اس دور میں مسلمان نہ ہوا تھا یا حضورؐ کے ہاں موجود نہ تھا۔ ظاہر ہے کہ اس نے وہ بات کسی اور صحابی سے جو وہاں موقع پر موجود ہو گا سنی ہو گی اور اب وہ اس کا نام ذکر نہیں کر رہا ہے یا اس نے اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہو گا اور اب وہ اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام سے روایت نہیں کر رہا۔ اس دور کی بات کو اپنی طرف سے روایت کر رہا ہے۔ صحابہؓ کی یہ مرسلات بالاتفاق مقبول ہیں۔ درمیانے راوی کی تلاش اس وقت ہوتی ہے جب اس کی ثقاہت معلوم کرنی ضروری ہو۔ صحابہؓ چونکہ کلھم ثقہ اور عادل ہیں اس لیئے ان میں سے کسی کا معلوم نہ ہونا قبولیتِ روایت میں قادح نہیں ہو سکتا۔

مثلاً صحیح بخاری کی دوسری روایت اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے آپ اس میں یہ بیان کرتی ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز کیسے ہوا؟ ظاہر ہے۔ کہ اس وقت تک حضرت عائشہ کی پیدائش بھی نہ ہوئی تھی اور وہ دور آپؓ کا دیکھا ہوا نہ تھا۔ آپؓ نے یہ حالات و واقعات کسی اور صحابی سے یا خود حضُور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنے ہوں گے۔ مگر آپ اس واسطہ روایت کو ذکر نہیں کر رہیں۔ یہ مرسل روایت حضرت عائشہ صدیقہؓ کی

---

[1] بخاری جلد ۱ صد ۶۲

ثقاہت اور جلالت شان کے پیش نظر کسی طرح بھی رد نہ کی جائے گی صحابہ کی مُرسلات تو ان ائمہ کے نزدیک بھی معتبر اور لائق اعتماد ہیں، جو اوروں کی مرسل روایات کو قبول نہیں کرتے۔ امام نوویؒ مقدمہ شرح مسلم میں لکھتے ہیں:۔

واما مرسل الصحابی وھو روایۃ مالم یدرکه او یحضره کقول عائشۃ رضی اللہ عنہا اول ما بدئ به رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم من الوحی الرؤیا الصالحۃ فمذھب الشافعی والجماھیر انه یحتج به وقال الاستاذ الامام ابو اسحق الاسفرایینی الشافعی انه لا یحتج به الا ان یقول انه لا یروی الا عن صحابی والصواب الاول۔[1]

ترجمہ۔ اور رہا معاملہ مرسلات صحابہ کا اور وہ ایسی روایات ہیں جن کا زمانہ اس راوی نے نہ پایا ہو یا زمانہ پایا ہو مگر اس مجلس میں اس نے حاضری نہ پائی ہو تو امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ صحابہ کی مرسل روایات سے حجت پکڑی جا سکتی ہے۔ البتہ امام ابو اسحق اسفرائنی کہتے ہیں اس قسم کی روایات سے استناد صحیح نہیں۔ ہاں اگر وہ کہے کہ وہ صحابی، صحابی کے علاوہ کسی اور سے روایت نہیں لیتا تو پھر اسے اُن کے ہاں بھی قبول کیا جا سکے گا اور صحیح بات پہلی ہے (کہ مرسلات صحابہ مطلقاً لائق قبول ہیں)۔

آپ ایک دوسرے مقام پر ایک حدیث کی بحث میں لکھتے ہیں:۔

ھذا الحدیث من مراسیل الصحابۃ وھو حجۃ عند الجماھیر[2]

ترجمہ۔ یہ حدیث صحابہ کی مرسل روایات میں سے ہے اور وہ جمہور علماء اسلام کے نزدیک حجت ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ ایک بحث میں لکھتے ہیں:۔

ویستفاد من الحکم بصحۃ ما کان ذلك سبیله صحۃ الاحتجاج بمراسیل الصحابۃ۔[3]

---

[1] مقدمہ صحیح مسلم للنووی ص۱۷ طبع ہند [2] شرح صحیح مسلم للنووی جلد ۱ ص۲۸۴ [3] فتح الباری جلد ۱ ص۱۴۴

ترجمہ۔ اس طرح کی باتوں پر صحیح کا حکم لگانے سے یہ بات مستفاد ہوتی ہے۔ کہ صحابہ کی مرسل روایات سے حجت پکڑنا قانونی طور پر صحیح ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ پہلے دور میں قبولیت روایت کا مدار اعتماد اور وثوق پر ہی رہا ہے۔ روایت کا متصل ہونا ضروری نہ تھا۔ صحابہ کرام کا عادل اور ثقہ ہونا یقینی اور قطعی دلائل سے معلوم تھا تو اب ان کی مرسلات بھی حجت سمجھی گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب اُن کی عدالت پر مہر کر دی۔ تو اب اس کی کیا ضرورت ہے۔ کہ ائمہ حدیث میں سے کوئی ان کی تعدیل کرے۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) ایک جگہ لکھتے ہیں :۔

ان عدالة الصحابة ثابتة معلومة بتعديل الله لهم ..... فلا يحتاج احد منهم مع تعديل الله لهم المطلع على بواطنهم الى تعديل احد من الخلق له[۱]۔

ترجمہ۔ صحابہ کی عدالت اللہ تعالیٰ کی تعدیل سے معلوم اور ثابت ہے۔ سو صحابہ میں سے کوئی بھی کیوں نہ ہو وہ کسی کی تعدیل کا محتاج نہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی تعدیل حاصل ہے جو ان کے بواطن امور پر پوری طرح مطلع ہے اور انہیں عادل قرار دے رہا ہے۔

صحابہ کے اسی عمومی اعتماد کا اثر دوسرے صحابہ میں بھی تھا علمی حلقوں میں اعتماد عام تھا۔ علمی حلقے سب اعتماد پر چلتے تھے۔ اس دور میں اسناد پر زیادہ زور نہ تھا۔ خیر اور صداقت عام تھی۔ اسنادی مباحث، ہر دو راویوں کے مابین فاصلے اور رابطے اور روایات میں اتصال وارسال کی بحثیں اس وقت چلیں جب امت میں فتنے پیدا ہوئے۔ جھوٹ عام ہونے لگا۔ سو ضروری ہوا کہ اس وقت کے ائمہ حدیث اس سلسلہ میں کوئی قدم اُٹھائیں اور حق یہ ہے کہ اس وقت دینی سرمائے کے تحفظ کے لیے ایسے اقدامات ضروری تھے۔ امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) ایک جگہ فرماتے ہیں :۔

عن ابن سيرين قال لم يكونوا يسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنة قالوا سموا لنا رجالكم فينظر الى اهل السنة ويؤخذ حديثهم وينظر الى اهل البدع فلا يؤخذ حديثهم[۲]۔

---

[۱] الکفایہ فی علوم الروایۃ ص۴۶، ص۴۸ [۲] صحیح مسلم جلد۱ ص۱۱

ترجمہ۔ امام سیرین سے روایت ہے کہ پہلے دور میں لوگ سند کے بارے میں اتنے فکرمند نہ ہوتے تھے۔ لیکن جب فتنے اُٹھے تو علماء کہنے لگے اپنی روایت کے راوی سامنے لاؤ تاکہ اہلِ سنّت اور اہلِ بدعت کی پرکھ ہو۔ اہلِ سنّت کی حدیثیں لے لی جائیں اور اہلِ بدعت کی روایات سے پرہیز کی جائے۔

حضرت امام شافعیؒ اس نئے دور کے مجدّد سمجھے جاتے ہیں جنہوں نے وقت کی نبض پر ہاتھ رکھا اور آئندہ کے لیے تحقیقِ حدیث کی اساس صحت سند کو قرار دیا اور راویوں کی جرح و تعدیل اور اتصالِ رواۃ اس نئے دور کا بڑا موضوع قرار پایا ——— اس درجہ کی پڑتال کی ضرورت دورِ اوّل میں کبھی محسوس نہ ہوئی تھی۔

قبولِ مُرسل میں ائمہ اربعہ کا اختلاف

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ قبولِ مرسل میں امام شافعیؒ اور امام بخاریؒ کا امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ سے اختلاف دراصل اصول کا اختلاف نہ تھا، حالات کا اختلاف تھا۔ قبولِ روایت میں اعتماد کو سب ائمہ کے ہاں اصولی درجہ حاصل رہا ہے۔ جب تک امت میں صداقت اور انصاف غالب تھے گو فتنے پیدا ہو چکے تھے روایاتِ اعتماد پر بھی قبول کی جاتی تھیں۔ جب وہ حالات نہ رہے، فتنوں کا تخم حنظل درخت بن گیا۔ تو بعد کے ائمہؒ نے صحت اسناد اور اتصال رواۃ پر توجہ تیز کر دی۔ اس حدِ فاصل پر امام شافعیؒ نے مجدّدانہ کردار ادا کیا۔ فجزاہ اللہ جزاءً حسنا۔

اس سے یہ بھی پتہ چل گیا کہ پہلے دور کی کتبِ حدیث جیسے مؤطا امام مالک، موطا امام محمد مصنف عبدالرزاق وغیرہ میں اسانید اس پیرایہ بیان اور اہمیتِ شان سے نہیں ملتیں۔ جس انداز میں ہم انہیں صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں پاتے ہیں۔ اسکی وجہ کیا ہے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ پہلے دور میں اعتماد غالب تھا۔ صحابہ کی مرسلات جس اصول پر قبول ہوتی تھیں وہ اصول اعتماد اگر کہیں بعد میں بھی کسی بزرگ پر راہ پا گیا تو اس کی مرسلات بھی قابلِ قبول سمجھی گئیں۔ مرسلاتِ حسن، مرسلات ابراہیم، مرسلات زہری وغیرہ پر محدثین نے مستقل آراء قائم کی ہیں۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ جونہی اعتماد میں کمی آنے لگی، محدثین کرام صحت سند

اور اتصال رواۃ پر زیادہ زور دینے لگے۔ حضرت امام شافعی ان دونوں طریقوں کی حد فاصل سمجھے جاتے ہیں اور بعد کے دور کے محدثین پھر تقریباً سب اسی راہ پر چلے۔ فجزاہم اللہ احسن الجزاء۔

آپ نے قبولیت روایت میں اس وقت کے حالات کے مناسب صحت اسناد اور اتصال رواۃ پر بہت زور دیا۔ اختلاف الحدیث کے نام سے آپ نے اس موضوع پر ایک کتاب قلمبند فرمائی اور حق یہ ہے کہ آپ نے فن حدیث کا رُخ اسناد کی طرف موڑ دیا۔ یہ اسلام کا اعجاز ہے کہ اس میں ہر وقت کی ضرورت کے مطابق اصحاب کردار پیدا ہوئے جنہوں نے وقت کی ضرورتوں کے تحت تحقیقات کے دہانے کا رُخ صحیح سمت کی طرف کر دیا۔

نوٹ

اس سے یہ مطلب نہ سمجھا جائے کہ پہلے دور میں اسانید قائم نہ تھیں اور حدیث پوری سند سے روایت نہ ہوتی تھی۔ احادیث کا سلسلہ پوری اسنادی شان سے قائم تھا اور محدثین صحیح وضعیف میں برابر فرق کرتے تھے۔ احادیث کو اسانید بعد میں فراہم نہیں کی گئیں۔ جب سے احادیث چلی آ رہی ہیں اسی وقت سے سلسلہ اسانید بھی چلا آ رہا ہے۔ ہمارے کہنے کا مطلب صرف یہ ہے کہ پہلے دور میں روایت کی قبولیت میں سند کا اتصال زیادہ ضروری نہیں سمجھا گیا عمومی اعتماد بہت حد تک کارفرما رہا ہے تاہم یہ صحیح ہے کہ سند کی ضرورت اور اہمیت اپنی جگہ موجود تھی۔

عمل راوی کے اختلاف سے اعتماد روایت میں کمی

قبولیت روایت میں اعتماد کو اتنی اصولی حیثیت حاصل رہی ہے۔ کہ اگر کوئی حدیث ثقہ راویوں سے بھی منقول ہو تمام راویوں میں اتصال بھی پایا جاتا ہو، صیغہ تحدیث بھی ہر جگہ موجود ہو، عن کا مظنہ کہیں نہ ہو، روایت اصولی طور پر بالکل صحیح ہو، مگر اس صحابی کا اپنا عمل اس روایت کے خلاف ہو تو فوراً شبہ اُٹھے گا۔ کہ شاید یہ حدیث منسوخ العمل ہو یا اس زمانے سے تعلق رکھتی ہو۔ جب شریعت تکمیل کے تدریجی مراحل طے کر رہی تھی بعض احکام منسوخ ہو جاتے تھے اور اُن کی جگہ نئے آ جاتے تھے۔

پہلے دور کی کوئی بات ثقہ راویوں سے منقول ہو وہ صحیح تو ہو گی۔ لیکن بعد کے احکام

کی روشنی میں حجت اور لائق عمل نہ سمجھی جائے گی۔ اسی طرح اگر کسی صحابی کا اپنا عمل اس کی اپنی روایت کے خلاف ہو تو ظاہر ہے کہ صحت اسناد کے باوجود اعتماد روایت میں کچھ کمی ضرور آئے گی۔ اس وقت اس اصول پر بحث کرنا مقصود نہیں، موضوع حدیث کے عنوان میں اس پر ہم کچھ بحث کر آئے ہیں۔ یہاں بتلانا صرف یہ ہے کہ قبولیت روایت میں اصل الاصول ہمیشہ اعتماد رہا ہے اور اسے کسی قیمت پر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی ایک جگہ لکھتے ہیں :-

راوی الحدیث اعرف بالمراد به من غیرہ ولاسیما الصحابی المجتهد[1]

ترجمہ۔ حدیث کا راوی اس کی مراد کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔ خصوصاً جب کہ وہ صحابی مجتہد ہو۔

کوئی بات نقل میں رہ جائے تو موجب قدح نہیں

صحابہ کرامؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی حدیث نقل کرتے تو بعض اوقات یوں بھی ہوتا کہ بعض مضامین حدیث روایت کر دیتے اور کچھ باتیں رہ بھی جاتیں، جو دوسرے صحابہؓ کے ہاں یا انہی صحابہ کی کسی دوسری روایت میں مل جاتیں۔ یہ بعض مضامین کا رہ جانا اس پہلو سے کبھی نہ ہوا تھا کہ وہ بعض اجزاء باقی حدیث کے معنی پر اثر انداز ہوں۔ بلکہ ہر حصہ مضمون اپنی جگہ مستقل حیثیت سے روایت ہوتا تھا۔

سو ائمہ حدیث اس پر متفق رہے ہیں کہ روایت حدیث میں کسی بات کا نقل سے رہ جانا باقی روایت میں موجب قدح نہیں ہے۔ امام زہریؒ (۱۲۴ھ) حدیث افک کے واحد راوی ہیں، جو مختلف تابعین کرامؒ سے حضرت عائشہ صدیقہؓ کی حدیث نقل کرتے ہیں اور فرماتے ہیں:۔

کلهم حدثنی طائفة من حدیثها[2]

"کہ ان راویوں نے حدیث افک کے کسی حصہ کو میرے سامنے بیان کیا ہے"

امام زہری تصریح نہیں کرتے کہ کون سا حصہ کن راویوں نے بیان کیا ہے۔ لیکن یہ راوی چونکہ سب کے سب ثقہ ہیں، اس لئے یہ جانے بغیر کہ کس راوی نے کیا کیا کہا ہے۔ پوری

---

[1] فتح الباری جلد ۱ ص ۴۴۵ [2] صحیح مسلم جلد ۲ ص ۳۶۴

حدیث بالاتفاق قبول کرلی گئی ہے اور ساری حدیث صحیح تسلیم کرلی گئی ہے۔ امام نووی (۶۷۶ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

هذا الذی فعله الزهری من جمعه الحدیث عنهم جائز لا منع منه ولا کراهة فیه لانه قد بین ان بعض الحدیث عن بعضهم و بعضه عن بعضهم وهؤلاء الاربعة ائمة حفاظ ثقات من اجل التابعین فاذا ترددت اللفظة من هذا الحدیث بین کونها عن هذا او ذاك لم یضر جاز الاحتجاج بها لانهما ثقتان وقد اتفق العلماء علی انه لو قال حدثنی زید او عمرو وهما ثقتان معروفان بالثقة عند المخاطب جاز الاحتجاج به[1]

ترجمہ: یہ طریقہ جو زہری نے جمع حدیث میں اختیار کیا ہے جائز ہے ممنوع نہیں اور اس میں کوئی ناپسندیدگی نہیں۔ یہ بیان ہو چکا ہے کہ حدیث کا کچھ حصہ ان میں سے کسی سے ہے اور کچھ حصہ دوسروں سے ہے اور یہ چاروں تابعین حفاظ حدیث اور اپنے فن کے امام ہیں۔ اگر اس میں کچھ تردد رہا ہے کہ یہ لفظ اس راوی کی روایت سے ہے یا اس راوی کی روایت سے۔ تو اس میں کوئی حرج نہیں اس سے احتجاج جائز ہے۔ کیوں کہ وہ دونوں ثقہ ہیں اور علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ اگر ایک شخص کہے مجھے یہ حدیث زید نے بتائی یا عمرو نے اور وہ دونوں ثقہ ہیں۔ مخاطب کے ہاں معروف ہیں تو اس سے حجت پکڑنا اور احتجاج کرنا جائز ہے۔

افقہ راویوں کی روایت کو ترجیح

محدثین میں اس پر بھی کلام رہا ہے کہ روایت کی ترجیح راویوں کی قوت حفظ پر ہونی چاہیئے یا اس میں ان کی فقاہت بھی سبب ترجیح ہو سکتی ہے۔ ایک شخص حفظ و یاد داشت میں زیادہ معروف ہے اور دوسرا علم و دانش میں گہرائی رکھتا ہے تو کس کی روایت ان میں سے زیادہ

---

[1] شرح مسلم للنووی جلد ۲ صفحہ ۳۶۴

لائق ترجیح ہو گی ؟

محدثین میں روایت بالمعنیٰ کا رواج نہ ہوتا تو ظاہر ہے کہ ترجیح قوتِ حفظ کی بنا پر ہوتی لیکن روایت بالمعنیٰ کا شیوع اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ راوی جتنا گہرا عالم اور فقیہہ ہو گا۔ اتنا ہی بات کے مغز کو زیادہ پائے گا اور یہ نہ ہو گا کہ وہ روایت بالمعنیٰ کی صورت میں بات اور کچھ کہہ جائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

نضر الله امرأ سمع منا شيئا فبلغه كما سمعه فرب مبلغ اوعى له من سامع۔[1]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز کرے جس نے ہماری کوئی حدیث سُنی۔ اور اسے اسی طرح آگے پہنچا دیا جیسا کہ اس نے سُنا تھا۔ کیونکہ آگے سننے والے کئی ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسے اسی سننے والے سے زیادہ محفوظ رکھ سکیں۔

اوعیٰ (زیادہ حفاظت کرنے والا) سے مراد اسے زیادہ سمجھنے والا ہے۔ جتنا راوی فقیہہ ہو گا اتنا ہی وہ اس مضمون کو زیادہ سنبھالنے والا ہو گا۔ اور اس کی تائید حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کی ہی ایک دوسری روایت سے ہوتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

فرب حامل فقه الى من هو افقه منه[2]

ترجمہ۔ ایسے کئی حامل فقہ ہیں جو اس بات کو اس شخص تک لے جائیں جو ان سے زیادہ اس بات کو سمجھتے ہوں۔

معلوم ہوا کہ جتنا کوئی راوی زیادہ فقیہہ ہو گا اتنا ہی مقصدِ حدیث کو زیادہ پانے والا ہو گا۔ امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) حدیث کی فقہ کو اس کے حفظ سے زیادہ اہم سمجھتے تھے۔ امام علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) بھی فقہ حدیث کو ہی سب سے اشرف علم شمار کرتے تھے۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :۔

قال احمد بن حنبل معرفة الحديث والفقه فيه احب الى من حفظه وقال علي بن المديني اشرف العلم الفقه في متون الاحاديث ومعرفة احوال الرواة۔[3]

---

[1] رواہ الترمذی عن ابن مسعودؓ (مشکوٰۃ ص۳۵)، [2] رواہ الشافعی والترمذی وابوداؤد وابن ماجہ والدارمی والبیہقی فی المدخل
[3] منہاج السنۃ جلد ۴ ص۱۱۵

ترجمہ۔ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں حدیث اور فقہ کی معرفت مجھے اس کے حفظ سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ امام علی بن المدینی کہتے ہیں میں سب سے اشرف علم متون حدیث اور احوال رواۃ کی معرفت میں فقہ کو کارفرما کرنا ہے۔

غور کیجئے ان ائمہ فن نے فقہ اور حدیث کے معنی و مضمون کو کس قدر اہمیت دی ہے۔
امام ابوحنیفہؒ اس بات کے پُرجوش حامی تھے۔ کہ مدار ترجیح راویوں کی فقاہت ہونی چاہیئے۔ جتنا کوئی راوی زیادہ افقہ ہوگا اتنی ہی اس کی روایت کو ترجیح ہوگی۔ امام اہل شام امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سے امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) کی رفع الیدین عندالرکوع کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ تو امام اوزاعیؒ نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی یہ حدیث پڑھی:۔

حدثنی الزهری عن سالم عن ابیه عبد الله بن عمر بن الخطاب ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان یرفع یدایه حذاء منکبیه اذا افتتح الصلوٰة وعند الرکوع وعند الرفع منه

ترجمہ۔ زہری نے مجھے سالم سے انہوں نے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مجھے حدیث سنائی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت اپنے کندھوں کے برابر رفع یدین کرتے اور رکوع کے وقت بھی اور رکوع سے اٹھتے بھی۔

اس پر حضرت امام ابوحنیفہؒ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی یہ حدیث پڑھ دی۔

حدثنا حماد عن ابراهیم النخعی عن علقمه والاسود کلاهما عن ابن مسعود ان رسول الله صلی الله علیه وسلم کان لا یرفع یدیه الا عند افتتاح الصلوٰة ولا یعود لشیء من ذلك۔

ترجمہ۔ حماد نے ابراہیم نخعی سے انہوں نے حضرت علقمہ اور اسودؒ سے اور ان دونوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے یہ حدیث سنائی کہ نبی کریمؐ صرف نماز کے شروع میں رفع یدین کرتے تھے کسی دوسرے مقام پہ رفع یدین نہ کرتے تھے۔

اس پر امام اوزاعیؒ نے کہا:۔

احدثك عن الزهري عن سالم عن عبد الله وتقول حدثني حماد عن ابراهيم۔
ترجمہ: میں تمہیں زہری سے وہ سالم سے وہ عبد اللہ بن عمر سے حدیث سنا رہا ہوں اور تم مجھے حماد سے لو ۔ وہ ابراہیم سے حدیث سنا رہے ہو؟
اس کے جواب میں امام ابو حنیفہؒ نے کہا ۔
کان حماد افقه من الزهري وكان ابراهيم افقه من سالم وعلقمه ليس بدون ابن عمر في الفقه وان كانت لابن عمر صحبة وعبد الله هو عبد الله[1]۔
ترجمہ: حضرت حماد امام زہری سے زیادہ فقیہہ تھے حضرت ابراہیم نخعی حضرت سالم سے زیادہ فقیہہ تھے اور علقمہ فقہ میں حضرت ابن عمر سے کم نہیں ۔ اگرچہ حضرت ابن عمر کو صحابیت کا جو شرف حاصل ہے وہ علقمہ کو نہیں ۔ باقی رہے حضرت عبد اللہ بن مسعود تو وہ عبد اللہ بن مسعود ہیں ۔

ثقہ راوی ضعف عمر کے باعث اگر یاد نہ رکھ سکے ۔

قبول روایت میں جب اصل الاصول اعتماد ہے تو پیرانہ سالی میں جب حافظہ قوی نہ رہے تو ثقہ راویوں کی اس دور کی روایت پھر سے زیر بحث آجائے گی ۔ محدثین فن حدیث میں اس درجہ محتاط رہے ہیں کہ انہوں نے ثقہ راویوں کی روایات میں بھی اوّل دور اور آخری دور کو ملحوظ رکھا ہے ۔ اور تو اور صحابہ کرامؓ بھی اس عمر میں روایت نقل کرنے سے جہاں تک ہو سکے احتراز کرتے تھے ۔ حضرت زید بن ارقمؓ (۶۶ ھ) اپنے اس دور کا یوں ذکر کرتے ہیں ۔
والله لقد كبرت سني وقدم عهدي ونسيت بعض الذي كنت اعي من رسول الله صلى الله عليه وسلم فما حدثتكم فاقبلوه وما لا فلا تكلفونيه[2]
(ترجمہ) اے بھتیجے میں اب بوڑھا ہو چکا ہوں اور میرا وقت آپہنچا ہے اور میں بعض باتیں جو حضور کی مجھے یاد تھیں بھول چکا ہوں سو میں جو خود بیان کروں وہ تو لے لیا کرو اور از خود مجھ سے نہ پوچھا کرو مجھے روایت کرنے کی تکلیف نہ دو ۔

---

[1] دیکھئے سند الانام فی شرح مسند الامام صـ۱۹/۲ مطبع محمدی لاہور [2] صحیح مسلم جلد ۲ صـ ۲۷۹ ۔

تصحیح روایت میں محدّثین پر اعتماد

محدّثین میں حدیث کی تصحیح کے دو نوں طریقے رائج رہے ہیں۔ ① راویوں کی ثقاہت ان کے باہمی اتصال اور شذوذ و نکارت سے سلامتی معلوم کر کے بھی کسی حدیث کو صحیح کہہ سکتے ہیں۔ ② کبھی ان تفصیلات میں جائے بغیر اکابر علمائے فن کی تصحیح پر اعتماد کر کے بھی کسی حدیث کو صحیح کہا جا سکتا ہے۔ قبولیت روایت میں اصل الاصول اعتماد ٹھہرا تو جس طرح سے بھی یہ اعتماد حاصل ہو سکے روایت قابلِ قبول ہو جاتی ہے۔

ہر فن میں اکابر فن کی تقلید کی جاتی ہے۔ اس سے انسان اسی وقت نکلتا ہے جب خود براہِ راست راویوں کی جانچ پڑتال کر سکے اور اس کی جملہ طرق پر نظر ہو سکے۔ اس کے بغیر اعتماد سے چارہ نہیں۔ اس اعتماد کو بھی علم کی ہی ایک شان سمجھنا چاہیئے۔ تقلید سے مراد دوسرے کے علم پر اعتماد کرتے ہوئے اس کی دلیل مانگے بغیر اس کی بات کو قبول کرنا ہے۔ جس بات میں خود مضبوط علم حاصل نہ ہو تقلید سے چارہ نہیں۔ ہاں جب کسی بات کی براہِ راست تحقیق ہو جائے اور اس میں کوئی شک اور دغدغہ نہ رہے۔ تو پھر تقلید درست نہیں۔ لیکن جب تک راویوں کا پورا علم خود حاصل نہ ہو۔ محدّثین کرام جو ائمہ فن ہیں ان کی تصحیح اور ان کی تضعیف سے بھی علماء، حدیث کسی روایت کو صحیح یا ضعیف کہہ سکتے ہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ) جرح و تعدیل کے جلیل القدر امام ہیں۔ آپ اس اعتماد کے یہاں تک قائل تھے کہ اسے الہام کا درجہ دیتے تھے۔ جس طرح الہام کی خارج میں کوئی دلیل نہیں ہوتی۔ ایک وجدان ہے جو اندر ہی اندر لو تار ہتا ہے۔ اسی طرح محدّثین کرام کو فن کے کمال سے جو ذوق و وجدان ملتا ہے اس پر وہ بعض حدیثوں کو راویوں کی ثقاہت اور سند کے اتصال کے باوجود قبول نہیں کرتے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ) کہتے ہیں:-

ومعرفة الحديث الهام فلو قلت للعالم لعلل الحديث من اين قلت هذا؟ لم يكن له حجة[1]

---

[1] معرفة علوم الحديث للحاكم صـ۱۱۳

ترجمہ۔ حدیث کی معرفت ایک الہامی چیز ہے جو دل میں اُترتی ہے۔ اگر میں علل حدیث کے کسی عالم سے کہوں کہ تم یہ بات کہاں سے کہہ رہے ہو تو اس کے پاس اس کا جواب نہ ہوگا۔

حافظ شمس الدین الذہبی لکھتے ہیں:۔

اذا العمدة فی زماننا لیس علی الرواة بل علی المحدثین والمعنیدین الذین عرفت عدالتهم وصدقهم فی ضبط اسماء الساًمعین۔[1]

ترجمہ۔ ہمارے پاس اس دور میں (تحقیق حدیث میں) اعتماد راویوں پر نہیں کیا جاسکتا بلکہ محدثین اور اساتذہ پر ہے اور ان لوگوں پر جن کی عدالت اور سچائی راویان حدیث کے ناموں کو یاد رکھنے میں جانی پہچانی جاچکی ہے۔

جب تک راویان حدیث اپنی سند سے حدیثیں روایت کرتے رہے تحقیق حدیث کا طریق راویوں کی جانچ پڑتال ہی رہا لیکن جب سند والی کتابیں مدون ہو چکیں اور اس جمع شدہ ذخیرے سے ہی حدیث آگے چلی تو اس دور میں علیحدہ علیحدہ راویوں کی جانچ پڑتال کے ساتھ حاذق محدثین کی تحقیق اور اکابر اساتذہ فن کا ذوق بھی ساتھ instinct چلنے لگے تو اب راویوں کی بجائے اساتذہ فن کے فیصلوں پر اعتماد حقیقت کے زیادہ قریب دکھائی دیتا ہے۔

معلوم ہوا کہ علل حدیث میں اکابر فن پر اعتماد کے بغیر طلبہ حدیث آگے نہیں چل سکتے۔ یہاں اہل فن کی تقلید سے چارہ نہیں۔ ہر شخص کا ذوق اس درجے میں پختہ نہیں ہوتا۔ کہ محض راویوں کے حالات جان کر پوری سند اور پوری حدیث پر وہ کوئی حکم لگا سکے۔ حافظ جلال الدین السیوطی لکھتے ہیں:۔

ان الجرح انما جرز فی الصدر الاول حیث کان الحدیث یوخذ من صدور الاحبار لا من بطون الاسفار فاحتیج الیه ضرورة للذب من الاثار ومعرفة المقبول والمردود من الحدیث والاخبار واما الان فالعمدة علی الکتب المدونة۔[2]

---

[1] میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۴ [2] الکادی فی تاریخ السخاوی کما فی الرفع والتکمیل صفحہ ۵

ترجمہ۔ راویوں پر جرح کرنا پہلے دور میں اس لیئے جائز رہا کہ حدیث علماء کے سینوں سے لی جاتی تھی نہ کہ کتابوں کے اوراق سے۔ سو اس کی ضرورت رہی تاکہ آثار کی حفاظت کی جا سکے اور احادیث و اخبار میں مقبول و مردود کو پہچانا جا سکے۔ لیکن اب اعتماد کتب مدونہ پر ہونا چاہیئے

امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کی کتاب کتاب العلل ومعرفۃ الحدیث، امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) کی کتاب العلل اور ابن ابی حاتم کی کتاب الجرح والتعدیل اس سلسلہ کی بہت مفید کتابیں ہیں۔ امام احمدؒ کی یہ کتاب انقرہ سے اور ابن ابی حاتم کی یہ کتاب حیدرآباد دکن سے شائع ہوئی ہے

ایک موضوع پر دو حدیثیں مروی ہوں، راوی ہر دو کے ثقہ ہوں اور اتصال رواۃ بھی اپنی جگہ قائم ہو اور سند صحیح ہے تو ایسے موقعوں پر محدثین علل روایت میں چلے جاتے ہیں علت کا پا لینا ایک بڑی علمی مرتبہ ہے۔ عبدالرحمٰن بن مہدی اس کو الہام الٰہی سے تعبیر کرتے تھے، پھر بھی کوئی حل نہ ملے تو ترجیح و تطبیق کی راہ لینے سے چارہ نہیں۔

ترجیح و تطبیق میں ائمہ کے مختلف اسلوب

شریعت تدریجاً تکمیل کو پہنچی ہے کئی امور جو پہلے جائز یا ناجائز تھے بعد میں ناجائز اور جائز قرار پائے سو اگر کسی موضوع پر متضاد روایات ملیں تو پہلے جو بات ذہن میں آتی ہے یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک حکم پہلے دور کا ہوگا جو اب منسوخ ہو چکا یہ اس صورت میں ہے کہ دونوں کی تاریخ معلوم ہو سکے اور اگر عقلاً دونوں میں سے کسی کو آگے پیچھے کیا جائے تو یہ نسخ اجتہادی ترجیح کے بعد لائق غور ہوگا

نسخ کی بات نہ کھلے تو پھر راجح کو دیکھا جائے وجوہ ترجیح سامنے آنے سے ایک بات خود بخود ذکر ہو دکھائی دینے لگے گی ترجیح نہ دے سکیں تو نسخ اجتہادی سے کام لیں اسکے بعد تطبیق کی راہ ہے کہ ہر ایک کو جدا محل پر محمول کیا جائے پھر بھی بات نہ بنے تو دونوں کو رہنے دیا جائے اور تساقط پر فیصلہ کر لیا جائے حنفیہ کے ہاں پہلے نسخ پھر ترجیح پھر تطبیق اور پھر تساقط کی ترتیب ہے شافعیہ کے ہاں پہلے تطبیق پھر ترجیح پھر نسخ اور پھر تساقط کا عمل ہوگا

واذا تعارض الحدیثان ففی کتب الشافعیۃ یعمل بالتطبیق ثم بالترجیح ثم بالنسخ ثم بالتساقط وفی کتبنا یوخذ اولاً بالنسخ ثم بالترجیح ثم بالتطبیق ثم بالتساقط العرف الشذی ص ۴۳

متون و اسانید

حدیث کی سب بڑی بڑی کتابیں صحاح ستہ ہوں یا مسند احمد، المصنف لعبد الرزاق، المصنف لابن ابی شیبہ، شرح معانی آثار و مشکل الآثار للطحاوی، مستدرک حاکم، سنن کبرےٰ بیہقی وغیرہ اور دیگر کئی سنن و مسانید اور معاجم وغیرہ صرف احادیث text پر مشتمل نہیں۔ ان کی اسانید chain of transmitters کو بھی ساتھ لیئے ہوئے ہیں۔ صاحب کتاب اپنے سے لے کر اُوپر تک راویوں کا ایک سلسلہ بیان کرتا ہے اور کہتا ہے ان رواۃ کے ذریعہ یہ حدیث مجھ تک پہنچی ہے۔ حدیث کے طلبہ اس سند سے گزرنے کے بعد ہی اصل حدیث تک رسائی پاتے ہیں۔ اگر یہ نقل کرنے والے ثقہ اور معتمد علیہ ہوں تو حدیث لائق اعتماد ہو جاتی ہے اور یہ کمزور ہوں تو روایت کمزور ٹھہرتی ہے۔

راویوں کا نام دینے میں ایک یہ حکمت بھی تھی کہ جن لوگوں پر ان راویوں کے حالات زیادہ کھلے ہوں اُن کے لیئے ان راویوں کی مزید جانچ پڑتال کا دروازہ کھلا رہے ہو سکتا ہے کہ کسی راوی حدیث کے حالات خود صاحب کتاب پر نہ کھلے ہوں یا کھلے ہوں مگر کچھ پہلو مخفی رہ گئے ہوں اور وہ کسی اور شخص پر کھل جائیں جسے اس سے کسی اور جہت سے بھی واسطہ پڑا ہو۔

جرح و تعدیل

رواۃ حدیث کے حالات کو جاننا اور انہیں جان کر ان کی روایات کو قبول کرنا یا نہ کرنا ضروری ہے چونکہ ان کی روایت سے دین میں ایک چیز ثابت ہو گی۔ اس لیئے ضروری ہے۔ کہ وہ خود قابل اعتماد ہوں۔ ورنہ شریعت میں اپنی طرف سے اضافہ کرنا ایک بڑا خطرناک اقدام ہو گا۔ اس اہم شرعی ضرورت کے لیئے راوی کے عیب معلوم کرنا اور انہیں آگے بیان کرنا اس غیبت میں شمار نہ ہوگا جسے شریعت نے حرام قرار دیا ہے۔ راویوں کے نقائص بیان کرنا جرح کہلاتا ہے اور ان کی صفائی پیش کرنے کو تعدیل کہتے ہیں۔ کسی راوی پر جرح کرنے والے کون کون ہیں اور ان کے پاس وجوہ جرح کیا کیا ہیں اور تعدیل کرنے والے کون کون سے ہیں۔ وہ کس

مرتبے کے لوگ ہیں۔ یہ وہ امور ہیں جن سے جرح وتعدیل میں بحث ہوتی ہے۔

معلوم رہے کہ جس طرح پہلے دور میں ایک ایک راوی کی پڑتال کی جاتی تھی۔ اس دور میں اب اس درجے کی محنت ضروری نہیں رہی۔ اب ہم ائمہ فن پر اعتماد کرتے ہوئے بھی کسی حدیث کا صحیح حکم معلوم کر سکتے ہیں۔

ائمہ جرح وتعدیل

وہ محدثین کرام جنہوں نے راویوں کے حالات جاننے اور ان کے مراتب پہچاننے میں وقت لگایا اور تحقیق حدیث میں تحقیق رواۃ ان کا خاص فن ٹھہرا انہیں ائمہ جرح وتعدیل کہا جاتا ہے۔ ان کا صحیح تعارف ائمہ حدیث کے عنوان کے تحت آئے گا۔ اس وقت صرف یہ کہنا کافی ہوگا۔ کہ راویوں کے حالات میں زیادہ تر جن اماموں کے نام آتے ہیں۔ ان میں یہ حضرات زیادہ معروف ہیں۔ امام شعبہ (۱۶۰ھ) امام وکیع (۱۹۷ھ) عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۹۸ھ) سفیان (۱۹۸ھ) یحیٰی بن سعید القطان (۱۹۸ھ) یحیٰی بن معین (۲۳۳ھ) علی بن المدینی (۲۳۴ھ) امام نسائی (۳۰۳ھ)۔

الفاظ الجرح والتعدیل

محدثین میں راویوں کی جرح وتعدیل کے لیئے مختلف الفاظ رائج تھے اور ان الفاظ سے ہی ہر ایک ہی جرح کا وزن معلوم ہوتا تھا۔ جس درجے میں کوئی راوی کمزور ہو اس کے مطابق ہی اس کے لیئے جرح کے الفاظ آتے ہیں۔ پہلے ہم الفاظ تعدیل ایک تدریج سے نقل کرتے ہیں۔ پھر الفاظ جرح ایک تدریج سے پیش کریں گے۔ جرح وتعدیل میں ائمہ کے اختلافات بھی ہیں۔ سو ان سے استفادہ اس فن کو جاننے سے ہی ہو سکتا ہے۔

تعدیل کے مختلف درجات

(۱) — ثبتٌ حجۃٌ ، ثبتٌ حافظٌ ، ثبت متقنٌ ، ثقۃ ثقۃ

(۲) — ثقۃٌ ، ثبت (۳) — صدوقٌ ، لا بأس بہ۔

④ —— محلہ الصدق، جید الحدیث، صالح الحدیث۔

جرح کے مختلف درجات

① دجال، کذاب، وضاع، یضع الحدیث۔
② متہم بالکذب۔
③ متروک، لیس بالثقۃ، سکتوا عنہ، ذاہب الحدیث، فیہ نظر۔
④ ضعیف جدًا، ضعفوہ، واہٍ۔
⑤ لیس بالقوی، ضعیف، لیس بحجۃ، لیس بذاک، لین، سیئ الحفظ، لایحتج بہ۔

ان درجات میں پہلے اعلیٰ درجے کی تعدیل اور سخت درجے کی جرح ہے۔ پھر آہستہ آہستہ ان میں تدریجی کمزوری آتی گئی ہے۔ جس راوی کے بارے میں دونوں طرف سے (تعدیل اور جرح دونوں کے) الفاظ وارد ہوں۔ تو جرح وتعدیل دونوں کو سامنے لانا چاہیئے۔ حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) فرماتے ہیں:۔

ظلم لاخیك ان تذکر اسوأ ما تعلم وتکتم خیرہ۔[1]

ترجمہ: تیرے بھائی پر یہ تیرا ظلم ہوگا کہ اس کی کوئی بری بات جسے تو جانتا ہو اُسے تو ذکر کرے اور اس کی اچھی بات جو تجھے معلوم ہو اسے تو چھپالے۔

لم یصح میں وضع نہیں

اگر کسی حدیث کے بارے میں لم یصح کے الفاظ وارد ہوں تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ حدیث ضعیف یا موضوع ہے ہو سکتا ہے حسن ہو یا ضعیف ہو۔ من گھڑت (موضوع) نہ ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

لایلزم من کون الحدیث لم یصح ان یکون موضوعًا۔[2]

ترجمہ: کسی حدیث کے بارے میں لم یصح (یہ حدیث ثابت نہیں ہوئی) کہنے سے لازم

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۹ صفحہ ۲۷۵ [2] القول المسدد فی الذب عن مسند احمد صفحہ ۳۹

نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہو۔

ان قول السخاوی لا یصح لاینافی الضعف والحسن۔[۱]

ترجمہ۔ سخاوی کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ اس حدیث کے ضعیف یا حسن ہونے کے منافی نہیں۔

ہاں ایسی کتاب جس میں موضوع روایات کا بیان ہو۔ اس میں لم یصح کے الفاظ واقعی اس کے حسن اور ضعیف ہونے کی بھی نفی کر دیتے ہیں لم یصح کے بعد اگر اس کا کسی درجے میں اثبات نہ ہو تو اس کا مطلب واقعتہً ہوتا ہے کہ وہ روایت موضوع ہو۔

جرح وہی لائق قبول ہے جس کا سبب معلوم ہو۔

کسی کے بارے میں نیک گمان کرنے کے لیئے دلیل کی ضرورت نہیں۔ لیکن بدگمانی کے لیئے دلیل ہونا لازمی ہے۔ بغیر دلیل کے کسی مسلمان کو برا سمجھنا یا ناقابل شہادت سمجھنا گناہ ہے۔ جس راوی پر جرح کی گئی ہو اور اس جرح کا سبب بھی معلوم ہو اور وہ راوی واقعی اس سبب کا مورد ہو تو وہ جرح معتبر ہو گی اور کسی ایسے راوی کی روایت متروک کی جا سکے گی۔ ملا علی قاری علیہ رحمۃ ربہ الباری لکھتے ہیں:۔

التجریح لایقبل مالم یبین وجھہ بخلاف التعدیل فانہ یکفی فیہ ان یقول عدل او ثقۃ مثلاً۔[۲]

ترجمہ۔ وہ جرح جس کی وجہ واضح نہ ہو لائق قبول نہیں بخلاف تعدیل کے کہ اس میں راوی کو عادل یا ثقہ جیسے الفاظ سے ذکر دینا ہی کافی ہے۔

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے کتنے راوی ہیں جن پر جرح کی گئی ہے۔ جیسے عکرمہ مولی ابن عباس، اسماعیل بن ابی ادریس، عاصم بن علی، عمرو بن مرزوق، سوید بن سعید وغیرہم۔ مگر چونکہ وہ جرح مفسر اور مبین السبب نہ تھی۔ اس لیئے شیخین نے اسے قبول نہیں کیا۔ حافظ ابن صلاح (۶۴۳ھ) لکھتے ہیں:۔

وھکذا فعل ابوداود السجستانی و ذلک دال علی انھم ذھبوا الی ان الجرح

---

[۱] تذکرۃ الموضوعات صہ ۸۲ [۲]

لا يثبت الا اذا فسر سببه[1]

ترجمہ۔ ابوداؤد السجستانی نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ محدثین اسی طرف گئے ہیں کہ جب تک سبب جرح کی تفصیل نہ کی جائے۔ جرح ہرگز ثابت نہیں ہوتی ـــــــ امام نووی (۶۷۶ھ) لکھتے ہیں:۔

لا يقبل الجرح الا مفسرًا مبين السبب[2]

ترجمہ۔ جرح لائق قبول نہیں جب تک کہ اس کی تشریح واضح نہ ہو اور سبب جرح واضح نہ ہو۔

حافظ ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ھ) جن کے بارے میں فقہاء لکھتے ہیں۔ کہ اجتہاد کے درجہ پر پہنچے ہوئے تھے۔ لکھتے ہیں:۔

اکثر الفقهاء ..... ومنهم الحنفية ..... والمحدثين على انه لا يقبل الجرح الا مبيّنا لا التعديل۔[3]

ترجمہ۔ اکثر فقہاء اور ان میں حنفیہ بھی ہیں اور محدثین سب اسی کے قائل ہیں۔ کہ جرح جب تک واضح نہ ہو لائق قبول نہیں۔ تعدیل کے بارہ میں یہ قید نہیں ہے۔

یہ صحیح ہے کہ تعدیل کے لیئے سبب کی ضرورت نہیں۔ لیکن یہ ضروری ہے کہ تعدیل کرنے والا کوئی عامی آدمی نہ ہو۔ اس باب میں عالم معرفت رکھنے والا منصف اور ناصح قسم کا آدمی ہونا چاہیئے۔ بحر العلوم (۱۲۲۵ھ) مسلّم الثبوت کی شرح میں رقمطراز ہیں:۔

لابد للمزكى ان يكون عدلا عارفا باسباب الجرح والتعديل وان يكون منصفا ناصحا۔[4]

ترجمہ۔ تزکیہ اور تعدیل کے مدعی کے لیئے یہ ضروری ہے کہ وہ عادل ہو اسباب جرح و تعدیل کو جاننے والا ہو اور انصاف پسند اور خیر خواہ قسم کا آدمی ہو۔

حافظ بدر الدین العینی (۸۵۵ھ) شرح ہدایہ میں لکھتے ہیں:۔

الجرح المبهم غير مقبول عند الحذاق من الاصوليين۔[5]

ترجمہ۔ جرح مبہم سمجھ دار علمائے اصول کے ہاں مقبول نہیں۔

---

[1] فتح الملہم جلد ۱ صـ ۶۹ [2] تقریب نووی صـ ۲۰۲ مع التدریب [3] رد المحتار جلد ۳ صـ [4] التحریر صـ ۲۲۳ [5] فواتح الرحموت صـ [6] البنایہ جلد ۵ صـ

یاد رہے کہ جرح کی وجوہ وہیں تلاش کی جائیں گی جہاں اس کے مقابلے میں کوئی تعدیل موجود ہو لیکن جس راوی کے بارے میں کوئی تعدیل نہ ملے تو اس کے بارے میں جرح مبہم بھی قبول کرلی جائے گی اور جارح سے سبب کا مطالبہ نہ کیا جائے گا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

اذا اختلف العلماء فی جرح رجل وتعدیله فالصواب التفصیل فان کان الجرح والحالة هذه مفسرا قبل والا عمل بالتعدیل فاما من جهل ولم یعلم فیه سوی قول امام من ائمة الحدیث انه ضعیف او متروك او نحو ذلك فان القول قوله ولا نطالبه بتفسیر ذلك۔[1]

ترجمہ۔ علماء جب کسی شخص کی جرح وتعدیل کے بارے میں مختلف رائے رکھتے ہوں تو صحیح راہ یہ ہوگی کہ اس کی تفصیل کی جائے۔ اگر جرح کی وجہ معلوم ہو تو اسے قبول کیا جائے گا، بصورت دیگر تعدیل پر عمل ہوگا۔ ہاں جو راوی مجہول ہو اور اس کے بارے میں کسی امام حدیث کے اس قول کے سوا کہ وہ ضعیف ہے یا متروک ہے یا اسی قسم کا اور کوئی لفظ ہو کوئی اور بات معلوم نہ ہو تو اس امام حدیث کی بات لائق تسلیم ہوگی اور ہم اس سے وجہ جرح کا مطالبہ نہ کریں گے۔
حافظ ابن عبدالبر مالکی ابوعبداللہ المروزی سے نقل کرتے ہیں:۔

کل رجل ثبتت عدالته بروایة اهل العلم عنه وحملهم حدیثه فلن یقبل فیه تجریح احد جرحه حتی یثبت ذلك علیه بامر یجهل ان یکون جرحه فاما قولهم فلان کذاب فلیس مما یثبت به جرح حتی یتبین ما قاله۔[1]

ترجمہ۔ ہر شخص جس کی عدالت اہل علم کے اس سے روایت لینے سے ثابت ہو اور وہ اس سے حدیث روایت کرتے ہوں تو اس کے بارے میں کسی کی جرح قبول نہ کی جائے گی جب تک کہ یہ ثابت نہ ہو جائے کہ اس کی وجہ جرح مخفی رہی تھی۔ صرف یہ کہنا کہ فلاں شخص کذاب ہے تو اس سے جرح ثابت

---

[1] ...
[1] التمہید جلد دوم ص۲۳، ص۲۴

نہیں ہوتی جب تک کہ دعویٰ جرح واضح نہ ہو۔

جرح تعدیل پر مقدّم ہے

تعدیل کے لیئے بے شک نیک گمان کافی ہے لیکن جرح کے لیئے سبب اور دلیل کا ساتھ ہونا ضروری ہے. ظاہر ہے کہ اس صورت میں جارح (جرح کرنے والے) کے پاس معلومات زیادہ ہوں گے. اگر وہ معلومات صحیح ہیں تو جرح تعدیل پر مقدم ہوگی. جرح کے وجوہ اگر معقول ہیں تو اسے ہر صُورت میں تعدیل پر مقدم کیا جائے گا. گو معدلین کی تعداد زیادہ ہی کیوں نہ ہو. اکثریت کی تعدیل سے وجوہ جرح غلط نہیں ہو جاتے. گو ان کا مدعی ایک ہی ہو بشرطیکہ اس کے پاس اس کی دلیل یا سبب موجود ہو۔

امام فخر الدین رازی (۶۰۶ھ) حافظ ابن صلاح (۶۴۳ھ) علامہ آمدی (ھ) اور علامہ ابن حاجب کی یہی رائے ہے کہ جرح تعدیل پر مقدم ہے۔

لیکن اگر جرح اس امام یا محدث سے منقول ہو۔ جو علماء فن کے ہاں جرح کرنے میں متشدد اور متعنت سمجھے جاتے ہوں تو فقط ان کی جرح سے ہم کسی راوی کو مجرُوح نہ کر سکیں گے ضروری ہو گا کہ کوئی اور جارح بھی اس کا ہمنوا ہو اور ان جارحین کے پاس اس کا کوئی واقعی سبب موجود ہو. وہ کون کون سے امام ہیں جن کے ہاں جرح میں شدّت ہے. اس کا بیان آگے آئے گا.

نوٹ

کبھی جرح مفسر پر بھی تعدیل مقدم ہو جاتی ہے. مثلاً یہ کہ جارح خود اس باب میں مجروح ہو یا اس وجہ سے کہ وہ جرح دوسرے وجوہ سے رد ہو چکی ہے ——— اس صُورت میں تعدیل مقدم سمجھی جائے گی.

متشدّد کی جرح اکیلے کافی نہیں۔

جن ائمہ کا جرح کرنے میں تشدد و تعنت ہو ان کی تعدیل و توثیق بہت وزن رکھتی ہے۔

لیکن ان کی جرح زیادہ وزن نہیں رکھتی ہے. سو کسی راوی پر محض ان کی جرح سے فیصلہ ضعف نہ کر لیا جائے. متشدد کی جرح اکیلے کافی نہیں ہوتی. جب راوی پر کسی متشدد کی جرح ہو. اس کی جرح کا حال دوسرے ائمہ سے معلوم کرنا چاہیئے.

ناقدین کے پہلے طبقے میں شعبہ (۱۶۰ھ) اور سفیان الثوری (۱۶۱ھ) کو لیجیئے. شعبہ کو امیر المؤمنین فی الحدیث ہیں. مگر جرح میں ذرا سخت ہیں. پھر یحیٰی بن سعید القطان (۱۹۸ھ) اور عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۹۸ھ) کو لیجیئے. یحیٰی میں سختی اور تشدد ملے گا. پھر یحیٰی بن معین (۲۳۳ھ) اور امام احمد (۲۴۱ھ) کو لیجیئے. جو سختی یحیٰی بن معین کرتے ہیں امام احمد نہیں کرتے. پھر امام نسائی (۳۰۳ھ) اور ابن حبان (۳۵۴ھ) کو دیکھیئے. امام نسائی ذرا سخت معلوم ہوں گے. ابو حاتم رازی (ھ) اور امام بخاری (۲۵۶ھ) میں ابو حاتم متشدد دکھائی دیں گے. ائمہ فن اسماء الرجال کی بحث میں راویوں کا حال لکھتے ہیں تو کہیں کہیں متشددین کی سختی کا ذکر بھی کر جاتے ہیں. طلبہ حدیث کو چاہیئے کہ صرف کسی راوی پر جرح کا نام سن کر اسے ناقابل اعتماد نہ سمجھنے لگ جائیں جب تک تحقیق نہ کر لیں کہ جارحین کون کون ہیں اور کتنے ہیں. اسباب جرح واضح ہیں یا نہیں. اور یہ کہ کہیں کوئی متشدد جارح تو نہیں. ائمہ رجال کتب رجال میں کئی جگہ اس تشدد کا ذکر کر جاتے ہیں.

امام نسائی (۳۰۳ھ) نے حارث اعور سے استناد کیا. جسے بعض ائمہ ضعیف کہہ چکے تھے تو امام نسائی کے اس احتجاج کو محض اس لیئے اہمیت دی گئی. کہ آپ جرح میں سخت واقع ہوئے تھے. سو اس روش کے محدثین جس سے روایت لیں اس کا کسی درجے میں اعتبار ضرور ہونا چاہیئے حافظ ابن حجر عسقلانی حارث اعور کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

والنسائی مع تعنته فی الرجال فقد احتج به[1]

امام نسائی نے رجال میں اپنی سختی کے باوجود اس راوی سے احتجاج کیا ہے اس کی روایت قبول کی ہے.

حافظ عسقلانی اپنے رسالہ بذل الماعون فی فضل الطاعون میں بھی ایک راوی کے بارے میں جسے امام نسائی اور ابو حاتم نے ثقہ کہا تھا اور کئی دوسروں نے ضعیف کہا. لکھتے ہیں:۔

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۲ ص۱۴۷

توثیق النسائی وابی حاتم مع تشدد هما ـــــــ ابوحاتم کے متشدد ہونے کا آپ نے مقدمہ فتح الباری میں بھی ذکر کیا ہے[1] ابوحاتم نے تو امام بخاری پر بھی جرح کردی ہے۔

ابن حبان کے تشدد فی الرجال کا ذکر بھی سنیئے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ راویوں پر بھی جرح کرجاتے ہیں اور نہیں دیکھتے کہ کیا کہہ رہے ہیں۔ سو اگر جرح کا لفظ دیکھتے ہی راوی سے جان چھڑالی جائے تو پھر آخر کون بچے گا؟ حافظ عسقلانی لکھتے ہیں۔

ابن حبان ربما جرح الثقة حتی کانه لایدری ما یخرج من رأسه[2]

ترجمہ۔ ابن حبان کئی دفعہ ثقہ راویوں پر بھی جرح کرجاتے ہیں اور نہیں جانتے کہ ان کا ذہن کدھر جارہا ہے۔

حافظ ذہبی بھی ابن حبان کے بارے میں کہتے ہیں ما اسرف واجترأ[3]۔ ابن حبان نے بہت زیادتی کی ہے اور بڑی جسارت کی ہے کہ ثقہ راویوں کو بھی ضعیف کہہ دیا۔ ایک اور جگہ پر کہتے ہیں۔ تقعقع کعادته[4]۔

شعبہ امیر المؤمنین فی الحدیث مانے جاتے ہیں۔ لیکن قبول روایت میں اُن کی سختی دیکھئے۔ آپ سے پوچھا گیا۔ کہ تم فلاں راوی کی روایت کیوں نہیں لیتے؟ آپ نے کہا۔ رأیته یرکض علی برذون۔ (میں نے اسے ترکی گھوڑے دوڑاتے ہوئے دیکھا تھا)۔

آپ منہال بن عمرو کے ہاں گئے۔ وہاں سے کوئی ساز کی آواز سنی۔ وہیں سے واپس آگئے اور صورتِ واقعہ کی کوئی تفصیل نہ پوچھی۔

حکم بن عتیبہ (ھ) سے پوچھا گیا۔ کہ تم زاذان سے روایت کیوں نہیں لیتے۔ تو انہوں نے کہا۔ کان کثیرا لکلام۔ وہ باتیں بہت کرتے تھے۔

حافظ جریر بن عبدالحمید الضبی الکوفی نے سماک بن حرب کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے دیکھا تو اس سے روایت چھوڑ دی[5]

---

[1] مقدمہ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۶۲ [2] القول المسدد فی الذب عن مسند احمد صفحہ ۳۳، افرط ابن حبان (مقدمہ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۱۲۹) [3] میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۴۳۶ [4] میزان الاعتدال جلد ۲ صفحہ ۱۸۵ [5] دیکھئے الکفایہ فی علوم الروایہ للخطیب البغدادی صفحہ ۱۱۱ لغایت صفحہ ۱۱۴

اب سوچیے اور غور کیجیے۔ کیا یہ وجوہ جرح ہیں؟ جن کے باعث اتنے بڑے بڑے اماموں نے ان راویوں کو چھوڑ دیا۔ اگر اس قسم کی جروح سے راوی چھوڑے جا سکتے ہیں۔ تو پھر آخر بچے گا کون؟ یہ سختی سب کے ہاں نہ تھی، سو طلبہ حدیث کو چاہیئے کہ محض جرح دیکھ کر ہی نہ اچھل پڑیں۔ سمجھنے کی کوشش کریں۔ کہ جرح کی وجہ کوئی شرعی پہلو ہے یا صرف شدت احتیاط ہے، اور پھر یاد رکھیں کہ متشدد کی جرح اکیلے کافی نہیں ہے۔

یہ مختصر قواعد حدیث ہر وقت ذہن میں رہنے چاہئیں۔ انسانی بساط اور عام بشری سوچ کے تحت جو احتیاطی تدابیر ہو سکتی تھیں وہ محدثین کرام نے طے کیں اور یہ اصول بھی تقریباً استقرائی ہیں جو ائمہ فن نے قواعد شریعت کی روشنی میں طے کیے ہیں۔ ان میں کئی پہلو اختلافی بھی ہیں۔ جن میں ائمہ کی رائے مختلف رہی ہے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ تنقید کے بنیادی اصولوں میں سب ائمہ فن متفق رہے ہیں۔ بلکہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے تحقیق روایات اور تنقیح اسناد میں دنیا کو ایک نئے علم سے آشنا کیا اور وہ اصول بتائے جن کی روشنی میں پچھلے پہلوں کی باتوں کے جائز طور پر وارث ہو سکیں اور ان کی صحت پر پوری طرح سے اعتماد کیا جا سکے۔

قواعدِ حدیث کی مستند کتابیں

ان دنوں اس موضوع پر زیادہ متداول کتابیں مقدمہ ابن صلاح اور شرح نخبۃ الفکر سمجھی جاتی ہیں۔ اصولِ حدیث کے یہ وہ متون ہیں جن پر آئندہ شرحیں لکھی گئیں۔ ابن صلاح نے ۶۴۳ھ میں وفات پائی۔ مؤخر الذکر کتاب نخبۃ الفکر اور اس کی شرح حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) کی تالیف ہیں۔ شرح نخبۃ الفکر کی ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) نے بھی شرح لکھی ہے۔ شرح الشرح کے نام سے معروف و مشہور ہے۔

قدماء میں علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) اور امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) نے اس طرف توجہ فرمائی۔ امام احمدؒ نے اس پر کتاب العلل و معرفۃ الحدیث جس کا ابھی ذکر گزرا تالیف فرمائی۔ امام مسلمؒ نے صحیح مسلم میں فن حدیث پر ایک عظیم مقدمہ تحریر فرمایا۔ پھر امام ترمذی (۲۷۹ھ)

نے کتاب العلل لکھ کر اس موضوع میں گرانقدر اضافہ کیا۔ حافظ ابن رجب حنبلیؒ (۷۹۵ھ) نے کتاب العلل کی عظیم شرح تحریر کی۔ ابو محمد عبدالرحمٰن بن ابی حاتم الرازیؒ (۳۲۷ھ) نے کتاب الجرح والتعدیل لکھی جو حیدرآباد سے نو جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔ دارقطنیؒ (۳۸۵ھ) نے بھی کتاب العلل لکھی۔ آپ خود اسے مکمل نہ کر سکے۔ آپ کے شاگرد ابو بکر البرقانی نے اُسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ حافظ شمس الدین سخاویؒ (۹۰۲ھ) نے اس کی ایک تلخیص لکھی، جس کا نام "بلوغ الامل بتلخیص کتاب الدارقطنی فی العلل"، پھر خطابیؒ (۳۸۸ھ) ابن حزم (۴۵۷ھ) خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) حافظ ابن عبدالبرؒ (۴۶۳ھ) اور امام بغویؒ (۵۱۶ھ) عبدالرحمٰن بن الجوزیؒ (۵۹۷ھ) نے اپنی تصنیفات میں اصول حدیث پر گرانقدر تنقیحات کیں۔ یہاں تک کہ چھٹی صدی ہجری میں یہ فن ایک جامع شکل میں مرتب ہو گیا اور حافظ ابن صلاح (۶۴۳ھ) نے اس فن میں مقدمہ ابن صلاح لکھ کر اہل علم سے اپنا لوہا منوایا۔ اس کتاب کی مرکزی حیثیت آج تک مسلم چلی آ رہی ہے۔

پھر آٹھویں صدی ہجری میں حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) ابن قیم جوزیؒ (۷۵۱ھ) خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ (۷۴۳ھ) حافظ جمال الدین زیلعیؒ (۷۶۲ھ) اور حافظ ابن کثیرؒ (۷۷۴ھ) نے اس موضوع پر بیش بہا کام کیا۔ علامہ جرجانیؒ (۸۱۶ھ) نے مختصر الجرجانی میں اور ابو زرعہ (۸۲۶ھ) نے لکھ کر اس باب میں حجت پوری کر دی۔

پھر حافظ ذہبیؒ (۷۴۸ھ) حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) حافظ بدرالدین عینیؒ (۸۵۵ھ) حافظ ابن ہمام اسکندریؒ (۸۶۱ھ) اپنے دور میں اس فن کے امام تھے۔ لیکن جو مقبولیت اور شہرت حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کی شرح نخبۃ الفکر کو ہوئی وہ ایک الٰہی مقبولیت کا نشان ہے۔ دنیا کے تمام مدارسِ حدیث میں یہ کتاب داخلِ نصاب ہے اور متعدد علمائے کرام نے اس کی شروح لکھی ہیں۔

برصغیر پاک و ہند میں بھی اس موضوع پر شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) کا رسالہ جو لمعات التنقیح کے شروع میں ہے مولانا عبدالحی لکھنویؒ (۱۳۰۴ھ) کی کتاب الجرح والتکمیل اور مولانا ظفر احمد عثمانیؒ (ھ) کی قواعد علم الحدیث اس فن کی مستقل کتابیں ہیں۔

اس فن کے مختصر سے تعارف کے بعد اب ہم مختلف اقسام حدیث کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

اقسامِ حدیث

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ. امابعد :۔

حدیث وہ آسمانی روشنی Divine guidance ہے۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک میں بنی نوعِ انسان کی ہدایت کے لیے ودیعت کی گئی۔ اس کا مصدر ذاتِ الٰہی تھی۔ قرآن کریم بھی اللہ رب العزت نے اتارا اور یہ روحانی روشنی بھی اللہ تعالٰے نے ہی حضورؐ کے دل میں اتاری۔ آنحضرتؐ نے اسے اپنے الفاظ Words اپنے عمل Actions یا اپنی تائید Confirmation سے آگے پھیلایا۔

حدیث میں کوئی تقسیم قرنِ اوّل میں نہ تھی۔

آنحضرتؐ نے اپنی زبان مبارک سے حدیث کی کسی طرح تقسیم نہیں کی۔ نہ آپ کے صحابہ نے آپ کی تعلیم کو کسی تقسیم میں اتارا۔ تاہم اس پہلے دور میں یہ بات مسلمانوں میں مسلم تھی۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جملہ تعلیمات خواہ وہ کسی قسم کے تحت آتی ہوں سب الٰہی ہدایت ہیں اور سب ضیاء رسالت سے مستنیر اور جملہ عالم کے لیئے جلوہ فگن اور فیض رساں ہیں۔

تعلیماتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بحرِ ذخار میں جس سے کوئی پیاسا آج تک واپس نہیں لوٹا علماء اصول اُترے اور سہولت فہم کے لیئے انہوں نے ان کے انواع و اقسام پہ غور کیا۔ پھر اسناد Chain of transmitters کے کچھ حالات بھی ان کے سامنے آئے۔ تو انہوں نے مختلف جہات سے اس الٰہی ہدایت اور رشد ہدایت کا استقرار فرمایا اور علماء

کے لیئے مختلف اقسام حدیث تعیین کر دیں۔ یہ اقسام حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی تقسیم سے نہیں۔ ائمہ فن کی تقسیم اور تفصیل سے طے ہوئیں ہیں ۔ آج کی مجلس میں انشاء اللہ اسی موضوع پر گفتگو ہوگی۔

ہر فن میں اُس کے ماہرین پر اعتماد

کوئی شخص کسی فن میں جب تک مجتہد نہ ہو۔ اسے اس فن کے ماہرین کی پیروی کرنی پڑتی ہے۔ شرائط اجتہاد پُورا کیئے بغیر خود مجتہد بن جانا چشمۂ تحقیق کو گدلا کرنا ہے۔ حدیث کے متن Text اور اسناد chain کے مختلف پہلوؤں پر علماء حدیث جب گفتگو کرتے ہیں۔ تو ائمہ فن کی پیروی کرتے ہوئے بات کرتے ہیں۔ اس فن میں ائمہ اور مجتہدین وہی حضرات ہیں۔ جنہوں نے اس فن پر اصُولی گفتگو کی۔ ان اصولوں کو قرآن وحدیث سے استنباط کیا۔ ان پر علمی بحثیں کیں۔ اختلافات پیدا کیئے اور حل کیئے اور علماء امت نے اس باب میں انہیں امام اور مقتدار تسلیم کیا۔

ہر اصطلاح، قسم حدیث اور اس کے حکم کے بارے میں ہر شخص درست اور نادرست کی بحث شروع کر دے تو ہر عنوان اور پھر ہر قسم خود مستقل موضوع بن جائیں گے اور اصل بات ان ضمنی مباحث میں کھو جائے گی۔ سو ضروری ہے کہ قواعد حدیث بطور اصول مسلمہ قبول کر لیئے جائیں۔ زندگی کے ہر باب میں اہل فن کی تقلید ہوتی چلی آئی ہے۔ کسی امام فن کی بات کو اس اعتماد پر قبول کر لینا کہ وہ اصول کے مطابق بتلا رہا ہے اور اس کی دلیل کی بحث میں نہ پڑنا غیر مجتہد کی اساس عمل ہے۔ جس پر وہ ہر دائرہ زندگی میں عمل کرتا ہے۔ علماء حدیث جب کسی حدیث پر گفتگو کرتے ہیں۔ تو ان قواعد پر اعتماد کر کے چلتے ہیں جو محدثین نے فنِ حدیث میں مجتہدانہ کاوشوں سے قائم کیئے ہوئے ہیں اور ان پر فنی بحث اپنے وقت میں کافی روانی ہو چکی ہے۔ اس تجربہ اور معرفت کے نتیجہ میں احادیث مختلف قسموں میں تقسیم ہوئی ہیں۔ حدیث کا تعلق چونکہ زیادہ تر اعمال ان کے مسائل اور پھر فضائل سے ہے۔ اس لیئے حدیثیں ہر باب کی مناسبت اور ضرورت کے مطابق مختلف پیمانوں میں قبول ہوتی

رہی ہیں۔ صرف عقائد ایسا موضوع تھا جس میں قطعی دلائل کی ضرورت تھی۔ سو یہ مختلف وجوہ اقسام حدیث کے زیادہ پھیلاؤ کا موجب ہوئے۔ اور مختلف جہات سے حدیث کی مختلف قسمیں سامنے آئیں۔

تقسیم حدیث کے مختلف اعتبارات

متن کے لحاظ سے علماء اسے باعتبار متکلم، باعتبار علم، باعتبار نوع، باعتبار مضمون مختلف قسموں میں تقسیم کرتے ہیں اور سند در واۃ کے لحاظ سے وہ حدیث کی اور قسمیں تبلاتے ہیں۔ پھر حدیث کے لائق قبول نہ ہونے کے اعتبار سے بھی اس کی کچھ اقسام ہیں اور اس سلسلے میں ہر باب کی کچھ تفصیل ہے۔ ابتدائی تعارف کے لیئے ہم ان مختلف اقسام کو ان عنوانوں کے ذیل میں بیان کرتے ہیں۔ مضمون خشک صحیح لیکن توجہ کا مستحق ضرور ہے اور غور کیا جائے تو اس کے تحت بھی علوم کی بہت نہریں بہتی ملیں گی۔

تقسیم حدیث

①	باعتبار علم	حدیث متواتر۔ خبر مشہور۔ خبر عزیز۔ خبر واحد۔
②	باعتبار رواۃ	صحیح۔ حسن۔ ضعیف۔
③	باعتبار نوع	قولی۔ فعلی۔ تقریری۔
④	باعتبار متن	حدیث قدسی۔ حدیث مرفوع۔ حدیث موقوف۔
⑤	باعتبار سند	متصل۔ مرسل۔ منقطع۔ معلق۔
⑥	باعتبار علّت	منکر شاذ اور معلول۔
⑦	باعتبار موضوع	حدیث شرعی اور حدیث دُنیوی۔

پیشتر اس کے کہ ہم ان مختلف اقسام پر بحث کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے ایک اصولی مسئلے پر گفتگو ہو جائے۔ یہ ایک نہایت اہم بحث ہے۔

تقسیم حدیث باعتبار علم کا عنوان آپ کے سامنے آچکا ہے۔ کسی خبر سے آپ کو

کس درجے کا علم حاصل ہو رہا ہے یہ اس کا موضوع ہے۔ اگر آپ کو اس خبر سے علم یقین حاصل ہو رہا ہے اور یہ ناممکن ہے کہ اس کا خلاف ظاہر ہو تو یہ درجہ علم اور ہو گا اور اگر اس خبر کے باوجود کسی درجے میں ظنیت رہی تو ظاہر ہے کہ اس سے علم یقین حاصل نہ ہوا اور یہ خبر مفید علم یقین نہ رہی ـــــ پھر اس میں بھی تفصیل ہو گی کہ ظنیت کس درجے میں ہے؟ پھر اس میں سے بھی ہر ایک کے احکام مختلف ہوں گے۔

عقائد کے باب میں حدیث سے تمسک

اسلام میں سب سے زیادہ اہم بات عقائد کی ہے۔ عقائد کے گرد ہی شریعت کا پورا دائرہ کھنچتا ہے۔ عقائد صحیح ہوں تو اعمال صالحہ بھی قبولیت پائیں گے۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ کسی عمل کا کوئی وزن نہ ٹھہرے۔

جس قدر موضوع اہم ہو اس کے مناسب اس کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے۔ عقائد اسلام کے اہم ترین ابواب ہیں۔ سو ان کے لیے مضبوط ترین دلائل کی ضرورت ہو گی۔ عقائد کے باب میں حدیث سے تمسک صرف اسی صورت میں ہو سکے گا کہ وہ کم از کم خبر عزیز کے درجہ میں ہو۔ خبر واحد سے اگر کوئی عقیدہ بنے گا تو اسی درجہ کا کہ اس کا منکر کافر نہ ٹھہرے۔ عقائد قطعیہ کے لیے دلائل بھی قطعی درکار ہوتے ہیں۔ اسلام کے بنیادی عقائد وہی ہو سکتے ہیں جو یا قرآن کریم سے قطعی الدلالت طریق سے ثابت ہوں یا کوئی حدیث متواتر انہیں ایسی دلالت اور وضاحت سے پیش کرے۔ جس میں کسی دوسرے معنی کو دخل نہ ہو۔ گو یہ تواتر لفظی نہ ہو معنوی ہو۔ اس تواتر کے انکار کی بھی اسلام میں قطعاً کوئی گنجائش نہیں۔ محدث کبیر ملا علی القاری لکھتے ہیں :۔

ولا یخفی ان المعتبر فی العقائد ھو الادلۃ الیقینیۃ والاحادیث الاحاد لو ثبتت انما تکون ظنیۃ اللھم الا اذا تعددت طرقۃ بحیث صار متواتراً معنویاً فحینئذ قد یکون قطعیاً۔[1]

---

[1] شرح فقہ اکبر ص۱۲۲ مجتبائی۔

ترجمہ۔ اور مخفی نہ رہے کہ عقائد کے لیئے اعتبار دلائل یقینیہ کا ہی ہوتا ہے
اور احادیث احاد اگر صحیح ثابت بھی ہوجائیں تو ظنی ہی رہیں گی۔ ہاں
اگر ایک مضمون متعدد احادیث (یا کثرت طرق) سے ثابت ہو کہ متواتر
معنوی ہوجائے تو اس صورت میں یہ دلیل بھی قطعی ٹھہرے گی۔
اب حدیث کی مختلف قسموں کا بیان کیجئے۔

یہ بات پہلے آچکی ہے کہ علم دلائل یقینیہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کے لیئے ظنی امور کافی نہیں ہو سکتے۔ اس بات کے لیئے کہ کوئی خبر علم و یقین تک پہنچے اور اس کا انکار ممکن نہ رہے دلیل متواتر کی ضرورت ہوتی ہے۔ سو سب سے پہلے حدیث متواتر کا درجہ ہے اور یہاں پہلے اسی کی تعریف کی جاتی ہے۔

حدیث متواتر

متواتر وہ حدیث ہے جس کو ابتدار سند سے لے کر آخر سند تک ہر زمانہ میں اتنے لوگوں نے بیان کیا ہو کہ انکا جھوٹ پر متفق ہونا عادۃً محال نظر آئے اور سند کی انتہا ایسی چیز پر ہو جس کا تعلق محسوسات سے ہو۔ نظر و فکر سے علم یقینی حاصل نہیں ہوتا ہے یہ حدیث متواتر سے حاصل ہوتا ہے۔ قرآن پاک بھی تواتر سے امت تک پہنچا ہے اور علم یقین کا درجہ رکھتا ہے۔

قرآن پاک کی ایک ایک آیت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ یہ بات کہ موجودہ قرآن وہی کتاب ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کی تھی قطع و یقین سے ثابت ہے۔ جو موجودہ قرآن کا منکر ہے۔ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا ہی منکر ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص موجودہ قرآن میں تو شک کرے کسی اور قرآن کا منتظر رہے اور پھر وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سچا پیغمبر مانتا ہو ——— جو یہ کہے کہ قرآن کریم میں معاذاللہ عام انسانی ہاتھوں نے کمی کر ڈالی ہے اور قرآن کریم میں کمی بیشی کر دی گئی ہے۔ وہ کیسے مسلمان ہو سکتا ہے؟

قرآن کریم متواتر طبقاتی ہے۔ ہر طبقہ امت نے اسے اپنے سے پہلے طبقے سے اسی طرح قبول کیا ہے۔ اب اس میں کسی شک و تردد کی گنجائش نہیں ہے۔ جو اس میں شک کرتا ہے وہ اسلام میں ہی شک کرتا ہے۔ اس کتاب کے ”وہ کتاب“ ہونے میں کوئی شک نہیں۔ جو آخری زمانہ کے لیے دستاویز ہدایت تھی۔ خود قرآن پاک میں ہی ہے:۔

ذلك الكتاب لا ريب فيه۔ وہ کتاب نہیں کوئی شک اس میں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو حدیثیں تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ ان کی تکذیب بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔ سو حدیث متواتر سے ثابت ہونے والے جملہ امور پر ایمان لانا ضروری ہے اور ان میں سے کسی کا انکار کفر ہے۔ اُن میں سے کسی ایک کا انکار بھی کر دیا جائے تو انسان مسلمان نہیں رہتا۔ ایمان حضورؐ کو آپ کی جملہ تعلیمات میں سچا ماننے کا نام ہے۔ ایمان کے لیے آپ کی سب تعلیمات کو ماننے کی قید ہے۔ کفر کے لیے کسی ایک کا انکار بھی کافی ہے۔

تواتر کی مختلف قسمیں

تواتر کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ تواتر لفظی۔ ۲۔ تواتر معنوی۔

تواتر لفظی بہت کم احادیث میں ہے۔ ہاں اگر حدیثوں کے الفاظ مختلف ہوں لیکن ان سب میں بات ایک ہی کہی گئی ہو تو اس قدر مشترک کا تواتر بھی بہرحال قائم اور ثابت ہوگا یہ تواتر معنوی ہے۔ کافی حدیثی مواد تواتر معنوی کے درجے کو پہنچتا ہے۔

”حدیث متواتر کے بکثرت موجود ہونے کی روشن دلیل یہ ہے کہ کتب احادیث جو علماء مصر میں متداول ہیں ان کا انتساب جن مصنفین کی طرف کیا جاتا ہے۔ یہ نسبت ایک یقینی امر ہے۔ پس اگر یہ مصنفین انہی کتابوں میں متفق ہو کر ایک حدیث کو اتنے رواۃ سے روایت کریں، جن کا جھوٹ پر اتفاق عادۃً ناممکن ہو تو بلاشک یہ حدیث متواتر ہوگی اور قائل کی طرف اس کا انتساب مفید علم یقینی ہوگا اور یہ بات ظاہر ہے کہ اس قسم کی حدیثیں کتب مشاہیر میں بکثرت موجود ہیں۔“ [1]

---

[1] شرح اردو قال ابو داؤد جلد ۱ ص۳۷ مطبوعہ دیوبند۔

حدیث لانبی بعدی

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قصرِ نبوت کے ذکر میں بھی[۱]، انبیاء بنی اسرائیل کے ذکر میں بھی[۲]، تیس دجالوں کی پیشگوئی میں بھی[۳]، دیگر انبیاء کرام پر اپنے خصائص بیان کرتے ہوئے بھی[۴]، مبشرات خواب کے جاری رہنے کے ذکر میں بھی[۵]، حضرت علیؓ کو ہارونِ اُمت کہتے ہوئے بھی، عیسیٰ بن مریم کی دوبارہ تشریف آوری کی خبر دیتے ہوئے بھی اور دیگر کئی مواقع پر بھی یہ بات کہی کہ میرے بعد کوئی نبی نہ ہوگا۔ لا نبی بعدی۔ اب اس حدیث کا انکار کفر نہیں تو اور کیا ہوگا۔ یہ حدیث ان پہلوؤں سے یقیناً درجہ تواتر کو پہنچ چکی ہے اور یہ حقیقت ہے کہ لا نبی بعدی کے کلمات لفظاً بھی متواتر ہیں۔

حدیث نزولِ عیسیٰ بن مریم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف موقعوں پر حضرت عیسیٰ بن مریم کے نزول کی خبر دی تھی۔ یہ صرف کسی ایک موقع پر کہی گئی بات کا حاصل نہیں، بلکہ متعدد روایات کی قدرِ مشترک ہے۔ سو یہ حدیث بھی متواتر معنوی ہے۔ علامہ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں:۔

وقد تواترت الاحادیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ اخبر بنزول عیسیٰ علیہ السلام قبل یوم القیٰمۃ اماماً عادلاً وحکماً مقسطاً۔

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احادیث تواتر کے ساتھ منقول ہیں۔ آپ نے خبر دی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام قیامت سے پہلے نازل ہوں گے امام عادل کی حیثیت سے اور انصاف کرنے والے حکم کے طور پر۔

والاجماع علیٰ انہ حی فی السماء وینزل یقتل الدجال ویوید الدین (الوجیز)

---

۱ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۴۸ ۲ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۵۰۱ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۹۸ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۴۵ ۳ صحیح بخاری جلد ۱ صفحہ ۴۹
صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۱۲۶ مسند احمد جلد ۲ صفحہ ۲۹۷ ۴ جامع ترمذی جلد ۲ صفحہ ۱۱ ۵ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ صحیح بخاری جلد صفحہ
۵ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۱۰۳۵ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۳۲۲ ۶ صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۲۷۸ صحیح بخاری جلد ۲ صفحہ ۲۴۲ ۷ ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۳۲

علامہ عبدالعزیز فرہاروی شرح عقائد کی شرح میں لکھتے ہیں:۔
والاحادیث فی ذلک کثیرۃ متواترۃ المعنی[1]۔ اور ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:۔
ان حیاۃ عیسٰی ثابت بالاحادیث المتواترۃ[2]۔ بیشک حیات مسیح احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔
حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی اس پر ائمہ حدیث و تفسیر کا اتفاق نقل کیا ہے:۔
واما رفع عیسٰی فاتفق اصحاب الاخبار والتفسیر علی انہ رفع ببدنہ حیا[3]
ترجمہ: اصحاب حدیث و تفسیر کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت عیسٰی اپنے جسم سمیت زندہ اٹھائے گئے تھے۔
صحیح مسلم کی شرح اکمال اکمال المعلم میں بھی حدیث نزول کو متواتر مانا گیا ہے۔
اذ لا بد من نزولہ لتواتر الاحادیث بذلک۔ ـــــــ جلد ا صـ ۲۶۵
محدث جلیل علامہ طاہر فتنی لفظ حکم کے تحت لکھتے ہیں:۔
ویجئ آخر الزمان لتواتر خبر النزول ـــــــ مجمع البحار جلد ا صـ ۲۸۶

قطعی الثبوت کی دلالت

جو امور شریعت میں قطعی اور یقینی طور پر ثابت ہیں۔ اگر ان کی اپنے مدعا پر دلالت بھی قطعی ہے تو وہ امور قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہوں گے اور ان کا منکر یقینا کافر ہو گا۔ لیکن قطعی الثبوت امور کی اپنے مدعا پر دلالت اگر ظنی ہو اور اس میں کسی اور معنی کی بھی گنجائش ہو تو اس صورت میں یہ دلیل قطعی بھی مفید ظن رہے گی۔ یہ معاملہ صرف حدیث متواتر تک محدود نہیں۔ قرآن کریم کے احکام میں بھی باعتبار معنی اگر کہیں اختلاف کی گنجائش ہو تو اس میں بھی صحیح بات کا منکر صرف گمراہ کہا جائے گا اسے کافر نہ کہہ سکیں گے۔ کیونکہ اس قطعی الثبوت بات کی دلالت میں ظنیت آگئی ہے۔ جس سے حکم بدل گیا ہے۔
دلالت میں قطعیت تواتر معنی سے بھی آجاتی ہے اور کبھی امت کا اجماع بھی اس کے معنی کو قطعی کر دیتا ہے۔ علامہ شاطبیؒ نے اس موضوع پر ایک نہایت نفیس بحث کی ہے لکھتے ہیں:۔

---

[1] نبراس صـ ۵۱ مطبوعہ ملتان [2] ایضاً صـ ۴۸۵ [3] التلخیص الحبیر جلد ۳ صـ ۲۱۴ اس سے پہلے یہ الفاظ بھی لکھے ہیں:۔
ورفع عیسٰی علیہ السلام الی السماء، سو رفع ببدنہ حیا سے رفع الی السماء ہی مراد ہے۔ جو بدن سے ہوا۔

وانما الادلة المعتبرة ههنا المستقرأة من جملة ادلة ظنية تضافرت على معنى واحد حتى افادت فيه القطع فان للاجتماع من القوة ما ليس للافتراق ولاجله افاد التواتر القطع وهذا نوع منه. فاذا حصل من استقراء ادلة المسألة مجموع يفيد العلم فهو الدليل المطلوب وهو شبيه بالتواتر المعنوی[1]

ترجمہ۔ جن دلائل کا یہاں اعتبار ہے وہ اس طرح کے ہیں کچھ ادلہ ظنیہ کے استقرار سے ایک معنی واحد پر آ جمع ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ ان پر قطعیت آ گئی ہے۔ دلائل کے ایک موضوع پر مل جانے سے ان میں وہ قوت آ جاتی ہے جو ان کے علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں نہ تھی اور اسی لیئے تواتر بھی قطعیت کا فائدہ بخشتا ہے اور یہ بھی اسی کی ایک قسم ہے۔ جب کسی مسئلہ کے دلائل کا استقرار کرتے ہوئے ایسا مجموع حاصل ہو جائے۔ جو یقین کا فائدہ دے تو وہ دلیل اس باب میں مطلوب ہے۔ اور یہ تواتر معنوی کی ہی طرح ہے۔

دلائل اپنے اپنے مقام پر گو اخبار احاد ہوں۔ لیکن ان کا مجموعی مفاد ضرور یقین کا فائدہ بخشتا ہے۔ مثلاً :-

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ قیامت سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ دوبارہ تشریف لائیں گے۔ یہ بات اپنی جگہ واضح تھی۔ عیسیٰ بن مریم کے تشخص میں امت میں کبھی کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا تھا۔ بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ وضاحت بھی فرما دی تھی کہ وہی عیسیٰ بن مریم نازل ہوں گے۔ جو مجھ سے پہلے آئے تھے اور میرے اور ان کے مابین کوئی نبی نہیں گزرا۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ نے فرمایا:۔

لیس بینی وبینه یعنی عیسٰی علیه السلام نبی وانه نازل[2]

واجمعت الامة علی ما تضمنه الحدیث المتواتر ان عیسٰی فی السماء حی وانه ینزل فی آخر الزمان[3]

---

[1] الموافقات جلد ۱ صہ ۳۶ [2] سنن ابی داؤد جلد ۲ صہ ۲۴۶ [3] البحر المحیط جلد ۲ صہ ۴۷۳

اس سے پتہ چلا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم کے آنے کی خبر جس طرح تواتر معنی سے یقینی درجہ رکھتی ہے۔ اس کی دلالت بھی اپنے مدعا پر اسی طرح واضح اور قطعی ہے۔ جہاں تک حدیث لا نبی بعدی کی دلالت کا تعلق ہے۔ قاضی عیاضؒ (۵۴۴ھ) کا بیان اس باب میں بہت واضح ہے۔

لانه اخبر انه صلى الله عليه وسلم خاتم النبيين ولا نبي بعده و اخبر عن الله تعالىٰ انه خاتم النبيين واجمعت الامة على حمل هذا الكلام على ظاهره وان مفهومه المراد به دون تاويل ولا تخصيص فلا شك في كفر هؤلاء الطوائف كلها قطعاً اجماعاً سمعاً۔[1]

ترجمہ: اس واسطے کہ حضورؐ نے خود فرمایا ہے کہ آپؐ خاتم النّبیین ہیں اور یہ کہ آپ کے بعد کوئی نبی پیدا نہیں ہوگا اور خدا کی طرف سے بھی حضورؐ نے یہی بتلایا کہ آپؐ خاتم النّبیین ہیں اور امت کا اتفاق ہے کہ یہ آیت اپنے ظاہری معنی پر محمول ہے اور جو اس کا مفہوم ظاہری لفظوں سے سمجھ میں آ رہا ہے وہی اس میں بغیر کسی تاویل و تخصیص کے مراد ہے۔ پس ان لوگوں کے کفر میں قطعاً کوئی شک نہیں جو اس معنی کا انکار کریں۔

حضرت امام غزالیؒ (۵۰۵ھ) کی تصریح بھی سن لیجئے:

ان الامة فهمت بالاجماع من هذا اللفظ ومن قرائن احواله انه افهم عدم نبي بعده ابداً وعدم رسول بعده ابداً وانه ليس فيه تاويل ولا تخصيص۔[2]

ترجمہ: امت نے اس لفظ خاتم النّبیین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال و قرائن سے یہی سمجھا ہے کہ آپ کے بعد نہ کوئی نبی ہوگا اور نہ کوئی رسول۔ اس مسئلہ ختم نبوت میں نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے اور نہ کسی قسم کی تخصیص ہے۔

---

[1] شفا ص ۳۶۲ [2] الاقتصاد فی الاعتقاد ص ۱۴۶ مصر

یہ گمان نہ کیا جائے کہ اس طرح کا تواتر اور یقین تو چند امور کو ہی حاصل ہو گا۔ ان کے ماسوا جو امور ہیں وہ تو سب ظنی ہوں گے۔ پھر ان کا اعتبار کیسے کیا جائے۔

جواباً عرض ہے کہ اصول دین تو واقعی سب قطعی ہونے چاہئیں اور یہ صحیح ہے کہ اسلام کے سب اصول دلائل قطعیہ یقینیہ سے ثابت ہیں۔ لیکن فروع میں اگر کہیں باعتبار ثبوت یا باعتبار دلالت ظنیت آجائے تو اس کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

فروع میں ظنیت آجائے تو حرج نہیں

محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنیؒ لکھتے ہیں:۔

فروع میں اگر ظنیت ہو تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ اس کی مثال بالکل قانونی دفعات کی سمجھئے۔ قانون کے الفاظ اپنے اجمال کے ساتھ قطعی ہوتے ہیں اور اس کی ضمنی دفعات و تشریحات بسا اوقات ظنی ہوتے ہیں۔ اس لیئے ان میں ہر عدالت کو اختلاف کرنے کی گنجائش مل جاتی ہے۔ امام شاطبی نے مقدمات کتاب کے پہلے مقدمہ میں اس موضوع پر مفصل بحث کی ہے پس فروعی مسائل کے ظنی ہونے میں کوئی اشکال نہیں۔ نہ ان مسائل کے تسلیم کرنے سے دین کی بنا کا ظنی ہونا ثابت ہوتا ہے[1]

حدیث کے ظنی الثبوت ہونے پر تشویش کرنے والوں کو سوچنا چاہیئے کہ قرآن کا ایک ایک حرف اگرچہ متواتر ہے۔ لیکن اس کے باوجود جو مسائل اس سے مستنبط ہوتے ہیں ان میں سے ایک ایک کے قطعی اور یقینی ہونے کا دعوےٰ نہیں کیا جا سکتا بہت سے مسائل ایسے ہوں گے۔ جو گو قرآن سے مستنبط ہوں۔ لیکن ان کی دلالت اپنے مدلول پر ظنی ہو تو اگر احتمال ظن سے حدیث چھوڑی جا سکے گی۔ تو کیا اسی راہ سے قرآن کے بہت سے مسائل بھی پادر ہوا نہ ہو جائیں گے۔ فرق رہ جائے گا تو صرف یہی کہ حدیث میں ظن ثبوت سے آرہا ہے اور ان قرآنی احکام میں دلالت کی راہ سے باقی رہا نتیجہ سو وہ صاف ہے۔

---

[1] ترجمان السنۃ جلد ۱ صفحہ ۱۸۵

علامہ شاطبیؒ (۷۹۰ھ) فرماتے ہیں :۔

> کسی متواتر کا قطعیت کو مفید ہونا اس پر موقوف ہے کہ اس کے جمیع مقدمات بھی متواتر ہوں۔ لیکن اگر اس کے مقدمات ظنی ہیں تو وہ پھر ظن ہی کو مفید ہوگا۔ مثلاً ہر کلام کا سمجھنا لغت اور نحویوں کی رائے پر بھی موقوف ہے۔ پس اگر کسی مسئلہ نحوی میں نحویوں کی رائے مختلف ہے یا کسی لغت میں اہل لغت کا اختلاف ہے تو اس اختلاف کا اثر اس متواتر کلام کے مفہوم پر بھی ضرور پڑتا ہے۔ کیوں کہ جن امور پر اس کلام کے مفہوم کا سمجھنا موقوف ہے۔ جب وہی ظنی ہیں تو پھر اس کلام کو مفید قطع کیسے سمجھا جا سکتا ہے[۱]

ہاں جہاں ثبوت اور دلالت دونوں قطعی ہو جائیں تو ان متواترات دین کا انکار کہیں نہیں کیا جا سکتا۔ نہ تواتر اسناد کا، نہ تواتر معنی کا، نہ تواتر طبقہ کا، نہ عمل طبقہ کا، نہ توارث تعامل کا، نہ تواتر قدر مشترک کا۔ کسی تواتر سے ثابت ہونے والے کسی دینی مسئلے کا انکار جائز نہیں۔ ہاں تواتر قدر مشترک سے ثابت ہونے والے مسئلے میں ضرور کچھ تفصیل کی گنجائش ہے کہ اگر مسئلہ نظری ہو تو ہو سکتا ہے کہ اس کا انکار کفر نہ ہو۔ لیکن اگر مسئلہ بدیہی ہے تو وہ اپنے مفہوم میں عام فہم ہے سو اس کا منکر کافر ٹھہرے گا۔ حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری فرماتے ہیں :۔

والتواتر عندی ایضاً علی اربعۃ اقسام احدھا تواتر الاسناد . . . وھذا التواتر تواتر المحدثین والثانی تواتر الطبقۃ ... وھذا تواتر فقہاء و تواتر التعامل . . . وھذا التواتر قریب من التواتر الثانی ومثالہ ھذا تواتر العمل برفع الیدین عند الرکوع و ترکہ فانہ عمل بہ غیر واحد فی القرآن ثلاثۃ والرابع تواتر القدر المشترک ... وحکم الثلاثۃ الاول تکفیر جاحدہ واما الرابع فان کان ضروریا فکذلک وان کان نظریا فلا[۲]

(ترجمہ) اور میرے نزدیک تواتر کی بھی چار قسمیں ہیں۔ ۱۔ تواتر اسناد اسے تواتر محدثین بھی کہتے ہیں ۲۔ تواتر طبقہ اسے تواتر فقہاء کہتے ہیں ۳۔ تواتر تعامل اور ۴۔ تواتر قدر مشترک پہلے تین تواتر ایسے ہیں کہ ان کا منکر کافر ٹھہرتا ہے چوتھے تواتر کا موضوع اگر ضروریات کے درجے میں ہے تو وہ بھی اسی حکم میں ہے اور اگر نظری درجے کا ہے تو اس کے منکر کو کافر نہ کہا جائیگا۔

---

[۱] الموافقات جلد ۱ صـ ۳۵ ترجمان السنۃ جلد ۱ صـ ۱۸۴ [۲] العرف الشذی صـ ۳۴

تواتر کی ایک قسم تواتر سکوتی

مقدمہ مظاہر حق میں تواتر کی بحث میں ایک قسم تواتر سکوتی بھی بتلائی گئی ہے کہ ایک شخص نے ایک بات نقل کی اور دیگر حضرات نے اس پر سکوت کیا اور پھر وہ بات اتنی مشہور ہوئی کہ تواتر کے درجے میں آگئی۔ احقر کے نزدیک اس میں یہ احتمال باقی رہے گا۔ کہ ہو سکتا ہے۔ کہ انہوں نے اس پر اس لیئے سکوت کیا ہو کہ وہ خبر واحد کو لائق قبول سمجھتے تھے اور خبر واحد کے طور پر ہی اسے آگے مشہور کر دیا ہو پہلے مرحلے میں وہ خبر واحد ہی رہے گی اس صورت میں اس میں تواتر کا دعوے نہ کیا جا سکے گا۔

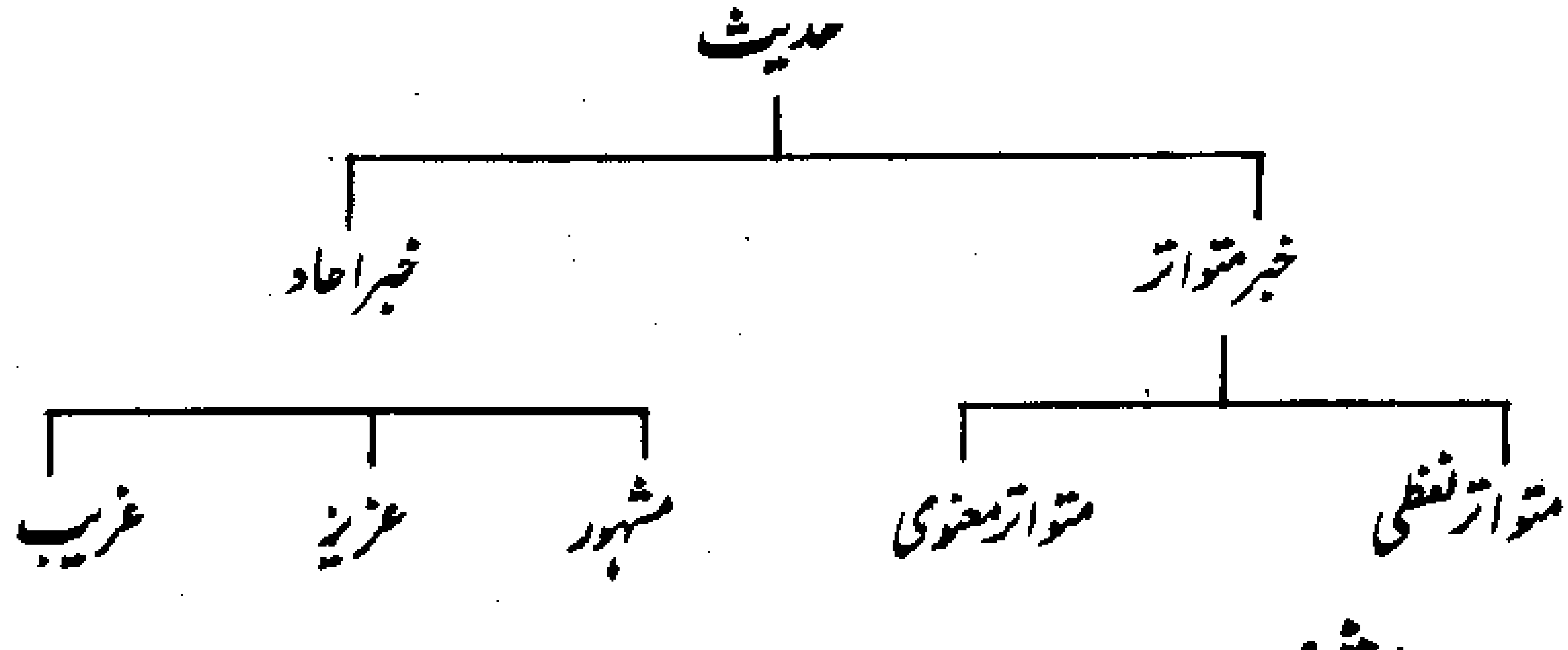
الحاصل حدیث باعتبار علم دو قسموں پر منقسم ہے۔

اوّل حدیث متواتر۔ دوم اخبار احاد۔

اور اخبار احاد پھر آگے ان تین قسموں میں منقسم ہو جائیں گی۔

۱۔ حدیث مشہور۔ ۲۔ حدیث عزیز۔ ۳۔ حدیث غریب۔

حدیث متواتر کے مقابل حدیث احاد ہے۔ اسے خبر واحد بھی کہتے ہیں جس کی اعلیٰ ترین قسم حدیث مشہور ہے۔ حدیث متواتر پر گفتگو گزر چکی ہے۔ اب حدیث مشہور، حدیث عزیز اور حدیث غریب کی کچھ تفصیل لیجئے۔



حدیث مشہور

حدیث مشہور وہ حدیث ہے جس کے راوی ابتداء سند سے لے کر آخر سند تک

دو سے زیادہ ہوں۔ لیکن تواتر کو نہ پہنچتے ہوں اور اس حدیث کی محدثین میں شہرت ہوئی ہو۔ اس سے ایسا علم پیدا ہوتا ہے جس سے حدیث کی سچائی پر اطمینان قلبی حاصل ہو جاتا ہے لیکن اسے قطع و یقین کا وہ درجہ حاصل نہیں ہوتا کہ اس کے منکر کو کافر کہا جا سکے۔ قطع و یقین صرف حدیث متواتر میں ہوتا ہے۔ محدثین بعض اوقات اس حدیث کو بھی مشہور کہہ دیتے ہیں جو صرف آخر سند کے لحاظ سے متواتر ہو۔ تاہم وہ بھی خبر واحد ہی ہوتی ہے۔ جیسے حدیث انما الاعمال بالنیات۔ جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف حضرت عمرؓ نے اور ان سے حضرت علقمہؓ نے اور ان سے صرف حضرت محمد بن ابراہیم تیمیؒ نے اور صرف یحیٰی بن سعیدؒ نے روایت کی ہے۔ لیکن اس کے بعد اسے راویوں کی کثیر تعداد نے ہر دور میں متواتر بنا دیا۔ سو یہ ایک ایسی حدیث ہے جو آخر سند کے لحاظ سے مشہور کہی گئی ہے۔ علماء اصول کے ہاں حدیث مشہور خبر واحد نہیں۔ وہ اسے متواتر اور خبر واحد کے درمیان کی ایک منزل قرار دیتے ہیں[1] اور یہ ان کی اپنی اصطلاح ہے۔ ولا مشاحۃ فی الاصطلاح۔

حدیث عزیز

حدیث عزیز وہ حدیث جس کے راوی ابتداء سند سے لے کر آخر تک دو سے کم نہ ہوں[2]۔

---

[1] علماء کے نزدیک حدیث مشہور وہ ہے جس کے راوی پہلے طبقہ (یعنی طبقہ صحابہؓ) میں حد تواتر کو نہ پہنچے ہوں لیکن دوسرے اور تیسرے طبقے (تابعین اور تبع تابعین) میں اسے اتنے راویوں نے روایت کیا ہو کہ ان کا جھوٹ پر اکٹھا ہونا عادۃً محال ہو۔ یہ تین طبقے (قرون ثلاثہ) مشہود لہا بالخیر ہیں۔ جن کے خیر ہونے کی حدیث میں شہادت دی گئی ہے۔ ان طبقوں میں سے دو کے ہاں اسے تواتر کی سی شہرت حاصل ہو گئی۔ سو حدیث مشہور ان حضرات کے ہاں خبر واحد سے کچھ اوپر ہے اسے یہ خبر واحد نہیں کہتے۔ علماء اصول خبر واحد سے قرآن کریم کے کسی عام حکم کو خاص نہیں کرتے۔ لیکن حدیث مشہور سے ان کے ہاں عام کی تخصیص جائز ہے۔ محدثین کے ہاں حدیث مشہور بھی خبر واحد کی ہی ایک قسم ہے۔ [2] کسی جگہ دو سے زائد ہو جائیں تو بھی حدیث عزیز ہی رہے گی۔

جیسے حدیث لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین۔[1]
اس حدیث کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو صحابیوں نے ان میں سے ہر ایک سے دو تابعیوں نے اور پھر ان سے دو تبع تابعیوں نے روایت کیا ہے۔ اس تعدد رواۃ سے روایت بڑی قوی ہو جاتی ہے۔ لیکن اس سند سے بھی ایسا قطع ویقین حاصل نہیں ہوتا۔ کہ اس کے منکر کو کافر کہا جا سکے۔ حنفیہ کے ہاں حدیث وتر اسی درجہ میں ہے کہ اس پر عمل تو فرض کے درجہ میں ہے۔ لیکن اس کا منکر کافر نہیں حضرت علامہ شامیؒ لکھتے ہیں:۔

اعلم ان الفرض نوعان فرض عملاً وعلماً وفرض عملاً فقط فالاول کالصلوٰۃ الخمس فانہا فرض من جہۃ العمل لا یحل ترکہا۔

۔ ۔ ۔ ۔ وفرض من جہۃ العلم والاعتقاد بمعنی انہ یفترض علیہ اعتقادہا حتی یکفر بانکارہا والثانی کالوتر فانہ فرض عملاً کما ذکرنا۔ ولیس بفرض علماً ای لا یفترض اعتقادہ حتی انہ لا یکفر منکرہ لظنیۃ دلیلہ وشبہۃ الاختلاف فیہ و لذا یسمی واجباً۔[2]

ترجمہ۔ یہ جانو کہ فرض کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جو علماً اور عملاً ہر دو پہلوؤں سے فرض ٹھہرے اور دوسرا وہ جو صرف عملاً فرض ہو اعتقاداً فرض نہ ہو ــــــ پہلے فرض کی مثال نماز پنجگانہ ہے وہ عمل کی طرف سے بھی فرض ہے کہ اسے چھوڑنا حلال نہیں اور علم کی رو سے بھی فرض ہے کہ اس کی فرضیت کا اعتقاد رکھنا بھی فرض ہے۔ یہاں تک کہ اس کا انکار کفر ہے اور دوسری قسم کی مثال میں وتر کو لیجئے۔ وہ عملاً فرض ہے علماً فرض نہیں۔ اس کا اعتقاد فرض نہیں ٹھہرتا۔ یہاں تک کہ اس کے منکر کی تکفیر نہ کی جا سکے گی۔ کیوں کہ اس کا ثبوت دلیل ظنی سے ہے اور اس میں شبہ اختلاف بھی ہے اور اس لیئے اسے فرض نہیں کہتے واجب کہتے ہیں۔

---
[1] صحیح مسلم جلد ۱ صفحہ ۴۹ [2] ردالمحتار جلد ۱ صفحہ ۶۲۱

حدیث عزیز لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ ——— الحدیث اس طرح مروی ہے ۔

- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
  - حضرت انس رضی اللہ عنہ
    - حضرت قتادہ (تابعی)
      - شعبہ
      - سعید
    - عبدالعزیز بن صہیب (تابعی)
      - اسمٰعیل بن علیہ
      - عبدالوارث
  - حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ
    - اعرج
      - ابوالزناد

حدیث غریب

وہ خبر واحد ہے جس کی سند کسی مقام پر صرف ایک ہی راوی سے چلی ہو مثلاً کسی صحابی سے ایک ہی تابعی نے روایت کیا ہو. گو اس کے بعد پھر تفرد نہ رہا ہو. جیسے بخاری کی یہ روایت ہے :۔

الایمان بضع وسبعون افضلہا لا الٰہ الا اللہ وادناھا اماطۃ الاذی عن الطریق ۔

اسے حضرت ابوہریرہؓ سے صرف ابوصالح تابعی نے روایت کیا ہے اور ابوصالح سے حضرت عبداللہ بن دینار نے ۔ اس طرح کی حدیث غریب کو فرد بھی کہتے ہیں یہ ضعف کی کوئی قسم نہیں ہے

حدیث غریب کی قسمیں

حدیث غریب کو فرد بھی کہتے ہیں ۔ پھر فرد کی دو قسمیں ہیں ۔ فرد مطلق ۔ فرد نسبی ۔

مذکورہ بالا مثال فرد مطلق کی ہے ۔ فرد نسبی یہ ہے کہ صحابی سے تو متعدد تابعی روایت کریں لیکن اس کے بعد راوی کہیں ایک ہی رہ جائے ۔ پھر فرد نسبی کی آخر بہت سی قسمیں ہیں کبھی تفرد کسی ایک علاقے کے محدثین کے لحاظ سے ہوتا ہے ۔ جیسے اہل مدینہ ، اہل مکہ ، اہل بصرہ اہل کوفہ وغیرہ کے رواۃ کرام کہ ایک علاقے کا ایک ہی راوی اسے روایت کرے ۔

فرد اور غریب دونوں ہم معنی لفظ ہیں۔ مگر محدثین عام طور پر فرد مطلق کو فرد اور فرد نسبی کو غریب کہتے ہیں۔ ان کے ہاں یہ بات عجیب ہے کہ زمانہ تابعین میں تو اس حدیث کو زیادہ راوی روایت کریں اور آگے کسی دور میں اس کا راوی ایک رہ جائے ——— اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایسی حدیث غریب ہونے کے باوجود صحیح ہی رہتی ہے۔ بشرطیکہ سند کا اتصال قائم ہو اور رواۃ کمزور نہ ہوں۔ سوکسی حدیث کا غریب ہونا اس کی صحت کے منافی ہے۔

حدیث کا غریب ہونا اس کی صحت کے منافی نہیں

یاد رکھیئے حدیث کا غریب ہونا اس کی صحت کے منافی نہیں۔ حدیث غریب حدیث صحیح کی ہی ایک قسم ہے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ مقدمہ مشکوٰۃ میں لکھتے ہیں :۔

الحدیث الصحیح ان کان راویہ واحداً یسمی غریباً وان کان اثنین یسمی غریباً وان کانوا اکثر یسمی مشہوراً و مستفیضاً وان بلغت رواتہ فی الکثرۃ الی ان یستحیل العادۃ تواطئھم علی الکذب یسمی متواتراً ویسمی الغریب فرداً ایضاً...... وعلم مما ذکران الغرابۃ لاتنافی الصحۃ ویجوزان یکون الحدیث صحیحاً غریباً بان یکون کل واحد من رجالہ ثقۃ [۱]

ترجمہ۔ حدیث صحیح کا راوی اگر ایک ہی ہو تو اسے غریب کہیں گے۔ دو ہوں تو بھی اسے غریب کہیں گے اور اگر راوی دو سے زیادہ ہوں تو اسے مشہور اور مستفیض کہیں گے اور اگر اس کے راوی کثرت میں اس درجے تک پہنچیں کہ عادۃً ان کا جھوٹ پر اتفاق کر لینا محال ٹھہرے تو اسے متواتر کہیں گے، حدیث غریب کو فرد بھی کہتے ہیں (اکیلی) اور اس تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی حدیث کا غریب ہونا اس کے صحیح ہونے کے منافی نہیں اور ہو سکتا ہے کہ ایک حدیث صحیح بھی ہو اور غریب بھی کہ راوی تو اس

---

[۱] مقدمہ مشکوٰۃ صہ دہلی وقد یقع بمعنی الشاذ۔

کے ایک ایک ہی ہوں لیکن سب ثقہ ہوں۔

امام ترمذیؒ نے کتاب العلل میں حدیث غریب پر بحث کی ہے۔ جن وجوہ غرابت کا آپ نے ذکر کیا ہے[۵] وہ حدیث صحیح میں بھی ہو سکتے ہیں۔ حدیث کی یہ مختلف قسمیں مختلف درجوں کا علم بخشتی ہیں۔ حدیث متواتر سے اس یقینی درجے کا علم حاصل ہوتا ہے کہ اس کا منکر بے شک کافر ٹھہرتا ہے۔ حدیث احاد مشہور کے درجہ تک پہنچے تو اس کا منکر سخت گمراہ قرار پائے گا۔ سند کی قلت و کثرت کے باعث ان روایات سے جس درجے کا ثبوت ملے گا اس سے علم کے مختلف درجات قائم ہوں گے۔ اخبار احاد کتنی ہی کیوں نہ ہوں ان سے حاصل شدہ علم علم ظنی ہی شمار ہوگا۔ لیکن یہ ظن اس درجے میں نہیں کہ اسے یونہی ٹھکرا دیا جائے۔ اس سے جو علم حاصل ہوتا ہے اپنی جگہ عمل کے لیے کافی ہے۔ خبر واحد کے حجت ہونے کی بحث ہم قواعد الحدیث میں کر آئے ہیں۔ سو خبر واحد اگر صحیح ہو تو سوائے گمراہ کے اس کا کوئی منکر نہ ہو گا۔

خبر واحد کے مختلف مراتب

یہاں یہ واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ وہ حدیث جس پر سب کا اتفاق ہو اور وہ جو کسی خاص مسئلہ کے متعلق صرف ایک راوی سے روایت کی گئی ہو اور اس میں مختلف تاویلوں کی گنجائش بھی ہو۔ دونوں برابر نہیں ہو سکتیں۔ پہلی حدیث کا تسلیم کرنا بلاشبہ قطعی ہے۔ اگر کوئی اس کا منکر ہو تو اس سے توبہ کرائی جائے۔ لیکن دوسری قسم کی حدیث اس درجہ میں قوی نہیں۔ کہ اگر اس حدیث میں کوئی شک کرے تو اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے۔ تاہم عمل کرنا اس پر بھی لازم ہو گا۔ گو اس میں کسی وجہ ترجیح کو اختیار کیا جائے۔ جب تک کہ اسباب ترک میں سے کوئی سبب پایا نہ جائے اسے چھوڑنا درست نہ ہو گا۔ جیسا کہ شاہدوں کے بیان پر فیصلہ کر دیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہاں بھی غلطی اور شکوک کا احتمال رہتا ہے۔ لیکن پھر بھی جب تک کہ تحقیق نہ ہو ان کے ظاہر حال پر ہی عمل کیا جاتا ہے۔

---

[۵] کتاب العلل صفحہ ۶۴۰ لکھنو

خبرِ واحد پر عمل نہ کرنے کی چند صُورتیں

ہاں یہ ممکن ہے کہ اگر کسی کے پاس خبر واحد پہنچی ہو تو اس نے اس پر اس لیے عمل نہ کیا ہو کہ اس کے نزدیک وہ خبر حد صحت کو نہ پہنچی ہو یا وہ حدیث دو معنوں کو محتمل ہو. اور اس نے دوسرے معنی پر عمل کر لیا ہو یا اس کے معارض اس سے زیادہ صحیح حدیث اس کے پاس موجود ہو. غرض جب تک وجوہ ترجیح یا اسباب ترک میں سے کوئی سبب اس کے پاس موجود نہ ہو، ہرگز کسی کے لیئے خبر واحد کا ترک کرنا جائز نہیں[1]

خبر واحد کے حجت ہونے پر حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں بہت ٹھوس دلائل دیئے ہیں[2]. حضرت مولانا بدرعالم مدنیؒ نے ترجمان السنۃ جلد اول میں اس پر گراں قدر بحث کی ہے[3]. اس میں سے کچھ حجیت حدیث کے عنوان میں ہم ذکر کر چکے ہیں.

خبر متواتر اور خبر واحد کی یہ بحث یا حدیث مشہور، حدیث عزیز اور حدیث غریب کا تقابل یہ سب ثبوت روایت کی مختلف شکلیں ہیں. حدیث کی یہ اقسام باعتبار علم ہیں کہ راویوں کی تعداد کے لحاظ سے کس طرح علم کے مختلف درجے قائم ہوئے. اس میں راویوں کی ذات سے بحث نہ تھی. صرف ان کی تعداد پیش نظر تھی. اگر ان راویوں کی ذات سے بحث کی جائے اور ان کی صفات صدق وضبط وغیرہ کو دیکھا جائے تو حدیث کی اور اقسام پیدا ہوں گی. ہم انہیں ایک دوسرے عنوان سے ذکر کرتے ہیں.

(۲) حدیث کی تقسیم باعتبار رواۃ

حدیث صحیح، حدیث حسن اور حدیث ضعیف میں سے ہر ایک کی دو دو قسمیں ہیں. پہلے ان کے نام سمجھ لیجئے. پھر ہر ایک کی تعریف عرض خدمت ہو گی.

---

[1] ترجمان السنۃ جلد اول ص۱۴۶

حدیث

- صحیح
  - ۱ صحیح لذاتہ
  - ۲ صحیح لغیرہ
- حسن
  - ۳ حسن لذاتہ
  - ۴ حسن لغیرہ
- ضعیف
  - ۵ قوی بتعدد ترک
  - ۶ ضعیف متروک

حدیث صحیح

ان میں سے پہلی پانچ قسم کی حدیثیں مقبول ہیں۔ ان میں سب سے اعلیٰ حدیث صحیح لذاتہ ہے۔ یہ وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل (جھوٹ اور منہیات شرعیہ سے بچے ہوئے) اور تام الضبط (قوی یاد داشت والے[1]) ہوں اور سند میں اتصال ہو کر ہر راوی دوسرے راوی سے ملا ہو اور اس حدیث کے خلاف کسی لفظ میں کوئی اور راوی مخالفت کرنیوالا نہ ہو۔

حدیث صحیح لغیرہ

یہ وہ حدیث ہے جس میں سب شرطیں صحیح لذاتہ کی پائی جاتی ہوں۔ علاوہ اس کے کہ کسی راوی کا حافظہ اتنا پختہ نہ ہو جتنا کہ صحیح لذاتہ کے راوی کا ہونا چاہیئے۔ مگر اس کمی کو تعدد طرق نے پورا کر دیا ہو۔ دوسرے لفظوں میں اس کی تعریف اس طرح کی جا سکتی ہے۔ کہ صحیح لغیرہ وہ حدیث ہے جس کو راوی عادل خفیف الضبط (جس کے ضبط اور یاد داشت میں کچھ کمزوری ہو) نے بسند متصل روایت کیا ہو اور وہ حدیث نہ معلل ہو نہ شاذ اور اس کی سندیں بھی متعدد ہوں۔ راوی کے تام الضبط نہ ہونے کی وجہ سے یہ صحیح لذاتہ نہیں لیکن اس کمی کو چونکہ تعدد طرق نے پورا کر دیا ہے۔ اس لیئے وہ حدیث صحیح لغیرہ ٹھہرے گی۔

---

[1] یہ ضبط صرف زبانی یاد داشت سے بھی ہوتا ہے اور کبھی کتاب کی مدد سے بھی ہوتا ہے۔ پہلے ضبط کو ضبط صدر اور دوسرے کو ضبط کتاب کہتے ہیں۔

حسن لذاتہ

یہ وہ حدیث ہے جس کے تمام راوی عادل وضابط تو ہوں. لیکن کوئی راوی خفیف الضبط ہو اور سند میں کسی جگہ سے کوئی راوی چھوٹا نہ ہو اور حدیث معلل اور شاذ نہ ہو ــــــ حدیث صحیح لغیرہ اور حسن لذاتہ کی تعریفوں سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا. کہ اگر حدیث حسن لذاتہ میں ضبط کی کمی دیگر سندوں کی تائید سے پوری کر دی جائے. تو وہی حدیث جو حسن لذاتہ تھی صحیح لغیرہ ہو جائے گی. بعض حدیثوں کی کتابوں میں آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ ایک ہی حدیث کو حسن صحیح لکھا ہے. تو اس کا یہی مطلب ہے کہ یہ حدیث اگرچہ حسن لذاتہ ہے. لیکن دوسری سندوں کی تائید سے یہ صحیح لغیرہ کے درجہ کو پہنچ گئی ہے. حدیث حسن کی اصطلاح امام ترمذی کے ہاں بہت ملتی ہے. سو اسے مستقل طور پر جاننا چاہیئے کہ ان کے ہاں اس کا کیا مطلب ہے آپ لکھتے ہیں:-

ما ذکرنا فی ھذا الکتاب حدیث حسن فانما اردنا حسن اسنادھا عندنا وکل حدیث یروی ولایکون فی اسنادھا من یتھم بالکذب و لایکون الحدیث شاذا ویروی من غیر وجہ نحو ذلک فھو عندنا حدیث حسن۔[1]

ترجمہ. ہم نے اس کتاب میں جہاں کسی حدیث کو حسن کہا ہے تو اس سے ہماری مراد اس کا سند کے اعتبار سے حسن ہونا ہے ــــــ اور ہر حدیث جو مروی ہو اور اس کی سند میں کوئی راوی ایسا نہ ہو جو متہم بالکذب ہے (جس پر جھوٹ کا الزام نہ ہو) اور نہ وہ حدیث شاذ ہو کہ (دوسرے راوی اس شیخ سے ایسے روایت نہ کرتے ہوں) اور وہ صرف ایک طریق سے مروی نہ ہو (کئی طریقوں سے اس کی روایت ہوئی ہو) تو ہمارے ہاں اسے حسن کہیں گے.

---

[1] کتاب العلل للترمذی جلد ۲ صفحہ ۶۲۶

حسن غریب

دیکھیئے اس کے تمام راوی عادل اور ضابط ہیں لیکن تعدد طرق سے مروی ہو۔ یہ اس میں شرط نہیں ہے۔ پس اس اعتبار سے حسن اور غریب کہ جس میں راوی کا تفرد بھی ہو، کوئی منافات نہیں ہے۔ اس لیئے امام ترمذی نے روایت کے حسن ہونے اور غریب ہونے کو کئی سندوں میں جمع بھی کر دیا ہے۔ جن کے تمام راوی عادل وضابط تو ہیں، لیکن کسی مقام پر ان کے نزدیک تفرد آگیا ہے۔ سو ایسی حدیث ان کے ہاں حدیث صحیح غریب یا حسن غریب ہوگی۔

حسن لغیرہ

یہ وہ حدیث ہے جس کی قبولیت میں تردد ہو۔ جیسے کوئی راوی مستور اور مجہول الحال ہو۔ لیکن دوسری سندوں سے اس کو تقویت حاصل ہوگئی۔ یہ حدیث اگرچہ ضعیف ہوتی ہے۔ لیکن دوسری سندوں کی تائید سے قابل عمل اور لائق استدلال ہو جاتی ہے۔ امام نووی (۶۷۶ھ) نے شرح مہذب میں اور سیدنا ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) نے اس سے استدلال کرنے کی تائید فرمائی ہے۔ جیسے حدیث طلب العلم فریضة علی کل مسلمؐ کی بعض روایتوں میں 'مسلمة' کا اضافہ ہے۔ اس حدیث کے بیان کرنے والے امام ابن ماجہ (۲۷۵ھ) امام بیہقیؒ (۴۵۸ھ) اور امام طبرانی (۳۶۰ھ) وغیرہ ہیں اور حضرات صحابہ میں اس کے روایت کرنے والے حضرت ابو ایوب انصاریؓ (۵۱ھ) ابی بن کعبؓ (۱۹ھ) حذیفہؓ (۳۵ھ) سلمان فارسیؓ (۳۵ھ) ابو ہریرہؓ (۵۷ھ) حضرت عائشہ صدیقہؓ (۵۷ھ) حضرت انسؓ (۹۳ھ) وغیرہم ہیں اور پھر حضرت انسؓ سے روایت کرنے والے بیس تابعی ہیں۔ لیکن نہایت تعجب کی بات ہے کہ محدثین اس پر متفق ہیں۔ کہ اس کی تمام سندیں ضعیف ہیں۔ بایں ہمہ دیکھئے کہ اس حدیث کے تعدد طرق کو دیکھ کر حافظ سیوطی (۹۱۱ھ) نے اس کو احادیث متواترہ میں شمار کیا ہے۔ یوں سمجھئے کہ یہ تواتر کی ایک اور قسم سامنے آگئی گو باعتبار علم ہم اسے متواتر نہیں کہہ سکتے۔ لیکن یہ بھی نہیں کہ عمل کے لیے یہ محض ضعیف ہی ہے۔

حدیث ضعیف (قوی بتعدد طرق)

وہ حدیث ضعیف ہے جس کی سند موجود ہو (یعنی موضوع اور من گھڑت نہ ہو) لیکن اس کے راوی باعتبار یادداشت یا عدالت کے کمزور ہوں. لیکن اگر اسے دوسری سندوں سے تائید حاصل ہو تو یہ قبول کی جا سکتی ہے یہی نہیں کہ صرف فضائل اعمال میں انہیں لے لیا جائے گا بلکہ ان سے بعض حالات میں استخراج مسائل بھی کیا جا سکتا ہے. قیاس استنباط مسائل کے لیے ہی ہوتا ہے. امام ابو حنیفہؒ ضعیف حدیث کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے. حضرت امام احمد بن حنبلؒ سے بھی ایسا ہی منقول ہے. ظاہر ہے کہ یہ بات احکام میں ہی چل سکتی ہے فضائل میں نہیں. سو اس بات سے چارہ نہیں کہ حدیث ضعیف کا بھی اپنا ایک وزن ہے یہ من گھڑت نہیں ہوتی.

حدیث ضعیف کی ترجیح محض قیاس پر

حافظ ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) لکھتے ہیں :-

جمیع اصحاب ابی حنیفة مجمعون علی ان مذھب ابی حنیفة ان ضعیف الحدیث اولی عندنا من القیاس والرای[1]

ترجمہ. امام ابو حنیفہ کے تمام شاگرد اس پر متفق ہیں کہ امام ابو حنیفہ کا طریقہ یہی تھا کہ آپ ضعف حدیث کو قیاس پر ترجیح دیتے تھے.

حافظ ابن قیم حنبلی (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں :-

واصحاب ابی حنفة مجمعون علی ان مذھب ابی حنیفة ان ضعیف الحدیث عندہ اولی من القیاس والرای وعلی ذلك بنیٰ مذھبه . . .

. . . فتقدیم الحدیث الضعیف وآثار الصحابة علی القیاس و الرای قوله وقول الامام احمد[2]

ترجمہ. امام ابو حنیفہ کے سب شاگرد اس پر اتفاق کرتے ہیں کہ آپ کے

---

[1] ابطال الرأی والقیاس والاستحسان ص ۶۸ [2] اعلام الموقعین جلد ۱ ص ۸۸

ہاں حدیث ضعیف قیاس اور رائ پر مقدم تھی اور آپ نے اسی پر اپنے
مذہب کی بنیاد رکھی ہے۔ . . . سو حدیث ضعیف اور آثار صحابہ کو قیاس
پر مقدم کرنا امام ابو حنیفہ اور امام احمد دونوں کا فیصلہ ہے۔

حضرت امام ابو حنیفہ (۱۵۰ھ) کے بارے میں یہ غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے کہ وہ حدیث کے بجائے قیاس سے زیادہ کام لیتے تھے یہ درست نہیں۔ جب وہ حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم کرتے ہیں۔ تو یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ صحیح حدیث کو چھوڑ کر قیاس کو مقدم کرتے ہوں۔

ضعیف حدیث حسن لغیرہ تک

ضعیف حدیث کی سندیں گو وہ اپنی جگہ ضعیف ہوں۔ لیکن اس کے راویوں کا اگر ان پہلے راویوں سے مل کر روایت کرنے کا مظنہ نہ ہو تو اس تعدد طرق سے حدیث ضعیف قوی ہو کر حسن لغیرہ تک پہنچ جائے گی۔ لیکن اس کا فیصلہ حاذق محدثین ہی کر سکتے ہیں۔ نہ کہ ہر ایک کو اس کا حق دیا جائے نہ ہر ایک اس کا اہل ہے۔ قال اللہ تعالیٰ ان اللہ یا مرکم ان تودوا الامانات الی اھلھا۔ اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ امانتوں کو ان کے اہل لوگوں کے سپرد کرو۔

حدیث اصحابی کالنجوم محدثین کے ہاں اسی طریق سے لائق قبول سمجھی گئی ہے۔ وہب بن جریر اپنے والد سے وہ حضرت اعمش سے وہ حضرت ابو صالح سے وہ حضرت ابو ہریرہؓ سے اور وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کرتے ہیں:۔

اصحابی کالنجوم من اقتدیٰ بشئی منھا اھتدیٰ[1]

ترجمہ۔ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں جو ان میں سے کسی کی پیروی کر گیا ہدایت پالی۔

علم کی آفتوں میں سب سے بڑی آفت

ضعیف حدیث سے عقائد کا ثابت کرنا علم کے لیئے ایک بہت بڑی آفت ہے۔ علم سے نا آشنا لوگ ضعیف روایات سے عقائد کا اثبات کرتے ہیں۔ چند مثالیں لیجئے۔

(۱) بعض لوگ اس حدیث سے آپ کا علم محیط یا آپ کا ہر چیز کو ناظر ہونا اس سے ثابت

---

[1] مشکوٰۃ صد ۵۵۴ پر بھی یہ مختلف الفاظ سے موجود ہے محدث گنگوہی فرماتے ہیں کہ یہ حسن لغیرہ تک پہنچ جاتی ہے۔

کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کانی انظرالی کفی هذهٖ۔ میں پوری دنیا کو اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی اس ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں ——— اس قسم کی ضعیف احادیث پر عقائد کی بنیاد رکھنا قابل رحم علمی بے بسی ہے۔

حدیث ضعیف (متروک)

ضروری نہیں کہ ضعیف حدیث کثرت طرق سے ہمیشہ قوی ہو جائے بعض اوقات روایت کثرت طرق سے اور زیادہ ضعیف ہوتی جاتی ہے۔ طالب علم سوچتا ہے کہ اسے باوجود اپنے مضمون کے اہم ہونے اور کثرت طرق سے مروی ہونے کے صحیح سند آخر کیوں میسر نہ آئی؟ اتنے طرق سے منقول ہوئی۔ مگر ہر طریق سند کمزور ہی رہا۔ سو یہ روایت محض اتفاقی ضعیف نہیں ہوگی۔ بلکہ حقیقۃً ہی کمزور ہوگی۔ اس صورت میں جوں جوں طرق بڑھتے جائیں گے ضعف اور نمایاں ہوتا جائے گا اور یہ بات ماہر محدثین اور حاذق اساتذہ ہی جان سکتے ہیں۔ حافظ زیلعیؒ (۷۶۲ھ) ایک مقام پر لکھتے ہیں :-

کم من حدیث کثرت رواته وتعددت طرقهٗ وهو حدیث ضعیف کحدیث الطیر وحدیث الحاجم والمحجوم وحدیث من کنت مولاه فعلی مولاه بل قد لایزیدا کثرة الطرق الا ضعفا[۲]

ترجمہ کتنی ہی حدیثیں ہیں جن کے راوی بہت ہیں اور ان کے طریق سند بھی متعدد ہیں پھر بھی وہ حدیث ضعیف رہی ہے جیسے حدیث طیر، حدیث حاجم (کہ پچھنے لگانے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے) اور حدیث من کنت مولاہ فعلی مولاہ ——— بلکہ بعض اوقات کثرت طرق سے ضعف اور بڑھتا جاتا ہے۔

ابن صلاحؒ (۶۴۳ھ) اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی ضعیف حدیث کو بیان کرنے کا ارادہ کرے تو اس کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب الفاظ جازمہ وقطع ویقین کے سے الفاظ سے نہ کرے یوں نہ کہے :- قال رسول الله كذا وما اشبه ذلك[۳]

---

[۱]

[۲] نصب الرایہ جلد ۱ صفحہ ۳۶۰ [۳] مقدمہ ابن صلاح صفحہ

بلکہ یوں کہے رُوِی عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا او کذا۔ یا یُوں کہے۔ بلغنا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذا او کذا او امثال ذالک۔ اور یہی حکم ان حدیثوں کے بارے میں ہے جن کی صحت و ضعف میں شک ہو۔

علماء نے صرف پند و نصیحت، بیان قصص اور فضائل اعمال کے مواقع پر احادیث ضعیف کے بیان کرنے کو بلا اس کے ضعف بیان کیے جائز رکھا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب سِیَر میں آپ کو احادیث ضعیفہ بغیر تصریح کے بہت ملیں گی بخلاف احادیث موضوعہ کے کہ ان کا بیان کرنا حرام ہے۔ انہیں بیان کرنا کسی موقع پر درست نہیں۔ سوا اس کے کہ ان کے موضوع ہونے کو بیان کرے۔ سو موضوع حدیث کا بیان کرنا اور اسے لوگوں میں رائج کرنا بالکل حرام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر افتراء اور بہتان ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔

من کذب علی متعمدا فلیتبوا مقعدہ فی النار (مشکوٰۃ ص۳۲ عن البخاری)۔

ترجمہ۔ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر بہتان باندھا اسے چاہیئے کہ اپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔

موضوع حدیث

وہ روایت جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر خود وضع کی گئی ہو یا صحابہ کرامؓ کے نام پر گھڑی گئی ہو موضوع روایت کہلاتی ہے۔ اس کی بالکل سند نہیں ہوتی۔ اگر اس کی کوئی سند بھی وضع کرلے تو بھی اس کا موضوع ہونا کسی دوسرے پہلو سے کھل جائے گا۔ سند ہو بھی تو اس میں وضاع اور کذاب قسم کے راویوں سے اس کا من گھڑت ہونا معلوم ہو جاتا ہے۔

موضوع احادیث کے بارے میں اہم کتابیں

علماء اسلام نے جہاں حدیث کی مختلف پہلوؤں سے خدمت کی ہے۔ وہاں انہوں نے موضوع روایات کی نشاندہی بھی پُوری محنت سے کی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ تمام بڑے بڑے محدثین نے علم پیغمبر کے گرد حفاظت کے پہرے دیئے ہیں اور ایسے حضرات بھی سامنے آئے ہیں۔ جنہوں نے موضوع روایات کی نشاندہی میں مستقل کتب تصنیف فرمائی ہیں۔

تذکرۃ الموضوعات

لابی الفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد المقدسی المعروف بابن القیسرانی (۵۰۷ھ)

ان کے بعد اس باب میں اولیت کا شرف علامہ ابو الفرج عبدالرحمٰن بن جوزی ؒ (۵۹۷ھ) کو حاصل ہے۔ آپ سے اگر کہیں تشدد اور سختی بھی ہوگئی ہے کہ بعض حدیثوں کو بھی موضوعات میں رکھ دیا تو اس کی اصلاح کے لیئے امام سیوطیؒ (۹۱۱ھ) نے تعقبات علی الموضوعات تحریر فرمائی ہے۔ جو لائق مطالعہ ہے۔

① موضوعات ابن جوزی (۵۹۷ھ)

بے شک اس کتاب کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ مگر چونکہ یہ اس فن کی پہلی محنت ہے اس لیئے آپ سے اس میں کئی فروگذاشتیں ہوئی ہیں۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ آپ نے اس باب میں ایک بڑا علمی مواد فراہم کیا ہے۔

حافظ ابن صلاحؒ لکھتے ہیں کہ ابن جوزیؒ حدیث کو موضوع قرار دینے میں بہت جلد باز ثابت ہوئے ہیں۔ آپ نے اس میں بہت سی ضعیف حدیثوں کو بھی موضوع کہہ دیا ہے۔ حالانکہ ایسا نہ ہونا چاہیئے تھا۔ یہیں تک نہیں۔ بلکہ کچھ حسن اور صحیح حدیثیں بھی آپ نے موضوعات میں شمار کر ڈالیں اور محدثین نے ان پر پھر تعقبات لکھے ہیں۔

② موضوعات حضرت شیخ حسن الصغانی (۶۵۰ھ)

حضرت علامہ حسن صغانی (لاہوری) صاحب مشارق الانوار نقد حدیث میں بہت سخت تھے۔ ان کے سامنے ابن جوزی کی موضوعات نشان راہ تھی۔ آپ نے اپنی طرف سے بھی اس باب میں گرانقدر معلومات مہیا کیئے ہیں۔ بعد کے آنے والے مؤلفین نے اس باب میں آپ کی کتاب سے بہت استفادہ کیا ہے۔

(۳) موضوعات المصابیح

حضرت شیخ سراج الدین عمر بن علی القزوینی (۸۰۴ھ) کی تصنیف ہے اور بہت نایاب ہے

(۴) اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ

یہ حضرت علامہ جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ) کی تصنیف ہے۔ آپ نے اس کے علاوہ کتاب الذیل اور کتاب الوجیز بھی اس باب میں تحریر فرمائی ہیں۔ جو قابل مطالعہ ہیں۔

(۵) تذکرۃ الموضوعات اور قانون الموضوعات

تذکرۃ الموضوعات اور قانون الموضوعات کے مصنف حضرت علامہ محمد طاہر فتنی صاحب مجمع البحار (۹۸۶ھ) لغت حدیث کے جلیل القدر امام تھے۔ آپ کی کتابیں تذکرۃ الموضوعات اور قانون الموضوعات جو ۲۲۹ صفحات اور ۸۰ صفحات پر مشتمل ہیں۔ اس باب کی بہت مفید کتابیں ہیں۔

(۶) موضوعات کبیر اور اللآلی المصنوع فی الحدیث الموضوع

موضوعات کبیر محدث جلیل حضرت ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) کی تالیف ہے۔ یہ اس باب میں بہت جامع اور مرکزی کتاب ہے۔ اللآلی المصنوع اس کے بعد کے درجے میں ہے۔

(۷) الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعہ

یہ علامہ شوکانیؒ (۱۲۵۰ھ) کی تالیف ہے۔ اس میں آپ ابن جوزی کی راہ پر چلے ہیں۔ اور بہت سختی کی ہے۔ کئی ضعیف اور حسن حدیثیں بھی موضوع ٹھہرا دی ہیں۔

(۸) الآثار المرفوعہ فی الاحادیث الموضوعہ

یہ حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی (۱۳۰۴ھ) کی تالیف ہے۔

ان تمام کوششوں کے باوجود اہل باطل موضوع حدیثوں کی روایت سے رُکے نہیں وہ اس کی برابر اشاعت کرتے رہتے ہیں. اپنے عقائد فاسدہ کو استناد مہیا کرنے کے لیئے وہ اپنے حلقوں میں ان کا برابر چرچا کرتے ہیں. قرآن کریم میں اہل باطل کا یہ عمل بھی مذکور ہے۔

والذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ وابتغاء تاویلہ۔ پ۳ آل عمران ع۱

متشابہات کے الفاظ تو پھر بھی صحیح ہوتے ہیں. صرف مرادات میں تشابہ ہوتا ہے. اور موضوع روایات کا تو وجود ہی باطل ہے. جب متشابہات سے استدلال جائز نہیں ہے تو موضوع روایات سے اپنے مسلک کی گاڑی چلانا یہ کون سا جائز فعل ہوگا. ہم یہاں طلبہ کے فائدہ عام کے لیئے چند روایات بھی ذکر کرتے ہیں جن کی کوئی سند نہیں، نہ صحیح، نہ حسن نہ ضعیف ان سے آپ اندازہ کر سکیں گے. کہ حدیث کے باب میں کس قدر بے احتیاطی ہماری صفوں میں گھس آئی ہے.

۱۔ اذا جاءکم الحدیث فاعرضوہ علی کتاب اللہ جب تمہارے پاس کوئی حدیث آئے تو اسے قرآن کریم پر پیش کرو اس کے موافق ہو تو لے لو ورنہ رد کردو۔

علامہ خطابی (۳۸۸ھ) فرماتے ہیں لا اصل لہ اس کی کوئی اصل نہیں امام یحیی بن معین کہتے ہیں وضعتہ[1] الزنادقۃ اسے زندیقوں نے وضع کیا ہے حضورؐ سے جب کوئی بات ثابت ہوجائے وہ خود سند ہے اور حجت ہے اسے قرآن کریم پر پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے حضورؐ سے قرآن کریم کے خلاف کوئی بات صادر ہو یہ ناممکن ہے

۲۔ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل بنو اسرائیل میں جو نبی بھی آئے وہ سب غیر تشریعی نبی تھے اور ان کی شریعت تورات تھی (پ۶ المائدہ ع۷) اس روایت میں علماء امت کو ان سے تشبیہ دی گئی ہے یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس آیت کے علماء میں کوئی غیر تشریعی نبی بھی نہ ہو کیونکہ مشبہ اور مشبہ بہ میں تغائر ضروری ہے۔ اس حدیث کے مضمون میں کلام نہیں لیکن من حیث الثبوت یہ

---

[1] معالم السنن للخطابی جلد۴ ص۲۹۹ لاحاجۃ بالحدیث ان یعرض علی کتاب فانہ مہما ثبت عن رسول اللہ کان حجۃ بنفسہ

بے اصل ہے دسویں صدی کے مجدد ملا علی قاری ؒ لکھتے ہیں۔

اما حدیث علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل فقد صرح الحفاظ کالزرکشی والعسقلانی والدمیری والسیوطی انہ لا اصل لہ [۱]

ملا علی قاری نے پہلے اس پر امام سیوطی کا سکوت نقل کیا تھا [۲] اس پر بہت سے صوفی مزاج علماء اسے نقل کرتے رہے پھر ملا علی قاری ؒ کو اس پر امام سیوطی کا بھی انکار مل گیا سو اب اسے کسی عقیدہ کے ثبوت میں پیش نہیں کیا جا سکتا۔

۳۔ من تکلم بکلام الدنیا فی المسجد احبط اللہ اعمالہ اربعین سنۃ

جس نے مسجد میں دنیا کی کوئی بات کی اللہ اس کے چالیس سال کے اعمال ضائع کر دیتا ہے۔ علامہ صغانی (۶۵۰ھ) فرماتے ہیں یہ موضوع ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں وھو کذلک لانہ باطل مبنیً و معنیً [۳]

۴۔ حدیث لا نبی بعدی۔ کتنی مشہور متواتر اور واضح المعنی ہے مگر محمد بن سعید شامی نے اسے حضرت انس بن مالک کی روایت بنا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر یہ حدیث وضع کر دی۔

انا خاتم النبیین لا نبی بعدی الا ان یشاء اللہ میں آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر یہ کہ جو اللہ چاہے۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی ؒ لکھتے ہیں

فوضع ھذا الاستثناء لما کان یدعوالیہ من الالحاد والزندقۃ و یدعی النبوۃ [۴]

۵۔ لو کان موسی و عیسی حیین ما وسعھما الا اتباعی حدیث میں صرف موسیٰ کا نام تھا (اگر موسیٰ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری پیروی سے چارہ نہ ہوتا) حضرت عیسیٰ کو فوت شدہ ثابت کرنے کے لیے یہ نام بھی ساتھ بڑھا دیا گیا۔ شیخ الاسلام علامہ عثمانی لکھتے ہیں

اس کی اسناد کا کتب حدیث میں کہیں پتہ نہیں [۵]

۶۔ سبائی کہتے ہیں حضور نے صحابہ کی موجودگی میں حضرت علی ؓ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا تھا۔

---

[۱] مرقات شرح مشکوٰۃ طبع قدیم جلد ۵ صہ ۵۶۴ مصر۔ [۲] موضوعات کبیر صہ ۴۸ مطبوع دہلی [۳] ایضاً صہ ۶۹ [۴] فتح الملہم جلد ۱ صہ ۶۵ [۵] فوائد القرآن پ ۱۶ سورہ مریم صہ ۳۹۸

هٰذا وصیی واخی والخلیفۃ من بعدی فاسمعوا لہ واطیعوہ

ملا علی قاری رحؒ اس کے بارے میں صرف اس پر اکتفا کرتے ہیں فلعنۃ اللہ علی الکاذبین[1]
حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) وانذر عشیرتک الاقربین کے تحت لکھتے ہیں[2]:۔
یہ روایت کہ اس آیت کے نازل ہونے پر حضورؐ نے حضرت علی کی گردن پر ہاتھ رکھا اور فرمایا یہ میرا بھائی ہے اسکی سنو اور اسکی اطاعت کرو اسمیں عبدالغفار بن قاسم کذاب تنہا ہے علی بن المدینی نے اسے وضع حدیث سے متہم قرار دیا ہے ۔ متروک کذاب شیعی اتھمہ علی بن المدینی وغیرہ بوضع الحدیث ۔

۷ ۔ موتوا قبل ان تموتوا ۔ کتنی مشہور روایت ہے ملا علی قاری حافظ ابن حجر عسقلانی سے نقل کرتے ہیں کہ یہ حدیث کہیں ثابت نہیں[3]

۸ ۔ حسن پرستوں نے اپنے ذوق کو تسکین دینے کے لیے یہ حدیث گھڑلی ہے ۔
النظر الی الوجہ الجمیل عبادۃ خوبصورت چہروں کو دیکھنا عبارت ہے ۔
حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں ھٰذا کذب باطل علی رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لم یروہ احد باسناد صحیح بل ھو من الموضوعات[4]

۹ ۔ فرض نمازوں کے بعد جو دعا مانگتے ہیں اسمیں یہ الفاظ والیک یرجع السلام حیّنا ربنا بالسلام حدیث میں اضافہ کئے گئے ہیں معلوم نہیں کس نے یہ جملے حدیث میں ڈال دیئے ہیں ملا علی قاری لکھتے ہیں فلا اصل لہ[5] اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ۔ حدیث اپنی جگہ موجود ہو اور کچھ الفاظ زیادہ کر دیئے جائیں یہ روایت ان کی مثال ہے بعض علماء نے الفاظ تبدیل کر سکے ہیں حدیث میں تھا اتقوا فراسۃ المومن فانہ ینظر بنور اللہ[6] انہوں نے بدل کر من نور اللہ بنا دیا[7]
حضورؐ کی خدمت میں ایک شخص پیتل کی انگوٹھی پہنے حاضر ہوا آپ نے اسے کہا :۔
مالی اجد منک ریح الاصنام[8] میں تجھ میں بتوں کی ہوا کیا محسوس کر رہا ہوں اسے یوں بدلا ۔

---

[1] موضوعات کبیر صہ ۹۴ ۔ [2] تفسیر ابن کثیر جلد ۳ صہ ۳۵۰ وکذلک صرح المدراسی فی کشف الاحوال میزان الاعتدال جلد ۳ صہ ۱۳۵ [3] موضوعات صہ ۵ ، [4] ایضاً صہ ، [5] ایضاً صہ ۸۹
[6] جامع صغیر جلد ۱ صہ ۹ [7] ملفوظات ۱ صہ ۱۰۸ [8] سنن ابی داؤد جلد ۲ صہ ۲۴

مالی اَرَی فی یدک حلیۃ الاصنام[1] تیرے ہاتھ میں بتوں کا زیور کیوں دیکھ رہا ہوں
اگر کوئی شخص کھانا شروع کرنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے دوران بسم اللہ فی اولہ وآخرہ پڑھ لے ان صاحب نے یہاں بھی لفظ فی کو علیٰ سے بدل دیا۔ حالانکہ حدیث میں یہ الفاظ نہ تھے۔ انہوں نے اُسے یوں بنا دیا۔ بسم اللہ علی اولہ وآخرہ[2] (استغفراللہ)

وضع حدیث کا کام صدیوں سے رکا ہوا تھا مرزا غلام احمد نے پھر سے اسے زندہ کیا اور لکھا :۔

احادیث صحیحہ میں آیا ہے کہ مسیح موعود صدی کے سر پر آئے گا اور وہ چودھویں صدی کا مجدد ہوگا[3]

اس شخص سے منحرف مت جاؤ جس کا آنا اس صدی پر صدی کے مناسب حال ضروری تھا اور جسکی ابتداء سے نبی کریمؐ نے خبر دی تھی[4]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندگی بھر چودھویں صدی کا لفظ اپنی زبان پر نہیں لائے نہ کبھی کہا کہ قیامت چودھویں صدی کے ختم پر آئے گی مرزا غلام احمد نے خود ہی یہ بات تجویز کی اور خود ہی اس کی علامات پورا کرنے کے لیے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا اور چودھویں صدی کی روایات گھڑی اور اسے حضور اکرمؐ کے ذمہ لگا دیا اور پھر یہ روایات بھی گھڑی کہ مسیح موعود تمہارا امام تمہی میں سے ہوگا۔

بل ھو امامکم منکم - ازالہ اوہام حصہ اصہ ۲۳۔

بل ھو کے الفاظ کتب حدیث میں کہیں نہیں ہیں مرزا غلام نے یہ خود گھڑے ہیں معلوم ہوا اہل باطل وضع احادیث کا سلسلہ اب تک جاری ہے حدیث کے اصل الفاظ یہ تھے

کیف انتم اذا نزل ـــ ابن مریم فیکم وامامکم منکم[5]

(ترجمہ) تمہارا کیا حال ہوگا جب ابن مریم تم میں اتریں گے اور اس وقت تمہارا امام تم میں سے ہوگا

اس سے پتہ چلتا ہے کہ حدیثیں وضع کرنے والے اغراض کے تحت حدیثیں گھڑتے تھے۔ اور باطل فرقوں کا یہ عام طریقہ رہا ہے۔

---

[1] ملفوظات ۳ صہ ۲ [2] ملفوظات ۲ صہ ۹۵۔

[3] ضمیمہ براھین احمدیہ حصہ پنجم صہ ۱۸۸ [4] دافع الوساوس صہ ۲۵۲۔ [5] صحیح مسلم جلد ۱ صہ ۸۷

متونِ حدیث

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد :-

متن عربی میں پشت Bone of contention کو کہتے ہیں متون اس کی جمع ہے۔ پشت پر بدن کا جملہ وزن آتا ہے اور یہی حصہ اس کا پوری طرح متحمل ہوتا ہے۔ حدیث کے جملہ اصول وفروع اور قواعد وکلیات بھی متن حدیث کے گرد ہی گھومتے ہیں۔ راویوں کی سند متن تک پہنچتی ہے۔ شروح اسی متن کو کھولتی ہیں اور ترجمے اسی کو دوسری زبان کا لباس پہناتے ہیں۔ جو کتابیں متونِ حدیث کو اپنے دامن میں لیئے ہوئے ہیں۔ آج کا موضوع ان کا تعارف ہے۔ ان میں وہ کتابیں بھی ہوں گی۔ جو متن کو سند کے ساتھ پیش کرتی ہیں۔ جیسے صحیح البخاری اور صحیح مسلم اور وہ بھی ہوں گی جو متن لاکر اس کی تخریج کر دیتی ہیں۔ جیسے مشکوٰۃ وغیرہ۔ ضرورت کے پیشِ نظر چند اُن کتابوں کا ذکر بھی ہوگا۔ جو راویوں کے حالات بتائیں اور آخر میں چند ان کتابوں کا ذکر بھی کیا جائے گا۔ جو مستقلاً بے سند اور موضوع روایات پر لکھی گئیں ——— جہاں تک اصل کتابوں کا تعلق ہے ان میں بھی اس سے بحث نہیں ہوگی۔ کہ یہ کب لکھی گئیں اور اس فن کی تدوین کیسے ہوئی ؟ یہ مباحث کچھ تاریخ حدیث میں اور کچھ تدوینِ حدیث میں آپ سُن چکے ہیں۔ اس وقت صرف یہ بتلانا ہے کہ ان دنوں متونِ حدیث کی کون کون سی کتابیں علماء اور طلبہ میں متداول ہیں، چھپی ہیں اور مل سکتی ہیں ——— اس فن کی جملہ مطبوعہ کتابوں کا احاطہ کرنا مقصود نہیں۔ اس بات کے متلاشی حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلویؒ کی کتاب بُستان المحدثین یا جرمن مستشرق بروکلمن کی کتاب کی مراجعت فرمائیں۔

صحیفہ حضرت ہمام بن منبّہ (۱۱۰ھ)

حدیث کی قدیم ترین کتاب جو اس وقت ہماری رسائی میں ہے صحیفہ ہمام بن منبہ ہے۔ ہمام بن منبہؒ حافظ الامت سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد تھے۔ صحیفہ ہمام بن منبہ (۱۱۰ھ) میں ۱۳۸ حدیثیں حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے لکھی ہیں ——— یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت ہمامؒ کو کل ۱۳۸ احادیث ہی یاد تھیں ——— نہیں آپ نے اور اساتذہ سے بھی بہت روایات سُنیں۔ ان دوسرے اساتذہ سے سُنی روایات اس میں شامل نہیں نہ حضرت ابو ہریرہؓ سے سُنی کل روایات کا اس میں احاطہ ہے۔ حضرت ہمامؒ نے جب یہ صحیفہ مرتب کیا۔ ان دنوں فنِ تدوین اپنی بالکل ابتدائی منزل میں تھا۔ یہ مجموعے محض یادداشت کے طور پر لکھے گئے تھے ——— صحیفہ ابن ہمام ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے تحقیقی کام کے ساتھ حیدرآباد دکن سے ۱۹۵۵ء میں شائع ہوا ہے۔ مولانا حبیب اللہ صاحب حیدرآبادی نے اس کا اردو ترجمہ کیا ہے جو شائع ہو چکا ہے۔ تیرہ صدیوں تک یہ کتاب مخطوطات میں ہی رہی۔ اس سے بہت پہلے مسند امام احمد مصر میں چھپ چکی تھی۔ اس میں مرویاتِ ابی ہریرہؓ ایک مستقل مسند ہے۔ مسند امام احمد کی جلد دوم میں صحیفہ ہمام بن منبہ کی کل احادیث مرویات ابی ہریرہؓ میں موجود ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ قدماء نے حدیث کس احتیاط سے جمع کی۔ کہ تیرہ صدیوں بعد آنے والا مجموعہ صدیوں بعد شائع ہونے والی کتابوں سے ہُو بہو اور حرف بحرف مطابق نکلا۔ اس وقت متن حدیث کی قدیم ترین کتاب جسے ہم دیکھ سکتے ہیں یہی ہے۔

حدیث کی دس پہلی کتابیں

پہلے ان دس کتابوں سے تعارف کیجئے جو صحاح ستہ کے وجود میں آنے سے پہلے لکھی جا چکی تھیں اور علماء متقدمین و متأخرین ان کے حوالوں سے ردًّا یا قبولاً بحث کرتے آئے ہیں اور ان کی اصلیت authenticity کسی دور میں مخدوش نہیں سمجھی گئی۔

① مسند امام ابی حنیفہؒ (۱۵۰ھ)

امام اعظم ابو حنیفہؒ کا موضوع زیادہ ترفقہ تھا حدیث نہیں۔ تاہم آپ ضمناً احادیث بھی روایت کرتے جاتے تھے۔ جنہیں آپ کے شاگرد آپ سے روایت کر دیتے تھے۔ مختلف علمائ نے آپ سے روایت شدہ احادیث کو جمع کیا ہے۔ علامہ خوارزمی (۶۶۵ھ) نے انکے پندرہ جمع شدہ مجموعے مسانید ابی حنیفہ کے نام سے مرتب کیے ہیں۔ ان مجموعوں کو امام صاحب سے براہِ راست نقل کرنے والے امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ امام صاحبؒ کے صاحبزادے حمادؒ اور امام حسن بن زیادؒ ہیں۔ ان میں سب سے بہتر مجموعہ محدث جلیل موسیٰ بن زکریا حصنفکی کا ہے۔ اسے ہی مسند ابی حنیفہ کہا جاتا ہے۔ یہ کتاب مصر، ہندوستان اور پاکستان میں بارہا چھپ چکی ہے۔

محدثِ کبیر ملا علی قاریؒ نے سند الانام فی شرح الامام کے نام سے اس کی شرح لکھی جو ۱۸۸۹ء میں مطبع محمدی لاہور نے شائع کی تھی۔ یہ کتاب مولانا محمد حسن سنبھلی کے حاشیہ کے ساتھ اصح المطابع لکھنؤ سے ۱۳۰۹ھ میں شائع ہوئی۔

② مؤطا امام مالکؒ (۱۷۹ھ)

مؤطا لفظ توطیہ سے ہے۔ توطیہ کے معنی روندنے، تیار کرنے اور آسان کرنے کے ہیں۔ امام مالکؒ نے اسے مرتب کر کے ستر فقہاء کے سامنے پیش کیا۔ سب نے اس سے اتفاق کیا۔ اسی وجہ سے اس اتفاق شدہ مجموعہ کو مؤطا کہا گیا۔ امام مالکؒ نے اسے فقہاء کے سامنے کیوں پیش کیا؟ محدثین کے سامنے کیوں نہیں؟ ملحوظ رہے کہ ان دنوں فقہاء ہی حدیث کے اصل امین سمجھے جاتے تھے اور یہی لوگ مراداتِ حدیث کو زیادہ جاننے والے مانے جاتے تھے

امام مالکؒ کا موضوع چونکہ زیادہ تر فقہ تھا۔ اس لیئے آپ نے اس میں سند کے اتصال کی بجائے تعامل امت کو زیادہ اہمیت دی ہے۔ آپ اس میں اقوال صحابہؓ اور تابعینؒ بھی لے آئے ہیں۔ آپ کے ہاں سنت وہی ہے جس پر امت میں تسلسل سے عمل ہوتا آیا ہو۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں :۔

مزجه باقوال الصحابة وفتاوى التابعين ومن بعدهم۔[1]

ترجمہ: آپ نے صحابہ کے اقوال اور تابعین اور انکے بعد کے لوگوں کے فتاوے اس میں شامل کیے ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اسے فقہ کی کتاب شمار کرتے ہیں۔[2] جہاں تک اس کی اسانید کا تعلق ہے۔ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ليس فيه مرسل ولا منقطع الا وقد اتصل السند به من طرق اخرىٰ۔[3]

ترجمہ: اس میں کوئی مرسل اور منقطع روایت ایسی نہیں جو دوسرے طرق سے متصل نہ ہو چکی ہو۔

موطا امام مالک میں ۸۲۲ روایات مرفوع ہیں۔ جو حضورؐ تک پہنچتی ہیں۔ ان میں سے بھی ۲۴۴ مرسل ہیں۔ جو تابعینؒ کی روایت سے حضورؐ تک پہنچی ہیں۔ انہیں محدثین کی اصطلاح میں مرسل کہتے ہیں۔ اس دور میں مرسل احادیث لائق قبول سمجھی جاتی تھیں۔ جب تک جھوٹ اور فتنوں کا دور شروع نہیں ہوا۔ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ جیسے اکابر مرسل روایات کو بلا تردد قبول کرتے رہے۔

امام مالکؒ سے موطا کے سولہ نسخے آگے چلے۔ جن میں صحیح ترین نسخہ امام یحییٰ بن یحییٰ مصموری الاندلسی کا ہے۔ موطا مالک ان دنوں اسے ہی کہتے ہیں۔ بڑے بڑے متبحر علماء نے اس کی شروح اور حواشی لکھے ہیں۔ ان کا کچھ ذکر آپ کو شروح حدیث کے ذیل میں ملے گا۔ حضرت امام شافعیؒ نے لکھا ہے:۔

ما على ظهر الارض كتاب بعد كتاب الله اصح من كتاب مالك۔[4]

ترجمہ: تختہ زمین پر کوئی کتاب قرآن کریم کے بعد موطا سے زیادہ صحیح نہیں۔

یہ اس وقت کی بات ہے۔ جب صحیح بخاری اور صحیح مسلم وجود میں نہ آئی تھیں اور صحت سند کے لحاظ سے موطا مالک اپنی مثال آپ تھی۔ اس کی کوئی روایت جرح راوی کی وجہ سے ضعیف نہیں۔ امام مالک سے ایک ہزار کے قریب علماء نے موطا لکھی۔[5]

---

[1] مقدمہ فتح الباری ص۱۲ [2] مسوی عربی شرح موطا ص۲ [3] حجۃ اللہ البالغہ ص۱۳۳ جلد اول

[4] تزئین الممالک ص۲۷ [5] بستان المحدثین اردو ترجمہ ص۲۲ طبع کراچی۔

③ کتاب الآثار امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ)

گو آپ حدیث کے امام تھے۔ مگر آپ کا موضوع بھی فقہ تھا۔ آپ نے احادیث بھی بہت روایت کی ہیں۔ زیادہ روایات امام ابو حنیفہؒ سے لیتے ہیں۔ کتاب الآثار فقہی طرز میں آپ کی روایات کا ایک مجموعہ ہے۔ امام یحیٰی بن معینؒ (۲۳۳ھ) لکھتے ہیں :-

کان ابو یوسف القاضی یمیل الی اصحاب الحدیث وکتبت عنه[۱]

ترجمہ۔ امام ابو یوسف محدثین کی طرف زیادہ مائل تھے اور آپکی روایات لکھی جاتی تھیں۔

امام ابو یوسفؒ کی اس کتاب کو مطبع احیاء المعارف النعمانیہ نے ۱۳۵۵ھ میں شائع کیا ہے۔

④ کتاب الآثار امام محمدؒ (۱۸۹ھ)

مصر اور ہندوستان میں بارہا چھپ چکی ہے۔ اس کی متعدد شرحیں بھی لکھی گئیں جن میں سے بہترین شرح مفتی دار العلوم دیوبند مفتی مہدی حسن صاحب کی ہے جو تین جلدوں میں ہے۔

کتاب الآثار امام محمد کا عربی متن پہلے مطبع اسلامیہ نے ۱۳۲۹ھ میں شائع کیا تھا۔

⑤ مؤطا امام محمدؒ (۱۸۹ھ)

امام محمدؒ نے امام ابو حنیفہؒ کی وفات کے بعد حضرت امام مالکؒ سے موطا سُنی۔ اور پھر آپ نے خود ایک موطا ترتیب دی۔ جس میں زیادہ روایات امام مالکؒ سے لی ہیں۔ موطا امام محمدؒ بھی درسی کتاب ہے۔ ہندوستان، پاکستان، ترکی اور افغانستان کے مدارس حدیث میں پڑھائی جاتی ہے اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ اس میں مرویات آپ کی ہیں۔ مگر تبویب آپ کے شاگردوں میں سے کسی نے کی ہے۔ ھکذا سمعت من بعض الثقات۔

---

[۱] کتاب التاریخ لیحیٰی بن معین جلد ۲ صفحہ ۶۸۰ طبع ۱۳۹۹ھ مکۃ المکرمہ

⑥ مسند امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)

آپ کا زیادہ تر موضوع فقہ تھا۔ مگر آپ اس کے ضمن میں احادیث بھی روایت کرتے تھے۔ آپ کے دور میں فتنے بہت اُبھر آئے تھے اور جھوٹ عام ہو چکا تھا۔ اس لیے آپ نے راویوں کی جانچ پڑتال پر بہت زور دیا اور تعامل امت کی نسبت صحت سند کو اپنا ماٰخذ بنایا۔ آپ نے یہ مسند خود ترتیب نہیں دی۔ اس کے مرتب ابوالعباس محمد بن یعقوب الاصم (۲۴۶ھ) ہیں۔ یہ مسند امام شافعیؒ سے امام مزنیؒ نے اور امام مزنیؒ سے امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) نے بھی روایت کی ہے۔ اس کی بھی کئی شروح لکھی گئیں جن میں مجدالدین ابن اثیر الجزریؒ (۶۰۶ھ) اور امام سیوطیؒ کی شرحیں زیادہ معروف ہیں۔

⑦ المصنف لعبد الرزاق بن ہمام (۲۱۱ھ)

عبدالرزاقؒ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ المصنف گیارہ جلدوں میں بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ حاشیہ پر تحقیقی کام دیوبند کے مشہور محدث مولانا حبیب الرحمن اعظمی نے کیا ہے۔ پہلے دور کی کتابوں کی طرح اس میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے فتاوے بھی بہت ہیں اور مؤلف متصل و مرسل ہر طرح کی روایات لے آئے ہیں۔ ان دنوں محدثین تعاملِ امت پر فکری نظر رکھتے تھے۔

⑧ مسند ابی داؤد الطیالسی (۲۲۴ھ)

دائرہ المعارف حیدرآباد دکن نے ۱۳۲۱ھ میں اسے شائع کیا ہے۔ مسند کی ترتیب پر ہے۔ صحابہؓ کی مرویات علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اب ابوابِ فقہ کی ترتیب سے بھی چھپ گئی ہے۔ اس میں بعض ایسی احادیث ہیں۔ جو اور کتابوں میں نہیں ملتیں۔ اس پہلو سے یہ کتاب بہت اہمیت کی حامل ہے۔

⑨ المصنف لابن ابی شیبۃ (۲۳۵ھ)

پورا نام الکتاب المصنف فی الاحادیث والآثار ہے مؤلف امام حافظ ابوبکر عبداللہ بن

محمد بن ابراہیم بن عثمان ابو شیبہ ہیں۔ مولانا عبدالخالق افغانی رئیس مجلس علمی بدائرۃ المعارف العثمانیہ کے تحقیقی کام کے ساتھ تیسری جلد تک چھپ چکی ہے۔ تیسری جلد کتاب الجنائز پر مکمل ہوئی۔ اور ۱۳۸۶ھ میں چھپی ــــــ پھر یہ سلسلہ رُک گیا۔ اب نئے سرے سے حضرت مولانا حبیب الرحمن اعظمی کے تحقیقی حاشیہ کے ساتھ کاملاً چھپ رہی ہے۔ اس کا اہتمام فضیلۃ الشیخ حضرت مولانا عبدالحفیظ صاحب خلیفہ مجاز حضرت الشیخ مولانا محمد زکریا محدث سہارنپوری کر رہے ہیں۔

⑩ مسند امام احمد بن حنبل الشیبانی (۲۴۱ھ)

مسند احمد کی موجودہ ترتیب آپ کے صاحبزادے عبداللہ کی ہے۔ قاضی شوکانی لکھتے ہیں۔ امام احمد نے جس روایت پر سکوت اختیار کیا ہے اور اس پر جرح نہیں کی وہ لائق احتجاج ہے[1]۔ اس سے اس مسند کی عظمت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ مسند احمد کی شرط روایت ابوداؤد کی ان شرائط سے قوی ہے۔ جو انہوں نے اپنی سُنن اختیار کی ہیں۔ امام ابوداؤدؒ (۲۷۵ھ) لکھتے ہیں:۔

وما لم اذکر فیه شیئاً فهو صالح وبعضها اصح من بعض[2]

ترجمہ۔ اور جس راوی کے بارے میں میں نے کچھ نہیں لکھا، وہ اس لائق ہے کہ اس سے حجت پکڑی جائے۔

علامہ ابن الجوزی اور حافظ عراقی نے مسند احمد کی ۳۸ روایات کو موضوع قرار دیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان میں ۹ روایات کا پورا دفاع کیا ہے اور اس پر ایک مستقل کتاب[3] لکھی ہے۔ جو حیدرآباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ چودہ روایات کا جواب حافظ جلال الدین سیوطی نے الذیل الممہد میں دیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے مسند امام احمد کو طبقہ ثانیہ کی کتابوں میں جگہ دی ہے۔ حافظ سراج الدین عمر بن علی ابن الملقن (۸۰۴ھ) نے مسند احمد کا ایک اختصار بھی کیا ہے اور علامہ ابوالحسن سندھی (۱۱۳۹ھ) نے مسند احمد کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔ شیخ احمد بن عبدالرحمن البنّاء نے اسے فقہی ابواب پر مرتب کیا اور شیخ احمد شاکر نے اس پر تحقیقی کام کیا ہے۔ اس کا نام الفتح الربانی من مسند احمد بن حنبل شیبانی ہے۔ یہ ۲۲ جلدوں میں ہے ۱۳۵۳ھ میں پہلی جلد شائع

---

[1] نیل الاوطار جلد ۱ صفحہ ۱۳ [2] مقدمہ سنن ابی داؤد صفحہ ۲ [3] القول المسدد فی الذب عن مسند احمد اس کا نام ہے۔

ہوئی ۱۳۷۰ھ میں آخری جلد مطبع عوریہ مصر سے شائع ہوئی۔

پہلے دور کے یہ دس نمونے مختلف قسموں پر جمع ہوئے ہیں۔ اس دور کی اور بھی بہت کتابیں تھیں۔ جو اس وقت ہماری رسائی میں نہیں۔ لیکن ان کے حوالے شروح حدیث میں عام ملتے ہیں۔ اور ان کے مخطوطات بھی کہیں کہیں موجود ہیں۔ ان کے تعارف کا عملاً کوئی فائدہ نہیں۔ صرف چند نام سُن لیجئے:۔

سنن مکحول الدمشقی (۱۱۶ھ) سنن ابن جریج المکّی (۱۵۰ھ) جامع معمر بن راشد (۱۵۳ھ) جامع سفیان الثوری (۱۶۱ھ) مسند احمد بن عمرو البزار (۱۶۷ھ) مسند وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) مسند ابن الجارود الطیالسی (۲۰۴ھ) مسند الفریابی (۲۱۲ھ) مسند ابی عبید قاسم بن سلام (۲۲۴ھ) مسند ابن المدینی (۲۳۴ھ) مسند اسحٰق بن راہویہ (۲۳۸ھ)۔ خدا کرے یہ مجموعے بھی شائع ہو جائیں ان سے باب حدیث میں نئی تحقیقات کا اضافہ ہو گا۔

یہ صحیح ہے کہ اس دور کے آخر میں تالیف حدیث اپنے فنی کمال کو پہنچ گئی اور محدثین نے وہ گراں قدر مجموعے مرتب کیے کہ خود فن ان پر ناز کرنے لگا۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اسی دور آخر کی تالیفات ہیں۔

صحاح ستہ کا دورِ تدوین و تالیف

مسلمانوں میں حدیث کی چھ کتابیں انتہائی معتمد سمجھی گئی ہیں۔ انہیں صحاح ستہ کہتے ہیں۔ ان میں پہلی دو کتابیں تو کل کی کل صحیحین ہیں۔ اور دوسری چار کتابیں سنن کہلاتی ہیں۔ یہ سنن اربعہ بیشتر صحیح روایات پر مشتمل ہیں۔ فن حدیث میں یہ چھ کتابیں انتہائی لائق اعتماد سمجھی جاتی ہیں مشہور مستشرق نکلسن انہیں اسلام کی canonical books لکھتا ہے۔ مسلم طلبہ کے لیے ان چھ کتابوں کا تفصیلی تعارف ضروری ہے۔ یہ کتابیں تدوین حدیث کے دوسرے دور سے تعلق رکھتی ہیں۔

(۱) صحیح البخاری

امام محمد بن اسماعیلؒ (۲۵۶ھ) کی اس کتاب کا پورا نام الجامع الصحیح المسند من حدیث رسول اللہ

دسننہ وایامہ ہے۔ اس نام میں مسند اپنے اصطلاحی معنوں میں نہیں۔ اسے الجامع الصحیح بھی کہتے ہیں۔ کیوں کہ فنِ حدیث کے آٹھوں ابواب (کتاب) اس میں جمع ہیں۔ امام بخاری نے صحتِ سند، فقہ حدیث اور تحریر تراجم میں حدیث کا وہ عدیم النظیر مجموعہ تیار کیا ہے کہ اسے بجا طور پر اسلام کا اعجاز سمجھنا چاہیئے۔ اہلِ فن اسے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ قرار دیتے ہیں۔

امام بخاریؒ تقطیع حدیث (حدیث کو مختلف حصّوں میں تقسیم کر کے اس کے اجزاء کو علیحدہ علیحدہ روایت کرنا) کے قائل تھے۔ وہ حدیث کے مختلف اجزاء کو مختلف ابواب میں لاتے ہیں۔ امام صاحب کا ترجمۃ الباب Chapter heading امام صاحب کا فقہی نظریہ ہوتا ہے۔ جو ان کے خیال میں اس حدیث میں لپٹا ہوتا ہے۔ جملہ فقہ البخاری فی تراجمہ علمائے حدیث میں بہت معروف ہے۔ ان فقہی تراجم کے باعث امام صاحب کو بعض روایات بار بار بھی روایت کرنی پڑی ہیں۔ صحیح بخاری کی کل مرویات ۷۲۷۵ ہیں۔ مکررات کو حذف کر کے چار ہزار کے قریب رہ جاتی ہیں۔ پھر ساری روایات مرفوع (جو حضورؐ تک پہنچتی ہوں) نہیں ہیں۔ موقوف روایات (صحابہ کی روایات) اور تابعین کبار کے بہت سے اقوال بھی اس میں ملتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امام بخاریؒ حدیثِ رسول کے بعد اپنے آپ کو آزاد نہیں سمجھتے۔ بلکہ ان کی فکر انہیں اسلاف کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ وہ صحابہؓ اور تابعینؒ سے مستغنی رہ کر نہ چلتے تھے۔ صحابہؓ اور دیگر ائمہؒ کی طرف بھی رجوع کرتے ہیں علامہ سید محمد مرتضیٰ الحسینی زبیدی (۱۲۰۵ھ) نے صحیح بخاری کی اسانید اور مکررات حذف کر کے تجرید بخاری مرتب کی۔ یہ تجرید بھی اپنی جگہ بہت متداول ہے۔

(۲) صحیح مسلم

امام مسلم (۲۶۱ھ) نے فنِ حدیث میں صحتِ سند، حسن صناعت اور مسلک محدثین کے التزام سے ایسی کتاب ترتیب دی ہے کہ کتبِ حدیث میں اس کی نظیر نہیں۔ اس پہلو سے یہ صحیح بخاری سے بھی فائق ہے۔ ابواب امام مسلم کے لکھے ہوئے نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ حدیث پوری روایت کرتے ہیں۔ جس میں کئی کئی مضامین منطوی ہوتے ہیں۔ آپ امام بخاریؒ کی طرح تقطیع حدیث (حدیث کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے اپنے متعلقہ موضوعات میں لانا) نہیں کرتے۔ صحیح مسلم

کی احادیث مکررات حذف کرنے کے بعد چار ہزار رہ جاتی ہیں۔ حافظ ابو عوانہ الاسفرائنی (۳۱۶ھ) نے صحیح مسلم پر استخراج کرکے مسند ابی عوانہ مرتب کی ہے۔ جو صحیح مسلم کی شرطوں پر مزید احادیث ہیں حافظ منذری (۶۵۶ھ) نے تجرید الصحیح کے نام سے اس کی تجرید کی ہے۔ محمد بن احمد بن محمد الغرناطی (۱۴۱ھ) نے تہذیب الصحیح کے نام سے اس کا ایک اختصار کیا ہے۔ علمائے حدیث نے صحیح مسلم کی کئی شرحیں لکھی ہیں۔

اس دور میں جس کے پیشرو حضرت امام بخاری اور امام مسلم ہوئے اور بھی کئی بلند پایہ اہل فن اُٹھے جنہوں نے اپنے گراں قدر مجموعہ ہائے حدیث سے اس فن کو تکمیل بخشی۔ ان میں یہ تین کتابیں چوٹی کی کتابیں ہیں اور بعض فنی اعتبارات سے ان کی بھی نظیر نہیں ملتی۔

① سنن ابی داؤد (۲۷۵ھ) ② جامع ترمذی (۲۷۹ھ) ③ سنن نسائی (۳۰۳ھ)

① سنن ابی داؤد (۲۷۵ھ)

فقہی اعتبار سے بہت بلند پایہ کتاب ہے۔ ایک مجتہد تہذیب شریعت اور تدوین فقہ میں جن احادیث کا محتاج ہو سکتا ہے وہ سب اس سنن میں موجود ہیں اسے ادق الکتب بعد کتاب اللہ کہا جاتا ہے۔ صحیح بخاری اصح ہونے میں اس سے اول ہے۔ مگر ادق ہونے میں اس کا نام آگے ہے۔ حافظ منذری نے اس کی بھی تلخیص کی ہے۔ کتب حدیث میں یہ سب سے پہلی کتاب ہے جس کی شرح سب سے پہلے لکھی گئی۔ حافظ احمد بن محمد امام ابو سلیمان الخطابی (۳۸۸ھ) نے معالم السنن کے نام سے اس کی شرح لکھی جو بارہا چھپ چکی ہے۔

امام ابو داؤد کی کتاب مراسیل ابی داؤد مرسلات پر پہلا مرتب مجموعہ ہے بعض اہل مطابع نے اسے سنن کے آخر میں شامل کر دیا ہے۔ امام ابو داؤد حنبلی المسلک تھے۔ امام احمد کی طرح احادیث صحابہ کو بہت اہمیت دیتے تھے اور مرفوع احادیث کے اختلاف میں عمل صحابہ کو حجت سمجھتے تھے۔ امام ابو حنیفہ کو بھی امام تسلیم کرتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں:۔

قال ابو داؤد رحمہ اللہ ان ابا حنیفۃ کان اماماً[1] ابو داؤد نے کہا۔ بے شک ابو حنیفہ امام تھے۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ا صفحہ ۱۶۱

سنن ابی داؤد کی مرویات ساڑھے چار ہزار کے قریب ہیں۔

(۲) جامع ترمذی (۲۷۹ھ)

اس کتاب کی امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ امام ترمذی ہر حدیث کے آخر میں اس کی سند کے بارے میں صحیح، حسن یا ضعیف ہونے کا حکم لگاتے ہیں اور طلبہ حدیث کو مدارج حدیث معلوم کرنے میں اس سے بہت مدد ملتی ہے۔ پھر آپ آخر ابواب میں مذاہب فقہاء بھی بیان کرتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں فہم حدیث میں مذاہب فقہاء کو کس درجہ اہمیت حاصل تھی اور محدثین بیان حدیث میں فقہاء کی آراء بیان کرنے میں کوئی عار نہ سمجھتے تھے۔

آپ اس کتاب میں ہر مسلک کی روایات کو لاتے ہیں۔ اس سے شریعت کی وسعتِ نظر اور سنن کی وسعتِ عمل کا پورا نقشہ پوری حکمت سے کھچا نظر آتا ہے۔ آپ نے اس میں امام بخاری کی طرح جمیع ابوابِ حدیث کو روایت کیا ہے۔ اسی لیے سنن ترمذی کو جامع ترمذی کہا جاتا ہے ورنہ اپنی نوع میں یہ سنن کی طرز پر مرتب ہے۔ امام نجم الدین سلیمان بن عبدالقوی الطوفی (۷۱۰ھ) نے مختصر جامع ترمذی کے نام سے اس کا ایک اختصار کیا ہے۔ جامع ترمذی کی کئی شروح لکھی گئی ہیں۔ جو علماء میں متداول ہیں۔

(۳) سنن نسائی (۳۰۳ھ)

صحت سند میں صحیحین کے بعد اسی کا درجہ ہے۔ سند حدیث کی علل پر امام نسائی کی نظر امام ابوداؤد اور امام ترمذی سے بھی گہری ہے۔ آپ اس باب میں امام ابوزرعہ اور امام بخاری کے طبقہ کے معلوم ہوتے ہیں ــــــ سنن نسائی جو درسوں میں پڑھائی جاتی ہیں اس کا اصل نام المجتبیٰ من سنن النسائی ہے۔ امام نسائی نے سنن نسائی کا یہ خود اختصار کیا ہے۔ امام نسائی کی سنن کبریٰ مخطوطات کی شکل میں کئی کتب خانوں میں موجود ہے۔ بعض علماء دیوبند اس پر تحقیقی کام کر رہے ہیں اس کی اشاعت سے علمِ حدیث میں ایک نئے باب کا اضافہ ہو گا۔ امام نسائی نے المجتبیٰ میں احادیث کی تبویب امام بخاری کی طرز پر کی ہے اور کوشش کی ہے کہ تراجم الابواب میں مضمونِ حدیث کی

طرف پورا اشارہ ہو جائے۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب نے آپ کو شافعی المسلک لکھا ہے[1]۔ مگر مولانا انور شاہ صاحب محدث کشمیری آپ کو حنبلی المسلک بتاتے ہیں[2]۔ سنن نسائی پر بھی شروح و حواشی کا بہت کام ہوا ہے اور متونِ حدیث میں اسے بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے ساتھ مل کر یہ تین کتابیں صحاح ستہ کی اصل ہیں۔ موطا امام مالک یا سنن دارمی یا سنن ابن ماجہ کو ساتھ ملا کر انہیں صحاح ستہ کہتے ہیں۔

موطا امام مالک کا ذکر دورِ اوّل کی دس کتابوں میں ہو چکا ہے۔ سنن دارمی ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی سمرقندی (۲۵۵ھ) کی تالیف ہے۔ امام بخاری کے ہمعصر ہیں۔ آپ سے امام مسلم، ابوداؤد اور ترمذی نے بھی روایات لی ہیں۔ سنن دارمی پہلے ہندوستان میں مطبع نظامی کان پور میں ۱۲۹۳ھ میں چھپی۔ اب مصر میں بھی بار بار چھپ چکی ہے۔ دو جلدوں میں ہے اور اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔ سنن ابن ماجہ (۲۷۳ھ) ابو عبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ القزوینی کی تالیف ہے۔ آپ نے امام مالکؒ کے کئی شاگردوں سے حدیث سُنی۔ سنن ابن ماجہ اپنی وُسعت اور جامعیت سے اس لائق ہے کہ اسے صحاح ستہ کی چھٹی کتاب سمجھا جائے۔ علمائے حدیث نے اس پر بھی بہت کام کیا ہے اور اس کے بسیط حواشی لکھے ہیں۔ مولانا عبدالرشید نعمانی کی کتاب ماتمس الیہ الحاجہ لمن یطالع سنن ابن ماجہ اس باب میں ایک نہایت مفید مقدمہ علم حدیث ہے۔

صحاح ستہ کے بعد کے متداول مجموعے

صحاح ستہ کے بعد جن کتابوں کو زیادہ شہرت حاصل ہوئی اور وہ علماء کو دستیاب ہیں یہ ہیں:۔

(۱) شرح معانی الآثار امام طحاوی (۳۲۱ھ)

اپنے طرز کی نہایت عجیب کتاب ہے۔ کتبِ حدیث میں اس کی مثل نہیں درسی کتاب ہے

---

[1] ابجد العلوم ص۸۱۰ [2] العرف الشذی ص

دارالعلوم دیوبند میں دورہ حدیث میں پڑھائی جاتی ہے۔ افسوس کہ اس کی طباعت میں بہت کم محنت کی گئی ہے۔ موجودہ مطبوعہ نسخوں میں تقریباً ہر صفحے میں کوئی نہ کوئی غلطی موجود ملتی ہے۔ مظاہر العلوم سہارنپور کے مولانا محمد ایوب صاحب نے اس سلسلہ میں بہت محنت کی ہے اور تصحیح الاغلاط الکتابیہ الواقعہ فی النسخ الطحاویہ دو ضخیم جلدوں میں شائع کی ہے۔ یہ کتاب مکتبہ اشاعت العلوم سہارنپور سے ملتی ہے۔ علامہ عینی جیسے بلند پایہ محدثین نے شرح معانی الآثار کی شروح کئی ضخیم جلدوں میں لکھی ہیں۔

② مشکل الآثار امام طحاوی (۳۲۱ھ)

امام طحاوی نے اس میں مشکل اور ظاہراً متعارض احادیث پر بہت فاضلانہ بحث کی ہے۔ افسوس کہ یہ پوری شائع نہیں ہوئی۔ حیدرآباد دکن سے اس کی چار جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ اور یہ پوری کتاب کا تقریباً نصف ہیں۔ امام طحاوی نے اس کا ایک اختصار بھی کیا ہے۔ جسے قاضی جمال الدین یوسف بن موسیٰ نے المعتصر من المختصر من مشکل الآثار کے نام سے مرتب کیا ہے۔ یہ المعتصر ۱۳۱۲ھ میں حیدرآباد دکن سے پہلی مرتبہ شائع ہوئی ہے۔ پھر یہ مصر سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

③ المعجم الکبیر للطبرانی (۳۶۰ھ)

حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد بن ایوب الطبرانی (۳۶۰ھ) نے حدیث کے تین مجموعے قلمبند کیے۔ ان میں سے سب سے بڑا مجموعہ یہ ہے۔ المعجم الصغیر للطبرانی مطبع انصاری دہلی میں ۱۳۱۱ھ میں چھپی تھی۔ المعجم الکبیر کا ایک مخطوطہ کسی زمانہ میں جامعہ عباسیہ بہاولپور کی لائبریری میں موجود تھا۔

④ سنن دارقطنی (۳۸۵ھ)

ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی بغداد کے محلہ دارقطن کے رہنے والے تھے۔ علل احادیث میں اپنے وقت کے امام اور منتہیٰ تھے۔ اسماء الرجال میں کہیں کہیں تعصب کی رَو میں بہہ نکلے ہیں۔ بہت سے علماء نے اس کتاب پر قابلِ قدر حواشی لکھے ہیں۔ کتاب میں بہت سی منکر شاذ ضعیف

اور موضوع روایات موجود ہیں۔ تاہم کئی پہلوؤں سے کتاب مفید ہے۔

(۵) مستدرک حاکم (۴۰۵ھ)

چار ضخیم جلدوں میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ ساتھ ساتھ حافظ شمس الدین الذہبی (ھ) کی کتاب تلخیص المستدرک بھی ہے۔ حافظ ذہبی اسانید پر ساتھ ساتھ کلام کرتے جاتے ہیں حاکم نے اپنے زعم میں صحیح بخاری اور صحیح مسلم پر اسی کتاب میں استدراک کیا ہے۔ اسی لیئے اسے مستدرک علی الصحیحین کہتے ہیں۔

(۶) سنن کبریٰ للبیہقی (۴۵۸ھ)

ابو بکر احمد بن الحسین البیہقی کی کتاب سنن کبرلے دس ضخیم جلدوں میں حیدر آباد دکن سے شائع ہوئی ہے۔ ساتھ ساتھ علامہ علاؤ الدین المارد ینی الترکمانی الحنفی کی کتاب الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی بھی ہے۔ اس میں علامہ ترکمانی حنفیہ کی طرف سے امام بیہقی کو ساتھ ساتھ جواب دیتے جاتے ہیں امام پایہ بلند پایہ شافعی المذہب فقیہہ تھے۔

(۷) معرفۃ السنن والآثار للبیہقی (۴۵۸ھ)

دو جلدوں میں مصر سے شائع ہوئی ہے۔ اپنے طرز کی نادر کتاب ہے۔ امام بیہقی نے اس میں کہیں کہیں امام طحاوی کے طرز پر چلنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن اس میں وہ کامیاب نہیں ہو سکے ویسے یہ ایک بلند پایہ کتاب ہے۔ امام بیہقی کی شعب الایمان جس سے صاحب مشکوٰۃ نے روایات لی ہیں۔ اس کے علاوہ ہے

(۸) کتاب التمہید لابن عبد البر المالکی (۴۶۳ھ)

امام ابن عبد البر نے جامع بیان العلم میں اور الاستیعاب میں اپنی سند سے بہت روایات کی ہیں۔ لیکن کتاب التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید اپنے موضوع میں نہایت فاضلانہ

مجموعہ حدیث ہے۔ مراکش کے محکمہ شئوون اسلامی نے اسے تحقیقی کام کے ساتھ بیس جلدوں میں شائع کیا ہے۔ امام ابن عبدالبر نے تجرید التمہید کے نام سے اس کی ایک تلخیص کی ہے۔ جو دو جلدوں میں چھپ چکی ہے

⑨ نوادر الاصول فی معرفۃ اقوال الرسول

یہ ابوعبداللہ محمد الحکیم الترمذی (ھ) کی تالیف ہے۔ جو حاشیہ مرقات الوصول کے ساتھ بیروت سے شائع ہوئی ہے۔ حکیم ترمذی اپنے وقت کے قطب تھے۔
(فتوحات مکیہ جلد۱ صہ۱۸۴)

⑩ حلیۃ الاولیاء لابی نعیم الاصفہانی (۴۳۰ھ) خطیب تبریزی اکمال میں لکھتے ہیں:

ھو من مشائخ الحدیث الثقات المعمول بحدیثہم المرجوع الی قولہم کبیر القدر

(ترجمہ) ثقہ مشائخ حدیث میں سے ہیں۔ جن کی روایت اور ان کے قول کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ: ان کتابوں کے علاوہ اس دور کی کچھ اور کتابیں بھی ہیں جن کا شمار معتبر کتابوں میں ہوتا ہے۔ یہ چونکہ زیادہ متداول نہیں، اس لیئے ان کی روایات بدوں تحقیق اسناد نہ لینی چاہیں ان میں یہ کتابیں زیادہ معروف ہیں۔

مسند ابی یعلیٰ (۳۰۷ھ) صحیح ابن خزیمہ (۳۱۱ھ) صحیح ابن حبان (۳۵۴ھ) عمل الیوم و اللیلۃ حافظ ابوبکر احمد بن اسحٰق المعروف بابن السنی (۳۶۳ھ) تہذیب الآثار لابن جریر الطبری (۳۱۰ھ) مسند ابی بکر عبداللہ بن الزبیر الحمیدی (۲۱۹ھ) مسند ابن بزار (۲۹۲ھ) منتقی ابن الجارود (۳۰۷ھ) المحلی لابن حزم (۴۵۷ھ)

بیان کتب حدیث

کتب حدیث مختلف وضع و ترتیب سے لکھی گئی ہیں۔ اس لیئے یہ مختلف الانواع ہیں۔ جو ترتیب سب سے زیادہ عمل میں آئی وہ سنن کی ترتیب ہے۔ اس کے بعد جس ترتیب نے راہ پائی وہ مسند ہے۔ جو جاذبیت اور مقبولیت لفظ صحیح میں ہے۔ اس پہلو سے یہ سب سے مقدم ہے۔

① مؤطا

جس کتاب کو مؤلف نے دوسرے علماء کے سامنے پیش کیا ہو اور انہوں نے اس پر اتفاق فرمایا ہو۔ اسے مؤطا کہتے ہیں۔ جیسے مؤطا ابن ابی ذئبؒ (۱۵۹ھ) مؤطا امام مالکؒ (۱۷۹ھ) مؤطا امام محمد (۱۸۹ھ) وغیرہ۔

② الصحیح

یہ وہ کتابیں ہیں۔ جن میں اُن کے مؤلفین نے اپنے خیال میں صرف صحیح احادیث لانے کا التزام کیا ہو۔ جیسے صحیح بخاری۔ صحیح مسلم۔ صحیح ابن خزیمہ۔ صحیح ابن حبان وغیرہ۔

③ المصنف

جن میں روایات محض جمع کرنے کے ارادے سے لکھی گئی ہوں۔ جیسے المصنف لعبدالرزاق (۲۱۱ھ) المصنف لابن ابی شیبۃ (۲۳۵ھ) یہ دونوں مصنف چھپ چکے ہیں۔

④ الجامع

جامع وہ کتاب ہے۔ جس میں تفسیر، عقائد، آداب، احکام، مناقب، سیر، فتن، علامات قیامت وغیرہ ہر قسم کے مسائل کی احادیث مندرج ہوں۔ جیسے صحیح البخاری، کتب سنن میں صرف سنن ترمذی ہے۔ جو ان تمام ابواب پر مشتمل ہے اور اسے جامع ترمذی کہا جاتا ہے۔

⑤ السنن

یہ وہ کتابیں ہیں جو فقہی ابواب یا احکام کی ترتیب سے لکھی گئیں۔ جیسے سنن دارمی (۲۵۵ھ) سنن ابی داؤد (۲۷۵ھ) سنن ترمذی (۲۷۹ھ) سنن نسائیؒ (۳۰۳ھ) سنن ابن ماجہ (۲۷۳ھ) سنن دارقطنی (۳۸۵ھ) سنن بیہقی (۴۵۸ھ) وغیرہ

⑥ المسند

یہ وہ کتابیں ہیں جو صحابہ کرامؓ کی مرویات کی ترتیب سے لکھی گئیں۔ جیسے مسند امام اعظم (۱۵۰ھ) مسند امام شافعی (۲۰۴ھ) مسند امام احمد (۲۴۱ھ) مسند حمیدی (۲۱۹ھ) اور مسند ابی یعلیٰ (۳۰۷ھ) وغیرہ۔

⑦ المعجم

یہ وہ کتابیں ہیں۔ جنہیں مؤلفین نے اپنے شیوخ کی ترتیب سے تالیف کیا۔ جیسے معجم طبرانی (۳۶۰ھ) معجم الحافظ ابی بکر احمد بن ابراہیم الجرجانی (۳۷۱ھ) وغیرہ۔

⑧ المستدرک

امام بخاری اور امام مسلم نے صحیح احادیث کے لیۓ جو شرطیں لگائی تھیں شیخین کے بعد ان شرطوں پر کچھ اور حدیثیں بھی ملیں۔ اس پہلو سے ان رہ گئی حدیثوں کی تلاش پچھلے کام پر ایک استدراک ہے۔ مستدرک حاکم (۴۰۵ھ) مستدرک الحافظ ابی ذر (۴۳۴ھ) اسی اصول پر مرتب ہوئیں۔

⑨ المستخرج

دوسرے محدثین کے جمع کردہ مجموعہ حدیث کو اپنی سندوں سے دریافت کرنا اور اس کے مطابق انہیں روایت کرنا تالیف حدیث کی ایک نئی محنت ہے۔ یہ عمل استخراج کہلاتا ہے۔ حافظ ابوعوانہ (۳۱۶ھ) نے صحیح مسلم پر مستخرج لکھی، اسی کا نام مسند ابی عوانہ ہے۔ جو حیدرآباد سے چھپ چکی ہے۔

اسی طرح اس عنوان اور طرز پر مستخرج ابن رجاء الاسفرائنی (۲۸۶ھ) مستخرج ابن حمدان (۳۲۱ھ) لکھی گئی۔ المنتقی لابن الجارود (۳۰۷ھ) صحیح ابن خزیمہ پر استخراج کی گئی ہے۔

⑩ جو کتابیں اپنے موضوع سے موسُوم ہوئیں۔

ابن سلام (۲۲۴ھ) کی کتاب الاموال ــــ امام احمد (۲۴۱ھ) کی کتاب الزہد ــــ امام بخاری (۲۵۶ھ) کی جزء القراءۃ اور جزء رفع الیدین ــــ امام ابو داؤد (۲۷۵ھ) کی مراسیل ــــ ابن قتیبہ (۲۷۶ھ) کی کتاب تاویل مختلف الحدیث ــــ امام ترمذی (۲۷۹ھ) کی شمائل ــــ امام نسائی (۳۰۳ھ) کی مناقب علی، کتاب السنہ لابی بکر الخلال البغدادی (۳۱۱ھ) ــــ مشکل الآثار امام طحاوی (۳۲۱ھ) ــــ عمل الیوم واللیلۃ للحافظ ابی بکر احمد بن اسحٰق المعروف بابن السنی (۳۶۴ھ) ــــ کتاب الیقین للحافظ ابن ابی الدنیا (۲۸۱ھ) ــــ کتاب السنۃ لابن حبان (۳۶۹ھ) ــــ کتاب الاسخیاء للدارقطنی (۳۸۵ھ) ــــ کتاب السنۃ ابن مندہ العبدی (۳۹۴ھ) ــــ امام بیہقی (۴۵۸ھ) کی ــــ کتاب الاسماء والصفات اور شعب الایمان اس نوع کی اہم کتابیں ہیں۔

ملحوظ رہے کہ کئی محدثین نے مختلف اصناف پر حدیثیں جمع کی ہیں۔ اس لیے ان کے نام اگر مختلف انواع کتب کے تحت بار بار آئیں تو تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ پھر ایسا بھی ہے کہ ایک کتاب مختلف اعتبارات سے مختلف ناموں سے موسوم ہو۔ جیسے صحیح بخاری اس نام سے بھی معروف ہے اور اسے جامع بخاری بھی کہا جاتا ہے۔ جامع ترمذی سنن ترمذی کے نام سے بھی معروف ہے ہم نے ان انواع کتب میں چند معروف کتابوں کا ذکر کر کے ان مختلف اقسام تالیف کا ایک مختصر اور اجمالی تعارف کرا دیا ہے۔

__نوٹ__: یہ صحیح نہیں کہ یہ کتابیں ان اقسام کے اصولی ناموں کے خلاف اب دوسرے ناموں سے موسوم کی جانے لگی ہیں۔ جیسے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے ناموں سے مثال لے کر کئی نادان سنن دارقطنی، سنن بیہقی کو صحیح دارقطنی اور صحیح بیہقی کہنے لگے ہیں یا کوئی شخص سنن نسائی اور سنن ابن ماجہ کو مسند نسائی اور معجم ابن ماجہ کہنے لگے۔ اس فن کو جاننے والے کبھی ایسی بات نہیں کرتے۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے سنن دارقطنی کو کئی جگہ صحیح دارقطنی لکھا ہے۔ یہ مرزا صاحب کی فن حدیث میں علمی قابلیت ایک جلی نمونہ ہے۔

کتب حدیث کی مختلف قسموں کا ذکر یہاں ضمناً آیا ہے۔ ان مختلف ناموں کی تفصیل اس

لیئے ضروری تھی کہ مختلف محدثین کے ناموں کے ساتھ ان کے جمع کردہ ذخیرہ حدیث کا اصولی نام سامنے آجائے۔ یہ تفصیل اسی لیے کی گئی ہے۔ اصل موضوع کلام متونِ حدیث کا تعارف ہے۔

اب تک ہم پچپن کتب حدیث کا ذکر کر چکے ہیں۔ دس کتابیں پہلے دور کی اور پندرہ اس سنہری دور کی جس میں فن تالیف حدیث اپنے کمال کو پہنچ چکا تھا۔ اس دور کا آغاز امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے ائمہ فن سے ہوتا ہے۔ امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) کے بعد صحت اسناد کی محنت پھر کمزور پڑ گئی تھی، صحاح ستہ کا نام چھ کتابوں تک محدود ہو کر رہ گیا تاہم اس سے انکار نہیں کہ بعد کے آنے والے ائمہ حدیث نے بھی وہ گرانقدر ضخیم مجموعہ ہائے حدیث مرتب کیے کہ انکے اعتبارات و متابعات اور شواہد و زوائد فن کی تحقیق و تنقیح میں مزید نکھار کا موجب ہوئے ہیں اور ان میں کئی ایسی صحاح (صحیح حدیثیں) بھی آگئیں جو پہلے مجموعوں میں نہ تھیں۔ ان کتابوں کی تالیف سے سلسلہ تالیفِ حدیث مکمل ہوا۔ آئندہ کے لیئے صرف یہ محنت باقی رہی کہ ان کتابوں کی مدد سے استخراج اور انتخاب کا سلسلہ آگے چلے۔

محدث کبیر حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری نے اصول حدیث پر ایک مختصر رسالہ خیر الاصول کے نام سے لکھا ہے۔ اس میں آپ نے کتب حدیث کی تقسیم اس طرح کی ہے ——

حدیث کی کتابیں وضع و ترتیب مسائل کے اعتبار سے نو قسم پر ہیں:۔

پہلی تقسیم

① جامع ② سنن ③ مسند ④ معجم ⑤ جزء ⑥ مفرد ⑦ غریب ⑧ مستخرج ⑨ مستدرک

① جامع

وہ کتاب ہے جس میں تفسیر، عقائد، آداب، احکام، مناقب، سیر، فتن، علاماتِ قیامت وغیرہا ہر قسم کے مسائل کی احادیث مندرج ہوں۔ کما قیل ؎

سیر آداب و تفسیر و عقائد
فتن احکام و اشراط و مناقب

جیسے بخاری و ترمذی۔

② سُنن

وہ کتاب ہے جس میں احکام کی احادیث. الواب فقہ کی ترتیب کے موافق بیان ہوں۔
جیسے سنن ابی داؤد و سنن نسائی و سنن ابن ماجہ۔

③ مسند

وہ کتاب ہے جس میں صحابہ کرامؓ کی ترتیب رتبی یا ترتیب حروف ہجا یا تقدم و تأخر
اسلامی کے لحاظ سے احادیث مذکور ہوں۔ جیسے مسند احمد و مسند دارمی۔

④ معجم

وہ کتاب ہے جس کے اندر وضع احادیث میں ترتیب اساتذہ کا لحاظ رکھا گیا ہو جیسے
معجم طبرانی۔

⑤ جزء

وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک مسئلہ کی احادیث یک جا جمع ہوں۔ جیسے جزء
القراءۃ و جزء رفع الیدین للبخاری و جزء القرأۃ للبیہقی۔

⑥ مفرد

وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک شخص کی کل مرویات ذکر ہوں۔

⑦ غریب

وہ کتاب ہے جس میں ایک محدث کے مفردات جو کسی شیخ سے ہوں وہ ذکر ہوں۔
(بحوالہ نافعہ صـ۱۴ العرف الشذی)

⑧ مستخرج

وہ کتاب ہے جس میں دوسری کتاب کی حدیثوں کی زائد سندوں کا استخراج کیا گیا ہو جیسے مستخرج ابی عوانہ۔

⑨ مستدرک

وہ کتاب ہے جس میں دوسری کتاب کی شرط کے موافق اس کی رہی ہوئی حدیثوں کو پورا کر دیا گیا ہو۔ جیسے مستدرک حاکم (الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ)

دوسری تقسیم

کتب حدیث مقبول وغیر مقبول ہونے کے اعتبار سے پانچ قسم پر ہیں۔

پہلی قسم وہ کتابیں ہیں جن میں سب حدیثیں صحیح ہیں۔ جیسے ① موطا امام مالک ② صحیح بخاری ③ صحیح مسلم ④ صحیح ابن حبان ⑤ صحیح حاکم ⑥ مختارہ ضیاء مقدسی ⑦ صحیح ابن خزیمہ ⑧ صحیح ابی عوانہ ⑨ صحیح ابن سکن ⑩ منتقی ابن جارود۔

دوسری قسم وہ کتابیں ہیں جن میں احادیث صحیح وحسن وضعیف ہر طرح کی ہیں مگر سب قابل احتجاج ہیں۔ کیوں کہ ان میں جو حدیثیں ضعیف ہیں، وہ بھی حسن کے قریب ہیں جیسے ① سنن ابو داؤد ② جامع ترمذی ③ سنن نسائی ④ مسند احمد۔

تیسری قسم وہ کتابیں ہیں جن میں حسن۔ صالح، منکر ہر نوع کی حدیثیں ہیں جیسے ① سنن ابن ماجہ ② مسند طیالسی ③ زیادات امام احمد بن حنبل ④ مسند عبد الرزاق ⑤ مسند سعید بن منصور ⑥ مسند ابی بکر بن ابی شیبہ ⑦ مسند ابی یعلی موصلی ⑧ مسند بزار ⑨ مسند ابن جریر ⑩ تہذیب ابن جریر ⑪ تفسیر ابن جریر ⑫ تاریخ ابن مردویہ ⑬ تفسیر ابن مردویہ ⑭ طبرانی کے معجم کبیر ⑮ معجم صغیر ⑯ معجم اوسط ⑰ سنن دارقطنی ⑱ غرائب دارقطنی ⑲ حلیہ ابی نعیم ⑳ سنن بیہقی ㉑ شعب الایمان بیہقی۔

چوتھی قسم وہ کتابیں ہیں جن میں سب حدیثیں ضعیف ہیں، الاّ ماشاء اللہ۔ جیسے (۱) نوادر الاصول حکیم ترمذی (۲) تاریخ الخلفاء (۳) تاریخ ابن نجار (۴) مسند الفردوس دیلمی (۵) کتاب الضعفاء عقیلی (۶) کامل ابن عدی (۷) تاریخ خطیب بغدادی (۸) تاریخ ابن عساکر۔

پانچویں قسم وہ کتابیں ہیں جن سے موضوع حدیثیں معلوم ہوتی ہیں۔ جیسے موضوعات ابن جوزی، موضوعات شیخ محمد طاہر نہروانی وغیرہ۔ (رسالہ فیما یجب حفظہ للناظر مؤلفہ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)۔

تالیف کتب حدیث ایک اور عنوان سے

سند کے ساتھ حدیثیں جمع کرنا صرف اسی دور تک تھا کہ حدیث کے یہ مسانید (سند والے مجموعے) مرتب نہ ہوئے تھے یا کچھ مرتب ہوگئے تھے مگر کچھ احادیث رہ گئی تھیں۔ جو سند سے روایت ہوتی تھیں۔ مگر ان مجموعوں میں نہ آئی تھیں۔ پانچویں صدی ہجری تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔ اس کے بعد اپنی سند سے روایت کرنے کا سلسلہ بند ہوگیا اور آئندہ انہی مجموعہ ہائے حدیث کی سند چلنے لگی۔ اب اس نئے دور میں تخریج اور انتخاب ہی وہ دو موضوع تھے جن پر مزید جمع و تدوین کا کام ہوسکتا تھا یا سلسلہ شرح تھا جن پر محدثین قلم اٹھا سکتے تھے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ اب تالیفِ حدیث کی محنت آئندہ ایک نئے دور میں داخل ہوئی۔

حدیث کی تخریج پر مبنی کتابیں

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) کی کتاب جامع ترمذی نے محدثین کو پہلی دفعہ فن تخریج سے آشنا کیا۔ یہ کتاب ایسے نفیس طرز پر جمع کی گئی کہ اس سے ایک نیا فن وجود میں آیا۔ امام ترمذیؒ ایک حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں:۔

وفی الباب عن .... کہ اس موضوع پر فلاں فلاں صحابی سے بھی روایت موجود ہے۔ وہ روایات کہاں کہاں ہیں؟ امام ترمذی نے ان کی نشاندہی نہیں کی۔ ان روایات کو دوسری سند والی کتابوں سے ڈھونڈ نکالنا ان روایات کی تخریج کہلاتا ہے۔ امام بخاری نے بھی الصحیح میں

کئی روایات تعلیقاً بیان کی ہیں۔ انہیں پوری سند سے معلوم کرنا اور موصولاً لانا یہ بھی ایک قسم کی تخریج ہے جو محدثین شارحین نے کی ہے۔ صحیح بخاری کی نسبت جامع ترمذی کا موضوع وفی الباب ۔ ۔ ۔ ۔ ایک وسیع میدان تحقیق ہے اور اس تخریج پر مستقل کتابیں لکھی گئیں ہیں جیسے "لب الباب فیما یقول الترمذی وفی الباب"

کتب حدیث کے علاوہ دیگر فنون کی کتابوں میں بھی حدیثیں کچھ اس طرح مروی ملتی ہیں کہ ان کی سند یا ان کے مخرج (روایت کرنے والے محدث) کا نام وہاں مذکور نہیں۔ ان کتابوں کی اہمیت اور ان کے وسیع حلقہ اشاعت کے پیش نظر محدثین ان روایات کی تخریج کے بھی درپے ہوئے اور اس سلسلہ تخریج میں بعض ایسی نفیس کتابیں مرتب ہوئیں کہ فن ان پر خود بھی ناز کرنے لگا۔

پانچویں چھٹی صدی کی جن کتابوں پر تخریج کی یہ محنت ہوئی۔ حسب موضوع ان میں سے بعض کے نام سنیئے :-

فن فقہ میں

علامہ برہان الدین المرغینانی (۵۹۲ھ) کی کتاب ہدایہ فقہ حنفی کی مرکزی کتاب ہے۔ اس میں بہت سی حدیثیں بھی مذکور ہوئیں مصنف نے انہیں محدثین کے طریق پر نہیں اپنے انداز میں ذکر کیا ہے۔ کہیں اشارہ ہے کہیں اختصار ہے کہیں روایت بالمعنی ہے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ کتاب کی اہمیت کے پیش نظر ان احادیث کی تخریج ضروری تھی۔

(۱) حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ) نے نصب الرایہ لتخریج احادیث الہدایہ کے نام سے چار جلدوں میں ایک نہایت گرانقدر حدیثی تالیف پیش کی ہے۔ علمائے دیوبند نے اس پر حاشیہ بغیہ الالمعی فی تخریج الزیلعی کے نام سے لکھا ہے۔ یہ کتاب مصر سے بڑی آب و تاب سے شائع ہوئی ہے۔ پہلے مطبع علوی لکھنؤ سے ۱۳۰۱ھ میں شائع ہوئی تھی۔ کتاب کی عظمت شان کے لیئے یہی کافی ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ جیسے جلیل القدر محدث نے نصب الرایہ کی تلخیص الدرایہ کے نام سے کی ہے اور وہ بھی چھپ چکی ہے۔

② امام ابوالقاسم الرافعی (۶۲۳ھ) کی کتاب الوجیز کی تخریج حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تلخیص الحبیر فی تخریج احادیث الرافعی الکبیر کے نام سے کی ہے۔ یہ چار جلدوں میں قاہرہ سے شائع ہوئی ہے

فن تفسیر میں

علامہ زمخشری (۵۳۸ھ) نے تفسیر کشاف میں جو حدیثیں لکھی ہیں انکی بھی محدثین نے تخریج کی ہے قاضی بیضاوی (۶۸۵ھ) کی نقل کردہ احادیث کی بھی تخریج کی گئی ہے۔

فن اخلاق میں

امام غزالی (۵۰۵ھ) کی کتاب احیاء علوم الدین میں ہزاروں روایات ہیں۔ سند یا حوالہ امام غزالی ذکر نہیں فرماتے۔ حافظ زین الدین العراقی (۸۰۶ھ) نے اس کتاب پر تحقیقی کام کیا ہے۔ اور ان روایات کی تخریج کی ہے۔ اس کا نام المغنی من الاسفار فی تخریج ما فی الاحیاء من الاخبار ہے۔ احیاء العلوم کے حاشیہ پر چھپ چکی ہے۔

انتخاب پر مبنی حدیث کی کتابیں

محدثین نے سند والی کتابوں کے حوالہ سے انتخاب پر مبنی حدیث کے کچھ نئے مجموعے بھی تیار کیئے۔ ان مجموعوں میں سند نہیں دی گئی۔ حدیث کے آخر میں تخریج کر دی گئی ہے۔ تاکہ بوقت اختلاف اس سند (سند والی) کتاب کی طرف رجوع کیا جاسکے۔ اس صنف میں مندرجہ ذیل کتابیں زیادہ معروف ہوں۔

① شرح السنّہ للبغوی (۵۱۶ھ)

ابو محمد الحسین بن مسعود البغوی خراسان کے قریب ایک موضع بغ کے رہنے والے تھے۔ معالم التنزیل آپ کی ہی تفسیر ہے۔ آپ نے محدثین کے المصنف کے طرز پر احادیث جمع کی ہیں۔ آپ امام بخاریؒ کے عنادین ابواب سے بہت اقتباس لیتے ہیں یہ آٹھ ضخیم جلدوں میں چھپی ہے۔

② مشارق الانوار قاضی عیاض (۵۴۴ھ)

مطبع مولویہ فلس نے ۱۳۲۸ھ میں دو جلدوں میں شائع کی ہے۔ اس کی علامہ عبد اللطیف بن عبد العزیز جو ابن الملک کے نام سے معروف ہیں۔ مبارق الازہار کے نام سے ایک شرح لکھی ہے۔ جسے مطبع خیریہ مصر نے شائع کیا ہے۔

③ جامع الاصول من احادیث الرسول

لابی السعادات مبارک بن محمد (۶۰۶ھ) ابن اثیر الجزری کی یہ کتاب بیروت سے ۱۲ ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

④ مشارق الانوار للشیخ حسن الصغانی (۶۵۰ھ)

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی احادیث کا ایک گرانقدر مجموعہ ہے۔ مؤلف نے موضوع روایات کی نشاندہی کے لیے بھی ایک مجموعہ موضوعات حسن صغانی نام سے بھی لکھا ہے۔ نقد احادیث میں آپ بہت سخت تھے۔ موضوعات ابن جوزی (۵۹۷ھ) آپ کے سامنے تھی۔ ملا علی قاری نے بھی موضوعات صغانی کے بہت حوالے دیئے ہیں۔

⑤ الترغیب والترہیب من الحدیث الشریف

للحافظ ابی محمد زکی الدین عبد العظیم المنذری (۶۵۶ھ) بیروت میں چھپی ہے۔ پہلے از ہر مصر سے بھی شائع ہو چکی ہے۔ ترغیب وترہیب کی احادیث کو مؤلف نے بڑی محنت سے جمع کیا ہے۔

⑥ ریاض الصالحین للنووی (۶۷۶ھ)

ابو زکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی شارح صحیح مسلم دمشق کے قریہ نوی کے رہنے والے تھے۔ شافعی المسلک تھے۔ آپ نے فقہ شافعی پر بھی کئی کتابیں لکھی ہیں۔ ریاض الصالحین اصلاح معاشرہ اور تہذیب اخلاق کے لیے نہایت بلند پایہ کتاب ہے۔ بارہا چھپ چکی ہے۔

⑦ اربعین نووی

آپ نے اربعین کے نام سے بھی ایک مجموعہ حدیث لکھا ہے جسکی نامور علماء حدیث نے شروح لکھی ہیں۔ ابن دقیق العید (۷۰۲ھ) کی شرح مطبع منیریہ مصر نے ابن حجر ہیثمی کی شرح مطبع بولاق نے بڑی آب و تاب سے شائع کی ہے

⑧ احکام الاحکام شرح عمدۃ الاحکام

للحافظ تقی الدین المعروف بابن دقیق العید (۷۰۲ھ) چار ضخیم جلدوں میں ۱۳۴۲ھ میں شائع ہوئی۔

⑨ المنتقی الاخبار

مشہور محدث حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) کے دادا احمد ابن تیمیہ ۶۲۲ھ کی تالیف ہے۔ قاضی شوکانی (۱۲۵۰ھ) کی نیل الاوطار اسی منتقی کی شرح ہے۔ جو آٹھ جلدوں میں مصر سے ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوئی۔ موطا کی شرح المنتقی جو قاضی ابو الولید الباجی نے لکھی اور سات جلدوں میں چھپی۔ یہ اور کتاب ہے۔

⑩ مشکوٰۃ للخطیب التبریزی (۷۴۳ھ)

یہ امام بغوی کی کتاب مصابیح السنۃ کے اصول پر ایک عجیب اور بہت مفید گلدستہ احادیث ہے۔ نامور علماء نے اس کی شروح لکھیں جیسے علامہ طیبی الشافعی۔ علامہ تور بشتی الحنفی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی (لمعات التنقیح آٹھ جلدوں میں ہے) ملا علی قاری (مرقات المفاتیح۔ یہ دس ضخیم جلدوں میں ہے) اور شیخ الحدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی (التعلیق الصبیح سات جلدوں میں ہے) کی شروح بہت معروف ہیں۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات کے نام سے اس کی ایک فارسی شرح بھی لکھی ہے۔ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کے شاگرد علامہ قطب الدین نے مظاہر حق کے نام سے اس کی ایک مبسوط اردو شرح لکھی ہے۔ جو برصغیر پاک و ہند میں بہت متداول ہے۔

⑪ زاد المعاد للحافظ ابن قیم (۷۵۱ھ)

مکتبہ حسینیہ مصر نے چار جلدوں میں شائع کیا۔ اس میں احادیث آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی سیرت و عادت کی ترتیب سے جمع کی گئی ہیں۔ وسیع ذخیرہ احادیث کا عجیب جامع اختصار ہے۔

(۱۲) مجمع الزوائد ومنبع الفوائد

للحافظ علی بن ابی بکر بن سلیمان الہیثمی (۸۰۷ھ) مطبع انصار دہلی نے ۱۳۰۷ھ میں اور مطبع قدسی مصر نے ۱۳۵۲ھ میں دس ضخیم جلدوں میں شائع کی ہے۔

(۱۳) بلوغ المرام

للحافظ ابن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ)۔ فقہ شافعی کی تائید میں احادیث احکام اس میں جمع کی گئی ہیں۔ بلوغ المرام کی آگے کئی شرحیں لکھی گئی ہیں۔ جن میں سبل السلام سب سے زیادہ مشہور ہے حنفیہ کی آثار السنن اسی انداز پر فقہ حنفی کی تائید میں ——— مرتب کی گئی ہے۔

(۱۴) الجامع الصغیر

امام جلال الدین السیوطی (۹۱۱ھ) اسے حروف تہجی سے حدیث کے ابتدائی الفاظ پر مرتب کیا گیا ہے۔ حدیث تلاش کرنے میں بہت مفید کتاب ہے۔ یہ کنز الحقائق کے حاشیہ پر بھی شائع ہوئی ہے۔ علامہ علی بن شیخ احمد العزیزی نے ۱۰۴۵ھ میں السراج المنیر کے نام سے اسکی ایک مبسوط شرح لکھی ہے۔ جو ۱۳۱۲ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔ ایک شرح فیض القدیر علامہ عبدالرؤف المناوی نے بھی لکھی ہے۔ جو ۱۳۵۶ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔ یہ شروح ذخیرہ حدیث کی بہت مفید کلیدی کتابیں ہیں۔

(۱۵) تیسیر الوصول الی جامع الاصول من حدیث الرسول

مشہور محدث عبدالرحمٰن بن علی الشیبانی (۹۴۴ھ) جو ابن الربیع کے نام سے معروف ہیں یہ ان کی تالیف ہے۔ مطبع جمالیہ مصر نے ۱۳۳۰ھ میں اسے طبع کیا ہے۔

(۱۶) کنز العمال من سنن الاقوال والافعال

للشیخ علی المتقی (۹۷۵ھ) آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے۔ حیدرآباد دکن سے ۱۳۱۲ھ میں طبع ہوئی۔

(۱۷) فتح الرحمٰن فی اثبات مذہب النعمان

المعروف انوار السنۃ لرد واالجنۃ للشیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) مکتبہ حسامیہ دیوبند سے مفتی نظام الدین صاحب نے اسے چار جلدوں میں طبع کیا ہے۔

(۱۸) جمع الفوائد من جامع الاصول ومجمع الزوائد

للامام محمد بن محمد بن سلیمان الرودانی المغربی (۱۰۹۴ھ) دو ضخیم جلدوں میں ہے۔ مطبع خیریہ میرٹھ نے ۱۳۴۵ھ میں اسے شائع کیا۔ پھر مصر میں بھی طبع ہوئی ہے۔

(۱۹) عقود الجواہر المنیفہ

للسید محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی (۱۲۰۵ھ) اسے مطبع وطنیہ ثغر الاسکندریہ نے دو جلدوں میں ۱۲۹۲ھ میں شائع کیا۔

(۲۰) آثار السنن مع التعلیق الحسن

للمحدث محمد بن علی النیموی (۱۳۲۲ھ) آپ مولانا عبدالحی (۱۳۰۷ھ) کے شاگرد تھے۔ عظیم آباد کے مطبع احسن المطابع نے ۱۳۱۹ھ میں اسے شائع کیا ہے

(۲۱) التاج الجامع للاصول من احادیث الرسول

ازہر کے ممتاز محدث شیخ منصور علی ناصف کی پانچ ضخیم جلدوں میں نہایت بلند پایہ تالیف ہے۔ مطبع عیسی البابی (مصر) نے ۱۳۴۷ھ میں اسے شائع کیا ہے۔

(۲۲) زجاجۃ المصابیح

مولانا السید مظفر حسین حیدر آبادی نے چار جلدوں میں تالیف کی تاج پریس حیدر آباد سے شائع ہوئی۔ جلد اوّل ص۵۹ باب الاعتکاف تک، جلد دوم باب النذور ص۱۰۹ تک۔ جلد سوم کتاب الرؤیا ص۲۴۴ تک، جلد چہارم آخر کتاب ص۱۴۴ تک۔ یہ کتاب اس لائق ہے۔ کہ مشکوٰۃ کا بدل ہو سکے۔

(۲۳) اعلاء السنن

للشیخ ظفر احمد العثمانی (ھ) بیس ضخیم جلدوں میں ہے۔ مذہب احناف کی احادیث اس میں بہت تحقیق سے جمع کی گئی ہیں۔ یہ کتاب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی کی سرپرستی میں لکھی گئی ہے۔ اور علم حدیث میں عصرِ حاضر کا شاہکار ہے۔

(۲۴) ترجمان السنۃ للمحدیث الکبیر بدر عالم میرٹھی ثم المدنی (ھ)

کتاب باعتبار متن عربی میں ہے ہر حدیث کی تخریج موجود ہے اُردو ترجمہ اور تشریحی نوٹ ساتھ ساتھ ہیں پہلے ۲۷۰ صفحات کا مبسوط مقدمہ ہے جو حدیث افتراقِ امت کی صحت و دلالت، اختلاف کی توضیح اسباب اختلاف و تفریق، فرقہ ناجیہ کی تحقیق، حجیت حدیث، اسوۂ رسول اور کتاب اللہ، احادیث رسول کے بیان قرآن ہونے اور ظن و علم کے مفہوم پر ایک نہایت گرانقدر علمی ذخیرہ ہے مولف نے ترتیب مسند احمد کی تبویب جدید (الفتح الربانی) سے لی ہے یہ کتاب دس جلدوں تک جاتی مگر افسوس کہ ابھی چار ضخیم جلدیں مکمل ہوئیں تھیں کہ مؤلف اپنے خالق حقیقی سے جاملے رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

(۲۵) معارف الحدیث مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

احادیث کا نیا اور نرالا انتخاب ہے متون احادیث اصل عربی میں ہیں ترجمہ اُردو میں ہے سات ضخیم جلدوں میں یہ عظیم ذخیرہ مرتب ہوا ہے زیادہ تر احادیث وہ ہیں جو عام زندگی اور اس کے حالات سے تعلق رکھتی ہیں اس وجہ سے جدید تعلیمیافتہ طبقے پر اس کے گہرے اثرات ہیں غیر مستند روایات سے محفوظ ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ جس نے جان بُوجھ کر مجھ پر کوئی جھوٹ باندھا یا میرے نام پر کوئی ایسی بات کہی جو میں نے نہ کہی ہو۔ تو اسے چاہیئے اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔

موضوع احادیث کی نشاندہی پر مستند کتابیں

علمائے اسلام نے اس باب میں بھی کافی محنت کی ہے اور نقل وضبط اور نقد وتبصرہ سے بہت سی وضعی روایات کی نشاندہی کی ہے علامہ ابوالفضل محمد بن طاہر بن علی بن احمد المقدسی (۵۰۷ھ) کی تذکرۃ الموضوعات علامہ ابوالفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی (۵۹۷ھ) کی موضوعات — علامہ حسن الصغانی (۶۵۰ھ) کی موضوعات حسن الصغانی۔ شیخ سراج الدین عمر بن علی القزوینی (۸۰۴ھ) کی موضوعات المصابیح — علامہ سیوطی (۹۱۱ھ) کی اللآلی المصنوعہ — علامہ محمد طاہر الفتنی (۹۸۶ھ) کی تذکرۃ الموضوعات اور قانون الموضوعات — ملا علی قاری (۱۰۱۴ھ) کی موضوعات کبیر اور اللآلی المصنوع علامہ شوکانی (۱۲۵۰ھ) کی الفوائد المجموعہ — امین الحسنات علامہ عبدالحی لکھنوی کی الآثار المرفوعہ فی الاحادیث الموضوعہ کے ساتھ ساتھ آپ کو احیاء العلوم کی حافظ زین الدین عراقی ۸۰۶ھ کی تخریج اور منارالسبیل کی شیخ البانی کی تخریج ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل جیسی کتابوں سے بھی اس سلسلہ میں بہت مواد ملے گا شیخ البانی کی یہ تالیف ۱۳۹۹ھ میں دس جلدوں میں طبع ہے

افسوس کہ اس علمی چھان بین اور جانچ پڑتال کے باوجود ایسے قصہ گو واعظین اور ذاکرین کی کمی نہیں جو اپنی خطابت اور تقریر کو وضعی ڈراموں میں پیش کرکے اپنے سامعین سے خراج تحسین لیتے ہیں اور وہ عوام بھی اس طرف اس لیے لپکتے ہیں کہ انہیں اس کاروائی میں ڈرامے کا سا لطف آتا ہے — ہاں اس پر ہم مطمئن ہیں کہ اہل علم نے ان وضعی روایات پر مستقل کتابیں لکھ کر اپنی ذمہ داری ادا کردی ہے

شیعہ کتب حدیث

شیعہ کتب حدیث ایک بالکل جدا سلسلہ ہے اہل سنت محدثین انہیں بالکل وزن نہیں دیتے شیعہ علماء کے نزدیک آئمہ کے اصحاب انکی احادیث قلمبند کرتے رہے اور چارسو کے قریب مجموعے پہلے دور میں لکھے گئے۔ پھر ان کی مدد سے اصول اربعہ کافی کلینی مَن لایحضرہ الفقیہ تہذیب الاحکام اور استبصار مرتب ہوئے۔ معانی الاخبار شیخ صدوق، نہج البلاغہ شریف رضی وغیرہ بھی ان کے ہاں مستند روایات ہیں متاخرین میں علامہ باقر مجلسی کی کتاب بحار الانوار شیعہ احادیث کا انسائیکلوپیڈیا سمجھی جاتی ہے۔

شروح حدیث

الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد:

آج کا عنوان حدیث کے شروح و حواشی کا بیان ہے۔ اس وقت یہ احاطہ پیش نظر نہیں کہ آج تک کتب حدیث پر کون کون سی شروح لکھی گئیں اور کن کن نامور علماء نے لکھیں اور کون کون سے حواشی قلمبند ہوئے اور وہ کس کس کے رہین احسان تھے۔ بلکہ صرف یہ بتانا ہے کہ اس باب میں کون کون سی کتابیں ان دنوں عام متداول ہیں ـــــ مل سکتی ہیں اور علماء، اور طلبہ ان شروح و حواشی سے استفادہ کرسکتے ہیں۔ زمانہ نے اپنے انقلابات و اسباب میں کن کن کتابوں کو شہرت عام بخشی اور انہوں نے عوام و خواص میں نقطہ اعتماد پایا۔ واللہ ہوالموفق۔

شرح احادیث کی ضرورت

جس طرح قرآن پاک کے لیے تفسیر کی ضرورت ہے۔ اسی طرح حدیث کی کتابوں کے لیے شرح کی ضرورت ہوتی ہے۔ طلبہ کو ہر وقت احوال رواۃ کا استحضار نہیں ہوتا۔ نہ ایک کتاب کے مطالعہ کے وقت یہ مستحضر ہوتا ہے کہ دوسری کتابوں میں یہ روایت بس اتنی ہے یا اس سے کم و بیش ـــــ اور یہ کہ اس موضوع پر اور کون کون سی روایات ہیں ـــــ شارح اپنی شرح میں جہاں ضرورت سمجھتا ہے کسی راوی کے حالات بتا دیتا ہے۔ اسی طرح کسی موضوع پر مختلف احادیث وارد ہوں تو جہاں صاحب کتاب نے ایک حدیث پیش کی۔ شارح اس میں اس موضوع کی دوسری احادیث کو بھی زیر بحث لے آتا ہے۔ اس میں صحابہ کا عمل کیا تھا۔ یا ان کے مسالک کیا کیا تھے۔ وہ ان کی طرف بھی اشارہ کر جاتا ہے۔ پھر ان احادیث سے جو احکام نکلتے ہیں۔ شارح ان پر بھی بحث کرتا ہے اور ائمہ کے مختلف مذاہب اس میں زیر بحث آجاتے

ہیں ـــــــ شارح بالغ نظر ہے تو شرح حدیث میں عصری تقاضوں پر بھی بات کرتا جاتا ہے
غرض شرح حدیث ایک ایسا فن ہے جس میں جملہ اسلامی علوم زیر بحث آتے ہیں۔

متون حدیث میں شرحی جملے

محدثین حدیث کی کتابوں میں حدیث روایت کر کے کبھی شرحی جملے بھی ساتھ کہہ جاتے ہیں مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا

واذا قرأ فانصتوا۔

ترجمہ: اور جب امام قرآن شریف پڑھے تو تم (مقتدی) چپ ہو جاؤ۔

اس پر ابوالنضر کے بھانجے ابوبکر نے کچھ بات کی۔ غالباً اس طرف اشارہ ہوگا کہ اس میں سلیمان تیمی ایک راوی ہے۔ تو امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) نے اسے کہا کہ کیا سلیمان تیمی سے بھی زیادہ کوئی یادر کھنے والا ہوگا؟ صحیح مسلم میں ہے:۔

فقال مسلم اتريد احفظ من سليمان فقال له ابوبكر فحديث ابوهريرة قال هو صحيح يعني واذا قرأ فانصتوا فقال هو عندي صحيح فقال لم لم تضعه هاهنا فقال ليس كل شئ عندي صحيح وضعته هاهنا انما وضعت ههنا ما اجمعوا عليه۔[1]

ترجمہ: مسلم نے کہا تم سلیمان سے زیادہ یادر کھنے والا چاہتے ہو۔ ابوبکر نے پوچھا تو ابوہریرہؓ کی حدیث[2] کیسی ہے؟ (امام) مسلم نے کہا وہ بھی صحیح ہے۔ اس پر ابوبکر نے کہا کہ آپ نے اسے اس موقع پر کیوں روایت نہیں کیا۔ آپ نے کہا ہر وہ چیز جو میرے ہاتھ صحیح ہو میں نے اس میں نہیں لکھی۔ میں نے اس میں صرف وہی کچھ لکھا ہے جس پر سب کا اتفاق ہو۔

دیکھئے یہ متن کے ساتھ شرحی جملے چلے آرہے ہیں ـــــــ جامع ترمذی کو دیکھئے اس

---

[1] صحیح مسلم جلد ا صـ۱۷۴ [2] ابوہریرہؓ کی حدیث جس میں واذا قرأ فانصتوا مروی ہے مسلم میں نہیں اور کتابوں میں موجود ہے۔ مسلم کی یہ روایت حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے مروی ہے۔

میں بھی جگہ جگہ شرحی جملے ملتے ہیں۔ بلکہ جامع ترمذی متن کی کتاب ہونے کے باوجود شرح حدیث کا ایک بڑا علمی ذخیرہ ہے ——— ایک مثال لیجئے۔ امام ترمذی ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

اما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ و احتج بحدیث جابر بن عبداللہ حیث قال من صلی رکعۃ لم یقرأ فیھا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم تاوّل قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھٰذا اذا کان وحدہ۔[1]

ترجمہ۔ امام احمد بن حنبلؒ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب (جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی کوئی نماز نہیں ہوتی) کا معنی یہ ہے کہ جب وہ اکیلا ہو (جماعت والی نماز یہاں مراد نہیں) اور امام احمدؒ نے اس سلسلہ میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ آپ نے فرمایا جس نے ایک رکعت پڑھی اور اس میں ام القرآن نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جب کہ وہ امام کے پیچھے ہو (یعنی اس وقت اس کی نماز خود فاتحہ پڑھے بغیر بھی ہو جاتی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ یہ شخص (حضرت جابرؓ) اصحاب رسول میں سے ہے۔ آپ اس حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا یہی معنی سمجھ رہے ہیں کہ یہ حدیث اکیلے سے متعلق ہے (نماز باجماعت کے لیے نہیں)

امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) نے بھی سنن میں مشہور محدث سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) کا یہ شرحی جملہ نقل کیا ہے کہ حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اسی شخص کے بارے میں ہے۔ جو اکیلا نماز پڑھے[2] یہ حدیث جماعت سے نماز پڑھنے والے کے بارے میں نہیں ہے

محدثین کے ہاں یہ شرحی جملے عام ملتے ہیں۔ امام ابوداؤد جگہ جگہ قال ابوداؤد کہہ کر متون احادیث

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ ص۴۲ دہلی [2] سنن ابی داؤد جلد ۱ ص۱۱۹

پر تشریحی نوٹ لکھے جاتے ہیں۔ علمائے حدیث نے قال ابو داؤد کے ان جملوں پر مستقل کتابیں لکھی اور مستقل بحثیں کی ہیں۔

اس وقت ہمیں اس سے بحث نہیں کہ کون سا تشریحی نوٹ اور کون سا شرحی جملہ صحیح ہے اور کس جملے سے ہم رائے کا اختلاف رکھتے ہیں۔ اس وقت صرف یہ بتانا ہے کہ طلبہ کو شرح احادیث کی ضرورت ابتداء سے ہی رہی ہے۔ حتیٰ کہ متن کی کتابوں (کتب متون) میں بھی جگہ جگہ احادیث کے ساتھ شرحی جملے ملتے ہیں ——— امام زہری (۱۲۴ھ) تو متن حدیث روایت کرتے ہوئے یہ شرحی جملے کہہ جاتے تھے اور بعض علمائے حدیث انہیں متن حدیث میں سے سمجھ لیتے۔ محدثین کے ہاں اسے ادراج بھی کہتے ہیں۔ امام زہری کے ہاں یہ عام ملتا ہے۔

متون احادیث پر تشریحی ابواب و تراجم

امام بخاری (۲۵۶ھ) نے الجامع الصحیح المسند میں اپنی خاص شرطوں سے نہایت صحیح روایات اس کتاب میں جمع کی ہیں۔ ان روایات پر آپ نے جو ابواب و تراجم باندھے ہیں۔ وہ ان روایات کے بارے میں جو ان ابواب میں مروی ہوں امام بخاری کی فقہی رائے سمجھے جاتے ہیں۔ اس وقت ہمیں یہ بحث نہیں کہ امام بخاریؒ کی کون کون سی رائے قیاس پر مبنی ہے اور کس کس باب میں ان کے پاس نص حدیث ہے۔ اس وقت صرف یہ بتلانا ہے کہ صحیح بخاری میں بھی مؤلف تشریحی جملوں سے مستغنی نہیں رہے۔

امام نسائی (۳۰۳ھ) بھی سنن (مجتبیٰ) میں باب باندھ کر حدیث کی مراد واضح کرتے ہیں یہ گویا آپ کی طرف سے شرح حدیث ہے۔ مثلاً آپ نے جب یہ حدیث روایت کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ واذا قرأ فانصتوا۔ (جب امام قرآن پڑھے تو تم چپ ہو جایا کرو) تو آپ نے اس پر یہ باب باندھا ہے[۱]۔

واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون[۲]

ترجمہ۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو تم اس کی طرف کان لگاؤ اور چپ رہو تاکہ تم فلاح پاؤ۔

---

[۱] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۰۷ [۲] پ ۹ الاعراف

اس ترجمۃ الباب سے یہ بھی پتہ چلا کہ محدثین کے ہاں یہ آیت نماز کے بارے میں ہی ہے اور ان کے ہاں مسلمان ہی اس حکم کے مخاطب ہیں۔ سو اس وہم میں نہ جایئے کہ یہ آیت کفار کے بارے میں ہے۔ گو وہ بھی اس حکم کے مخاطب ہوں کہ جب قرآن پڑھا جائے۔ تو تم شور و شغب نہ کرو۔

صحیح ابن خزیمہ (۳۱۱ھ) کو دیکھئے۔ متونِ احادیث پر کس قدر نفیس تبویب ہے۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے حدیث ہر باب باندھنے میں امام ابن خزیمہ سب پر سبقت لے گئے ہیں۔ یہ کتاب چار جلدوں میں دیوبند کے ایک فاضل مولانا مصطفےٰ کے حاشیہ کے ساتھ مصر سے چھپ چکی ہے۔ منتقی ابن الجارود اسی پر (صحیح ابن خزیمہ) مستخرج کتاب ہے۔

شرح حدیث کا آغاز

یوں تو حدیث کے شرحی جملے اور تشریحی الواب و تراجم کتب متون میں بہت پہلے آ رہے تھے لیکن مستقل فن کی حیثیت سے امام ابو جعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) پہلے امام ہیں جنہوں نے متون احادیث کو شرح کا موضوع بنایا اور شرح معانی الآثار جیسی عظیم کتاب لکھ کر اس باب میں حجت تمام کر دی۔ آپ نے پھر مشکل الآثار بھی لکھی۔ جو متقابل روایات اور مشکل روایات تطبیق و تفہیم میں نہایت نفیس کتاب ہے اور اپنے باب میں بے مثل ہے۔ مطبوعہ مشکل الآثار جو چار جلدوں میں ہے۔ اصل کتاب کے نصف کے برابر ہے۔

امام طحاویؒ کی یہ کتابیں کسی دوسرے متن پر شرح نہیں۔ متون احادیث کو آپ خود اپنی سند سے روایت کرتے ہیں اور ان پر اثر اور نظر ہر پہلو سے کلام کرتے ہیں۔ آپ پہلے امام ہیں جنہوں نے اس انداز سے شرح حدیث کا آغاز کیا۔ اس کے بعد مؤطا امام مالک اور سنن ابی داؤد پر تحقیقی کام شروع ہوا اور متن پر شرح کے پیرایہ ہیں۔ کتب حدیث کی شرحیں ہونے لگیں اور یہ سلسلہ میں پھر اتنی وسعت سے چلا کہ آج اسلامی کتب خانوں میں سب سے زیادہ کتابوں کا ذخیرہ شروح حدیث کا ہی ہے۔

ابو سلیمان الخطابی (۳۸۸ھ) نے سنن ابی داؤد پر معالم السنن لکھی۔ یہ چھپ چکی ہے۔

ابن حزم اندلسی (۴۵۷ھ) نے المحلی کے نام سے موطا کی نہایت جامع شرح آٹھ جلدوں میں لکھی۔ یہ بھی چھپ چکی ہے۔ اندلس کے ہی مایۂ ناز عالم علامہ عبدالبر القرطبی (۴۶۳ھ) نے التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید لکھی جس کی بارہ جلدیں وزارت اوقاف اور شئوون اسلامی مراکش کی طرف سے چھپ چکی ہیں۔ کتاب تقریباً بیس جلدوں میں مکمل ہوگی۔ مؤلف نے اس کتاب کا ایک اختصار تجرید التمہید کے نام سے خود کیا ہے۔ جو چھپ چکا ہے۔

یہ شروح بہت پہلے دور کی ہیں۔ ان میں زیادہ تر حل الفاظ اور مشکلات اسانید پر زور دیا گیا ہے۔ بعد میں آنے والے شارحین اور طلبہ کے لیے یہ علمی مباحث شرح حدیث کا ابتدائی سرمایہ ہیں۔ ویسے لغاتِ حدیث پر اس امت میں مستقل کام بھی ہوا ہے۔

شرح لغاتِ حدیث

ائمہ حدیث کی نظر جمع حدیث کے ساتھ ساتھ اس کے الفاظ غریبہ پر بھی بہت رہی ہے۔ الفاظِ غریبہ سے مراد وہ الفاظ ہیں جو قلیل الاستعمال ہوں، اگر عام استعمال بھی ہوتے ہوں، تو اس خاص معنی کی رو سے وہ قلیل الاستعمال ہوں۔ علماء حدیث نے ان کی تشریح و توضیح کے لیے خصوصی قلم اٹھایا ہے اور حق یہ ہے کہ اس باب میں محنت کا حق ادا کر دیا۔

سب سے پہلے ابوعبید معمر بن المثنی تیمی (۲۱۰ھ) نے الفاظ غریبہ پر قلم اٹھایا پھر ابوالحسن مازنی (ھ) ابوسعید عبدالملک اصمعی (۲۱۶ھ) ابوعبید قاسم بن سلام (۲۲۵ھ) ابوالعباس ثعلب (ھ) اور علامہ المبرد (ھ) نے الکامل کی چار جلدوں میں غرائب الفاظ پر بحث کی ہے۔

اس باب میں شیخ مجدالدین بن المبارک بن عبدالکریم بن اثیر الجزری (۶۰۶ھ) کی کتاب النہایہ فی غریب الحدیث والاثر احادیث و آثار کی لغات پر نہایت مفید اور جامع کتاب ہے۔ اس کے بعد محدث جلیل شیخ طاہر فتنی (۹۸۶ھ) کی مجمع البحار سب کتابوں کی جامع اور گویا اس فن کی آخری کتاب ہے۔ یہ کتاب ہندوستان میں تین ضخیم جلدوں میں چھپی ہے۔

مفصل شروح حدیث کا ذکر

چھٹی صدی ہجری میں کتب حدیث کی مفصل اور طویل شرحوں کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ ساتویں صدی میں شیخ محی الدین ابو زکریا یحییٰ بن شرف النووی الشامی (۶۷۶ھ) نے صحیح مسلم کی بہت عمدہ شرح لکھی، جو بہت ہی مقبول ہوئی اور بارہا ہندوستان اور مصر و شام میں چھپ چکی ہے۔ اس وقت اس دور کی سب شروح کا تعارف کرانا پیش نظر نہیں۔ جو شرحیں لائبریریوں اور کتبخانوں میں ملتی ہیں اور طلبہ کو آسانی سے میسر آ سکتی ہیں، صرف انہی کا تعارف پیش کرنا ہے تاکہ وہ ان کی طرف مراجعت کر سکیں۔

① صحیح بخاری

صحت اور جامعیت میں اوّل درجے کی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ اس کی مشکلات حل کرنے کے لیئے ان شروح کی طرف مراجعت کی جا سکتی ہے۔

① بہجۃ النفوس

اندلس کے مشہور محدّث ابو محمد عبداللہ بن ابی جمرہ (۶۹۹ھ) کی شرح بخاری ہے ۱۳۵۶ھ میں مصر سے چار ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔

② شرح البخاری للزرکشی

شیخ ابو عبداللہ بدرالدین زرکشی مصری (۷۹۴ھ) کی تالیف ہے۔ چھ ضخیم جلدوں میں ۱۳۵۱ھ میں مصر سے شائع ہوئی۔

③ شرح البخاری للکرمانی

(ھ) کی یہ تالیف ۲۵ جلدوں میں ہے ۱۳۵۱ھ میں

مصر سے شائع ہوئی۔

④ فتح الباری

للحافظ ابن حجر العسقلانی (۸۵۲ھ) صحیح بخاری کی بہترین شرح ہے۔ ہندوستان اور مصر

وغیرہ میں چھپ چکی ہے. بارہ ضخیم جلدوں میں ہے.

⑤ عمدۃ القاری

للحافظ بدرالدین العینی (۸۵۵ھ) بہت دقیق اور محققانہ شرح ہے. مصر اور بیروت میں بارہا چھپ چکی ہے. ۲۲ جلدوں میں ہے مصنف حنفی المسلک ہیں.

⑥ ارشاد السّاری

شہاب الدین القسطلانی (۹۲۳ھ) یہ گویا پہلی دو بڑی شرحوں کا ملخص ہے. مؤلف شافعی المسلک ہیں.

⑦ تحفۃ الباری

شیخ الاسلام ابویحییٰ زکریا انصاری الخزرجی (۹۲۶ھ)

⑧ تیسیر القاری

شیخ نورالحق محدث دہلوی (۱۰۷۳ھ) یہ فارسی شرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) کے بیٹے کی تالیف ہے. خاصی مقبول ہے.

⑨ منح الباری شرح جامع صحیح بخاری

حافظ دراز (۱۲۶۳ھ) یہ فارسی شرح حافظ محمد احسن بن محمد صدیق المعروف یہ حافظ دراز کی ہے. آپ خوشاب کے رہنے والے تھے.

⑩ عون الباری لحل ادلۃ البخاری

نواب صدیق حسن خاں نے تجرید بخاری للزبیدی کی دو جلدوں میں شرح کی ہے مطبع صدیقی بھوپال سے ۱۲۹۹ھ میں شائع ہوئی.

⑪ لامع الدراری

شیخ رشید احمد گنگوہیؒ (۱۳۲۳ھ) حضرت گنگوہی کی تقریر بخاری کی شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ نے تفصیل کی ہے.

⑫ فیض الباری

علامہ انور شاہ کشمیری (۱۳۵۱ھ) حضرت انور شاہ صاحبؒ کی یہ تقریر بخاری محدث کبیر

مولانا السّید بدر عالم مدنی نے جمع کی ہے۔

⑫ فضل الباری

علامہ شبیر احمد العثمانی (۱۳۶۹ھ)۔ یہ حضرت علامہ عثمانیؒ کی بخاری شریف کی تقریر ہے جس پر حضرت علامہ عثمانی نے خود نظر ثانی کی ہے۔ یہ اردو میں ہے اور اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو رہا ہے۔ دو اُردو جلدیں اور ایک انگریزی جلد چھپ چکی ہیں۔

⑭ ہدایۃ الباری الی ترتیب احادیث البخاری

سید عبدالرحیم الطہطاوی نے دو جلدوں میں لکھی۔ مطبع رغائب مصر نے ۱۳۴۰ھ میں اسے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

⑮ نبراس الساری فی اطراف البخاری

محدث پنجاب حضرت مولانا عبدالعزیزؒ (گوجرانوالہ) کی عربی تالیف ہے۔ مطبع کریمی دہلی نے ۱۳۵۰ھ میں شائع کی۔ علماء میں بے حد مقبول ہوئی۔

⑯ امداد القاری لشرح صحیح البخاری

مراد آباد کے مشہور محدث مولانا عبدالجبار اعظمی یہ اردو شرح لکھ رہے ہیں۔ دو جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

علمائے حدیث نے صحیح بخاری کے کچھ حواشی بھی لکھے ہیں۔ جو طلبہ کے لئے بہت مفید ہیں صحیح بخاری ان حواشی کے ساتھ بارہا چھپ چکی ہے۔

① حاشیہ مولانا شیخ ابوالحسن السندھیؒ (۱۱۴۳ھ)

بلادِ عربی میں یہ حاشیہ بہت رائج ہے۔

② حاشیہ مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ (۱۲۹۷ھ)

آخری پانچ پارے کے حواشی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (۱۲۹۷ھ) کے قلم سے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں صحیح بخاری کا یہ نسخہ اور حاشیہ مقبول ترین حدیثی کتاب ہے۔ یہ اکابر علمائے دیوبند کی نہایت دقیع اور مقبول علمی خدمت ہے۔ دونوں شارح ایک ہی سال (۱۲۹۷ھ) میں فوت ہوئے۔

نوٹ: صحیح بخاری سے حدیث تلاش کرنے کے باب میں شیخ مصطفےٰ بیومی المصری کی کتاب

دلیل فہارس البخاری مطبع صاوی مصر نے ۱۳۵۲ھ میں شائع کی ہے۔ مفتاح کنوز السنۃ حدیث کی ۱۴ کتابوں کی کلید ہے۔ یہ مصر سے ۱۳۵۳ھ میں شائع ہوئی ہے۔ تراجم صحیح بخاری کی شرح میں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی شرح تراجم اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ کی کتاب الابواب والتراجم بہت مفید کتابیں ہیں۔

حدیث کی جن دوسری کتابوں پر علمائے حدیث نے شرح حدیث کی محنت کی ہے۔ ان میں موطا امام مالک۔ صحیح مسلم۔ سنن ابی داؤد۔ موطا امام محمد۔ جامع ترمذی۔ طحاوی شریف اور مشکوٰۃ شریف سرفہرست ہیں۔ ان کے بعد کتب حدیث کے کچھ اور مفید حاشیوں کا ذکر ہوگا۔ جن پر طلبہ حدیث اعتماد کر سکتے ہیں۔

(۲) صحیح مسلم

صناعت حدیث میں اوّل درجے کی کتاب ہے۔ بعض علماء نے اسے اس پہلو سے صحیح بخاری پر بھی ترجیح دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تدوین حدیث اور مطالعہ حدیث میں جو عظمت اور اہمیت صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو حاصل ہوئی اور کسی کتاب کو حاصل نہیں ہے۔ یہ الٰہی مقبولیت کا ایک کھلا نشان ہے۔ کوئی اور کتاب صحیحین کے اس مقام کو نہیں پا سکی۔ صحیح مسلم کی جو شرحیں متداول ہیں ان میں یہ زیادہ معروف ہیں:۔

(۱) اکمال المعلم شرح صحیح مسلم

ابوعبداللہ محمد بن محمد بن یوسف السنوسی الحسنی (۸۹۵ھ) کی تالیف ہے۔ مؤلف اسے مکمل نہ کر سکے۔ شیخ ابی نے اسے مکمل کیا۔

(۲)

القرطبی (۶۷۱ھ) عربی۔

(۳) شرح صحیح مسلم

امام محی الدین لدوی (۶۷۶ھ) عربی۔

④ اکمال اکمال المعلم

علامہ اُبی (۸۲۸ھ) نے سات جلدوں میں مکمل کی۔ مطبع سعادت مصر سے ۱۳۲۷ھ میں چھپ چکی ہے۔

⑤ فتح الملہم

نواب صدیق حسن خاں (بھوپال) کی تالیف ہے۔

⑥ فتح الملہم

شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی (۱۳۶۹ھ) عربی

⑦ تفہیم المسلم

مولانا بلال عثمانی دامت برکاتہم کی یہ شرح اردو میں ہے۔ حضرت مولانا عثمانی، حضرت علامہ بلیاوی، حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا سید بدر عالم مدنی کی مسلم شریف کی تقاریر کا مجموعہ ہے۔

③ سنن ابی داؤد السجستانی

حدیث کے فقہی سرمائے پر بے مثل تالیف ہے۔ علمائے حدیث نے ہر دور میں اس کتاب پر محنت کی اور اس پر شروح و حواشی لکھے ہیں۔

① معالم السنن

للعلامۃ الخطابی (۳۸۸ھ)

② عون المعبود

مولانا شمس الحق عظیم آبادی (ھ) چار جلدوں میں ہے۔ مطبع مجتبائی دہلی نے ۱۳۱۸ھ میں اسے شائع کیا۔

③ حاشیہ تصحیح کردہ

حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ (۱۹۲۰ء)

④ بذل المجہود

مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری (۱۳۴۶ھ) پہلے میرٹھ (مطبع نامی) سے ۱۳۴۲ھ میں

پانچ ضخیم جلدوں میں چھپی تھی۔ اب مصر سے بیس جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

⑤ انوار المحمود

جمع کردہ مولانا الشیخ صدیق احمد۔ یہ حضرت مولانا انور شاہ صاحب۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری کی ابوداؤد پر کی گئی تقریرات کا مجموعہ ہے۔

⑥ حل ماقال ابوداؤد (اردو)

مولانا محمد حنیف گنگوہی کی تصنیف ہے۔ کئی جلدوں میں ہے اور بہت مفید اور بہت جامع کتاب ہے۔

⑦ کشف الودود لحل ما فی سنن ابی داؤد (عربی)

قاضی شمس الدین صاحب (گوجرانوالہ) کی نہایت مفید تالیف ہے۔

④ جامع ترمذی

متن کتاب خود حدیث کی ایک بڑی شرح ہے۔ سند حدیث پر کلام اس کے درجات کی نشاندہی اسانید کے اتصال وارسال پر تنبیہ صحابہ کے عمل اور فقہاء کے مختلف مسالک پر محققانہ تبصرے اور ان کے تذکرے اس کتاب کی جان ہیں۔ تاہم علمائے حدیث نے اس پر بھی گرانقدر علمی اضافے فرمائے ہیں۔ اس کی گراں قدر شرحیں لکھی ہیں۔

① شرح الترمذی

لابن عربی المالکی (۵۴۶ھ) یہ شرح ۱۳ جلدوں میں ہے اور مصر سے ۱۳۵۰ھ میں شائع ہوئی۔

② الکوکب الدری امالی حضرت گنگوہی

شیخ رشید احمد گنگوہیؒ (۱۳۲۳ھ) حضرت گنگوہی کی تقریر ترمذی کو شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کے والد مرحوم مولانا محمد یحییٰ نے ضبط کیا ہے۔

③ العرف الشذی

للعلامہ انور شاہ (۱۳۵۱ھ) یہ حضرت شاہ صاحب کی جامع ترمذی پر ایک تقریر ہے۔

④ الطیب الشذی بشرح جامع الترمذی

یہ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلوی (ھ) کی تالیف ہے افسوس کہ مؤلف اسے مکمل نہ کر سکے۔

⑤ تحفۃ الاحوذی

مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری (۱۳۵۲ ھ) مؤلف ترک تقلید کا مسلک رکھتے ہیں۔

⑥ معارف السنن

مولانا محمد یوسف بنوریؒ (۱۳۹۵ھ) چھ جلدیں چھپ چکی ہیں۔ دسویں جلد بھی مکمل ہے۔ مگر افسوس کہ درمیانی تین جلدیں مکمل نہ ہو سکیں۔

⑦ شرح ترمذی

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) کی نہایت مفصل اور مفید شرح ہے اس کا نام حقائق السنن ہے حضرت الشیخ کے امالی آپ کے بعض تلامذہ نے جمع کیے ہیں۔

⑤ موطا امام مالکؒ (۱۷۹ھ)

① المحلی بشرح الموطا

لابن حزم الاندلسیؒ (۵۴۰ھ)

② التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید

لابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ)

③ المنتقی بشرح الموطا

قاضی ابو الولید المعروف بابن الباجی کی تالیف ہے۔ مطبع سعادت مصر سے ۱۳۳۱ھ میں سات جلدوں میں شائع ہوئی ہے۔

④ زرقانی شرح موطا

محمد بن عبدالباقی الزرقانی کی یہ شرح آٹھ ضخیم جلدوں میں ہے۔

⑤ تنویر الحوالک بشرح موطا مالک

امام جلال الدین سیوطیؒ (۹۱۱ھ)

⑥ المصفیٰ والمسوّیٰ کلاہما

للشیخ ولی اللہ المحدث والدہلویؒ (ھ)

⑦ اوجز المسالک بشرح موطا مالک

لشیخ الحدیث مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم

⑥ موطا امام محمدؒ (۱۸۹ھ)

① شرح

ملّا علی قاریؒ (۱۰۱۴ھ)

② التعلیق الممجد

حاشیہ مولانا عبدالحی لکھنویؒ (ھ)

⑦ کتاب الآثار امام محمد

① شرح

ملّا علی قاری (ھ)

② شرح

مفتی مہدی حسنؒ

③ حاشیہ

مولانا عبدالباریؒ (فرنگی محل)

⑧ شرح معانی الآثار للطحاوی (۳۲۱ھ)

① شرح حافظ بدرالدین العینیؒ (۸۵۵ھ)

② امانی الاحبار

مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ

⑨ مشکوٰۃ شریف للخطیب التبریزی (۷۴۲ھ)

① ۔ الکاشف عن حقائق السنن

علامہ حسن بن محمد الطیبی (۷۴۳ھ) الاستاذ لصاحب المشکوٰۃ ۔ افسوس کہ یہ شرح عظیم ابھی تک منت پذیر طباعت نہیں ہو سکی ۔

② ۔ الکاشف کی تلخیص علامہ سید شریف نے کی جو بعد کے بہت سے شارحین مشکوٰۃ کا ماخذ ہے

③ مرقات المفاتیح

ملا علی القاری (۱۰۱۴ھ)

④ لمعات التنقیح

شیخ عبد الحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ)

⑤ اشعۃ اللمعات

شرح فارسی للشیخ الدہلوی (۱۰۵۲ھ)

⑥ مظاہر حق (اردو)

نواب قطب الدین دہلوی (۱۲۸۹ھ)

⑦ التعلیق الصبیح

مولانا محمد ادریس کاندھلوی (ھ)

⑧ مرعاۃ المفاتیح ۔ مولانا عبید اللہ رحمانی مبارکپوری ۔

⑩ شرح جامع صغیر للسیوطی (۹۱۱ھ)

① سراج المنیر

تالیف ۱۰۴۵ھ علامہ علی بن شیخ احمد العزیزی

② فیض القدیر

للعلامہ عبد الرؤف المناوی ۔ چھ جلدوں میں ہے ۔

جامع ترمذی (۲۷۹ھ) کے حواشی

۱۔ امام سیوطی کی شرح قوت المغتذی کی تلخیص نفع قوت المغتذی بصورت حاشیہ کتاب کے ساتھ مطبوع ہے اور عام ملتی ہے

۲۔ علامہ ابوالحسن السندھی کا حاشیہ۔ ۳۔ شیخ احمد بن محمد شاکر کی تعلیقات؛ علی جامع الترمذی۔

۴۔ حواشی از تقریر حضرت شیخ الہندؒ

سنن نسائی (۳۰۳ھ) کے حواشی

۱۔ تعلیق زہر الربی علی المجتبیٰ للامام السیوطی (۹۱۱ھ)

۲۔ حاشیہ شیخ عبدالہادی السندھی (۱۱۳۸ھ)

۳۔ حاشیہ مولوی وصی احمد کانپوری ۴۔ حاشیہ مولانا اشفاق الرحمٰن کاندھلویؒ

سنن ابن ماجہ (۲۷۳ھ) کے حواشی

۱۔ شرح حافظ مغلطائی الحنفی (۷۶۴ھ) ۲۔ شرح ابن رجب حنبلی (۷۹۵ھ)

۳۔ نور مصباح الزجاجہ للشیخ المغربی۔ امام سیوطی کی شرح مصباح الزجاجہ کی تلخیص ہے۔

۴۔ انجاح الحاجہ للشیخ عبدالغنی بن ابی سعید المجددی (۱۲۹۵ھ)

۵۔ حاشیہ حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی۔ یہ عام ملتا ہے

اب کچھ دیگر کتب حدیث کے حواشی کا ذکر بھی سن لیجئے:۔

① المصنف لعبدالرزاق المحدث (۲۱۱ھ)

حاشیہ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی۔ گیارہ جلدوں میں کتاب ہے۔

② المصنف لابن ابی شیبۃ (۲۳۵ھ)

حاشیہ ۳ جلد از مولانا عبدالخالق الافغانی ——— مکمل تحقیق از مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی۔

③ سنن دارمی (۲۵۵ھ) حاشیہ از

④ سنن دارقطنی (۳۸۵ھ) حاشیہ از مولانا شمس الحق عظیم آبادی۔

⑤ مستدرک حاکم

حاشیہ پر علامہ ذہبی کی تلخیص ہے جس کا نام تلخیص المستدرک ہے۔

⑨ سنن کبریٰ بیہقی

حاشیہ پر علامہ ابن ترکمانی کی کتاب الجوہر النقی ہے۔ علامہ ترکمانی حنفی مسلک کے ہیں جگہ جگہ امام بیہقی پر تنقید کرتے ہیں۔

حدیث کی فارسی شروح

صحیح بخاری کی شروح میں شیخ نورالحق محدث دہلوی (۱۰۷۳ھ) کی شرح تیسیر القاری کا ذکر آچکا ہے بشکوٰۃ کی شروح میں شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) کی شرح اشعۃ اللمعات کا ذکر آچکا ہے شیعہ کی کافی کلینی کا فارسی ترجمہ خلیل قزوینی نے کیا ہے اور مَن لایحضرہ الفقیہ کا ترجمہ ملاتقی مجلسی اوّل نے کیا ہے۔

مذکورہ بالا شروح و حواشی کے ذکر میں گو بہت سی اردو شروح کا ذکر بھی آچکا ہے۔ لیکن اردو داں طبقہ کو خصوصی طور پر ادھر متوجہ کرتے ہوئے حدیث کی اردو شرح کا علیحدہ ذکر بھی کیا جاتا ہے۔

حدیث کی اردو شروح

① صحیح بخاری

① تیسیر الباری ـــــــ مولانا وحید الزمان کے ترجمہ کے ساتھ اس کی مفصل اردو شرح ہے۔ مؤلف ترک تقلید کا مسلک رکھتے ہیں۔

② فضل الباری بشرح صحیح البخاری ـــــــ یہ شرح شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی بخاری شریف کی تقریرات کا مجموعہ ہے۔ جو حضرت کی نظر ثانی سے گزر چکا ہے۔ یہ کتاب کراچی میں چھپ رہی ہے۔ تین جلدیں شائع ہو چکی ہیں۔

② صحیح مسلم

مولانا فضل الرحمٰن ہلال عثمانی فاضل دیوبند و مدینہ یونیورسٹی تفہیم المسلم کے نام سے مسلم شریف کی جامع اردو شرح لکھ رہے ہیں۔

③ شرح ماقال ابوداؤد

مولانا محمد حنیف گنگوہی کی تالیف ہے اور بہت مفید کتاب ہے۔

④ تقریر ترمذی

شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کی ترمذی شریف کی تقریرات کا مجموعہ ہے۔

⑤ شمائل الترمذی

خصائل نبویؐ اردو شرح شمائل ترمذی از شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ۔

⑥ شرح معانی الآثار للطحاوی

ہم تراجم میں اس کا ذکر کر آئے ہیں۔ یہ صرف ترجمہ نہیں۔ ساتھ ساتھ ایک مختصر شرح بھی ہے۔ مطبع اسلامیہ لاہور نے ۱۹۱۳ء میں اسے چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔

⑦ مشکوٰۃ شریف

نواب قطب الدین دہلویؒ نے حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ کے اردو ترجمہ مشکوٰۃ کو ساتھ لے کر یہ اردو شرح مشکوٰۃ مظاہر حق کے نام سے مرتب اور شائع کی ہے۔ پانچ ضخیم جلدوں میں ہے۔

⑧ فقہ السنن والآثار

کے نام سے مفتی محمد عمیم الاحسان المجددی نے ایک ذخیرہ حدیث مرتب کیا ہے۔ جو مطبع مجیدیہ کانپور سے ۱۳۷۳ھ میں شائع ہو چکا ہے۔ علم حدیث پر ایک مفید کام ہے۔

یہ کتابیں ان کتابوں کے علاوہ ہیں۔ جو اردو میں مستقل کتابوں کی حیثیت سے حدیث پر لکھی گئیں۔ ان کا ذکر کتب حدیث کی بحث میں پہلے آچکا ہے ـــــ جیسے ترجمان السنۃ للشیخ بدر عالم المدنیؒ اور معارف الحدیث للشیخ محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم

حدیث کی انگریزی شروح

حدیث کے انگلش لٹریچر میں شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی کی کتاب فضل الباری کا انگریزی ترجمہ سرفہرست ہے پہلی جلد صفحات پر مشتمل ہے اور شائع ہو چکی ہے اسکا مقدمہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب قدس اللہ سرہ العزیز نے لکھا ہے اور وہ بھی انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے صحیح مسلم کا انگریزی ترجمہ جناب عبدالحمید صاحب نے کیا ہے اور جگہ جگہ تشریحی نوٹ لکھے ہیں اس کا ذکر ہم تراجم میں بھی کریں گے۔

تراجمِ حدیث

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد :۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ملک عرب میں ایک پیغمبر انہی میں سے مبعوث فرمایا جس نے انہیں اللہ کی آیات سنائیں۔ اپنے فیضِ صحبت سے ان کے دلوں کو پاکیزگی بخشی اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دی۔ واقعی وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں گھرے ہوتے تھے۔

آپ کے اصحاب آپ کے فیضِ صحبت سے تزکیہ کی دولت پا گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لیئے کلمہ تقوے اور پرہیزگاری لازمی کر دی اور بے شک وہی اس کے زیادہ حقدار اور اہل تھے اور اللہ تعالیٰ ہر آئندہ چیز کو بھی جاننے والے ہیں۔

قرآن کریم حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر عربی میں نازل ہوا۔ حضورؐ کی اپنی زبان عربی تھی۔ آپ کی احادیث اور تعلیمات سب عربی میں ہوتی تھیں۔ لیکن چونکہ آپ کا دین عالمگیر تھا اور آپ کی دعوت کل اطرافِ عالم اور جملہ اقوام و اُمم کو شامل تھی۔ اس لیئے ضروری تھا کہ غیر عرب قوموں کو دین کی دعوت ان کی اپنی زبان میں دی جائے۔ انہیں دین کو اپنی زبان میں سمجھنے کی جملہ سہولتیں مہیا کی جائیں جو لوگ اس دعوتِ حق کو قبول کر لیں۔ انہیں پھر عربی قرآن پڑھایا جائے۔ عربی نماز سکھائی جائے۔ کیوں کہ عربی اسلام کی سرکاری زبان ہے۔ لیکن اس کے علاوہ انہیں دین سیکھنے کے جملہ مواقع ان کی اپنی زبانوں میں بہم پہنچائے جانے چاہئیں۔ اس غرض سے ترجموں کی ضرورت محسوس ہوئی اور دین کی دعوت اور تعلیم ان قوموں کی اپنی زبانوں میں اترنی شروع ہوئی۔ یہ غلط ہے کہ علماء کرام ابتداء

میں ترجمہ کرنے کی اجازت کے خلاف تھے۔ علم سیکھنا ایک فطری طلب ہے اور علماء اسلام طلب کے فطری تقاضوں سے آنکھیں بند نہ کر سکتے تھے۔

یہ صحیح ہے کہ اسلام کی سرکاری زبان عربی ہے۔ ہر عربی عجمی، زنگی، افرنگی اسلام کا کلمہ، نماز وغیرہ سب عربی میں ہی سیکھتے اور پڑھتے ہیں۔ لیکن جہاں تک دین کی عام تعلیمات کا تعلق ہے انہیں کسی بھی زبان میں جانا اور سمجھا جا سکتا ہے۔ اور یہ صحیح ہے کہ علم کی اپنی کوئی زبان نہیں، علم ہر زبان کا لباس پہن سکتا ہے۔ اسلام کی تعلیمات ہر زبان اور ہر ماحول میں ڈھل سکتی ہیں۔ اور اسے ہر خطۂ ارضی کی ضرورت کے مطابق کسی زبان میں بھی ترجمہ کیا جا سکتا ہے۔ اسلام میں اس کی پوری گنجائش موجود ہے۔

مدینہ کے مضافات میں رہنے والے یہود گو عربی زبان بولتے تھے۔ لیکن اپنی اسرائیلی زبان (عبرانی) کا بھی پورا تحفظ کرتے تھے۔ جب لکھتے تو عبرانی میں ہی لکھتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب انہیں کوئی خط لکھنا ہوتا تو اسے عبرانی میں ہی لکھواتے۔ آپ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو عبرانی سیکھنے کا حکم دیا۔ اور انہوں نے پندرہ دن میں مہارت پیدا کر لی تھی۔ آپ کہتے ہیں:۔

امرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتعلمت لہ کتاب یہود وقال انی واللہ ما آمن یہود علی کتابی فلم یمر بی نصف شہر حتی حذقتہ فکنت اکتب لہ اذا کتب واقرأ لہ اذا کتب الیہ[1]

ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں آپ کے لیے یہود کی کتابت سیکھوں۔ اور فرمایا مجھے اپنے خطوط کے سلسلہ میں یہودیوں کی کتابت پر اعتماد نہیں۔ پس میں نے سیکھنا شروع کیا۔ نصف مہینہ گزرنے نہ پایا تھا کہ میں نے اس میں مہارت پیدا کر لی۔ چنانچہ میں آپ کی طرف سے یہود کو لکھا کرتا تھا اور جب آپ کی طرف خط آتے تو میں آپ کو پڑھ کر سنا دیتا تھا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ دوسری زبانوں میں ترجموں کا آغاز خود عہد رسالت میں ہی ہو

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۲ صہ ۱۵۳

گیا تھا اور آپ نے خود اس کی تعلیم دی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرت عبداللہ بن عباسؓ جب حدیث کا درس دیتے تو ابوجمرہ نصر بن عمرانؒ تابعی کو اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتے۔ ابوجمرہ مترجم کے فرائض سرانجام دیتے اور عربی سے فارسی میں ترجمہ کرتے تھے[1] حضرت عبداللہ بن عباسؓ بصرہ میں مقیم تھے۔ بصرہ کی سرحدیں ایران سے ملتی ہیں ظاہر ہے کہ ایسے ماحول میں ترجمہ کی اشد ضرورت محسوس ہوتی ہوگی اور صحابہ کرامؓ اس اصولی ضرورت سے بے خبر نہ تھے حضرت ابن عباسؓ نے اسی لیے اپنے ساتھ مترجم بٹھایا تھا۔

غیر عرب ملکوں میں ایران پہلا ملک ہے جو اسلام کے جھنڈے تلے آیا۔ اور فارسی پہلی زبان ہے جس میں قرآن و حدیث کے پہلے ترجمے ہوئے۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے سورۂ فاتحہ کا پہلا فارسی ترجمہ کیا — جسے ایرانی لوگ اس وقت تک جب تک کہ ان کی زبانیں عربی آشنا نہ (مانوس) ہوگئیں نماز میں پڑھتے تھے۔ علامہ سرخسی لکھتے ہیں:۔

فکانوا یقرأون ذلك فی الصلوٰۃ حتی لانت السنتهم للعربیة[2]

ترجمہ۔ سو وہ اس فارسی ترجمے کو نماز میں پڑھتے تھے۔ یہاں تک کہ ان کی زبانیں عربی سے مانوس ہوگئیں۔

بعض روایات سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ بھی فارسی زبان جانتے تھے[3]

حدیث کے پہلے فارسی ترجمے

(۱) ترجمہ مشکوٰۃ

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲ھ) نے مشکوٰۃ کا ترجمہ اشعۃ اللمعات کے نام سے چار ضخیم جلدوں میں تحریر فرمایا۔ ساتھ ساتھ تشریحی نوٹ بھی لکھے۔ ہندوستان اور افغانستان میں اس کے ذریعہ حدیث کی بڑی خدمت ہوئی۔ حضرت شیخ عبدالحقؒ سندھ کے مشہور بزرگ شیخ عبدالوہاب متقی کے شاگرد تھے اور وہ شیخ علاؤ الدین علی المتقی (۹۷۰ھ) مؤلف کنز العمال کے شاگرد تھے۔

---

[1] فضل الباری جلد ۱ ص ۵۴۹ [2] المبسوط جلد ۱ ص ۳۷ [3] دیکھئے مسند امام احمد جلد ۵ ص ۱۸۲

(۲) ترجمہ صحیح بخاری

شیخ نورالحق محدث دہلوئی بن شیخ عبدالحق محدث دہلوئی (۱۰۷۳ھ) نے تیسیر القاری کے نام سے صحیح بخاری کا فارسی میں بہت عمدہ ترجمہ کیا، ساتھ ساتھ ضروری شرح بھی کی ہے۔ اس کتاب سے ہندوستان میں علم حدیث کی بڑی اشاعت ہوئی۔ پاک وہند کے اساتذۂ حدیث ترجمہ صحیح بخاری کے لیئے اس پر بڑا اعتماد کرتے رہے ہیں۔

(۳) ترجمہ صحیح مسلم

شیخ نورالحق محدث دہلوئی (۱۰۷۳ھ) نے منبع العلم کے نام سے صحیح مسلم کا پہلا فارسی ترجمہ کیا۔ افسوس کہ اس ترجمے کی ہندوستان میں زیادہ اشاعت نہ ہو سکی۔

(۴) ترجمہ مؤطا امام مالک

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوئی (۱۱۷۶ھ) نے المصفیٰ کے نام سے موطا امام مالک کا پہلا فارسی ترجمہ کیا، ساتھ ساتھ شرح بھی تحریر فرمائی۔ مدرسہ رحیمیہ دہلی کی علم حدیث میں یہ ممتاز خدمت ہے۔ المصفیٰ حضرت شاہ ولی اللہؒ کی عربی شرح موطا المسویٰ کے ساتھ ہندوستان میں بارہا چھپا ہے۔

(۵) شیعہ کتب حدیث کے فارسی ترجمے

(۱) ملّا قزوینی نے علامہ محمد بن یعقوب الکلینی (۳۲۹ھ) کی کتاب الکافی (ایران سے آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے) کا ترجمہ الصافی کے نام سے لکھا ہے۔ جسے ہندوستان میں مطبع منشی نولکشور نے اصول کافی تک چار ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے۔ مترجم کا نام ملّا محمد خلیل ہے۔

(۲) من لایحضرہ الفقیہ مؤلفہ شیخ صدوق ابن بابویہ القمی (۳۸۱ھ) کا ترجمہ ملّا محمد تقی المجلسی (۱۰۷۰ھ) نے شرح الفقیہ کے نام سے کیا ہے۔ ساتھ ساتھ شرح بھی ہے۔ مترجم مشہور شیعہ مصنف ملّا باقر مجلسی کے والد تھے۔ یہ فارسی شرح چار ضخیم جلدوں میں ایران سے شائع ہوئی ہے۔

حدیث کے اردو تراجم

(۱) **ترجمہ مشکوٰۃ** یہ حدیث کا پہلا اردو ترجمہ ہے جو ہندوستان میں کیا گیا۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلویؒ جو حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے نواسے اور جانشین تھے۔ انہوں نے مشکوٰۃ کا ترجمہ سادہ اردو میں کیا۔ یہ اردو زبان کی وضع ونثر کا پہلا دور تھا۔ ساتھ ساتھ حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کے نامور شاگرد حضرت نواب قطب الدینؒ محدث دہلوی (۱۸۷۲ھ) نے اس کی اردو شرح لکھی۔ مشکوٰۃ کی یہ فاضلانہ مکمل شرح مظاہر حق پانچ ضخیم جلدوں میں ہے اور عام ملتی ہے۔

مظاہر حق کو زیادہ مفید بنانے کے لیئے علماء فرنگی محل کے ایک مستند عالم مفتی عنایت اللہ صاحب مرحوم نے مشکوٰۃ کے راویوں کے حالات الھدیۃ المزجاۃ لقراء المشکوٰۃ کے نام سے اردو میں قلمبند کیئے ہیں۔ یہ مظاہر حق کے چوتھے ایڈیشن کے ساتھ چھپے ہیں۔

مظاہر حق کی اُردو بہت ابتدائی دور کی تھی۔ دیوبند کے مولانا عبداللہ جاوید غازی پوری نے زبان پر نظرثانی کرتے ہوئے مظاہر حق کا ایک جدید اڈیشن تیار کیا ہے۔ جو مطبع سے جلدوں میں چھپ چکا ہے۔

(۲) ترجمہ صحیح بخاری

(۱) ترجمہ مولانا وحیدالزمان حیدرآبادی۔ یہ ترجمہ عربی متن کے ساتھ بارہا شائع ہوا ہے۔

(۲) ترجمہ مرزا حیرت دہلوی۔

(۳) ترجمہ سیّد نائب حسین نقوی۔ یہ ترجمہ عربی متن کے ساتھ شیخ غلام علی اینڈ سنز نے تین ضخیم جلدوں میں ۱۹۶۲ء میں شائع کیا۔ تعارف مولانا غلام رسول مہر نے لکھا ہے اور ترجمے پر نظرثانی کی تصدیق مولانا محمد علی صاحب سابق خطیب سُنہری مسجد لاہور کی ہے۔

(۴) ترجمہ مولانا امیر علی صاحب۔ مترجم نے ہدایہ اور فتاویٰ عالمگیری کے بھی اردو ترجمے کیئے۔ جو بہت مشہور رہیں۔ مگر افسوس کہ ان کا ترجمہ صحیح بخاری زیادہ شہرت حاصل نہیں کر سکا۔

(۵) ترجمہ قاری عادل خاں۔ قمر سعید پبلشر نے تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔

(۶) ترجمہ مولانا عبدالرزاق صاحب۔ مترجم حضرت مولانا عبیداللہ سندھی کے خاص شاگرد ہیں۔ آپ کے اس ترجمہ کو ناشران قرآن اردو بازار لاہور نے شائع کیا ہے۔

سنن دارمی کا اردو ترجمہ

محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل کراچی نے اسے شائع کیا ہے۔ مترجم کا نام مذکور نہیں۔ ایک جلد میں مکمل ہے۔

صحیح مسلم کے اردو تراجم

① مولانا وحید الزمان صاحب نے صحیح مسلم کا ترجمہ بھی کیا ہے۔ ساتھ ساتھ کچھ شرح بھی ہے۔ متوسط تقطیع کی چھ جلدوں میں ۱۳۰۲ھ میں مطبع صدیقی لاہور سے شائع ہوا۔

② مولانا عابد الرحمٰن صدیقی کاندھلوی۔ کہیں کہیں مختصر فوائد بھی لکھے ہیں۔ قرآن محل بالمقابل مولوی مسافر خانہ کراچی نے اسے تین ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے۔

③ تجرید صحیح مسلم کا ترجمہ مولانا محمد مالک کاندھلوی نے کیا ہے۔ جسے ملک دین محمد نے لاہور سے شائع کیا ہے۔

④ مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی۔ یہ اردو ترجمہ مسلم شریف کی اردو شرح کے ضمن میں ہے علیحدہ نہیں چھپا۔ بہت مفید ترجمہ ہے۔

سنن ابی داؤد اردو

مولانا وحید الزمان نے ترجمہ کیا ہے۔ مولانا سبحان محمود نے کہیں کہیں حواشی لکھے ہیں۔ قرآن محل کراچی نے سعیدی پریس سے تین جلدوں میں چھپوا کر شائع کیا ہے۔

جامع ترمذی کا اردو ترجمہ

① مولانا فضل احمد انصاری دلاوری نے حامل المتن ترجمہ دو جلدوں میں مکمل کیا۔ سرلوح عربی متن ہے اور ذیل میں اردو ترجمہ ہے۔ ۱۳۰۹ھ میں پہلی مرتبہ شائع ہوا۔ ۱۳۲۹ھ میں چوتھا اڈیشن نکلا۔ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ نے اسے شائع کیا۔ باربار چھپتا رہا ہے۔

② مولانا بدیع الزمان نے جائزۃ الشوذی کے نام سے یہ ترجمہ لکھا ہے۔ جناب محمد علی صاحب مالک کارخانہ اسلامی کتب خان محل کراچی نے اسے تین جلدوں میں شائع کیا ہے۔

شمائل ترمذی

① مولانا نور احمد صاحب پسروری ثم امرتسری نے شمائل ترمذی کا پہلا اردو ترجمہ کیا۔ جو ۱۳۴۰ھ میں الیکٹرک پریس امرتسر سے شائع ہوا۔ مولانا نور احمد حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب بانی جامعہ اشرفیہ لاہور کے استاد تھے۔

(۴) شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا دامت برکاتہم نے خصائلِ نبوی شرح شمائلِ ترمذی کے ضمن میں اس کا دوسرا ترجمہ لکھا ہے۔ بہت مفید اور دلکش ہے۔

سنن نسائی کا اردو ترجمہ

یہ ترجمہ حافظ عبدالستار صاحب اور دوست محمد شاکر نے مل کر کیا ہے۔ دو جلدوں میں ہے اور اسے فرید بک سٹال لاہور نے شائع کیا ہے۔

موطا امام مالک کے اردو تراجم

بہترین ترجمہ میر محمد کتب خانہ مرکز علم و ادب نے دو جلدوں میں کراچی سے شائع کیا ہے۔ عربی متن ساتھ ہے۔

موطا امام محمد کا اردو ترجمہ

یہ ترجمہ قرآن محل کراچی نے شائع کیا ہے۔ عربی متن ساتھ ہے۔ مترجم کا نام مذکور نہیں۔

کتاب الآثار امام محمد کا اردو ترجمہ

یہ ترجمہ بھی قرآن محل نے شائع کیا ہے۔ مترجم کا نام مذکور نہیں۔

طحاوی شریف اردو

مطبع اسلامیہ لاہور نے ۱۹۱۳ء میں اسے چار جلدوں میں شائع کیا ہے۔ مترجم کا نام مذکور نہیں۔ تصحیح مولوی حکیم عبدالرشید لاہوری نے کی ہے۔ اچھا ترجمہ ہے۔

سنن ابن ماجہ اردو

مولانا وحیدالزمان کا یہ ترجمہ اہل حدیث اکیڈمی لاہور نے دو جلدوں میں شائع کیا ہے۔

ریاض الصالحین اردو

امام نووی کی اس شہرۂ آفاق کتاب کا ترجمہ مولانا خلیل الرحمٰن نعمانی نے کیا ہے۔

کتاب الاذکار

امام نووی کی اس کتاب کا ترجمہ مولانا حبیب الرحمٰن صدیقی نے کیا ہے اور قرآن محل کراچی نے اسے شائع کیا ہے۔

زاد المعاد اردو

امام ابن قیم کی اس کتاب کا ترجمہ نفیس اکیڈمی کراچی نے چار جلدوں میں شائع کیا ہے

ترجمہ رئیس احمد جعفری نے کیا ہے۔

درر فوائد اردو ترجمہ جمع الفوائد

مولانا عاشق الٰہی نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ جمع الفوائد جیسی عظیم کتاب کو اُردو میں لے آنا ایک بڑا کام ہے۔

کتاب الکبائر اردو

حافظ ذہبی کی اس کتاب کا ترجمہ حکیم محمد نواز ملتانی نے عمدۃ الذخائر کے نام سے کیا ہے۔ جسے جمیل بک ڈپو سرگودھا نے شائع کیا ہے۔

انتخاب صحاح ستّہ

یہ ترجمہ مولانا امجد علی نے کیا ہے۔ جسے قرآن محل کراچی نے شائع کیا ہے۔

کنز الآثار مترجم اردو

یہ ترجمہ حکیم محمد نذیر صاحب عرشی نقشبندی نے کیا ہے۔ کریمی پریس لاہور نے ۱۹۲۷ء میں اسے طبع کیا ہے۔

ترجمہ اعلاء السنن

حدیث کی مشہور کتاب اعلاء السنن کی احادیث متن کا اردو ترجمہ مولانا ظفر احمد عثمانی نے کیا ہے۔ جو اعلاء السنن کی پہلی اشاعت میں عربی متن کے ساتھ شائع ہوتا رہا ہے۔

ان تراجم کے علاوہ یہاں وہ اردو کتابیں بھی قابل ذکر ہیں۔ جو اردو میں نئی ترتیب سے لکھی گئیں اور ان کے ذریعہ ہزارہا احادیث اردو میں ترجمہ ہوئیں۔ پہلے کچھ ان کا ذکر ہو چکا ہے

ترجمان السنّہ مولانا بدر عالم میرٹھی

چار ضخیم جلدوں میں ہے۔ دار المصنفین دہلی نے اسے شائع کیا۔ پھر یہ متعدد بار چھپ چکی ہے۔

معارف الحدیث مولانا محمد منظور نعمانی

بہت جامع کتاب ہے۔ سات جلدیں چھپ چکی ہیں۔ اہمیں عظیم ذخیرۂ حدیث آگیا ہے۔

اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو رہا ہے۔

علم حدیث کی یہ اردو تصنیفات زیادہ تر حنفی مسلک کے مطابق ہیں۔ اور ان کی اس ترتیب میں جدید تقاضوں کو بھی ملحوظ رکھا گیا ہے۔ یہ بات بھی لائق ذکر ہے۔ کہ مسند امام اعظم بھی اردو میں ترجمہ ہو چکی ہے۔ قرآن محل کراچی نے اسے شائع کیا ہے۔

حدیث کے انگریزی ترجمے

(۱) ترجمہ صحیح بخاری

ڈاکٹر محمد محسن خاں (اسلامیہ یونیورسٹی مدینہ منورہ)) کا یہ ترجمہ رابطہ عالم اسلامی کے اہتمام سے نو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ یورپ میں صحیح بخاری سب سے پہلے فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئی تھی اور مستشرقین اسی سے استفادہ حاصل کرتے رہے ہے۔ یہ انگریزی ترجمہ بہت بعد کا ہے۔ اور سب سے پہلے سنہ میں شائع ہوا۔

(۲) فضل الباری شرح صحیح بخاری

صحیح بخاری کے امالی للشیخ شبیر احمد عثمانی) کا انگریزی میں ترجمہ ہو رہا ہے۔ پہلی جلد چھپ چکی ہے اور صفحات پر مشتمل ہے۔ اس کے ضمن میں صحیح بخاری کا نیا انگریزی ترجمہ ساتھ ساتھ ہے حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب کا علم حدیث پر بسیط مقدمہ بھی اس میں آگیا ہے۔

(۳) ترجمہ صحیح مسلم

جناب عبدالحمید صاحب صدیقی نے اسے چار جلدوں میں مکمل کیا ہے کہیں کہیں ضروری حواشی بھی لکھے ہیں۔ اشرف پبلیکیشنز لاہور نے اسے شائع کیا ہے۔ انگریزی میں صحیح مسلم کا یہ پہلا ترجمہ ہے۔

(۴) ترجمہ مشکوٰۃ

(۱) مانچسٹر یونیورسٹی کے پروفیسر جیمز رابسن نے مکمل مشکوٰۃ کا انگریزی ترجمہ کیا ہے اور جسے اشرف پبلیکیشنز لاہور نے چار جلدوں میں بارہا شائع کیا ہے۔

(۲) مولانا فضل کریم کا یہ انگریزی ترجمہ حیدر آباد سے ۵ جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ افسوس کہ مترجم نے مشکوٰۃ کی ترتیب قائم نہیں رکھی، اس ترجمہ کو نئی ترتیب دی ہے۔

برصغیر پاک وہند میں کتب حدیث کے تراجم صرف اردو میں ہی نہیں۔ بنگلہ پشتو سندھی برمی گجراتی اور بلوچی کئی زبانوں میں ہو چکے ہیں متعلقہ علاقوں میں ان تراجم کی خاصی اشاعت ہے۔

مولانا شمس الحق فرید پوری علمائے دیوبند میں ممتاز شہرت کے مالک ہیں حضرت تھانوی رحؒ کے خلیفہ ہونے کی جہت سے آپ روحانی عقیدتمندوں کا مرکز رہے ہیں آپ نے صحاح ستہ کی چھ کتابوں کا ترجمہ بنگلہ میں بڑے اہتمام سے کیا ہے یہ تراجم چھپ چکے ہیں اور ان سے پورا بنگال علم نبوت سے مستفید ہو رہا ہے۔

پشتو میں مشکوٰۃ کا ترجمہ ہو چکا ہے سندھی میں تفسیر وحدیث کا خاصا مواد موجود ہے۔

ترجمہ اربعین نووی :

افغانستان کے صوبہ ننگرہار (جلال آباد) کے مولانا عزیز الرحمٰن نے اربعین امام نووی کا ترجمہ فصیح پشتو میں کیا ہے۔

(نوٹ) افغانستان میں علمی کام زیادہ تر فارسی اور عربی میں ہے۔ پشتو بول چال میں زیادہ ہے، لیکن لکھنے میں اور سرکاری دستاویزات میں فارسی کا زیادہ استعمال ہے حکومتِ افغانستان نے حضرت شیخ الہندؒ کے ترجمہ قرآن اور شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ کی تفسیر کو آرٹ پیپر پر فارسی میں تین ضخیم جلدوں میں شائع کیا ہے۔ بدخشاں کے علامہ کوثری جو افغانستان میں ترکئی کے برسر اقتدار آنے کے بعد شہید کئے گئے۔ انہوں نے صحیح بخاری کا فارسی میں ترجمہ کیا ہے۔ جو بہت نفیس اور صحیح ہے۔ علامہ کوثری نے تفسیر بیضاوی کی بھی نہایت عمدہ شرح لکھی ہے لیکن وہ فارسی یا پشتو میں نہیں عربی میں ہے۔ کابل کے اس دور کے عظیم مؤلف صلاح الدین سلجوقی ہیں۔ انہوں نے فارسی اور پشتو دونوں زبانوں میں دین کی بہت خدمت کی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ائمۂ حدیث

مقدمہ

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔

بآں گروہے کہ از ساغرِ وفا مستند ؛ سلام برسانید ہر کجا ہستند

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیماتِ قدسیہ میں فطرت اور عقیدت کی وہ جاذبیت پائی گئی کہ اُن کے گرد اہلِ علم کا ایک عظیم گروہ پوری عقیدت سے حق وحفاظت کا پہرہ دینے لگا اور علوم دینی کی یہ جاذبیت دن بدن بڑھتی رہی اور ہر دور میں قائم رہی۔ کوئی دور ایسا نہ آیا جب سُنن نبوی پر لوگ پروانہ وار نچھاور نہ ہوتے ہوں۔

خدمتِ حدیث کے مختلف دائرے

چند اہلِ علم اُٹھے اور اُنہوں نے روایت Tradition اور فنِ روایت Science of transmission کو اپنی محنت کا موضوع بنایا اور کچھ لوگ اُس کے رجال Chain of transmitters کی تحقیق میں لگ گئے اور ہر کھرے کھوٹے کا کھوج لگایا۔ پھر ایسے اہلِ علم بھی اُٹھے جو احادیث کے معانی ومطالب کی گہرائی میں اُترے جن مسائل وحوادث میں قرآن وسنت کی صریح نص موجود نہ تھی اُن کے حکم قرآن

وسنت کی روشنی میں دریافت کیے۔ ان کی جزئیات قرآن وحدیث کے اصولوں سے استنباط[1] کیں ان کے لیے بھی حدیث کا وسیع علم درکار تھا اور اس بحرِ ناپید کنار میں کامیاب تیرنے کے بغیر کوئی ان چھپے موتیوں کو نہ چن سکتا تھا۔ ان حضرات کی کاوش رہی کہ نہ صرف مسائل غیر منصوصہ کا استنباط کرتے جائیں بلکہ مزید استنباط واستخراج کے لیے قواعد بھی وضع کرتے رہیں یہ ائمہ حدیث اس پہلو سے اسلام کے مقنن Theorist قرار پائے اور غیر مجتہدین کے لیے امام ٹھہرے۔ پھر کچھ اور محدثین اٹھے اور جن راویوں نے احادیث روایت کی تھیں ان کی جانچ پڑتال اور جرح وتعدیل میں لگ گئے۔ وہ اس تحقیق میں یہاں تک آگے گئے کہ ان راویوں کی روایات ان کے دیگر ہمعصر راویوں سے لے کر ان کی مرویات کو پرکھا کہ یہ اور کہاں کہاں نقل ہوئی ہیں۔ یہ حضرات اس لائن سے آگے بڑھے اور انہوں نے تحقیق وتنقید کے اس پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی خدمت اور حفاظت کی۔ پھر کچھ ائمہؒ حدیث نے فنی طور پر حدیث جمع کرنے میں اپنے کمالاتِ تالیف دکھائے اور کچھ علماء حدیث نے اسماء الرجال کا فن ترتیب دے کر تاریخ شرائع میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ یہ سب حضرات اپنے اپنے دائرہ کار میں حدیث کی خدمت کرتے رہے اور حق یہ ہے کہ ان دوائر علم میں ہر دائرہ خدمت کے اکابر اپنے اپنے موضوع کے ائمہ حدیث تھے۔ پھر جن بزرگوں نے حدیث کی شروح میں ان تمام موضوعات پر فنی گفتگو کی۔ وہ حضرات بھی اپنی جگہ ائمہ حدیث تھے۔ آج کی مجلس میں علم حدیث کے کچھ انہی وفاداروں کا تذکرہ ہے جو اپنی محنتوں اور ریاضتوں سے علم حدیث کے وہ چراغ روشن کر گئے جن کی تابانی رہتی دنیا تک طالبانِ عمل کو روشنی بخشتی رہے گی۔

---

[1] استنباط، نبط سے ہے۔ نبط کنویں کی تہہ میں سے پانی نکالنے کو کہتے ہیں۔ کنواں کھودنے میں جو پانی پہلی مرتبہ نکلتا ہے اسے ماءِ مستنبط کہا جاتا ہے۔ یہاں مراد کسی بات کی تہہ تک پہنچ کر اس کی صحیح حقیقت معلوم کر لینا ہے۔ اسی طرح فقہاءؒ کا کسی دبی بات کو نکال لینا استنباط کہلاتا ہے۔ فقہاء کرامؒ موجدِ احکام نہیں ہوتے صرف مظہرِ احکام ہوتے ہیں کہ جو بات گہرائی میں دبی تھی اسے ظاہر کر دیا شریعۃ کی ایجاد پیغمبر کی طرف سے ہوتی ہے اور وہ بھی اپنی طرف سے نہیں خدا کی طرف سے شریعت کی بات کہتے ہیں۔

ائمہ حدیث کی مختلف انواع

ائمہ حدیث کا عنوان بہت وسیع ہے۔ اس سے ائمہ اجتہاد Theorist بھی مراد ہو سکتے ہیں۔ جن کے پاس حدیث پہنچ کر اپنے تمام پہلوؤں میں سے پھیلتی ہے اور اس میں وہ ائمہ جرح و تعدیل Critics بھی آجاتے ہیں جن کی کسوٹی حدیث کے راویوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ وہ ائمہ کرام جنہوں نے احادیث کو مختلف ترتیبوں سے منضبط کیا۔ وہ مدوّنین Compilers کہلائے اور اللہ تعالیٰ نے اُن کی تالیفات کو زندگی اور قبولیت بخشی۔ یہ بھی ائمہ حدیث ٹھہرے۔ اور جن حفاظِ رجال نے اسماء الرجال کو منضبط کیا اور اس دائرہ کار میں حدیث کی خدمت کی وہ بھی اس فن کے امام ٹھہرے۔ جس نے کسی بھی جہت سے حدیث کی کوئی خدمت کی اور اہل علم نے اس فن میں اس پر اعتماد کیا ایسے تمام حضرات ائمہ حدیث کے ذیل میں ذکر کیے جاتے ہیں۔

ہم آج کے اس موضوع کو اس تفصیل کے پیش نظر ان عنوانات سے پیش کریں گے۔

(۱) علماء حدیث (۲) ائمہ روایت (۳) ائمہ جرح و تعدیل (۴) ائمہ تدوین (۵) ائمہ رجال۔

یہ ان پاک لوگوں کا تذکرہ ہے جن کی علمی خدمات عام احاد امت اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم میں وجہ اتصال اور رابطہ بنیں اور انہی کی کوشش سے علم اسلام زندہ رہا۔ طلبہ حدیث کو چاہیئے کہ محدثین کے نام یاد رکھتے ہوئے ہر محدث کے بارے میں ذہن میں رکھیں کہ وہ کس دائرہ اور کس طبقے سے تعلق رکھتا ہے۔ جب تک ہر محدث کا دائرہ کار ہمہ وقت ذہن میں نہ رہے۔ طلبہ اس کی خدمت سے کماحقہٗ فائدہ نہیں اٹھا سکتے شام، حجاز اور عراق کے رواۃ حدیث اپنے اپنے ہاں کس کس انداز میں حدیث کی خدمت کرتے رہے۔ انشاء اللہ اس کا ایک اجمالی نقشہ آپ کے سامنے آجائے گا کہ محدثین کس جذبہ وفا کے ساتھ قرآن کریم کے گرد حفاظت کا پہرہ دیتے رہے ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

ائمہ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی۔ اما بعد:

علمائے حدیث علماء حدیث سے وہ علماء فن مراد ہیں جو حدیث کے معنی و مضمون، منطوق و مفہوم، اس کے عموم و خصوص اور اس کے مناطِ حکم کو پوری طرح سمجھتے ہوں۔ انہیں فقہاء حدیث بھی کہا جاتا ہے۔ یہ حضرات فقہ حدیث کے غواص تھے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ صرف متونِ حدیث کی نقل و روایات اور ان کے اسانید و رجال کی معرفت ہے۔ حافظ ذہبیؒ تذہیب التہذیب کے مقدمہ میں امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) سے نقل کرتے ہیں:

الفقہ فی معانی الحدیث نصف العلم و معرفۃ الرجال نصف العلم۔[1]

(ترجمہ) حدیث کے معانی میں غور و فکر کرنا اس موضوع کا نصف علم ہے اور نصف ثانی حدیث کے رجال کی معرفت ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فقہ حدیث کے معانی کو سمجھنے کا ہی نام ہے۔ یہ حدیث کے متبادل کسی اور ماخذ کا نام نہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ فقہاء دین ہی علم حدیث کے صحیح وارث ہیں حضرت امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) جنائز funerals کی ایک بحث میں لکھتے ہیں:

وکذلک قال الفقہاء و ھو اعلم بمعانی الحدیث۔[2]

(ترجمہ) اور فقہا نے ایسا ہی کہا ہے اور یہی لوگ حدیث کے معانی کو اچھی طرح سمجھنے والے ہیں۔

---

[1] مقدمہ خلاصہ تذہیب تہذیب الکمال ص للحافظ صفی الدین الخزرجی (المتوفی ۹۲۳ھ) مطبع کبریٰ بولاق طبع ۱۳۰۱ھ [2] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۱۱۸

فقہاء کرام حدیث کو صرف سمجھتے ہی نہیں اس سے احکام غیر منصوصہ (وہ احکام جن کے بارے میں نص injunction موجود نہ ہو) ان کا استنباط بھی کرتے ہیں۔ اجتہادی امور میں بھی حضرات اولی الامر ہیں فہم حدیث میں انہی کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور علم کی دنیا میں انہی کا فیصلہ چلتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔[1]

(ترجمہ) اور اگر وہ پہنچا دیتے اُسے رسول تک اور اپنے اُولی الامر تک تو اسے وہ لوگ جو ان میں تحقیق استنباط کرنے والے ہیں معلوم کر لیتے۔

امام ابوبکر جصاص رازی (۳۷۰ھ) لکھتے ہیں۔ حضرت جابرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حسن بصریؒ، حضرت عطاؒ، اور مجاہدؒ اولی الامر کی تفسیر اولوالفقہ والعلم[2] سے کرتے ہیں۔ امام تفسیر حضرت قتادہؒ کہتے ہیں۔ ھم اولوالعلم والفقہ۔[3]

حضرت ابوہریرہؓ اس سے حکام مراد لیتے ہیں۔ الفاظ فقہاء اور امراء دونوں کو شامل ہیں۔ امراء تدبیر جیوش کرتے ہیں اور علماء حفظ شریعت کرتے ہیں اور جائز و ناجائز بتلاتے ہیں۔ سو لوگ ان کی اطاعت پر مامور ہوں گے اور انہیں ان کی پیروی کا حکم ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اولی الامر حکام کو کہتے ہیں جس دائرہ کار میں جس کا حکم چلے وہی اس دائرہ میں اُولی الامر میں سے ہے۔ حافظ جصاص رازی لکھتے ہیں:۔

جائز ان یسمی الفقہاء اولی الامر لانھم یعرفون اوامر اللہ و نواھیہ ویلزم غیرھم قبول قولھم فجائز ان یسموا اولی الامر من ھذا الوجہ کما قال فی آیۃ اخری (لیتفقھوا فی الدین ولینذروا قومھم اذا رجعوا الیھم لعلھم یحذرون) فاوجب الحذر بانذارھم والزم المنذرین قبول قولھم۔[4]

صحیح تفسیر یہی ہے کہ اولی الامر سے مراد فقہاء حدیث ہی ہیں علماء کے ہی حکم کو واجب الاطاعت سمجھتے ہیں اور از روئے شرع اُن پر ان کے احکام کی اطاعت واجب ہے۔

---

[1] پ۵ سورۃ النساء ع ۱۱۔ [2] احکام القرآن جلد ۲ ص۔ [3] ایضاً [4] ایضاً ص ۲۱۳۔

لہٰذا اس وجہ سے اُن پر بھی اولی الامر کا اطلاق[1] درست ہے۔ اولی الامر حکّام کو کہتے ہیں جس دائرہ کار میں جن کا حکم چلے وہی اس دائرہ عمل کے اولی الامر ہوں گے یہ الفاظ اپنے عموم میں ان فقہار کو یقیناً شامل ہیں جن کا فیصلہ مسلمانوں میں عملاً چلتا ہے۔ گو وہ اسے اپنے اختیار سے اپنے اوپر نافذ ٹھہراتے ہوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی علمار حدیث Scholars اور رواۃِ حدیث Transmitters میں فرق کیا ہے۔ آپ نے راوی حدیث کو فقط حامل فقہ bearer of knowledge کہا اور عالم حدیث کو فقیہہ jurist کے نام سے ذکر فرمایا۔ تاریخ حدیث میں راوی حدیث اور عالم حدیث کا یہ فرق ہمیشہ نمایاں رہا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کہتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

نضر اللہ عبداً اسمع مقالتی فحفظہا ووعاہا واداہا فرب حامل فقہٍ غیر فقیہٍ ورب حامل فقہ الیٰ من ہوا فقہ منہ[2]۔

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز کرے جس نے میری بات سُنی اسے یاد کیا۔ اور محفوظ رکھا اور اُسے آگے پہنچایا۔ کیونکہ کئی ایسے بھی حاملین علم bearevr of knowledge ہوتے ہیں جو خود عالم scholar (فقیہہ) نہیں ہوتے اور کئی ایسے بھی حامل علم ہوتے ہیں جو لینے سے زیادہ سمجھنے والے کو بات پہنچا دیتے ہیں (یہاں تک کہ وہ بات کی لم اور حقیقت کو پالیں۔

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں علمار حدیث فقہار ہی تھے اور محض راوی حدیث ہونا آپ کے نزدیک اس کی ایک ابتدائی منزل تھی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کسی عالم حدیث کا راوی حدیث نہ بننا اس کے علم حدیث میں ہرگز کوئی کمی کی وجہ نہیں صحابہؓ میں حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی روایات اگر کم ہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ ابوہریرہؓ ان سے علم میں آگے تھے۔

---

[1] احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۲۱۰ [2] مشکوٰۃ شریف صفحہ ۳۵ رواہ الشافعی واحمد والدارمی وابوداؤد والترمذی وابن ماجہ والبیہقی۔

اسلام میں علم و حکمت کا مرتبہ

قرآن کریم میں علم کے اس اُونچے درجے کو جس میں گہرائی اور گیرائی دونوں درکار ہوں۔ حکمت jurisprudence کہا گیا ہے اور یہی وہ خیر کثیر ہے جو اس امت میں نبوت کے قائم مقام رکھی گئی تھی۔ قرآن کریم میں ہے:۔

من یؤت الحکمۃ فقد اوتی خیراً کثیرا۔[۱]

(ترجمہ) جسے حکمت و دانائی ملی پس تحقیق اسے بہت بڑی خیر ملی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خیر کے حامل کو فقیہہ jurist ارشاد فرمایا ہے اور حق یہ ہے کہ فقہار ہی شریعت کے حکمار ہیں۔ آپ فرماتے ہیں۔

من یرد اللہ بہ خیراً یفقھہ فی الدین۔[۲]

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ جس کے بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے اسے دین میں فقہ عطا فرما دیتا ہے

وہ حاملین حدیث نبوی جو اس درجے میں شریعت کا مغز پا گئے کہ مسائل منصوصہ کے اصولوں میں تمام مسائل غیر منصوصہ کا حکم دریافت کر سکیں وہ اس دریافت اور استخراج کے اصول بھی انہی نصوص میں پا گئے اور انہوں نے انہیں بھی پوری دقت نظری سے استنباط کیا یہ وہ مجتہدین کرام ہیں جن سے مسائل کے باب میں معلوم کرنا ضروری ٹھہرا حقیقت میں یہی اہل علم ہیں جن کی طرف ان مسائل میں جو قرآن و حدیث میں صریحاً نہ ملتے ہوں رجوع کیا جا سکتا ہے۔ حضورؐ نے حضرت عقبہ بن عامر کو اس صورت میں اسی قاعدہ کی تعلیم دی تھی۔

فاباح لہ النبی الاجتہاد بحضرتہ علی الوجہ الذی ذکرنا۔[۳]

اپنے سامنے اس طریق کے مطابق جو ہم نے ذکر کیا پس آپ نے ان کے لئے اجتہاد کرنا جائز ٹھہرا دیا۔ اسی طرح حضرت معاذ بن جبلؓ بھی آپ سے اجتہاد کرنے کی اجازت پا چکے تھے۔

فقہار حدیث کی کاوش رہی کہ احادیث سے زیادہ سے زیادہ احکام استنباط کریں

---

[۱] پ ۳ البقرۃ ع ۳۷ [۲] مشکوٰۃ صہ ۳۲ متفق علیہ [۳] احکام القرآن صہ ۲۱۳ ج ۲

اور شریعتِ اسلامی آنے والی ہر ضرورت پر قابو پا سکے اور حق یہ ہے کہ اسی سے اسلام کی شان جامعیت ہر دور میں اپنی وسعت سے نکھرتی رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات کو دن رات حدیث سے واسطہ پڑتا تھا اور اس کے رد و قبول اور تحقیق و تنقیح میں انہیں پوری گہرائی میں جانا ہوتا تھا۔ اس سے انہیں اس فن کی پوری بصیرت حاصل ہو جاتی تھی اور وہ اس کے درجات اور احکام سے پوری طرح باخبر ہوتے تھے۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ اُن کی محنتیں زیادہ تر حدیث کی روایت پر نہیں اس کے فہم و درایت پر صرف ہوتی تھیں۔ حدیث اُن کے پاس آ کر اس بحرِ بیکراں کی طرح اچھلتی تھی جس کے نیچے بے شمار موتی دبے ہوں۔ یہ فقہاء حدیث کبھی اپنے تلامذہ و احباب میں حدیث کی سند بھی روایت کر دیتے۔ لیکن تحدیث زیادہ تر ان کا موضوع نہ تھا۔ وہ احادیث کے معانی میں غوطے لگاتے تھے اور فہمِ حدیث کے پہلو سے ائمہ حدیث اور حفاظ حدیث میں شمار ہوتے تھے۔ یہ بات اپنی جگہ محتاج دلیل نہیں کہ حدیث میں کامل دستگاہ کے بغیر کوئی شخص مجتہد نہ ہو سکتا تھا۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ نادان لوگ ان کی مرویات کو کم دیکھ کر ان کی صحیح قدر کرنے سے محروم رہے اور خود اپنے آپ کو ہی کاٹتے رہے۔ اس طبقے میں ہم امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ)، امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ)، سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ)، امام مالکؒ (۱۷۹ھ)، امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ)، امام محمدؒ (۱۸۹ھ)، امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)، اسحٰق بن راہویہ (۲۳۸ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کا تذکرہ کریں گے۔ امام احمد سے گو روایتِ حدیث کا سلسلہ بھی خوب چلا تاہم ایک مجتہد کی حیثیت سے ان کا تذکرہ اسی باب میں ہوگا۔

علماء جرح و تعدیل

پھر محدثین کا وہ طبقہ سامنے آتا ہے جن کا موضوع زیادہ تر رواۃِ حدیث کی جانچ پڑتال رہا۔ وہ جرح و تعدیل کے امام تھے۔ ان کی توجہ تحقیق رواۃ پر اس درجہ مبذول رہی کہ ایک نیا مستقل فن وجود میں آیا جسے علمِ اسماء الرجال کہا جاتا ہے۔ جس طرح معانی حدیث میں فقہ و تعمق اس موضوع کا ایک اہم حصہ ہے۔ معرفتِ رجال بھی اس موضوع کا نصف علم ہے۔ امام علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) کی یہ رائے آپ پہلے سن آئے ہیں۔ الفقہ فی معانی

الحدیث نصف العلم و معرفۃ الرجال نصف العلم۔ سو علم دو ہی ہیں۔ (۱) فقہ، اور (۲) فن اسماء الرجال۔ ایک علم متن حدیث سے متعلق ہے تو دوسرا سند حدیث سے۔

علماء جرح و تعدیل نے رواتِ حدیث کے مختلف درجات معلوم کیئے۔ اُن کا فنی تجزیہ کیا۔ باہمی اختلاف کی صُورت میں نتیجہ خیزی کی راہیں قائم کیں۔ یہ حضرات اس جہت سے ائمہ حدیث قرار پائے۔ بعد کے آنے والے محققین ان کی کاوشوں سے ہی فیصلوں کی راہیں تلاش کرتے ہیں اور اس گروہ کو جتنا خراج تحسین ادا کیا جائے کم ہے۔ مولانا حالی لکھتے ہیں:۔

گروہ ایک جویا تھا علم نبی کا | لگایا پتہ اس نے ہر مفتری کا
نہ چھوڑا کوئی رخنہ کذب خفی کا | کیا قافیہ تنگ ہر مدعی کا

کیئے جرح و تعدیل کے وضع قانون
نہ چلنے دیا کوئی باطل کا افسون

اس طبقے میں ہم امیر المؤمنین فی الحدیث عبداللہ بن مبارک (۱۵۶ھ) امیر المؤمنین فی الحدیث شعبہ (۱۶۰ھ) وکیع بن الجراح (۱۹۷ھ) یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ) عبدالرحمٰن بن مہدی (۱۹۸ھ) سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) علی بن المدینی (۲۳۴ھ) اور یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ) کا تذکرہ کریں گے۔ پھر ان کے بعد ائمہ تالیف کا ذکر ہوگا۔ جنہوں نے کتابیں لکھیں۔

جامعینِ حدیث

محدّثین کا وہ طبقہ سب سے آگے ہے۔ جن کا موضوع زیادہ تر روایت و تحدیث رہا۔ فقہ و تفریع پر صاحبِ نظر ہونے کے باوجود وہ فقہی استنباط میں زیادہ مصروف نہ ہوئے۔ پھر ان حضرات کے مختلف طبقے ہوئے۔ کچھ ایسے تھے جو صحتِ اسناد سے احادیث جمع کرتے رہے اور کچھ وہ تھے جو ہر طرح کی اسناد سے احادیث آگے لاتے رہے اور نقد و جرح بھی کرتے رہے اور کبھی اسے پڑھنے والوں پر بھی چھوڑ دیتے تھے یہ سب حضرات حدیث کے ائمہ تالیف ہیں پھر ان حفاظ حدیث میں کئی ایسے بھی ہوئے جو حدیث کے تو حامل رہے مگر اس کے معنی کی گہرائی میں جانا ان کا موضوع مشق نہ تھا۔ ان کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی خبر دے چکے

اور بے شک ان حضرات کی مساعی اور خدمات بھی اپنی جگہ بہت ممتاز ہیں۔ امت اسلامی کو اپنے ان ائمہ حدیث پر بجا طور پر ناز ہے جنہوں نے تدوین کے دورِ ثانی میں حدیث کو کتابی صورت میں جمع کیا اور وہ کمالات دکھائے کہ تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر رہی۔ اور حق یہ ہے کہ اس باب میں وہ تمام متقدمین پر بھی سبقت لے گئے اور آج زیادہ تر انہی کے ذخائر حدیث علماء کے مصادر و مراجع ہیں یہی حضرات ائمہ تالیف ہیں۔

ائمہ تالیف حدیث

جہاں تک مطلق تالیف کا تعلق ہے حدیث حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی معرضِ تحریر documentary records میں آنے لگی تھی اور صحابہ کے جمع کردہ صحیفے آئندہ کے اہل علم کے پاس موجود رہے۔ خلیفہ راشد حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے امام زہری اور صالح بن کیسان جیسے تابعین حضرات نے حدیث خاصی تعداد میں جمع کر لی تھی۔ تاہم زمانے کو انتظار تھا کہ محدثین فن تدوین کو ترقی دے کر حدیث کی ایسی تالیفات سامنے لائیں کہ فن اعتماد اور ضرورت کے اعتبار سے یہ مجموعہ ہائے حدیث دیر پا قبولیت پائیں۔ اس دائرہ اور دَور میں محدثین کی پوری کاوش رہی کہ یہ علمی ذخیرے اس طرح ترتیب پائیں کہ مختلف پہلوؤں سے تعلیم و تدریس کا مرکز بن جائیں اور آئندہ امت پر حفظ و ضبط اور جمع و تدوین کا وہ بوجھ نہ رہے جو اب تک صحابہ و تابعین اور تبع تابعین اُٹھاتے چلے آ رہے تھے۔

قدماء بے شک قدماء ہیں اور بنیادی فضیلت پہلوں کو ہی جاتی ہے۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فن تالیف تیسری صدی ہجری میں جس پایۂ تکمیل کو پہنچا اس کی نظیر پہلے علمی ذخیروں میں نہیں ملتی۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا علم حدیث مسلّم۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حدیث کے باب میں درایت ہو یا روایت امام شافعیؒ اور امام احمدؒ فن حدیث میں پورے مجتہد تھے۔ امام سفیان ثوریؒ ۱۶۱ھ اور امام محمدؒ ۱۸۹ھ اور عبدالرزاق ابن ہمامؒ ۲۱۱ھ کی کتابوں میں سینکڑوں

حدیثیں مروی ملتی ہیں۔ لیکن تالیف حدیث میں جو کمال امام بخاری اور امام مسلم نے دکھایا اس کی نظیر نہ صرف یہ کہ اسلامی تاریخ میں نہیں ملتی بلکہ مذاہب عالم کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔ ولقد جاء فی المثل السائر کم ترك الاول للآخر۔

یہی وجہ ہے کہ ان تالیفات کے سامنے آنے پر امت نے پچھلے ذخائر حدیث کو جو بے شک اوّلیت کی شان رکھتے تھے۔ علم حدیث کا مرکز نہ بنایا اور دورۂ حدیث آج انہی کتابوں کے گرد گھوم رہا ہے۔ یہ جلیل القدر تالیفات پچھلی تالیفات حدیث کی بجا طور پر وارث اور آئندہ کی حدیثی کاوشوں کا صحیح معنوں میں متن Texts ہیں یہی کتابیں ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے باب میں اساسی کتابیں canonical books کہلاتی ہیں۔ اور حدیث کی سند و روایت اور ردّ و قبول میں انہی کتابوں کو مرکز قرار دیا جاتا رہا ہے۔ فن تالیف میں جو ائمہ زیادہ معروف ہوئے اور جن کے علمی ذخائر اپنے اپنے رنگ میں اب تک مرکز سمجھے جاتے ہیں یہاں انہی کا ذکر ہوگا۔

ان ائمہ تالیف میں حضرت امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) اور امام ابن خزیمہؒ (۳۱۱ھ) تو ترجمۃ الباب میں بالکل مجتہد نظر آتے ہیں۔ اسانید کی ترتیب اور ضبط متن میں حضرت امام مسلمؒ (۲۶۱ھ) کا ثانی نہیں ملتا۔ ترتیب روایت پر حیرت انگیز دسترس کے مالک ہیں۔ مجتہدانہ بصیرت میں امام ابو داؤدؒ سجستانی (۲۷۵ھ) اور امام طحاویؒ (۳۲۱ھ) اپنی مثال آپ ہیں۔ امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) نے نقل مذاہب میں جو اچھوتا انداز اختیار کیا ہے اس میں وہ پہلے اور پچھلے سب مؤلفین کو پیچھے چھوڑ گئے ہیں اور اس خاص طرز میں کوئی ان کا ہمسر نہیں۔

ان ائمہ تالیف میں ہم عبدالرزاق بن ہمام (۲۱۱ھ) اور ابو داؤد طیالسی (۲۲۴ھ) ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) دارمی (۲۵۵ھ) بخاری (۲۵۶ھ) مسلم (۲۶۱ھ) ابو داؤد (۲۷۵ھ) ترمذی (۲۷۹ھ) نسائی (۳۰۳ھ) ابن ماجہ قزوینی (۲۷۳ھ) ابن خزیمہ (۳۱۱ھ) ابوعوانہ (۳۱۶ھ) طحاوی (۳۲۱ھ) ابن حبان (۳۵۴ھ) طبرانی (۳۶۰ھ) دارقطنی (۳۸۵ھ) خطابی (۳۸۸ھ) حاکم نیشاپوری (۴۰۵ھ) امام بیہقی (۴۵۸ھ) اور ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) کا ذکر کریں گے۔

حدیث کے ائمۂ تخریج

پھر ان کے بعد ایک ایسا دور آیا جب مستقل راویوں سے حدیث روایت کرنے کی ضرورت نہ رہی۔ حدیث کی کتابیں مدون ہو چکی تھیں اور انہی کتب کی سند آگے جاری ہوتی تھی۔ اب نئے مجموعہائے حدیث میں سند ساتھ ساتھ نقل کرنے کی چنداں ضرورت نہ رہی۔ تاہم تخریج و تالیف کے دروازے کھلے تھے اور اس فن میں محنت کرنے والوں کا ایک طبقہ پھر بھی اس راہ میں پوری توانائی سے مصروف عمل تھا ان جامعین حدیث نے ان پچھلے علمی ذخیروں کے حوالوں سے کتابیں اور اجزاء مرتب کیے ان سے روایت کیں اور نئے نئے مجموعے ترتیب دیئے اور حدیث کی یہ خدمت آج تک جاری ہے۔ جن حضرات کے مجموعے علماء حدیث میں مستند، مفید اور معتمد سمجھے گئے۔ وہ اس دور کے ائمہ حدیث تھے۔ اس طبقے میں ہم امام بغوی صاحب شرح السنۃ (۵۱۶ھ) علامہ صغانی (۶۱۰ھ) ابن عساکر (۵۷۱ھ) ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) ابن قیم (۷۵۱ھ) خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ (۷۴۲ھ) زیلعی (۷۶۲ھ) ابن کثیر (۷۷۴ھ) نورالدین ہیثمی (۸۰۷ھ) حافظ ذہبی (۸۴۸ھ) ابن ہمام اسکندری (۸۶۱ھ) عسقلانی (۸۵۲ھ) طاہر فتنی صاحب مجمع البحار (۹۸۶ھ) اور علی المتقی صاحب کنز العمال (۹۷۵ھ) کا ذکر کریں گے۔

علماء تراجم رجال

جہاں تک فن اسماء الرجال کا تعلق ہے اس کا اصل سہرا ان قدماء کے سر ہے جن کا ذکر ہم ائمہ جرح و تعدیل میں کر آئے ہیں۔ لیکن ان کے اقوال و تحقیقات کو باقاعدہ کتابی صورت میں لانے کی خدمت جن حضرات نے سر انجام دی۔ انہیں ہم یہاں علماء تراجم رجال کے عنوان سے ذکر کریں گے۔ یہ صحیح ہے کہ ان سے پہلے وہ قدماء جن کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں اس سلسلہ میں قدم اٹھا چکے تھے۔ امام احمد بن حنبل نے کتاب العلل و معرفۃ الرجال لکھ کر اس کا آغاز کر دیا تھا۔ امام بخاری بھی تاریخ کبیر لکھ چکے تھے۔ امام ترمذی اپنی جامع میں جگہ جگہ رواۃ

پر بحث کر آئے تھے لیکن حق یہ ہے کہ جس طرح متونِ احادیث پہلے دور تدوین میں اس عمدگی سے تالیف نہ ہو سکے جو تیسرے دور کی تدوین میں ہمیں نظر آتی ہے۔ اس طرح اسماء الرجال میں بھی جو شانِ تالیف پچھلے دور کی کتابوں میں ملتی ہے وہ پہلے ادوار کی تالیفات سے بہت مختلف اور کامل ہے۔ سو علماء تراجم کے عنوان سے ہم اُن ائمہ اسماء الرجال کا ذکر کریں گے۔ جن کی کتابیں اس وقت اس باب میں علماء کی مراجع ومصادر ہیں۔ ان ائمہ حدیث میں ابن ابی حاتمؒ علامہ مزی حافظ شمس الدین ذہبیؒ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ علامہ بدر الدین عینیؒ زیادہ قابل ذکر ہیں۔

ائمہ حدیث کی مختلف الانواع خدمات

یہ حدیث کی مختلف پہلوؤں سے خدمت تھی جس کا یہ ایک مختصر جائزہ لیا گیا ہے۔ علمی اور فنی پہلو سے یہ تمام ضروری اُمور تھے جو ان حضرات کی توجہ کا موضوع بنے۔ اور حق یہ ہے۔ کہ ہر ایک نے اپنے اپنے موضوع کا حق ادا کر دیا ہے۔ ائمہ حدیث کی مختلف الانواع خدمات سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ باب حدیث میں خود نئی راہیں بناتے تھے ہرگز نہیں۔ خدمتِ حدیث عہد صحابہؓ میں ہی مختلف پیمانوں میں ڈھل گئی تھی۔ پھر تابعین کرام ان مختلف راہوں سے حدیث کی خدمت کرتے رہے تھے۔ ائمہ حدیث نے اپنے انہی اکابر سے حدیث کی خدمت مختلف پہلوؤں سے کرنے کا فن سیکھا۔

صحابہؓ میں خدمت حدیث کے مختلف انداز

تدوینِ حدیث کے عنوان میں آپ دیکھ آئے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد سے ہی روایتِ حدیث کا آغاز ہو چکا تھا۔ آپ کے بعد آپ کی تعلیماتِ قدسیہ کی مزید نشر و اشاعت ہوئی۔ صحابہؓ ہر خدمت حدیث میں آگے بڑھتے گئے اور ہر پہلو سے اُنہوں نے اُس کے گرد حفاظت کے پہرے بٹھائے۔ مثال کے طور پر ہم دونوں پہلوؤں سے بعض اکابر کے نام یہاں ذکر کرتے ہیں۔ پوری فہرست آگے آئے گی۔ جہاں ان حضرات کے تراجم پیش کیے جائیں گے۔

صحابہؓ میں فقہائے حدیث

ان میں فقہائے حدیث بھی تھے جیسے حضرت معاذ بن جبلؓ (د سنہ ۱۸ھ) حضرت اُبی بن کعبؓ (د سنہ ۱۹ھ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (د سنہ ۳۲ھ) حضرت ابوالدرداءؓ (د سنہ ۳۲ھ) حضرت علیؓ (د سنہ ۴۰ھ) حضرت زید بن ثابتؓ (د سنہ ۴۵ھ) ام المومنین حضرت عائشہؓ (د سنہ ۵۷ھ) حضرت عبداللہ بن عباسؓ (د سنہ ۶۸ھ) حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ (د سنہ ۷۴ھ) حضرت عبداللہ بن عمرؓ (د سنہ ۷۴ھ) وغیرہم رضی اللہ عنہم اجمعین۔

روایت میں سبقت لے جانیوالے

حضرت ابوذر غفاریؓ (د سنہ ۳۲ھ) حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (د سنہ ۳۵ھ) حضرت عمران بن حصینؓ (د سنہ ۵۲ھ) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (د سنہ ۵۵ھ) حضرت ابوہریرہؓ (د سنہ ۵۷ھ) حضرت سمرہ بن جندبؓ (د سنہ ۵۹ھ) حضرت عبداللہ بن عمروؓ (د سنہ ۶۵ھ) حضرت براء بن عازبؓ (د سنہ ۷۲ھ) حضرت ابوسعید الخدریؓ (د سنہ ۷۴ھ) حضرت انس بن مالکؓ (د سنہ ۹۳ھ) وغیرہم من الاکابر روایت حدیث میں بہت آگے نکلے اور یہاں تک آگے بڑھے کہ فقہاء حدیث بھی ان کے خوشہ چین ہوئے۔ صرف ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں جو کثرتِ روایت میں بھی ان اکابر کے ساتھ برابر کے شریک ہیں۔

تابعین کرامؒ میں فقہائے حدیث

حضرت علقمہ بن قیس (۶۲ھ) مسروق بن اجدع (۶۳ھ) حضرت سعید بن المسیب (۹۳ھ) سعید بن جبیر (۹۵ھ) ابراہیم نخعی (۹۶ھ) مکحول (۱۰۱ھ) علامہ شعبی (۱۰۳ھ) حضرت سالم (۱۰۶ھ) قاسم بن محمد (۱۰۷ھ) حضرت حسن بصری (۱۱۰ھ) ابن سیرین (۱۱۰ھ) قتادہ بن دعامہ (۱۱۸ھ) حماد بن ابی سلمان (۱۲۰ھ) فقہاء حدیث میں اس دور کی معروف شخصیتیں تھیں۔

تابعین کرامؒ میں اساتذہ روایت

حضرت طاؤس بن کیسان (د سنہ ۱۰۵ھ) امام زہریؒ (د سنہ ۱۲۴ھ) ابوالزنادؒ (د سنہ ۱۳۱ھ) سلیمان تیمیؒ

(۱۴۳ھ) اعمشؒ (۱۴۷ھ) عمرو بن دینارؒ وغیرہم اساتذہ کبار روایت حدیث کے نہایت درخشندہ تارے تھے۔ ان حضرات کے پاس صحابہؓ کی جمع کردہ تحریریں بھی تھیں۔ ان کی خدماتِ حدیث کا کچھ تذکرہ تدوینِ حدیث کی بحث میں آچکا ہے۔ اس بحث میں ائمہ حدیث کے صرف تراجم پیش نظر ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ حدیث کے باب میں درایۃً ہو یا روایۃً فقہ کے عنوان سے ہو یا نقل روایت کے عنوان سے عمومی اقتداء ان متقدمین سے نہیں، بلکہ بعد کے بزرگوں سے جاری ہوئی۔ یہ اس لیے کہ ہر فن اپنی بہت سی منازل طے کرنے کے بعد ہی اس درجے میں قائم ہوتا ہے کہ اس پر آئندہ باقاعدہ اصول و فروع کی بنیاد رکھی جاسکے۔ سو ہم ائمہ حدیث کے عنوان سے انہی اکابر حضرات کا تذکرہ کریں گے۔ جن کی اقتداء امت میں جاری ہوئی ــــ وہ فقہاء حدیث ہوں یا ائمہ نقاد، ائمہ تالیف ہوں یا علماء تراجم رجال۔ جو جو حضرات اپنے اپنے فن کے امام ٹھہرے ہم انہیں ہی ائمہ حدیث کے مختلف طبقوں کے تحت ذکر کریں گے۔ ہر ایک نے اپنے اپنے دائرہ میں حدیث کی خدمت اور قوم کی امامت کی اور حق یہ ہے کہ یہ حضرات خدمتِ حدیث میں اتنے آگے بڑھ گئے کہ اب تاریخ اس باب میں انہی کے سر پر سیادت کا تاج رکھتی ہے۔ ہاں صحابہ کرامؓ جو اپنے کسی فنی کمال کی بنا پر نہیں، اپنے شرفِ صحابیت کی وجہ سے امت کے مقتداء اور پیشوا ہیں۔ ان کی پیروی واجب ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور امام احمدؒ جیسے ائمہ اصول ان حضرات کے آگے سر اٹھانے کی جرأت نہ کرتے تھے اور ان کے ارشادات کو اپنے لیے سند سمجھتے تھے۔

اب ہم ان مختلف الانواع ائمہ حدیث کا تذکرہ کرتے ہیں۔ مجموعی اعتبار سے یہ سب ائمہ حدیث ہیں۔ فقہاء حدیث ہوں یا ائمہ جرح و تعدیل، جامعین حدیث ہوں یا ائمہ تخریج، علماء تراجم رجال ہوں یا عہد اول کے شراحِ حدیث۔ یہ سب حضرات اس فن کے محسنین میں سے ہیں۔ اور حق ہے کہ ہم ان سب کو ائمہ حدیث میں جگہ دیں۔ فجزاهم الله احسن الجزاء۔

تراجم ائمہ حدیث

یہ بات تفصیل سے آپ کے سامنے آچکی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علمِ دین کا اعلیٰ درجۂ خیر علمِ فقہ کو قرار دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ جس سے خیر کا ارادہ کریں اُسے فقہ سے حصّہ وافر عطا فرمادیتے ہیں. دوسرے درجہ میں رواتِ حدیث ہیں۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو آگے نقل کرتے ہیں. یہاں تک کہ یہ حدیث آگے کسی ایسے شخص کو پہنچ جائے جو اس سے پُورا پورا فائدہ پالے اور اس کے معلوم کی حفاظت کرے۔

جہاں تک صحابہ کرامؓ کا تعلق ہے وہ فقہائے حدیث بھی تھے اور رواۃِ حدیث بھی۔ تاہم جن کا فقہ ان کی روایت پر غالب رہا انہیں فقہائے حدیث کے عنوان سے اور جو روایت میں زیادہ معروف ہوئے ہم انہیں رواۃِ حدیث کے عنوان سے ذکر کریں گے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ لیا جائے کہ روایت میں سبقت لے جانے والے صحابہؓ فقہ پر دسترس نہ رکھتے تھے۔

فقہائے کرام

صحابہؓ میں فقہائے حدیث

صحابہ کرامؓ میں فقہائے حدیث بڑی تعداد میں تھے لیکن بطور نمونہ ہم یہاں دسؓ بزرگوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ فقہ حدیث کی ریاست اُن پر تمام تھی۔ یہی قمرِ رسالت کا علمی ہالہ اور علمِ رسالت کا عملی اُجالا تھے۔ حضرت معاذ بن جبلؓ (م ۱۸ھ) حضرت ابی بن کعبؓ (م ۱۹ھ) فقیہِ عراق حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (م ۳۲ھ) فقیہِ شام حضرت ابوالدرداءؓ (م ۳۲ھ) فقیہِ عراق حضرت علیؓ (م ۴۰ھ) حضرت زید بن ثابتؓ (م ۴۵ھ) حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ (م ۵۲ھ) فقیہِ مکہ، ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ (م ۶۸ھ) فقیہِ مدینہ حبرُ الامّۃ حضرت عبداللہ بن عمرؓ (م ۷۴ھ) اور حضرت جابر بن عبداللہ الانصاریؓ (م ۷۸ھ)

نوٹ پیشتر اس کے کہ ہم ان فقہائے حدیث کا علیحدہ علیحدہ ذکر کریں ناانصافی ہوگی، اگر اس شخصیت کریمہ کا ذکر نہ کیا جائے جن کی طرف کل فقہائے صحابہؓ اپنی مشکلات میں رجوع

کرتے تھے اور اُنہیں بلا تامل فقہائے صحابہؓ کا علمی مرکز سمجھا جاتا تھا۔ ہماری مراد یہاں ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ ہیں جو اہلبیتِ رسالت میں اس نوعمری میں لائی گئیں کہ معارف رسالت کو اس عمر میں پُوری طرح حفظ کرنے کی ان سے بجا طور پر اُمید کی جا سکے۔ اس عمر میں آپؓ نے علم رسالت کو اپنے پاس اس طرح محفوظ کر لیا کہ حضور اکرمؐ کے بعد دُنیائے اسلام نصف صدی تک اُن کے علوم سے منوّر ہوتی رہی۔ ہم نے دوسرے فقہائے صحابہؓ کی فہرست میں اُن کا ذکر نہیں کیا کہ ماں ہر جہت سے بچوں میں ممتاز رہے اور یہ مرکز علم اپنے تمام اطراف میں برابر کا ضیا بار رہے۔

حافظ شمس الدین الذہبیؒ (م ۷۴۸ھ) حفاظِ حدیث کے تذکرہ میں حضرت امّ المؤمنینؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

اُمّ عبد اللہ حبیبۃُ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنت خلیفۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابی بکر الصدیقؓ من اکبر فقہاء الصحابۃ و کان فقہاء اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرجعون الیہا۔[۱]

(ترجمہ) ام عبد اللہ حضور پاکؐ کی حبیبہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ کی بیٹی بڑے فقہائے صحابہؓ میں سے تھیں۔ فقہائے صحابہؓ (اپنے مسائل میں) اُن کی طرف رجُوع کرتے تھے۔

اب ہم فقہائے صحابہؓ کا مندرجہ بالا ترتیب سے ذکر کریں گے۔ یہ ترتیب ان کے مراتب کی نہیں، سنینِ وفات سے لی گئی ہے۔

(۱) حضرت معاذ بن جبلؓ (م ۱۸ھ) اُبوعبد الرحمٰن الانصاری

آپؓ اُن ستّر صحابہؓ میں سے ہیں جو بیعتِ عقبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں۔ کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:۔ اعلمھم بالحلال والحرام معاذ بن جبل۔[۲]

(ترجمہ) ان میں حلال و حرام کا سب سے زیادہ علم رکھنے والے معاذ بن جبل ہیں۔

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صہ ۲۶ [۲] مشکوٰۃ صہ ۵۲۶ رواہ احمد والترمذی وقال ہذا حدیثٌ حسن صحیح۔

آپ کی فقہی شان کی ایک یہ بھی شہادت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یمن کا قاضی بنا کر بھیجا اور انہیں مسائل غیر منصوصہ میں اجتہاد کرنے کی اجازت دی. آپ کی نظر میں حضرت معاذ بن جبلؓ ایک مجتہد کی پوری اہلیت رکھتے تھے اور بجا طور پر ایک حاذق مجتہد تھے. حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سلسلہ میں آپؓ کو رسولُ رسول اللہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے. آپؐ نے فرمایا۔

الحمد للہ الذی وفق رسول رسول اللہ لما یرضی بہ رسول اللہ۔[۱]

(ترجمہ) سب تعریف اُس خدا کی جس نے اپنے رسول کے رسُول کو اس بات کی توفیق دی جس سے اللہ کا رسول راضی ہو۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جابیہ میں جو تاریخی خطبہ دیا تھا۔ اُس میں فرمایا تھا۔ کہ:۔

من اراد ان یسأل عن الفقہ فلیأت معاذاً و من اراد ان یسأل عن المال فلیأتنی فان اللہ جعلنی لہ خازناً و قاسماً۔[۲]

(ترجمہ) جو شخص فقہ کا کوئی مسئلہ جاننا چاہے وہ معاذؓ کے پاس آئے اور جو شخص مال کے بارے میں سوال کرنا چاہے وہ میرے پاس آئے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اُن کا خازن اور تقسیم کنندہ بنایا ہے۔

حضرت عمرؓ کے اس ارشاد سے پتہ چلتا ہے کہ عہدِ صحابہؓ میں علمِ فقہ کی کیا عظمت تھی اور مجتہد صحابہؓ کی اجتہادی شان کے کیا چرچے ہوتے تھے۔

حافظ ذہبیؒ حضرت معاذؓ کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

کان من نجباء الصحابۃ وفقہائھم۔[۳] آپ بلند شان صحابہ اور ان کے فقہاء میں سے تھے۔

(۲) حضرت اُبی بن کعبؓ (م ۱۹ھ) ابُو المنذر الانصاری

حضرت ابوبکر الصدیقؓ سید المہاجرین ہیں تو حضرت ابی بن کعب سید الانصار تھے. آپ سے بڑے جلیل القدر صحابہؓ نے روایات لی ہیں. اور حضرت ابو اَیوب انصاری، عبداللہ بن عباس، سوید بن غفلۃ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین جیسے اکابر نے آپ سے کتاب و سنت کی

---

[۱] مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۴ رواہ الترمذی و ابوداؤد والدارمی [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۰ [۳] ایضاً صفحہ ۱۸

تعلیم پائی۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔ حملوا عنہ الکتاب والسنۃ۔[1]

(ترجمہ) آپ سے ان صحابہ نے کتاب وسنت کا علم حاصل کیا ہے۔

آپؓ کی شخصیت اتنی اونچی تھی کہ حضرت عمرؓ بھی بعض دفعہ علمی مسائل میں آپ کی طرف رجوع فرماتے۔ آپؓ صحابہ میں سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اقرءھم ابی بن کعب۔[2]

(ترجمہ) صحابہؓ میں سب سے زیادہ قرآن پڑھے ہوئے ابی بن کعبؓ ہیں۔

حضرت مسروقؒ تابعی (م ۶۲ھ) نے جن چھ بزرگوں کو مرکز فتوے تسلیم کیا ہے ان میں حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہیں۔[3]

حافظ ذہبیؒ آپ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

اقرءالصحابۃ وسید القراء شھد بدرًا وجمع بین العلم والعمل۔[4]

(ترجمہ) صحابہؓ میں سب سے بڑے قاری، قاریوں کے سردار، جنگ بدر میں شامل ہونے والے اور علم وعمل کے جامع تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں صرف تین راتیں تراویح کی نماز پڑھائی اور پھر تراویح کے لیے مسجد میں تشریف نہ لائے کہ آپؐ کی مواظبت سے یہ نماز امت پر واجب نہ ٹھہرے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عدم موجودگی میں صحابہؓ مسجد میں تراویح کی نماز علیحدہ علیحدہ جماعتوں میں ادا کرتے رہے۔ ایک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم اتفاقاً وہاں آنکلے تو دیکھا کہ حضرت اُبی بن کعبؓ مسجد کی ایک طرف تراویح پڑھا رہے ہیں۔ آپؐ نے پوچھا اور جواب ملنے پر اُن کے عمل کی تصویب فرمائی۔ ارشاد فرمایا۔ اصابوا ونعم ما صنعوا۔[5]

انہوں نے درست کیا اور اچھا ہے جو انہوں نے کیا۔

اس سے پتہ چلا کہ تراویح کی نماز ان دنوں بھی جماعت سے جاری تھی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ بات جب حضورؐ کے نوٹس میں آئی تو آپؐ نے اسے صحیح عمل قرار دیا۔ اس سے منع نہیں کیا۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۶ [2] مشکوٰۃ صفحہ ۵۵۶ رواہ احمد والترمذی [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۰
[4] ایضاً صفحہ ۱۶ [5] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۳۸

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد میں تراویح نہ پڑھانے کو نسخِ تراویح نہ سمجھنا اور اُمت میں اس عمل کو پُورا مہینہ باقی رکھنا یہ حضرت ابی بن کعبؓ کا ہی اجتہاد تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم سے شرفِ تائید پایا اور امت میں یہ عمل آج تک جاری ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جن دو صحابہؓ کو تراویح پڑھانے پر مامور کیا تھا۔ وہ حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت تمیم داریؓ ہی تھے۔

خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں:۔

احد الفقهاء الذين كانوا يفتون على عهد رسول الله۔[1]

(ترجمہ) آپؓ اُن فقہائے صحابہؓ میں سے تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک میں بھی فتوے دیتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ آپ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تم پر قرآن پڑھوں۔ حضرت ابیؓ نے پُوچھا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے میرا نام لے کر کہا ہے۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ہاں۔ حضرت ابیؓ پر رقت طاری ہوئی اور رونے لگے۔ جس دن آپؓ کی وفات ہوئی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

اليوم مات سيد المسلمين۔[2] آج مسلمانوں کے سردار چل بسے۔

(۳) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (م ۳۲ھ)

خلفائے راشدینؓ کے بعد افضل ترین صحابی سمجھے جاتے ہیں۔ سابقین اوّلین اور کبار بدریینؓ سے ہیں۔ جنگِ بدر میں ابوجہل آپؓ کی تلوار سے ہی واصلِ جہنم ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ کی چھاؤنی قائم کی اور وہاں بڑے بڑے رؤسائے عرب آباد کیے تو اُن کی دینی تعلیم کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو وہاں مبعوث فرمایا اور اُنہیں لکھا۔ اے اہلِ کوفہ میں نے تمہیں اپنے اُوپر ترجیح دی ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ کو تمہارے پاس بھیج دیا ہے ورنہ میں اُنہیں اپنے لیے رکھتا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمرؓ جیسے بزرگ بھی اپنے آپ کو عبداللہ بن مسعودؓ کے علم سے مستغنی نہ سمجھتے تھے۔ حضرت عمار بن یاسرؓ جب کوفہ کے امیر بنائے گئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کوفہ والوں کو لکھا:۔

---

[1] الاکمال صفحہ ۵۹۰ [2] تذکرہ جلد ا صفحہ ۱۷

قد بعثت الیکم عمار بن یاسر امیرًا و عبد اللہ بن مسعودؓ معلمًا و وزیرًا وھما من النجباء من اصحاب محمد من اھل بدرٍ فاقتدوا بھما واسمعوا وقد اثرتکم بعبد اللہ علی نفسی[1]

(ترجمہ) میں نے تمہاری طرف عمار بن یاسرؓ کو امیر اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کو معلّم اور وزیر بنا کر بھیجا ہے اور دونوں حضورؐ کے اعلیٰ درجہ کے صحابہؓ میں سے ہیں اور اہلِ بدر میں سے ہیں تم ان دونوں کی پیروی کرنا اور بات ماننا۔ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کو بھیج کر میں نے تمہیں اپنے آپ پر ترجیح دی ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اُن دنوں بھی مجتہد صحابہؓ کی پیروی جاری تھی۔ جو صحابہؓ اس اجتہادی شان پر نہ سمجھے جاتے تھے انہیں ان مجتہدین صحابہؓ کی پیروی کا حکم تھا اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی علمی شہرت تو اِس قدر اُونچی تھی کہ آپؓ کے شاگرد کسی صحابی کو بھی علم میں ان سے آگے نہ سمجھتے تھے۔ بلکہ بڑے بڑے صحابہؓ مشکلات مسائل میں آپؓ کے تلامذہ کی طرف رجوع کرتے تھے آپ حدیث کم روایت کرتے تھے۔ حضورؐ کی طرف الفاظ کی نسبت کرنے میں بہت احتیاط سے کام لیتے۔ امام ابو حنیفہؒ کوفہ میں آپؓ کی ہی مسندِ علمی کے وارث ہوئے اور آپؒ نے آپؓ کی مسند کو اپنے فیضِ علم سے اور شہرت بخشی۔ امام ابو حنیفہؒ کے مشہور فقہی مختارات مثلاً نماز میں رکوع کرتے وقت رفع یدین نہ کرنا، امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنا، نماز میں آمین آہستہ آواز سے کہنا وغیرہ یہ سب سُنن حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے ہی مختارات ہیں اور حق یہ ہے کہ آپؓ کی ہی ذاتِ کریمہ تحقیق کی دُنیا میں حنفی مذہب کی اصل قرار پاتی ہے۔ آپؓ کے صاحبزادہ عبد الرحمٰنؒ کے پاس ایک کتاب دیکھی گئی جس کے بارہ میں وہ قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ اُن کے والد حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔[2]

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؓ حدیث لکھنے کے خلاف نہ تھے اور وہ روایات جن میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت ابو الدرداءؓ اور حضرت ابو ذر غفاریؓ کو روایتِ حدیث سے روکنا اور قید کرنا مذکور ہے وہ روایۃً ہرگز صحیح نہیں۔ اُن کے راوی ابراہیم

---

[1] تذکرہ جلد ۱ ص۱۴
[2] جامع بیان العلم لابن عبد البر جلد ۱ ص۱۷

بن عبدالرحمٰن (ولادت ۲۰ھ) نے حضرت عمرؓ کا زمانہ نہیں پایا۔ کوفہ صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ہی مرکزِ علمی نہ تھا۔ حضرت عمرؓ کے حکم سے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ بھی یہاں تشریف لا چکے تھے اور جن صحابہؓ نے وہاں سکونت اختیار کی وہ بھی ایک ہزار پچیس کے قریب تھے۔ جن میں چوبیس حضراتؓ بدری بھی تھے۔ ابوالحسن احمدؒ عجلی کی روایت میں وہاں بسنے والے صحابہؓ کی تعداد ڈیڑھ ہزار کے قریب تھی۔

(۴) حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ (م ۳۲ھ) عویمر بن زید الانصاری

حافظ ذہبیؒ انہیں الامام الربانی اور حکیم الاُمت کہتے ہیں۔ آپؓ اہلِ شام کے عالم فقیہ اور قاضی تھے۔ صحیح بخاری میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں چار انصار صحابہؓ کو قرآن کریم یاد تھا۔

۱. ابوالدرداءؓ ۲. معاذ بن جبلؓ ۳. زید بن ثابتؓ ۴. ابی زیدؓ۔

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں :۔ ——— مات النبیؐ ولم یجمع القرآن غیر اربعة ابی الدرداء ومعاذ بن جبل وزید بن ثابت وابی زید۔[۱]

حضرت مسروقؒ تابعی کہتے ہیں :۔

وجدت علم اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم انتھی الی ستة الی عمر وعلی وعبد اللہ ومعاذ وابی الدرداء وزید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔[۲]

(ترجمہ) میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کے علم کو ان چھ میں تمام ہوتے پایا۔

۱. حضرت عمر ۲. حضرت علی ۳. حضرت عبداللہ بن مسعود ۴. حضرت معاذ ۵. حضرت ابوالدرداء ۶. حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین۔

حدیث میں آپؓ کی علمی عظمت کا اندازہ کیجئے کہ ایک شخص ایک لمبے سفر سے آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے اُسے دمشق آنے میں سوائے آپؓ سے حدیث سُننے کے اور کوئی غرض نہ تھی۔ وہ حدیث سنتا ہے اور واپس چل دیتا ہے۔ آپؓ یقیناً اپنے وقت میں اپنے پورے حلقہ کے مرجع اور معلم تھے۔ کثیر بن قیسؒ اس وقت حضرت ابوالدرداءؓ کے پاس بیٹھے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں :۔

---

[۱] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۴ [۲] ایضاً

کنت جالساً مع ابی الدرداء فی مسجد دمشق فجاء رجل فقال یا ابا الدرداء انی جئتك من مدینة الرسول لحدیث بلغنی انك تحدثه عن رسول الله صلی الله علیه وسلم ماجئت لحاجة [۱]

(ترجمہ) میں دمشق کی مسجد میں حضرت ابو الدرداءؓ کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک شخص نے آپؓ کے پاس آیا اس نے کہا اے ابوالدرداءؓ میں مدینہ شریف سے آپؓ کے پاس صرف ایک حدیث کے لیے آیا ہوں مجھے اطلاع ملی تھی کہ آپؓ اسے حضورؐ سے روایت کرتے ہیں۔ میں اور کسی غرض کے لیے آپؓ کے پاس نہیں آیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ کی شخصیت کریمہ اس وقت اکنافِ عالم مرجعِ علم تھی۔ حضرت علقمہ بن قیسؒ، سعید بن المسیبؒ، خالد بن معدانؒ، ابو ادریس خولانیؒ جیسے اکابر تابعین اور آپؓ کے بیٹے حضرت بلالؒ نے آپؓ سے روایات لی ہیں اور انہیں روایت کیا ہے۔ امام اوزاعیؒ آپؓ کی ہی علمی مسند کے وارث تھے۔ آپؓ کی اہلیہ اُم الدرداء بھی علمِ فقہ میں بہت اُونچا مقام رکھتی تھیں۔

⑤ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ (م ۴۰ھ)

آپؓ بلاشبہ شہرِ علم کا دروازہ تھے۔ کوفہ آپؓ کی مسندِ علمی تھا اور وہیں آپؓ کی مسندِ خلافت تھی۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) پہلے سے ہی کوفہ میں فقہ وحدیث کا درس دے رہے تھے۔ اُن کی وفات سے کوفہ میں جو علمی خلا پیدا ہو گیا تھا۔ حضرت علیؓ کے وہاں جانے سے کسی حد تک پُورا ہو گیا۔ لیکن حضرت علیؓ کے گرد کچھ ایسے لوگ بھی جمع تھے جو عبداللہ بن سبا یہودی کے ایجنٹ تھے اور سبائی سازش کے پروگرام کے تحت مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پیدا کرنا چاہتے تھے۔ انہوں نے حضرت علیؓ کے نام سے اتنی روایات بنائیں کہ اُن کی ہر روایت مشتبہ ہونے لگی کہ حضرت علیؓ نے ایسا کہا ہو گا یا نہ کہا ہو گا۔ سو احتیاطاً اسی میں سمجھی جاتی رہی کہ حضرت علیؓ کی وہی روایات سبائی سازش سے محفوظ سمجھی جائیں۔ جو حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے شاگرد حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کریں۔ کوفہ کا یہی علمی حلقہ قابلِ اعتماد رہ گیا تھا۔ اس علمی حلقہ کو حضرت

---

[۱] مشکوٰۃ صفحہ ۳۴ وہ حدیث کونسی تھی اسکے لئے اس کتاب کا صفحہ ۲۴۰ دیکھئے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہ بن الیمانؓ، حضرت عمار بن یاسرؓ اور حضرت موسیٰ اشعریؓ نے بھی جلا بخشی تھی اور وہاں کے لوگوں کو ان حضرات سے علمی استفادہ کا پورا موقع مل چکا تھا۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں:۔

کان اھل الکوفۃ قبل ان یأتیھم (علی) قد اخذوا الدین عن سعد بن ابی وقاص وابن مسعود وحذیفۃ وعمار وابی موسیٰ وغیرھم ممن ارسلہ عمر الی الکوفۃ۔[1]

یہ وہ نابغۂ روزگار ہستیاں تھیں جو حضرت عمرؓ کے حکم سے اس سرزمین میں اُتری تھیں۔ اور کوفہ کو دار الفضل ومحل الفضلاء[2] بنا دیا تھا۔ افسوس کہ یہ سرزمین حضرت علیؓ کے علوم کو اچھی طرح محفوظ نہ رکھ سکی اور حضرت علیؓ کے نام سے بہت سی روایات یونہی وضع کر لی گئیں۔ سبائیوں نے اپنی مذکورہ سازش سے مسلمانوں کو جو سب سے بڑا نقصان پہنچایا وہ یہ تھا کہ حضرت علیؓ کے نام سے روایات گھڑ کر اُن کی اصل روایات کو بھی بہت حد تک مشتبہ کر دیا۔ اور اس طرح امت علم کے ایک بہت بڑے ذخیرے سے محروم ہوگئی۔ محققین کے نزدیک فقہ جعفری حضرت علیؓ یا حضرت امام جعفر صادقؒ کی تعلیمات نہیں ہیں۔ بلکہ یہ وہ ذخیرہ ہے جو سوادِ اعظم سے اختلاف کرنے کے لیئے ان حضرات کے نام سے وضع کیا گیا ہے۔ تاہم یہ بات بھی اپنی جگہ صحیح ہے کہ حضرت علیؓ کی مرویات اور اُن کے اپنے فقہی فیصلے اہلسنّت کی کتب فقہ وحدیث میں بھی بڑی مقدار میں موجود ہیں اور اُن کے ہاں حضرت سیّدنا علی مرتضیٰؓ فقہائے صحابہؓ میں ایک عظیم مرتبہ رکھتے تھے۔

حضرت علیؓ جب کسی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث سُنتے تو اُسے قسم دیتے۔ بغیر قسم اسے قبول نہ کرتے تھے۔ لیکن قسم لینا محض مزید اطمینان کے لیئے ہوتا تھا نہ اس لیئے کہ اُن کے نزدیک اخبار احاد قابلِ قبول نہیں تھیں۔ ہاں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ایسی شخصیت ہیں کہ اُن کی روایت کو حضرت علیؓ ان کے شہرۂ آفاق صدق کے باعث فوراً قبول کر لیتے۔[3] حضرت مقدادؓ کی ایک روایت بھی آپؓ نے ایک دفعہ بغیر قسم لیئے قبول کر لی تھی۔ آپؓ کی قوتِ فیصلہ خدا تعالیٰ کا ایک بڑا عطیہ تھا کہ کسی امت میں اس کی مثال نہیں ملتی۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد

---

[1] منہاج السنۃ جلد ۴ صہ ۱۵۷ [2] شرح صحیح مسلم للنواوی جلد ۱ صہ ۱۸۵ [3] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صہ ۱

فرمایا۔ اقضٰی ھو علی۔[۱] کہ صحابہؓ میں سب سے بہتر فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں۔ آپؐ نے انہیں ایک مرتبہ یمن کا قاضی بھی بنایا تھا۔[۲] علامۃ التابعین عامر بن شرجیل شعبیؒ (۱۰۳ھ) کہتے ہیں کہ اس عہد میں علم ان چھ حضرات سے لیا جاتا تھا۔ ۱۔ حضرت عمرؓ ۲۔ حضرت علیؓ ۳۔ حضرت ابی بن کعبؓ ۴۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ۵۔ حضرت زید بن ثابتؓ ۶۔ حضرت موسیٰ اشعریؓ۔ یاد رکھیے کہ حضرت علیؓ کو حضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتظامیہ (خلافت) کی بجائے عدلیہ (قضاء) کے زیادہ مناسب ٹھہرایا ہے۔

۶ کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ (۴۵ھ) الانصاری

آپؓ کی علمی شخصیت کے تعارف میں یہ جاننا ہی کافی ہے کہ ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے قرآن کریم ان سے پڑھا تھا اور حضرت انس بن مالکؓ نے احادیث آپؓ سے روایت کیں۔ آپؓ کی وفات پر حضرت ابوہریرہؓ نے کہا تھا:۔

مات حبر الامۃ ولعل اللہ یجعل فی ابن عباسؓ منہ خلفاً۔[۳]

(ترجمہ) امت کے بہت بڑے عالم (حبر الأمۃ) زید بن ثابتؓ چل بسے اور امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ابن عباسؓ کو ان کا جانشین بنا دیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عثمان غنیؓ کو ان کی شخصیت کریمہ پر اتنا اعتماد تھا کہ دونوں حضرات نے اپنے اپنے عہد میں جمع قرآن کی خدمت ان سے لی۔ حضرت عمرؓ کی رائے حضرت سلیمان بن یسارؒ نے (۱۰۷ھ) جو بہت بڑے فقیہ اور فاضل تھے اس طرح نقل کی ہے:۔

ماکان عمر و عثمان یقدمان علی زید احداً فی الفتوی والفرائض والقرأۃ۔[۴]

(ترجمہ) حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ فقہ، علم وراثت، اور قرأت میں حضرت زید بن ثابتؓ پر کسی کو فوقیت نہ دیتے تھے۔

خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

افرضھم زید بن ثابت۔[۵] ان میں علم فرائض کے سب سے بڑے ماہر زید بن ثابتؓ ہیں۔

جب یہ سوار ہوتے یا سواری سے اترتے تو حضرت ابن عباسؓ ان کی رکاب پکڑنے کو

---

[۱] مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۵ [۲] مشکوٰۃ صفحہ ۳۲۶ [۳] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۳ [۴] ایضاً مشکوٰۃ صفحہ ۵۷۷ عن احمد والترمذی [۵] تذکرہ صفحہ ۳

اپنے لیے بڑی عزت سمجھتے تھے۔ حضرت مسروقؒ تابعی (۶۲ھ) کہتے ہیں:-

کان اصحٰب الفتوی من الصحابة عمر وعلی وعبد اللہ وزید و ابی و ابو موسٰی۔[1]

خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں:-

کان احد فقھاء الصحابة[2] آپؓ فقہائے صحابہ میں سے ایک تھے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ وتابعینؒ کے دور میں مدارِ شہرت وفضل علم فقہ تھا۔ روایت حدیث فقہاء کے بعد دوسرے درجے میں آتے تھے۔

قرأت خلف الامام جیسے معرکۃ الآراء مسئلے میں امام مسلمؒ نے آپؓ کا یہ فتویٰ نقل کیا ہے:-

عن عطاء بن یسار انه اخبرہ انه سأل زید بن ثابت عن القرأة مع الامام فقال لا قرأة مع الامام فی شیٔ[3]

ترجمہ: عطاء بن یسار نے حضرت زید بن ثابت سے پوچھا کہ امام کے پیچھے قرآن پڑھا جا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا امام کے ساتھ کسی حصے میں قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں۔

(۷) حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (۴۴ھ) ذہبی۔ خطیب تبریزی نے سن وفات ۵۲ھ لکھا ہے۔

مکہ مکرمہ میں اسلام لائے۔ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ حضورؐ نے انہیں یمن کا والی بنایا۔ حضرت عمرؓ نے انہیں بصرہ کا والی بنایا اور آپؓ کی اور دیگر صحابہؓ جن میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت حذیفہؓ بن الیمان اور حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ بھی تھے کی آمد سے عراق مرکزِ علم بن چکا تھا۔ ان دنوں علم سے مراد حدیث اور فقہ تھے۔ حضرت علیؓ نے معرکہ تحکیم میں آپ (حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ) کو اپنا نمائندہ بنایا تھا۔ یہ مسلسل واقعات آپؓ کی عظمتِ شخصی اور آپؓ کی فقہ وفضیلت کے تاریخی شواہد ہیں۔ قرآن کریم بہترین آواز سے پڑھنا آپؓ پر ختم تھا۔ تاہم آپؓ امام کے پیچھے قرآن پڑھنے کے قائل نہ تھے۔ آپؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کی

اذا قرء فانصتوا۔[4] امام جب قرآن پڑھے تو تم چپ رہو۔

حضورؐ کے عہد میں جو چار صحابہؓ فتوے دینے کے مجاز تھے۔ آپؓ بھی ان میں تھے۔

---

[1] تذکرہ ج ۱ صـ [2] الاکمال صـ ۵۹۹ [3] صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۲۱۵ [4] صحیح مسلم جلد ۱ صـ ۱۷۴

صفوان بن سلیمؒ (د ۱۳۲ھ) کہتے ہیں:۔

لم یکن یفتی فی زمن النبیؐ غیر عمر و معاذ و علی و ابی موسیٰ۔[1]

حافظ ذہبیؒ آپ کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

کان عالماً، عاملاً، صالحاً، تالیاً لکتاب اللہ الیہ المنتہیٰ فی حسن الصوت بالقرآن روی علماً طیباً مبارکاً۔[2]

(ترجمہ) آپ عالم تھے عامل تھے نیک تھے اللہ کی کتاب کو پڑھنے والے تھے قرآن کو اچھی آواز سے پڑھنے میں چوٹی کے تھے آپ نے علم پاکیزہ اور بابرکت روایت کیا ہے۔

آپؓ نے ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو یہ حدیث سنائی۔ اذا سلم احدکم ثلاثاً فلم یجب فلیرجع۔ جب تم میں سے کوئی (کسی کے دروازے پر) تین دفعہ سلام کہے اور اسے جواب نہ ملے تو اُسے واپس لوٹ جانا چاہیئے۔ تو حضرت عمرؓ نے اس پر مزید شہادت طلب کی حضرت ابوموسیٰؓ بہت گھبرائے۔ یہاں تک کہ آپؓ کو ایک انصاری کے ہاں اس کی تائید ملی۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ میں اپنے اکابر کی تعمیل حکم کا جذبہ کس درجہ کارفرما تھا۔ حضرت عمرؓ بھی آپؓ پر معاذاللہ کوئی الزام نہ لگا رہے تھے۔ صرف دوسرے صحابہؓ کو احتیاط فی الروایۃ کا سبق دینا مقصود تھا۔ نہ آپؓ کی غرض یہ تھی کہ خبر واحد کا اعتبار نہ کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے خود فرمایا:۔

اما انی لم اتھمک ولکنی خشیت ان یتقول الناس علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔[3]

(ترجمہ) میں آپؓ کو متہم نہیں کر رہا تھا میں صرف اس سے ڈرا ہوا تھا کہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی طرف سے باتیں نہ لگانے لگیں۔

یاد رکھئے کسی صحابی پر جھوٹ کا الزام نہیں لگتا صحابہ سب عادل ہیں۔

(۸) فقیہ مکہ ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ (۶۸ھ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابن عباسؓ کے لیئے دعا فرمائی تھی کہ اللہ انہیں علم و فقہ سے مالا مال کرے اور فہم قرآن کی شان بخشے۔ حضورؐ کی وفات کے وقت آپؓ کی عمر تیرہ سال تھی حضورؐ کے بعد

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۳ [2] ایضاً صفحہ ۲۲ [3] موطا امام مالک صفحہ ۳۸۰

حضرت زید بن ثابتؓ سے تعلیم حاصل کی اور حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ نے آپؓ کو ترجمان القرآن کا عظیم لقب دیا[1]۔ اعمشؒ سے روایت ہے کہ جب حضرت علیؓ نے حضرت ابن عباسؓ کو امیر حج کی ذمہ داری سپرد کی۔ تو آپؓ نے ایسا خطبۂ حج دیا کہ اگر اسے ترک اور اہلِ روم سُن لیتے تو سب کے سب مسلمان ہو جاتے۔ نعیم بن حفصؒ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابن عباسؓ ہمارے ہاں بصرہ میں آئے۔ تو عرب میں علم و فضل میں اُن کا ثانی نہ تھا۔

ومافی العرب مثله جسماً و علماً و بیاناً و جمالاً و کمالاً[2]۔

امام ترمذیؒ کی ایک روایت سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ نے بھی حضورؐ کی احادیث آپؐ کے بعد جمع کرنی شروع کر دی تھیں اور وہ تحریریں لوگوں تک پہنچی ہوئی تھیں۔ ایک مرتبہ طائف سے کچھ لوگ آپؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اُن کے پاس آپؓ کی کچھ تحریرات تھیں اور انہوں نے انہیں آپؓ کے سامنے پڑھا[3]۔

⑨ حبر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ (۷۴ھ) ابو عبد الرحمٰن العدوی المدنی

حضرت علیؓ کے صاحبزادے محمد بن الحنیفہؒ انہیں حبر ھذہ الامۃ (اس اُمت کے بڑے عالم) کہا کرتے تھے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں:۔

لا تعدلن برای ابن عمر فانه اقام ستین سنة بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم فلم یخف علیه شیء من امرہ ولا من امر اصحابه[4]۔

(ترجمہ) نہ برابر سمجھ ابن عمرؓ کے ساتھ کسی کی رائے اس لیے کہ وہ حضورؐ کے وصال کے بعد ساٹھ سال تک زندہ رہے اس لیے نہیں مخفی رہا آپؓ پر حضورؐ کے امر سے اور نہ ہی آپؐ کے صحابہ کے امر سے

اہل الرای ہونا کوئی عیب نہیں جو امام زہریؒ عبد اللہ بن عمرؓ کی طرف منسوب کر رہے ہیں یہ علم کا وہ درجہ ہے جو مجتہد کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ آپؓ سے کثیر تعداد احادیث منقول ہیں لیکن علامہ ذہبیؒ نے انہیں الفقیہ کے پُراعزاز لقب سے ذکر کیا ہے۔ جن دنوں حضرت علی مرتضیٰ رضؓ اور حضرت امیر معاویہؓ میں اختلاف جاری تھا اور اچھی خاصی تعداد اس بات کی حامی ہوگئی تھی

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۳۸ [2] ایضاً ص ۳۶ [3] کتاب العلل للامام الترمذی ص [4] تذکرہ جلد ۱ ص ۳۸

کہ یہ دونوں بزرگ قیادت سے کنارہ کش ہو جائیں تو جو شخصیت ان دنوں لوگوں کی نظر میں اس لائق تھی کہ اس پر امت جمع ہو جائے اور اس میں علم و عمل کی پوری استعداد ہو تو وہ آپؓ ہی تھے۔ لیکن آپؓ اس میدان میں آگے آنے کے لیے قطعاً تیار نہ ہوئے۔

حضرت سفیان ثوریؒ (۱۶۱ھ) کہا کرتے تھے:۔

یقتدی بعمر فی الجماعۃ وبابنہ فی الفرقۃ۔[1]

(ترجمہ) لوگوں سے مل کر چلنے میں عمرؓ کی پیروی کی جائے اور لوگوں سے کنارہ کشی میں اُن کے بیٹے کو نمونہ بنایا جائے۔

(۱۰) حضرت جابر بن عبداللہ الانصاری رضی اللہ عنہ (۷۸ھ)

ستر انصاریؓ جو بیعتِ عقبہ میں شامل ہوئے آپؓ اُن میں سے تھے۔ حافظ ذہبیؒ نے انہیں فقیہ اور مفتی مدینہ کے نام سے ذکر کیا ہے اور لکھا ہے:۔

حمل عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم علماً کثیراً نافعاً۔[2]

ترجمہ:۔ آپؓ نے آنحضرتؐ سے بہت سا نافع علم پایا۔

حدیث کے اتنے شیدائی تھے کہ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن انیسؓ کے بارے میں سُنا کہ اُن کے پاس ایک حدیث ہے جو انہوں (عبداللہ بن انیسؓ) نے خود حضورؐ سے سُنی ہے۔ وہ اُن دنوں ملکِ شام میں مقیم تھے۔ اس پر آپؓ نے ایک اُونٹ خریدا اور اس پر ایک ماہ تک سفر کرتے کرتے ملکِ شام پہنچے۔ پیغام بھیجا کہ جابرؓ دروازے پر کھڑا ہے: انہوں نے پوچھا جابر بن عبداللہ ہیں؟ فوراً باہر آئے۔ حضرت جابرؓ نے اُن سے حدیث پوچھی۔ اُنہوں نے سنائی۔[3] انہوں نے سُنی اور چلدیئے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں وہ حدیث غالباً یہ تھی:۔

عن جابرؓ عن عبداللہ بن انیسؓ سمعت النبیؐ یقول یحشر اللہ العباد فینادیہم بصوت یسمعہ من بعد کما یسمعہ من قرب انا الملک الدیان۔[4]

ترجمہ۔ حضرت جابر عبداللہ بن انیس سے روایت کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میں نے

---

[1] تذکرہ جلد ۱ ص ۳۸ [2] ایضاً [3] الادب المفرد امام بخاری ص ۲۵۱ صحیح بخاری ص ۱۷ تذکرہ جلد ۱ ص ۳۸
[4] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱۴

حضورؐ کو فرماتے سُنا۔ اللہ بندوں کو حشر میں ایسی آواز سے بُلائے گا جس کو
قریب اور بعید والے سب یکساں سُنیں گے۔ فرمائیگا میں ہوں بادشاہ انصاف والا۔
اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؓ کی شخصیت کریمہ کس طرح جمع حدیث اور طلب علم میں منہمک
تھی۔ آپؓ مجتہد صحابہؓ میں سے تھے اور حدیث کے مناط کلام پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ مثلاً حضور اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب۔ کہ اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو
سورہ فاتحہ نہ پڑھے۔ آپؓ نے فرمایا یہ اس شخص سے متعلق ہے جو اکیلے نماز پڑھے۔ جو امام کے
پیچھے نماز پڑھے اس پر سورہ فاتحہ پڑھنا لازم نہیں۔ حدیث میں مراد رسول کو پہنچنا انتہائی گہرا علم
ہے۔ امام احمد بن حنبلؒ جو امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ دونوں کے استاد تھے۔ حضرت جابر بن عبداللہؓ
کی اس شرح حدیث سے بہت متاثر تھے۔ آپؒ فاتحہ خلف الامام کے قائل تھے۔ مگر یہ صاف
فرماتے کہ امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھے بغیر نماز ہو جاتی ہے۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج بحدیث جابر بن عبداللہ قال من صلی رکعۃ لم یقرأ فیہا بام القرآن فلم یصل الا ان یکون وراء الامام قال احمد فھذا رجل من اصحاب النبیؐ تاول قول النبیؐ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھذا اذا کان وحدہ۔ **جامع ترمذی جلد ۱ ص ۴۲**

ترجمہ۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ حضورؐ کی حدیث۔ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کا
معنی یہ ہے کہ نمازی جب اکیلا نماز پڑھے تو فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی اور آپ نے
حضرت جابرؓ کی حدیث۔ بطور دلیل پیش کی ہے آپ فرماتے ہیں جس نے ایک رکعت پڑھی
اور اس میں سورہ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہ ہوئی مگر جبکہ وہ امام کے پیچھے ہو۔ امام احمدؒ
کہتے ہیں کہ حضرت جابرؓ حضورؐ کے صحابی ہیں وہ حضورؐ کے ارشاد کا مطلب یہ بیان کر
رہے ہیں کہ حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ سے مراد یہ ہے کہ نمازی جب اکیلا ہو۔

یہ دس مشاہیر کا تذکرہ ہے جو فقہاء صحابہؓ میں بہت ممتاز تھے۔ ان کے علاوہ بھی کئی مجتہد صحابہؓ
تھے جنہیں فقیہ تسلیم کیا گیا ہے۔ جیسے عمران بن حصینؓ (۵۲ھ) حضرت ابوہریرہؓ (۵۸ھ) اور حضرت
امیر معاویہؓ (۶۰ھ) ان کے علم پر حضرت حسنؓ کو پورا اعتماد نہ ہوتا تو کبھی خلافت انکے سپرد نہ کرتے۔

صحابہؓ میں رواۃِ حدیث

ویسے تو ہر صحابیؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی بات کو آگے پہنچانے کا مکلف تھا لیکن جو صحابہ رض کثرتِ روایت میں معروف ہوئے ان میں سے دس زیادہ ممتاز رواۃِ حدیث کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے یہ حضرات گو اپنی جگہ فقہ میں بھی دسترس رکھتے تھے۔ لیکن ان کی شہرت فقہ حدیث کی بجائے روایت حدیث میں زیادہ رہی ہے۔ رواۃ حدیث یا کچھ صحابہ مکثرین روایت تھے اور کچھ مقلین روایت۔

مقلّین روایت (کم روایت والے)

حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت زبیر بن العوامؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت زید بن ارقمؓ، عمران بن حصینؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ تھے جن کے پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کی دولت بے پایاں تھی لیکن وہ روایتِ حدیث میں زیادہ محتاط رہے اور بہت کم حدیثیں انہوں نے روایت کیں۔ اُن کی قلتِ روایت سے اُن کے قلتِ علم پر استدلال کرنا اسی طرح ایک نادانی ہے جیسے کوئی احمق امام ابو حنیفہؒ کی قلتِ روایت پر نظر کرتے ہوئے ان کے قلتِ علم کا دعوےٰ کرنے لگے امام صاحب کی شروطِ روایت بھی تو بہت سخت تھیں یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے روایتِ حدیث کی بجائے فقہ حدیث کو اپنا موضوع بنایا اور اسی پر ہی اپنی ساری عمر صرف کردی۔ گو اس ضمن میں بھی آپ کو ہزاروں احادیث روایت کرنی پڑیں۔

عبداللہ بن زبیرؓ کہتے ہیں میں نے اپنے والد زبیرؓ سے پوچھا آپؓ حضورؐ سے اس طرح احادیث روایت کیوں نہیں کرتے جس طرح فلاں فلاں صحابہؓ کرتے ہیں۔ آپؓ نے فرمایا۔

اما انی لم افارقہ ولکن سمعتہ یقول من کذب علی متعمداً فلیتبوا مقعدہ من النار۔

(ترجمہ) میں حضورؐ سے جدا تو کبھی نہیں ہوا لیکن میں نے حضورؐ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا اسے جہنم میں ٹھکانہ کرنا ہے۔ صحیح بخاری جلد ا صدا۲

آپ کی احتیاط کا منشا یہ تھا کہ حضورؐ کی بات روایت بالمعنیٰ میں بدلتے ہوئے کوئی بے احتیاطی نہ ہو جائے۔ سو آپ کی قلت روایت قلت علم کی وجہ سے نہ تھی۔

جن حضرات نے نسبتۃً کثرت سے احادیث روایت کیں ان میں سے ہم دس مشاہیر کا یہاں ذکر کرتے ہیں۔ گوان کے علاوہ بھی ایک کثیر تعداد ان صحابہؓ کی ہے جن سے بہت سی احادیث مروی ہیں اور کتب صحاح اُن کی مرویات سے پُر ہیں۔ تاہم یہاں صحابہؓ میں سے صرف چند رواۃِ حدیث کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

صحابہؓ میں رواۃِ حدیث (محدثین کرام)

حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ) حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۵ھ) حضرت عمران بن حصینؓ (۵۲ھ) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵۵ھ) حضرت ابوہریرہؓ (۵۷ھ) حضرت سمرہ بن جندبؓ (۵۹ھ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۶۵ھ) حضرت براء بن عازبؓ (۷۲ھ) حضرت ابوسعید الخدریؓ (۷۴ھ) حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

(۱) حضرت ابوذر غفاریؓ (۳۲ھ)

سابقین اوّلین میں سے ہیں۔ آپؓ سے حضرت انس بن مالکؓ، زید بن وہبؓ، جبیر بن نفیرؓ، احنف بن قیسؓ اور قدمائے تابعین میں سے ایک کثیر تعداد نے روایات لی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ وکان یوازی ابن مسعود فی العلم۔ علم میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے برابر اُترتے تھے۔ حدیث روایت کرنا سب سے بڑا فرض جانتے تھے۔ خود فرماتے ہیں:۔

> قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے اگر تم تلوار میری گردن پر رکھ دو اور مجھے گمان ہو کہ پیشتر اس کے کہ تم اس تلوار کو چلادو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بات جو میں نے آپؐ سے سُنی روایت کرسکتا ہوں تو میں ضرور اُسے روایت کر گزروں گا۔[۱]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہؓ کس طرح حضورؐ کی احادیث کو ایک علمی امانت سمجھتے تھے اور انہیں آگے پہنچانے کی ان حضراتؓ کو کتنی فکر تھی۔ اتفاق دیکھیے کہ آپؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۸

ایک ہی سال فوت ہوئے۔

(۲) حضرت حذیفہ بن الیمانؓ (۳۵ھ) ابُو عبداللہ العبسی

آپؓ سرِ رسول اللہ (حضورؐ کے راز دان صحابیؓ) کے طور پر معروف تھے۔ آپؓ سے حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابوالدرداءؓ جیسے اکابر صحابہؓ نے احادیث روایت کی ہیں اور تابعینؒ کی تو ایک بڑی تعداد نے آپؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔

(۳) حضرت عمران حصینؓ (۵۲ھ) ابونجید الخزاعی

خیبر کے سال اسلام لائے۔ آپؓ کا اور حضرت ابوہریرہؓ کا اسلام لانے کا ایک ہی سال ہے۔ کان من فضلاء الصحابة وفقهائهم۔[۱] حضرت عمرؓ نے آپؓ کو بصرہ روانہ فرمایا تاکہ وہاں کے لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں۔[۲] آپؓ نے پھر پوری زندگی وہیں بسر کر دی۔ آپؓ سے حسن بصریؒ، امام محمد بن سیرینؒ اور علامہ شعبیؒ جیسے اکابر تابعینؒ نے روایات لی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ فرماتے ہیں:۔

ولہ احادیث عدة فی الکتب وکان من العباء الصحابة وفضلائهم[۳]

آپؓ ان پانچ ممتاز صحابہؓ میں سے ہیں جو صفین کے معرکہ میں اہلِ شام اور اہلِ عراق میں سے کسی کے ساتھ شامل نہیں ہوئے۔

(۴) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ (۵۵ھ)

آپؓ عشرہ مبشرہ صحابہؓ میں سے ہیں۔ جنگِ بدر میں شامل ہوئے۔ پہلے فرد ہیں جنہوں نے اللہ کی راہ میں تیر چلایا۔ آپؓ سے حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بھی روایات لی ہیں۔ حضرت سعید بن المسیبؒ، حضرت علقمہؒ، ابوعثمان النہدیؒ اور حضرت مجاہدؒ جیسے اکابر تابعینؒ آپؓ کے شاگرد تھے۔

آپؓ معرکہ صفین میں حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ دونوں سے کنارہ کش رہے۔ حضرت علیؓ

---

[۱] الاکمال ص۶۱۱ [۲] تذکرہ جلد ۱ ص۲۸ [۳] ایضاً

آپؓ کے اس موقف میں آپؓ پر رشک کرتے تھے۔

⑤ حضرت ابوہریرہؓ الدوسی الیمانی (۵۸ھ)

جاہلیت میں نام عبدالشمس تھا۔ والد نے کنیت ابوہریرہ رکھی۔ اسلام لانے کے بعد عبدالرحمٰن سے موسوم ہوئے۔ خیبر کے سال اسلام لائے۔ مدینہ ہجرت کی۔ اصحاب صفہؓ میں سے تھے۔ حضورؐ سے علم کثیر پایا۔ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور دوسرے کئی اور صحابہؓ سے روایات لیں۔

امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ آپؓ سے آٹھ سو کے قریب لوگوں نے روایات لیں۔ ممتاز شاگردوں میں ہمام بن منبہ (۱۱۰ھ) سعید بن المسیب (۹۳ھ) مجاہد (۱۰۰ھ) علامہ شعبی (۱۰۳ھ) ابن سیرین (۱۱۰ھ) عطاء بن ابی رباح (۱۱۵ھ) عروہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ابوصالح السمان کہتے ہیں۔ کان ابو هريرة من احفظ اصحاب محمد صلى الله عليه وسلم اور وہ خود فرماتے ہیں:۔

لا اعرف احداً من اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم احفظ لحديثه مني۔[1]

(ترجمہ) حضورؐ کے صحابہؓ میں سے کسی کو نہیں جانتا کہ وہ مجھ سے حضورؐ کی احادیث کا زیادہ یاد کرنے والا ہو۔

جہاں تک روایت کا تعلق آپؓ سوائے حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ کے باقی سب صحابہؓ سے آگے تھے اور وجہ یہ تھی کہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضورؐ سے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے۔ اور حضرت ابوہریرہؓ لکھتے نہ تھے۔[2]

آنحضرتؐ نے آپؓ کو قوت حافظہ کا دم کیا تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ اس کے بعد کبھی نہ بھولے آپؓ سے ساڑھے پانچ ہزار کے قریب حدیثیں مروی ہیں۔ ان میں سے صحیح بخاری میں ۴۴۸ اور صحیح مسلم میں ۵۴۵ حدیثیں مروی ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوہریرہؓ نے بھی احادیث لکھنی شروع کر دی تھیں۔ آپؓ اپنے تلامذہ کو یہ تحریرات گاہے بگاہے دکھا بھی دیتے تھے۔[3] آپؓ کے شاگردوں

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صہ ۳۴ [2] صحیح البخاری جلد ۱ صہ ۲۷ المصنف لعبدالرزاق جلد ۱۱ صہ ۲۵۹ [3] جامع بیان العلم جلد ۱ صہ ۷۴

نے جو حدیثی مجموعے تیار کیے اُن میں ہمام بن منبہؒ کا صحیفہ بہت معروف ہے اور چھپ بھی چکا ہے۔

اس درجہ کے عظیم محدث ہونے کے ساتھ ساتھ آپؓ بلند پایہ فقیہ بھی تھے۔ امام ذہبیؒ نے "الفقیہ صاحب رسول اللہ" کہہ کر آپؓ کا تعارف کرایا ہے اور لکھا ہے:۔

كان من اوعية العلم ومن كبار ائمة الفتوى مع الجلالة والعبادة والتواضع[1]

(ترجمہ) علم کا محفوظ خزانہ تھے فتوے دینے والے بڑے ائمہ میں سے تھے جلالۃ عبادت اور تواضع والے تھے۔

⑥ حضرت سمرہ بن جُندبؓ (۵۹ھ) الفزاری

خطیب تبریزیؒ آپؓ کے تعارف میں لکھتے ہیں:۔

كان من الحفاظ المكثرين عن رسول صلى الله عليه وسلم وروى عنه جماعة[2]

(ترجمہ) آپؓ ان حفاظِ حدیث میں سے تھے جنہوں نے حضورؐ سے کثرت سے روایت کی ہے اور اُن سے (تابعین کی) ایک جماعت روایت کرتی ہے۔

آپؓ نے خود بھی ایک مجموعہ حدیث جمع کر رکھا تھا۔ ابن سیرینؒ کہتے ہیں اس میں علم کثیر موجود ہے[3]۔ حضرت حسن بصریؒ نے بھی اُسے روایت کیا ہے[4]۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (۸۵۲ھ) نے اس مجموعہ حدیث کو نسخہ کبیرہ کہہ کر ذکر کیا ہے[5]۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں کثیر حدیثی مواد موجود تھا۔

⑦ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ (۶۵ھ)

ان خواص صحابہؓ میں سے ہیں جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث لکھنے کی اجازت دے رکھی تھی آپؓ نے خود ایک مجموعہ حدیث لکھا تھا جسے الصادقہ کہتے ہیں۔ اُن کے والد اُن سے عمر میں صرف تیرہ سال بڑے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اُن کے والد عمرو بن العاصؓ فاتح مصر پر بھی فضیلت دیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے صرف اُن کے بارے میں اعتراف کیا ہے کہ اُن کی روایت کردہ احادیث میری مرویات سے زیادہ ہیں۔

---

[1] تذکرہ صـ۳۱ [2] الاکمال صـ۶۰۱ [3] تہذیب التہذیب جلد ۴ صـ۲۳۶ [4] ایضاً جلد ۲ صـ۲۶۹ [5] ایضاً جلد ۴ صـ۱۹۸

سعید بن المسیبؒ، عروہ بن الزبیرؒ، وہب بن منبہؒ، عکرمہؒ وغیرہم سب آپؓ کے شاگرد تھے۔ تابعی کبیر حضرت مجاہدؒ (۱۰۰ھ) ذکر کرتے ہیں کہ انہوں نے ایک صحیفہ حضرت عبداللہ بن عمروؓ کے تکیئے کے نیچے رکھا دیکھا تھا۔[۱]

حضرت ابوہریرہؓ کی کل مرویات ۵۳۷۴ ہیں اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمروؓ کی مرویات مجھ سے زیادہ ہیں اس لیئے کہ وہ حضورؐ سے حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہ تھا۔

⑧ حضرت برار بن عازبؓ (۷۲ھ) ابوعمارۃ الانصاری

عبداللہ بن حنش کہتے ہیں کہ میں نے حضرت براءؓ کے پاس لوگوں کو کلکیں ہاتھ میں لیئے (حدیثیں) لکھتے پایا۔[۲] آپؓ کوفہ میں رہتے تھے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ ان دنوں کس طرح علم حدیث کا گہوارہ بنا ہوا تھا۔ آپؓ جنگ جمل، صفین اور نہروان تینوں میں حضرت علیؓ کے ساتھ رہے۔

خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں:۔

روی عن خلق کثیر[۳] آپؓ سے بہت لوگوں نے احادیث روایت کیں۔

⑨ حضرت ابوسعید سعد بن مالکؓ الخدری (۷۴ھ) الانصاری الخزرجی

بیعت الرضوان کے شاملین میں سے تھے، اہل صفہ میں سے تھے آپؓ نے حدیث کثرت سے روایت کی، حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

روی حدیثاً کثیراً وافتی مدۃ وابوہ من شہداء احد عاش ابوسعید ستاً وثمانین سنۃ وحدث عنہ ابن عمر وجابر بن عبد اللہ وغیرھما من الصحابۃ[۴] ـــــ آپ نے بہت احادیث روایت کی ہیں اور مدتوں فتوے دیتے رہے۔ آپ کے والد شہداء احد میں سے تھے ابوسعید ۸۶ سال زندہ رہے۔ آپ سے حضرت عبداللہ بن عمر، حضرت جابر بن عبداللہ اور دوسرے کئی صحابہ نے روایت کی ہے۔

---

[۱] جامع بیان العلم جلد ۱ صفحہ ۷۲، اسد الغابہ جلد ۳ صفحہ ۲۳۴ [۲] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۱۲۸ جامع بیان العلم جلد ۱ صفحہ ۷۳ [۳] الاکمال صفحہ ۵۹۱ [۴] ایضاً صفحہ ۵۸۹

صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں آپؓ کی متفق علیہ تینتالیس۴۳ حدیثیں ہیں اور علی الانفراد دونوں کتابوں میں سولہ۱۶ اور باون۵۲ حدیثیں ملتی ہیں، خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں،۔

کان من الحفاظ المکثرین والعلماء الفضلاء العقلاء روی عنہ جماعۃ من الصحابۃ والتابعین[۱]۔ (ترجمہ) آپ کثرت سے احادیث بیان کرنیوالے حفاظ میں سے تھے اور علماء و عقلاء میں سے تھے۔ آپ سے کئی صحابہ و تابعین نے روایت کی ہے۔

⑩ حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) ابوحمزۃ الانصاری الخزرجی

آپؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نو (۹) سال کے قریب خادم رہے اور سفر و حضر میں حضورؐ کی احادیث سنیں۔ حضورؐ کے بعد حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، اور کئی دوسرے اکابر صحابہؓ سے فیض علم پایا۔[۲] آپؓ بعض اوقات حضورؐ سے حدیثیں لکھ بھی لیتے تھے بلکہ حضورؐ کو سنا بھی دیتے تھے۔ آپؓ کے شاگرد سعید بن ہلال کہتے ہیں:۔

کنا اذا اکثرنا علی انس بن مالکؓ فاخرج الینا مجال عندہ فقال ھذہ سمعتھا من النبیؐ فکتبتھا وعرضتھا۔[۳]

(ترجمہ) ہم جب حضرت انسؓ سے زیادہ روایات پوچھتے تو آپؓ اپنے مجلات (بیاضیں) نکال لیتے اور فرماتے یہ وہ روایات ہیں جو میں نے حضورؐ سے سنیں، میں نے انہیں لکھا اور انہیں آپؐ کو پڑھ کر بھی سناتا رہا۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔ ولہ صحبۃ طویلۃ وحدیث کثیر وملازمۃ للنبیؐ۔ آپؓ نے حضورؐ کی لمبی صحبت پائی، بہت حدیث سنی اور آپؐ کی مجلس کو لازم پکڑا..... آپؓ صحابہؓ میں سب سے آخر میں فوت ہوئے۔

---

[۱] الاکمال صہ۶۰۲ [۲] تذکرہ جلد۱ صہ۴۲ [۳] مستدرک جلد۱ صہ

آپؓ کے شاگردوں میں حضرت حسن بصریؒ، امام زہریؒ، قتادہؒ، ثابت بنانی، حمید الطویل زیادہ معروف ہیں۔ امام ابو حنیفہؒ نے بھی آپؓ کو دیکھا ہے۔ حضرت امامؒ نے آپؓ سے روایات لی ہیں یا نہ اس میں اختلاف ہے۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں انہیں بصرہ بھیج دیا[1] تاکہ وہاں لوگوں کو فقہ کی تعلیم دیں۔ اس صورتِ حال سے پتہ چلتا ہے کہ عراق کی درسگاہیں کس طرح علم حدیث و فقہ سے مالا مال ہو رہی تھیں۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے حضرت انسؓ کی ۱۲۸ حدیثیں بالاتفاق روایت کی ہیں اور ہر دو اماموں نے آپؓ کی ۸۰ اور ۷۰ دیگر روایات علی الانفراد روایت کی ہیں۔ حضرت انسؓ کے شاگردوں میں سے ابان بن یزید نے آپؓ کے سامنے ہی آپؓ کی مرویات لکھنی شروع کر دی تھیں۔

نوٹ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ روایتِ حدیث میں بھی امتیازی شان رکھتی ہیں۔ آپؓ سے دو ہزار دو سو دس (۲۲۱۰) حدیثیں مروی ہیں۔ جن میں سے ۲۲۸ صحیح بخاری میں ۲۴۲ صحیح مسلم میں مروی ہیں اور ان میں سے ۱۷۴ روایات پر شیخین کا اتفاق ہے۔ جس طرح دس فقہائے حدیث میں ہم نے حضرت عائشہؓ کو ذکر نہیں کیا کہ ماں امتیازی شان رکھتی ہے۔ اس طرح ہم نے ان دس رواۃِ حدیث میں حضرت ام المؤمنینؓ کا ذکر نہیں کیا۔ تاکہ یہاں بھی ان کی امتیازی حیثیت قائم رہے۔

ان دس ممتاز رواتِ حدیث کے ساتھ ساتھ جو اور صحابہؓ روایتِ حدیث میں پیش پیش رہے۔ ان میں حضرت اسید بن حضیرؓ (۲۰ھ) حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ (۳۲ھ) حضرت عبادہ بن صامتؓ (۳۴ھ) حضرت سلمان فارسیؓ (۳۵ھ) حضرت عبداللہ بن سلامؓ (۴۳ھ) حضرت عمرو بن حزمؓ (۵۳ھ) مولودِ کعبہ حضرت حکیم بن حزامؓ (۵۴ھ) حضرت عقبہ بن عامر الجہنیؓ (۵۸ھ) زیادہ روایات کے راوی ہیں اور حق یہ ہے کہ ہر ایک صحابیؓ نے اپنی اپنی بساط اور اپنی اپنی یاد کے مطابق حضورؐ سے احادیث سنیں اور آپؐ سے دیکھی ہر بات کو آگے پہنچانے اور پھیلانے میں اپنی طرف سے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا۔ یہاں تک کہ علم پیغمبرؐ ان مقدس راویانِ حدیث (صحابہ کرامؓ) سے آگے تابعینؒ کو منتقل ہوا ـــــ جس طرح صحابہ کرامؓ میں فقہاء حدیث اور رواۃ

---

[1] الاکمال صہ ۶۰۱

حدیث امتیازی صورتوں میں علم حدیث کی خدمت ادا کرتے رہے تھے۔ تابعین کرامؒ میں بھی خدمت حدیث کا دہی رنگ ابھرا۔ کچھ بزرگ فقہاء حدیث کی حیثیت سے زیادہ نمایاں ہوئے تو کچھ حضرات نے رواۃ حدیث کی حیثیت سے اس فن کی زیادہ خدمت کی اور یہ بھی صحیح ہے کہ بیشتر حضرات ان میں سے بھی فقہ اور حدیث دونوں کے جامع تھے۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔

تابعین کرامؒ میں فقہاء حدیث

حضرت علقمہ بن قیسؒ (۶۲ھ) مسروق بن اجدعؒ (۶۲ھ) سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) حضرت سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) ابراہیم نخعیؒ (۹۶ھ) مکحولؒ (۱۰۱ھ) علامہ شعبیؒ (۱۰۴ھ) حضرت سالمؒ (۱۰۶ھ) حضرت قاسم بن محمدؒ (۱۰۷ھ) حماد بن ابی سلیمانؒ (۱۲۰ھ) کا ہم یہاں ذکر کریں گے۔

۱ حضرت علقمہ بن قیسؒ النخعی الکوفی (۶۲ھ)

حافظ ذہبیؒ تذکرۃ الحفاظ میں صحابہ کرامؓ کے تذکروں کے بعد کبرائے تابعینؒ کا آغاز آپؒ سے کرتے ہیں۔ آپؒ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں پیدا ہوئے اور آپؐ کے بعد نصف صدی تک زندہ رہے۔ آپؒ فقیہ عراق ابراہیم نخعیؒ کے ماموں اور مرکز علم کوفہ ابوعمرو اسود بن یزیدؒ کے چچا تھے۔ علقمہ اور اسود دونوں حضرات فقہ حنفی کی اساس سمجھے جاتے ہیں۔ آپؒ کے علم و فضل کا اندازہ امام ربانی عبداللہ بن مسعودؓ کے اس ارشاد سے دیکھیے۔

ما اقرأ شيئاً وما اعلم شيئاً الا وعلقمة يقرؤه ويعلمه[1]

(ترجمہ) جو کچھ میں پڑھتا اور جانتا ہوں علقمہ بھی اُسے پڑھ چکے اور جان چکے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے اس کہنے کا اثر تھا کہ حضرت علقمہ باوجودیکہ صحابیؓ نہ تھے۔ صحابہ کرامؓ آپؒ سے مسائل پوچھنے آتے تھے۔ اُن کی زبان سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا علم بولتا تھا۔ قابوس بن ابی ظبیانؒ کہتے ہیں:۔

ادركت ناسا من اصحاب النبي صلى الله عليه وسلم وهم يسألون علقمة ويستفتونه[2]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۴۵ [2] ایضاً

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علاوہ آپؒ نے حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابوالدرداءؓ سے بھی حدیث پڑھی۔ فقہ کی تعلیم حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے پائی۔

(۲) حضرت مسروق بن اجدعؒ (۶۳ھ) ابوعائشہ الہمدانی الکوفی الفقیہ

آپؒ نے حضرت ابن مسعودؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت اُبی بن کعبؓ سے علم حاصل کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پیچھے نماز پڑھی۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ نے آپؒ کو متبنّٰی بنایا ہوا تھا۔ فقیہ عراق ابراہیم نخعیؒ، علامہ شعبیؒ، ابوالضحیٰؒ، ابواسحٰقؒ اور ایک کثیر تعداد لوگ آپؒ سے فیضیاب ہوئے۔ فقہ میں قاضی شریحؒ (حضرت عمرؓ کے زمانے کے مشہور قاضی) سے فائق سمجھے جاتے ہیں۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

وکان اعلم بالفتوی من شریح وکان شریح یستشیرہ وکان مسروق لا یحتاج الی شریح۔[۱]

ترجمہ: آپ فقہ میں شریح سے فائق تھے شریح آپ سے پوچھتے تھے لیکن آپ شریح کے محتاج نہ تھے۔

(۳) حضرت سعید بن المسیبؒ (۹۴ھ) الفقیہ الکوفی

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ حضرت عثمانؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت ابوہریرہؓ، ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور کئی دوسرے صحابہؓ سے حدیث پڑھی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپؒ کو مفتی ہونے کی سند دی۔ حضرت قتادہ بن دعامہؒ (۱۱۸ھ) کہتے ہیں میں نے سعید بن المسیبؒ سے بڑا عالم کسی کو نہیں دیکھا۔ امام علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) کہتے ہیں لا اعلم فی التابعین اوسع علماً من سعید و ھو عندی اجل التابعین۔ آپؒ خود کہتے ہیں میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلوں اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں کو جاننے والا اپنے سے زیادہ کسی کو نہیں پایا۔ امام زہریؒ (۱۲۴ھ) کہتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ کے عدالتی فیصلوں کا بھی زیادہ علم انہی کو تھا۔

طلب حدیث کا یہاں تک شوق تھا کہ ایک ایک حدیث کے لیے کئی کئی دنوں اور

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۴۷

راتوں کا سفر اختیار فرماتے۔ سو یہ گمان نہ کیا جائے کہ فقہاء حدیث کے مخالف ہوتے ہیں علم فقہ حدیث کے بغیر کیسے چل سکتا ہے۔

④ حضرت سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) الفقیہ الکوفی

آپؒ کے علم کا اندازہ اس سے کیجئے کہ موسم حج میں اہل کوفہ حضرت ابن عباسؓ سے اگر کوئی مسئلہ پوچھتے تو آپؓ کہتے۔ الیس فیکم سعید بن جبیر؟ کیا تم میں سعید بن جبیر نہیں ہیں؟ عبادت میں یہ سعادت ملی کہ کعبہ میں داخل ہو کر جوف کعبہ میں ایک قرآن ختم کیا[1] یہ سعادت کسی اور کو نہیں ملی۔

⑤ حضرت ابراہیم نخعیؒ (۹۶ھ) فقیہ کوفہ

حضرت علقمہ بن قیسؒ، مسروقؒ، اسود بن یزیدؒ سے تعلیم پائی اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی مسند علمی کے وارث ٹھہرے۔ بچپن میں حضرت ام المؤمنینؓ کی بھی زیارت کی مشہور محدث اعمشؒ فرماتے ہیں۔ کان ابراھیم صیرفیاً فی الحدیث وکان یتوقی الشھرۃ ولایجلس الی اسطوانۃ۔[2]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ کس طرح علم حدیث کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ابراہیم نخعیؒ اگر دیگر محدثین کی طرح مرکز روایت بن کر نہ بیٹھے تو اس کی وجہ ان کی عزلت گزینی تھی۔ ورنہ علم میں تو یہ حال تھا۔ کہ جب فوت ہوئے علامہ شعبیؒ نے کہا۔

ماخلف بعدہ مثلہ۔ آپؒ نے اپنے بعد کوئی اپنا مثل نہیں چھوڑا۔

سعید بن جبیرؒ (۹۵ھ) کے بارے میں کوفہ والوں کو حضرت ابن عباسؓ کہتے تھے کیا تم میں سعید بن جبیرؒ نہیں ہیں؟ یعنی ان کے ہوتے ہوئے تم مجھ سے مسائل پوچھتے ہو؟ حضرت ابراہیم نخعیؒ کے علم کا یہ حال تھا کہ حضرت سعید بن جبیرؒ لوگوں کو کہتے۔

تستفتونی وفیکم ابراھیم النخعی۔

(ترجمہ) تم مجھ سے مسائل پوچھتے ہو؟ اور تم میں ابراہیم نخعیؒ موجود ہیں۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۷۲ عن حماد بن ابی سلیمان [2] ایضاً ص ۶۹

⑥ حضرت ابوعبداللہ مکحول الہذلی (۱۰۱ھ) الحافظ فقیہ الشام

ابوامامۃ الباہلیؓ، واثلہ بن الاسقعؓ، انس بن مالکؓ، محمود بن الربیع، عبدالرحمن بن غنم، ابوادریس الخولانی سے حدیث پڑھی۔ حدیث کو مرسل بھی روایت کرتے اور ابی بن کعبؓ، عبادہ بن الصامتؓ اور حضرت ام المومنینؓ سے بھی درمیانے راوی کو ذکر کیے بغیر روایت کر دیتے تھے۔ آپؒ سے ایوب بن موسیٰؒ، علاء بن حارثؒ، زید بن واقدؒ، ثعد بن یزیدؒ، حجاج بن ارطاۃؒ، امام اوزاعیؒ اور سعید بن عبدالعزیزؒ نے روایات لی ہیں۔ آپؒ نے مصر، عراق اور حجاز ہر جگہ طلب علم میں سفر کیا۔

امام زہریؒ فرمایا کرتے تھے علماء تین ہی ہیں۔ ان میں آپؒ مکحولؒ کو بھی ذکر کرتے۔[۱]

ابوحاتمؒ کہتے ہیں۔ ما اعلم بالشام افقہ من مکحول۔[۲] شام میں ان سے بڑا فقیہ میں نے نہیں دیکھا۔ خطیب تبریزیؒ کہتے ہیں :۔

لم یکن فی زمان مکحول ابصر بالفتیا منہ وکان لا یفتی حتی یقول لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ھذا رأی والرأی یخطئ ویصیب۔[۳] حضرت مکحول کے زمانہ میں فتویٰ دینے کی بصیرت سب سے زیادہ آپ میں تھی اور آپ فتویٰ نہ دیتے جب تک لاحول ولا قوۃ الا باللہ نہ پڑھ لیتے اور فرماتے یہ میری رائے ہے اور رائے خطا بھی کرتی ہے اور درست بھی ہوتی ہے۔

نوٹ۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لفظ رائے کہ ان دنوں کسی پہلو سے معیوب نہ سمجھا جاتا تھا۔

⑦ ابوعمرو علامہ شعبیؒ (۱۰۳ھ) الہمدانی الکوفی

آپؒ علامۃ التابعین کے لقب سے معروف تھے۔ علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں :۔

کان اماماً حافظاً فقیہاً متقناً۔

آپؒ نے حضرت عمران بن حصین، جریر بن عبداللہ، حضرت ابوہریرہ، ابن عباس، عبداللہ بن عمر، عدی بن حاتم، مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہم اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے احادیث لی ہیں۔ آپ امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بڑے استاد تھے۔[۴]

---

[۱] دوسرے دو سعید بن المسیب اور علامہ شعبی ہیں [۲] ایضاً ص۱۰۲ [۳] الاکمال ص۶۲۳ [۴] تذکرہ جلد ۱ ص۷۵

علامہ شعبیؒ سے اسماعیل بن ابی خالد، اشعث بن سوار، داؤد بن ابی ہند، زکریا بن ابی زائدہ، مجالد بن سعید اعمش، امام ابوحنیفہ، ابن عون، یونس بن ابی اسحٰق، سری بن یحییٰ نے احادیث روایت کی ہیں، کوفہ کے قاضی بھی رہے۔ پانچ سو کے قریب صحابہ کرامؓ کو پایا۔ امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں:۔

الزم الشعبی فلقد رأیتہ یستفتی والصحابة متوافرون۔[1]

(ترجمہ) تم شعبی کی مجلس کو لازم پکڑو۔ میں نے لوگوں کو ان سے مسائل پوچھتے دیکھا حالانکہ صحابہ بڑی تعداد میں موجود ہوتے تھے۔

پھر ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:۔

قدمت الکوفة وللشعبی حلقة واصحاب رسول اللہ یومئذ کثیر۔

(ترجمہ) میں کوفہ آیا اور وہاں علامہ شعبی کا ایک بڑا حلقہ دیکھا۔ حالانکہ ان دنوں صحابہ کثیر تعداد میں موجود تھے۔

ابو مجلز (ھ) کہتے ہیں:۔

ما رایت افقہ من الشعبی لا سعید بن المسیب ولا طاؤس ولا عطاء ولا الحسن ولا ابن سیرین۔[2]

(ترجمہ) میں نے علامہ شعبی سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں پایا نہ حضرت سعید بن المسیب کو نہ طاؤس کو نہ عطا بن ابی رباح کو نہ حسن بصری کو اور نہ امام ابن سیرین کو۔

مگر آپؒ کے ذہن میں علم فقہ کی اتنی عظمت تھی کہ کھلے بندوں فرماتے ہم فقیہ نہیں ہم تو محدث ہیں جو روایت ملے اسے آگے پہنچا دیتے ہیں۔

قال الشعبی انا لسنا بالفقہاء ولکنا سمعنا الحدیث فرویناہ الفقہاء۔[3]

(ترجمہ) شعبی کہتے ہیں ہم فقہاء نہیں ہیں بات صرف یہ ہے کہ ہم نے حدیث سنی اور اسے فقہاء تک پہنچا دیا۔

وہ کون سے فقہاء کرام ہیں جن تک آپ نے حدیثیں پہنچا دیں اور ان کے سامنے اپنے آپ کو فقیہ نہ جان سکے؟ ان میں سرفہرست امام ابوحنیفہؒ ہیں۔ آپ نے اگر امام ابوحنیفہ کو نہ دیکھا

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صـ۷۶ [2] ایضاً صـ۷۹ [3]

ہوتا تو شاید اتنی بات نہ کہتے۔

⑧ سالم بن عبداللہ بن عمرؒ (۱۰۶ھ) فقیہ مدینہ

حضرت سالمؒ حضرت عمرؓ کے پوتے، علم وعمل کے جامع اور اپنے زمانہ کے الفقیہ اور الحجہ تھے اپنے والد حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت ام المومنینؓ، حضرت ابوہریرہؓ، رافع بن خدیجؓ، حضرت سفینہؓ اور افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ سے علم حاصل کیا اور حدیث پڑھی، آپؒ سے عمرو بن دینارؒ، امام زہریؒ، صالح بن کیسانؒ، موسیٰ بن عقبہؒ اور حضرت حنظلہ بن ابی سفیانؒ نے تعلیم پائی خطیب تبریزیؒ لکھتے ہیں :-

احد فقهاء المدينة من سادات التابعين وعلمائهم وثقاتهم[1]

(ترجمہ) مدینہ کے فقہا میں سے ایک تھے سادات تابعین میں سے تھے ان کے علماء اور ثقہ لوگوں میں سے تھے۔

⑨ قاسم بن محمدؒ (۱۰۷ھ) فقیہ مدینہ

حضرت قاسمؒ حضرت ابوبکرؓ کے پوتے، علم وعمل کے جامع اور مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ایک تھے۔ اپنی پھوپھی حضرت ام المومنینؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت امیر معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے حدیث پڑھی اور تعلیم حاصل کی۔ اور آپؒ سے آپؒ کے بیٹے عبدالرحمٰنؒ، امام زہریؒ، ابن المنکدرؒ، ربیعہ الرائےؒ، افلح بن حمیدؒ، حنظلہ بن ابی سفیانؒ، ایوب السختیانیؒ جیسے ائمہ علم نے روایات لیں اور اکتساب علم کیا۔ آپؒ سے دو سو کے قریب حدیثیں مروی ہیں۔ ابوالزناد عبدالرحمٰن (۱۳۱ھ) کہتے ہیں :-

ما رأيت فقيهاً اعلم من القاسم وما رأيت احداً اعلم بالسنة منه۔[2]

(ترجمہ) میں نے قاسم سے بڑا فقیہ کسی کو نہیں دیکھا اور نہ کسی کو دیکھا جو ان سے زیادہ سنت جاننے والا ہو۔

ابن سعد کہتے ہیں :- كان اماماً فقيهاً ثقة رفيعاً ورعاً كثير الحديث۔

---

[1] الاکمال صـ۶۰۳ [2] تذکرہ صـ۹۱

یحییٰ بن سعیدؒ کہتے ہیں :-

ما ادرکنا بالمدینۃ احداً نفضلہ علی القاسم بن محمد۔[1]

(ترجمہ) ہم نے مدینہ شریف میں کسی کو نہ پایا جسے قاسم بن محمد پر فضیلت دے سکیں۔

⑩ حماد بن ابی سلیمان (۱۲۰ھ)

حضورؐ کے خادم خاص حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد تھے۔ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ (۱۶۰ھ) اور حضرت سفیان ثوریؒ نے آپ سے حدیث روایت کی ہے[2] آپ ابراہیم نخعیؒ کے فیصلوں اور ان کی فقہی آراء کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے استاد تھے۔ حضرت حمادؒ کے بعد آپ ہی سیدنا حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس مسند علمی کے وارث ہوئے۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے بھی آپ سے روایات لی ہیں۔

نوٹ تابعین میں فقہاء حدیث صرف یہی دس حضرات نہیں۔ ان کے علاوہ بھی اس طبقہ میں بہت سے فقہاء اعلام ہوئے جو فقہ اور حدیث کے جامع تھے۔ ان میں حضرت حسن بصریؒ (۱۱۰ھ) امام ابن سیرینؒ (۱۱۰ھ) قتادہ بن دعامہؒ (۱۱۸ھ) بھی بے شک فقہ حدیث اور استنباط مسائل میں بہت اونچا مقام رکھتے تھے۔

اب ہم یہاں تابعین کے ان اساتذہ روایت کا ذکر کرتے ہیں جو صحابہؓ کے علم کو لے کر بحر و بر میں پھیلے اور ان کی محنتوں سے روایات حدیث آگے تبع تابعین تک پہنچیں۔ علم حدیث کو آج بیشک ان شخصیات کریمہ پر ناز ہے۔ تابعین کے فقہاء حدیث بے شک ائمہ روایت بھی ہیں اور ان کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ لیکن یہ اساتذہ روایت اس فن میں زیادہ معروف اور ممتاز ہوئے ہیں۔

تابعین کرام میں اساتذہ روایت

ابوبردہ (۱۰۴ھ) طاؤس بن کیسان (۱۰۵ھ) عکرمہ (۱۰۷ھ) حسن بصری (۱۱۰ھ) ابن سیرین (۱۱۰ھ) عطا بن ابی رباح (۱۱۵ھ) امام نافع (۱۱۷ھ) میمون بن مہران (۱۱۷ھ) امام زہری (۱۲۴ھ) عمرو بن

---

[1] الاکمال صـ ۶۱۸ [2] الاکمال صـ ۵۹۶

دینار (۱۲۶ھ) ابو اسحٰق السبیعی (۱۲۷ھ) عبدالرحمٰن ابو الزناد (۱۳۱ھ) سلیمان التیمی (۱۴۳ھ) ہشام بن عروہ (۱۴۶ھ) اعمش (۱۴۷ھ) رحمہم اللہ تعالیٰ اجمعین۔

① ابو بردہ بن ابی موسیٰ الاشعریؒ (۱۰۴ھ)

اپنے والد حضرت موسیٰ اشعریؓ، حضرت علیؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت حذیفہؓ، حضرت عبداللہ بن سلامؓ اور حضرت ابوہریرہؓ سے حدیث پڑھی۔ قاضی شریح کے بعد کوفہ کے قاضی مقرر ہوئے۔ آپؒ سے آپ کے بیٹے بلال الامیرؒ، پوتے برید بن عبداللہؒ، حضرت ثابت بنانیؒ، قتادہ بن دعامہؒ، بکیر بن الاشج، ابو اسحٰق شیبانیؒ اور کئی دوسرے حضرات نے روایت کی ہے حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں۔

کان علامۃ کثیر الحدیث[1] آپ بڑے عالم تھے اور کثیر الحدیث تھے۔

② طاؤس بن کیسانؒ (۱۰۵ھ) ابو عبدالرحمٰن الیمانی

حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت زیدہ بن ارقمؓ اور حضرت ام المومنین سے حدیث پڑھی اور ان سے اُن کے بیٹے عبداللہ، امام زہری، ابراہیم بن میسرہ، ابو الزبیر مکی، عبداللہ بن ابی نجیح اور حنظلہ بن ابی سفیان نے حدیث سُنی۔ عمرو بن دینار کہتے ہیں۔

ما رایت احدا مثل طاؤس۔ میں نے طاؤس جیسا کسی کو نہیں پایا۔

آپ اہل یمن کے شیخ اور مفتی تھے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ آپ فن حدیث میں اس جلالت شان کے ساتھ ساتھ فقیہ بھی تھے۔

③ عکرمہؒ (۱۰۷ھ)

حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوہریرہؓ، عقبہ بن عامر الجہنی، حضرت ابو سعید الخدریؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ام المومنینؓ سے روایات لی ہیں۔ آپ سے کثیر تعداد لوگوں نے احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت ابن عباسؓ کی زندگی میں فتوے دینے لگے۔ سعید بن جبیرؓ سے پوچھا گیا آپ نے کسی کو اپنے سے بڑا عالم پایا۔ آپ نے کہا ہاں عکرمہ کو۔ علامہ شعبیؒ بھی ان کے علم قرآن کے معترف تھے۔ آپ پر یہ الزام

بھی ہے کہ کچھ خارجیت کا ذہن تھا۔ اس لیئے امام مالکؒ اور امام مسلم نے اُن سے روایت نہیں لی۔ لیکن اس میں شک نہیں ان ھذا الامام من بحور العلم کہ یہ امام علم کا ایک سمندر ہے۔

④ ابُوسعید حسن بن ابی الحسنؒ (۱۱۰ھ) لیسار البصری

حافظ ذہبیؒ نے امام حسن بصریؒ کا الامام اور شیخ الاسلام کہہ کر تعارف کرایا ہے۔ آپؒ نے حضرت عثمانؓ، عمران بن حصینؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عبدالرحمٰن بن سمرہؓ، سمرہ بن جندبؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ اور دیگر کئی صحابہؓ سے احادیث سُنی ہیں۔ آپؒ سے قتادہ بن دعامہؒ، ایوبؒ، ابن عونؒ، یونسؒ، خالد الحذاء ہشام بن حسان، حمید الطویل، جریر بن حازم، ربیع بن الصبیح اور ابان بن یزید وغیرہم نے روایات لی ہیں۔ امام حسن بصری ثقہ، حجۃ، مامون، عابد و زاہد اور کثیر العلم ہیں۔ خطیب تبریزی لکھتے ہیں:-

ھو امام وقتہ فی کل فن وعلم و زھد و ورع و عبادۃ۔[1]

ترجمہ: آپ اپنے وقت میں ہر فن ہر علم کے امام تھے زہد پرہیز گاری اور عبادت میں بھی۔

حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:-

حافظ، علامہ، من بحور العلم، فقیہ النفس، کبیر الشان عدیم النظیر ملیح التذکیر بلیغ الموعظۃ راس فی انواع الخیر۔[2]

ترجمہ: حافظ تھے، علامہ تھے علم کے سمندر تھے فقیہ النفس تھے بڑی شان تھی ان کی نظیر نہ تھی وعظ بہت اچھا کہتے نصیحت مؤثر ہوتی انواع خیر کا سر کرتے تھے۔

البتہ آپ کی مرسل روایات کو محدثین نے قبول نہیں کیا۔

وما ارسلہ فلیس ھو بحجۃ۔ مشہور بات چلی آتی ہے کہ آپ کی مرسل روایت حجت نہیں۔

⑤ امام ربّانی محمد بن سیرین (۱۱۰ھ)

حضرت عثمانؓ کے آخر عہد خلافت میں پیدا ہوئے۔ علم تعبیر کے بے مثل عالم تھے۔ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن عمرؓ سے حدیث پڑھی۔ آپ

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صـ ۶۷ الاکمال صـ ۲۰ [2] تذکرہ جلد ۱ صـ ۶۷

سے ایک خلقِ کثیر نے فیضِ علم پایا۔ انہیں حدیث میں حضرت حسن بصریؒ سے اثبت مانا گیا ہے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں :۔

کان فقیھاً اماماً عزیزالعلم ثقه ثبتاً علامة فی التعبیر راساً فی الورع و امه صفیه مولاة لابی بکر الصدیقؓ[1]

(ترجمہ) آپ فقیہ تھے امام تھے ماہر علم تھے ثقہ تھے اچھے ضبط والے تھے علم تعبیر کے ماہر تھے پرہیزگاری میں بہت اونچے تھے آپ کی والدہ صفیہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کی آزاد کردہ باندی تھیں۔

(۶) عطا بن ابی رباحؒ (۱۱۴ھ)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، ام المومنین حضرت ام سلمہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابوسعید خدریؓ سے حدیث پڑھی۔ آپؒ سے ایوبؒ، ابن جریجؒ، امام اوزاعیؒ، امام ابوحنیفہؒ، ہمام بن یحییٰ، جریر بن حازمؒ اور بہت سے ائمہ علم نے روایات لی ہیں۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں :۔

قال ابوحنیفة ما رأیت احداً افضل من عطاء[2]

(ترجمہ) امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں میں نے عطا سے کسی کو بہتر راوی نہیں پایا۔

یہاں مطلق دیکھنا مراد نہیں۔ آپ صرف اپنے اساتذہ میں انہیں سب سے افضل کہہ رہے ہیں۔ حضرت امام باقرؒ بھی فرماتے ہیں :۔

ما بقی علی وجه الارض اعلم بمناسك الحج من عطاء۔ مناسک حج جاننے والا کوئی روئے زمین پر عطاء سے بڑھ کر نہ تھا —— آپ کی بعض علمی اور فقہی آراء امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں بھی نقل کی ہیں۔ آپ کی وجاہت علمی دنیائے اسلام میں ہر جگہ مسلم رہی ہے۔ مکہ کے لوگ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے جب کوئی مسئلہ پوچھتے تو آپ فرماتے۔ تجمعون علی وعندکم عطاء —— تم میرے پاس چلے آتے ہو حالانکہ عطاء تمہارے پاس موجود ہیں۔

---

[1] ایضاً ص۷۳ [2] ایضاً ص۹۲

⑦ امام نافع المدنیؒ (۱۱۷ھ)

حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت رافع بن خدیجؓ، حضرت ابولبابہؓ، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ اور ام المومنین حضرت ام سلمہؓ سے حدیث پڑھی۔ آپؒ سے امام اہل مکہ ابن جریجؒ، امام اہل شام امام اوزاعیؒ، امام اہل مدینہ امام مالکؒ، امام مصر لیث مصریؒ عقیل بن خالدؒ، ایوبؒ اور ابن عونؒ نے احادیث روایت کی ہیں۔

جس طرح صحیح بخاری کو اصح الکتب کہا گیا ہے عام محدثین کے ہاں مالک عن نافع عن ابن عمر کو اصح الاسانید کہا گیا ہے۔ حضرت نافع کہتے ہیں میں حضرت ابن عمرؓ کی خدمت میں تیس سال رہا۔ اس سے ان کی علمی عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ روایت حدیث میں آپ ایک مرکزی شخصیت ہیں۔

⑧ میمون بن معدانؒ (۱۱۷ھ) عالم اہل الجزیرہ

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ اور دوسرے کئی صحابہؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔ حضرت عمرؓ اور حضرت زبیرؓ سے بھی مرسل روایات لی ہیں۔ آپ سے ابوالبشر خصیف، جعفر بن برقان، حجاج بن ارطاۃ، سالم بن ابی المہاجر، امام اوزاعی، ابوالملیح، معقل بن عبید اللہ اور ایک خلق کثیر نے حدیث روایت کی ہے ——— مشہور فقیہ سلیمان بن موسیٰ کہتے ہیں خلافت ہشام میں چار ہی عالم تھے۔ حسن بصری، مکحول، میمون بن معدان اور زہری ——— امام احمد کہتے ہیں آپ عکرمہ سے زیادہ ثقہ ہیں۔ امام نسائی بھی آپ کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔

⑨ امام زہریؒ (۱۲۴ھ)

اعلم الحفاظ ابن شہاب زہری حدیث اور تاریخ کے بڑے امام تھے۔ آپ نے حدیث صحابہؓ میں سے حضرت عبداللہ بن عمرؓ، سہل بن سعدؓ، حضرت انس بن مالکؓ سے اور تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیبؒ، ابوامامہؒ اور ابوسہلؒ وغیرہم من الائمہ الاعلام سے پڑھی۔ آپ سے صالح بن کیسانؒ معمرؒ، شعیب بن ابی حمزہؒ، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام اوزاعیؒ، ابن ابی ذئبؒ، لیث مصریؒ

سفیان بن عینیہؒ اور دیگر کئی ائمہ علم نے روایت لی ہے۔ ابن المسیبؒ کے پاس آٹھ سال کے قریب رہے لیث مصریؒ کہتے ہیں میں نے زہری سے جامع علم کسی کو نہیں دیکھا۔ ترغیب وترہیب کی احادیث ہوں انساب عرب کی، قرآن وسنت کی بات ہو یا حلال وحرام کی۔ ہر موضوع میں سبقت لے گئے ہیں۔ ابو الزنادؒ کہتے ہیں:۔

کنا نطوف مع الزہری علی العلماء ومعہ الالواح والصحف یکتب کلما سمع۔[۱]

(ترجمہ) ہم امام زہری کے ساتھ علمار حدیث کے ہاں گھوما کرتے تھے۔ آپ کے پاس کاغذات اور تختیاں ہوتیں آپ جو کچھ سنتے تھے لکھتے جایا کرتے تھے۔

ابن المدینیؒ کہتے ہیں ثقہ راویوں کا علم حجاز میں زہریؒ اور عمرو بن دینارؒ پر بصرہ میں قتادہؒ اور یحیی بن کثیرؒ پر، کوفہ میں ابو اسحق السبیعیؒ اور اعمشؒ پر گردش کرتا ہے۔ اکثر صحیح حدیثیں ان چھ رواۃ حدیث سے باہر نہیں۔ محدثین امام زہریؒ کی مرسل روایات کا اعتبار نہیں کرتے۔ آپ کہیں کہیں روایت حدیث کے دوران شرح الفاظ بھی کر دیتے تھے۔ علمار بعض اوقات ان کے ادراج کو حدیث کا جزو سمجھ لیتے اور اُسے حدیث کے طور پر آگے روایت کر دیتے۔ تاہم اُن کی علمی عظمت اور حدیثی عبقریت ہر دائرہ علم میں مسلم رہی ہے۔ آپ جب اپنے شیخ کا نام نہ لیں اور اس سے اُوپر کے شیخ سے صیغہ عن سے روایت کریں تو اس سے آپ کی ثقاہت مجروح نہیں ہوتی۔ البتہ اس روایت کی صحت مشکوک ہو گی۔ شیعہ علمار نے اس تدلیس کو تقیہ سمجھ کر انہیں اپنے ہاں شیعہ شمار کر لیا تھا۔ سو جب کبھی وہ اُن کی روایت پیش کریں تو یہ استدلال ان کے ہاں بر سبیل مناظرہ نہیں بر سبیل مجادلہ ایک الزامی دلیل سمجھا جائے گا۔

(۱۰) امام حرم عمرو بن دینار الحافظ (۱۲۶ھ)

صحابہ میں سے حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ، حضرت جابرؓ، حضرت انس بن مالکؓ کے اور تابعین میں سے ابو الشعثار، اور طاؤس، کریب، مجاہد کے شاگرد تھے۔ امیر المومنین فی الحدیث شعبہ، ابن جریج، سفیان الثوری، حضرت حماد بن سلمہ، سفیان بن عیینہ اور حماد بن ابی سلیمان آپ کے شاگرد

۱۔ ایضاً ص۱۰۳ ۲۔

تھے۔ شعبہؒ کہتے ہیں میں نے حدیث میں عمرو بن دینارؒ سے اثبت کسی کو نہیں پایا۔ آپ صرف محدث نہیں فقیہ بھی تھے۔ عبداللہ بن ابی نجیحؒ کہتے ہیں میں نے عمرو بن دینارؒ، عطاء بن ابی رباحؒ، مجاہدؒ اور طاؤسؒ سے کسی کو فقہ میں زیادہ نہیں پایا۔

ان ائمہ روایت میں پانچ اور حضرات کا بھی ترجمہ شامل کر لیجئے۔ اس دور میں روایت پر توجہ زیادہ تھی۔ اس لئے اس طبقہ میں ہم یہ نام بھی اضافہ کئے دیتے ہیں۔

(۱) ابواسحٰق السبیعیؒ (۱۲۷ھ) عمرو بن عبداللہ

کثرت روایت میں امام زہریؒ کے اقران میں سے ہیں۔ حضرت علیؓ کو دیکھا ہے۔ حضرت زید بن ارقمؓ، عبداللہ بن عمروؓ، عدی بن حاتمؓ، براء بن عازبؓ، جریر بجلیؓ، جابر بن سمرہؓ سے حدیث پڑھی۔ تین سو کے قریب اساتذہ سے روایت لی۔ آپ سے قتادہ، سلیمان التیمی، اعمش، شعبہ، سفیان الثوری، ابو الاحوص، زائدہ، شریک اور سفیان بن عیینہ اور آپ کے بیٹے یونس اور پوتے اسرائیل نے روایت کی ہے ——— ابوداؤد الطیالسی کہتے ہیں چار شخصوں میں علم حدیث نمایاں رہا ہے۔ زہری، قتادہ، ابواسحاق اور اعمش میں ——— قتادہ اختلافِ رواۃ میں زہری اسناد میں ابواسحٰقؒ، حضرت علیؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ کی مرویات میں اور اعمش ان میں سے ہر ایک باب میں آگے تھے۔

(۲) ابوعبدالرحمٰن ابوالزناد (۱۳۱ھ) عبداللہ بن ذکوانؒ فقیہ المدینہ

حضرت انس بن مالکؓ سے حدیث پڑھی۔ تابعین میں سے حضرت سعید بن المسیبؒ جیسے اکابر سے علم حاصل کیا۔ آپ سے امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، لیث مصریؒ، سفیان بن عیینہؒ اور دوسرے کئی اکابر نے روایت لی ہے۔ لیث بن سعدؒ کہتے ہیں میں نے آپ کے پیچھے تین سو کے قریب فقہ کے طالب علم چلتے دیکھے۔ امام ابوحنیفہؒ جیسے فقیہ فرماتے ہیں میں نے ربیعۃ الرای اور ابوالزناد دونوں کو دیکھا ہے اور ابوالزناد کو افقہ (علم فقہ میں زیادہ ماہر) پایا ہے۔

قال ابوحنیفۃ رأیت ربیعۃ وابوالزناد افقہ الرجلین۔[1]

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صـ ۱۲۷

حضرت امام جیسے نادرہ روزگار فقیہ کا ان کی فقاہت پر شہادت دینا پتہ دیتا ہے کہ آپ کس درجہ کے عالم تھے۔ اگر ہم انہیں فقہاء تابعین میں ذکر کرتے تو زیادہ مناسب تھا۔ لیکن چونکہ سفیان بن عیینہؒ آپ کو امیر المومنین فی الحدیث کہتے ہیں، اس لیئے ہم نے انہیں رواۃ حدیث میں ذکر کیا ہے۔

③ سلیمان بن طرفان التیمیؒ (۱۴۳ھ) البصری

حافظ ذہبیؒ انہیں الحافظ، الامام اور شیخ الاسلام لکھتے ہیں حضرت انس بن مالکؓ اور دیگر محدثین کبار سے حدیث پڑھی۔ آپ سے شعبہ، حضرت عبداللہ بن مبارک، حضرت سفیان الثوری، یزید بن ہارون، سفیان بن عیینہ اور دیگر کئی ائمہ کبار نے روایت لی۔ حدیث بڑے ادب سے روایت کرتے۔ کان اذا احدث عن رسول اللہ تغیر لونہ[1] سفیان کسی بصری محدث کو سلیمان تیمی پر ترجیح نہ دیتے تھے۔ شعبہ کہتے ہیں میں نے ان سے زیادہ راست گو کسی کو نہیں دیکھا۔

④ ہشام بن عروہؒ (۱۴۶ھ)

حضرت زبیرؓ کے پوتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ آپ کو الامام، الحافظ، الحجہ اور الفقیہ کے القاب سے ذکر کرتے ہیں۔ ان دنوں حدیث اور فقہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے تھے۔ بہت سے حفاظِ حدیث فقیہ بھی ہوتے تھے۔ ہشام بن عروہ بھی انہی میں سے تھے۔ ابن سعد آپ کے بارے میں کہتے ہیں۔ کان هشام ثقة، ثبتاً، کثیر الحدیث، حجة ـــــــ ابو حاتم الرازی آپ کو امام فی الحدیث لکھتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپ کے سر پر ہاتھ رکھا تھا اور بچپن میں آپ کے لیئے برکت کی دعا کی تھی۔ شعبہ، ایوب، امام مالک، سفیان الثوری، سفیان بن عیینہ، حماد بن سلمہ، حماد بن ابی سلیمان، یحییٰ بن سعید القطان جیسے اکابر آپ کے شاگرد تھے۔ امام یحییٰ بن معین سے پوچھا گیا آپ ہشام کو بہتر جانتے ہیں یا زہری کو؟ آپ نے کہا دونوں کو۔ اور کسی کو کسی پر ترجیح نہ دی۔ آپ حضرت حسن بصری اور امام ابن سیرین کے اقران میں سے تھے۔

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۱۴۲

⑤ ابو محمد سلیمان الاعمش الکوفیؒ (۱۴۷ھ) الحافظ والثقہ

حضرت انس بن مالکؓ کے شاگرد تھے۔ مشہور تابعی حضرت ابراہیم نخعیؒ سے بھی حدیث سنی۔ آپ سے امیرالمومنین فی الحدیث شعبہ، سفیان الثوری، سفیان بن عیینہ، وکیع بن الجراح، زائدہ، ابونعیم اور بہت سے لوگوں نے روایت لی ہے۔ امام ابوحنیفہ کے بھی استاد تھے۔ ابن المدینی کہتے ہیں آپ سے تیرہ سو کے قریب احادیث مروی ہیں۔ صدق مقال کا یہ حال تھا کہ لوگ آپ کو مصحف (قرآن) کہتے تھے۔ یحییٰ بن سعید القطان آپ کو علامۃ الاسلام کہتے تھے۔ ستر سال تک آپ کی تکبیر اُولیٰ فوت نہ ہوئی۔ سفیان بن عیینہ نے آپ کے بارے میں کہا۔

اقرأهم لكتاب الله واحفظهم للحديث واعلمهم بالفرائض[۱]

(ترجمہ) سب سے زیادہ قرآن پڑھنے والے سب سے زیادہ حدیث یاد رکھنے والے اور علم وراثت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

نوٹ اس درجہ کے عالی مرتبت محدثین کوفہ میں بہت ہوئے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ ان دنوں کس طرح علم وفضل کا مرکز تھا۔ سو یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ عراق علم حدیث میں حجاز سے پیچھے تھا۔ عراق نے علم حدیث کے وہ جلیل القدر اور جہابذہ روزگار محدث پیدا کیے کہ چشم فلک نے ان کی نظیر نہ دیکھی۔ تذکرۃ الحفاظ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ علم حدیث کا گہوارہ تھا۔ یہ تابعین کے اساتذہ روایت کا ذکر تھا۔ اب ہم ان ائمہ اصول کا ذکر کرتے ہیں جن کی علمی بلندی انہیں درجہ اجتہاد پر لے آئی اور امت میں ان کی پیروی جاری ہوئی یا وہ اس مرتبہ پر ٹھہرے کہ اُن کی پیروی کی جاسکے۔

فقہاء حدیث ائمہ مجتہدین

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ اما بعد

صحابہؓ و تابعینؒ کے بعد ائمہ مجتہدین کی باری آتی ہے۔ یہ حضرات علم اصول کے امام اور فقہ و احادیث کے جامع تھے۔ موضوع ان کا زیادہ تر فقہ رہا۔ اس لیئے ان کی شہرت مجتہد Theorist کے طور پر زیادہ رہی۔ محدثین انہیں حفاظِ حدیث میں بھی ذکر کرتے ہیں اور فقہاء انہیں اپنے میں سے مجتہد قرار دیتے ہیں۔ ان میں سے بعض کی امت میں پیروی جاری ہوئی اور بعض کی نہیں۔ بعض ان میں سے اپنے اساتذہ سے نسبت برقرار رکھنے کے باعث مجتہد منتسب سمجھے گئے۔ تاہم اس میں شبہ نہیں کہ یہ حضرات سب حدیث و فقہ کے جامع اور اپنے اپنے درجہ میں مجتہد مطلق کا مقام رکھتے تھے ——— ان میں ہم حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ھ) امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ) سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) امام لیث بن سعد مصریؒ (۱۷۵ھ) امام مالکؒ (۱۷۹ھ) امام ابو یوسفؒ (۱۸۲ھ) امام محمدؒ (۱۸۹ھ) امام شافعیؒ (۲۰۴ھ) اسحٰق بن راہویہؒ (۲۳۸ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کا ذکر کریں گے حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے ان حضرات کو مجتہد تسلیم کیا ہے۔ ائمہ اربعہ امام اوزاعی، سفیان الثوریؒ، لیث مصریؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمدؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ یہ دس حضرات ہوتے ہیں۔ جو مجتہدین کہلاتے یہ حضرات اپنے اپنے وقت کے فقہائے حدیث تھے۔ اب ان کا فرداً فرداً ذکر ہوتا ہے۔

تراجم ائمہ میں پہلے صحابہ کے فقہائے حدیث پھر صحابہ کے رواۃ حدیث پھر تابعین کے فقہاء حدیث اور پھر تابعین کے اساتذہ روایت کا ذکر ہوا۔ اب ائمہ اربعہ کے تراجم پیش کیئے جاتے ہیں۔ ان کے بعد ائمہ جرح و تعدیل کا تذکرہ ہوگا اور اُن کے بعد انشاء اللہ ائمہ تالیف کی باری آئے گی۔

تراجم فقہائے حدیث

حضرت امام ابو حنیفہؒ

امام ابو حنیفہؒ (پیدائش ۸۰ھ) کی شہرت زیادہ تر امام مجتہد کی حیثیت سے ہے لیکن علمائے حدیث نے آپ کو محدثین میں بھی ذکر کیا ہے۔ محدثین کا ذکر اس عنوان سے کیا جاتا ہے کہ انہوں نے فلاں فلاں سے احادیث سنیں اور ان سے آگے فلاں فلاں نے روایات لیں۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے بارے میں بھی یہ پیرایہ تعارف موجود ہے۔ حافظ ابن عبد البر مالکی رہ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

قد قال الامام علی بن المدینی ابو حنیفه روی عنه الثوری و ابن المبارك وحماد بن زید و هشام و وکیع وعباد بن العوام و جعفر بن عون و هو ثقه لا بأس به وکان شعبه حسن الرای فیه[1]

(ترجمہ) امام علی بن المدینی کہتے ہیں کہ سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک، حماد بن زید، ہشام، وکیع، عباد بن عوام، جعفر بن عون نے امام ابو حنیفہ سے حدیث روایت کی ہے ابو حنیفہ ثقہ تھے ان سے روایت کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور شعبہ امام ابو حنیفہ کے بارے میں اچھی رائے رکھتے تھے۔

حافظ شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں:۔

حدث عن عطاء ونافع وعبد الرحمٰن بن هرمز الاعرج وسلمة بن کهیل وابی جعفر محمد بن علی وقتادہ وعمرو بن دینار وابی اسحٰق وخلق کثیر . . . . . وحدث عنه وکیع ویزید بن هارون وسعد بن الصلت وابو عاصم وعبد الرزاق وعبید الله بن موسیٰ وابو نعیم

---

[1] روی حماد بن زید عن ابی حنیفة احادیث کثیرة۔ الانتقار صفحہ ۱۳۰

وابو عبد الرحمن المقری و بشر کثیر وکان اماما ورعا۔[1]

(ترجمہ) امام ابوحنیفہ نے عطاء، نافع، عبدالرحمن بن ہرمز الاعرج، سلمہ بن کہیل، ابی جعفر، محمد بن علی، قتادہ، عمرو بن دینار، ابی اسحٰق اور بہت سے لوگوں سے حدیث روایت کی ہے۔ اور ابوحنیفہ سے وکیع، یزید بن ہارون، سعد بن صلت، ابوعاصم، عبدالرزاق، عبیداللہ بن موسیٰ، ابونعیم، ابوعبدالرحمن المقری اور خلق کثیر نے روایت لی ہے۔ اور ابوحنیفہ امام تھے اور زاہد پرہیزگار تھے۔

ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ اہل مکہ کے محدث اور مفتی عطاء بن ابی رباح سے کس کس نے حدیث روایت کی ہے؟

وعنہ ایوب وحسین العلم وابن جریج وابن اسحٰق والاوزاعی وابوحنیفہ وھمام بن یحیٰی وجریر بن حازم۔[2]

خطیب تبریزی صاحب مشکوٰۃ لکھتے ہیں:۔

سمع عطاء بن ابی رباح وابا اسحٰق السبیعی ومحمد بن المنکدر ونافعا وھشام بن عروۃ وسماک بن حرب وغیرھم وروی عنہ عبداللہ بن المبارک ووکیع بن الجراح ویزید بن ھارون والقاضی ابویوسف ومحمد بن الحسن الشیبانی وغیرھم۔[3]

(ترجمہ) ابوحنیفہؒ نے عطا بن رباح اور ابا اسحٰق السبیعی اور محمد بن المنکدر اور ہشام بن عروہ اور سماک بن حرب وغیرہ حضرات سے روایت لی اور ابوحنیفہؒ سے عبداللہ بن مبارک اور وکیع بن الجراح اور یزید بن ہارون اور قاضی ابو یوسف اور محمد بن حسن الشیبانی وغیرہ حضرات نے روایات لی ہیں۔

حضرت عبدالرحمن المقریٰ (۲۱۳ھ) جب آپ سے روایت کرتے تو فرماتے مجھ سے اس شخص نے یہ حدیث بیان کی جو (فن حدیث میں) بادشاہوں کا بادشاہ تھا۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔

کان اذا حدث عن ابی حنیفۃ قال حدثنا شاھنشاہ۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۶۸ [2] ایضاً ص ۹۲ [3] الاکمال ص ۶۲۴

آپ کے اساتذہ و تلامذہ ان کے علاوہ بھی بہت سے تھے۔ آپ نے بلند پایہ محدثین سے محدثین کے طور پر روایات لیں اور آگے محدثین کے طرز پر انہیں محدثین سے روایت کیا۔ آپ کے تلامذہ میں سے عبداللہ بن مبارک اور وکیع بن الجراح کے تذکرے کتب رجال میں دیکھیں۔ یہ حضرات فنِ حدیث میں اپنے وقت کے آفتاب و ماہتاب تھے۔ ان جیسے اکابر محدثین کا حدیث میں آپ کی شاگردی کرنا اس فن میں آپ کی عظمتِ شان کی کھلی شہادت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ آپ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرح مکثرین روایت میں سے نہ تھے لیکن اس سے آپ کے علمِ حدیث میں کمزور ہونے کا شبہ کسی جاہل کو بھی نہ ہو سکے گا۔ محدثین آپ کے ذکر کے بغیر آگے نہ چلتے تھے۔ مشکوٰۃ شریف حدیث کی کتاب ہے جس میں ایک روایت بھی آپ سے منقول نہیں۔ مگر خطیب تبریزی الاکمال فی اسماء الرجال میں آپ کے ذکر کے بغیر آگے نہیں چل سکے۔ آپ کے وفورِ علم کی شہادت آپ کو دینی پڑی اور ظاہر ہے کہ ان دنوں علم سے مراد علم حدیث ہی لیا جاتا تھا۔

مصنف مذکور لکھتے ہیں :۔

والغرض بایراد ذکرہ فی ھذا الکتاب وان لم نرو عنه حدیثًا فی المشکوٰۃ للتبرك به لعلو مرتبته و وفور علمه۔[1]

(ترجمہ) اور غرض اس کتاب میں آپ کا ذکر لانے سے یہ ہے کہ اگرچہ ہم مشکوٰۃ میں اُن سے کوئی حدیث نہیں لائے ہیں کہ آپ کے ذکر سے برکت حاصل ہو جائے۔ یہ آپ کے علوِ مرتبہ اور وفورِ علم کی وجہ سے ہے۔

وفورِ علم سے مراد حدیث کا علم وافر نہیں تو اور کیا ہے؟ بہرحال فقہ تو یہ علم اسی وقت بنتا ہے جب یہ حدیث پر مرتب ہو اسے علم حدیث لازم ہے۔ یہی نہیں کہ آپ نے محدثین کے طرز پر روایات لیں اور آگے روایت کیں۔ بلکہ روایتِ حدیث اور راویوں کے صدق و کذب پر بھی آپ کی پوری نظر تھی۔ امام اوزاعیؒ سے ایک مسئلے پر گفتگو ہوئی اور دونوں طرف سے احادیث سند کے ساتھ پڑھی گئیں تو آپ نے دونوں طرف کے راویوں پر تبصرہ فرمایا اور باوجودیکہ دونوں طرف کے رواۃ ثقہ تھے۔ آپ نے راویوں کے علوفہم پر بحث شروع کر دی۔[2] اور دونوں

---

[1] الاکمال فی اسماء الرجال صہ ۶۲۴ [2] مسند الانام فی شرح مسند الامام صہ ۲۰

طرف کے راویوں کا نام لے لے کر بتایا کہ حماد بن ابی سلیمان زہری سے افقہ ہیں اور فلاں فلاں سے افقہ ہے اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے مقابلے میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔ اس سے واضح ہے کہ آپ راویوں پر تنقیدی نظر رکھتے تھے۔ ایک دوسری جگہ راویوں کے صدق و کذب پر آپ گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں۔ مارأیت احداً افضل من عطاء۔[1]

میں نے عطاء بن ابی رباح سے زیادہ اچھا (راوی) کسی کو نہیں دیکھا ——— اور یہ بھی فرمایا۔

مالقیت فیمن لقیت اکذب من جابر الجعفی۔[2]

میں جن لوگوں کو ملا ہوں ان میں جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا کسی کو نہیں پایا۔

حافظ ابن حجر نے زید بن عیاش کے بارے میں آپ کی رائے نقل کی ہے۔ انہ مجہول۔[3]

طلق بن حبیب پر آپ نے اس کے عقیدہ کی رو سے جرح کی ہے کان یری القدر۔[4]

محدثین ہی راویوں پر اس درجہ تنقیدی نظر رکھتے ہیں۔ حافظ شمس الدین الذہبی لکھتے ہیں۔

قال ابوحنیفۃ رایت ربیعہ وابا الزناد وابو الزناد افقہ الرجلین۔[5]

ترجمہ: ابوحنیفہ کہتے ہیں میں نے ربیعہ اور ابو الزناد دونوں کو دیکھا۔ ابو الزناد زیادہ فقیہ تھے۔

محدثین کا آپ سے اس قسم کی آراء نقل کرنا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ آپ رواۃ حدیث کے فہم و درایت پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے۔

حضرت سفیان الثوریؒ کے علمی مرتبہ اور شانِ علم حدیث سے کون واقف نہیں اتنے بڑے محدث کے بارے میں آپ سے رائے لی گئی کہ ان سے حدیث لی جائے یا نہ؟ امام بیہقی لکھتے ہیں:۔

عبدالحمید الحمانی قال سمعت ابا سعد الصاغانی یقول جاء رجل الی ابی حنیفۃ فقال ماتری فی الاخذ عن الثوری فقال اکتب عنہ ما خلا حدیث ابی اسحٰق عن الحارث عن علی و حدیث جابر الجعفی۔[6]

ترجمہ۔ عبدالحمید الحمانی کہتے ہیں میں نے ابو سعد صاغانی کو کہتے ہوئے سنا کہ ایک شخص امام ابوحنیفہ کے پاس آیا اور پوچھا سفیان ثوری سے روایت لینے میں آپ کی رائے کیا

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۹۲ [2] تہذیب التہذیب جلد ۳ صفحہ ۴۸ [3] تہذیب جلد ۳ صفحہ ۴۲۴ [4] الجواہر المضیہ جلد ۱ صفحہ ۳۰ [5] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ [6] کتاب القراۃ للبیہقی صفحہ ۱۳۴

ہے؟ آپ نے فرمایا ان سے حدیث لے لو۔ ماسوائے ان حدیثوں کے جنہیں وہ ابو اسحٰق عن الحارث کی سند سے روایت کریں یا جنہیں وہ جابر جعفی سے نقل کریں۔ غور کیجئے جب حضرت امام سفیان ثوری جیسے محدث کے بارے میں بھی آپ سے رائے لی جارہی ہے۔ تو آپ کا اپنا مقام حدیث میں کیا ہوگا؟ اجتہاد و استنباط یا تطبیق و ترجیح میں تو مجتہدین آپ سے اختلاف کر سکتے ہیں۔ لیکن کسی مقام پر یہ کہہ دینا کہ یہ حدیث حضرت امام کو نہ پہنچی ہوگی ہرگز درست نہیں۔ اس دور میں یہ بعض الظن اثم کے قبیل میں سے ہے۔ محدث جلیل ملا علی قاری احیاء العلوم کی ایک عبارت پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فالظن بابی حنیفة ان ھذه الاحادیث لم تبلغه ولو بلغته لقال بها ھذا من بعض الظن فان حسن الظن بابی حنیفةؒ انه احاط بالاحادیث الشریفة من الصحیحة والضعیفة ولکنه امارجح الحدیث الدال علی الحرمة او حمله علی الکراھة جمعاً بین الاحادیث وعملاً بالروایة والدرایة[1]

الحافظ اور الحجۃ کے درجے کے محدثین تو بہت ہوئے۔ لیکن بہت کم ہوئے جن کا علم تمام احادیث کو محیط مانا گیا ہو۔ حضرت امام ان کبار محدثین میں سے ہیں جن کا علم تمام احادیث صحیحہ اور ضعیفہ کو محیط مانا گیا۔ ایک مرتبہ یحییٰ بن معینؒ سے امام ابو حنیفہؒ کے متعلق پوچھا گیا تو فرمایا کہ ثقہ ہیں ثقہ ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا حدیث فقہ میں اور سچے ہیں اور دین کے بارے میں قابل اعتماد ہیں۔[2] امام ابو داؤد فرماتے ہیں:۔[3]

ان ابا حنیفة کان اماماً۔ بے شک ابو حنیفہؒ امام تھے۔

حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) کس پائے کے محدث تھے یہ اہل علم سے مخفی نہیں آپ کوفہ آئے تو علماء حدیث تب آپ سے حدیث سننے کے لئے تیار ہوئے۔ جب حضرت امام ابو حنیفہؒ نے آپ کے محدث ہونے کی تصدیق کی۔ آپ نے فرمایا۔ یہ شخص

---

[1] سند الانام صد ۵۲ [2] تاریخ بغداد خطیب جلد ۱۳ صد ۴۱۹، ۴۲۰ [3] تذکرہ جلد ۱ صد ۱۶۰

عمرو بن دینار کی روایات کا سب سے بڑا عالم ہے اس پر علماء سفیان بن عیینہ کے گرد جمع ہو گئے۔ حضرت سفیان کہتے ہیں:۔

قدمت الکوفة فقال ابوحنیفة هذا اعلم الناس بحدیث عمرو بن دینار فاجتمعوا علی نحدثهم[1]

سفیان بن عیینہ کو محدث بنانے میں بڑے بڑے محدثین کی محنتیں ہوئیں۔ مگر اس میں سبقت حضرت امام ابوحنیفہ کی ہے۔ حضرت سفیان خود کہتے ہیں:۔

اوّل من صیرنی محدثا ابوحنیفة[2]

ترجمہ: جس نے سب سے پہلے مجھے محدث بنایا ابوحنیفہ تھے۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں محدث حرم حضرت سفیان کوفی تھے اب آپ خود سمجھ لیں کہ آپ نے حضرت امام سے کس قدر استفادہ کیا ہو گا۔ آپ مسلکاً بھی حنفی تھے[3]

یحییٰ بن زکریا ابی زائدہ (ھ) کی جلالتِ علم سے کون واقف نہیں۔ حافظ ذہبی انہیں الحافظ الثبت المتقن الفقیہ[4] لکھتے ہیں۔ آپ حضرت امام کے شاگرد تھے اور بقول حضرت امام طحاوی حضرت امام کے اُن پہلے دس اصحاب میں سے تھے جو تدوین علم میں آپ کے ساتھ بیٹھے۔

فن حدیث کے ان جیسے اکابر کا حضرت امام سے یہ قریبی رابطہ بتلاتا ہے کہ حضرت امام فن روایت میں بھی ان جبال علم کے شیخ تھے اور اکابر محدثین نہ صرف ان کے علم حدیث کے قائل تھے بلکہ ان سے اپنے محدث ہونے کی سند لیتے تھے۔

حضرت امام اُبوحنیفہ کا نظریہ حدیث

حضرت امام حدیثِ منقول پر عمل کرنے سے پہلے یہ دیکھتے تھے کہ کثیر تعداد متقی لوگ اس حدیث کو اس صحابی سے روایت کرتے ہوں۔ یہ روایت کرنا لفظاً ضروری نہیں خبر واحد اپنی جگہ معتبر ہے لیکن اُن

---

[1] الجواہر المضیة ج۱ ص۳۰ [2] الجواہر نقلاً عن ابن خلکان ج۱ ص۱۰۳ [3] الجواہر ج۱ ص۲۵۰ [4] تذکرہ ج۱ ص۲۴۶

کے ہاں اس کا عمل میں آیا ہوا ہونا ضروری تھا۔ جو حدیث معمول بہ نہ رہی ہو، اس سے ان کے ہاں سنت ثابت نہیں ہوتی۔ سنت کے ثابت ہونے کے لیئے ضروری ہے کہ اس پر عمل بھی ہوتا آیا ہو

امام مالکؒ کا نظریۂ حدیث بھی تقریباً یہی تھا۔ وہ حدیث کی بجائے سنت پر زیادہ زور دیتے تھے۔ موطا میں بار بار سنت کا لفظ لاتے ہیں اور اس سے صحابہؓ و تابعینؒ کا تواتر عمل مراد ہوتا ہے جب فتنے پھیلے اور جھوٹ کا بازار گرم ہوا تو محدثین روایت اور اسناد کے گرد پہرہ دینے لگے۔ ان بدلے ہوئے حالات میں حدیث سے تمسک بذریعہ اسناد ہونے لگا اور تواتر عمل کی اس طرح تلاش نہ رہی جس طرح پہلے دور میں ہوتی تھی۔ اس نئے دور کے مجدد حضرت امام شافعیؒ ہیں۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ پہلے دور میں حدیث کی بجائے سنت کو زیادہ اہمیت دی جاتی تھی۔ حافظ شمس الدین الذہبیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کا نظریۂ حدیث اُن کے اپنے الفاظ میں اس طرح نقل کرتے ہیں:۔

أخذ بكتاب الله فما لم اجد فبسنة رسول الله و الآثار الصحاح عنه التي فشت في ايدي الثقات عن الثقات فان لم اجد فبقول صحابه أخذ بقول من شئت ـــــ واما اذا انتهى الامر الى ابراهيم والشعبي والحسن والعطاء فاجتهد كما اجتهدوا[1]

(ترجمہ) میں فیصلہ کتاب اللہ سے لیتا ہوں جو اس میں نہ ملے اسے حضورؐ کی سنت اور ان صحیح آثار سے لیتا ہوں جو حضورؐ سے ثقہ لوگوں کے ہاں ثقات کی روایت سے پھیل چکے ہوں۔ ان میں بھی نہ ملے تو میں صحابہ کرامؓ سے لیتا ہوں اور جس کا فیصلہ مجھے اچھا (قوی) لگے لے لیتا ہوں ـــــ اور جب معاملہ ابراہیم نخعیؒ، علامہ شعبیؒ، حضرت حسن بصریؒ اور عطاء بن ابی رباحؒ تک پہنچے تو میں بھی اس طرح اجتہاد کرتا ہوں جس طرح ان پہلوں نے اجتہاد کیا تھا۔

حضرت امام یہاں آثارِ صحیحہ کے عملاً پھیلے ہوئے ہونے پر زور دے رہے ہیں اور یہی اُن کا نظریہ حدیث تھا۔ حضرت علامہ عبدالوہاب الشعرانیؒ (۹۷۳ھ) لکھتے ہیں:۔

وقد كان الامام ابوحنيفة يشترط في الحديث المنقول عن رسول الله قبل العمل به ان يرويه عن ذلك الصحابي جمع اتقياء عن مثلهم[2]

---

[1] مناقب ابی حنیفہ للذہبی صـ ۲۰ [2] المیزان الکبریٰ للشعرانی جلد ۱ صـ ۶۲

(ترجمہ) امام ابوحنیفہؒ حضورؐ سے نقل شدہ حدیث کو معمول بہ ٹھہرانے سے پہلے یہ ضروری ٹھہراتے تھے کہ اسے اس صحابیؓ سے ان جیسے نیک لوگوں کی ایک جماعت نے روایت کیا ہو۔

محقق ابن الہمامؒ (۸۶۱ھ) کی حضرت امام کے اس اصل پر گہری نظر تھی۔ آپؒ تصریح کرتے ہیں۔ کہ جب کوئی صحابیؓ اپنی روایت کردہ حدیث پر عمل نہ کرے اس کے خلاف فتوے دے تو وہ روایت از خود حجت نہ رہے گی۔ کیونکہ اس کے ساتھ تواترِ عمل ثابت نہیں ہوسکا۔ حضرت امام کا یہ نظریہ بیشک نہایت سخت ہے روایت کے ساتھ راوی کا عمل ساتھ ساتھ چلے۔ ایسے راوی تو صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بھی بہت کم ملیں گے۔ حضرت امامؒ تواترِ عمل کے اس حد تک قائل تھے۔ کہ وہ اس کی تائید میں ان روایات و آثار سے مدد لیتے تھے جو اپنی جگہ مرسل ہوں۔ مگر عملاً اتصال رکھتے ہوں۔ آپؒ کی املاء کردہ کتاب الآثار اور امام مالکؒ کے مؤطا میں آپؒ اسی نظریہ کو جگہ جگہ کارفرما پائیں گے۔

حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

انه كان يذهب فى ذلك الى عرضها على ما اجتمع عليه من الاحاديث و معانى القرآن فما شذ من ذلك رده وسماه شاذاً[1]

(ترجمہ) امام صاحبؒ ایسے موقع پر اس روایت کو اس موضوع کی دوسری احادیث اور قرآنی مطالب سے ملا کر دیکھتے جو روایت اس مجموعی موقف سے علیحدہ رہتی آپؒ اسے (عمل میں) قبول نہ کرتے اور اس کا نام شاذ isolated رکھتے۔

حضرت امام کے نظریہ حدیث میں یہ اصول بھی کارفرما ہے کہ آثارِ صحابہ اور ضعیف حدیث کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ ان کے ہاں آثارِ صحابہ اور ضعیف حدیث کے ہوتے ہوئے اجتہاد اور قیاس سے کام نہ لینا چاہیئے۔ اپنی رائے پر ضعیف حدیث اور آثار صحابہ کو ترجیح دینی چاہیئے۔ یہ یہ صرف حضرت امام کی ہی رائے نہ تھی کل فقہاء عراق اسی نظریہ کے تھے۔ علامہ ابن حزمؒ نے اس پر فقہاء عراق کا اجماع نقل کیا ہے

نوٹ | ضعیف حدیث سے یہاں وہ روایت مراد نہیں جس کا ضعف انتہائی شدید قسم کا ہو یا وہ موضوع ہونے کے بالکل قریب جاچکی ہو۔

---

[1] الموافقات للشاطبی جلد ۳ صـ ۲۶

متکلمین کا جو طبقہ مسائل ذات وصفات میں تاویل کی راہ چلا حضرت امام اس مسلک کے نہ تھے۔ اس باب میں آپ محدثین کی روش پر تھے اور آیات صفات پر بلاتاویل ایمان رکھتے تھے۔ حافظ ابن کثیر (۷۷۴ھ) آپ کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں :-

الامام، فقیہ العراق، احد ائمۃ الاسلام والسادۃ الاعلام، احد ارکان العلماء احد الائمۃ الاربعۃ اصحاب المذاہب المتبوعۃ۔[۱]

علامہ ذہبیؒ (۷۴۸ھ) آپ کے لئے امام اعظم کا لقب اختیار کرتے ہیں اور لکھتے ہیں :-

...... کان اماماً ورعاً عالماً عاملاً متعبداً کبیر الشان۔[۲]

الامام اعظم، فقیہ العراق حضرت امام متورع، عالم عامل، متقی اور کبیر الشان تھے۔

امام مکی بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ اعلم اہل الارض تھے[۳] یعنی کرۂ ارضی کے اپنے وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔ علم ان دنوں علم حدیث کو ہی کہا جاتا تھا۔

علامہ ابن خلدونؒ فرماتے ہیں کہ ابوحنیفہؒ علم حدیث کے بڑے مجتہدین میں سے تھے۔[۴] اور لکھتے ہیں کہ فقہ میں آپ کا مقام اتنا بلند تھا کہ کوئی دوسرا ان کی نظیر نہ تھا اور ان کے تمام ہمعصر علماء نے ان کی اس فضیلت کا اقرار کیا ہے خاص طور پر امام مالکؒ اور امام شافعی نے۔[۵]

امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن سعید القطان (۱۹۸ھ) فرماتے ہیں کہ ہم خدائے قدوس کی تکذیب نہیں کرتے۔ ہم نے امام ابوحنیفہؒ سے بہتر رائے اور بات کسی سے نہیں دیکھی۔[۶]

آپ بھی حضرت امام کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں :-

کان یحیی القطان یفتی بقول ابی حنیفۃ ایضاً۔[۷]

یہ اس درجہ کے امام تھے کہ امام احمدؒ فرماتے ہیں :-

مارأیت بعینی مثل یحیی بن سعید القطان۔[۸]

میں نے اپنی آنکھوں یحییٰ بن سعید کی مثل کسی کو نہ دیکھا۔

اس درجے کے عظیم القدر محدث کا فقہی مسائل میں امام ابوحنیفہؒ کی پیروی کرنا اور ان کے

---

[۱] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۷ [۲] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۱۵۸ [۳] مقدمہ اوجز المسالک صفحہ ۶۲ [۴] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۴۴۵
[۵] مقدمہ صفحہ ۴۴۸ [۶] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ صفحہ ۴۴۹ [۷] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۲ [۸] ایضاً صفحہ ۲۷۵

قول پر فتوے دینا اس بات کا پتہ دیتا ہے کہ حضرت امامؒ حدیث و فقہ میں کتنا اونچا مقام رکھتے تھے۔

عبداللہ بن داؤدؒ کہتے ہیں :۔

جب کوئی آثار یا حدیث کا قصد کرے تو (اس کے لیئے) سفیانؒ ہیں اور جب آثار یا حدیث کی باریکیوں کو معلوم کرنا چاہیے تو امام ابو حنیفہؒ ہیں۔[1]

امام مسعر بن کدامؒ (۱۵۵ھ) کی جلالتِ قدر سے کون واقف نہیں، شعبہ کہتے ہیں ہم نے ان کا نام مصحف (قرآن) رکھا ہوا تھا یحییٰ بن سعید القطانؒ کہتے ہیں میں نے حدیث میں ان سے زیادہ ثابت کسی کو نہیں پایا۔ محمد بن بشرؒ کہتے ہیں میں نے اُن سے دس کم ایک ہزار احادیث لکھیں۔ یہ مسعر بن کدامؒ حضرت امامؒ کے ہم سبق تھے۔ آپؒ کہتے ہیں :۔

طلبت مع ابی حنیفة الحدیث فغلبنا واخذنا فی الزهد فبرع علینا وطلبنا معه الفقه فجاء منه ما ترون۔[2]

(ترجمہ) میں نے اور ابو حنیفہؒ نے اکٹھے حدیث پڑھنی شروع کی وہ ہم پر غالب رہے علم حدیث میں ہم سب طلبہ سے بڑھ گئے ہم زہد و سلوک میں پڑے تو اس میں بھی وہ کمال پر پہنچے اور ہم نے اُن کے ساتھ فقہ پڑھنا شروع کیا تو اس میں بھی وہ اس مقام پر آپہنچے جو تم دیکھ رہے ہو۔

مسعر بن کدامؒ جیسے محدث کی یہ شہادت حضرت امام کے علم حدیث میں اسبق ہونے کی ایک کھلی دلیل ہے۔ کم از کم پانچ لاکھ احادیث بیک نظر آپ کے سامنے ہوتی تھیں آپ نے اپنے بیٹے حماد کو جن پانچ حدیثوں پر عمل کرنے کی وصیت کی ان کے بارے میں فرمایا کہ میں نے یہ پانچ لاکھ احادیث سے انتخاب کی ہیں وصیت ۱۹ کے تحت لکھتے ہیں"

ان تعمل لخمسة احادیث جمعتها من خمس مائة الف حدیث[3]

ترجمہ۔ ان پانچ احادیث کو خاص طور پر معمول بہ بنانا میں نے انہیں پانچ لاکھ احادیث سے چنا ہے

---

[1] سیر الاحناف صـ۲۹ [2] مناقب ابی حنیفہ للذہبی صـ۲۷ [3] وصیۃ الامام الاعظم لابنہ حماد صـ۶۵ [4]

۱۔ لکل امرئ ما نوی۔ ۲۔ من حسن اسلام امرأ ترکه مالا یعنیه۔ ۳۔ لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیه ما یحب لنفسه۔ ۴۔ ان الحلال بیّن والحرام بیّن وبینهما مشتبهات۔ ۵۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔

حضرت امام اعظمؒ کی تابعیت

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت جو عمر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تھی حضرت امامؒ تقریباً اسی عمر کے تھے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے کئی صحابہؓ موجود تھے۔ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ (۸۷ھ) سہل بن سعد ساعدیؓ (۹۱ھ) حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) حضرت عبداللہ بن بُسرؓ المازنی (۹۶ھ) حضرت عامر بن واثلہ الاسقعؓ (۱۰۲ھ) اس وقت زندہ تھے۔ حضرت عامرؓ کی وفات کے وقت حضرت امامؒ کی عمر ۲۲ سال کی تھی اور حضرت عبداللہ بن ابی اوفیؓ تو رہتے ہی کوفہ میں تھے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں:۔

مولده سنة ثمانين راى انس بن مالكؓ غير مرة لما قدم عليهم الكوفة۔[1]

(ترجمہ) حضرت امامؒ کی پیدائش ۸۰ھ میں ہوئی آپؒ نے حضرت انس بن مالکؓ (۹۳ھ) کو جب وہ کوفہ گئے تو کئی دفعہ دیکھا۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضورؐ سے گیارہ برس کی عمر میں روایت لے سکتے ہیں تو حضرت امامؒ حضرت انسؓ سے حدیث کیوں نہ سن سکتے تھے۔ یہ بات کسی طرح سمجھ میں نہیں آتی۔ کہ آپؒ نے حضرت انسؓ کی بارہا زیارت کی ہو اور اُن سے احادیث نہ سُنی ہوں۔ نہ حضرت انسؓ کے بارے میں تصور کیا جاسکتا ہے کہ وہ اپنی مجالس میں احادیث نہ پڑھتے ہوں یہ علیحدہ بات ہے کہ امام نے انہیں روایت نہ کیا ہو

اہلِ کوفہ کی ایک منفرد عادت

اہلِ کوفہ حدیث کے بارے میں کچھ زیادہ ہی محتاط ہوئے ہیں۔ خطیب بغدادی لکھتے ہیں:۔

ان اهل الكوفة لم يكن الواحد منهم يسمع الحديث الا بعد استكمال عشرين سنة۔[2]

ترجمہ۔ اہلِ کوفہ میں سے کوئی بیس سال کی عمر سے پہلے حدیث کا باقاعدہ سماع نہ کرتا تھا۔

اس صُورتِ حال میں بہت ممکن ہے کہ آپؒ نے اُن سے احادیث سُنی تو ہوں لیکن بیس سال سے کم ہونے کے باعث اُنہیں آگے عام روایت نہ کیا ہو۔ دارقطنی کا یہ کہنا کہ آپؒ نے حضرت انس بن مالکؓ کو دیکھا تو ضرور ہے لیکن اُن سے احادیث نہیں سنیں۔ اس معنی پر محمول ہوگا کہ بیس سال سے کم عمر کے سماع کو اہلِ کوفہ سماع شمار نہ کرتے تھے اور جہاں کہیں حضرت امامؒ نے ان سے روایت کر دی وہ محض تبرک کے طور پر ہوگی اور عام عادت سے ایک استثناء ہوگا۔ حافظ بدرالدین عینیؒ اور ملا علی قاریؒ

[1] تذکرہ جلد ۱ صد ۱۵۸ [2] الکفایہ صد ۵۴

نے حضرت امام کا صحابہؓ سے روایت لینا تسلیم کیا ہے۔

یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں کہ حضرت امامؒ نے حضرت عائشہ بنت عجردؓ سے بھی حدیث سنی ہے۔ اور وہ براہِ راست حضورؐ سے اپنا سماع پیش کرتی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:۔

ان اباحنیفة صاحب الرای سمع عائشه بنت عجرد وتقول سمعت رسول الله صلی الله علیه وسلم[1]

الحاصل حضرت امامؒ تابعین میں سے تھے اور یہ وہ فضیلت ہے جو ائمہ اربعہؒ سے اور کسی کو حاصل نہیں ہے۔ ملا علی قادری نے مسند الامام صد پر حضرت امام کی عائشہ بنت عجرد سے روایت نقل کی ہے۔

حضرت امام اعظمؒ کی ثقاہت

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں:۔

قال محمد بن سعد العوفی قال سمعت یحیٰی بن معین یقول کان ابوحنیفة ثقة لا یحدث بالحدیث الا بما یحفظ ولا یحدث بما لا یحفظ[2]

(ترجمہ) محمد بن سعدؒ عوفی نے یحییٰ بن معینؒ سے سنا وہ کہتے تھے ابوحنیفہؒ ثقہ ہیں وہی حدیث روایت فرماتے جو آپؒ کو یاد ہوتی اور جو یاد نہ رہتی اُسے بیان نہ کرتے تھے۔

جن لوگوں نے حضرت امام کی اس ثقاہت کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے اُن کے پاس سوائے تعصب اور دشمنی کے اور کوئی وجہ جرح نہیں ملتی ——— یہ یحییٰ بن معین کون ہیں اور کس درجے کے ہیں؟ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ علم رجال میں یہ ہم میں سے سب سے آگے ہیں[3] اب ان کی توثیق کے مقابلے میں بھلا کس کی بات سنی جا سکتی ہے۔ آپؒ سے اگر روایات کم ہیں تو اس کی صرف یہ وجہ ہے کہ آپؒ کی شروط روایت بہت سخت تھیں۔

خطیب بغدادی یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک حدیث نقل کرنے کے لئے یہ شرط تھی کہ وہ سننے کے بعد سے اسے برابر یاد رہنی چاہیئے۔ اگر یاد نہ رہے تو اس کو روایت کرنا آپ کے نزدیک درست نہ تھا۔

---

[1] لسان المیزان جلد صہ [2] تہذیب التہذیب جلد صہ [3] تذکرہ جلد ۲ صہ ۱۲

حضرت امام کے اقران

جو لوگ حضرت امام کو اپنے وقت کے دیگر اہل علم سے جدا رکھنے کی کوشش کرتے ہیں. وہ یہ نہیں دیکھتے کہ حضرت امام قرون وسطیٰ تک صحابہ و تابعین کے علم کے اسی طرح وارث شمار ہوتے رہے ہیں جس طرح حضرت سفیان الثوری، امام اوزاعی، اور امام مالک وغیرہم من جبال اہل العلم اور آپ کا علم اسی درجہ میں سند سمجھا جاتا رہا ہے جس طرح ان حضرات کا ـــــ حافظ شمس الدین الذہبی (۷۴۸ھ) ایک جگہ علم منطق جدل اور حکمت یونان پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :-

لم تکن واللہ من علم الصحابة والتابعین ولا من علم الاوزاعی والثوری
ومالك وابی حنیفة وابن ابی ذئب وشعبة ولا واللہ عرفها ابن المبارك
ولا ابو یوسف ولا وکیع ولا ابن المهدی ولا ابن وهب ولا الشافعی ولا
ولا عفان ولا ابو عبید ولا ابن المدینی واحمد وابو ثور والمزنی والبخاری
والاثرم ومسلم والنسائی وابن خزیمة وابن شریح وابن المنذر وامثالهم
بل کانت علومهم القرآن والحدیث والفقه والنحو وشبه ذلك۔[1]

(ترجمہ) یہ علم بخدا صحابہ اور تابعین کے علوم میں سے نہیں نہ یہ اوزاعی، سفیان ثوری امام مالک، امام ابوحنیفہ، ابن ابی ذئب اور امام شعبہ کے علوم میں سے ہیں۔
بخدا انہیں نہ عبداللہ بن مبارک نے جانا نہ امام ابو یوسف نے نہ امام وکیع نے نہ عبدالرحمٰن بن المهدی نے نہ ابن وہب نے اور نہ امام شافعی نے الخ

کچھ انصاف کیجئے اور دیکھئے کہ امت اسلامیہ نے جن جبال علم کو جنم دیا اور جن کے علم و فن پر یہ امت اب تک نازاں ہے. کیا ان میں بلا کسی استثنار امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا ذکر نہیں کیا جا رہا. ان حضرات نے اگر حدیث کم روایت کی ہے تو اس کی وجہ یہ تھی صالحین اولین کا ایک طبقہ یہ مسلک رکھتا تھا کہ زیادہ حدیث روایت نہ کی جائے. علامہ شعبی فرماتے ہیں :-

کرہ الصالحون الاولون الاکثار من الحدیث۔[2]

۱؎ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صـ ۱۹۲ ۲؎ ایضاً صـ ۷۷

علامہ ذہبیؒ نے مذکورہ بالا عبارت میں امام ابوحنیفہؒ کو کن ائمہ علم کے ساتھ برابر کا شریک کیا ہے سفیان الثوریؒ، امام مالکؒ اور اوزاعیؒ کے ساتھ اور یہ وہ حضرات ہیں کہ اگر کسی بات پر متفق ہو جائیں تو اس کا سنت ہونا از خود ثابت ہو جاتا ہے۔ گو اس کی سنیت پر کوئی نص موجود نہ ہو۔

اسحٰق بن ابراہیمؒ کہتے ہیں:۔

اذا اجتمع الثوری و مالك والاوزاعی علی امر فهو سنة وان لم يكن فيه نص۔ تذکرہ ص۱۹۵

اب آپ ہی اندازہ کریں کہ حضرت امامؒ کس درجہ کے ائمہ علم کے ساتھ برابر کی نسبت رکھتے تھے اور یہ کہ آپ کے اقران میں کون کون سے جبال علم تھے۔

محدثین میں اہل الرائے

ائمہ حدیث میں اہل الرائے صرف وہی حضرات ہوئے جو مجتہد کے درجہ تک پہنچے تھے نص صریح نہ ہونے کی صورت میں کسی مسئلہ میں رائے دینا کوئی معمولی کام نہ تھا۔ ابن قتیبہؒ نے معارف میں اصحاب الرائے کا عنوان قائم کر کے ان میں سفیان الثوریؒ، امام مالکؒ اور امام اوزاعیؒ کو بھی ذکر کیا ہے۔ سو اگر کسی نے امام ابوحنیفہؒ کو اہل الرائے میں لکھ دیا تو یہ ان کے مجتہدانہ مقام کا ایک علمی اعتراف ہے محدث ہونے کا انکار نہیں پھر صرف حنفیہ کرام ہی تک اہل الرائے نہیں حافظ محمد بن الحارث الخشنی نے قضاۃ قرطبہ میں مالکیہ کو بھی اصحاب الرائے میں ذکر کیا ہے۔ علامہ سلیمان بن عبد القوی الطوفی الحنبلی نے اصول حنابلہ پر مختصر الروضہ کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں ہے:۔

اعلم ان اصحاب الرای بحسب الاضافة هم كل من تصرف فی الاحكام بالرای فيتناول جميع علماء الاسلام لان كل واحد من المجتهدين لا يستغنی فی اجتهاده عن نظر و رای ولو بتحقيق المناط وتنقيحه الذی لا نزاع فيه۔

جان لو کہ اصحاب الرائے باعتبار اضافت تمام وہ علماء ہیں جو احکام میں فکر کو راہ دیتے ہیں سو یہ لفظ تمام علماء اسلام کو شامل ہو گا کیونکہ مجتہدین میں سے کوئی بھی اپنے اجتہاد میں نظر و رای سے مستغنی نہیں گو وہ تحقیق مناط سے ہو اور اس تنقیح سے جس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

تدوین فقہ کے کام کو سرانجام دینے کے باعث حضرت امامؒ نے حدیث کا کوئی مجموعہ مرتب نہیں کیا لیکن فقہی مباحث کے ضمن میں بہت سی احادیث آپ نے اپنے تلامذہ کے سامنے روایت

کیں۔ آپ کی جو روایات آپ سے آگے آپ کے تلامذہ میں چلتی رہیں انہیں حصکفیؒ نے جمع کیا ہے پھر ابوالمؤید محمد بن محمود الخوارزمی نے تمام مسانید کو ۶۶۵ھ میں یکجا جمع کیا۔ اسی مجموعہ کو مسند امام اعظمؒ کہا جاتا ہے۔ اس کے لائق اعتماد ہونے کے لیئے موسیٰ بن زکریا حصکفی کی ثقہ شخصیت کے علاوہ یہ بات بھی لائق غور ہے کہ عمدۃ المحدثین ملا علی قاریؒ جیسے اکابر نے اس مسند امام کی شرح لکھی ہے۔ جو سند الانام کے نام سے معروف ہے اور علماء میں بے حد مقبول ہے۔

امام وکیع بن الجراح کی علمی منزلت اور فن حدیث میں مرکزی حیثیت اہل علم سے مخفی نہیں ہے صحیح بخاری اور صحیح مسلم آپ کی مرویات سے بھری پڑی ہیں۔ علم حدیث کے ایسے بالغ نظر علماء کا امام ابوحنیفہؒ سے حدیث سننا اور پھر ان کے اس قدر گرویدہ ہو جانا کہ انہی کے قول پر فتوے دینا حضرت امام کی علمی منزلت کی ناقابل انکار تاریخی شہادت ہے۔ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ امام الجرح والتعدیل یحییٰ بن معین سے نقل کرتے ہیں:۔

وکان (وکیع) یفتی برأی ابی حنیفة وکان یحفظ حدیثه کله وکان قد سمع من ابی حنیفة حدیثاً کثیراً۔[1]

(ترجمہ) حضرت وکیع حضرت امام ابوحنیفہ کی فقہ کے مطابق فتوے دیتے تھے اور آپ کی روایت کردہ تمام احادیث یاد رکھتے تھے اور انہوں نے آپ سے بہت سی احادیث سُنی تھیں۔

حافظ شمس الدین الذہبی (۷۴۸ھ) بھی وکیع کے ترجمہ میں لکھتے ہیں:۔

قال یحیی ما رأیت افضل منه یقوم اللیل ویسرد الصوم ویفتی بقول ابی حنیفة۔[2]

وکیع جیسے حافظ الحدیث اور عظیم محدث کا آپ کی تقلید کرنا اور فقہ حنفی پر فتوے دینا حضرت امام کے مقام حدیث کی ایک کھلی شہادت ہے۔ پھر چند نہیں آپ نے ان سے کثیر احادیث سُنیں۔

علم حدیث اور علم فقہ کے علاوہ آپ کی کلام پر بھی گہری نظر تھی۔ عراق کے کوفی اور بصری اعتقادی فتنوں نے حضرت امام کو اس طرف بھی متوجہ کر دیا تھا۔ آپ نے محدثین کے مسلک پہ رہتے ہوئے ان الحادی تحریکات کا خوب مقابلہ کیا۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں:۔

"علم عقائد اور علم کلام میں لوگ ابوحنیفہ کے عیال اور خوشہ چیں ہیں"[3]

---

[1] کتاب الانتقاء جلد ۲ صفحہ ۱۵۔ جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۹ [2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۲۸۲ [3] بغدادی جلد ۱۳ صفحہ ۱۶۱

علامہ ابن خلدونؒ لکھتے ہیں :- والامام ابو حنیفۃ انما قلت روایتہ لما شدد فی الروایۃ والتحمل[1]۔

ترجمہ۔ اور امام ابو حنیفہ کی روایات قلیل اس لیئے ہیں کہ آپ نے روایت اور تحمل روایت کی شرطوں میں سختی کی ہے۔

بایں ہمہ آپ کثیر الروایۃ تھے وکیع نے آپ سے کثیر احادیث سنی ہیں۔

حضرت امام اوزاعیؒ (۱۵۷ھ)

آپؒ محدث تھے اور حدیث کے بہت بڑے عالم تھے۔ علامہ ذہبیؒ آپؒ کو شیخ الاسلام اور الحافظ لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ آپؒ اس قابل تھے کہ آپؒ کو خلیفہ وقت بنایا جائے[2]۔ امام ابو زرعہؒ (۲۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ امام اوزاعیؒ سے دین اور فقہ کا بڑا ذخیرہ منقول ہے۔ آپؒ اہل شام کے مرجع اور مفتی اعظم تھے۔ مدتوں اہل شام میں آپؒ کی پیروی جاری رہی۔ امام ابن مہدیؒ کا بیان ہے کہ حدیث کے مرکزی امام چار ہیں جن میں امام اوزاعیؒ بھی شامل ہیں اور فرمایا کہ اہل شام میں اُن سے بڑا سنت کا کوئی عالم نہ تھا[3]۔ امام ابو اسحٰق فزاریؒ کا بیان ہے کہ اگر تمام امت کے لیئے خلیفہ انتخاب کرنے کا مجھے اختیار دیا جائے تو میں امام اوزاعیؒ کا انتخاب کروں گا۔ اہل شام کے ساتھ اہل اُندلس میں بھی ایک عرصہ تک آپؒ کی تقلید جاری رہی[4]۔ ائمہ اربعہؒ کی طرح آپؒ بھی اس وقت کے امام متبوع رہے۔ عبد الرحمٰن بن مہدیؒ اسی جہت سے کہا کرتے تھے کہ آپؒ امام فی السنۃ ہیں[5] امام فی الحدیث نہیں۔ اس سے مراد اُن کے محدث ہونے کا انکار نہ تھا، مطلب یہ تھا کہ آپؒ سنت قائمہ میں منسلک ہوئے اور امت کے ایک طبقہ میں آپؒ کی پیروی جاری ہوئی۔

حافظ ابن کثیرؒ آپؒ کو الامام الجلیل علامۃ الوقت اور فقیہ اہل الشام لکھتے ہیں۔ امام عبید اللہ بن عبد الکریمؒ نے فرمایا کہ میں نے امام اوزاعیؒ سے بڑا عقلمند، پرہیز گار، عالم، فصیح، با وقار، حلیم اور خاموش طبع کوئی دوسرا نہیں دیکھا[6]۔

امام سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ)

آپؒ کوفہ کے رہنے والے تھے۔ کوفہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور حضرت علیؓ کی آمد کے باعث علم کا

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ص [2] تذکرۃ الحفاظ [3] تہذیب التہذیب جلد ۶ ص ۲۳۹ [4] تذکرہ جلد ا ص ۱۶۸

[5] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۱۱۵ [6] الاکمال ص ۶۲۸

گہوارہ بنا ہوا تھا۔ گو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے مسند نشین حضرت امام ابوحنیفہؒ ہوئے۔ مگر اس میں شک نہیں کہ اختلافِ ائمہ میں اہل کوفہ کے الفاظ ان کو بھی شامل سمجھے جاتے ہیں۔ صاحبِ مشکوٰۃ فرماتے ہیں:

سفیان الثوری امام فی الحدیث ولیس بامام فی السنۃ والاوزاعی امام فی السنۃ ولیس بامام فی الحدیث ومالک بن انسؒ امام فی جمیعہا۔[1]

آپؒ نے ایک مجموعہ حدیث بھی مرتب فرمایا تھا جس کا نام جامع سفیان ثوری تھا، یہ مجموعہ آپ نے کوفہ میں تحریر کیا تھا۔ فتح الباری وغیرہ میں جامع سفیان الثوری کا ذکر کئی جگہ ملتا ہے۔[2]

عن ثابت الزاھد قال کان اذا اشکل علی الثوری مسئلۃ قال ما یحسن جوابہا الا من حسدناہ ثم یسأل عن اصحابہ ویقول ما قال فیہ صاحبکم فیحفظ الجواب ثم یفتی بہ۔[3]

ثابت زاہدؒ جو کہ امام سفیان ثوریؒ کے تلامذہ اور امام بخاریؒ اور امام ترمذیؒ کے اساتذہ میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب امام سفیان ثوریؒ کو کسی مسئلہ میں کوئی اشکال پیش آتا تو فرماتے کہ اس کا جواب بہتر طور پر وہی دے سکتا ہے جس پر ہم لوگ (یعنی تم لوگ) حسد کرتے ہیں یعنی امام ابوحنیفہؒ۔ پھر امام ابوحنیفہؒ کے تلامذہ سے پوچھتے کہ بتلاؤ تمہارے استاد اس بارہ میں کیا فرماتے ہیں اور پھر اس کو یاد رکھتے اور اسی کے مطابق فتوے دیتے تھے۔

اس سے بھی یہی معلوم ہوا کہ حدیث کا عالم فقط وہی نہیں جسے کہ حدیث کے الفاظ زیادہ یاد ہوں بلکہ حدیث کا اصل عالم اور امام وہی ہے۔ جو حدیث کے معانی اور اس کے حقائق و دقائق کو بخوبی سمجھتا ہو۔ اور حدیث کی حفاظت و خدمت کا جذبہ رکھتا ہو۔ امام ابوحنیفہؒ حدیث کے اس قدر قائل تھے کہ حدیث ضعیف کو بھی قیاس پر مقدم رکھتے۔ الحدیث الضعیف احب الی من رای الرجال ان کا مشہور قول ہے کوفہ کے محدثین حدیث کے بغیر فقیہ بننا جرم سمجھتے تھے۔

وکان سفیان الثوری وابن عینیہ وعبداللہ بن سنان یقولون لو کان احدنا قاضیاً لضربنا بالجرید فقیہاً لا یتعلم الحدیث ومحدثاً لا یتعلم الفقہ۔ لواقح الانوار صـ۳۶

(ترجمہ) سفیان ثوریؒ اور سفیان بن عینیہؒ اور عبداللہ بن سنان کہا کرتے تھے کہ اگر ہم

---

[1] الاکمال صـ۶۲۸ [2] دیکھئے فتح الباری کتاب الجہاد جلد۶ صـ۵ [3] کتاب المناقب للموفق جلد ۱ صـ۲۲۸

میں سے کوئی قاضی ہو جائے تو دو شخصوں کو ضرور کوڑے لگائیں۔ ایک وہ کہ جو فقہ سیکھتا ہو اور حدیث کا علم حاصل نہ کرتا ہو اور ایک وہ جو حدیث پڑھتا ہو اور فقہ حاصل نہ کرتا ہو۔[1]

علامہ ذہبیؒ نے امام ثوریؒ کو الامام، شیخ الاسلام، سید الحفاظ اور الفقیہ لکھا ہے۔[2] امام شعبہؒ و ابن معینؒ اور ایک کثیر تعداد جماعت کہتی ہے کہ سفیانؒ فن حدیث میں امیر المؤمنین تھے۔ ابن مبارکؒ نے کہا کہ میں نے گیارہ سو شیوخ سے احادیث کی سماعت کی ہے۔ جن میں سفیان ثوریؒ سے افضل کسی کو نہ پایا۔ امام اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ اس سرزمین پر کوئی بھی ایسا نہیں رہا کہ جس پر تمام امت متفق ہو۔ ہاں مگر حضرت سفیان ثوریؒ ایسے ضرور تھے۔[3] حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ سفیان ثوریؒ احد ائمۃ الاسلام اور عابد و متقدی اور احد التابعین تھے۔[4] علامہ خطیبؒ لکھتے ہیں کہ وہ ائمہ مسلمین میں سے تھے۔ اور بڑے امام اور اعلام دین کے بہت بڑے علم تھے۔ سب کا ان کی امامت پر اتفاق ہے۔[5] امام سیوطیؒ لکھتے ہیں آپ کے مقلد پانچویں صدی کے بعد تک پائے جاتے رہے ہیں۔[6]

حضرت امام مالکؒ (د ۱۷۹ھ)

حضرت امام مالکؒ امام دار الہجرۃ کے نام سے معروف ہیں۔ حدیث کی خدمت میں آپؒ نے حدیث کی مشہور کتاب مؤطا تالیف کی۔ اس کتاب کو مرتب کرنے کے بعد ستر علماء کے سامنے پیش کیا گیا۔ تو سب نے مؤاطات (موافقت) ظاہر کی۔ اسی لیے اس کا نام مؤطا رکھا گیا۔

حضرت شاہ ولی اللہؒ کے قول کے مطابق مؤطا میں سترہ سو کے قریب روایات ہیں جن میں سے ۶۰۰ مسند اور ۳۰۰ مرسل ہیں۔ بقایا فتاویٰ صحابہؓ اور اقوال تابعین ہیں۔ حضرت امام مالکؒ سے مؤطا پڑھنے والے حضرات میں امام شافعیؒ، یحییٰ المصمودیؒ اور امام محمدؒ کے اسماء سرفہرست ہیں۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اصح الکتاب بعد کتاب اللہ الموطا۔ مگر یہ بات اس وقت کی ہے جب صحیح بخاری اور صحیح مسلم تالیف نہ ہوئی تھیں۔

---

[1] لواقح الانوار صد ۳۶ [2] تذکرہ جلد ۱ صد ۱۹۰ [3] ایضاً صد ۱۹۱ [4] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صد ۱۳۴ [5] بغدادی جلد ۹ صد ۱۵۲ تہذیب التہذیب جلد ۴ صد ۱۱۱ [6] تدریب الراوی صد ۳۶

محدث نے الفاظِ حدیث کی خدمت کی تو اس کا نام حافظِ حدیث ہوا اور مجتہد نے معانی حدیث کی خدمت کی تو اس کا لقب عالمِ حدیث اور فقیہ ہوا۔ امام مالکؒ میں اللہ تعالیٰ نے یہ دونوں خصوصیات ودیعت فرمائی تھیں کہ احادیث کا ذخیرہ بھی جمع کیا اور فقہ کے بھی امام ٹھہرے۔

اخرج ابن ابی حاتم من طریق مالك بن انسؓ عن ربیعة قال ان الله تبارك و تعالیٰ انزل الیکم الکتاب مفصلا و ترك فیه موضعًا للسنة و سن رسول الله صلی الله علیه وسلم و ترك فیهما موضعا للرأی[۱]

(ترجمہ) امام مالکؒ امام ربیعہؒ سے نقل کرتے ہیں کہ ربیعہؒ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مفصل کتاب نازل فرمائی اور اس میں حدیث کے لیئے جگہ چھوڑی اور آنحضرتؐ نے بہت سی باتیں حدیث میں بیان فرمائیں۔ اور قیاس کے لیئے جگہ رکھی۔

الفاظ مقصود بالذات نہیں، مقصود اطاعت اور اتباع شریعت ہے اور یہ مقصد معانی کے سمجھنے سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ مقصود بالذات معنی ہیں الفاظ نہیں الفاظ مقصود بالعرض ہیں۔

امام مالکؒ تبع تابعینؒ کے طبقہ میں تھے۔ آپؒ کے شیوخ و اساتذہ کی تعداد نو سو تھی۔ جن میں تین سو تابعینؒ اور چھ سو تبع تابعینؒ تھے[۲] امام شافعیؒ کا فرمان ہے کہ آپؒ کو اگر حدیث کے ایک ٹکڑے پر بھی شک پڑ جاتا تو پوری کی پوری ترک کر دیتے تھے۔ محدثینؒ کے نزدیک اصح الاسانید میں بحث ہے۔ مشہور ہے کہ جس کے راوی مالکؒ نافعؒ سے اور نافعؒ ابن عمرؓ سے ہوں وہ اسناد سب سے صحیح ہے۔[۳] لیثؒ، ابن مبارکؒ، امام شافعیؒ اور امام محمدؒ جیسے مشاہیر امت آپؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ اور ابن وہبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے مدینہ میں منادی سُنی، کہ مدینہ میں ایک مالک بن انسؒ اور ابن ابی ذئبؒ کے سوا کوئی فتوے نہ دیا کرے۔[۴] امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ میں نے امام اسحٰق بن ابراہیمؒ سے سنا وہ فرماتے ہیں کہ اگر امام مالکؒ امام اوزاعیؒ اور امام ثوریؒ کسی مسئلہ پر متفق ہو جائیں تو وہی مسئلہ حق اور سنت ہو گا اگرچہ اس میں نص نہ موجود ہو۔[۵] ابن سعدؒ فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ ثقہ، مامون، ثبت، متورع، فقیہ، عالم اور حجت ہیں[۶] علامہ ذہبیؒ نے لکھا ہے کہ امام مالکؒ الامام

---

[۱] درمنثور للسیوطی ص۔ [۲] تہذیب الاسماء للنووی ص۔ [۳] ترجمان السنۃ جلد ا ص۲۴۲ [۴] مشاہیر امت ص۲۹ از قاری محمد طیبؒ [۵] تذکرۃ الحفاظ جلد ا ص۱۹۵ [۶] تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص۸

الحافظ فقیہ الامت شیخ الاسلام اور امام دارالہجرت تھے۔[۱] آپؒ کا مسلک زیادہ تر اندلس ومغرب پہنچا۔[۲] افریقی ممالک خصوصاً مغربی افریقہ میں زیادہ تر انہی کے مقلد ہیں۔ اس جلالت علم کے باوجود وہ امام ابوحنیفہ کے معتقد تھے۔ نظر مالك فی کتب ابی حنیفة وانتفاعه بها کما رواه الدراوردی وغیره۔[۳]

سو یہ حقیقت ہے۔ کہ امام مالک کا امام ابوحنیفہ کی کتابوں کو دیکھنا اور ان سے نفع حاصل کرنا ثابت ہے۔

حضرت امام ابویوسفؒ (۱۸۲ھ)

الامام القاضی یعقوب ابویوسفؒ کوفہ میں پیدا ہوئے۔ حدیث کے بہت بڑے عالم اور امام تھے علامہ ذہبیؒ نے آپؒ کو حفاظ حدیث میں شمار کیا ہے اور لکھا ہے کہ امام احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معینؒ آپؒ کے تلامذہ میں سے تھے۔ آپؒ اپنے دورِ قضا میں ہر روز دو دو سو رکعت ادا فرمایا کرتے تھے۔ ابن خلکانؒ کہتے ہیں کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہیں قاضی القضاۃ کا لقب دیا گیا۔ آپؒ امام ابوحنیفہؒ کے معروف تلامذہ میں سے تھے۔ سترہ سال آپؒ کے ساتھ رہے۔ سب سے پہلے اصولِ فقہ آپؒ نے ہی مرتب کیے۔ ابن خلکانؒ لکھتے ہیں۔

ولم یختلف یحییٰ بن معین واحمد بن حنبل وعلی ابن المدینی فی ثقته فی النقل۔[۴]

(ترجمہ) نقل کے بارے میں یحییٰ بن معینؒ اور احمد حنبلؒ اور علی بن المدینیؒ کو آپؒ کی ثقاہت میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

امام ابن عبدالبرؒ امام طبریؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ امام ابویوسفؒ فقیہ، عالم اور حافظ تھے۔ پچاس ساٹھ تک احادیث وہ ایک ہی مجلس میں یاد کر لیا کرتے تھے اور وہ کثیر الحدیث تھے۔[۵] علامہ ذہبیؒ کا کہنا ہے کہ ابویوسفؒ حسن الحدیث ہیں۔[۶] امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ جب مجھے حدیث کا شوق پیدا ہوا تو سب سے پہلے امام ابویوسفؒ کی خدمت میں حاضر ہوا۔[۷] اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ کس درجہ کے محدث تھے۔ علامہ عبدالقادرؒ (۶۹۶ھ) کہتے ہیں کہ مشرق ومغرب تک کی قضا اُن کے سپرد تھی۔[۸] امام نسائیؒ آپؒ کو ثقہ لکھتے ہیں۔[۹] امام بیہقیؒ نے بھی آپؒ کو ثقہ فرمایا ہے۔[۱۰] امام مزنیؒ کا بیان

---

[۱] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۱۹۳ [۲] بستان المحدثین صفحہ ۲۶ [۳] انتقاء صفحہ ۱۴ [۴] ترجمان السنۃ جلد ۱ صفحہ ۲۵ [۵] انتقاء صفحہ ۱۷۲
[۶] تلخیص المستدرک جلد ۱ صفحہ ۲۷ [۷] بغدادی جلد ۱۴ صفحہ ۲۵۵ [۸] الجواہر المضیہ جلد ۲ صفحہ ۲۲۱
[۹] کتاب الضعفاء الصغیر صفحہ ۸۷ [۱۰] السنن الکبریٰ جلد ۱ صفحہ ۳۴۷

ہے کہ فقہاء اور اصحاب الرائے میں ابو یوسفؒ سب سے زیادہ حدیث کی اتباع کرنے والے تھے[1]
امام ابن معینؒ آپؒ کو صاحبِ حدیث اور صاحبِ سنّت کہتے ہیں[2]۔ اور اُن سے یہ بھی منقول ہے
کہ اصحاب الرائے میں آپؒ سب سے زیادہ حدیثیں روایت کرنے والے تھے اور اثبت فی
الحدیث تھے۔ علامہ ذہبیؒ نے آپؒ کو الامام العلامہ اور فقیہ العراقین لکھا ہے[3]۔ امام ابن قتیبہؒ (۲۷۶ھ)
بھی آپؒ کو صاحبِ سنّت اور حافظ لکھتے ہیں[4]۔ ہلال بن یحییٰؒ نے فرمایا کہ تفسیر و مغازی اور تاریخ عرب
کے حافظ تھے اور فقہ تو آپؒ کے علوم کا ادنیٰ جزء تھا[5]۔ آپؒ نے اعمشؒ، ہشام بن عروہؒ، سلیمان تیمیؒ،
ابو اسحاق شیبانیؒ، یحییٰ بن سعید الانصاریؒ سے بھی احادیث روایت کیں۔ آپؒ نے مختلف علوم میں تصانیف
کیں۔ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اُن کی مفصل فہرست لکھی ہے۔ کتاب الخراج آپؒ کی مشہور
تصنیف ہے جو خلیفہ ہارون الرشید کے نام آپؒ کی چند تحریروں کا مجموعہ ہے[6]۔ آپ کا ارشاد ہے

"وکنت ربما ملت الی الحدیث فکان ھو البصر بالحدیث الصحیح منی"[7]

حضرت امام محمدؒ (۱۸۹ھ)

آپؒ امام ابوحنیفہؒ کے نہایت قابلِ اعتماد شاگرد تھے۔ بلکہ یُوں کہیے کہ حضرت امامؒ کے علوم زیادہ تر
آپؒ ہی کے ذریعہ پھیلے۔ آپؒ نے حضرت امامؒ کی وفات کے بعد مزید تکمیل امام ابو یوسفؒ سے کی اور
اس کے بعد امام مالکؒ سے بھی مؤطا سُنا۔ مگر جو عقیدت حضرت امامؒ سے ہو چکی تھی اس کے نقوش کسی دائرہ علم
میں مٹ نہ سکے۔ ابُوعبیدہؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمدؒ سے بڑھ کر قرآن کا عالم اور کوئی نہیں دیکھا۔ مشہور
ہے کہ آپؒ نے علومِ دینیہ میں ۹۹۰ کتب تصنیف کیں[8]۔ امام شافعیؒ بھی آپؒ کے تلامذہ میں سے تھے
حدیث کی مشہور کتاب "موطا امام محمد" آپؒ ہی کے نام سے معنون ہے۔ اس کی محدثِ کبیر ملا علی قاریؒ
نے مبسوط شرح لکھی ہے۔ حضرت مولانا عبدالحی لکھنویؒ نے التعلیق الممجد کے نام سے اس پر ایک مبسوط

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۱۸۰ [2] تذکرہ جلد ا صفحہ ۲۷۰ [3] تذکرہ جلد ا صفحہ ۲۶۹ [4] معارف ابن قتیبہ صفحہ ۱۷۱
[5] ترجمان السنہ جلد ا صفحہ ۲۴۹ [6] سیرت النعمان صفحہ ۱۷۱/۱۷۲ [7] مقدمہ اعلاء السنن صفحہ ۲-۳ نقلاً عن ابن
حجر المکیؒ [8] الفوائد البہیہ و ترجمان السنہ جلد ا صفحہ ۲۵۱

حاشیہ لکھا ہے[1] موطا امام مالکؒ اور موطا امام محمدؒ ہر دو کتب آج بھی دینی مدارس میں دورہ حدیث میں پڑھائی جاتی ہیں۔ امام شافعیؒ کا قول مشہور ہے کہ میں نے امام محمدؒ سے بقدر ایک اونٹ کی کتابوں کے علم حاصل کیا[2]۔ امام بخاریؒ کے استاد یحییٰ بن معینؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جامع صغیر خود امام محمدؒ سے لے کر لکھی ہے جو اُن کی مشہور تصنیف ہے۔ امام حربیؒ کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا کہ آپؒ یہ مسائل دقیقہ کہاں سے بیان فرماتے ہیں تو کہا کہ امام محمدؒ کی کتب سے[3]۔ امام محمدؒ نے مسعر بن کدامؒ سفیان ثوریؒ مالک بن دینارؒ اور امام اوزاعیؒ وغیرہ حضرات سے[4] بھی احادیث روایت کیں۔ امام محمدؒ کی شہرت زیادہ تر فقہ میں ہے۔ مگر وہ تفسیر، حدیث اور ادب میں بھی اجتہاد کا درجہ رکھتے ہیں۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں۔ کہ میرے والد نے تیس ہزار درہم ترکہ میں چھوڑے تھے۔ پندرہ ہزار میں نے نحو، شعر اور ادب پر خرچ کیے اور پندرہ ہزار فقہ و حدیث کی تعلیم پر صرف کیے[4]۔ امام دارقطنیؒ (۳۸۵ھ) آپؒ کو ثقات اور حفاظِ حدیث میں شمار کرتے ہوئے ایک مقام پر لکھتے ہیں۔ کہ یہ حدیث بیس عدد ثقات اور حفاظِ حدیث نے بیان کی ہے۔ جن میں امام محمد بن الحسن الشیبانیؒ، یحییٰ بن سعید القطانؒ، عبداللہ بن المبارکؒ، عبدالرحمٰن بن مہدیؒ اور ابن وہبؒ وغیرہ شامل ہیں[5]۔

حضرت امام شافعیؒ (۲۰۴ھ)

امام محمد بن ادریس الشافعیؒ کی پرورش انتہائی نامساعد حالات اور تنگدستی میں ہوئی۔ بسا اوقات آپؒ کو علمی یادداشتوں کو تحریر کرنے کے لئے کاغذ بھی میسر نہ آتا تھا۔ آپؒ جانوروں کی ہڈیوں پر بھی لکھ لیتے تھے۔ تیرہ سال کی عمر میں امام مالکؒ کی خدمت میں پہنچے۔ مؤطا حفظ کر چکے تھے۔ دوسرے سال عراق چلے گئے۔ آپؒ کو پندرہ سال کی عمر میں آپؒ کے شیخ مسلم بن خالدؒ نے فتوے نویسی کی اجازت دے دی تھی۔ علم حدیث و فقہ اور تفسیر و ادب میں کمال حاصل کیا۔ امام نوویؒ نے شرح مہذب میں لکھا ہے کہ امام عبدالرحمٰن بن مہدیؒ کے فرمانے پر آپؒ نے اصولِ فقہ پر "الرسالہ" تحریر کیا۔ آپؒ کو اصول فقہ کا موسس کہا جاتا ہے۔ فقہ میں آپؒ صرف صحیح احادیث کو لیتے اور ضعیف کو ترک کر دیتے۔ آپؒ کی تصنیف کتاب الام اور الرسالہ آج بھی دستیاب ہیں۔

---

[1] بستان المحدثین ص۴۹ [2] تہذیب الاسماء جلد۱ ص۸۱ [3] ایضاً ص۸۱-۸۲ [4] بغدادی جلد۲ ص۱۷۳ [5] نصب الرایہ جلد۱ ص۴۰۹

وقال الزعفرانی کان اصحاب الحدیث رقوداً حتی ایقظھم الشافعی وقال ربیع بن سلیمان کان اصحاب الحدیث لا یعرفون تفسیر الحدیث حتی جاء الشافعی[1]

(ترجمہ) زعفرانیؒ کہتے ہیں کہ اصحابِ حدیث محوِ خواب تھے۔ امام شافعیؒ نے آکر انہیں بیدار کیا (یعنی معانی اور فقہ کی طرف متوجہ کیا) ربیع بن سلیمانؒ کہتے ہیں۔ کہ اصحابِ حدیث تفسیر اور شرح سے واقف نہ تھے امام شافعیؒ نے آکر حدیث کے معانی سمجھائے۔

علامہ ذہبیؒ آپؒ کی تعریف یوں کرتے ہیں:۔

الامام العلم، حبر الامۃ وناصر السنۃ۔[2]

اونچے درجہ کے امام۔ امت کے عالم اور سنت کے مددگار تھے۔

امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں اگر امام شافعیؒ نہ ہوتے تو میں حدیث کے ناسخ و منسوخ کو ہرگز نہ پہنچتا ان کی مجلس میں بیٹھنے سے مجھ کو یہ سب کچھ حاصل ہوا۔[3] علماء کا آپؒ کی ثقاہت و عبادت اور نزاہت و امانت اور زہد و ورع پر اتفاق ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے لکھا ہے کہ امام شافعیؒ جب بغداد تشریف لائے تو امام احمد بن حنبلؒ نے اس حلقۂ درس کو چھوڑ دیا جس میں یحییٰ بن معینؒ اور ان کے معاصرین شریک ہوتے تھے اور امام شافعیؒ کی صحبت اختیار کی حتیٰ کہ اگر امام شافعیؒ کہیں جاتے تو امام احمدؒ اُن کی سواری کے ساتھ ساتھ چلتے یحییٰ بن معینؒ کو یہ ناگوار گزرا اور کہلا بھیجا کہ یہ طریقہ ترک کر دیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے کہلا بھیجا کہ اگر فقہ (مفہوم حدیث) سمجھنا چاہتے ہو تو امام شافعیؒ کی سواری کی دُم پکڑ کر چلو۔ آپؒ کے خادم ہو۔[4] آپؒ فقہ و حدیث کے امام اور جلیل القدر عالم ہونے کے ساتھ ساتھ سخی بھی تھے۔ بقول حمیدیؒ آپؒ ایک مرتبہ صنعاء سے تشریف لائے۔ خیمہ مکّہ سے باہر لگا ہوا تھا۔ اور آپؒ کے پاس دس ہزار دینار تھے۔ لوگ آپؒ کی ملاقات کے لیئے آتے تھے تو آپؒ ان میں تقسیم فرماتے۔ یہاں تک دس ہزار دینار اُسی جگہ تقسیم کر دیئے۔[5]

شروع شروع میں تحقیقِ اسناد پر آپؒ کی توجہ زیادہ تھی۔ ان کے ہاں حدیث کی قبولیت کا

---

[1] توالی التاسیس للحافظ ابن حجر ص۵۹ [2] تذکرہ جلد ا ص۳۲۹ [3] مشاہیر امت از قاری محمد طیب صاحب ص۲۸

[4] توالی التاسیس (ابن حجر) ص۵۷ [5] ترجمان السنۃ جلد ا ص۲۴۶

معیار اس کی صحت سند تھا۔ استفاضہ عمل کو کچھ نہ سمجھتے تھے۔ لیکن آخری دور میں آپؒ بھی اس طرف پلٹے۔ جو امام ابوحنیفہؒ اور امام مالکؒ کا نظریہ تھا کہ تواتر عمل کے ہوتے ہوئے اسناد کی ضرورت نہیں رہتی۔ بیس رکعت تراویح کے ثبوت میں اُن کے پاس کوئی صحیح حدیث نہ تھی۔ آپؒ نے یہاں اہلِ مکہ کے عملی استفاضہ سے استدلال کیا۔ امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

وقال الشافعی وھکذا ادرکت ببلدنا بمکۃ یصلون ـــــ عشرین رکعۃ۔[1]

ترجمہ:۔ اور امام شافعی نے کہا اور اسی طرح پایا ہم نے شہر مکہ میں لوگوں کو بیس رکعت تراویح پڑھتے ہی۔

اس فکری تبدیلی کے باعث بہت سے مسائل میں آپؒ کے دو دو قول ملتے ہیں قول قدیم اور قول جدید ـــــ اور فقہاء شافعیہ میں اس کی بحث رہی ہے۔

امام شافعیؒ کے تفردات

کبھی آپؒ اپنی تحقیق میں سب ائمہ کو پیچھے چھوڑ دیتے ہیں۔ ان مسائل کو آپؒ کے تفردات کہا جاتا ہے۔ فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھنے میں آپؒ دوسرے سب اماموں سے علیحدہ ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے قائل تھے۔ مگر اسے فرض نہ سمجھتے تھے۔ ائمہ اربعہ میں سے تین امام امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنے کو فرض نہیں کہتے۔ امام شافعیؒ اس مسئلہ میں سب سے علیحدہ ہیں اس طرح آپؒ کے کچھ اور تفردات بھی ہیں۔

مسئلہ طلاق میں آپؒ جمہور امت کے ساتھ ہیں منفرد نہیں۔ آپؒ ایک مجلس میں تین دفعہ دی گئی طلاق کو تین طلاق قرار دیتے تھے۔ آپؒ کے مقلدین کو بھی اس مسئلہ میں کبھی اختلاف نہیں ہوا۔ ایک مجلس میں تین دفعہ دی گئی طلاق گو سنت کے خلاف ہے طلاق بدعت ہے۔ لیکن اس کے واقع ہو جانے میں ائمہ اربعہ کا اختلاف نہیں۔

حضرت امام نووی شافعیؒ لکھتے ہیں:۔

وقد اختلف العلماء فیمن قال لامرأتہ انت طالق ثلثا فقال الشافعی ومالک و ابوحنیفۃ واحمد وجماھیر العلماء من السلف والخلف یقع الثلاث۔[2]

---

[1] جامع ترمذی جلد ۱ صہ ۱۳۹ [2] نووی شرح مسلم جلد ۱ صہ ۲۹۰۔

سو یہ کہنا کسی طرح درست نہیں کہ مسئلہ طلاق میں آپؒ دوسرے ائمہ سے منفرد تھے اور ان کا طریقہ موجودہ دور کے غیر مقلد حضرات کا سا تھا۔

آپؒ حضرت امام ابو حنیفہؒ کا بہت احترام کرتے۔ دل و دماغ سے اُن کی جلالت علمی کا اعتراف کرتے۔ ایک دفعہ حضرت امامؒ کی مسجد میں نماز پڑھی تو رکوع کے وقت رفع یدین نہ کیا۔ لوگوں نے سبب پُوچھا تو فرمایا کہ حضرت امامؒ کا علمی رعب میرے دل پر چھا گیا تھا۔ احترام اکابر کی اس سے بڑی روشن مثال اور کیا ہو گی۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ)

اپنے زمانہ کے متفق علیہ امام اور جلیل القدر محدث تھے۔ علی بن المدینیؒ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دین کو دو اشخاص کے ذریعے عزت نصیب فرمائی۔ پہلے شخص فتنہ ارتداد کے وقت حضرت ابو بکر صدیقؓ تھے اور دوسرے فتنۂ خلقِ قرآن کے وقت حضرت امام احمد بن حنبلؒ تھے۔ امام احمدؒ امام المحدثین تھے۔ بخاریؒ مسلمؒ اور ابو داؤدؒ سب حضراتؒ آپؒ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ آپؒ صاحبِ مذہب ہیں۔ آپؒ کی فقہ فقہ حنبلی کے نام سے موسوم ہے۔ آپؒ کو ایک لاکھ کے قریب احادیث یاد تھیں۔ آپؒ کی مسند احمد میں بہت سی وہ احادیث جمع ہیں جو دوسرے محدثین کے ہاں نہیں ملتیں۔ ثابت قدمی، حق گوئی اور اتباعِ سنّت میں اپنی مثال آپ تھے۔ یہ آپؒ کا استقلال ہی تھا کہ فتنۂ خلقِ قرآن میں روزانہ کوڑے کھاتے مگر خلقِ قرآن کا اقرار ہرگز نہ کرتے۔ جب انتقال ہوا تو آٹھ لاکھ مرد اور ساٹھ ہزار عورتیں جنازہ میں شریک ہوئیں۔ حنبل بن اسحٰق جو امام احمدؒ کے بھتیجے ہیں انہوں نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ آپؒ نے مسند احمد سات لاکھ سے زیادہ ذخیرۂ احادیث سے منتخب کی ہے۔

علامہ خطیب بغدادیؒ (۴۶۳ھ) اپنی سند کے ساتھ احمد بن محمد بن خالد البراثیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ ہماری موجودگی میں ایک شخص امام احمد بن حنبلؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے حلال

---

[1] نووی شرح مسلم جلد ا ص

وحرام کے ایک مسئلے کے بارے میں دریافت کیا۔ انہوں نے کہا خدا تجھ پر رحم کرے کسی اور سے پُوچھ لے۔ سائل نے کہا حضرتؒ ہم تو آپؒ ہی سے اس کا جواب سننا چاہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا :۔

سل عافاك الله غيرنا سل الفقهاء سل اباثور[1]

(ترجمہ) اللہ تعالیٰ تجھے عافیت سے رکھے کسی اور سے پُوچھ لے۔ فقہاء سے پُوچھ ابوثور سے پوچھ

اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپؒ پر حدیث کا غلبہ تھا۔ فقہ میں آپؒ دوسرے ائمہ کی طرف رجوع کرنے کی تعلیم دیتے تھے۔ آپؒ سرخیلِ محدثین اور مقتدائے ملّت ہیں اور اہلسنّت کے امام ہیں۔ مگر مسائل کے بارہ میں کس قدر احتیاط سے چلتے ہیں کہ دوسرے فقہاء کا راستہ دکھاتے ہیں۔ اور خود فتوے دینے سے حتی الوسع احتراز کرتے ہیں۔ آپؒ فقہاء کی طرف رجُوع کرنے کا اس لیے حکم دیتے کہ فقہاء قرآن و حدیث کے مطابق ہی مسائل کا استنباط کرتے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ امام احمدؒ کی تعریف ان الفاظ سے کرتے ہیں۔ شیخ الاسلام، سید المسلمین، الحافظ، اور الحجۃ[2] امام شافعیؒ فرمایا کرتے تھے کہ میں نے بغداد میں امام احمدؒ سے بڑا کوئی نہیں دیکھا[3] محدث ابراہیم حربیؒ کہا کرتے تھے کہ امام احمد بن حنبلؒ میں اللہ تعالیٰ نے اوّلین و آخرین کے علوم جمع کر دیئے تھے[4]

حضرت امام احمدؒ کا نظریۂ حدیث

حضرت امام احمد بن حنبلؒ آثارِ صحابہؓ کو اپنے لیئے حجّت اور سند سمجھتے تھے۔ آپؒ کا عقیدہ تھا کہ صحابہؓ آسمانِ ہدایت کے روشن ستارے ہیں۔ امت پر اُن کی پیروی لازم ہے۔ صحابی کی بات کو حجۃ تسلیم کرنے میں آپؒ حضرت امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔ حافظ ابن عبدالبر مالکیؒ (۴۶۳ھ) لکھتے ہیں :۔

(قال ابو عمر) جعل للصحابة فی ذلك مالم يجعل لغيرهم واظنه مال الى ظاهر حديث اصحابی كالنجوم والله اعلم والى نحو هذا كان احمد بن حنبل يذهب[5]

ترجمہ۔ امام ابوحنیفہ نے صحابہ کے لیئے وہ درجہ مانا ہے جو دوسرا دیوں کے لیے نہیں آپ حدیث اصحابی کالنجوم کے ظاہر کی طرف مائل ہیں امام احمد کی بھی یہی رائے تھی۔

---

[1] بغدادی جلد ۱ صفحہ ۶۴ [2] تذکرہ جلد ۲ صفحہ ۱۵ [3] بغدادی جلد ۴ صفحہ ۴۱۹ [4] تذکرہ جلد ۲ صفحہ ۱۷ البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ صفحہ ۳۳۵ [5] تذکرہ جلد ۲ صفحہ ۱۸

[5] جامع بیان العلم جلد ۲ صفحہ ۱۴۵

اسی اصول پر آپؒ کا موقف یہ تھا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے سے نماز ہو جاتی ہے۔ کیونکہ حضورؐ کے صحابی حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ پوری صراحت سے فرما چکے ہیں کہ سورۂ فاتحہ پڑھے بغیر نماز نہیں ہوتی مگر امام کے پیچھے[1] آپ ہی سوچیں کہ صحابی کا اس قدر صریح فیصلہ کیا نظر انداز کیا جا سکتا ہے؟

حضرت امام ابو حنیفہؒ کی طرح حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا موقف بھی یہی ہے کہ حدیث ضعیف کو اپنے قیاس اور اجتہاد پر مقدم کرنا چاہیئے ضعیف حدیث کو کلیتہً نظر انداز کر دینا قطعاً صحیح نہیں جب کسی موضوع پر صحیح حدیث نہ ملے تو وہاں ضعیف حدیث کو ہی لے لینا چاہیئے۔ حضرت امام اعظمؒ اور حضرت امام احمدؒ کا مسلک اس باب میں ایک ہے۔ حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) لکھتے ہیں:۔

تقدیم الحدیث الضعیف وآثار الصحابة علی القیاس والرای قوله وقول احمد۔[2]

ترجمہ: ضعیف حدیث اور آثار صحابہ کو قیاس اور رائے پر مقدم کرنا امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے اور یہی قول امام احمد کا ہے۔

نوٹ صحابہؓ کی پیروی سے جو فقہ مرتب ہوئی اللہ تعالیٰ اسے بڑی قبولیت سے نوازتے رہے ہیں۔ تاریخ اسلامی میں حکومتی سطح پر زیادہ تر دو ہی فقہ نافذ العمل رہی ہیں۔ فقہ حنفی اور فقہ حنبلی۔ دورِ اوّل میں قاضی القضاۃ حضرت امام ابو یوسفؒ تھے۔ اس دور میں سعودی عرب کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق بخشی ہے کہ انہوں نے اللہ کی حدود قائم کیں اور فقہ حنبلی کے مطابق فیصلے کیئے۔

جن حضرات کا ہم نے یہاں تذکرہ کیا ہے وہ سب ائمہ حدیث تھے۔ ائمہ حدیث میں صرف وہی حضرات شامل نہیں ہوتے جو کہ صرف روایات کو اسانید اور مختلف طرق سے بیان کر سکیں۔ بلکہ وہ بھی ائمہ حدیث ہوتے ہیں جو حدیث کی کسی بھی نوع کی خدمت کریں۔ خواہ اسناد بیان کریں، خواہ مسائل کا استنباط کریں اور علماء کا اس پر اجماع ہے۔

صاحبِ کنز العمال لکھتے ہیں:۔

حضرت صدیق اکبرؓ کو کوئی مسئلہ پیش آتا تو اہل الرائے اور اہل الفقہ کو مشورہ کے لیئے بلاتے۔ مہاجرینؓ وانصارؓ میں سے اہل علم کو بلاتے۔ حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ،

---

[1] جامع بیان العلم جلد ۲ صہ [2] موطا امام مالک صہ جامع ترمذی جلد ۱ صہ ۴۲ [3] اعلام الموقعین جلد صہ

حضرت علیؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ کو بلاتے. یہی لوگ حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ خلافت میں فتوے دیا کرتے تھے. پھر حضرت عمرؓ خلیفہ ہوئے وہ بھی انہی حضرات سے مشورہ لیا کرتے تھے اور فتوے کا مدار انہی حضرات پر تھا۔[۱]

اس روایت سے صاف ظاہر ہے کہ علماء حدیث سب صحابہ کرام تھے. مگر اہل الرائے اور اہل الفقہ صرف فقہاء صحابہؓ ہی تھے. فقہ حدیث سے جدا کوئی چیز نہ تھی. یہ حدیث کی ہی تفسیر ہوتی تھی. اسے محض رائے سمجھ لینا بہت بڑی غلطی ہے. سوید بن نصرؒ جو کہ امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ کے شیوخ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن مبارکؒ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے:

لا تقولوا رأی ابو حنیفة ولکن قولوا تفسیر الحدیث۔[۲]

(ترجمہ) یہ نہ کہا کرو ابوحنیفہ کی رائے بلکہ کہو یہ حدیث کی شرح اور تفسیر ہے۔

فقہ حدیث سے الگ کوئی چیز نہیں فقہ کے خلاف ذہن بنانا خود حدیث سے بدگمان کرنا ہے لفظ رائ یہ فقہی استنباط کا ہی دوسرا نام ہے. اجتہاد رائے سے ہی تو ہوتا ہے. حضرت عمرؓ نے قاضی شریح کو لکھا تھا۔ فاختر ای الامرین شئت ان شئت ان تجتھد برأیك۔[۳]

ترجمہ. ان دو کاموں میں سے جس کو چاہے اختیار کرلے چاہے تو اپنی رائے سے اجتہاد کرلینا. حضرت زید بن ثابت نے اس کے ساتھ دوسرے مجتہدین سے معلوم کرلینے کی بھی تعلیم دی ہے.

فادع اھل الرای ثم اجتھد واختر لنفسك ولا حرج[۴]۔ دوسرے اہل الرائے سے بھی پوچھ لینا پھر اجتہاد کرنا اور اپنا موقف اختیار کرنا اور اس میں کوئی حرج نہیں.

صحابہ میں حضرت ابوبکرؓ[۵] حضرت عمرؓ[۶] حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت عبداللہ بن مسعود حضرت ابوالدرداء حضرت زید بن ثابت حضرت عبداللہ عباسؓ[۸] اور مغیرہ بن شعبہؓ[۹] سب اہل الرائے تھے۔

---

[۱] کنز العمال جلد ۲ صفحہ ۱۳۴ [۲] کتاب المناقب للموفق جلد ۲ صفحہ ۵۱ [۳] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۶۰ سنن کبریٰ بیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۵ [۴] ایضاً [۵] مستدرک حاکم جلد ۴ صفحہ ۳۴۴ [۶] میزان کبریٰ للشعرانی جلد ۱ صفحہ ۴۹ [۷] شرح فقہ اکبر صفحہ ۹۶ [۸] سنن دارمی جلد ۱ صفحہ ۵۹ مستدرک جلد ۱ صفحہ ۱۲۷ سنن بیہقی جلد ۱۰ صفحہ ۱۱۵ [۹] مستدرک حاکم جلد ۳ صفحہ ۴۴۷

ائمہ جرح و تعدیل

ائمہ حدیث کی وہ جماعت جس نے رواۃِ حدیث کی جانچ پڑتال پر زیادہ توجہ کی اور ان کا موضوع زیادہ تر راویوں کے حالات معلوم کرنا اور ان کے صدق و کذب اور حفظ و ضبط کی دریافت رہا۔ وہ علم حدیث کے بڑے محسنین میں سے ہیں۔ ان میں سے ہم یہاں حضرت امام شعبہؒ (۱۶۰ھ) حضرت سفیان الثوریؒ (۱۶۱ھ) امام مالکؒ (۱۷۹ھ) حضرت امام عبداللہ بن مبارکؒ (۱۸۱ھ) حضرت امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۷ھ) حضرت عبدالرحمٰن بن مہدیؒ (۱۹۸ھ) حضرت یحییٰ بن سعید القطانؒ (۱۹۸ھ) امام سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ) امام یحییٰ بن معینؒ (۲۳۳ھ) امام علی بن المدینیؒ (۲۳۴ھ) اور امام احمد بن حنبلؒ (۲۴۱ھ) کا ذکر کریں گے۔

ان میں سے حضرت امام سفیان الثوریؒ، امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا ذکر ائمہ اصول (ائمہ مجتہدین) کے ذیل میں آچکا ہے۔ باقی آٹھ بزرگوں کا ترجمہ یہاں ملاحظہ کیجئے۔ یہ صحیح ہے کہ امام دارمیؒ (۲۵۵ھ) امام بخاریؒ (۲۵۶ھ) امام نسائیؒ (۳۰۳ھ) بھی جرح و تعدیل میں بہت اہم شخصیتیں ہیں لیکن ان کے تذکرے چونکہ ائمہ تالیف کے ذیل میں آرہے ہیں۔ اس لیے ہم یہاں ان کا ذکر نہ کریں گے۔ ان کے علاوہ بھی بہت شخصیات ہیں جنہوں نے جرح و تعدیل میں نمایاں کام کیا اور ان کی آراء کتب اسماء الرجال میں مذکور ہیں لیکن اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم انہی بزرگوں کے تراجم پر اکتفا کرتے ہیں۔

① امیر المومنین فی الحدیث شعبہ بن الحجاج (۱۶۰ھ) نزیل البصرہ ومحدثہا

ان کی وجہ سے عراق میں علم حدیث بہت پھیلا۔ شیخ صالح بن محمد جزرہؒ کہتے ہیں کہ اسماء الرجال میں سب سے پہلے شعبہؒ نے کلام کیا۔ پھر یحییٰ بن سعید القطانؒ نے پھر امام احمدؒ اور یحییٰ بن معینؒ نے ــــــ سو یہ چار حضرات اس فن کے عمائدین میں سے ہیں۔ آپ نے ثابت بنانیؒ، حماد بن

ابی سلیمانؒ، اعمشؒ، معاویہ بن قرۃؒ، عمرو بن مرہؒ، حکمؒ، سلمہ بن کہیلؒ، انس بن سیرینؒ، یحییٰ بن ابی کثیرؒ اور حضرت قتادہؒ سے حدیث سُنی، آپ نے چارسو کے قریب تابعینؒ سے روایت لی ہے۔ آپؒ سے حضرت سفیان الثوریؒ، ایوب السختیانیؒ اور حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ جیسے اکابر نے حدیث پڑھی۔ امام سفیان الثوریؒ آپ کو امیرالمومنین فی الحدیث کہتے تھے۔ امام احمدؒ فرماتے ہیں۔ آپ فنِ رجال اور حدیث کی معرفت میں فردِ کامل تھے۔ ابن المدینیؒ کہتے ہیں۔ شعبہ احفظ للمشائخ وسفیان احفظ للابواب ــــــ سلیمان بن ابی الشیخؒ کہتے ہیں :۔

منشأ شعبة واسط وعلمه کوفی۔[۱] شعبہ نے پرورش واسط میں پائی اور علم کوفہ میں پایا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ کوفہ کس طرح علم حدیث کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا۔

۲ حضرت امام عبداللہ بن المبارکؒ (۱۸۱ھ)

علامہ ذہبیؒ کہتے ہیں۔ الامام الحافظ العلامہ شیخ الاسلام فخر المجاہدین قدوۃ الزاہدین۔[۲] ایک ہزار اساتذہ سے روایت لی۔ ابواسامہؒ کہتے ہیں۔ امیرالمومنین فی الحدیث۔ آپ کے تلامذہ کی متفقہ رائے آپ کے بارے میں یہ تھی :۔

جمع بین العلم[۳] والفقه والادب والنحو واللغة والزهد والشجاعة والشعر والفصاحة وقیام اللیل والعبادة والحج والغزو۔[۴]

ابن سعدؒ آپ کو مقتدر، الحجہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں۔[۵] امام نسائی فرماتے ہیں :۔

"ابن المبارکؒ کے زمانہ میں اُن سے زیادہ جلیل القدر، بلند مرتبہ اور تمام بہترین خصائل کا جامع ہمارے علم میں نہیں گزرا۔"

حضرت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد تھے۔ اس جلالتِ شان کے باوجود بَرملا فرماتے :۔

ہم امام ابوحنیفہؒ کے سامنے بیٹھتے تو اس طرح محسوس کرتے جیسے چڑیاں باز کے سامنے بیٹھی ہوں۔ حضرت امام نوویؒ لکھتے ہیں۔ کہ ان کی امامت اور جلالت پر سب کا اتفاق ہے۔ وہ تمام

۱؎ تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ صفحہ ۱۸۴ ۲؎ ایضاً صفحہ ۲۵۳ ۳؎ علم سے مراد ان دنوں علم حدیث لیا جاتا تھا ۴؎ تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۵۴
۵؎ تہذیب الاسماء جلد ۱ صفحہ ۲۸۵

چیزوں کے امام تھے۔ ان کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے اور ان کی محبت سے بخشش کی امید کی جاتی ہے
آپ مرو کے رہنے والے تھے بارہا بغداد آئے امام ابوحنیفہ سے کوفہ میں ہی پڑھا۔

(۳) امام وکیع بن الجراحؒ (۱۹۷ھ) الامام الحافظ محدث العراق

کوفہ کے جلیل القدر امام ابوسفیان الرواسیؒ وکیع بن الجراحؒ نے ہشام بن عروہؒ، جعفر بن یرقانؒ، اعمشؒ، سفیان الثوریؒ اور امام اوزاعیؒ سے حدیث سُنی۔ آپ سے علی بن المدینیؒ، یحییٰ بن معینؒ اور امام احمدؒ نے روایت لی۔ آپ سفیان الثوریؒ کے علمی جانشین سمجھے جاتے تھے۔ آپ فقہ میں بھی بہت بالغ النظر تھے۔ ابراہیم بن شماسؒ کہتے ہیں۔ کان وکیع افقہ الناس۔ ابن عمار کہتے ہیں :-

ما کان بالکوفۃ فی زمان وکیع افقہ ولا اعلم بالحدیث منہ[1]۔

(ترجمہ) امام وکیع کے زمانے میں کوفہ میں ان سے بڑا فقیہ اور بڑا محدث کوئی نہ تھا۔

آپ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتوے دیتے تھے[2]۔ اتنے بڑے امام کا حضرت امام کا مقلد ہونا پتہ دیتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب کس قدر حدیث کے قریب تھا۔ الجواہر المضیہ میں ضمیری سے نقل ہے کہ آپ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد بھی تھے۔ حضرت امام احمدؒ فرماتے ہیں :-

ما رأت عینی مثل وکیع قط یحفظ الحدیث ویذاکر الفقہ[3]۔

(ترجمہ) میری آنکھوں نے وکیع کی طرح کسی کو نہیں دیکھا۔ آپ حدیثیں یاد کیا کرتے اور فقہ کی بات چیت جاری رکھتے تھے۔

امام احمدؒ کو اُن کی شاگردی پر بڑا ناز تھا۔ جب ان سے حدیث روایت کرتے تو فرماتے کہ یہ حدیث مجھ سے اس شخص نے روایت کی کہ تمہاری آنکھوں نے اس کی مثل نہ دیکھا ہوگا۔ یحییٰ بن اکثمؒ کہتے ہیں کہ میں سفر و حضر میں آپ کے ساتھ رہا۔ ہمیشہ روزہ رکھتے اور ہر رات قرآن ختم کرتے

(۴) عبدالرحمٰن بن المہدیؒ (۱۹۸ھ)

علی ابن المدینیؒ کہتے ہیں۔ عبدالرحمٰن بن المہدیؒ کا علم حدیث جادو اثر تھا۔ اسماعیل قاضیؒ کہتے

---

[1] تذکرہ جلد ۱ ص ۲۸۳ [2] ایضاً ص ۲۸۲ [3] ایضاً ص ۳۰۳

ہیں آپ علم حدیث میں اعلم الناس تھے۔[۱] آپ نے معاویہ بن صالحؒ، شعبہؒ، سفیانؒ سے حدیث سُنی۔ امام احمدؒ اور علی بن المدینیؒ اور اسحٰق بن راہویہؒ آپ کے شاگرد تھے۔ امام احمدؒ کہتے ہیں۔ کہ عبدالرحمٰنؒ حضرت وکیعؒ سے اثبت تھے۔

علی بن المدینیؒ کہتے ہیں۔ اگر میں مقام ابراہیم اور حجر اسود کے مابین کھڑا ہوں تو حلف اُٹھا سکتا ہوں کہ میں نے کسی کو عبدالرحمٰن کی مثل نہیں دیکھا۔ فقہاء سبعہ کے اقوال کو جاننے میں امام زہری اور امام مالک کے بعد عبدالرحمٰن ہی تو ہیں۔ آپ صرف محدث ہی نہیں بلند پایہ فقیہ بھی تھے۔ فتوے دینے کی پوری بصیرت رکھتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں :۔

کان عبدالرحمٰن فقیھاً بصیراً بالفتویٰ عظیم الشان۔[۱]

اس واضح ہے کہ ان دنوں علم حدیث اور علم فقہ ساتھ ساتھ چلتے تھے اور کسی حلقہ علم میں یہ نہ کہا جاتا تھا کہ حدیث کے ہوتے ہوئے فقہ کی کیا ضرورت ہے؟

⑤ حضرت یحییٰ بن سعید القطانؒ (۱۹۸ھ)

امام نسائیؒ کہتے ہیں۔ "اللہ کی طرف سے حدیث رسول کے امین تین حضرات ہی ہیں۔ ۱۔ امام مالک۔ ۲۔ شعبہ۔ ۳۔ یحییٰ بن سعید القطان۔ آپ نے ہشام بن عروہ، عطاء بن السائب، سلیمان التیمی، یحییٰ بن سعید الانصاری اور اعمش سے حدیث پڑھی۔ آپ سے حضرت عبدالرحمٰن بن المہدی، اور امام احمد نے روایات لیں۔ صحاح ستہ والوں نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔ علی بن المدینی کہتے ہیں۔ ماراٴیت احداً اعلم بالرجال منہ۔[۲]

(ترجمہ) میں نے اسماء الرجال کا عالم ان سے بڑھ کر کسی کو نہیں پایا۔

رواۃ کی تحقیق میں اس قدر کمال تھا کہ بڑے بڑے ائمہ حدیث کہتے جس کو یحییٰ چھوڑ دیں گے اس کو ہم بھی چھوڑ دیں گے۔[۳] فقہی مسائل میں حنفی تھے اور امام ابوحنیفہ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ حافظ ذہبیؒ لکھتے ہیں :۔ کان یحیی القطان یفتی بقول ابی حنیفۃ۔[۴]

یحییٰ بن سعید القطانؒ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتوے دیتے تھے۔

---

[۱] ایضاً [۲] ایضاً صـ۲۷۵ [۳] فتح المغیث صـ [۴] تذکرہ جلدا صـ۲۸۲

حافظ ذہبیؒ نے آپ کو الامام العلم، سید الحفاظ کے القاب سے ذکر کیا کرتے[1]۔ فقہ میں اتنے ماہر اور بالغ النظر تھے کہ جب کسی مسئلہ پر کلام کرتے تمام فقہاء احترام سے خاموش ہو جاتے۔ ابن عماد کہتے ہیں۔ اذا تکلم انصت لہ الفقہاء[2]۔ حدیث میں یہ مقام تھا کہ امام احمدؒ کہا کرتے تھے:۔

یحیی القطان اثبت الناس وما کتبت عن احد مثلہ[3]۔

(ترجمہ) یحیی بن سعید القطان حدیث میں سب سے زیادہ پختہ ہیں، میں نے جس سے بھی حدیث لکھی اُن جیسا کوئی نہ پایا۔

حدیث میں اتنے بڑے جلیل القدر امام کا حنفی المذہب ہونا اس بات کی قوی شہادت ہے کہ حنفی فقہ حدیث کے بہت قریب ہے۔ ورنہ اتنے بڑے بڑے ائمہ فن امام کے قول پر فیصلے نہ دیتے۔

⑥ حضرت سفیان بن عیینہؒ (۱۹۸ھ)

ابن المدینیؒ کہتے ہیں امام زہریؒ (۱۲۴ھ) سے جس قدر لوگوں نے حدیث پڑھی۔ اُن میں سفیان بن عیینہؒ سے زیادہ متقن اور سچتہ فہم کوئی نہ تھا۔ آپ نے عمرو بن دینارؒ، زہریؒ، اسود بن قیسؒ، یزید بن اسلمؒ، عبداللہ بن دینارؒ، اعمشؒ اور شعبہ سے حدیث سُنی اور آپ سے عبدالرحمن بن المہدیؒ، حضرت امام شافعیؒ، امام احمدؒ، امام یحیی بن معینؒ اور اسحق بن راہویہؒ نے روایات لیں۔ آپ کبھی اپنے شیخ کا نام چھوڑ کر اُوپر کے راوی سے بھی روایت کر دیتے۔ لیکن محدثین کہتے ہیں کہ آپ انہی شیوخ کا نام چھوڑتے جو ثقہ ہوتے تھے۔ عبدالرحمن بن مہدیؒ کہتے ہیں کہ آپ اہل حجاز کی روایات کے سب سے بڑے عالم تھے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں اگر امام مالکؒ اور سفیان بن عیینہؒ نہ ہوتے تو حجاز میں علم نہ رہتا[4]۔ حافظ ذہبیؒ انہیں العلامۃ الحافظ شیخ الاسلام کہہ کر ذکر کرتے ہیں۔

آپ کو علم حدیث پر سب سے پہلے حضرت امام ابو حنیفہؒ نے متوجہ کیا تھا[5]۔

⑦ حضرت امام یحیی بن معینؒ (۲۳۳ھ)

آپ نے حضرت عبداللہ بن المبارکؒ، معتمر بن سلیمانؒ، یحیی بن ابی زائدہؒ وغیرہم من الائمۃ

---

[1] تذکرہ جلد ۱ صفحہ ۲۷۴ [2] ایضاً صفحہ ۲۷۵ [3] ایضاً [4] ایضاً صفحہ ۲۴۲ [5] الجواہر المضیۃ جلد ۱ صفحہ ۲۵۰ نقلاً عن ابن خلکان

الکبار سے حدیث پڑھی اور آپ سے امام احمدؒ، امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ، امام ابوزرعہؒ اور ابویعلیؒ نے روایات لیں۔ امام احمدؒ آپ کے ہمعصر تھے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یحییٰ بن معینؒ ہم میں سب سے زیادہ اسماء الرجال کے ماہر تھے۔ یحیی بن معین اعلمنا بالرجال[1]۔ امام علی المدینی کہتے ہیں:۔

لا نعلم احداً من لدن آدم علیہ السلام کتب من الحدیث ما کتب یحیی بن معین[2]۔

(ترجمہ) آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک ہم کسی کو نہیں جانتے جس نے اتنی حدیثیں لکھی ہوں جتنی یحییٰ بن معین نے لکھیں۔

امام احمدؒ کا قول ہے کہ جس حدیث کو یحییٰ نہ جانیں وہ حدیث ہی نہیں ہے۔ امام بخاریؒ نے فرمایا میں نے اپنے آپ کو کسی صاحب علم کے سامنے حقیر نہیں پایا سوائے یحییٰ بن معینؒ[3] کے۔ آپ فقہی پہلو سے حنفی المذہب تھے اور حضرت امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتوے دیتے تھے[4]۔

۸ امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ)

زیادہ علم اپنے والد عبداللہ بن جعفر اور حماد بن سے پایا امام بخاری امام ابویعلی موصلی اور امام ابوذر آپکے تلامذہ میں سے تھے عبدالرحمن بن مہدی آپکے استاد ہیں آپ کو اعلم الناس بحدیث رسول اللہؐ کہتے تھے تھے امام نسائی نے فرمایا انہیں علم حدیث میں یہ انہماک تھا گویا اللہ تعالیٰ نے آپکو پیدا ہی اس لیے کیا ہے۔

حضرت امام بخاری (۲۵۶ھ) — محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ

امام محمد بن اسماعیل بخاری حضرت امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) کی طرح فارسی النسل ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ دین ثریا ستاروں سے بھی لٹک جائے تو بعض ابنائے فارس اسے وہاں سے بھی پالیں گے[5] حضرت امام ابوحنیفہ کی طرح آپ بھی اس بشارت کا مصداق ہیں

آپ کے پردادا مغیرہ پہلے عام ابنائے فارس کی طرح مجوسی تھے۔ پھر آپؒ نے امیر بخارا یمان جعفی کے ہاتھ پر ایمان قبول کیا۔ آپ کو محض اس نسبت سے جعفی کہا گیا ہے ورنہ آپ نسلاً جعفی نہ تھے۔ آپ کے والد اپنے زمانے کے مشہور محدث تھے۔ اور امام

---

[1] ایضاً جلد ۲ ص ۱۷۱ [2] ایضاً [3] الرسالۃ المستطرفہ ص ۱۰۵ [4] مسند احمد جلد ۲ ص ۲۹۲ [5] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۲

مالک (۱۷۹ھ) اور امام عبداللہ بن مبارک (۱۸۱ھ) کے شاگرد تھے۔ امام بخاری ؒ صغیر السن تھے کہ والد وفات پا گئے۔ باپ کے ترکہ سے آپ کو کافی و وافی دولت ملی آپ نے اسے بیشتر اللہ کی راہ میں خرچ کیا۔

بخارا سے سولہ سال کی عمر میں حج کے لیے نکلے۔ اٹھارہ سال کی عمر تک مکہ مکرمہ میں رہے۔ پھر چار سال کے قریب مدینہ منورہ میں رہے۔ ان چھ سالوں میں آپ نے حجاز کی ساری علمی دولت پالی۔ پھر آپ نے طلب حدیث میں شام، مصر، نیشاپور، جزیرہ اور عراق کے سفر کیے اور جہاں سے بھی آپ کو کوئی روایت مل سکی آپ نے اس کے حصول میں اپنی طرف سے کوتاہی نہیں کی۔ حافظ ابن کثیر دمشقی (۷۷۴ھ) لکھتے ہیں کہ آپ آٹھ دفعہ بغداد گئے۔[۱] خود فرماتے ہیں:۔

لا احصی کم دخلت الی الکوفۃ والبغداد مع المحدثین۔[۲]

میں شمار نہیں کر سکتا کتنی دفعہ محدثین کے ساتھ کوفہ اور بغداد گیا ہوں۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ عراق ان دنوں علم وفضل کا گہوارہ تھا اور بڑے بڑے محدثین طلب حدیث میں ادھر آتے تھے۔ کوفہ صحابہ کے وقت سے ہی مرکز اسلام بن چکا تھا۔ صحابی رسولؐ حضرت حذیفہ بن یمانؓ (۳۵ھ) فرماتے ہیں۔ الکوفۃ قبۃ الاسلام۔[۳]

مشہور تابعی امام محمد بن سیرین (۱۱۰ھ) کہتے ہیں:۔

میں جب کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبہ حدیث پڑھ رہے تھے۔[۴]

حضرت امام بخاری کا بار بار جانا کوفہ کی علمی عظمت پر ایک کھلی شہادت ہے۔

حضرت امام بخاری نے ایک ہزار سے زائد محدثین سے حدیث سنی[۵] اور نوے ہزار کے قریب تلامذہ نے آپ سے بالواسطہ صحیح بخاری سنی۔ آپ کے اساتذہ میں ابوبکر عبداللہ الحمیدی (۲۱۹ھ)، امام یحییٰ بن معین (۲۳۳ھ)، امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ)، قتیبہ بن سعید (۲۴۰ھ)، امام احمد بن حنبل (۲۴۱ھ)، اسحٰق بن راہویہ (۲۳۸ھ) سرفہرست ہیں۔ ثقات تابعین سے

---

[۱] ارشاد الساری ص۳۱ [۲] مقدمہ فتح الباری جلد ۲ ص۴۷۹ [۳] مستدرک حاکم جلد ۳ ص۸۹ [۴] تدریب ص۲۷۵

روایت کرنے والوں میں سے آپ نے محمد عبداللہ انصاری (ھ) ابو عاصم النبیل (ھ) سے براہِ راست، حدیث سُنی۔ معاصرین میں سے آپ نے محمد بن یحییٰ الذہلی اور ابو حاتم (ھ) سے روایات لیں۔ امام مسلمؒ آپ کے جلیل القدر معاصر تھے۔ انہوں نے بھی آپ سے حدیث سُنی حضرت امام مسلم نے آپ سے قسم کھا کر کہا :۔

اشهد انه ليس في الدنيا مثلك[1]

آپ جیسا محدث روئے زمین پر نہیں ہے۔ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں۔

امام ابو عیسیٰ الترمذی (۲۷۹ھ) اور امام ابو عبدالرحمٰن النسائی (۳۰۳ھ) حضرت امام بخاری کے تلامذہ میں سے تھے۔ ابن خزیمہ کہتے ہیں آسمان کے نیچے کسی عالم کو امام بخاری سے بڑھ کر نہیں پایا[2]۔ اپنے حافظہ کے اعتبار سے آپ اٰیۃ من اٰیات اللہ۔ خدا کی قدرت کا ایک نشان تھے۔

ائمہ اربعہ سے روایت

امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں حضرت امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ سے کوئی روایت نہیں لی۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ حضرت امام بخاریؒ کو ان سے کوئی بُعد اور تعصب تھا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ تو امام بخاری کے براہِ راست استاد تھے اور علم حدیث میں فائق الاقران تھے۔ صحیح بخاری میں آپ نے ان سے بھی صرف دو روایتیں لی ہیں۔ ایک تعلیقاً اور دوسری ایک واسطہ سے —— امام مالکؒ سے مروی صرف پانچ روایتیں صحیح بخاری میں ملتی ہیں —— یہ صورتِ حال اس لیے نہیں کہ ائمہ اربعہ کے پاس حدیثی سرمایہ کم تھا۔ بلکہ اس لیے کہ آپ ان رواۃ حدیث کے علمی سرمائے کو محفوظ کرنا چاہتے تھے جن کے فقہی حلقے نہ بنے تھے اور ان کا علم اسلامی دنیا میں متفرق طور پر پھیلا ہوا تھا۔ آپ چاہتے تھے کہ علم حدیث چند حلقوں میں محدود نہ سمجھا جائے۔ اس پر عالمی سطح پر سَیر حاصل نظر رہے اور ظاہر ہے کہ ائمہ اربعہ کا علم تو ان سے بہت پہلے اکنافِ عالم

---

[1] مقدمہ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۸۵ [2] تہذیب الاسماء واللغات جلد ۱ صفحہ ۲۷

میں پھیل چکا تھا۔

پھر ائمہ اربعہ کا اپنا اپنا طریق استخراج ہے اور حضرت امام بخاریؒ اپنے ابواب صحیح میں اپنے خاص طرز سے حدیث سے استنباط کرنا چاہتے تھے۔ اس لیے آپ پہلے مجتہدین سے ذرا ہٹ کر چلے ہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ ان ائمہ کبار سے ذہناً دور تھے یا ان کے خلاف دل میں کوئی بوجھ رکھتے تھے۔

حضرت امام بخاریؒ کا مسلک

علمائے اہلحدیث کے ہاں امام بخاری شافعی المسلک ہیں[1]۔ علامہ تاج الدین السبکی (۷۷۱ھ) نے بھی آپ کو طبقات شافعیہ میں[2] ذکر کیا ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) بھی آپ کو امام شافعی کے قریب لکھتے ہیں[3]۔ علامہ طاہر الجزائری کی رائے میں آپ مجتہد تھے اور استنباط و استخراج میں آپ کی ایک اپنی راہ تھی۔ صحیح بخاری کے ابواب آپ کے فقہی نقطۂ نظر کے آئینہ دار ہیں۔

یہ صحیح ہے کہ آپ بہت سے مسائل میں امام شافعیؒ کے تابع چلے، اس کی زیادہ تر وجہ یہ ہے کہ آپ نے شیخ عبداللہ الحمیدی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی اور الحمیدی شافعی المذہب تھے، تاہم ان مسائل کی بھی کمی نہیں جن میں آپ نے فقہ شافعی سے اختلاف کیا اور فقہ حنفی کو اختیار کیا اس کا باعث آپ کے استاد اسحٰق بن راہویہ کو سمجھا جاتا ہے ہے۔ محدث کبیر مولانا بدر عالم مدنیؒ نے فیض الباری جلد چہارم کے آخر میں ان مسائل کی ایک فہرست دی ہے جن میں امام بخاری فقہ حنفی کے مطابق چلے ہیں۔

امام بخاریؒ کی مجتہدانہ بصیرت

یہ آپ کی مجتہدانہ بصیرت ہے کہ آپ نے صحیح بخاری کو صرف مرفوع احادیث

---

[1] ابجد العلوم ص۸۱۰ مؤلفہ نواب صدیق حسن خاں صاحب [2] طبقات شافعیہ ص
[3] فتح الباری جلد ا ص۱۲۳

(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال و اقوال) تک محدود نہیں رکھا۔ اس میں صحابہ اور تابعین کے اقوال بھی لائے ہیں۔ ان کے نزدیک ان کے بغیر شریعت کی پوری ترجمانی نہ ہو سکتی تھی ـــــــ اور آپ کے دور تک یہ آواز کہیں سنائی نہ دی گئی تھی کہ ہمیں صرف حضور کے اقوال و اعمال سے غرض ہے۔ صحابہ اور تابعین کے فیصلے اسلام میں کوئی وزن نہیں رکھتے۔ آپ نے اپنے مدینہ منورہ کے قیام کے دوران ایک کتاب قضایا الصحابۃ والتابعین بھی تالیف[۱] کی۔ اس سے آپ کے ذہن و فکر اور آپ کی مجتہدانہ بصیرت کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کس طرح پوری امت کو ساتھ لے کر چلنا چاہتے تھے۔ آپ نے اپنی مرویات پر جابجا قرآنی آیات سے ابواب باندھے ہیں اور قرآن و حدیث کو یک جا پیش کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ آپ کے نزدیک حدیث قرآن کے مقابل نہیں قرآن کے ذیل میں اس کی ایک عملی تفصیل ہے۔

حضرت امام کی دیانت و امانت

آپ کے اجتہاد اور استنباط سے اختلاف ہو سکتا ہے ـــــــ اجلہ مجتہدین کے آپس میں کتنے اختلافات ہیں۔ لیکن آپ کی دیانت و امانت سے اب تک کسی نے اختلاف نہیں کیا۔ آپ نے اپنے فقہی موقف کو ثابت کرنے کے لیے صحیح بخاری میں کوئی کمزور روایت درج نہیں کی۔ صحیح بخاری آپ نے ایک خاص معیار رواۃ کے ساتھ ترتیب دی ہے۔ امام صاحب کو کسی خاص موضوع پر اگر اپنی شرائط کے مطابق روایت نہیں ملی۔ تو آپ نے کسی کم درجہ کی روایت کو وہاں جگہ نہیں دی ہے بلکہ اس کی بجائے اجتہاد اور قیاس سے کام لے لیا ہے۔ حدیث کے باب میں آپ اپنے قائم کردہ معیار سے نیچے نہیں اترے۔

مسئلہ آمین بالجہر میں آپ کے پاس صحیح بخاری کی شرطوں کے مطابق کوئی روایت نہ تھی ـــــــ آپ کے ہاں کسی صحیح حدیث سے حضور کا بلند آواز سے آمین کہنا مروی

---

[۱] مقدمہ فتح الباری جلد ۲ صفحہ ۴۷۹

نہ تھا۔ اسی طرح آپ کے پاس فاتحہ خلف الامام کی کوئی روایت جس میں امام کے پیچھے ہونے کی صراحت ساتھ کی گئی ہو۔ صحیح بخاری کی شرطوں کے مطابق آپ کے پاس موجود نہ تھی ـــــ آپ نے دونوں جگہ قیاس سے کام لیا اور نص کی بجائے استدلال سے اپنی بات کہی حدیث کو آپ جس طرح سمجھ پائے اس اپنی سوچ کو آپ نے ترجمۃ الباب میں لکھ دیا۔ مگر متن میں وہی روایت لکھی جو ان کی صحیح بخاری کی شرطوں کے مطابق تھی۔ گو اس میں اس موضوع کی صراحت نہ ہو۔

قیاسات حضرت امام بخاریؒ

مسئلہ آمین بالجہر میں دیکھئے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اذا امن الامام فامنوا۔[1]

جب امام آمین کہے تو تم آمین کہو۔

مقتدیوں کو امام کے آمین کہنے کا پتہ کیسے چلے؟ امام کے بلند آواز آمین کہنے سے ـــــ اس حدیث میں امام کے بلند آواز سے آمین کہنے کی تصریح نہ تھی۔ آمین بالجہر کی دوسری حدیثیں صحیح بخاری کی شرائط صحت پر پوری نہ اُترتی تھیں اور امام بخاری آمین بالجہر کے مسلک کے تھے۔ اب دیکھئے آپ باوجود شدت ضرورت کے صحیح بخاری میں کمزور حدیث نہیں لاتے اور آمین بالجہر نص سے نہیں قیاس سے ثابت کرتے ہیں آپ کا استدلال یہ ہے کہ اگر امام بآوازِ بلند آمین نہ کہے تو مقتدیوں کو کیسے پتہ چلے گا کہ اس نے آمین کہی ہے یا نہ؟ اور وہ پھر کیسے اس کے ساتھ آمین کہہ سکیں گے۔

استدلال ہذا اسی صورت میں درست بیٹھتا ہے کہ مقتدیوں کو امام کے آمین کہنے کی اس کے آمین بالجہر کہنے کے بغیر کسی اور طرح سے اطلاع نہ ہو سکے ـــــ لیکن مقتدیوں کو اس اطلاع کا اگر کوئی اور ذریعہ بھی ہو سکے تو یہ استدلال درست نہیں رہتا۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صـ۱۰۸

اب آیئے اس قیاس کے مقابل ایک حدیث نبوی دیکھئے —— حضورؐ نے فرمایا۔

اذا قال الامام غیر المغضوب علیھم ولا الضالین فقولوا امین فان الملئکۃ تقول امین وان الامام یقول امین[1]

ترجمہ: جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو تم آمین کہو، فرشتے بھی اس وقت آمین کہتے ہیں اور امام بھی اس وقت آمین کہہ رہا ہوتا ہے۔

اس حدیث نے امام کے آمین کہنے کی خبر دے دی اور موقعہ بھی بتلا دیا کہ امام کب آمین کہتا ہے۔ اب جب امام غیر المغضوب علیہم ولا الضالین کہے تو مقتدی اس کے بعد آمین کہیں —— امام بھی بفحوائے حدیث اس وقت آمین کہہ رہا ہوتا ہے —— اور مقتدیوں کی آمین امام کی آمین سے متعلق ہو جاتی ہے —— سو ضروری نہیں کہ مقتدیوں کو امام کے بلند آواز سے آمین کہنے کا اس کی بلند آواز سے ہی پتہ چلے۔

مقتدیوں کو امام کے آمین کہنے کا اس خبر رسول سے پتہ چلا امام سے خود آمین سُن کر نہیں —— سو وہ سوال جاتا رہا کہ مقتدیوں کو امام کے آمین کہنے کا کیسے پتہ چلے اور اس کی تائید اس دوسری حدیث سے بھی ہو گئی کہ حضورؐ نے مقتدیوں کی آمین کو غیر المغضوب علیہم سے متعلق کر دیا۔ سو اب اس میں امام کی آمین بالجہر کا کوئی اشارہ نہ رہا۔

مسئلہ فاتحہ خلف الامام

امام بخاریؒ امام کے پیچھے الحمد للہ پڑھنے میں بھی حضرت امام شافعیؒ کے مسلک پر تھے۔ امام کے پیچھے الحمد للہ پڑھنے کی صریح حدیثیں جو جامع ترمذی وغیرہ میں حضرت عبادہ بن صامتؓ سے مروی ہیں سنداً صحیح نہ تھیں چہ جائیکہ صحیح بخاری کی شرطوں پر پوری اترتیں۔ امام بخاریؒ کو اپنے ترجمۃ الباب کی مطابقت کے لیے ان کی اشد ضرورت ہے۔ مگر حضرت امام کی امانت اور دیانت دیکھئے۔ وہ ان ضعیف حدیثوں کو صحیح بخاری میں نہیں لائے آپ حضرت عبادہ بن صامت (۳۴ھ) کی صرف اتنی حدیث نقل کرتے ہیں

---

[1] سنن نسائی جلد ۱ صفحہ ۱۰۱

جو سنداً صحیح ہے اور ان کی شرطوں کے مطابق ہے اور اس میں امام کے پیچھے ہونے کی کوئی تصریح نہیں۔ صحیح بخاری میں اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب[1]

اس کی نماز نہیں جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی۔

امام بخاری نے اس کے عموم سے استدلال کیا ہے اور مقتدی پر سورۂ فاتحہ پڑھنی لازم کی ہے۔ اس حدیث میں امام کے پیچھے ہونے کی صراحت نہ تھی اور عام کی دلالت کسی فرد پر صریح نہیں ہوتی۔ امام بخاریؒ کہتے ہیں مقتدی اس عموم میں داخل ہے؟ امام بخاری کے اساتذہ امام احمد اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ یہ حکم امام اور منفرد کے لیے ہے مقتدی اس میں داخل نہیں۔ جامع ترمذی میں حضرت امام احمد (۲۴۱ھ) سے اس کے یہ معنی منقول ہیں:۔

معنی قول النبیؐ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ۔[2]

ترجمہ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کہ جس نے سورۂ فاتحہ نہ پڑھی اسکی نماز نہیں ہوئی کا مطلب یہ ہے کہ نمازی جب اکیلا ہو تو فاتحہ پڑھے بغیر اس کی نماز نہیں ہوتی۔

اور سنن ابی داؤد میں حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) سے بھی یہی معنی مروی ہے کہ یہ حدیث منفرد کے لیے ہے مقتدی کے لیے نہیں لمن یصلی وحدہ۔[3] یہ اس کے لیے ہے جو اکیلا ہو۔ اب آپ ہی کہیں لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب سے مقتدی پر فاتحہ لازم کرنا حضرت عبادہ کی یہ روایت کیا اس پر نص صریح ہے؟ یا امام بخاری اسے محض اس کے عموم سے مقتدی پر لازم کر رہے ہیں اور اپنا اجتہاد کر رہے ہیں؟ ——— ظاہر ہے کہ امام بخاریؒ نے یہاں اپنے مسلک کو نص سے نہیں محض استدلال سے پیش کیا ہے ——— کیا حضرت امام کے پاس مقتدی پر فاتحہ لازم کرنے کی کوئی صریح حدیث موجود نہ تھی؟ یقیناً ہو گی لیکن چونکہ وہ سنداً صحیح نہ تھی اس لیے امام بخاریؒ نے اسے یہاں جگہ نہیں دی آپ کی عظمت کی کھلی شہادت ہے کہ اشد ضرورت کے باوجود آپ اس میں کمزور روایات نہیں لائے۔

---

[1] صحیح بخاری جلد ا ص ۔ [2] جامع ترمذی جلد ا ص ۴۲ [3] سنن ابی داؤد جلد ا ص ۱۱۹

امام بخاریؒ کی دوسری تالیفات

حضرت امام بخاری نے اپنی دوسری تالیفات میں صحت کا وہ معیار قائم نہیں رکھا جو ہمیں صحیح بخاری میں ملتا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ اپنی صحیح بخاری کی شرائط کو کوئی شرعی درجہ نہ دیتے تھے محض احتیاط کی ایک انتہا تھی۔ ورنہ آپ اس سے فروتر درجے کی روایات کا کہیں اعتبار نہ کرتے نہ ان کا ذکر کرتے۔

صحیح بخاری کا سلسلہ اسناد آپ تک متواتر پہنچا ہے۔ ہزاروں محدثین نے آپ سے بالمشافہ اس کتاب کو سنا اور آگے روایت کیا ہے۔ سو یہ ان کتب میں سے ہے جو اپنے مصنفین تک سند متواتر سے پہنچتی ہیں۔ ہاں کچھ اور کتابیں بھی ہیں جو امام بخاری کی طرف منسوب ہیں۔ لیکن ہم یقینی طور پر نہیں کہہ سکتے کہ وہ واقعی ان کی ہوں گی —— ایک رسالہ جزء القراۃ کے نام سے اور ایک جزو رفع الیدین پر آپ کے نام سے ملتا ہے حضرت امام بخاری سے صرف ایک شخص محمود انہیں ذکر کرتا ہے اور اس کا پتہ نہیں چلتا کہ وہ کون ہے؟ ثقہ ہے یا غیر ثقہ۔ تعجب ہے کہ جس امام فن سے صحیح بخاری روایت کرنے والے ہزاروں افراد ہوں اس سے ان دو رسالوں کو نقل کرنے والے دو ثقہ عالم بھی نہ ملیں۔

امام صاحبؒ کی ثقاہت

حضرت امام ثقہ ہیں اور حفظ و ضبط اور دیانت و امانت کے کسی پہلو سے مجروح نہیں۔ مگر افسوس کہ آپ کے بعض معاصرین نے آپ پر بھی جرح کر دی۔ امام ابو حاتم رازی (ھ) کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ نے اس موضوع پہ ایک مستقل کتاب —— نام سے لکھی ہے۔ نام خود اپنے کام کی خبر دے رہا ہے۔

ائمہ کبار کے حق میں اس قسم کی جرحوں کا کوئی اعتبار نہیں کیا۔ حضرت امام ابوحنیفہ پر جرح نہیں ہوئی؟ کیا ابن ابی ذئب نے حضرت امام مالک پر جرح نہیں کی۔ امام

جرح و تعدیل امام یحییٰ بن معین نے کیا حضرت امام شافعی پر جرح نہیں کی؟ کیا آپ نے محدثین کا یہ اصول نہیں پڑھا کہ معاصر کی جرح چنداں لائق اعتبار نہیں ہوتی سو حضرت امام بخاریؒ کے بارے میں کسی محدث کی جرح ہرگز لائق پذیرائی نہیں ہے۔

روایات صحیح البخاری

صحیح بخاری میں ۷۲۹۷ کے قریب روایات مرفوعہ ہیں بعض روایات بہ تکرار آئی ہیں۔ عدم تکرار سے مجموعی احادیث چار ہزار ہوں گی صحابہ کی روایات اور اقوالِ تابعین کی تعداد ساڑھے تین سو کے قریب ہے۔ متابعات اور تعلیقات ساڑھے تیرہ سو کے قریب ہیں۔ بائیس روایات ثلاثیات ہیں جن میں امام بخاری صرف تین واسطوں سے حضورؐ تک پہنچتے ہیں۔

محدثین کے نزدیک سند عالی کا میسر آنا ایک بڑا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ ایک بڑی تاریخ التاریخ الکبیر للبخاری بھی ملتی ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ ان کے استاد امام علی بن المدینی (۲۳۴ھ) کی تالیف ہے جو حضرت امام بخاری نے ان سے سُنی اور پھر انہی کے نام سے مشہور ہو گئی۔

اگر کہیں کوئی کمزور بات[1] اس میں آگئی ہے تو وہ محض ایک اتفاقی بات ہوئی ہوگی کسی خاص مسلک کی تائید اس میں ہرگز مقصود نہ ہوگی۔ حضرت امام بخاریؒ کی عظمت اس پہلو سے نہایت کھل کر سامنے آتی ہے۔

امام دارقطنی کے تعقبات

صحیح بخاری کی ایک سو دس[2] روایات پر امام دارقطنی نے مواخذہ کیا ہے۔ اکابر شارحین نے ان تعقبات کے جواب دیئے ہیں۔ چند مقامات کے سوا کہیں دارقطنی کی تائید نہیں کی۔ صحیح بخاری کے تقریباً اسی راویوں پر جرح کی گئی ہے۔ ان کے بیشتر جوابات

---

[1] جیسے غریب جدًا صحیح بخاری جلد ۱ ص ۵۱۲

محدثین نے دے دیئے ہیں۔ افسوس دارقطنی نے یہ نہیں دیکھا کہ اپنا کیا حال ہے؛ ہر قسم کی سقیم روایات ان کی سنن میں موجود ہیں۔ یہ صاحب تو حضرت امام ابو حنیفہؒ پر بھی جرح کرنے سے نہیں چوکے۔ اگر وہ امام بخاریؒ پر تعقب کریں تو چنداں تعجب نہیں۔

امام مسلم بن حجاج ابوالحسین القشیری (۲۶۱ھ)

خراسان کے مشہور علمی مرکز نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ بغداد کے بعد نیشاپور سب سے بڑا مرکزِ علم سمجھا جاتا تھا۔ نیشاپور میں یحییٰ بن یحییٰ امام اسحٰق بن راہویہ اور امام ذہلی سے، عراق میں امام احمد بن حنبل اور عبداللہ بن مسلمۃ القعنبی سے بغداد میں محمد بن مہران اور ابو غسان سے حجاز میں سعید بن منصور اور ابو مصعب سے اور مصر میں عمرو بن سواد اور حرملہ بن یحییٰ سے اور دیگر کئی ائمہ فن سے حدیث سنی۔ قتیبہ بن سعید، احمد بن یونس یربوعی اور اسمٰعیل بن ابی عویس بھی آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔ حضرت امام بخاری سے بھی بہت استفادہ کیا۔ امام ابو عیسٰی الترمذی، ابوبکر بن خزیمہ، ابو حاتم رازی اور ابو عوانہ آپ کے شاگردوں میں سے ہیں۔

آپ کے استاد اسحٰق بن راہویہ آپ سے بہت متأثر تھے۔ فرمایا ای رجل یکون ھذا۔ معلوم نہیں یہ شخص کس مقام تک پہنچے گا۔ آپ نے صحیح مسلم اس طریق سے ترتیب دی کہ محدثانہ نقطہ نظر سے کوئی دوسری کتاب اس کی برابری نہیں کر سکی۔ پوری حدیث ایک جگہ مل جاتی ہے اور آپ اس کی جملہ اسانید عجیب حسنِ ادا سے ایک جگہ لے آتے ہیں۔ محدثِ کبیر حضرت مولانا بدر عالم مدنی لکھتے ہیں:۔

> یہ تصنیف (صحیح مسلم) فن حدیث کے بہت سے عجائبات پر مشتمل ہے سرد اسانید، متون کا حسن سباق، تلخیص طرق اور ضبط انتشار میں صحیح بخاری پر بھی فائق ہے[۲]

امام مسلم کی اہل شام سے روایت امام بخاری کی اہل شام سے روایت پر فائق

---

[۱] دیکھئے عینی شرح صحیح بخاری ج ۳ صـ ۶۷ [۲] ترجمان السنۃ جلد ا صـ ۲۵۹

سمجھی جاتی ہے۔ کیونکہ حضرت امام بخاری ان سے اکثر بطریق مناولہ روایت کرتے ہیں۔ امام مسلم ان سے مشافہۃً روایت لیتے ہیں۔ امام مسلم اس میں وہی روایات لاتے ہیں جن پر اس وقت کے اکابر اہلِ علم اور شیوخ حدیث متفق ہوں۔ آپ نے صحیح مسلم لکھ کر امام الجرح والتعدیل امام ابوزرعہ کے سامنے پیش کی، جن روایات پر انہوں نے کہیں بھی انگلی رکھی۔ آپ نے انہیں ترک فرمادیا۔

صحیح مسلم کی روایات حذف مکررات کے بعد چار ہزار کے قریب ہیں۔ آپ نے اس میں صرف مرفوع روایات نہیں لیں۔ صحابہ کے بہت سے آثار بھی ساتھ ساتھ روایت کیے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ان دنوں علم حدیث صحابہ کی مرویات کے بغیر مکمل نہ سمجھا جاتا تھا۔ قرأتِ خلف الامام جیسے اہم موضوع پر آپ کاتب وحی حضرت زید بن ثابتؓ (۴۵ھ) کا اثر ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں :-

عن عطاء بن یسار انه اخبره انه سأل زید بن ثابت عن القرأۃ مع الامام فقال لا قرأۃ مع الامام فی شئ [۱]

ترجمہ۔ عطاء بن یسار کہتے ہیں میں نے حضرت زید بن ثابت سے پوچھا امام کے ساتھ مقتدی قرآن پڑھے یا نہ؟ آپ نے فرمایا۔ امام کے ساتھ کسی حصہ قراءت میں مقتدی کو قرآن پڑھنے کی اجازت نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ امام قرأت شروع کرے تو تم چپ رہو ——— اذا قرأ فانصتوا دو صحابیوں سے مروی ہے۔ (۱) ابوموسیٰ اشعریؓ (۵۲ھ) اور (۲) حضرت ابوہریرۃؓ (۵۷ھ) سے آپ نے صحیح مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت جریر عن سلیمان عن قتادہ کی روایت سے لکھی لیکن حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نہ لکھی آپ سے اس کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے فرمایا میرے نزدیک وہ بھی صحیح [۲] ہے۔ آپ سے کہا گیا آپ نے اسے اپنی صحیح میں کیوں روایت نہیں کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ اس کتاب صحیح مسلم میں میں ہر وہ روایت نہیں لکھتا جو میرے نزدیک صحیح ہو۔ اس میں میں وہی روایات

---

[۱] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۲۱۵ [۲] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۷۴

لاتا ہوں جس پر اس کے سب مشائخ متفق ہوں۔

فحديث ابي هريرة فقال هو صحيح يعني واذا قرأ فانصتوا فقال هو عندي صحيح فقال لولم تضعه ها هنا قال ليس كل شيء عندي صحيح وضعته ههنا انما وضعت ههنا ما اجمعوا عليه[1]

ترجمہ۔ سو حدیث ابی ہریرہ کے بارے میں کہیئے۔ آپ نے کہا میرے نزدیک وہ صحیح ہے یعنی جملہ واذا قرأ فانصتوا میرے نزدیک واقعی صحیح حدیث کا حصہ ہے انہوں نے پوچھا پھر آپ نے اسے اپنے متن میں جگہ کیوں نہیں دی۔ آپ نے فرمایا ہر وہ حدیث جو میرے نزدیک صحیح ہو میں نے اس میں نہیں دی اس میں صرف وہی حدیثیں میں نے روایت کی ہیں جن پر ان کے روایت کرنے والے سب متفق ہوں۔

اس سے صحیح مسلم کی عظمت کا اندازہ کیجئے۔ یہ امام مسلم کی ہی تحقیقات کا حاصل نہیں۔ یہ وہ روایات ہیں جن پر دقت کے دیگر اہل فن سب متفق ہوئے۔ صحیح بخاری کے ساتھ صحت میں جو کتاب دوسرے درجہ میں شامل ہوتی ہے وہ صحیح مسلم ہے۔ انہی دو کو صحیحین کہا جاتا ہے۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ اکثر اساتذہ میں شریک ہیں۔ صحیح مسلم میں معلق یا منقطع روایات بہت کم ہیں۔ لیکن صحیح بخاری میں تعلیقات کافی تعداد میں ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بخاریؒ مسائل کے استنباط کو ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ ان کے تراجم ابواب ان کی فقہ ہیں اور ظاہر ہے کہ فقیہ کو اپنے موضوع میں ہر قسم کی روایات سے کام لینا پڑتا ہے۔ لیکن امام مسلم بطور فقیہ کے نہیں محدث کے طور پر چلتے ہیں۔ ان کی حدیث کے مختلف طرق پر نگاہ ہوتی ہے اور کوشش ہوتی ہے کہ سب احادیث میں انہیں ایک جگہ ترتیب دے دیں اور متن جس طریق سے آرہا ہو اس کی نشاندہی کر دیں

اس احتیاط سے پتہ چلتا ہے کہ امام مسلم روایت بالمعنی کی بجائے روایت باللفظ کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ جس طریق سے وہ الفاظ آئیں اس کی وضاحت کر دیتے ہیں۔

صحیح مسلم کے ابواب امام مسلم نے نہیں باندھے۔ معلوم نہیں اس میں ان کے

---

[1] صحیح مسلم جلد ۱ ص ۱۷۴

پیش نظر کیا حکمت بھی وقت نے مہلت نہیں دی یا وہ اس موضوع میں بھی کوئی نیا انداز سامنے لانا چاہتے تھے ـــــ موجودہ ابواب دوسروں کے باندھے ہوئے ہیں، صحیح مسلم بے شک ایک ترتیب رکھتی ہے اور وہ ترتیب امام مسلم کی ہی اختیار کردہ ہے لیکن آپ نے ان موضوعات پر کوئی ایسی نشاندہی نہیں کی ہے۔

صحیح مسلم کا طرۂ امتیاز اس کا وہ فاضلانہ مقدمہ ہے جو صحاح ستہ کی کسی اور کتاب کے ساتھ نہیں ملے گا۔ اس میں آپ نے فنِ حدیث کے مختلف پہلوؤں کو اس انداز میں چھیڑا ہے کہ پورا فن نکھر کر قاری کے سامنے آجاتا ہے۔ اکابر اہلِ علم کی رائے ہے۔ کہ امام مسلم اس باب میں نظیر نہیں رکھتے۔ آپ نے صحیح مسلم لکھتے جو روایات چھوڑیں ان میں سے جو آپ کی شرطوں پر پوری اترتی تھیں انہیں ابوعوانہ اسفرائنی نے المستخرج علی صحیح مسلم کے طور پر اپنی مسند میں جمع کر دیا ہے۔ ابوعوانہ کی یہ تالیف اصطلاحی پہلو سے مسند نہیں سنن کی ترتیب پر ہے۔

امام مسلم کے نزدیک دو راوی جو ایک دور کے ہوں اگر ایک دوسرے سے روایت کریں تو وہ حدیث متصل الاسناد سمجھی جائے گی۔ امام بخاری صحیح بخاری میں صرف ہمعصر ہونے پر قناعت نہیں کرتے۔ ان کے باہم ملنے پر مستقل دلیل چاہتے ہیں۔ یہ احتیاط کی انتہا ہے۔ تاہم امام مسلم اسے بطور اصول قبول نہیں کرتے۔ اسی طرح بعض راوی جیسے عکرمہ اور عمر بن مرزوق امام بخاری کے نزدیک ثقہ ہیں۔ مگر امام مسلم ان سے روایت نہیں لیتے[۱]۔ امام مسلم نے امام بخاری کے ۴۳۴ راویوں سے روایت نہیں لی اور امام بخاری نے امام مسلم کے ۶۲۵ راویوں سے روایت قبول نہیں کی ـــــ صحیح مسلم امام مسلم سے شیخ ابواسحٰق ابراہیم بن محمد بن سفیان نیشاپوری (۳۰۸ھ) نے بڑی احتیاط سے دوسرے رواۃ کے تواتر کے ساتھ روایت کی ہے ـــــ اس دور میں علماء کی سند امام مسلم تک انہی کے واسطہ سے پہنچتی ہے۔

---

[۱] دیکھئے فتح الملہم جلد ۱ صـ۵ و شروط الائمہ صـ۵۳

امام مسلمؒ کا فقہی مسلک

جماعت اہلحدیث کے نزدیک آپ شافعی المسلک تھے۔[۱] ہمارے اکابر کی تحقیق یہ ہے کہ آپ امام شافعی کے اس طرح مقلد ہیں جس طرح امام طحاویؒ امام اعظم ابوحنیفہؒ کے مقلد تھے۔ یعنی محض مقلد نہیں کہیں کہیں اپنے امام سے قوتِ دلیل پر اختلاف بھی کر جاتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ لکھتے ہیں:۔

وکان اهل الحدیث قد ینسب الی احد المذاهب لکثرة موافقته[۲]

ترجمہ: اور محدثین اپنے مذہب کی زیادہ موافقت کے باعث کبھی کسی امام کی طرف بھی منسوب ہو جاتے تھے۔

سو ان حضرات کا مقلد ہونا صرف اسی معنی میں ہے۔ اس طرح نہیں جس طرح کہ ہم عامی مقلد ہیں۔ گو نیت ہماری بھی یہ ہونی چاہیئے کہ اگر کوئی صحیح اور صریح حدیث جس کے خلاف کوئی اور حدیث نہ پائی جائے۔ ہمیں مل جائے اور ہمارے امام کا فتوے اس کے خلاف ہو تو ہم قول امام چھوڑ دیں گے حدیثِ نبوی کو نہ چھوڑیں گے۔

امام ابو داؤدؒ — سلیمان بن اشعث سجستانی (۲۷۵ھ)

امام ابو داؤد برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں سے بہت قریب کی نسبت رکھتے ہیں۔ سیستان جو ہرات اور سندھ کے مابین ایک قصبہ ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ عرب اسے سجستان پڑھتے ہیں اور اسی نسبت سے امام ابو داؤد کو سجستانی کہا جاتا ہے۔ آپ تحصیل علم کے لیے بغداد تشریف لے گئے۔ زندگی کا بیشتر حصہ وہیں گزارا۔ وہیں سنن ابی داؤد تالیف کی۔ پھر آخر میں بصرہ چلے گئے اور وہیں وفات پائی۔ طلب حدیث میں شام، عراق، خراسان اور الجزائر وغیرہ کے متعدد سفر کیے۔ سینکڑوں اساتذہ سے حدیث سنی۔ امام بخاری اور امام مسلم کے ساتھ بہت سے اساتذہ میں شریک ہیں۔ امام احمد بن حنبل، امام یحییٰ بن معین

---

[۱] الحطہ ص۹۸ نواب صدیق حسن خاں [۲] حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص۱۲۲

ابوالولید الطیالسی عبداللہ بن مسلمہ القعنبی ان کے بھی اُستاد تھے اور امام ترمذیؒ اور امام نسائیؒ ان کے بھی شاگرد تھے۔ ایک حدیث امام احمد بن حنبلؒ نے ابوداؤد سے بھی روایت کی ہے ـــــ اسے حدیث عتیرہ کہا جاتا ہے۔ امام ابوداؤد اس پر ناز کرتے تھے کہ ان کے استاد امام احمد نے ایک حدیث ان سے سنی ہے۔

وکیع (۱۹۷ھ) کہتے ہیں:۔

لا یصیر الرجل عالماً حتی یاخذ عمن ھو فوقہ وعمن ھو دونہ وعمن ھو مثلہ۔[۱]

ترجمہ: کوئی شخص حدیث کا عالم نہیں بن سکتا جب تک اپنے سے اُوپر کے درجے کے علماء سے اپنے سے کم درجے کے علماء سے اور اپنے ہمرتبہ علماء سے سب سے اخذ علم نہ کرے۔

امام حاکم ان کے متعلق فرماتے ہیں:۔

امام اہل الحدیث[۲] فی عصرہ بلا مدافعۃ۔

آپ بلاشبہ اپنے دور میں محدثین کے امام تھے۔

حافظ موسےٰ بن ہارون (۲۹۴ھ) کہتے ہیں:۔

امام ابوداؤد دنیا میں حدیث کے لیے اور آخرت میں جنت کے لیے پیدا کیے گئے تھے ـــــ آپ نے سنن مکمل کر کے اپنے استاد امام احمد کے سامنے پیش کی۔ آپ نے اسے پسند فرمایا۔[۳]

---

[۱] مقدمہ فتح الباری جلد ۲ صـ۱۸۰ امام وکیع کو علم حدیث پر امام ابوحنیفہ نے متوجہ کیا تھا۔

[۲] اہل حدیث، کا لفظ ان دنوں محدثین کے معنی میں استعمال ہوتا تھا اس سے کوئی خاص فقہی مسلک نہ لیا جاتا تھا یہ اہل سنت ہی تھے جو اس خاص فن (حدیث) میں آگے نکل گئے اور بسا اوقات یہ فقہ میں بھی ساتھ ساتھ ماہر ہوتے۔ امام نووی (۶۷۶ھ) ایک مقام پہ لکھتے ہیں ھذا الحدیث علی ظاھرہ عند اھل الحدیث والفقہ والمتکلمین من اھل السنۃ خلافاً لما تاولتہ الباطنیہ (شرح صحیح مسلم جلد صـ۸۱) اس لفظ سے غیر مقلدین کا گروہ مراد ہو۔ یہ اصطلاح جدید بہت بعد کی ہے ہم انشاء اللہ العزیز اسے آگے چل کر تفصیل سے بیان کریں گے۔

امام احمد ائمہ اربعہ میں چوتھے امام ہیں. ان سے پہلے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی ہو چکے تھے. امام ابو داؤد کے دور میں چاروں اماموں کی فقہی کاوشیں، ان کے اصول فقہ، ان کے اجتہادی کارنامے اور ان کے ابواب فقہ لوگوں کے سامنے آ چکے تھے. امام ابو داؤد نے چاہا کہ اب ایک ایسا حدیثی ذخیرہ مرتب ہونا چاہیے جس میں مختلف مجتہدین کے مستدلات ایک نظر میں سامنے آ جائیں. ان کی کتاب سنن ابی داؤد کا موضوع ائمہ کے مستدلات ہیں اور ایک فقیہ کو ان سے چارہ نہیں ــــــ امام ابو داؤد امام احمد کے شاگرد تھے اور ان سے متاثر بھی ــــــ اور ان کی سنن میں جگہ جگہ حنبلی نقطہ نظر غالب نظر آتا ہے. صرف حنابلہ کے لیے ہی نہیں ان کی کتاب ائمہ اربعہ کے پیروؤں کے لیے ایک مجتہدانہ دستاویز کا درجہ رکھتی ہے اور علماء فقہ کے لیے یہ ایک بہت بڑا علمی ماخذ ہے

ائمہ اربعہ میں سے دو امام ابو حنیفہ اور امام احمد بن حنبل عراق سے تعلق رکھتے تھے اور دو حجاز سے. امام مالک اور امام شافعی ــــــ مسلمانوں میں الحاد اور اعتزال اور رفض و خارجیت کے سب فتنے عراق سے ہی اُٹھے تھے. جبر و قدر کی بحثیں پہلے وہیں چلیں. فتنہ خلق قرآن نے وہیں سے سر اٹھایا اور کوفہ و بصرہ ہی ان اختلافات کی پہلی آماجگاہ بنے ان اختلافات میں امام ابو حنیفہ اور امام احمد دونوں کا موقف یہ رہا کہ ان اختلافات میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو معیار بنائیں اور جس طریق پر وہ رہے اسی راہ کو صواب جانیں ارشادِ نبوت <u>ما انا علیہ و اصحابی</u> کا تقاضا بھی یہی تھا. اور اسی میں انتشار و الحاد سے بچنے کی راہ تھی۔

حنفیہ اور حنابلہ کے ہاں قولِ صحابی حجت ہے اور دونوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر اختلاف کا فیصل سمجھا ہے. شوافع اور مالکیہ کے ہاں ایسا نہیں. شاہ ولی اللہ محدث دہلوی حنفی اور حافظ ابن تیمیہ حنبلی کس طرح ہر اختلاف میں وکیلِ صحابہ بنے نظر آتے ہیں یہ اہل علم سے مخفی نہیں. امام ابو داؤد کا نقطہ نظر بھی سنن میں یہی ہے. ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

قال ابو داؤد اذا تنازع الخبران عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نظر الی ما عمل بہ اصحابہ من بعدہ۔[1]

---

[1] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۰۱

ترجمہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دو حدیثیں اگر آپس میں ٹکراتی ہوئی ملیں تو فیصلہ اسی پر ہوگا کہ آپ کے بعد آپ کے صحابہ نے کس روایت پر عمل کیا۔

ان حالات میں امام ابو داؤد امام ابو حنیفہ کے علم و فضل کے بڑے قائل تھے۔ آپ نے فرمایا۔ رحم اللہ ابا حنیفۃ کان اماما[1]۔ اللہ امام ابو حنیفہؒ پر رحم فرمائے آپ واقعی امام تھے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب نے امام ابوداؤد کو شافعی المسلک لکھا ہے۔ مگر حافظ ابن تیمیہ انہیں حنبلی کہتے ہیں اور یہی حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کی رائے ہے۔ سنن ابی داؤد کے مطالعہ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ حنبلی تھے۔ آپ نے مراسیل ابی داؤد کے نام سے ایک اور کتاب لکھی ہے اور ظاہر ہے کہ شافعیہ مرسل کو حجت نہیں سمجھتے۔

سنن ابی داؤد کی کل مرویات چار ہزار آٹھ سو کے قریب ہیں۔ ان میں ایک حدیث ثلاثی بھی ہے۔ صحیح بخاری میں کئی ثلاثیات ہیں۔

ابوداؤد کی روایات کا درجہ

جس حدیث کو امام ابو داؤد روایت کریں اور اس پر کوئی جرح نہ کریں تو وہ حدیث صالح للاستدلال شمار ہوگی۔ محدثین کے ہاں ابو داؤد کا سکوت بڑا وزن رکھتا ہے۔ مالم یذکر فیہ شیأ فھو صالح[2]۔ صحت کے اعتبار سے پھر اس کے کئی درجے ہو سکتے ہیں۔ اس میں صحیح اور حسن[3] دونوں کا احتمال ہے۔ آپ نے فرمایا۔ میں نے اس کتاب میں کوئی ایسی حدیث نہیں لی جس کے ترک پر سب کا اتفاق ہو[4]۔ ابن جوزی نے سنن ابی داؤد کی نو احادیث کو موضوع کہا ہے۔ علامہ سیوطی نے ان میں سے چار کا جواب القول الحسن فی الذب عن السنن میں دیا ہے۔ باقی پانچ کے جواب میں یہ کہنا کافی ہے کہ ابن جوزی نقد روایات میں بہت متشدد ہیں۔ سو ان کی جرح حجت نہیں۔ صحیح یہ ہے کہ سنن ابی داؤد موضوع احادیث سے

---

[1] الانتقار صہ [2] تدریب الراوی صہ۵۵ [3] نیل الاوطار جلد ۱ صہ۱۵
[4] مرقات جلد ۱ صہ۲۲

بالکل پاک[1] ہے۔ ہاں امام احمد قیاس پر ضعیف حدیث کو بھی ترجیح دیتے ہیں۔ جیسا کہ امام ابو حنیفہ کا مذہب ہے۔ سو اس میں اگر ضعیف روایات بھی ہیں تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہیئے۔ مجتہد کو کبھی ان کی ضرورت بھی پڑ جاتی ہے۔ تاہم یہ ہے کہ آپ نے کوئی حدیث متروک الحدیث راوی سے نہیں لی۔

سنن ابی داؤد کے نسخے

سنن ابی داؤد کے کئی نسخے ہیں۔ مگر ان میں سے چار مشہور ہیں۔ ۱۔ روایت ابی بکر محمد بن عبد الرزاق بن درسہ (۳۴۵ھ)۔ ۲۔ ابو علی محمد بن احمد بن عمر لؤلؤی (۳۴۱ھ) ۳۔ اسحق بن موسیٰ بن سعید (حافظ ابو عیسیٰ) رملی (۳۱۷ھ)۔ ۴۔ حافظ ابو سعید احمد بن محمد (ابن الاعرابی ۳۴۰ھ)۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ)

امام محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی کی کنیت ابو عیسیٰ ہے۔ ترمذ دریائے جیحوں کے ساحل پر واقع ہے۔ امام ترمذی کو حضرت امام بخاریؒ، امام مسلمؒ اور امام ابو داؤدؒ سے شرفِ تلمذ ہے۔ جامع ترمذی میں آپ نے امام مسلم سے صرف ایک[2] روایت لی ہے۔ امام بخاری نے آپ سے آپ کے استاد ہونے کے باوجود دو روایتیں لی ہیں۔ امام ترمذی نے باب مناقب علی اور کتاب التفسیر (سورۂ حشر) میں ان دونوں روایتوں کی نشاندہی بایں الفاظ کی ہے۔ سمع منی محمد بن اسمٰعیل (یہ حدیث امام بخاری نے مجھ سے لی ہے)۔ وکیع کہتے ہیں انسان کا علم کامل نہیں ہوتا اگر وہ اپنے سے کم مرتبہ اور اپنے ہم مرتبہ علماء حدیث سے روایت لینے میں عار محسوس کرے (نقل بالمعنیٰ) آپ نے طلب علم میں چند اساتذہ پر اکتفاء نہیں کی۔ طلب حدیث میں حجاز، مصر، شام، کوفہ، بصرہ، بغداد اور خراسان کے متعدد سفر کیئے۔ حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں:۔

---

[1] الحطہ صہ ۱۱۷ [2] احصوا ہلال شعبان لرمضان (جامع ترمذی جلد ۱ صہ ۸۷)

طاف البلاد وسمع خلقاً من الخراسیین والعراقیین والحجازیین۔[1]

ترجمہ: آپ نے دنیا بھر کا چکر لگایا۔ خراسانی علماء، عراقی علماء اور حجازی علماء سے آپ نے حدیث سنی۔

علماء لکھتے ہیں امام بخاریؒ نے اپنے شاگردوں میں علم وحفظ اور ورع و زہد میں امام ترمذی کی مثل کوئی نائب نہیں چھوڑا۔ آپ نے سب سے زیادہ فیض امام بخاریؒ سے پایا ہے لیکن آپ امام بخاری کے محض پیرو نہ تھے۔ اختلاف کے موقع پر آپ اپنی بات پوری قوت دلیل سے کہتے ہیں۔ امام بخاری نے حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کو مقتدی پر بھی چسپاں کیا تھا۔ امام ترمذی نے یہاں ان کی پوری مخالفت کی ہے اور حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ کی روایت لاکر امام بخاری کے استاد حضرت امام احمد سے اس کا یہ معنی نقل کیا ہے۔

واما احمد بن حنبل فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ واحتج حدیث جابر بن عبداللہ

یہ حدیث اکیلے نماز پڑھنے والے کے بارے میں ہے امام والے کے لیے نہیں اور اس پر حضرت جابر بن عبداللہ کی حدیث گواہ ہے۔[2]

امام ابو داؤد امام احمد کے مقلد تھے۔ وہ اپنے امام کی تائید میں حضرت سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) سے بھی حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب فصاعداً کا یہی معنی نقل کرتے ہیں۔[3] لمن یصلی وحدہ یہ حدیث منفرد کے لیے ہے۔ مقتدی کی نماز سورہ فاتحہ پڑھنے کے بغیر ہو جاتی ہے۔

تراویح کے مسئلہ میں آپ نے امام احمد کی بات نقل نہیں کی۔ ان سے کئی روایات تھیں۔ یہاں آپ کھل کر امام شافعی کی بات نقل کرتے ہیں کہ اکثر اہل علم حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ کے اس فیصلہ پر ہیں کہ تراویح بیس رکعت ہی مروی ہیں اور امام شافعی نے فرمایا ہے کہ میں نے مسجد حرام میں لوگوں کو بیس رکعت پڑھتے ہی پایا ہے۔[4]

---

[1] تہذیب التہذیب جلد ۹ صفحہ ۳۸۸ [2] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۴۲ [3] سنن ابی داؤد جلد ۱ صفحہ ۱۱۹
[4] جامع ترمذی جلد ۱ صفحہ ۹۹

آپ کی کنیت ابوعیسیٰ ہے۔ چونکہ حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہ تھا اس لیے بعض علماء اسے جائز نہیں سمجھتے۔ ابن ابی شیبہ (۲۳۵ھ) نے المصنف میں ایک باب باندھا تھا۔ باب ما یکرہ للرجل ان یکتنی بابی عیسیٰ۔ مگر امام ابوداؤد (۲۷۵ھ) نے سنن میں باب ما یکتنی بابی عیسیٰ[1] میں اس کے لیے کچھ گنجائش رکھی ہے۔

ترمذی کے نام سے ایک اور محدث بھی مشہور ہیں۔ نوادرالاصول ان کی کتاب ہے انہیں عام طور پر حکیم ترمذی (ھ) کہا جاتا ہے۔ ایک ترمذی کبیر کے نام سے بھی معروف ہیں یہ ابوالحسن احمد بن حسن ہیں۔ امام احمد کے شاگرد اور امام ترمذی (۲۷۹ھ) کے استاد ہیں۔ امام ترمذی کی تصانیف میں کتاب العلل اور کتاب الشمائل کی بھی بہت شہرت ہے۔ شمائل ترمذی دورۂ حدیث میں بھی پڑھائی جاتی ہے۔

جامع ترمذی حدیث کے آٹھوں قسم کے مضامین پر مشتمل ہے۔ ۱۔ سیر۔ ۲۔ آداب۔ ۳۔ تفسیر۔ ۴۔ عقائد۔ ۵۔ احکام۔ ۶۔ اشراط الساعۃ۔ ۷۔ مناقب۔ ۸۔ فتن ——— ترتیب فقہی سے آپ پہلے کتاب الطہارۃ لائے ہیں۔ اس لیے اسے سنن ترمذی بھی کہہ دیتے ہیں۔ مگر مضامین کی جامعیت کے لحاظ سے جامع بخاری کے بعد یہ کتاب ہے جسے بجا طور پر جامع ترمذی کہا جا سکتا ہے۔ ابو اسمٰعیل اصبہانی کہتے ہیں۔ کتاب ابی عیسیٰ افید من کتاب البخاری ومسلم[2]

حدیث کے مجموعی فوائد اور موضوع پر سیر حاصل نظر کے پہلو سے جامع ترمذی حدیث کی سب سے اعلیٰ کتاب ہے۔ عراقیوں اور حجازیوں کے اختلافات میں ہر پہلو پر علیحدہ باب باندھتے ہیں ——— سنن کے ابواب میں ایک حدیث لاتے ہیں اور پھر اس باب میں جتنے صحابہ کی مرویات انکی نظر میں ہوتی ہیں وفی الباب عن فلان عن فلان کہہ کر ان کے نام گنواتے چلے جاتے ہیں۔ اب یہ بات دوسروں کے ذمہ ہے کہ ان روایات کی تلاش کریں کہ کس کس سند سے انہیں کس کس کتاب میں روایت کیا گیا ہے ——— اس پہلو سے امام ترمذی قاری کتاب کے ہاتھ میں ایک ایسی کنجی دے دیتے ہیں جس سے وہ علم کے خزانوں پر ہمیشہ دستک دیتا رہے۔ یہ انوکھا اور اچھوتا انداز ائمہ صحاح میں سے اور کسی کے ہاں نہیں ملتا۔ اس

---

[1] سنن ابی داود جلد ۲ صفحہ ۶۷۵
[2] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صفحہ ۳۸۰

پہلو سے جامع ترمذی حدیث کی مفید ترین کتاب ہے۔

حدیث کی ثلاثی تقسیم (صحیح حسن اور ضعیف) گو اپنی جگہ پہلے سے موجود تھی۔ مگر متن حدیث کے ساتھ اس کی نشاندہی حدیث کی کسی اور کتاب میں اس طرح نہیں ملتی جس طرح ہم اسے جامع ترمذی میں دیکھتے ہیں۔ امام ترمذی علم و فن کو موتیوں کی طرح پروتے چلے جاتے ہیں۔ امام ترمذی کے ہاں ضعیف احادیث بھی بہت ملتی ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ضعیف حدیثیں محدثین کے ہاں کلیۃً متروک یا مردود نہ سمجھی جاتی تھیں۔ نہ انہیں موضوع قرار دیا جاتا تھا۔ بلکہ ان کا بھی ایک علمی وزن ہوتا ہے جسے مجتہدین اور ماہرین فن ہی جانتے تھے۔

امام ترمذی ائمہ و امصار کے مذاہب پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں اور مختلف الواب میں ان مذاہب کا بھی تذکرہ کرتے جاتے ہیں۔

امام ترمذیؒ (۲۷۹ھ) ثقہ ہیں اور ان کی ثقاہت مجمع علیہ ہے۔ علامہ ابن حزم (۴۵۶ھ) نے انہیں مجہول لکھا ہے یہ صحیح نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ابن حزم کی جامع ترمذی اور ان کی کسی کتاب تک رسائی ہی نہ ہوئی تھی اور وہ انہیں جان نہ پائے تھے۔ اسی طرح ملا علی قاری سے بھی ایک تسامح ہوا ہے انہوں نے امام ترمذی کی ایک روایت کو ثنائی (جو دو واسطوں سے حضورؐ تک پہنچے) تسلیم کیا ہے[۱]۔ حالانکہ انکے شیوخ امام بخاری، امام مسلم اور امام ابوداؤد کے ہاں جو سب سے بڑی عالی سند ہے، وہ ثلاثیات کی ہے۔

امام نسائیؒ (۳۰۳ھ)

احمد بن علی ابوعبدالرحمٰن النسائی بھی ابناء فارس میں سے ہیں۔ خراسان میں مرو کے قریب نَسا، ایک قصبہ ہے وہاں کے رہنے والے تھے۔ نَساء نون کی زبر سے ہے۔ نون کی زیر سے لفظ نِساء (عورتیں) بنتا ہے۔ نادان امام ابوعبدالرحمٰن نَسائی کو نِسائی پڑھتے ہیں

---

۱ دیکھئے مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ۱ صـ۲۱

یہ غلط ہے۔ نَسائی ہمزہ کے مد اور قصر دونوں طرح سے پڑھا گیا ہے۔

امام نسائی ۲۱۵ھ میں پیدا ہوئے۔ خراسان ان دنوں علم وفن کا مرکز تھا۔ امام نسائی تحصیلِ علم میں خراسان سے فارغ ہوئے تو پھر دوسرے مراکزِ علمی کی طرف رُخ کیا۔ محدثین نے طلبِ حدیث میں بڑے بڑے سفر کئے ہیں۔ امام نسائی نے طلبِ حدیث میں حجاز، عراق، مصر، شام اور جزیرہ کے سفر کئے۔ پندرہ سال کی عمر میں وقت کے جلیل القدر محدث قتیبہ بن سعید (م ۲۴۰ھ) کے پاس پہنچے اور ایک سال سے کچھ زیادہ وہاں قیام پذیر رہے جن اساتذہ کی روایتیں آپ خراسان میں بالواسطہ سُن چکے تھے ایسے بہت سے بزرگوں سے بالمشافہ بھی حدیث سنی۔ حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:۔

رحل الی الآفاق واشتغل بسماع الحدیث والاجتماع بالائمة الحذاق[1] و سمع من خلائق لا یحصون[2]

ترجمہ: دنیا کے کناروں تک سفر کیے۔ حدیث سننے اور ماہرینِ فن سے مجلسیں کرنے میں (عمر بھر) مصروف رہے۔ اتنے بزرگوں سے حدیث سُنی کہ ان کا شمار نہیں کیا جا سکتا۔

مصر کو اپنا مرکز بنایا[3] اور وفات سے تقریباً ایک سال پہلے شام (دمشق) چلے آئے[4]۔ وفات سے چند دن پہلے آپ مکہ مکرمہ چلے گئے۔

امام اسحٰق بن راہویہ، محمد بن بشار، قتیبہ بن سعید، امام ابو داؤد، ابو حاتم رازی، امام ابو زرعہ اور حضرت امام بخاری آپ کے اساتذہ میں سے ہیں۔

امام ابو بکر بن احمد بن السنی (۳۶۴ھ) محمد بن قاسم الاندلسی (۳۲۸ھ) حافظ ابو البشر الدولابی (۳۱۰ھ) اور حافظ ابو جعفر الطحاوی (۳۲۱ھ) اور علی بن جعفر الطحاوی (۳۵۱ھ) آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ سے سنن نسائی امام طحاوی کے بیٹے علی بن جعفر طحاوی نے روایت کی ہے۔

امام نسائی حدیث میں ثقہ ثبت اور حافظ تھے۔ فنِ روایت، جرح رواۃ اور

---

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صفحہ ۱۲۳ [2] تہذیب التہذیب جلد ۱ صفحہ ۳۷ [3] اشعۃ اللمعات جلد ۱ صفحہ ۱۷ [4] تہذیب التہذیب صفحہ ۱۲۳

اور معرفتِ عللِ حدیث میں اپنے اقران میں ممتاز تھے اور علم حدیث میں اپنے وقت کے امام تھے۔ کان امام عصرہ فی الحدیث۔[1]

حافظ ذہبی (۸۴۸ھ) سیر اعلام النبلاء میں لکھتے ہیں کہ آپ عللِ حدیث اور رجالِ حدیث کی معرفت میں امام مسلم، امام ترمذی اور امام ابو داؤد سے بھی آگے نکلے ہوئے تھے اور ان باتوں میں امام ابوزرعہ اور امام بخاری کی صف کے آدمی تھے۔ یہ بات صرف شخصیات کے بارے میں ہے۔ جہاں تک ان کی تالیفات کا تعلق ہے صحیح مسلم اور ابوداؤد فنی اعتبار سے سنن نسائی پر فائق ہیں۔

امام نسائی کا مسلک

حضرت امام اپنی عمر کے آخری حصے میں دمشق چلے گئے۔ آپ نے خصائص علی کے نام سے ایک کتابچہ تالیف فرمایا۔ آپ پر شیعیت کا الزام لگا۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہمارے کئی علماء اس پروپیگنڈے سے اثر لیے بغیر نہ رہ سکے۔ امام نسائی پر شیعیت کا الزام بالکل غلط ہے۔ سنن نسائی کے باب امامۃ اہل العلم والفضل کا مطالعہ کریں وہاں آپ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ الفاظ ملیں گے:۔

ألستم تعلمون ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قد امر ابابکر ان یصلی بالناس فایکم تطیب نفسہ ان یتقدم ابابکر قالو انعوذ باللہ ان نتقدم ابابکر۔[2]

ترجمہ۔ کیا تم نہیں جانتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو (مرض وفات میں) لوگوں کی امامت پر مامور فرمایا۔ سو اب تم میں سے کون چاہتا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھے۔ اس پر انصار نے کہا ہم اللہ کی پناہ لیتے ہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آگے بڑھنے کی جسارت کریں۔

کیا شیعہ علماء اس قسم کی روایات اپنی کتابوں میں لا سکتے ہیں؟ حضرت امام جب

---

[1] وفیات الاعیان جلد ا صـ۱۸ [2] سنن نسائی جلد ا صـ۹۷

دمشق میں آئے تو ان دنوں وہاں خارجیت کا بہت چرچا تھا۔ حضرت امام نے مذہب اہلسنت کے تحفظ کے لیے حضرت علیؓ کے فضائل پر خصائص علی کے نام سے ایک کتاب لکھی خارجیوں نے اس کتاب کے حوالے سے آپ پر تشیع کا الزام لگایا۔ فقہی اعتبار سے آپ شافعی المذہب[1] تھے۔ سنن نسائی کے کتاب الحج سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ جماعۃ اہلحدیث کے نواب صدیق حسن خاں صاحب نے بھی آپ کو شافعی قرار دیا ہے۔[2] البتہ مولانا انور شاہ کشمیری نے آپ کو حنبلی لکھا ہے اور سنن نسائی کے باب وقت الجمعہ سے اسکی شہادت ملتی ہے۔ امام احمد کے نزدیک نماز جمعہ زوال آفتاب سے پہلے بھی ہو سکتا ہے۔ یہاں امام نسائی نے اسی مؤقف کو اختیار کیا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ مگر امام نسائی یہاں قرآن کریم کی آیت واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ وانصتوا لعلکم ترحمون (پ ۹ الاعراف آخر) کا باب باندھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث پیش کرتے ہیں۔ واذا قرأ فانصتوا[3] (جب امام پڑھنا شروع کرے تو تم چپ ہو جاؤ) یعنی امام کے پیچھے قرآن پڑھنا نہیں چپ رہنا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ یہ بات شافعی مسلک کے مطابق نہیں۔

یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ محدثین کرام اپنے مسلک میں ہرگز تنگ نظر نہ تھے انہوں نے ہر مسلک اور ہر قسم کی روایات اپنی کتابوں میں پیش کی ہیں۔ امام نسائی کا مسلک حنبلی مذہب کے موافق رکوع کے وقت رفع یدین کرنے کا ہے۔ اسی طرح وہ دونوں سجدوں کے درمیان رفع یدین کے قائل تھے۔ مگر ان کی انصاف پسند طبیعت دیکھیئے۔ حضرت عبداللہ بن مبارک کی سند سے اپنی سنن میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ھ) کی یہ روایت لاتے ہیں کہ کیا میں تمہیں حضورؐ کے طریقے کے مطابق نماز نہ پڑھاؤں آپ نے نماز پڑھائی اور شروع نماز میں رفع یدین کیا پھر کہیں نہ کیا۔[4]

محدثین اہلسنت کی انصاف پسندی اور وسعت نظری کی داد دیجیئے کہ اپنے مسلک سے قطع نظر کس طرح متوازی روایتوں کو بھی اپنی کتابوں میں جگہ دیتے ہیں۔ لیکن یہ روش

---

[1] بستان المحدثین ص۱۲۳ [2] ابجد العلوم ص۸۱۰ [3] سنن نسائی جلد ا ص۱۰۶ [4] ایضاً ص۱۲۳

[5] سنن نسائی جلد ا ص ۱۱۷، ۱۲۰۔

صرف فروع تک ہے۔ اصول میں وہ کسی نرمی کو راہ نہیں دیتے۔

امام نسائی کی تصنیفات

سنن نسائی کا اطلاق آپ کی سنن کبریٰ پر بھی ہوتا ہے اور سنن صغریٰ پر بھی ــــــ یہ کتاب سنن نسائی جو دورۂ حدیث میں داخل ہے یہ سنن صغریٰ ہے اس کا نام المجتبیٰ بھی ہے۔ ان کی کتاب خصائص علی اور کتاب الضعفاء والمتروکین بھی بار طبع شائع ہو چکی ہے۔ صحت کے لحاظ سے سنن نسائی صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے بعد تیسرے درجہ کی کتاب ہے۔ رجال کی تنقید میں کہیں آپ امام بخاری اور امام مسلم سے بھی زیادہ سخت ہو جاتے ہیں۔ کتاب الضعفاء والمتروکین کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جرح کرنے میں متشددین میں سے تھے۔ اسماء وکنی کی تعیین میں آپ اور امام ترمذی ایک سے چلتے ہیں۔

سنن نسائی کو امام نسائی سے ابن السنی، ابن الاحمر، ابو علی السیوطی اور دیگر کئی محدثین نے روایت کیا ہے۔ برصغیر پاک و ہند میں سنن نسائی کا جو نسخہ رائج ہے وہ ابن السنی کی روایت سے ہے۔ دوسرے نسخوں میں امام نسائی کا دو واسطوں سے حضرت امام ابو حنیفہ سے حدیث روایت کرنا ثابت ہے۔[1]

(نوٹ) جس طرح جامع ترمذی امام ابن حزم کی دسترس سے باہر رہی۔ سنن نسائی امام بیہقی کے مطالعہ میں نہ آسکی۔ علامہ ذہبی لکھتے ہیں۔

لم یکن عندہ سنن النسائی ولا جامع الترمذی ولا سنن ابن ماجہ۔[2]

ترجمہ۔ آپ کے پاس سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ تینوں کتابیں نہ تھیں

امام بیہقی کی اگر ان کتابوں پر نظر ہوتی تو شافعیت میں وہ اسقدر متشدد نہ ہوتے۔

سنن نسائی کے تراجم صحیح بخاری کے تراجم کے انداز پہ ہیں بعض جگہ لفظاً لفظاً ایک

---

[1] امام نسائی کہتے ہیں۔ حدثنا علی بن حجر حدثنا عیسیٰ ھو ابن یونس عن النعمان یعنی اباحنیفۃ عن عاصم عن ابی رزین عن ابن عباس (تہذیب جلد صــ) [2] تذکرۃ الحفاظ جلد صــ

ہیں۔ یہ تراجم امام نسائی کی فقہی نظر کے آئینہ دار ہیں۔ امام نسائی کے تراجم بعض مقامات پر متن سے متعلق نہیں سند سے متعلق بھی ہوتے ہیں اور یہ بات صحیح بخاری کے تراجم میں نہیں۔ اس پہلو سے سنن نسائی ایک بےمثال کتاب ہے۔

امام ابن ماجہ قزوینی (۲۷۳ھ)

ابوعبداللہ محمد بن یزید بن ماجہ ایران کے شہر قزوین میں ۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے طلب حدیث میں بصرہ، کوفہ اور بغداد، مکہ و مدینہ اور شام کے سفر کیے، خراسان بھی گئے اور وہاں کے علماء سے حدیث سنی۔ امام مالک اور امام لیث مصری کے تلامذہ سے استفادہ کیا۔[1] حافظ ابن حجر عسقلانی کہتے ہیں آپ کی کتاب سنن کے موضوع پر نہایت عمدہ کتاب ہے۔

کتابہ فی السنن جامع جید۔ تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۳۱

ابن ماجہ نے سنن میں کوشش کی ہے کہ زیادہ تر وہ حدیثیں لائیں جو پہلی پانچ مشہور کتابوں میں نہیں ملتیں۔ وہ ضعاف بھی ہوں تو دوسری صحیح اور حسن احادیث کو سمجھنے میں ان سے بہت مدد ملتی ہے۔ آپ کہیں کہیں علاقوں کی نسبت سے بھی سند کی نشاندہی کرتے ہیں جس کی مثال پہلی کتابوں میں نہیں ملتی۔ مثلاً حدیث کل مسکر حرام کی ایک سند کے متعلق لکھتے ہیں۔ ھذا حدیث المصریین۔ یہ مصر والوں کی سند ہے اور دوسری سند کے بارے میں فرماتے ہیں۔ ھذا حدیث العراقیین[2]۔ عراقی اسے اس سند سے نقل کرتے ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں پانچ ثلاثی احادیث ہیں جو عالی سند کے اعتبار سے اس کتاب کا ایک بڑا اعزاز ہیں۔ یہ پانچوں روایات ایک ہی سند سے مروی ہیں۔ سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی میں صرف ایک ایک روایت ثلاثی ہے اور علیحدہ علیحدہ سند سے ہے صحیح مسلم اور سنن نسائی میں ایک بھی ثلاثی حدیث نہیں۔ البتہ صحیح بخاری میں بائیس ثلاثی

[1] مرقات جلد ا ص۲۳ [2] سنن ابن ماجہ ص

روایات موجود ہیں۔ سنن ابن ماجہ میں ثلاثیات کی جو سند ہے اس میں کثیر بن سلیم راوی پر محدثین نے جرح کی ہے۔ امام دارمی (۲۵۵ھ) کی مسند میں ثلاثیات دیگر سب کتابوں سے زیادہ ہیں۔

سنن ابن ماجہ کا صحاح ستہ میں شمار

علماء حدیث میں اختلاف رہا ہے کہ صحاح ستہ میں چھٹی کتاب کون سی ہے۔ ابن صلاح (۶۴۲ھ) اور امام نووی (۶۷۶ھ) نے پانچ کتابوں کو مرکزی حیثیت میں رکھا ہے۔ حالانکہ اس سے پہلے حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر المقدسی (۵۰۷ھ) اطراف الکتب الستۃ اور شروط الائمہ میں اور حافظ عبدالغنی مقدسی (۶۰۰ھ) اپنی تالیفات میں سنن ابن ماجہ کو صحاح ستہ میں شمار کر چکے تھے۔ خطیب تبریزی (۷۴۲ھ) نے بھی الاکمال فی اسماء الرجال میں سنن ابن ماجہ کے ساتھ چھ کتابوں کے رجال کو جمع کیا ہے۔

اختلاف کرنے والے حضرات

مشہور محدث رزین (۵۲۰ھ) نے کتاب التجرید میں جن چھ کتابوں کی تجرید کی ہے ان میں چھٹی کتاب مؤطا امام مالک ہے۔ علامہ ابن اثیر جزری (۶۰۶ھ) نے بھی جامع الاصول میں چھٹی کتاب مؤطا ہی رکھی ہے۔ امام ابوسعید العلائی (۷۶۱ھ) مسند دارمی کو چھٹی کتاب کا درجہ دینا چاہتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) بھی مسند دارمی کو ہی چھٹی کتاب کے طور پر شامل کرتے ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مسند امام احمد کو چھٹے نمبر پر رکھنا چاہتے ہیں۔

اختلاف کرنے والوں کا اختلاف چنداں مؤثر نہیں ہے اور جمہور اہل علم نے سنن ابن ماجہ کو ہی صحاح ستہ میں جگہ دی ہے۔ ابن خلکان (۶۸۱ھ) لکھتے ہیں:۔

کتابہ فی الحدیث احد الصحاح الستۃ۔

ترجمہ: آپ کی کتاب سنن ابن ماجہ صحاح ستہ میں سے ایک ہے۔

سنن ابن ماجہ کی بائیس حدیثیں ایسی کمزور ہیں کہ ان پر وضع کا حکم بھی لگ سکتا ہے ایک ہزار کے قریب روایات پر جرح ہو سکتی ہے۔ تاہم اس کے علو مرتبہ سے انکار نہیں ہو سکتا۔ حافظ ابن کثیر کہتے ہیں:۔

کلھا جیاد سوی الیسیرۃ۔[1] اس کی سب حدیثیں ماسوائے چند کے جید ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں تیس بڑے ابواب ہیں جنہیں کتاب کہتے ہیں جیسے کتاب الزکوٰۃ کتاب الحج اور پندرہ سو عام الواب ہیں۔ کل حدیثیں چار ہزار کے قریب ہیں۔

(نوٹ) صحاح ستہ کی احادیث میں صحت کے لحاظ سے فرق ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں صحت کا معیار نہایت بلند ہے اور سنن اربعہ پر صحاح کا اطلاق تغلیباً ہے۔ ان میں حسان اور ضعاف بھی ہیں اور مجموعی لحاظ سے ان چھ کتب پر صحاح ستہ کا اطلاق درست ہے۔

اب ہم کچھ ان ائمہ حدیث کا ذکر کرتے ہیں جو گو ائمہ صحاح میں سے نہیں۔ لیکن فن کی معرفت اور خدمت میں ان کے ساتھ برابر کے شریک ہیں کتابوں کے درجات اور نسبت سے ہیں۔ لیکن امام فن ہونے کے لحاظ سے یہ حضرات بھی کچھ پیچھے نہیں

۱۔ امام سعید بن منصور (۲۲۷ھ) صاحب السنن

الامام الحافظ الحجہ ابو عثمان المروزی سعید بن المنصور ثقہ محدث ہیں[2] آپ نے امام مالک، لیث بن سعد ابو معشر جیسے اکابر سے حدیث سنی۔ ان سے امام احمد بن حنبل، مسلم بن الحجاج اور امام ابو داؤد نے روایت لی۔ سنن سعید بن منصور محدثین میں بہت معروف رہی ہے خدا کرے چھپ جائے۔ اسکی اشاعت سے علم میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا۔

۲۔ ابوبکر بن ابی شیبہ (۲۳۵ھ)

ثقہ امام ہیں۔ عبداللہ بن مبارک، شریک بن عبداللہ القاضی، سفیان بن عیینہ، علی بن مسہر، عباد بن العوام، وکیع بن الجراح، یحیٰی بن سعید القطان، اسمٰعیل بن عیاش، اسمٰعیل بن علیہ جیسے محدثین کے شاگرد تھے۔ ان سے امام بخاری، امام مسلم

[1] البدایہ والنہایہ جلد ۱۱ صفحہ ۵۵

امام ابوداؤد، امام نسائی اور ابن ماجہ اور دوسرے کئی محدثین نے حدیث روایۃ کی ہے ترمذی میں ان سے کوئی روایت نہیں۔ انکی کتاب کا نام المصنف لابی بکر بن ابی شیبہ ہے۔ المصنف ایک خاص طرز کی کتاب کو کہتے ہیں اس سے پہلے المصنف عبدالرزاق (۲۱۱ھ) اس نوع کی کتاب معروف تھی۔ یہ عبدالرزاق بن ہمام محدثین میں امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہیں۔

۳۔ ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی (۲۵۵ھ)

سمرقند کے قبیلہ دارم سے تعلق رکھتے ہیں۔ یزید بن ہارون، نضر بن شمیل اور دوسرے کئی ائمہ کبار سے حدیث سُنی۔ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابوداؤد (اور حضرت امام احمد بن حنبل کے صاحبزادے) عبداللہ آپ کے تلامذہ میں سے ہیں۔ امام احمد فرماتے ہیں۔ خراسان میں چار شخص حفاظ حدیث میں سے ہیں۔ ۱۔ امام ابوزرعہ۔ ۲۔ امام بخاری۔ ۳۔ امام دارمی۔ ۴۔ حسن بن شجاع البلخی ——— امام نسائی نے بھی سنن صغریٰ کے ماسوا آپ سے روایت کی ہے ——— امام بخاری کو آپ کے انتقال کی خبر پہنچی تو صدمہ سے سر جھکا لیا اور بے اختیار آنسو جاری ہو گئے۔ اس سال اور بھی کئی محدث راہئ ملکِ بقا ہوئے نیشاپور میں محدث عبدالرحمن، واسط میں محمد بن حرب النسائی، دمشق میں موسیٰ بن عامر نے انتقال فرمایا۔

مسند دارمی سنن کے طرز کی کتاب ہے مسند کی ترتیب پر نہیں۔ ہندوستان میں ۱۲۹۳ھ میں مطبع نظامی کانپور میں چھپی تھی۔ اب مصر میں بارہا شائع ہو چکی ہے۔ حافظ ابوسعید خلیل العلائیؒ (۷۶۱ھ) اسے سنن ابن ماجہ کی جگہ صحاح ستہ میں جگہ دیتے ہیں حافظ ابن حجر (۸۵۲ھ) سے بھی اس کی تائید منقول ہے۔ مسند دارمی میں ساڑھے تین ہزار کے قریب احادیث ہیں اور اس دور کی دیگر کتابوں کی نسبت سے اس میں ثلاثیات زیادہ ہیں۔ یہ صرف مرفوع روایات پر مشتمل نہیں۔ صحابہؓ کی روایات بھی اس میں کافی ہیں۔ باب کراہیۃ اخذ الرائے کی ایک روایت ملاحظہ ہو:۔

مسجد میں کچھ لوگ دائرہ بنائے بیٹھے بلند آواز سے ذکر کر رہے تھے۔ وہاں فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی آ نکلے۔ آپ نے یہ منظر دیکھا تو فرمایا:۔

تم کس قدر جلدی تباہ ہونے لگے۔ ابھی تو تمہارے سامنے بہت سے صحابہؓ
زندہ موجود ہیں۔ ابھی تو حضورؐ کے کپڑے بھی پرانے نہیں ہوئے اور آپ
کے استعمال کے برتن بھی نہیں ٹوٹے ——— کیا تم ایسے دین پر آگئے ہو
جو حضورؐ کے دین سے زیادہ ہدایت والا ہے یا گمراہی کا راستہ کھول رہے ہو۔[۱]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین اس دور میں صرف مرفوع احادیث لے کر نہیں چلتے تھے صحابہؓ کو ساتھ ساتھ رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی وہی حدیث سنتِ قائمہ سمجھی جاتی تھی۔ جس پر صحابہؓ کا عمل موجود ہو اور اگلے آنے والے مسلمان اس طریق کار کو ما انا علیہ واصحابی کی راہ کہہ سکیں۔

۴۔ ابن ابی الدنیا (۲۸۱ھ)

بغداد کے رہنے والے تھے۔ وہیں تعلیم شروع کی۔ بغداد میں اس وقت ممتاز محدث ابو بکر عبداللہ بن محمد تھے۔ ان سے حدیث سنی۔ ابن ابی حاتم نے آپ کو ثقہ کہا ہے خلیفہ المعتضد عباسی کے اتالیق بھی رہے۔ شارحین حدیث نے آپ کی روایات کے جابجا حوالے دیئے ہیں۔

۵۔ حافظ ابو بکر البزار (۲۹۲ھ)

حافظ احمد بن عمرو البزار البصری جلیل القدر حافظ حدیث ہیں۔ دار قطنی نے آپ کو ثقہ کہا ہے ——— البزار نے عبدالاعلیٰ بن حماد، حسن بن علی بن راشد، محمد بن یحییٰ بن فیض اور ان کے اقران سے حدیث کا سماع کیا۔ اجلہ محدثین نے آپ سے حدیث سنی ہے۔

۶۔ حافظ ابو یعلی الموصلی (۳۰۷ھ)

امام احمد بن علی الموصلی الحافظ حضرت امام ابو یوسفؒ کے شاگرد حافظ بشر بن الولید کے شاگرد تھے اور حنفی المذہب تھے۔ حافظ ذہبی لکھتے ہیں :-

قال ابو علی الحافظ ولم یشتغل ابو یعلی بکتب ابی یوسف علی بشر بن
الولید لادرك بالبصرة اباداؤد الطیالسی۔[۲]

---

[۱] مسند دارمی طبع صفحہ ۳۸ [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۱۶

ترجمہ۔ اگر ابو یعلی بشر بن الولید کے ہاں امام ابو یوسف کی کتابوں میں مشغول نہ رہتے تو امام ابو داؤد الطیالسی کو بصرہ میں پالیتے۔[۱]

ابو یعلی یحییٰ بن معین کے بھی شاگرد تھے اور یحییٰ امام ابو حنیفہ کے قول پر فتوے دیتے تھے۔ آپ کے شاگرد ابو علی نیشاپوری آپ کے حفظ و ضبط کے بڑے مداح تھے۔ ابن حبان نے آپ کو ثقہ کہا ہے۔ سمعانی کہتے ہیں مسند ابی یعلی ایک سمندر ہے۔ جس میں سب چیزیں ملتی ہیں۔ مسند ابی یعلی عام ملتی ہے۔ حدیث کی بہت اہم اور مفید کتاب ہے۔

۷۔ ابن جارود نیشاپوری (۳۰۷ھ)

ابن جارود ابو محمد عبداللہ بن علی النیشاپوری مکہ میں مقیم رہے۔ ذہبی لکھتے ہیں۔ الحافظ الامام الناقد۔[۲] کتاب المنتقی فی الاحکام آپ کی تالیف ہے۔ آپ نے ابو سعید بن الاشج، علی بن خشرم، یعقوب بن ابراہیم الدورقی، عبداللہ بن ہاشم الطوسی اور زعفرانی سے حدیث سُنی۔ ان سے محمد بن نافع المکی، یحییٰ بن منصور اور طبرانی نے حدیث روایت کی ہے۔

۸۔ حافظ ابو بشر الدولابی (۳۱۰ھ)

محمد بن احمد ابو بشر الدولابی حافظ حدیث ہیں۔ احمد بن ابو شریح الرازی، ہارون بن سعید، موسیٰ بن عامر الدمشقی، زیاد بن ایوب کے شاگرد تھے۔ طلب حدیث میں حجاز، عراق، مصر اور شام کے سفر کیے۔ طبرانی، ابن حبان البستی اور ابو بکر المقری آپ کے شاگردوں میں سے تھے دارقطنی کہتے ہیں بعض محدثین نے ان کی ثقاہت میں کلام کیا ہے۔ مگر ان میں بجز خیر اور کوئی چیز ثابت نہیں ہوئی

۹۔ حافظ ابو بکر بن خزیمہ (۳۱۱ھ)

محمد بن اسحٰق ابو بکر بن خزیمہ خراسان کے رہنے والے تھے۔ محمد بن حمید اور اسحٰق

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صـ۱۲ [۲] ایضاً جلد ۲ صـ۲۸۷

بن راہویہ کے شاگرد تھے۔ دارقطنی کہتے ہیں نہایت پختہ کار اور بے نظیر عالم تھے۔ ذہبی لکھتے ہیں :۔

انتهت اليه الامامة والحفظ في عصره بخراسان[1]

ترجمہ: فنِ حدیث میں امامت اور حدیث کا حفظ آپ کے عہد میں آپ پر ختم تھا۔

(نوٹ) صحیح ابن خزیمہ کی چار جلدیں چھپ چکی ہیں۔

۱۰۔ حافظ ابو عوانہ الاسفرائنی النیشاپوری (۳۱۶ھ)

یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم ابو عوانہ، محدث شہیر محمد بن یحییٰ الذہلی، علی بن اشکاب، یونس بن عبدالاعلیٰ اور امام مزنی کے شاگرد تھے۔ آپ سے حافظ احمد بن علی الرازی، ابو علی النیشاپوری، ابن عدی طبرانی اور اسمٰعیلی نے حدیث سنی۔ ذہبی لکھتے ہیں: ثقہ جلیل[2] آپ نے صحیح مسلم پر استخراج کرتے ہوئے المسند الصحیح لکھی جو مسند ابی عوانہ کے نام سے مشہور ہے صحیح مسلم کی احادیث پر اس میں مزید سندیں ملتی ہیں۔ اس کی دو جلدیں حیدر آباد سے شائع ہو چکی ہیں

۱۱۔ امام ابو جعفر الطحاوی (۳۲۱ھ)

یمن کے قبیلہ ازد میں سے ہیں مصر پر اسلام کا پرچم لہرایا تو ان کے آباء یمن سے مصر آ گئے۔ طحا مصر میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ آپ کے بزرگ اس گاؤں کے قریب ایک بستی میں آباد ہوئے تھے۔ امام شافعی کے شاگرد خاص امام مزنی آپ کے ماموں اور استاد بھی تھے۔ امام طحاوی سنن شافعی کے راوی انہی کے واسطہ سے ہیں۔ علامہ عینی لکھتے ہیں علماء بعض اوقات سنن شافعی کو سنن طحاوی بھی کہہ دیتے ہیں۔ یہ امام طحاوی کی تالیف ہو تو بھی اس کی روایات امام شافعی کی ہیں۔

کوفہ کے بعد مصر کی زمین علم و فضل کا بڑا مرکز سمجھی جاتی تھی۔ تین سو کے قریب

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ صـ [2] ایضاً جلد صـ

صحابہؓ یہاں آکر مقیم ہوئے۔ عمرو بن الحارث، یحییٰ بن ایوب، حیوٰۃ بن شریح اور لیث بن سعد جیسے محدثین اس سرزمین سے اُٹھے۔ پھر ان سے لے کر ابن وہب۔ ابن القاسم، امام شافعی، امام ابراہیم مزنی اور امام طحاوی تک علم حدیث کا یہاں بہت چرچا رہا۔ امام طحاوی نے دیکھا کہ امام مزنی امام محمد بن حسن الشیبانی کی کتابوں کا بہت مطالعہ کرتے ہیں۔ آپ اس سے بہت متأثر ہوئے اور آپ نے محسوس کرلیا کہ فقہ حنفی میں ایسی گہرائی ہے کہ اپنے مسلک کے لوگ تو درکنار دوسرے مذاہب کے ائمہ کبار بھی اس سے مستغنی نہیں۔ اس کے بعد آپ شافعی مسلک چھوڑ کر حنفی مذہب پر آگئے۔ مصر میں فکری انقلاب کا یہ ایک نیا رُخ تھا۔

امام طحاوی کے اساتذہ میں مصر کے مرکزی عالم یونس بن عبدالاعلیٰ (۲۶۴ھ) بہت شہرت رکھتے ہیں۔ آپ نے ہارون بن سعید، عیسیٰ بن شرود، بحر بن نصر اور دوسرے کئی اکابر سے حدیث سنی۔ ۲۶۸ھ میں شام گئے اور وہاں کے محدثین سے استفادہ کیا۔ ایک سال بعد پھر مصر آگئے۔ آپ کے شیوخ میں مصری، یمنی، شامی، کوفی، بصری، حجازی اور خراسانی ہر علاقے کے علماء شامل ہیں۔ آپ امام بخاری اور امام مسلم کے ساتھ ان کے بہت سے اساتذہ میں شریک ہیں۔ آپ کے شاگردوں میں شیخ احمد بن قاسم خشاب، امام طبرانی، احمد بن عبدالوارث زجاج، قاضی صعید اور عبدالعزیز بن محمد جوہری خاص طور پر معروف ہیں۔ آپ کا سال وفات ۳۲۱ھ محمد مصطفےٰ کی تاریخ سے نکلتا ہے۔ جس سال آپ فوت ہوئے اسی سال ہرات میں ابوعلی احمد بن محمد، اصفہان میں ابوعلی الحسن، بغداد میں ابوعثمان سعید بن محمد اور مصر میں آپ کے شیخ ابوبکر احمد بن عبدالوارث راہیٔ ملکِ بقا ہوئے۔

امام طحاوی کا علمی مقام

علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں لکھتے ہیں:۔

وکان ثقۃ فقیھا عاقلاً لم یخلف مثلہ[1]

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صت ۳۰

آپ ثقہ ہیں، فقیہ ہیں، عاقل ہیں۔ اپنے پیچھے انہوں نے اپنے جیسا کوئی نہیں چھوڑا۔[1]

کسے معلوم نہیں کہ کوفہ امام سفیان ثوری، حضرت امام ابوحنیفہ، امام وکیع بن جراح، امام ابویوسف، سفیان بن عیینہ جیسے جبال علم کے باعث علم و فضل کا بڑا مرکز تھا۔ امام طحاوی مصر کے علمی مراکز میں اہم مرکزی شخصیت ہوتے ہوئے محدثین کوفہ کے سیر و اخبار اور ان کے فقہ و اجتہاد پر بھی نہایت جامع نظر رکھتے تھے۔ حافظ ابن حجر حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) سے نقل کرتے ہیں:-

کان الطحاوی من اعلم الناس بسیر الکوفیین و اخبارھم و فقھھم مع مشارکتہ فی جمیع المذاھب۔[2]

ترجمہ: آپ علماء کوفہ کے سیر و اخبار (وہاں کی احادیث) اور ان کی فقہ کے جامع ترین عالموں میں سے تھے اور یہی حال آپ کا جمیع مذاہب کے علم میں تھا۔

ابن حماد حنبلی بھی امام طحاوی کے بارے میں لکھتے ہیں:-

الثقۃ الثبت برع فی الحدیث والفقہ۔[3]

ترجمہ: آپ ثقہ ہیں ضبط میں پختہ ہیں۔ حدیث اور فقہ میں براعت (انتہائی کمال) پائے ہوئے ہیں۔

ابن جوزی کے تشدد سے کون آگاہ نہیں۔ آپ لکھتے ہیں:-

کان ثبتاً فہماً فقیہاً عاقلاً۔[4]

ترجمہ: قوی الضبط محدث ذہین فقیہ اور سمجھ دار عالم تھے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی راویوں کی جرح و تعدیل میں کہیں کہیں امام طحاوی کے اقوال بھی نقل کرتے ہیں۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ آپ جرح و تعدیل کے بھی امام تھے۔

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صفحہ ۳۰ [2] لسان المیزان جلد ۱ صفحہ ۲۷۵ [3] شذرات الذہب صفحہ [4] المنتظم جلد ۶ صفحہ ۲۵۰

آپ نے علامہ کرابیسی کے رد میں نقض المدلسین اور ابو عبیدہ کی کتاب النسب کے رد میں الرد علی ابی عبید جیسی فاضلانہ تالیفات سے اس باب میں اپنا سکہ منوایا۔ ابن تغری آپ کو احد الاعلام اور شیخ الاسلام کا خطاب دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فقہ و حدیث احکام اور عربیت اور نحو میں نظیر نہ رکھتے تھے[1]

امام طحاوی پر اعتراضات

بعض علماء نے حدیث رد الشمس روایت کرنے پر آپ پر سخت تنقید کی ہے اس قسم کے مسائل پر اس قسم کا اختلاف تعجب خیز نہیں. کیا حافظ ابو الفتح ازدی ابو زرعہ اور عراقی نے بھی اس حدیث کو حسن نہیں کہا؟ تعجب ہے کہ حافظ ابن حجر یہاں تو مسلمہ بن قاسم اندلسی کا اعتراض بڑے اہتمام سے ذکر کرتے ہیں۔ لیکن اسی مسلمہ نے جب اسی قسم کا ایک اعتراض امام بخاری پر کیا تو حافظ صاحب اسی مسلمہ کو مجہول قرار دیتے ہیں[2]

امام بیہقی (۴۵۸ھ) نے امام طحاوی پر جو اعتراضات کیے ہیں[3] شیخ عبدالقادر القرشی نے الحاوی میں ان کے جوابات دیئے ہیں. قاضی القضاۃ علامہ علاء الدین الماردینی نے الجوہر النقی فی الرد علی البیہقی میں امام بیہقی کے اعتراضات کو ہاتھوں ہاتھ لیا ہے۔

آپ کی کتاب شرح معانی الآثار دورۂ حدیث میں پڑھائی جاتی ہے اور اپنے فن اور انداز میں نظیر نہیں رکھتی۔ اسے پڑھانا ہر استاد کے بس میں نہیں۔ یہی وجہ ہے. کہ جہاں اس کے اہل استاد میسر نہ ہوں وہاں اسے نہیں پڑھاتے۔ علامہ عینی (۸۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ سنن ابی داؤد. جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ پر اس کی ترجیح اس قدر واضح ہے کہ اس میں کوئی نادان ہی شک کر سکے گا۔[4] علامہ ابن حزم (۴۵۷ھ) اسے سنن ابی داؤد اور سنن نسائی کے درجہ پر رکھتے ہیں[5]۔ حضرت علامہ انور شاہ کشمیری فرماتے

---

[1] النجوم الزاہرہ جلد ۳ ص۲۳۹ [2] تہذیب التہذیب جلد ص [3] الحاوی فی تخریج معانی الآثار للطحاوی ص۱۲ للحافظ عبدالقادر القرشی [4] مقدمہ تعلیق المجید علی موطا امام محمد ص للفاضل الکنوی

ہیں:" میرے نزدیک شرح معانی الآثار سنن ابی داؤد کے قریب ہے۔ اس کے بعد جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ کا درجہ ہے۔"[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد حافظ سخاوی نے جن کتب حدیث کو خصوصی طور پر قابلِ مطالعہ قرار دیا ہے ان میں شرح معانی الآثار بھی ہے۔ حافظ ابن حجر نے اتحاف المہرہ میں جن دس کتابوں کے اطراف جمع کیے ان میں طحاوی شریف بھی ہے۔

علامہ امیر اتقانی فرماتے ہیں:-

فانظر شرح معانی الآثار هل ترے له نظيرًا فی سائر المذاهب فضلًا

عن مذهبنا هذا[2]

ترجمہ۔ امام طحاوی کی شرح معانی الآثار کو دیکھو اپنے مسلک کی بات نہیں کیا دوسرے تمام مذاہب میں تم اس کی نظیر پیش کر سکتے ہو؟

علامہ عینی جیسے جلیل القدر محدث نے برسوں طحاوی شریف کا درس دیا اور اس کی ایک ضخیم شرح بھی لکھی ہے۔[3] جو پچھلی تمام شروح کا سرمایہ ہے۔

امام طحاوی کی دیگر تالیفات

۱۔ مشکل الآثار۔ حیدر آباد دکن سے اس کی چار جلدیں شائع ہوئی ہیں۔ ہماری معلومات کے مطابق پوری کتاب ابھی کہیں شائع نہیں۔ قاضی ابن رشد نے اس کا ایک اختصار لکھا ہے علامہ عینی کے استاد قاضی جمال الدین یوسف بن موسےٰ نے اس اختصار کا ایک اختصار المعتصر من المختصر کے نام سے کیا ہے۔ اس میں کئی ایسی احادیث ملتی ہیں جو مشکل الآثار کی مطبوعہ چار جلدوں میں

---

[1] فیض الباری جلد ۱ ص ۵۷ [2]

[3] مبانی الاخبار شرح معانی الآثار چھ جلدوں میں ہے۔ علامہ عینی نے رجال طحاوی پر نخب الافکار فی رجال معانی الآثار علیحدہ کتاب لکھی ہے۔ اس کی ایک تلخیص معانی الاخبار کے نام سے بھی لکھی ہے جس کی تلخیص کشف الاستار کے نام سے دیوبند سے شائع ہو چکی ہے۔

نہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کتاب اگر پوری طبع ہو تو کم از کم آٹھ جلدوں میں طبع ہوگی۔ امام طحاوی کی ان کے علاوہ دیگر تالیفات بھی ہیں :۔

۱۔ اختلاف العلماء ۔ ۲۔ احکام القرآن ۔ ۳۔ کتاب الشروط الکبیر ۔ ۴۔ النوادر الفقہیہ ۵۔ اخبار ابی حنیفہ واصحابہ[۱] ۔ ۶۔ شرح جامع صغیر امام محمد ۔ ۷۔ اختلاف الروایات علی الکوفیین ۸۔ شرح جامع کبیر امام محمد ۔ ۹۔ کتاب صحیح الآثار ۔ ۱۰۔ النوادر ۔ ۱۱۔ کتاب العزائض ۔ ۱۲۔ التاریخ الکبیر ۱۳۔ کتاب الوصایا ۔ ۱۴۔ کتاب المحاضر والسجلات۔

یہ سب کتابیں اگر شائع ہو جائیں تو ان سے حدیث و فقہ کی تحقیقات میں کئی نئے ابواب کا اضافہ ہوگا۔ آپ کی تالیفات صرف حدیث سے متعلق نہیں فقہ میں بھی آپ طبقہ ثالثہ کے مجتہدین میں سے ہیں۔ آپ نے نہایت مفید اور عمیق فقہی ذخائر چھوڑے جن میں مختصر الطحاوی ایک نہایت عجیب اور وجیز متن ہے۔ مختصر الطحاوی نہایت بلند پایہ فقہی متن ہے جو حیدر آباد سے شائع ہوا اور برصغیر پاک و ہند میں متداول ہے۔

عقائد میں آپ نے محدثین کے مسلک پر ایک رسالہ تالیف کیا جو متکلمین کی آمیزش سے مبرا اور سلف کے عین مطابق ہے۔ سعودی عرب میں یہی ایک کتاب عقائد ہے جو سبقاً پڑھائی جاتی ہے۔ علامہ ابن ابی العز الحنفی نے اس کی مفصل شرح لکھی ہے۔ جو مکہ مکرمہ سے بڑی آب و تاب سے شائع ہوئی۔ شیخ البانی نے اس پر تحقیقاتی کام کیا ہے۔

۱۲۔ ابو بکر احمد بن ابراہیم اسماعیلی علی الجرجانی (۳۵۰ھ)

انہوں نے صحیح بخاری کی شروط پر ایک نہایت بلند پایہ کتاب تالیف کی۔ افسوس کہ وہ کتاب عام رائج نہ ہو سکی۔ ورنہ صحاح میں مقام پاتی۔ خطیب تبریزی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں :

الامام الحافظ جمع بین الفقہ والحدیث ورئاسۃ الدین والدنیا۔[۲]

ترجمہ: حدیث کے امام اور حافظ ہیں۔ فقہ و حدیث کے جامع ہیں اور دین اور دنیا میں بڑے لوگوں میں سے ہیں۔

---

۱ یہ کتاب شائع ہو چکی ہے۔ ۲ الاکمال ص ۶۳۲

حافظ ابویعلی موصلی، حافظ ابن خزیمہ، محمد بن یحییٰ المروزی اور فریابی سے حدیث سُنی حاکم ان کے شاگرد تھے. فقہ اور حدیث دونوں کے جامع تھے۔ شیخ المحدثین والفقہاء انہیں کہا جاتا تھا[۱] دینی اور دنیوی ہر اعتبار سے بڑے تھے۔

۱۳۔ حافظ ابن حبان البستی (۳۵۴ھ)

حافظ محمد بن حبان بن احمد ابو حاتم تمیمی البستی، حسین بن ادریس الہروی، امام نسائیؒ، حافظ ابویعلی، حافظ ابوبکر ابن خزیمہ اور جعفر بن احمد دمشقی کے شاگرد تھے۔ امام حاکم کے شیخ تھے فقہ، لغت اور حدیث کے جامع تھے۔ کان من فقہاء الدین وحفاظ الاثار[۲]
آپ فقہی نظر کے مالک تھے اور حدیث کے بڑے حافظ تھے۔

۱۴۔ امام طبرانی (۳۶۰ھ)

سلیمان بن ایوب ابوالقاسم الطبرانی (۲۶۰ھ) میں شام کے قصبہ عکا میں پیدا ہوئے آپ امام طحاوی کے نامور شاگرد تھے اور ان کی طرح کثیر التصنیف بھی تھے۔ حدیث میں آپ کے تین معجم، معجم صغیر، معجم اوسط، معجم کبیر کے ناموں سے مشہور ہیں ـــــ حافظ ابن مندہ نے آپ کی کتابوں میں کتاب المسالک، کتاب عشرۃ النساء، کتاب النوادر اور دلائل النبوت کا ذکر بھی کیا ہے۔ آپ نے طلب علم میں حجاز، عراق (کوفہ، بصرہ، بغداد) یمن، شام، مصر اور اصفہان کے سفر کیے اور بڑی مشقتیں جھیلیں۔ ابوالعباس احمد بن منصور کہتے ہیں میں نے طبرانی سے تین لاکھ حدیثیں سُنی ہیں۔ اس سے ان کی وسعتِ نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔ ۳۶۰ھ میں انتقال فرمایا۔ حافظ ابونعیم اصفہانی (۴۳۰ھ) نے نماز جنازہ پڑھائی۔ طبرانی طبریہ کی طرف منسوب ہے طبرستان کی طرف نہیں۔ مشہور مؤرخ ابن جریر طبری طبرستان سے نسبت رکھتے ہیں۔

۱۵۔ امام احمد السنی (۳۶۴ھ)

حافظ ابوبکر احمد بن اسحٰق بن محمد السنی امام نسائی کے شاگرد ہیں۔ حدیث کی مشہور کتاب

---

[۱] تذکرہ جلد ۳ صفہ ۱۶۰ [۲] ایضاً صہ

عمل الیوم واللیلہ انہی کی تالیف ہے۔ ۱۳۵۸ھ میں حیدر آباد سے شائع ہوئی۔ حفاظ حدیث میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ الحافظ الامام الثقہ[1] آپ سنن نسائی کے راوی ہیں۔ احمد بن عبداللہ اصبہانی ان کے شاگرد تھے۔

۱۶۔ الحافظ ابوالشیخ بن حیان الانصاری الاصبہانی (۳۶۹ھ)

حافظ ابویعلی الموصلی (۳۰۷ھ) کے شاگرد تھے۔ ذہبی لکھتے ہیں کان حافظاً ثبتاً متقناً[2] علم بہت وسیع اور حافظہ کے بہت پختہ تھے۔ نہایت نیک اور باخدا بزرگ تھے۔ ذہبی لکھتے ہیں:

کان مع سعة علمه وغزارة حفظه صالحاً خیراً قانتاً لله صدوقاً[3]

ترجمہ۔ وسعت علم اور کثرت حفظ کے ساتھ بہت نیک صالح عابد اور راست گو تھے۔

۱۷۔ ابوالحسن علی بن عمر الدارقطنی (۳۸۵ھ)

بغداد کے محلہ دارقطن کے رہنے والے تھے۔ خطیب تبریزی لکھتے ہیں:۔

کان فرید عصره وفريع دهره وامام وقته انتهى اليه علم الحديث والمعرفة بعلله واسماء الرجال ومعرفة الرواة مع الصدق والامانة والثقة والعدالة۔[4]

ترجمہ۔ اپنے عہد کے بے مثال محدث تھے زمانے کا مرجع اور امام وقت تھے۔ علم حدیث اس کی معرفت علل اسماء الرجال اور راویوں کو ان کے صدق و امانت اور اعتماد و عدالت سے پہچاننا ان پر ختم تھا۔

معرفت علل میں اس درجہ پر تھے کہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم جیسی کتابوں پر تعقبات کیئے گو اکثر مقامات پر ان کی پکڑ بے جا نکلی اور علمائے شیخین کی طرف سے ان کے شافی و وافی جواب دیئے۔ تاہم ان کی اس جرأت سے ان کے علم و عظمت کی ایک جھلک ضرور سامنے آجاتی ہے۔ امام ابوحنیفہ پر بھی اس زعم میں جرح کی۔ لیکن امام الجرح والتعدیل

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ صـ ۱۵۷ [2] ایضاً صـ [3] ایضاً صـ ۱۴۲ [4] الاکمال صـ

امام یحییٰ بن معین کی توثیق کے سامنے ان کی کیا شنوائی ہو سکتی تھی۔ آپ شافعی المسلک تھے اور آپ کی اس جرح میں بلاشبہ ان کے تشدد کو دخل تھا۔

اسماعیل صفار، ابوسعید اصطخری اور دیگر اساتذۂ فن سے حدیث سُنی طلب حدیث میں کوفہ، شام، واسط اور مصر کے کئی سفر کیے۔ ابو عبداللہ الحاکم (۴۰۵ھ) ابو محمد عبدالغنی (ھ) حافظ ابونعیم صاحب الحلیہ (۴۳۰ھ) ابو بکر احمد البرقانی (۴۲۵ھ) اور قاضی ابو الطیب الطبری (ھ) ان کے تلامذہ میں سے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ آپ کی طبیعت میں میں تیزی اور تشدد تھا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ علل حدیث اور معرفت رجال میں اپنے وقت کے مقتدا تھے۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) کو آپکے اس تفوق کا پورا اعتراف ہے۔

آپ اپنے مقام کے مناسب حدیث کی کوئی بلند پایہ کتاب نہ لکھ سکے۔ سنن دارقطنی بیشک ایک مجموعہ حدیث ہے اور اس میں کئی ایسی حدیثیں ملتی ہیں جو دوسری کتابوں میں نہیں لیکن افسوس کہ آپ اس میں رجال و اسانید کا کوئی معیار قائم نہ رکھ سکے اور موضوع روایات تک کو اس میں جگہ دے دی۔ شارح بخاری علامہ عینی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

وروی فی سننه روایات سقیمة ومعلولة ومنكرة وغريبة وموضوعة[1]

ترجمہ: اس سنن میں سقیم، معلول، منکر، غریب اور موضوع روایات تک روایت کردی ہیں۔

سنن دارقطنی کو کسی جہت سے صحیح دارقطنی نہیں کہا جا سکتا۔ ماسوائے مرزا غلام احمد قادیانی کے کسی نے اسے صحیح دارقطنی نہیں لکھا۔ مرزا غلام احمد ایک مقام پر لکھتا ہے:۔

یہ حدیث اگر قابل اعتبار نہیں تھی تو دارقطنی نے اپنی صحیح میں کیوں اس کو درج کیا۔ حالانکہ وہ اس درجہ کا آدمی ہے کہ جو صحیح بخاری پر بھی تعاقب کرتا ہے[2]

۱۸۔ ابن عدی صاحب کتاب الکامل وکتاب الضعفاء (۳۶۵ھ)

کان حافظا متقنا لم یکن فی زمانه احد مثله[3]

---

[1] عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری جلد ۳ صـ ۶۷ [2] تحفہ گولڑویہ صـ ۲۸ مطبوعہ ۱۹۲۳ء۔ اس میں رمضان میں کسوف و خسوف کی منقطع روایت نقل کی گئی ہے۔ [3] تذکرہ جلد ۳ صـ ۱۵۳

محمد بن ابی سوید، امام نسائیؒ اور ابو یعلی سے حدیث سنی ان سے ابو العباس بن عقدہ نے۔

۱۹۔ الخطابی (۳۸۸ھ)

حافظ ابو سلیمان احمد بن محمد الخطابی صاحب معالم السنن شرح ابی داؤد و غریب الحدیث

۲۰۔ امام ابو عبداللہ الحاکم (۴۰۵ھ)

امام ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکم (صاحب مستدرک حاکم) نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ نیشاپور ان دنوں علم وفضل کا مرکز تھا۔ امام مسلم (صاحب صحیح) اسی علاقہ کے رہنے والے تھے۔ حاکم نے نیشاپور میں ایک ہزار کے قریب اساتذہ سے استفادہ کیا۔ طلب حدیث میں خراسان، ماوراء النہر اور دیگر کئی علاقوں کے سفر کئے اور دو ہزار کے قریب شیوخ سے حدیث سنی۔ آپ کے تلامذہ میں امام بیہقی (۴۵۸ھ) ابوالقاسم القشیری (۴۶۵ھ) اور ابوذر ہروی (ھ) جیسے ائمہ فن تھے۔ صحیح بخاری جن حضرات سے آگے چلی۔ ان میں یہ ابوذر ہروی بھی ہیں جو امام حاکم کے شاگرد تھے۔

ان پر تشیع کا الزام بھی لگا لیکن ان دنوں اس لفظ سے روافض مراد نہ لیئے جاتے تھے۔ نہ یہ لوگ حضورؐ کے بعد کسی آسمانی سلسلہ امامت کے قائل تھے۔ علامہ تاج الدین السبکی نے طبقات شافعیہ میں اس الزام کی پُرزور تردید کی ہے۔ خطیب بغدادی نے انہیں ثقہ کہا ہے۔ مگر انہوں نے بھی ان پر شیعیت کی جرح کی۔

مستدرک حاکم کی کھلی روایات ان کی شیعیت کی تردید کر رہی ہیں۔ روافض کی بناء آسمانی عقیدہ امامت عقیدہ تحریف قرآن اور انکار خلافت خلفاء ثلثہ پہ ہے اور ظاہر ہے کہ حاکم ان عقائد سے بالکل پاک تھے۔ جو شخص اہلبیت اور ذریت طیبہ کی محبت میں ذرا زیادتی کرے ان دنوں اسے بھی شیعہ کہہ دیتے تھے۔ حاکم کی بات بھی کچھ اس سے بڑھ کر نہیں۔

حاکم کی کتاب چار ضخیم جلدوں میں حیدر آباد دکن سے شائع ہو چکی ہے۔ حاکم تصحیح میں متساہل ہیں۔ علماء اس کا اعتبار نہیں کرتے۔ اس کے ذیل میں علامہ ذہبی کی تلخیص المستدرک

ہے۔ اس کی تائید کے بغیر مستدرک کی کسی روایت کو علی شرط الشیخین نہ سمجھنا چاہیئے۔

امام حاکم بہت بڑے مصنف تھے۔ ابن خلکان نے ان کی تالیفات ڈیڑھ ہزار کے قریب بتلائی ہیں۔ علم تفسیر میں ان کی کتاب الاکلیل اپنے فن کی بہت معرکۃ الآراء کتاب ہے۔

۲۸۔ حافظ ابو نعیم اصبہانی (۴۳۰ھ)

ابوالشیخ اصبہانی (۳۶۹ھ) کے بعد اس سرزمین سے اٹھنے والے یہ دوسرے عظیم محدث ہیں۔ خطیب تبریزی ان کے ذکر میں لکھتے ہیں:۔

ھو من مشائخ الحدیث الثقات المعمول بحدیثھم المرجوع الی قولھم کبیر القدر ولد سنۃ ۳۳۴ھ [۱]

ترجمہ: حدیث کے ان ثقہ مشائخ میں سے ہیں جن کی روایت معمول بہ اور جن کا قول لائق قبول رہا ہے۔ آپ بڑے درجہ کے محدث تھے۔ ۳۳۴ھ میں پیدا ہوئے۔

علامہ نورالدین ابوالہیثمی (صاحب مجمع الفوائد) نے آپ کی کتاب حلیۃ الاولیاء کو ابواب پر مرتب کیا ہے اور یہ کتاب چھپ چکی ہے۔

۲۱۔ ابن حزم الاندلسی (۴۵۷ھ)

ابو محمد علی بن احمد بن حزم فارسی النسل تھے۔ آباء و اجداد سپین جا بسے تھے۔ ابن حزم ۳۸۴ھ میں قرطبہ میں پیدا ہوئے۔ پہلے شافعی المذہب تھے۔ پھر داؤد ظاہری کا مسلک اختیار کیا اور قیاس کا سرے سے انکار کیا۔

حدیث پر بڑی گہری نظر تھی مگر فقہ کے انکار سے اس سے کماحقہ استفادہ کرنے کے دروازے خود اپنے آپ پر بند کر چکے تھے۔ تاہم اس سے انکار نہیں کہ ان کے علوم سے ایک عالم مستفید ہوا۔ امام غزالی نے بھی ان کی کتابوں کا مطالعہ کیا ہے۔ علوم عربیت پر علماء قرطبہ کو ویسے بھی بڑی دسترس ہوتی ہے اور یہ تو اس باب میں سباق الغایات تھے۔

---

[۱] الاکمال ص ۶۳۲ مع المشکوٰۃ

ان کی کتابوں میں کتاب الاحکام، المحلی اور کتاب الفصل فی الملل والنحل عام ملتی ہیں۔ شیخ عزالدین کہتے ہیں جتنا علم میں نے محلی ابن حزم اور مغنی ابن قدامہ میں دیکھا ہے اتنا کسی اور اسلامی کتاب میں نہیں دیکھا۔ تعجب ہے کہ امام ترمذی (۲۷۹ھ) کو آپ نے مجہول لکھا ہے۔ بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ آپ جامع ترمذی وغیرہ آپ دیکھ ہی نہ پائے تھے المحلی مطبع منیر مصر نے ۱۳۴۸ھ میں ۱۱ ضخیم جلدوں میں شائع کی۔

۲۲۔ امام ابوبکر احمد بن الحسین البیہقی (۴۵۸ھ)

خطیب تبریزی اکمال میں لکھتے ہیں:۔

کان اوحد دهره فی الحدیث والتصانیف ومعرفة الفقه وهو من کبار اصحاب الحاکم ابی عبد الله[1]

ترجمہ۔ آپ حدیث میں یکتائے روزگار تھے۔ فن تالیف اور معرفت فقہ میں نظیر نہ رکھتے تھے اور امام حاکم کے بڑے شاگردوں میں سے ایک تھے

آپ نے ابوطاہر، ابوعلی رودباری اور ابوعبدالرحمٰن سلمی سے بھی استفادہ کیا اور طلب حدیث میں کوفہ، بغداد، خراسان، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور دیگر کئی ممالک کے سفر کیے۔ شافعی المسلک تھے اور فقہ شافعی کی حمایت میں بہت تیز تھے۔ امام الحرمین کہتے ہیں:۔

ہر شافعی مذہب والے پر امام شافعی کا احسان ہے۔ لیکن بیہقی ہیں جن کا خود امام شافعی پر احسان ہے کیونکہ ان کی فقہ کو اس طرح مضبوط اور مدلل کر کے مدون کرنا اس کا سہرا ان کے سر ہے[2]

آپ نے ابن فورک متکلم سے بھی استفادہ کیا ہے۔ کتاب الاسماء والصفات میں اس کی جھلک ملتی ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے استواء علی العرش کے مسئلہ میں امام بیہقی سے استناد کیا تھا۔ مگر ان کے دوسرے علماء نے اسے مذہب محدثین سے خروج قرار دیا حالانکہ امام بیہقی بالاتفاق ایک جلیل القدر محدث ہیں۔

---

[1] الاکمال صفحہ ۶۳۲ مع المشکوٰۃ [2] ترجمان السنۃ جلد ۱ صفحہ ۲۷ ملخصاً

امام بیہقی کا مسلک اہلسنت میں تصلب

سلطان طغرل بیگ سلجوقی کے دربار میں ایک ملحد ابونصر منصور بن محمد الکندری وزارت کے منصب پر آگیا تھا اس نے معتزلہ کی حمایت میں بہت کوششیں کیں اور دو مسئلوں کو اپنا محور بنایا۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جسد اطہر قبر میں جماد محض ہے اور وفات کے بعد اب آپ رسول نہیں رہے۔ رسول کی وفات سے رسالت ختم ہو جاتی ہے۔

۲۔ وفات کے بعد روح و بدن کی کلی مفارقت ہے اور برزخ کے تمام معاملات روح پر گزرتے ہیں۔ جسد عنصری سے ان کا کوئی تعلق نہیں ہوتا ——— یہاں تک جھوٹ بولا گیا کہ امام ابوالحسن اشعری بھی انہی عقائد پر تھے اور یہ کہ ہم بھی اہلسنت ہیں ان سے خارج نہیں ہیں۔

امام بیہقی (۴۵۸ ھ) اور امام ابوالقاسم قشیری (۴۶۵ ھ) نے بڑی قوت سے ان بدعتیوں کا مقابلہ کیا۔ علامہ قشیری نے شکایۃ اہل السنۃ بما نالہم من المحنۃ لکھی اور امام بیہقی نے رسالہ حیات الانبیاء لکھ کر معتزلہ اور کرامیہ پر حجت تمام کی۔

حافظ ابن ابن عساکر (۵۷۱ ھ) نے تبیین کذب المفتری فیما نسب الی الامام الاشعری لکھ کر کرامیہ اور معتزلہ کی تردید کی ہے اور انہیں کذاب اور مفتری قرار دیا ہے۔ علامہ تاج الدین سبکی لکھتے ہیں:۔

فان قیل فمن این وقعت ھذہ المسئلۃ ان لم یکن لھا اصل قیل ان بعض ——— الکرامیہ ملاء اللہ تعالیٰ قبرہ نارا وظنی ان اللہ قد فعل، الزم بعض اصحابنا ..... الخ

ترجمہ۔ اگر پوچھا جائے کہ یہ مسئلہ اگر اس کی کوئی اصل نہ تھی کہاں سے آ گیا تو کہا جائے گا کہ بعض کرامیہ نے اللہ ان کی قبر کو آگ سے بھرے اور اور اپنا گمان یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کر دیا ہے۔ ہمارے بعض بزرگوں کو الزام دیا کہ ان کے عقیدہ میں حضورؐ اپنی قبر میں نبی اور رسول نہیں ہیں..... الخ

یہ مسئلہ کہ برزخ کے سارے معاملات صرف روح پر گزرتے ہیں بدن پر نہیں

اور قبر میں روح کا اس بدن عنصری سے کوئی تعلق نہیں ہوتا غلط ہے۔ پہلے یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ اس باب میں مذہب اہلسنت کیا ہے پھر کرامیہ کے اس الحاد کا جائزہ لیجئے۔ امام نووی شارح مسلم (۶۷۶ ھ) لکھتے ہیں:۔

ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه او الى جزء منه وخالف فيه عبد الله ابن كرام وطائفه فقالوا لا يشترط اعادة الروح قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس انما يكون في الحي قال اصحابنا ولا يمنع من ذلك كون الميت قد تفرقت اجزاءه كما نشاهد في العادة او اكلته السباع او حيطان البحر او نحو ذلك فكما ان الله تعالى يعيده للحشر وهو سبحانه وتعالى قادر على ذلك فكذا يعيد الحيوة الى جزء منه او اجزاء وان اكلته السباع والحيتان[۲]۔

ترجمہ۔ اہل سنت کا مذہب یہی ہے کہ عذاب اسی جسم کو یا اس کے کچھ حصے کو ہوتا ہے اور یہ روح کے جسم کی طرف لوٹنے سے ہوتا ہے اس میں (کرامیہ فرقے کے بانی) عبداللہ بن کرام اور کچھ لوگوں نے خلاف کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ عذاب قبر کے لیے روح کا بدن کی طرف لوٹنا ضروری نہیں ہم اہلسنت کے نزدیک یہ مذہب فاسد ہے کیونکہ الم اور احساس صرف زندہ کو ہی ہو سکتا ہے۔ اہلسنت اکابر کہتے ہیں کہ میت کے اجزاء بدن کا متفرق ہونا جیسا کہ ہم عام طور پر دیکھتے ہیں یا یہ کہ اسے درندے کھا گئے ہوں یا دریا کی مچھلیاں۔ یہ ہمیں رکاوٹ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ جس طرح اسے حشر کے دن اٹھائے گا اور وہ اس پر قادر ہے اس طرح وہ اس پر بھی قادر ہے کہ (قبر میں) اس کی طرف یا اس کے بعض حصہ بدن میں وہ حیات لوٹا دے۔

امام بیہقی محدثین کی نصرت میں بڑی جرأت سے نکلے اور ان ملاحدہ کے خلاف کتاب

---

[۱] طبقات الشافعیہ جلد ۲ صفحہ ۲۸۲ صفحہ ۲۷۹ وراجع لہ باب المغنم من رد المحتار (فتاوی شامی) جلد ۳ صفحہ ۴۳۶ و روضۃ البہیہ فیما بین الاشاعرہ والماتریدیہ صفحہ ۱۵ [۲] صحیح مسلم مع شرح نووی جلد ۲ صفحہ ۳۸۷

حیات الانبیاء تحریر فرمائی۔ اس میں محض حدیث کی روایت آپ کے پیش نظر نہ تھی نہ اس میں آپ کا موضوع راویوں کی جرح و تعدیل ہے۔ اس کتاب کا مقصد محض مذہب اہل سنت کی نشاندہی تھی اور وہ آپ نے کر دی۔ جو روایات آپ نے اس کتاب میں جمع کی ہیں آپ نے ان کے عام طرق اور شواہد یہاں جمع نہیں کئے اور نہ یہ ان کا یہاں موضوع تھا۔ اس مسئلہ میں محدثین کس عقیدہ پر رہے ان کے پیش نظر محض اس کا بیان ہے۔ سو اس کتاب کو اسی پس منظر میں پڑھنا چاہیئے کہ یہ محض کرامیہ کے رد میں لکھا گیا تھا اور اس کا مقصد محض مذہب اہل سنت کا اظہار تھا۔ ورنہ ان روایات کے دوسرے طرق جو اور کتابوں میں ملتے ہیں ان روایات کی پوری توثیق کرتے ہیں۔ امام بیہقی کا یہ رسالہ حیات الانبیاء روایات کی صحت و ضعف کا مبحث نہیں۔ یہ مذہب اہل سنت اور کرامیہ کے ذہنی تصادم کا بیان ہے اور یہ بات اہل علم پر مخفی نہیں ہے۔

(نوٹ) جس طرح جامع ترمذی امام ابن حزم کے مطالعہ سے نہ گزر سکی۔ اس طرح امام بیہقی، سنن نسائی، جامع ترمذی اور سنن ابن ماجہ تک رسائی نہ پا سکے تھے۔

سنن کبریٰ بیہقی کے بعد معرفۃ السنن والآثار آپ کی اہم کتاب ہے۔ آپ کی کتابیں شعب الایمان اور دلائل النبوت بھی بارہا چھپ چکی ہیں۔ کتاب الاسرار، کتاب الزہد اور دعوات الکبیر ہماری نظر سے نہیں گزریں۔ کتاب الاسماء والصفات، اسماء الٰہیہ اور مسئلہ صفات میں ایسی بلند پایہ تالیف ہے کہ سابقین میں بھی اس کی نظیر نہیں ملتی۔ جس طرح امام بخاری نے خلق افعال عباد اور الرد علی الجہمیہ عقائد کی اصلاح کے لیے لکھیں، امام مسلم نے کتاب الایمان لکھی۔ امام طحاوی نے عقیدۃ الطحاوی لکھی۔ امام بیہقی نے بھی اپنے وقت میں عقائد اہل سنت کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا اور محدثین اس باب میں کبھی غافل نہیں رہے۔

(نوٹ) کتاب الاسماء والصفات میں آپ اگر کہیں صحیح بخاری، صحیح مسلم یا پہلے محدثین کا حوالہ دیتے ہیں تو اس سے ان کے الفاظ کی پابندی اور ان روایات کی پوری نقل آپ کے پیش نظر نہیں ہوتی۔ بلکہ یہ اسی طرح ہوتا ہے جس طرح امام ترمذی کسی روایت کو نقل کرنے کے بعد وفی الباب عن فلاں عن فلاں کہہ دیں۔ حالانکہ روایات کے الفاظ اپنے اپنے ہوتے

ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام بیہقی مسندین (اپنی سند سے روایت لانے والوں) میں سے ہیں۔ مخرجین (تخریج کرنے والوں) میں سے نہیں۔ صاحب مشکوٰۃ، صاحب بلوغ المرام، صاحب آثار السنن، صاحب مجمع الزوائد، صاحب اعلاء السنن یہ مخرجین میں سے ہیں۔ انہیں الفاظ کی کمی بیشی یا روایت بالمعنی کا حق نہیں پہنچتا ——— امام ترمذی ہوں یا امام بیہقی ان کے اس قسم کے حوالوں سے جن میں الفاظ کی پابندی نہ ہو طلبہ کو شک میں نہ پڑنا چاہیئے مسندین کا مقام اور ہے اور مخرجین کا اور ——— آج بھی کئی لوگ غلط حوالے دے دیتے ہیں اور پھر امام بیہقی سے اس کا جواز ڈھونڈتے ہیں۔

۲۳۔ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ)

جامع بیان العلم، الاستیعاب اور تجرید التمہید آپ کی مشہور کتابیں ہیں، اہم ترین تالیف کتاب التمہید لما فی الموطا من المعانی والاسانید ہے جو حال میں شائع ہوئی ہے۔ اس کی بیس جلدیں ہیں۔ مراکش کے محکمہ شئون اسلامی نے اسے شائع کیا ہے۔ ابن عبدالبر بیشتر روایات اپنی سند سے لاتے ہیں۔ جامع بیان العلم سے ایک عالم فیضیاب ہے۔

آپ خلف بن قاسم، عبدالوارث بن سفیان، عبداللہ بن محمد بن عبدالمومن، ابوعثمان سعید بن نصر اندلسی، ابوالفضل احمد بن قاسم البزاز، ابوعمرو احمد بن محمد الطلمنکی اور ابو عمرو احمد الاشبیلی سے حدیث سنی۔ آپ سے ابوعبداللہ الحمیدی، ابوعلی غسانی، ابوالحسن طاہر بن فوز بن احمد المعافری اور ابوحیٰی سفیان بن ابی العاص نے حدیث روایت کی۔

۲۴۔ خطیب بغدادی (۴۶۳ھ)

شام اور عراق کے محدث ہیں۔ بغداد کے بعد شام اور پھر اصفہان گئے۔ حافظ ابونعیم سے بھی سماع کیا۔ معرفت حدیث، حفظ و ضبط اور علل و اسانید کے ماہر تھے۔ سمعانی کہتے ہیں میں نے خطیب کے سولہ شاگردوں سے حدیث پڑھی ہے۔ شرف اصحاب الحدیث، الکفایہ فی علوم الروایۃ الجامع اور تاریخ بغداد آپ کی مشہور کتابیں ہیں۔ تاریخ میں رطب و یابس لے آئے ہیں۔

چھٹی صدی میں تالیفِ حدیث نئے دور میں

اسلام کی پہلی پانچ صدیوں کے محدث مسندین تھے۔ ان ادوار میں راویوں کی جرح و تعدیل اور سندوں کے اتصال و انقطاع، مسائل کے اثبات و نسخ اور عقائد کے احقاق و ابطال کی بحثیں خوب رہیں۔ چھٹی اور ساتویں صدی ہجری میں گو اپنے اسناد سے چلنے والے محدثین جیسے ابوالحسن رزین (۵۲۵ھ) ابن جوزی (۵۹۷ھ) مبارک بن محمد ابن اثیر الجزری (۶۰۶ھ) بھی رہے۔ لیکن محدثین کی زیادہ تر توجہ پچھلے ذخائر حدیث کو نئی نئی تالیفات میں لانے میں لگی رہی۔ محمد بن ابی نصر الحمیدی الاندلسی (۴۸۸ھ) جنہوں نے بغداد میں اصحاب دارقطنی سے حدیث سُنی تھی۔ انہوں نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کو جمع کر کے کتاب الجمع بین الصحیحین لکھی۔

۱۔ ابو محمد حسین البغوی (۵۱۶ھ)

صاحب معالم التنزیل نے کتاب المصابیح[1]، شرح السنۃ لکھیں۔ اکمال میں ہے:۔

کان اماماً فی الفقه والحدیث وکان متورعاً ثبتاً حجة صحیح العقیدۃ فی الدین[2]

۲۔ ابوالحسن رزین بن معاویہ (۵۲۵ھ)

کتاب التجرید فی الجمع بین الصحاح لکھی۔ آپ حفاظ حدیث میں شمار کیے گئے ہیں۔ آپ نے بعض روایات اپنی سند سے بھی نقل کی ہیں۔ مشکوٰۃ میں ان کی بھی تخریج ملتی ہے۔

۳۔ المبارک بن محمد الجزری (۶۰۶ھ)

ابن اثیر جزری الجزیرہ کے رہنے والے تھے۔ پھر ۵۶۵ھ میں موصل منتقل ہوگئے۔ بغداد بھی گئے اور ائمہ کبار سے حدیث سُنی۔ حدیث اور لغت میں امام تھے۔ جامع الاصول اور النہایہ انہی کے تالیفات ہیں۔ تاریخ کامل ابن اثیر ان کی نہیں ان کے بھائی کی تالیف ہے۔

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح اسی پر مرتب کی گئی ہے۔ [2] الاکمال ص

۴۔ شیخ زکی الدین المنذری (۶۵۶ھ)

عبدالعظیم بن عبدالقوی زکی الدین ابو محمد المنذری اصلاً شامی ہیں۔ پھر مصر چلے آئے۔ امام بیہقی کے بیٹے المطہر اور حافظ علی بن المفضل المقدسی سے حدیث سنی۔ حافظ ابو محمد الدمیاطی، تقی الدین بن دقیق العید اور شریف عز الدین کے شاگرد ہیں۔

عدیم النظیر فی علم الحدیث علی اختلاف فنونہ۔ عالما بصحیحہ وسقیمہ ومعلولہ وطرقہ۔ متبحراً فی معرفۃ احکامہ ومعانیہ ومشکلہ۔ قیماً بمعرفۃ غریبہ واعرابہ واختلاف الفاظہ، اماماً حجۃ ثبتاً ورعاً۔ (طبقات الحفاظ)

۵۔ حافظ قطب الدین الحلبی (۷۳۵ھ)

کبار محدثین میں سے ہیں۔ مذہباً حنفی تھے۔ غنیۃ المستملی شرح منیۃ المصلی انہی کی تالیف ہے۔

۶۔ خطیب تبریزی (۷۴۳ھ)

کتاب المصابیح کی اساس پر مشکوٰۃ المصابیح تالیف کی اور حدیث کی پندرہ کتابوں سے تین مختلف فصول میں ان کے درجات کے مطابق روایات نقل کی ہیں۔ آپ شافعی المسلک ہیں۔

۷۔ حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ)

صاحب نصب الرایہ (چار ضخیم جلدوں میں) جمال الدین الزیلعی فخر الدین الزیلعی شارح کنز سے کچھ متاخر ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی نے نصب الرایہ کی تلخیص الدرایہ کے نام سے کی ہے۔

۸۔ نور الدین ابو الحسن الہیثمی (۸۰۷ھ)

قاہرہ میں پیدا ہوئے اور وہیں فوت ہوئے۔ ابو الفتح میدومی، ابن ملوک، ابن قطروانی، سے مصر میں اور ابن الحموی اور ابن قیم ضیائیہ سے شام میں استفادہ کیا۔ زین الدین عراقی (۸۰۶ھ) کے ہمیشہ رفیق رہے۔ حجاز و شام کے سفر انہوں نے اکٹھے کیے۔ مجمع الزوائد و منبع الفوائد جیسی

عظیم کتاب انہی کی تالیف ہے۔ اس میں آپ نے مسند امام احمد، طبرانی کے تین معجموں، مسند بزار اور زوائد ابی یعلیٰ سب کتابوں کو جمع کر دیا ہے۔ یہ کتاب مطبع انصار دہلی سے ۱۳۰۸ھ میں پھر مصر ۱۳۵۲ھ سے دس ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) نے نصف مجمع الزوائد ان سے پڑھی۔ مجمع الزوائد میں آپ نے کہیں کہیں راویوں پر جرح و نقد بھی کی ہے اور روایات پر صحت و سقم کا حکم بھی لگایا ہے۔ ان میں سے بعض امور میں حافظ ابن حجر کو اختلاف تھا۔ لیکن آپ نے ان کے احترام میں اس پر کچھ نہیں لکھا۔ حافظ ابن حجر آپ کی حدیثی مہارت کے پوری طرح قائل تھے۔ آپ نے حافظ ابو نعیم کی کتاب الحلیہ کو بھی ابواب پر مرتب کیا اور یہ بھی حدیث کی بڑی خدمت تھی۔ علماء میں آپ زین الدین العراقی صاحب المغنی عن حمل الاسفار فی تخریج مافی الاحیاء من الآثار کے جانشین کے طور پر مشہور تھے۔

ابن اثیر جزری (۶۰۶ھ) کے جامع الاصول اور نور الدین الہیثمی کے مجمع الزوائد سے جمع الفوائد لکھی گئی۔ جو مطبع خیریہ میرٹھ سے ۱۳۴۵ھ میں شائع ہوئی۔

یہاں کتابوں کا تذکرہ مقصود نہیں۔ اسے ہم کتب حدیث کے تحت بیان کر چکے ہیں یہاں ہم انہی ناموں پر اکتفا کرتے ہیں۔ یہاں اصل موضوع محدثین کا تذکرہ ہے جو اپنی حدیثی خدمات میں علمائے مسندین کے بعد علمائے مخرجین کی حیثیت سے حدیث کی برابر خدمت کرتے رہے اور اپنے وقت میں اس فن کی ریاست اور موضوع کی سیادت انہی کے ہاتھ میں رہی

علمائے امت نے ہر دور میں جن کو ائمہ فن سمجھا۔ ان میں امام ابن صلاح (۶۴۳ھ) حسن صغانی لاہوری (۶۵۰ھ) امام نووی صاحب ریاض الصالحین (۶۷۶ھ) شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ (۷۲۸ھ) حافظ قطب الدین الحلبی (۷۳۵ھ) ابن قیم جوزیہ (۷۵۱ھ) ابن کثیر صاحب البدایہ والنہایہ (۷۷۴ھ) زین الدین العراقی (۸۰۶ھ) حافظ ذہبی (۸۴۸ھ) حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) حافظ بدر الدین العینی (۸۵۵ھ) علامہ ابن ہمام الاسکندری (۸۶۱ھ) وغیرہم اس فن میں روشنی کے مینار ہیں۔

یہ حضرات بیشتر برصغیر پاک و ہند سے باہر کے ہیں۔ اس برصغیر میں کون کون سے علماء

گذرے جنہوں نے نمایاں طور پر حدیث کی خدمت کی۔ ان میں سے بعض حضرات کے اسمار گرامی لکھ لیجیے۔ انہیں اپنی صف کے ائمہ حدیث میں جگہ دی جا سکتی ہے۔ کچھ علمائے حدیث اور بھی ہوں گے

گجرات کے علاقہ احمد آباد کے شیخ راجح بن داؤد (۹۰۴ھ) شاگرد امام سخاوی، شیخ علی المتقی (۹۷۵ھ) صاحب کنز العمال من سنن الاقوال والافعال، شیخ محمد طاہر الفتنی (۹۸۶ھ) صاحب مجمع البحار، المغنی فی ضبط اسمار الرجال و تذکرۃ الموضوعات، شیخ رحمت اللہ سندھی (۹۹۴ھ) صاحب تلخیص تنزیہہ الشریعہ عن الاحادیث الموضوعہ، شیخ وجیہہ الدین علوی شارح شرح نخبۃ الفکر (۹۹۸ھ) مولانا محمد عثمان سندھی شارح بخاری (۱۰۰۸ھ) شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) صاحب لمعات التنقیح شرح مشکوٰۃ المصابیح شیخ نورالحق محدث دہلوی (۱۰۷۳ھ) شارح صحیح البخاری، ابو یوسف محمد بن یعقوب بنانی لاہوری (۱۰۹۸ھ) صاحب الخیر الجاری بشرح صحیح البخاری والمعلم بشرح صحیح مسلم، شیخ محمد بن جعفر گجراتی صاحب زینۃ النکات فی شرح المشکوٰۃ (۱۱۱۱ھ) محدث ابوالحسن السندھی شارح صحاح ستہ (۱۱۳۸ھ) شیخ محمد افضل سیالکوٹی (۱۱۴۶ھ) شیخ نورالدین احمد آبادی (۱۱۵۵ھ) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) علامہ مرتضیٰ زبیدی (۱۲۰۵ھ) صاحب عقود الجواہر المنیفہ و اتحاف النبلار و تاج العروس حضرت قاضی ثنار اللہ پانی پتی (۱۲۲۵ھ) صاحب تفسیر مظہری، مخدوم عبداللہ سیہوانی (۱۲۲۴ھ) مؤلف الازہار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) شاہ رفیع الدین دہلوی (۱۲۳۳ھ) شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (۱۲۳۰ھ) مولانا عبدالعزیز پرہاروی صاحب نبراس (۱۲۴۶ھ) شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی (۱۲۶۲ھ) شاہ عبدالغنی مجددی (ھ) محدث العصر مولانا مملوک علی (۱۲۶۷ھ) مولانا احمد الدین بگوی (۱۲۸۶ھ) نواب قطب الدین دہلوی شارح مشکوٰۃ (۱۲۸۹ھ) مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری (۱۲۹۷ھ) بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۲۹۷ھ) حضرت مولانا عبداللہ غزنوی (۱۲۹۸ھ) مولانا حیدر علی فیض آبادی صاحب منتہی الکلام (۱۲۹۹ھ) مولانا محمد مظہر نانوتوی (۱۳۰۲ھ) مولانا محمد یعقوب نانوتوی (۱۳۰۲ھ) حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی شارح موطا امام محمد (۱۳۰۴ھ) مولانا فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی (۱۳۱۳ھ) مولانا فخرالحسن گنگوہی (۱۳۱۵ھ) محدث محمد بن علی الیمنوی صاحب آثار السنن

(۱۳۲۲ھ) نواب صدیق حسن خاں (۱۳۰۷ھ) مولانا رشید احمد محدث گنگوہی (۱۳۲۳ھ) مولانا احمد حسن محدث امروہی (۱۳۳۰ھ) مولانا سید نذیر حسین دہلوی (۱۳۲۰ھ) حافظ عبدالمنان وزیرآبادی (۱۳۳۴ھ) مولانا شمس الحق عظیم آبادی شارح ابی داؤد وسنن دارقطنی (ھ) شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی (۱۳۳۹ھ) مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری شارح ابی داؤد (۱۳۴۶ھ) مولانا عبدالجبار غزنوی (ھ) حضرت مولانا محمد علی مونگیری (۱۳۴۶ھ) حضرت مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی (۱۳۴۷ھ) مولانا فخر الدین گنگوہی (۱۳۵۲ھ) امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری (۱۳۵۳ھ) مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری شارح ترمذی (۱۳۵۳ھ) حضرت مولانا حسین علی واں بھچراں والے (۱۳۶۳ھ) مولانا عبدالعزیز گوجرانوالوی صاحب نبراس الساری (ھ) شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی شارح صحیح مسلم (۱۳۶۹ھ) محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی ثم المدنی (ھ) حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی (۱۳۷۲ھ) حضرت مولانا محمد حسن محدث فیض پوری (۱۹۲۱ء) حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی (۱۳۷۷ھ) حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی (۱۳۸۱ھ) مولانا فخر الدین امروہوی شیخ الحدیث دیوبند (۱۳۹۲ھ) سید مظہر حسین حیدرآبادی صاحب زجاجۃ المصابیح (ھ) محدث دیوبند میاں سید اصغر حسین (ھ) محدث العصر مولانا ظفر احمد عثمانی مؤلف اعلاء السنن وقواعد علوم الحدیث (ھ) مولانا محمد ادریس کاندھلوی مؤلف التعلیق الصبیح علی المشکوٰۃ وتحفۃ الباری فی حل المشکلات البخاری (ھ) مولانا شمس الحق افغانی شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل (ھ) حضرت مولانا عبدالرحمٰن کیمبلپوری سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور (ھ) شیخ الحدیث مولانا نصیر الدین غورغشتوی (ھ) محدث العصر مولانا یوسف البنوری شارح جامع ترمذی (ھ) حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب (ھ) حضرت مولانا خیر محمد جالندھری بانی خیر المدارس جالندھری (ھ) مولانا مفتی محمد شفیع صاحب شیخ الحدیث سراج العلوم سرگودھا (ھ) حضرت مولانا عبدالحنان اوکاڑوی ثم المدنی (ھ) قاضی شمس الدین صاحب گوجرانوالہ (ھ) شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد گوندلوی از گوجرانوالہ

اھل حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ. اما بعد :

اہل حدیث کا عنوان دو اصطلاحوں میں مختلف معانی کا حامل ہے۔ ① اہلحدیث باصطلاح قدیم ② اہلحدیث باصطلاح جدید ـــــ اصطلاح قدیم میں اس سے مراد وہ لوگ تھے جو حدیث روایت کرنے، پڑھانے، اس کے راویوں کی جانچ پڑتال کرنے اور اس کی شرح میں مشتغل رہتے تھے۔ انہیں محدثین بھی کہا جاتا تھا اور وہ واقعی اس فن کے اہل سمجھے جاتے تھے۔ سو اھل علم کی اصطلاح قدیم میں اہل حدیث سے مراد حدیث کے اہل لوگ تھے۔ اہلِ ادب، اہل حدیث، اہلِ تفسیر سب اسی طرح کی اصطلاحیں ہیں ـــــ حافظ محمد ابراہیم الوزیر لکھتے ہیں :-

ومن المعلوم ان اھل الحدیث اسم لمن عنی به وانقطع فی طلبه......

فھؤلاء ھم اھل حدیث من ای مذاھب کانوا۔[1]

ترجمہ: یہ بات معلوم ہے کہ اہل حدیث اس طبقے کا نام ہے جو اس فن کے درپے ہو اس کی طلب میں منہمک رہے ایسے سب لوگ اہل حدیث ہیں۔ خواہ وہ کسی مسلک سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ محدثین خواہ وہ کسی بھی فقہی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں اس فن کے اعتبار سے اہلحدیث کہلاتے تھے۔ مولانا محمد ابراہیم صاحب میرؔ بھی لکھتے ہیں :-

بعض جگہ تو ان کا ذکر لفظ اہل حدیث سے ہوا ہے اور بعض جگہ اصحاب حدیث سے، بعض جگہ اہل اثر کے نام سے اور بعض جگہ محدثین کے نام سے، مرجع ہر لقب کا یہی ہے۔[2]

---

[1] الروض الباسم جلد ۱ صـ ۱۲۲ [2] تاریخ اہلحدیث صـ ۱۲۸

اصطلاح جدید میں اہل حدیث سے مراد اہل علم کا کوئی طبقہ نہیں، بلکہ ایک خاص فقہی مسلک ہے۔ جو ائمہ اربعہ میں سے کسی کی پیروی کا قائل نہیں۔ اہل حدیث کی یہ اصطلاح بہت بعد کی ہے قرون وسطیٰ میں یہ کسی فقہی مسلک کا نام نہ تھا۔ اصطلاح جدید میں اس سے مراد جماعت اہلحدیث ہے۔ اس میں پڑھے ہوئے اور اَن پڑھ دونوں طرح کے لوگ شامل ہیں۔

آج کے عنوان میں "اہلحدیث" کا لفظ اسی جدید اصطلاح میں ہے اور اس سے مُراد جماعت اہلحدیث ہے۔ انہیں غیر مقلدین بھی کہتے ہیں۔ یہ حضراتؒ براہِ راست حدیث سے انتساب کے مدعی ہیں۔ سو یہاں اہلحدیث سے مراد حدیث کے ماننے والے نہیں جیسا کہ اس کی لفظی دلالت ہے۔ کیونکہ حدیث کو تو سب مسلمان اپنے لیے حجت مانتے ہیں اور سب فرقے اس سے تمسک کے مدعی ہیں۔ جو حدیث کو نہیں مانتا وہ تو مسلمان ہی نہیں ہے۔ سو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مسلمانوں کا صرف ایک فرقہ اہلحدیث بمعنی حدیث کو ماننے والا ہو ——— اور باقی مسلمانوں کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ وہ حدیث کو نہیں مانتے اور ہیں وہ بھی مسلمان۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یہ خود ایک بڑی غلطی ہوگی۔

ع بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

حجیت حدیث کی بحث میں ہم کہہ آئے ہیں کہ جو شخص حدیث ماننے کا قائل نہ ہو۔ وہ مسلمان نہیں ہے۔ پس یہ تسلیم کرنے سے چارہ نہیں کہ یہاں "حدیث" سے مراد "حدیث کے ماننے والے" نہیں لیئے جا سکتے۔ بلکہ وہ ایک خاص فرقہ ہے جو فقہی مسائل میں کسی امام کی پیروی کا قائل نہیں اور فروعات میں براہِ راست حدیث سے انتساب کا مدعی ہے۔

عوامی سطح پر اگر اہلحدیث کے معنی "حدیث کے ماننے والے" کیئے جائیں تو اس سے منکرین حدیث کو بہت قوت ملے گی اور وہ برملا کہیں گے کہ مسلمانوں کا صرف ایک فرقہ جو برصغیر پاک و ہند میں پانچ فیصد سے زیادہ نہیں، حدیث ماننے کا قائل ہے۔ باقی سب مسلمان خواہ وہ کسی بھی مسلک سے تعلق رکھتے ہوں ان کے ہاں حدیث حجت نہیں اور اُسے ماننا ضروری نہیں۔ حدیث اگر سب مسلمانوں کے ہاں حجت سمجھی جاتی اور اس کا ماننا سب مسلمانوں کے نزدیک ضروری ہوتا تو ایک فرقے کا نام اہلحدیث کیوں ہوتا؟ جواباً گذارش

ہے کہ مسلمانوں کے کسی ایک فرقے کو "اہلحدیث" موسوم کرنا پہلے دور سے بہت بعد کی اور ایک جدید اصطلاح ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں اس نام سے کوئی فقہی مسلک یا فرقہ معروف نہ تھا۔

اس تفصیل سے پتہ چلتا ہے کہ اس معنی کے لحاظ سے اپنے آپ کو اہلحدیث کہنا اسی طرح صحیح نہیں جس طرح منکرین حدیث کا اپنے آپ کو اہل قرآن کہنا صحیح نہیں۔ کیوں کہ قرآن کریم کو تو سبھی مسلمان مانتے ہیں۔ ان میں کسی ایک فرقے کی کیا تخصیص؟ اور حدیث کو سبھی مسلمان مانتے ہیں اس میں بھی کسی ایک کی کیا تخصیص؟ قرآن و حدیث کو اصولاً تسلیم کیے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں ہو سکتا ——— ہاں جب اس عنوان سے ایک مسلک اپنی جگہ معروف ہو چکا۔ تو ضروری ہے کہ حدیث کے طلبہ اس سے بھی کچھ نہ کچھ تعارف ضرور رکھتے ہوں۔ لیکن ضروری ہے کہ وہ ہر دو اصطلاحوں کو پیشِ نظر بھی رکھیں۔

اہلحدیث متقدمین کی اصطلاح میں

قرونِ اولیٰ اور قرونِ وسطیٰ میں اہلحدیث سے مراد وہ اہل علم تھے۔ جو حدیث پڑھنے پڑھانے راویوں کی جانچ پڑتال اور حدیث کی شرح و روایت میں مشغول رہتے ہوں۔ حدیث ان کا فن ہو اور وہ علمی طور پر اس کے اہل ہوں۔ دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ ان ادوار میں اہلحدیث سے محدثین مراد لیے جاتے تھے۔ اگر کوئی علمی طور پر اس درجے میں نہیں کہ حدیث پر کوئی فیصلہ دے یا اس کے راویوں کو پہچانے۔ تو صاف کہہ دیا جاتا تھا کہ وہ اہلحدیث میں سے نہیں ہے عامی ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ (۷۲۸ھ) ایک مقام پر محدثین کی اس عادت پر کہ فضائل میں ضعیف حدیثیں بھی روایت کر دیتے ہیں، تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

والبیھقی یروی فی الفضائل کثیرۃ ضعیفۃ بل موضوعۃ کما جرت عادۃ امثالہ من اھل الحدیث۔[۱]

ترجمہ بیہقی فضائل میں بہت سے ضعیف بلکہ موضوع احادیث بھی لے آتے ہیں جیسے کہ ان جیسے اہلحدیث کی عادت جاری ہے۔

---

[۱] منہاج السنۃ جلد ۳ صفحہ ۸

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ جس طرح علم نحو میں نحویوں کی طرف، لغات میں علماء لغت کی طرف، شعر میں علماء ادب کی طرف اور طب میں علماء طب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اہل حدیث سے مراد بھی وہ علماء فن ہوں گے جن کی طرف اس فن میں رجوع کیا جا سکے۔

المنقولات فیها کثیر من الصدق وکثیر من الکذب والمرجع فی التمییز بین هذا وبین هذا الی اهل الحدیث کما یرجع الی النحاة فی النحو ویرجع الی علماء اللغة فیما هو من اللغة وکذلک علماء الشعر والطب وغیر ذلک فلکل علم رجال یعرفون به والعلماء بالحدیث اجل قدراً من هولاء واعظمهم صدقاً واعلاهم منزلةً واکثرهم دیناً۔[1]

ترجمہ۔ اس باب میں صدق وکذب پر مشتمل روایات بہت ہیں۔ سچی اور جھوٹی کی تمیز کے لیے اہلحدیث کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا۔ جیسے نحو کے باب میں نحویوں کی طرف، لغت کے باب میں علماء لغت کی طرف رجوع کیا جاتا ہے ——— ہر علم کے کچھ رجال ہوتے ہیں۔ انہیں اس علم کے پہلو جانا جاتا ہے۔ علماء حدیث ان سب سے زیادہ جلیل القدر ہیں۔ سب سے زیادہ سچے ہیں اور سب سے اونچا درجہ رکھتے ہیں اور ان میں دین بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔

حافظ جمال الدین الزیلعی (۷۶۲ھ) ابن دمیہ سے نقل کرتے ہیں

یجب علی اهل الحدیث ان یتحفظوا من قول الحاکم فانه کثیر الغلط ظاهر السقط وقد غفل عن ذلک کثیر من جاء بعده وقلده فی ذلک۔[2]

ترجمہ۔ اہل حدیث پر لازم ہے کہ حاکم کے قول سے بچیں وہ بہت غلطیاں کرتے ہیں، ناقابل اعتماد ہیں۔ بہت سے لوگ جو ان کے بعد آئے اور اس میں ان کی پیروی کرتے رہے اس حقیقت سے ناواقف ہیں۔

دوسری صدی کے جلیل القدر محدث حضرت امام شافعی ایک جگہ حدیث لاوصیہ لوارث کے بارے میں لکھتے ہیں :-

---

[1] منہاج السنۃ جلد ۴ صفحہ ۱۰ از الاجوبۃ الفاضلہ صفحہ ۱۴۲ [2] نصب الرایہ جلد ۱ صفحہ ۳۴۵

انه لا یثبته اهل الحدیث ولکن العامة تلقته بالقبول وعملوا به۔[1]

ترجمہ: اہلحدیث تو اسے ثابت نہیں مانتے لیکن عامۃ الناس نے اسے قبول کیا اور اس پر عمل کیا ہے۔

یہاں اہلحدیث کا لفظ عامہ کے مقابلہ میں ہے اور مراد اس سے اہل علم ہیں

محدثین میں ہلال بن یساف کے بارے میں ایک سوال اٹھا کہ اس نے وابصہ بن معبد کو پایا ہے یا نہیں؟ اور یہ روایت کس طرح ہے۔ اس پر امام ترمذیؒ لکھتے ہیں:۔

فاختلف اهل الحدیث فی هذا فقال بعضهم حدیث عمرو بن مرة عن
هلال بن یساف عن عمرو بن راشد عن وابصة اصح وقال بعضهم حدیث
حصین عن هلال بن یساف عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصة اصح
قال ابو عیسٰی وهذا عندی اصح من حدیث عمرو بن مرة۔[2]

ترجمہ: اہلحدیث کا اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں عمرو بن مرہ کی روایت زیادہ صحیح اور بعض کہتے ہیں حصین کی روایت زیادہ صحیح ہے۔

یہ عبارت بڑی وضاحت سے بتلا رہی ہے کہ اہلحدیث سے مراد یہاں محدثین ہیں۔ سند میں محدثین کے اختلاف کو اختلاف اہلحدیث کہہ کر ذکر کیا گیا ہے۔ یہاں فقہی مسلک کا کوئی فرقہ مراد نہیں ہے جس میں تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ دونوں قسم کے لوگ ہوں۔ یہ تیسری صدی ہجری کی تحریر یہ صریح طور پر بتلا رہی ہے کہ ان دنوں اہلحدیث سے مراد محدثین لیئے جاتے تھے۔ نہ کہ کوئی فقہی مسلک یا فرقہ۔

ابو ابراہیم الانصاری المدینی کے بارے میں لکھتے ہیں۔

لیس هو بالقوی عند اهل الحدیث[3] وہ اہلحدیث کے ہاں قوی نہیں ہے۔

ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

تکلم فیه بعض اهل الحدیث من قبل حفظه۔[4] اس میں بعض اہلحدیث نے حفظ کی رو سے کلام کیا ہے

پھر ایک اور جگہ لکھتے ہیں:۔

---

[1] التمهید لما فی المؤطا من المعانی والاسانید جلد ۱ ص [2] جامع ترمذی جلد ۱ ص ۳۱ [3] ایضاً جلد ۲ ص ۴۲ [4] ایضاً جلد ۲ ص ۴۲

وھو ضعیف عند اھل الحدیث. وہ اہل حدیث کے ہاں ضعیف ہے۔

امام ترمذی اہلحدیث کو کہیں کہیں اصحاب الحدیث کہہ کر بھی ذکر کرتے ہیں حدیث لاتزال طائفة من امتی ظاھرین علی الحق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ان سے مراد اصحاب الحدیث ہیں امام بخاری نے بھی تصریح کی ہے کہ اس سے مراد علم حدیث کے ماہر اہل العلم ہیں[1]

خطیب بغدادی (۴۶۲ھ) ابو عبداللہ الحاکم کے اس زعم پر کہ حدیث طیبہ اور حدیث من کنت مولاہ صحیحین کی شرطوں کے مطابق ہیں جرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

فانکر علیہ اصحاب الحدیث ذلك ولم یلتفتوا الی قولہ ولا صوبوہ علی فعلہ۔[2]

ترجمہ۔ اصحاب الحدیث نے اس پر انکار کیا ہے اور اس کی بات پر توجہ نہیں کی اور اسے اس کے عمل میں درست نہیں کہا۔

حافظ ابن عبدالبر مالکی (۴۶۳ھ) بھی ایک جگہ لکھتے ہیں:۔

وقالت فرقة من اھل الحدیث ان وطئ فی الدم فعلیہ دینار وان وطئ فی انقطاع الدم فنصف دینار ورأت فرقة من اھل الحدیث تطویل السجود فی ذلك[3]

ترجمہ۔ اہل حدیث کی ایک جماعت نے کہا ہے اگر اس نے ایام میں اس سے صحبت کی تو اسے ایک دینار صدقہ لازم آئے گا اور بعض اہل حدیث نے کہا ہے کہ اس پر دراز سجدہ اس کے ذمہ ہے۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اہلحدیث میں فقہی مسلک کے کئی فرقے تھے۔ اہلحدیث خود کوئی فقہی مسلک یا فرقہ نہ تھا نہ ان کی کوئی علیحدہ جماعت بندی تھی۔

امام نووی شارح صحیح مسلم ساتویں صدی ہجری کے نامور محدث ہیں۔ آپ نے ایک مقام پر حذف الفاظ کی بحث کی ہے۔ اس میں آپ محدثین کی عادت ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

جرت عادة اھل الحدیث بحذف قال ونحوہ فیما بین رجال الاسناد فی الخط وینبغی للقاری ان یلفظ بھا۔[4]

---

[1] صحیح البخاری جلد۲ صـ۱۰۸۷ [2] تاریخ بغداد جلد ۵ صـ۴۷۴ [3] تمہید جلد۳ صـ۱۷۶ [4] مقدمہ شرح نووی صـ۱۹ (دہلی)

ترجمہ۔ اہل حدیث کا طریقہ تحریری رجال اسناد میں قال وغیرہ کے الفاظ کو حذف کرتا رہا ہے۔ لیکن قاری کو چاہیئے کہ وہ انہیں بولا کرے۔

ظاہر ہے کہ یہاں اہل حدیث سے مراد اصحاب اہل فن علماء حدیث ہی ہو سکتے ہیں نہ کہ کسی ایک فقہی مسلک کے عوام۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ساتویں صدی ہجری تک اہل علم کے ہاں اہلحدیث سے مراد محدثین ہی لیئے جاتے تھے۔ ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:۔

یجوز عند اھل الحدیث التساھل فی الاسانید الضعیفۃ وروایۃ ماسوی الموضوع من الضعیف والعمل بہ۔[1]

ترجمہ۔ اہل حدیث کے ہاں اسانید ضعیفہ میں بشرطیکہ موضوع کی حد تک نہ ہوں۔ درگزر سے کام لینا اور اس پر عمل کرنا جائز رکھا گیا ہے۔

صحیح البخاری کے الفاظ فاجازوہ کی شرح میں حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) لکھتے ہیں:۔

فمعنی قول البخاری فاجازوہ ای تبلوہ منہ ولم یقصدوا لاجازۃ المصطلحۃ بین اھل الحدیث۔[2]

ترجمہ۔ امام بخاری نے فاجازوہ کے الفاظ اجازت کے اس معنی میں استعمال نہیں کیئے۔ جو اہلحدیث کی اصطلاح ہے۔

حافظ ابن حجر کے ان الفاظ سے یہ بات واضح ہے کہ ان دنوں اہلحدیث سے کوئی فقہی مکتب فکر ہرگز مراد نہ تھا۔ بلکہ اس سے اہل فن محدثین ہی مراد لیئے جاتے تھے اور ان کی اپنی اپنی اصطلاحات تھیں اور اس سے یقیناً اہل علم کا ہی ایک طبقہ مراد ہوتا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رح ایک اور مقام پر حدیث لن تزال ھذہ الامۃ قائمۃ علی امر اللہ کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

وقد جزم البخاری بان المراد بھم اھل العلم بالآثار وقال احمد بن حنبل ان لم یکونوا اھل الحدیث فلا ادری من ھم۔[3]

ترجمہ۔ امام بخاری نے پورے یقین سے کہا ہے کہ اس سے مراد احادیث کے اہل علم ہیں اور امام احمد فرماتے ہیں کہ اگر اس سے اہلحدیث مراد نہ ہوں تو میں نہیں جانتا کہ پھر کون لوگ مراد ہوں گے۔

---

[1] تقریب بشرح التدریب صد ۱۹۶ [2] فتح الباری جلد ا صد ۱۴۹ [3] فتح الباری صد ۱۲۴ جلد ا

لانورث ماترکنا ہ صدقۃ مشہور حدیث ہے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔انبیاء کی وراثت نہیں ہوتی۔ہم جو چیز چھوڑیں وہ صدقہ میں جائے گی شیعہ علماء نے اسے اپنے معتقد کے خلاف سمجھتے ہوئے لا نُورث کے الفاظ کو لا یورث سے بدل دیا۔اب معنی یہ ہوگئے کہ ہم مسلمان جو چیز صدقہ میں چھوڑیں اسے وراثت میں نہ لایا جائے۔اب یہ مسئلہ وراثت انبیاء سے نکل کر ایک عام ضابطہ میں آگیا کہ صدقہ میں دی گئی چیز پھر اپنی ملکیت میں نہیں لی جاتی۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ یہاں دیکھنا چاہیئے محدثین کی اصل روایت کیا اور انہوں نے حدیث کو کن الفاظ میں ضبط کیا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

والذی توارد علیہ اھل الحدیث فی القدیم والحدیث لانورث بالنون[1]

یہاں اہلحدیث سے مراد فن حدیث کے ماہرین ہیں۔اس وقت تک اہلحدیث کا لفظ انہی معنوں میں بولا جاتا تھا جو عہد قدیم میں اس لفظ کے معنی تھے۔یہ لفظ اہل علم کے اس طبقہ کے لیئے استعمال ہوتا تھا۔جو محدثین تھے۔یہ کسی ایک مکتب فکر یا فرقے کا نام نہ تھا۔یہ ماہرین فن سب اس پر متفق ہیں کہ اصل روایت نون سے ہے یا سے نہیں۔ اہل حدیث الفاظ حدیث کو ان کے اصل مراجع و مصادر سے پہچانتے ہیں اور وہ محدثین ہیں۔

سو ہمیں اس میں کوئی شک نہیں کہ اہلحدیث باصطلاح قدیم سے مراد فن حدیث کے جاننے والے تھے۔اہل العلم بالآثار سے یہی مراد ہے۔علامہ شامی محقق ابن ہمام (۸۶۱ھ) سے یہ بحث نقل کرتے ہیں۔کہ خوارج کو کافر کہا جائے یا نہ؟ محقق ابن ہمام نے لکھا ہے:۔

ذھب بعض المحدثین الی کفرھم قال ابن المنذر ولا اعلم احداً وافق اھل الحدیث علی تکفیرھم[2]

ترجمہ۔بعض محدثین ان کی تکفیر کے قائل ہیں ابن المنذر نے کہا ہے میں نہیں جانتا کہ کسی نے اس پر محدثین کی موافقت کی ہو۔

---

[1] فتح الباری کما فی حاشیۃ ابی داؤد ص ۴۱۴ ج ۲ [2] رد المحتار جلد ۳ ص ۴۲۸

نویں صدی کے اہلحدیث میں حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) اور حافظ ابن ہمام اسکندری (۸۶۱ھ) کے ناموں سے کون واقف نہیں۔ پہلے بزرگ شافعی ہیں اور دوسرے حنفی اور دونوں اہل حدیث سے حدیث کے علمار فن مراد لیتے تھے۔ ان الفاظ سے کوئی خاص فقہی مسلک مراد نہیں لیا جاتا تھا۔

اہل فن محدثین میں پھر کئی فرقے اور مسالک تھے۔ ان میں حنفی بھی تھے اور شافعی بھی۔ اہلحدیث خود کسی فرقے کا نام نہ تھا۔ کسی محدث کا فقہی مسلک اس کے اہلحدیث ہونے کے خلاف نہ سمجھا جاتا تھا۔ محدث ہونے کے پہلو سے سب اہل حدیث تھے

نویں صدی کا حال اور اس دور کے علمار کی اصطلاح ابن ہمام کی اس تحریر سے ظاہر ہے پھر علامہ شامی (۱۲۵۲ھ) اسے تیرہویں صدی ہجری میں نقل کرتے ہیں اور اس میں کہیں اختلاف ذکر نہیں کرتے۔ کہ اہلحدیث نام سے ان دنوں کوئی غیر مقلد جماعت بھی مراد لی جاتی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت تک اہلحدیث سے وہ اہل علم ہی مراد لیے جاتے تھے جو فن حدیث میں حاذق اور صاحب الرای ہوں۔ جس طرح تفسیر پڑھنے پڑھانے والے اہل تفسیر اور زبان پر کامل دسترس رکھنے والے اہل لغت کہلاتے تھے۔ محدثین کا یہ طبقہ اہل حدیث کے نام سے بھی کبھی ذکر ہوتا تھا۔ ہندوستان میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی سے حدیث کی باقاعدہ اشاعت ہوئی۔ آپ کے دور تک لفظ اہل الحدیث اسی پرانی اصطلاح سے جاری تھا۔ حضرت شیخ ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

وکانوا له اصحاب من التابعین اتباعهم وکلهم کانوا اهل الحدیث والفقه والزهد والورع۔[۱]

ترجمہ: تابعین اور تبع تابعین میں ان کے کئی ساتھی تھے اور وہ سب اہلحدیث و فقہ و زہد و ورع تھے۔

اہلحدیث سے مراد ترک تقلید کے نام سے ایک فقہی مسلک ہو، یہ جدید اصطلاح اسلام کی پہلی تیرہ صدیوں میں کہیں نہیں ملتی۔ اس کا آغاز چودہویں صدی ہجری سے ہوتا ہے۔ یا یوں سمجھ لیجئے کہ تیرہویں صدی کے آخر میں ہندوستان میں اس کے لیے کچھ حالات سازگار ہو گئے تھے۔

---

[۱] انوار السنۃ لرداد الجنۃ صد ۱۲ مطبع حسامیہ دیوبند

اہلحدیث باصطلاح دورِ جدید

اس اصطلاح جدید میں جماعت اہلحدیث سے مراد پاک و ہند کا ایک معروف دینی حلقہ ہے جو جمہور اہل السنۃ مسلمانوں سے ترکِ تقلید پر مختلف ہے۔ لیکن بنیادی عقائد میں یہ حضرات زیادہ تر اہل السنۃ ہی ہیں۔ ان کے حنفیہ، شافعیہ، مالکیہ اور حنابلہ سے تقریباً اسی قسم کے فروعی اختلافات ہیں جس طرح کے اختلافات مذاہب اربعہ میں آپس میں ہیں۔ کچھ ایسے اختلافات بھی ہیں جن میں یہ چاروں اماموں کے خلاف ہیں۔ جیسے "طلاق ثلاثہ ایک مجلس میں" اسے یہ ایک ہی طلاق قرار دیتے ہیں اور چاروں اماموں میں سے ایک بھی اس طلاق کے ایک ہونے کا قائل نہیں۔ امام نووی شارح صحیح مسلم لکھتے ہیں :۔

قال العلماء فيمن قال لامرأته انت طالق ثلثا. فقال الشافعي ومالك وابو حنيفة واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلاث[1]

ائمہ اربعہ ہی نہیں سلف و خلف کے جمہور علماء کہتے ہیں طلاقیں تین واقع ہو جاتی ہیں

اسی طرح یہ حضرات آٹھ رکعت تراویح کے قائل ہیں۔ حالانکہ چاروں اماموں میں سے ایک بھی بیس سے کم کا قائل نہیں۔ مسجد حرام اور مسجد نبوی میں آج تک بیس رکعت تراویح ہی پڑھی جا رہی ہیں اور یہی حنابلہ کا موقف ہے۔ امام شافعی بھی اس میں جمہور امت کے ساتھ ہیں۔ امام ترمذی لکھتے ہیں :۔

اكثر اهل العلم على ما روى عن علي وعمر وغيرهما من اصحاب النبي عشرين ركعة وهو قول سفيان الثوري وابن المبارك والشافعي وقال الشافعي وهكذا ادركت اهل مكة يصلون عشرين ركعة[2]

اس قسم کے چند مسائل ہیں جن میں غیر مقلدین حضرات جمہور اہل السنۃ والجماعت سے مختلف ہیں۔ لیکن ان جزوی اختلافات کو دبا یا جائے اور دیگر فروعی اختلافات کو توسع عمل پر محمول کیا جائے تو اختلاف مسلک کے باوجود یہ حضرات خلفائے راشدین اور صحابہ کرامؓ کے موضوع پر جمہور اہل السنۃ کے ساتھ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو سکتے ہیں۔ شیعہ یا معتزلہ یا خوارج کے بالمقابل سنی کا لفظ آئے

---

[1] شرح صحیح مسلم جلد ۱ ص ۴۷۸ [2] جامع ترمذی جلد ۱ ص طبع دوم ص ۱۳۰

تو اس سُنّی دائرہ میں جماعت اہل حدیث بھی شامل ہوگی۔ ہاں ان میں جو لوگ ائمہ کرام کے گستاخ ہوں یا فقہ حنفی کے بعض باریک مسائل پر تمسخر اور استہزاء کا انداز اختیار کرتے ہوں وہ اہلحدیث ہونے کے مدعی ہونے کے باوجود اس دائرہ میں جو احترام سلف پر قائم ہے شامل نہ رہیں گے۔ انہیں اہلحدیث کہنا یقیناً غلط ہوگا۔ اور اس میں تو کوئی شبہ نہیں کہ وہ اہل سنت میں داخل نہیں ہیں۔

۱۹۵۶ء میں پاکستان میں سکندر مرزا کا دور تھا۔ پنجاب میں نواب منظفر علی قزلباش برسراقتدار تھے۔ شیعہ سُنّی آویزش زوروں پر تھی۔ پولیس افسران شیعوں کو دھڑا دھڑ ماتمی جلوسوں کے لائسنس دے رہے تھے۔ جہاں جہاں نئے لائسنس جاری ہوتے فرقہ وارانہ اختلافات کی آگ اور بھڑکتی جاتی۔ محسوس ہوتا کہ یہ لائسنس ایک فرقے کے مطالبہ کو پورا کرنے کیلئے نہیں بلکہ فرقہ وارانہ فضا کو گرم کرنے کے لیئے ہی جاری کیئے جا رہے ہیں۔ سُنّی دائروں میں ان حالات کے باعث سخت اضطراب تھا۔

ان دنوں حقوق اہل السُنّۃ کے تحفظ کے لیئے "سنّی بورڈ" کا قیام عمل میں آیا تھا جس میں شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی قادریؒ، مولانا سید محمد داؤد غزنویؒ، مولانا ابو الحسنات محمد احمد قادری، مولانا عبدالستار خاں نیازی اور راقم خالد محمود عفا اللہ عنہ سب اس سُنّی بورڈ کے رکن تھے۔ اُن دنوں سُنّی دائرہ ان سب مسالکِ عمل کو محیط سمجھا گیا تھا۔

سو اس اصطلاح جدید میں اہلحدیث سے مراد اسلام کے بنیادی عقائد پر کوئی مختلف گروہ نہیں۔ چند فروعی امتیازات کا حامل ایک طبقہ عمل ہے۔ جو ترکِ تقلید کے عنوان سے حدیث سے براہِ راست نسبت کا مدعی ہے۔ جن مسائل میں اختلاف ہے وہ زیادہ تر وہی ہیں جو ائمہ اربعہ کے مابین بھی مختلف فیہ ہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی لکھتے ہیں۔ کہ انسان حق سے تبھی نکلتا ہے جب ان چاروں مذاہب کے دائرہ عمل سے باہر آجائے اور ایسے مواقع اس باب میں کم ہیں۔ اور جو ہیں ان میں واقعی اصولی اختلاف ہے تقلید ہمیشہ سے جائز رہی ہے اسے حرام کہنا یقیناً حرام ہے۔

ہندوستان میں جماعت اہلحدیث بہ اصطلاح جدید کا قیام اورنگ زیب عالمگیرؒ کی وفات کے بہت بعد شروع ہوا ہے۔ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین کے وقت ہندوستان کے کسی گوشہ میں فقہی اختلاف مسلک کی آواز نہ اُٹھی تھی۔ سب اہل السنّۃ والجماعت ایک ہی فقہی مسلک کے پیرو تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم اس عظیم علمی خدمت

میں شریک تھے. نواب صدیق حسن خاں صاحب لکھتے ہیں :۔

خلاصہ حال ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ ہے کہ جب سے یہاں اسلام آیا ہے چونکہ اکثر لوگ بادشاہوں کے طریقہ اور مذہب کو پسند کرتے ہیں۔ اس وقت سے آج تک یہ لوگ (ہندوستان کے مسلمان) مذہب حنفی پر قائم رہے اور ہیں اور اسی مذہب کے عالم اور فاضل اور قاضی اور مفتی اور حاکم ہوتے رہے۔ یہاں تک کہ ایک جم غفیر نے مل کر فتادے ہندیہ جمع کیا اور اس میں شاہ عبدالرحیم صاحب والد بزرگوار شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی بھی شریک تھے۔[1]

مغلیہ سلطنت کے زوال پر مسلمانوں پر کوئی اجتماعی گرفت نہ رہی تو عام ذہن کچھ آزادی فکر کی طرف مائل ہوئے. نواب صدیق خاں صاحب اس سے پہلے لکھ آئے ہیں :۔

کتب تاریخ دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جو امن و آسائش و آزادگی اس حکومت انگریزی میں تمام خلق کو نصیب ہوئی کسی حکومت میں بھی نہ تھی اور وجہ اس کی سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھی گئی کہ گورنمنٹ نے آزادی کامل ہر مذہب کو دی۔[2]

عہد جدید کی اس آزادی میں میں تقلید کا بند ٹوٹا اور پھر دیکھتے دیکھتے کچھ لوگ مختلف کشتیوں میں بہہ نکلے اور تاریخ نے مسلمانوں کا وہی حال کیا جو منتشر اقوام کا ہوتا ہے. بیشتر اس کے کہ اہلحدیث باصطلاح جدید پر کچھ تاریخی بحث کی جائے. کہ اس نام سے ایک فقہی مسلک کی ابتدا کب سے ہوئی اور اس نام سے ایک فرقہ عمل کب سے موسوم ہوا. مناسب ہوگا کہ مختصر طور پر یہ بتلا دیا جائے کہ اورنگ زیبؒ سے بہت پہلے ہندوستان میں علم حدیث آچکا تھا اور اس وقت تک لفظ اہلحدیث اصطلاح قدیم کے مطابق ہی چلا آرہا تھا.

ہندوستان میں نامور محدثین کی آمد

علماء حدیث کی یہاں تشریف آوری مسلمانوں کی آمد کیساتھ ہی شروع ہو چکی تھی. پانچویں صدی ہجری میں علم حدیث لاہور میں آچکا تھا۔ یہ عہد غزنوی کی بات ہے. شیخ اسمٰعیل کے بارے میں مورخین لکھتے ہیں :۔

---

[1] ترجمان وہابیہ تصنیف نواب صدیق حسن خاں مرحوم صد۲ [2] ایضاً صد۱۶

اوّل کہ علم حدیث بلاہور آوردہ او بود ـــــــ پھر شیخ صنعانی لاہوری (٦٥٠ھ) آئے اور صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی قولی احادیث مجموعہ مشارق الانوار کے نام سے جمع کیں۔ یہ کوششیں ان دنوں کے مسلمانوں کے ذوقِ حدیث کا پتہ دے رہی ہیں ـــــــ شیخ نورالدین شیرازی (٨١٦ھ) احمد شاہ اوّل کے عہد میں ہندوستان کے علاقہ گجرات میں آچکے تھے۔ اُن کی صحیح بخاری کی سند بہت عالی تھی۔ اور دُور دُور سے علماء آپ سے سند لینے آتے تھے۔ مولانا سید الاوّل چشتی جونپوری کی خدماتِ حدیث کو کون بھلا سکتا ہے۔ یہ صحیح نہیں کہ چشتی حضرات علمی پہلو سے اہل حدیث نہ تھے۔ آخر یہ محدث جلیل بھی تو سلسلہ چشتیہ سے ہی تھے۔ پھر شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی کے شاگرد حافظ شمس الدین سخاوی کے دو شاگرد شیخ وجیہ الدین مالکی (٩١٩ھ) اور شیخ جمال الدین محمد بن عمر حضرمی (٩٣٠ھ) ہندوستان آئے ـــــــ پھر شیخ محمد طیب سندھی (٩٦٨ھ) شیخ علاؤالدین علی المتقی (٩٧٥ھ) پٹنہ کے شیخ طاہر صاحب مجمع البحار (٩٨٦ھ)، شیخ عبدالوہاب المتقی (ھ) اور ان کے شاگرد شیخ عبدالحق محدث دہلوی (١٠٥٢) شیخ علی بن احمد (١٠٤٤ھ) صاحب السراج المنیر فی شرح الجامع الصغیر، شیخ نورالحق محدث دہلوی (١٠٧٣ھ) شارح بخاری کو دیکھئے۔ یہ سب حضرات اپنے اپنے وقت میں اپنی اپنی جگہ حدیث کی بڑی خدمات سرانجام دے چکے تھے۔ شیخ ابوالحسن سندھی (١١٢٩ھ) کے صحاح ستہ پر حواشی اب تک اہل علم کا عظیم سرمایۂ حدیث سمجھے جاتے ہیں۔ فقہی پہلو سے ان میں سے بیشتر محدثین حنفی تھے۔ مگر فن کے لحاظ سے بلاشبہ وہ اہلحدیث تھے۔ اور انہوں نے پُوری عمر حدیث کی خدمت میں گزاری ـــــــ سو اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ علم حدیث ہندوستان میں بہت پہلے دور میں آچکا تھا۔

پھر بارہویں اور تیرہویں صدی ہجری میں حدیث کی نہضت علمی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی کے ہاں جمع ہو چکی تھی۔ یہ سب حضرات محدث کے نام سے معروف تھے اور پُورے ہندوستان میں انہی محدثین دہلی کی سند چلتی تھی۔ حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی اور حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی حضرت شاہ عبدالعزیز کے چھوٹے بھائی تھے اور محدثین کا یہ سارا گھرانہ علم حنفیہ کا مرکز سمجھا جاتا تھا۔ جناب نواب صدیق حسن خاں صاحب (١٣٠٧ھ) اس خاندان کو

بیت علم الحنفیہ[۱] کہا کرتے تھے۔ اس سے واضح ہے کہ ان دنوں مقلد ہونے اور محدث ہونے میں کوئی تباین کی نسبت نہ تھی ان میں تفاوت نہ سمجھا جاتا تھا۔ تقلید سے ان کے مسلک کا اظہار ہوتا تھا اور حدیث سے ان کے فن کا پتہ چلتا تھا ـــــــــ اور حق یہ ہے کہ ان دنوں تک ہندوستان میں ترکِ تقلید کے عنوان سے "اہلحدیث" نام سے کوئی فقہی مسلک معروف و موسوم نہ تھا۔

شاہ محمد اسحٰق صاحب محدث دہلوی (۱۲۶۲ھ) کے شاگردوں میں جناب میاں نذیر حسین صاحب (۱۳۲۰ھ) سب سے پہلے اس بات میں نمایاں ہوئے۔ ان سے پہلے بنارس کے نومسلم عبدالحق نامی تقلید کے خلاف کچھ کام کر چکے تھے۔ صادق پور کے مولانا ولایت علی بھی کچھ اس طرف مائل ہوئے تھے۔ مگر صحیح یہ ہے کہ اس سلسلہ کے شیخ الکل جنہوں نے ہندوستان میں ترکِ تقلید کے عنوان سے ایک علیحدہ فقہی مسلک کی بنا رکھی۔ وہ جناب میاں نذیر حسین صاحب دہلوی ہی تھے۔ جناب میاں صاحب بھی کلیۃً فقہ حنفی کے خلاف نہ تھے۔ اُن کا موقف یہ تھا کہ جہاں تک حدیث سے براہِ راست مسئلے سکیں، فقہ کی طرف رجوع نہ کیا جائے۔ اور جو مسائل حدیث میں نہ مل سکیں، ان میں فقہ حنفی پر اعتماد کر لیا جائے۔ فتاوٰے نذیریہ میں میاں صاحب کی یہی روش کارفرما رہی ہے اور جگہ جگہ فقہ حنفی سے استناد کیا گیا ہے۔

اہلحدیث ایک فرقہ کی صورت میں

ابتداء میں اس جماعت کے لوگ کہیں اہلحدیث کہیں محمدی اور کہیں موحد کہلاتے تھے۔ جماعت کسی ایک نام سے متعارف نہ تھی۔ اُن کے مخالفین انہیں وہابی یا غیر مقلد کے نام سے موسوم کرتے تھے۔ مولانا محمد حسین بٹالوی صاحب نے انگریزی حکومت کو درخواست دی کہ اُن کے ہم خیال لوگوں کو سرکاری طور پر اہلحدیث کا نام دیا جائے۔ اس کے بعد اس اصطلاح جدید میں اہلحدیث سامنے آئے اور ہندوستان میں ترکِ تقلید کے عنوان سے ایک مستقل مکتبِ فکر کی بنیاد پڑ گئی۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ برصغیر پاک و ہند کے باہر اس نام سے (اہلحدیث با صطلاح جدید) اب تک کوئی فرقہ موجود نہیں ہے۔

---

[۱] الحطہ صہ ہدایۃ السائل إلی ادلۃ المسائل صہ

ہندوستان کے مشہور عالم دین مولانا محمد شاہ صاحب شاہجہانپوری لکھتے ہیں :-

پچھلے زمانہ میں شاذ و نادر اس خیال کے لوگ کہیں ہوں تو ہوں. مگر اس کثرت سے دیکھنے میں نہیں آئے. بلکہ ان کا نام ابھی تھوڑے ہی دنوں سے سنا ہے. اپنے آپ کو تو وہ اہلحدیث یا محمدی یا موحد کہتے ہیں. مگر مخالف فریق میں ان کا نام غیر مقلد یا وہابی یا لامذہب لیا جاتا ہے[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت تک جماعت کسی ایک نام سے موسوم نہ تھی. مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی کوششوں سے یہ جماعت اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے نام سے موسوم ہوئی. مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی لکھتے ہیں :-

مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے اشاعۃ السنّۃ کے ذریعہ اہلحدیث کی بہت خدمت کی. لفظ وہابی آپ ہی کی کوششوں سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہلحدیث کے نام سے موسوم کیا گیا[2]

سر چارلس ایچی سن صاحب جو اس وقت پنجاب کے لفٹیننٹ گورنر تھے آپ کے خیر خواہ تھے. انہوں نے گورنمنٹ ہند کو اس طرف توجہ دلا کر اس درخواست کو منظور کرایا. اور پھر مولانا محمد حسین صاحب نے سیکریٹری گورنمنٹ کو جو درخواست دی اس کے آخری الفاظ یہ تھے :-

استعمال لفظ وہابی کی مخالفت اور اجراء نام اہلحدیث کا حکم پنجاب میں نافذ کیا جائے[3]

وہابی نام سے اختلاف کی وجہ

وہابی نام سے اس کی اسمی مناسبت کے سبب شیخ محمد بن عبد الوہاب نجدی کے پیرو مراد لیئے جاتے ہیں اور چونکہ یہ سب حضرات مقلد تھے اور امام احمد بن حنبل کی تقلید کرتے تھے اس لیئے اہلحدیث جو ترک تقلید کے عنوان سے جمہور اہلسنت سے علیحدہ سمجھے جاتے ہیں مقلدین کی طرف اپنی نسبت پسند نہ کرتے تھے. اس لیئے وہ لفظ وہابی کو اپنے لیئے پسند نہ کرتے تھے.

---

[1] الارشاد الی سبیل الرشاد صہ ۱۳ [2] سیرت ثنائی صہ ۳۷۲ [3] اشاعۃ السنّۃ جلد ۱۱ شمارہ نمبر ۲ صہ ۲۶

مقلدین سے غیر مقلدین کو اصولی اختلاف رہا ہے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

سو مذہب نجدی مذکور کا حنبلی تھا اور اس نے بوہروں اور بدوؤں پر چڑھائی کی تھی۔ اس مذہب (حنبلی مذہب) کی کتابیں ہندوستان میں رائج نہیں ہیں [1]

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے بھی لکھا۔

محمد بن عبدالوہاب نجد میں پیدا ہوا تھا جو مذہب حنبلی کا پیرو تھا محمد بن عبدالوہاب مقلد تھا اور اہلحدیث کے نزدیک تقلید جائز نہیں۔ اہلحدیث کو اس سے مسئلہ تقلید میں اختلاف تھا اور اب بھی ہے۔ [2]

نوٹ : موجودہ اہلحدیث اب شیخ کی مخالفت نہیں کرتے تاکہ سعودی عرب سے مالی امداد بند نہ ہو جائے۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب خود لکھتے ہیں :۔

ونحن ایضاً فی الفروع علی مذہب الامام احمد بن حنبل ولا ننکر علی من قلّد الائمۃ الاربعۃ دون غیرھم لعدم ضبط مذاہب الغیر [3]

ترجمہ ہم فروعات میں امام احمد کے مذہب پر ہیں اور مذاہب اربعہ میں سے کوئی کسی کی تقلید کرے ہم اس پر کوئی نکیر نہیں کرتے۔

یہ تو شیخ کے الفاظ تھے۔ اب سوانح نگار کے الفاظ بھی سُن لیجئے :۔

وانھم الحنابلۃ متعصبون لمذھب الامام احمد فی فروعہ ککل اتباع المذاھب الاخریٰ فھم لا یدعون لا بالقول ولا بالکتابۃ ان الشیخ اتی بمذھب جدید ولا اخترع علماً غیر ما کان عند السلف [4]

ترجمہ۔ اور یہ سب حنبلی المذہب تھے امام احمد کے مذہب پر سختی سے کاربند تھے جیسے کہ دوسرے مذاہب کے پیرو اپنے اپنے امام کے طریقے پر کاربند ہیں نہ زبانی اور تحریری انہوں نے کبھی نہیں کہا کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کوئی نیا دین لائے اور انہوں نے کوئی نیا علم دریافت کیا جو پہلوں کے پاس نہ تھا۔

---

[1] ترجمان وہابیہ صفحہ ۱۵ [2] فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۴ [3] سیرۃ الشیخ محمد بن عبدالوہاب صفحہ ۵۶ [4] ایضاً صفحہ ۹

شیخ محمد بن عبد الوہاب سے لاتعلقی

غیر مقلد ہونیکی وجہ سے یہ حضرات اس میں حق بجانب تھے کہ انہیں وہابی نہ کہا جائے۔ اس میں انہوں نے سر توڑ کوشش کی اور انگریزی حکومت نے انہیں لفظ اہلحدیث سے موسوم کر دیا۔ اس وقت سے جماعت اہلحدیث اس نام سے باضابطہ طور پر موسوم ہوئی۔ تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ اس سے پہلے ہندوستان میں ایک حلقے میں ترکِ تقلید کی فضا پیدا ہو چکی تھی۔ گو یہ نام ابھی طے نہ ہوا تھا۔

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی جو اس جماعت کے بانی یا شیخ الکل کہلاتے ہیں، اُن کے استاذ اور خسر مولانا عبد الخالق صاحب (۱۲۶۱ھ) لکھتے ہیں :-

> سو بانی مبانی اس فرقہ نو احداث کا عبد الحق ہے اور چند دنوں سے بنارس میں رہتا ہے اور حضرت امیر المومنین (سید احمد شہید شیخ مولانا اسماعیل شہید) نے ایسی ہی حرکاتِ ناشائستہ کے باعث اپنی جماعت سے اس کو نکال دیا تھا[1]
>
> اگر حضرت امیر المومنین اس زمانہ میں ہوتے تو ان نئے مذہب والے مفسد گمراہوں غیر مقلدوں کا وہی حال کرتے جو ان کے پیشوا عبد الحق کا کیا تھا[2]

مولانا اسمٰعیل شہیدؒ اور ان کے شیخ سید احمد شہیدؒ غیر مقلدوں کے سخت خلاف تھے تقلید کے خلاف جو شخص بات کرے اسے اپنی جماعت سے نکال دیتے تھے۔

وہابیوں کے خلاف انگریزوں کی برہمی

شیخ محمد بن عبد الوہاب کے پیروؤں اور شریفِ مکہ کے مابین نجد اور حجاز کی سرحد پہ جھڑپیں ہوتی تھیں۔ انگریزوں کے شریفِ مکہ سے گہرے تعلقات تھے۔ وہ اسے ترکوں کے خلاف استعمال کرنے کی سوچ رہے تھے۔ لیکن اس وقت نجد اور حجاز کی سرحد پر ان کی ہمدردیاں شریفِ مکہ کے ساتھ تھیں۔ سو ان کا وہابیوں کے خلاف ہونا ایک لازمی امر تھا۔ انگریزوں کے ہاں آلِ شیخ (وہابیوں) کا یہی تصور تھا کہ وہ ایک جنگجو حملہ آور گروہ ہے۔ جو لگا ہے گا ہے اُن پہ حملہ آور رہتا ہے۔ سو جہاں کسی نے جہاد کا نام لیا انگریز اس پر بڑی آسانی سے لفظ وہابی سیٹ کر دیتے تھے۔

---

[1] دیکھئے تنبیہ الضالین صد ۱۳ [2] ایضاً صد ۹

انگریز ہندوستان میں آئے تو یہاں بھی انہوں نے جسے ذرا سر اٹھاتے دیکھا اسے وہابی کا نام دے دیا قطع نظر اس سے کہ اس کا شیخ محمد بن عبدالوہاب سے کوئی علمی یا رُوحانی رشتہ ہے یا نہیں عربی نہ جاننے کے باعث انگریز نہ جان سکے کہ شیخ کی نسبت کے بغیر کسی کو وہابی کا نام دینا علمی اعتبار سے درست نہیں۔ وہ اس لفظ کو جنگجو اور مجاہد کے معنی میں لے کر ہر آزادی پسند اور بہادر مسلمان کو وہابی کہتے رہے اور جہاں کہیں آزادی کی کوئی تحریک چلتی۔ وہ اسے وہابیوں کی یلغار بتلاتے۔ اگرچہ ان کا شیخ محمد بن عبدالوہاب سے کوئی بھی تعلق نہ ہوتا تھا۔

ہندوستان میں لفظ وہابی کا استعمال

مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کے روحانی خلیفہ اور شاگرد تھے۔ محدثین دہلی کا یہ گھرانہ بقول نواب صدیق حسن خاں صاحب بیت علم الحنفیہ،، (حنفیوں کے علم کا گھر) سمجھا جاتا تھا۔ مگر چونکہ انہوں نے سکھوں کے خلاف جہاد کیا اور سکھ ان دنوں انگریزوں کے حلیف تھے۔ تو انگریزوں نے انہیں بھی باوجود حنفی ہونے کے وہابی کہا۔ ہندوستان میں لفظ وہابی کا یہ پہلا استعمال تھا۔ انگریز مؤرخ ڈاکٹر اسٹارڈ Stuard لکھتا ہے :۔

> شمالی ہند میں ایک وہابی جانباز سید احمد نے پنجابی مسلمانوں کو اُبھار کر حقیقۃً ایک مذہبی سلطنت قائم کرلی۔ مگر اُن کی ناگہانی موت سے شمالی ہند میں وہابی فتوحات کا امکان جاتا رہا۔ اس سلطنت کو سکھوں نے ۱۸۳۰ھ میں برباد کیا لیکن جب انگریزوں نے اس ملک کو فتح کیا تب وہابی عقائد کی سُلگتی ہوئی چنگاریوں نے بہت کچھ پریشان کیا۔ یہ خیالات عرصہ تک باقی رہے اور اسباب غدر میں ممد ہوئے اور انہی عقائد نے افغانستان اور شمال مغربی سرحد کے وحشی قبائل کو ہمیشہ کے لیئے مذہبی تعصب میں رنگ دیا۔[1]

یہاں وہابی عقائد سے مراد لڑنا اور حملہ آور ہونا ہے۔ یہاں اس کا معنی مخالفین سے صف بندی کے سوا اور کچھ نہیں۔ ورنہ حضرت سید احمد شہید تو حنفی تھے آل شیخ کی طرح حنبلی نہ

لہ

تھے اور مقلدین ہونے کے باوجود دونوں میں بہت سے مسائل میں اختلاف تھا. کوئی رشتہ تلمذ و تعلق بھی نہ تھا. حضرت سید احمد شہید امیر مجاہدین بالاکوٹ اپنے عقائد کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

این فقیر و خاندان این فقیر در بلادِ ہندوستان گمنام نیست الوف الوف انام از خواص وعوام این فقیر و اسلاف این فقیر را مے دانند کہ مذہب این فقیر اباً عن جد حنفی است ۔[1]

اس حقیقت کے ہوتے ہوئے مجاہدین بالاکوٹ کو وہابی کہنا کسی پہلو سے درست نہ تھا.
انگریز چونکہ عربی زبان سے ناواقف تھے. اس لیئے وہ یہ جانے بغیر کہ نام اپنے معنی کے اعتبار سے اپنے مسمیٰ پر کسی نہ کسی طرح منطبق ضرور ہونا چاہیئے بے محابا یہ لفظ بولتے تھے اور چاہتے تھے کہ یہ لفظ آزادی کی تحریکوں میں حصہ لینے والوں کے لیئے زیادہ سے زیادہ استعمال ہو. ان لوگوں کو وہ وہابی کہتے جو کبھی ان کے سامنے آزادی کا دم مارتے یا کسی تحریک کا نام لیتے اور لفظ وہابی کا یہ تصور ان کے ذہن میں خود نواب صدیق حسن خاں صاحب نے ہی ڈالا تھا. موصوف لکھتے ہیں:۔

اصل وہابی وہی لوگ ہیں جو پیرو محمد بن عبدالوہاب کے ہیں جس نے ۱۲۱۲ھ میں نشان مخالفت کا ملک نجد عرب میں قائم کیا تھا اور خود یہ ایک غریب جنگ جو تھا اس کے جو مقلد ہیں وہی وہابی مشہور ہیں.[2]

اس عبارت میں وہابی کا یہی معنی بتلایا گیا ہے کہ وہ جنگ جو اور حملہ آور قسم کے لوگوں کا نام ہے اور غیر مقلدین ایسے ہرگز نہیں. پھر انگریزوں نے اس لفظ کو جتنا بدنام کرنے کی کوشش کی لوگوں نے ان کی مخالفت میں کچھ اچھے معنی بھی تلاش کر لیئے اور پھر یہ لفظ اتنا عام ہو گیا کہ بعض لوگ اس کی تاریخ سے کسی قسم کے تعارف رکھے بغیر اسے اللہ کے نام "الوہاب" سے جوڑنے لگے. اس تاویل سے البتہ اس میں کوئی غلطی نہ تھی لیکن اس کا تاریخی پس منظر اس کے خلاف ہے۔
یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں یہ لفظ سب سے پہلے مقلدین پر بغیر کسی جوڑ کے آزمایا گیا کیونکہ عرب میں بھی یہ لقب مقلدین کو ہی دیا گیا تھا. جب یہ سکہ وہاں نہ چلا تو پھر اسے ہندوستان کے غیر مقلدین پر استعمال کیا گیا اور اس میں صرف یہ نسبت ملحوظ رکھی گئی کہ تمام فروعی مسائل میں ان

---

[1] مکاتیب سید احمد شہید ص ۱۱۶ [2] ترجمان وہابیہ ص ۱۱

غیر مقلدین کا طریقہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے پیروں کے طریقہ سے ملتا جلتا تھا۔ گو وہ مقلدین ہیں اور یہ غیر مقلدین۔ لیکن چونکہ نماز کی ہیئت ترکیبی دونوں میں ایک سی تھی۔ اس لیئے ان پر بھی یہ نام چسپاں کر دیا گیا۔ وہابی ہونے کے لیئے گو یہاں کوئی نسبت نہ تھی۔ مگر ایک مناسبت ضرور تھی۔ سوان پر تاریخی پہلو سے نہ سہی علمی پہلو سے یہ لفظ بولا جانے لگا۔ موحدین ہند نے اسے بہت بُرا منایا اور ہر ممکن کوشش کی کہ کسی طرح انہیں اس لفظ سے رہائی ملے اور انگریز انہیں اپنا مخالف نہ جانیں۔

غیر مقلدین کا وہابیوں سے لاتعلقی کا اظہار

لفظ وہابی انگریزی سیاست میں کسی نہ کسی طبقے پر تو آنا ہی تھا۔ غیر مقلدین نہ چاہتے تھے کہ انہیں ایک جنگ جو یا جانباز قوم سمجھا جائے۔ وہ صرف ترک تقلید کے عنوان سے ایک علیحدہ مکتب فکر قائم کرنا چاہتے تھے یا دوسرے لفظوں میں یوں سمجھئے کہ وہ اپنے آپ کو میدان جنگ میں نہیں صرف ایک مذہبی دائرہ میں رکھنا چاہتے تھے۔ ان حالات میں ضروری تھا کہ وہ مولانا اسماعیل شہیدؒ سے اور ان کی جماعت مجاہدین سے پوری لاتعلقی کا اظہار کریں۔ اور لوگوں کو بتائیں کہ ان کا وہابیان ہزارہ سے کوئی تعلق نہیں۔ انگریز اس جماعت مجاہدین کو حنفی ہونے کے باوجود وہابی کا ٹائٹل دے چکے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ لوگ ہندوستان میں حکومت حاصل کرنے کی سعی میں ان کے خلاف ایک خطرہ ہیں۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب ایک جگہ لکھتے ہیں :-

> بخلاف ان لوگوں کے جو لفظ وہابی کو پسند نہیں کرتے اور اہلسنت وحدیث ہیں ان کے دین میں حکومت حاصل کرنے کی تگ و دو کرنا اور زمین میں فساد پھیلانا اور مذہبی تعصب کو رونق دینا اور ہر کسی پر نفسانیت وعداوت سے مدعی ہونا سخت گناہ اور حرام ہے۔[1]

شیخ محمد بن عبدالوہاب سے لاتعلقی کا اظہار

نواب صدیق حسن خاں صاحب نہ چاہتے تھے کہ ان کی جماعت کسی پہلو سے حکومت

---

[1] ترجمان وہابیہ ص۱۱

کی نظر میں معتوب ٹھہرے۔ اس لیئے وہ لفظ وہابی سے لاتعلقی کے ساتھ شیخ محمد بن عبدالوہاب سے بھی کلیۃً لاتعلقی چاہتے تھے۔ آپ لکھتے ہیں :۔

اور سچ تو یہ ہے کہ وہابی ہونا عبارت ہے مقلد مذاہب خاص ہونے سے، کیونکہ پیشوا وہابیوں کا محمد بن عبدالوہاب مقلد مذہب حنبلی تھا اور تابعین حدیث کسی مذہب کے مذاہب مقلدین میں سے مقلد نہیں۔ پس وہابیہ اور اہلحدیث میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔[1]

اصل وہابی وہی لوگ ہیں جو پیرو محمد بن عبدالوہاب کے ہیں جس نے ۱۲۱۲ھ میں نشان مخالفت کا ملک نجد عرب میں قائم کیا تھا اور خود یہ ایک غریب جنگجو تھا اس کے جو مقلد ہیں وہی وہابی مشہور ہیں۔[2]

شیخ محمد بن عبدالوہاب سے اس کھلی مخالفت کے باعث غیر مقلدین حضرات لفظ وہابی کو اپنے لیئے گالی سے کم نہ سمجھتے تھے اور نہ چاہتے تھے کہ ان کی شیخ عبدالوہاب سے کوئی نسبت ہو۔ نواب صاحب مرحوم ایک اور جگہ لکھتے ہیں :۔

ہم کو وہابی کہنا ایسا ہے جیسا کوئی کسی کو گالی دے۔[3]

پھر ایک اور جگہ شیخ کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

وہ مذہب خاص رکھتا تھا اور یہ لوگ (نواب صاحب کے گروہ کے) مذہب خاص نہیں رکھتے۔ قرآن و حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ یہی ان کا مذہب ہے اور ہر فساد کی بات سے ہزاروں کوس بھاگتے ہیں اور نام سے وہابی کے انکار و تعجب کرتے ہیں اور وہابیت کو دین میں ایک بدعت جانتے ہیں۔[4]

نواب صاحب مرحوم کا ملکی آزادی کی تگ و دو کو فساد سمجھنا ان کا سیاسی موقف ہو سکتا ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں لیکن آل الشیخ کے مسلک کو بدعت قرار دینا یہ ہمیں کسی طرح سمجھ میں نہیں آتا۔ شیخ محمد بن عبدالوہاب کے بارے میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کی رائے یہ ہے :۔ اس وقت کی سیاسی فضا میں یہ جرأت مندانہ بیان دیکھئے۔

---

[1] ترجمان وہابیہ ص۴۰ [2] ایضاً ص۱۲۳ [3] ایضاً ص۱۰ [4] ایضاً ص۱۱۸

محمد بن عبدالوہاب کے مقتدیوں کو وہابی کہتے ہیں ان کے عقائد عمدہ تھے
اور مذہب ان کا حنبلی تھا۔ البتہ ان کے مزاج میں شدت تھی۔ [1]

سو غیر مقلدین حضرات کا شیخ محمد بن عبدالوہاب کے طریقے کو بدعت قرار دینا اور وہابیوں کو بدعتی سمجھنا کسی طرح صحیح نہیں۔ یہ مقلدین حقیقت میں حدیث کے ہی پیرو ہیں۔

تقلید کرنے والے کو بدعتی کہنا اور آل شیخ کو بھی مبتدعین قرار دینا یہ ایک زیادتی ہے۔ مقلدین ائمہ کی پیروی سے حدیث کی پیروی ہی مراد لیتے ہیں۔ امام کی ذاتی پیروی ان کے پیش نظر نہیں ہوتی وہ اس لیئے اُن کی بات مان رہے ہوتے ہیں۔ کہ وہ امام حدیث کے مطابق یا مراد حدیث کے مطابق بات کہتے ہونگے۔ حضرت مولانا اسماعیل شہید کے ساتھی حضرت شاہ محمد اسحق صاحب محدث دہلوی جو میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے شیخ حدیث تھے۔ لکھتے ہیں:۔

مقلد ایشاں را ہرگز بدعتی نخواہند گفت زیرا کہ تقلید ایشاں تقلید حدیث
شریف است۔ پس متبع حدیث را بدعتی گفتن ضلال و موجب نکال است [2]

اس وقت یہ تاریخی موضوع پیش نظر نہیں کہ ہندوستان میں لفظ وہابی کی آمد کیسے ہوئی کس طرح یہ لفظ "وہابیان ہزارہ" (جو مذہب حنفی کے مقلد تھے) پر آزمایا گیا۔ پھر کس طرح یہ لفظ غیر مقلدین ہند پر (اس مناسبت سے کہ ان کی ہیئت نماز آل شیخ کی ہیئت نماز سے ملتی جلتی تھی) لایا گیا اور پھر اس لیئے کہ جن لوگوں میں اس لقب کا سیاسی مفہوم کارفرما نہ تھا۔ یہ لقب اُن سے واپس لے کر انہیں اہلحدیث سے موسوم کیا گیا۔ یہ مباحث اس وقت موضوع گفتگو نہیں۔ اس وقت صرف یہ عرض کرنا ہے۔ کہ ہندوستان میں جماعت اہلحدیث کا قیام کب سے عمل میں آیا اور ترک تقلید کے عنوان سے اس دور میں یہ جماعت کیسے بنی۔ مذکورہ تفصیلات سے یہ بات سامنے آچکی ہے کہ ترکِ تقلید کے عنوان سے جماعت کے شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی تھے۔ لیکن ان کے عہد تک جماعت مختلف ناموں سے معروف تھی۔ کہیں یہ حضرات محمدی کہلاتے تھے کہیں انہیں موحدین کہا جاتا تھا اور کہیں انہیں اہلحدیث بھی کہہ دیتے تھے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب کے دور تک کچھ اسی طرح کی کیفیت رہی۔

---

[1] فتاوے رشیدیہ جلد صفحہ ۳۷۴ [2] مأتہ مسائل سوال ۶۲ صفحہ ۹۳

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی پہلے شخص ہیں جنہوں نے بڑی تگ و دو سے اپنے گروہ کے لیئے حکومت سے یہ ٹائٹل منظور کرایا اور اسی وقت سے جماعت اہلحدیث کے نام سے چل رہی ہے۔

یہ صحیح ہے کہ ہندوستان میں ترکِ تقلید کے عنوان سے جس شخص نے پہلے زبان کھولی وہ عبدالحق بنارسی تھا۔ لیکن علمی پہلو سے اس کی کوئی خاص حیثیت نہ تھی۔ سو جماعت کے شیخ الکل جناب میاں نذیر حسین صاحب ہی سمجھے گئے اور انہی سے اس سلسلے کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس وقت اس گروہ کے چند اکابر کا کچھ مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے۔ ان متقدمین سے اُن کے متاخرین کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔

میاں نذیر حسین صاحب دہلوی (بانی مسلک جنہیں جماعت شیخ الکل کہتی ہے)

آپ ۱۲۲۰ھ کو موضع سورج گڑھ ضلع مونگیر (بہار) میں پیدا ہوئے اور ۱۳۲۰ھ میں سو سال کی عمر پاکر وفات پائی۔ آپ کے استاد اور خسر مولانا عبدالخالق صاحب (متوفی ۱۲۶۱ھ) آپ کے سخت خلاف ہو گئے تھے۔ آپ پہلے رفع یدین نہ کرتے تھے، حالانکہ آپ حدیث پڑھ چکے تھے۔ سرسید احمد خاں ۱۸۹۸ء کی تحریک سے آپ نے رفع یدین شروع کی اور ایک مسلک کی بنیاد ڈالی۔ سرسید ایک خط میں لکھتے ہیں:-

> جناب مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کو میں نے ہی نیم چڑھا وہابی بنایا ہے۔ وہ نماز میں رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ مگر اس کو "سنت ہدیٰ" جانتے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ نہایت افسوس ہے کہ جس بات کو آپ نیک جانتے ہیں لوگوں کے خیال سے اس کو نہیں کرتے —— میرے پاس سے اُٹھ کر جامع مسجد میں نماز عصر پڑھنے گئے اور اس وقت سے رفع یدین کرنے لگے۔[1]

پھر حکومت نے آپ کو شمس العلماء کا خطاب دے دیا۔ مولوی فضل حسین صاحب بہاری نے "الحیاۃ بعد المماۃ" کے نام سے آپ پر ایک کتاب لکھی ہے۔ اس میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز سرکار آپ کے بارے میں کس طرح سوچتی تھی۔

---

[1] موجِ کوثر ص۱۵ مؤلفہ شیخ محمد اکرام صاحب

کسے پتہ نہیں کہ سر سید احمد خاں کے حکومت سے کیا روابط تھے۔ ان کے کہنے سے رکوع کے وقت رفع یدین کرنا اور حکومت سے ۱۸۹۷ء میں شمس العلماء کا خطاب پانا اس پورے پس منظر کو واضح کر رہا ہے۔ رہی یہ بات کہ حضرت شاہ محمد اسحق نے پھر انہیں سندِ حدیث کیوں دی، سو یہ خود محل بحث ہے۔ مولوی فضل حسین بہاری لکھتے ہیں:۔

> آپ نے میاں صاحب کو صرف اطراف صحاح کی سند دی تھی۔ میاں صاحب نے استیعاباً نہ آپ سے صحاح ستہ پڑھیں نہ ان کی سند لی۔ میاں صاحب خود اس سند کو چپڑاس کہتے تھے۔[۱]

آپ مطلق تقلید کے قائل تھے۔ فقہ حنفی سے فتویٰ دینا جائز سمجھتے تھے۔ ائمہ کی شان میں گستاخ نہ تھے اور اس پہلو سے آپ کا احترام ہر حلقے میں موجود تھا۔ غیر مقلد حلقوں میں گستاخ اور تفرقہ انگیز انداز کے داعی عبدالحق بنارسی اور ابوالحسن محی الدین تھے۔ یہ دونوں نومسلم تھے۔ جو مسلمانوں کی صفوں میں انتشار پھیلانے کے لیے داخل کئے گئے تھے اصلاً یہ ہندو تھے۔

عبدالحق بنارسی کا عقیدہ ملاحظہ کیجئے۔ میاں صاحب کے شاگرد قاری عبدالرحمٰن صاحب پانی پتی ان سے نقل کرتے ہیں عبدالحق نے کہا۔

> عائشہ علی سے لڑی اگر توبہ نہ کی تو مرتد مری۔[۲] (معاذ اللہ)

زبان اور زندقہ دونوں ملاحظہ ہوں۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت کے شیعہ بھی ترک تقلید کی اس تحریک کے پیچھے بڑی سرگرمی سے کام کر رہے تھے اور اہل سنت نہ جانتے تھے کہ ان کے حلقوں میں آزاد خیالی کی ہوا کہاں سے تیز کی جا رہی ہے ——— ابوالحسن محی الدین جس نے الظفر المبین لکھ کر اس آگ کو اور بھڑکایا اس کا اصل نام ہری چند تھا۔ یہ دیوان چند رام کھتری ساکنہ علی پور ضلع گوجرانوالہ کا بیٹا تھا۔ اس کے اثرات اب تک علی پور چٹھہ میں موجود ہیں۔ وہاں منکرینِ حدیث کافی تعداد میں پیدا ہو چکے ہیں اور ترک تقلید کی یہ روش اب انہیں کفر کی سرحد کے بہت قریب لا چکی ہے۔ تفسیر القرآن بالقرآن وہیں لکھی گئی ہے۔ جس پر مؤلف کا نام نہیں ہے۔

---

[۱] دیکھئے الحیات بعد الممات صہ ۶۸ [۲] کشف الحجاب صہ ۲۲

نواب صدیق حسن خاں صاحبؒ

میاں نذیر حسین صاحب کے بعد جماعت کے بڑے بزرگ جناب نواب صدیق حسن صاحب سمجھے جاتے ہیں ۱۲۴۸ھ میں بانس بریلی میں پیدا ہوئے اور ۱۳۰۷ھ میں وفات پائی۔ آپ کی وفات کے وقت میاں نذیر حسین صاحب زندہ تھے۔ نواب صاحب مفتی صدرالدین صاحب دہلوی تلمیذ حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی اور حضرت شاہ عبدالعزیز کے شاگرد تھے۔ ان کے ذریعہ ہندوستان میں ترک تقلید کی ہوا بڑی تیزی سے چلی۔ ملکہ بھوپال شاہ جہاں بیگم سے آپ کی شادی ہوئی تھی۔ اس دولت کی بدولت آپ کو مسلک کی اشاعت اور علمی خدمات کا خوب موقع ملا۔ آپ امت کے کثیر التصنیف علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ آپ اپنے آپ کو موحد اور اپنے گروہ کو موحدین ہند کہتے تھے۔ جماعت کے لفظ اہلحدیث کا تعین اس وقت تک نہ ہوا تھا۔ ریاست بھوپال سے تعلق کی وجہ سے آپ چاہتے تھے کہ موحدین ہند ہر اس تحریک سے نفرت کریں۔ جو انگریزوں کے خلاف ہو۔ چنانچہ مجاہدین بالاکوٹ جن کی قیادت حضرت سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید نے کی تھی، آپ نے ان سے ان الفاظ میں لاتعلقی ظاہر کی ہے۔

> گورنمنٹ ہند کے دیگر فرقِ اسلام نے یہ دلنشین کر دیا ہے کہ فرقہ موحدین ہند مثل وہابیان ملک ہزارہ ایک بدخواہ فرقہ ہے اور یہ لوگ (موحدین ہند) ویسے ہی دشمن و فسادی ملک گورنمنٹ برٹش ہند کے ہیں۔ جیسے کہ دیگر شریر اقوام سرحدی (مجاہدین بالاکوٹ وغیرہ) بمقابلہ حکومت ہند سوچا کرتے تھے[1]

لفظ وہابی کے بارے میں انگریزوں اور نواب صاحب کی ایک سوچ

ملحوظ رہے کہ نواب صاحب نے وہابی کا لفظ "لڑنے والوں" کے لیئے اس معنی میں استعمال کیا ہے جس معنی میں انگریز اسے مجاہدین پر لانا چاہتے تھے اور اپنے لیئے ان سے ممتاز نام "موحدین ہند" اختیار کیا ہے۔ نیز اس میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ جماعت صرف ہندوستان میں ہے اور ہندوستان سے باہر ان دنوں ترکِ تقلید کے عنوان سے کوئی مکتبِ فکر موجود نہ تھا۔ لفٹینٹ گورنر

---

[1] ترجمان وہابیہ ص۲۱ [2] ایضاً ص۲۲

نے جب یہ درخواست منظور کرلی کہ غیر مقلدین کو وہابی نہ کہا جائے تو اس میں صراحت کی کہ یہ لوگ وہابیان ملک ہزارہ (مولانا اسماعیل شہید وغیرہم) سے نفرت رکھتے ہیں۔ چنانچہ نواب صاحب لکھتے ہیں:۔

> چنانچہ لفٹیننٹ گورنر صاحب بہادر موصوف نے اس درخواست کو منظور کیا اور پھر ایک اشتہار اس مضمون کا دیا گیا کہ موحدین ہند پر شبہ بدخواہی گورنمنٹ عامہ نہ ہو، خصوصاً جو لوگ کہ وہابیان ملک ہزارہ سے نفرت رکھتے ہوں اور گورنمنٹ ہند کے خیر خواہ ہیں ایسے موحدین مخاطب بہ وہابی نہ ہوں۔[1]

موحدین ہند اس وقت تک صرف اس درجہ تک پہنچے تھے کہ لفظ وہابی اُن پر نہ بولا جائے اور مولانا اسماعیل شہیدؒ سے ان کا کوئی تعلق ظاہر نہ ہو۔ لیکن ابھی تک یہ مرحلہ باقی تھا کہ حکومت سے اپنے لیے سرکاری سطح پر لفظ اہلحدیث خاص کرالیا جائے اور لفظ وہابی سرکاری طور پر بھی کاغذات سے نکال دیا جائے۔ یہ خدمت مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے سرانجام دی۔

نواب صاحب کی جماعتی فکر

ترک تقلید کی فضا ہموار کرنے کے ساتھ ساتھ آپ شیخ عبدالوہاب نجدی اور ان کے پیروؤں کے بھی سخت خلاف تھے۔ لفظ وہابی سے سخت نفرت تھی۔ انگریز دل کو بار بار یاد دلاتے کہ ہم وہابی نہیں ہیں اور وہابیوں سے ہمارا کوئی تعلق نہیں ہے[2] نجد کے شیخ محمد بن عبدالوہاب اور عرب کے وہابی امام احمد کے مقلد ہیں اور ہم غیر مقلد ہیں۔

> وقت کی سیاسی فضا میں مسلمانوں میں آزادی پیدا کرنے کی ان خدمات کے باعث آپ کی انگریزی سرکار میں بہت قدر و منزلت تھی۔ آپ کو ایک لاکھ چھبیس ہزار روپیہ سالانہ وظیفہ ملتا تھا۔[3] آپ کی صاحبزادی شمس الامراء کو بھی حکومت سے باون لاکھ کی جاگیر ملی تھی۔[4] ان مراعات کے ہوتے ہوئے ان کی وفاداری کسی پہلو سے بھی محل شبہ میں نہ تھی۔

---

[1] ترجمان وہابیہ صفحہ ۶۲ [2] دیکھئے ترجمان وہابیہ صفحہ ۲۸ [3] الحطہ صفحہ ۱۵۱ [4] دیکھئے مآثر صدیقی صفحہ ۲، مولانا حسن علی

موحدین ہند کی علمی اور عملی حالت

نواب صاحب کے عہد میں غیر مقلدین اہلحدیث کے نام سے موسوم نہ تھے. ترکِ تقلید کی فضا خاصی معروف ہو چکی تھی اور یہ لوگ موحدینِ ہند کہلاتے تھے. یہ لوگ کس علمی اور عملی حالت میں تھے. اسے خود نواب صاحب سے سنیئے:۔

یہ لوگ معاملات کے مسائل میں حدیث کی سمجھ اور بوجھ سے بالکل عاری ہیں اور اہل سنت کے طریق پر ایک مسئلہ بھی استنباط نہیں کر سکتے، حدیث پر عمل کرنے کی بجائے زبانی جمع وخرچ اور سنت کی اتباع کی جگہ شیطانی تسویلات پر اکتفا کرتے ہیں اور اسکو عین دین تصور کرتے ہیں۔[1]

نواب صاحب نے معاملات کی قید اس لیئے لگائی ہے کہ عبادات میں ان لوگوں نے آمین بالجہر اور رفع الیدین وغیرہ کی کچھ روایات ضرور یاد کی ہوتی ہیں. سو اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ لوگ فنِ حدیث سے کچھ آشنا ہیں. نواب صاحب عبادات میں بھی ان غیر مقلدین سے چنداں موافق نہ تھے. آپ کے صاحبزادہ حسن علی لکھتے ہیں:۔

آپ حنفی نماز کو ہمیشہ اقرب الی السنۃ فرماتے رہتے تھے۔[2]

پیش نظر رہے کہ عبدالحق بنارسی اور میاں نذیر حسین صاحب کے دور تک یہ حضرات اہلحدیث (اصطلاحِ جدید) میں معروف نہ تھے نہ اس وقت تک یہ اصطلاح باضابطہ طور پر قائم ہوئی تھی. ابھی یہ حضرات ترکِ تقلید کے نام سے پہچانے جاتے تھے. یا موحدین ہند کے نام سے

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی

مولانا بٹالوی ۱۲۵۲ھ میں پیدا ہوئے. آپ اور نواب صدیق حسن خاں صاحب ہم اُستاد تھے. مولانا بٹالوی کے استاد بھی مفتی صدرالدین صاحب دہلوی تھے. آپ نے حدیث میاں نذیر حسین صاحب دہلوی سے پڑھی. آپ مولانا عبدالمجید صاحب سوہدروی کا یہ بیان پہلے سُن آئے ہیں:۔

---

[1] الحطہ صد ۱۵۱ [2] ماثر صدیقی جلد ۱ صد ۳

لفظ وہابی آپ ہی کی کوششوں سے سرکاری دفاتر اور کاغذات سے منسوخ ہوا اور جماعت کو اہلحدیث کے نام سے موسوم کیا گیا۔[۹]

یہیں سے جماعت اہلحدیث ایک مستقل مکتبِ فکر کے طور پر اُبھرتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس فرقے کا مولد و مسکن ہندوستان سے باہر کہیں نہیں ملتا۔ یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات اہل حدیث کہلانے سے پہلے موحدین ہند کہلاتے تھے۔ تاہم یہ ضرور ہے کہ ان دنوں یہ فرقہ اہلحدیث کے عنوان سے مشہور نہ تھا۔ اور اس کے تمام علماء تقریباً انہی بزرگوں کے شاگرد اور شاگرد در شاگرد ہیں جنہیں جماعت کے موسسین کے طور پر ہم ذکر کر آئے ہیں۔ مولانا حافظ عبدالمنان وزیرآبادی مولانا سلامت اللہ جیراجپوری، مولانا عبدالوہاب ملتانی (بانی فرقہ امامیہ اہلحدیث) اور حافظ محمد لکھوی حافظ غلام رسول قلعہ میہاں سنگھ والے سب میاں نذیر حسین صاحب دہلوی کے ہی شاگرد تھے۔ البتہ غزنی سے چند ایسے اور بزرگ ضرور تشریف لائے جو اس مکتبِ فکر میں شامل ہوئے اور پھر اپنی محنت و خدمت سے پنجاب میں ایک ممتاز گروہ بن کر اُبھرے۔ یہ گروہ غزنوی نام سے معروف ہے۔

مولانا عبداللہ غزنوی میاں صاحب سے حدیث پڑھ کر واپس غزنی چلے گئے۔ وہاں مسلمانوں کو ترکِ تقلید کی دعوت دی۔ ان کی یہ تحریک وہاں مسلمانوں کی وحدتِ ملی کو توڑنے کا موجب سمجھی گئی اور اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں اس کے پیچھے انگریزوں کی افغانستان پر قبضہ کرنے کی سازش کارفرما نہ ہو اس پر حکومتِ افغانستان نے انہیں ملک سے نکال دیا۔ اور یہ حضرات ہندوستان آگئے۔ ہندوستان میں ان دنوں مولانا محمد حسین بٹالوی غیر مقلدین کے مذہبی ایڈوکیٹ تھے۔ آپ جہاد کے خلاف رسالہ الاقتصاد لکھ کر انگریزوں کو مطمئن کر چکے تھے اور پھر انہیں سرکارِ انگلشیہ سے ایک وسیع جاگیر بھی ملی تھی۔

سو ہندوستان میں غیر مقلد ہو کر رہنا اب ان حضرات کے لیے چنداں مشکل نہ تھا۔ یہاں کے غیر مقلدوں نے ان علمائے غزنی کا بڑے تپاک سے استقبال کیا۔

پنجاب میں غزنوی علماء کی آمد

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے عہد میں پنجاب میں غزنوی علماء کی آمد ہوئی۔ حضرت مولانا عبداللہ غزنوی افغانستان سے جلا وطن ہوئے تھے۔ ان حضرات کا رجحان ترکِ تقلید کی طرف تھا۔ انہیں یہاں بنا بنایا میدان مل گیا۔ ہندوستان کے دیگر اہلحدیث حضرات سے اُن کا ایک موضوع میں اختلاف رہا۔ یہ حضرات تصوّف اور بیعت وسلوک کے قائل تھے۔ مولانا عبدالجبار غزنوی نے "اثبات الالہام والبیعۃ" کے نام سے اس موضوع پر ایک کتاب بھی لکھی مولانا عبداللہ غزنوی کے دو بیٹے مولانا عبدالجبار اور مولانا عبدالواحد تھے مولانا عبدالجبار کے بیٹے مولانا داؤد غزنوی اور مولانا عبدالغفار تھے۔ مولانا عبدالواحد کی اولاد میں سے مولانا اسماعیل غزنوی اپنے حلقے میں معروف ہوئے۔ مولانا اسماعیل غزنوی سعودی عرب کے ملک عبدالعزیز بن آلِ سعود کے وزیر رہے ہیں۔ آپ کے واسطہ سے سعودی عرب کے اور نجد کے علماء اور موحدین ہند کے مابین خاصے تعلقات قائم ہو گئے۔ یہاں تک کہ اس مناسبت سے پھر سے لفظ وہابی موحدین ہند پر آ گیا۔ اب یہ لوگ لفظ وہابی سے زیادہ گریز نہ کرتے تھے کیونکہ سعودی تعلقات سے ان کی ایک نسبت آلِ شیخ سے قائم ہو چکی تھی۔ سو لفظ وہابی یہاں اور قوت پکڑ گیا اس دور میں غزنوی حضرات جماعت میں اپنی محنت وخدمت سے ایک ممتاز گروہ بن کر اُبھرے۔ اور ایک دور تک جماعتِ اہلحدیث کی قیادت ان کے ہاتھ میں رہی۔

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری علماء دیوبند اور جماعت اہلحدیث کے مابین ایک نقطۂ اتصال تھے۔ آپ دارالعلوم دیوبند کے فاضل تھے۔ مگر مسلک ترکِ تقلید کا ہی رہا تاہم آخر دم تک علماء دیوبند سے بہت قریب کا تعلق رہا۔ غیر مقلدین میں سے آپ نے مولانا حافظ عبدالمنان وزیر آبادی سے حدیث پڑھی۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے بھی شاگرد تھے۔ ملک کی سیاسی جدوجہد میں بارہا علماء دیوبند کے ساتھ شریک ہوئے اور فرقِ باطلہ کے رد میں بھی علماء دیوبند کے شانہ بشانہ کام کیا۔ انگریزوں کی ڈائری میں تحریک ریشمی رومال کے ذیل میں لکھا ہے:۔

جنود ربانیہ کی فہرست میں میجر جنرل ہے یہی شخص مولوی ثناء اللہ امرتسری ہے انجمن اہلحدیث پنجاب کا صدر ہے۔ ہندوستان میں شاید سب سے ممتاز وہابی ہے۔ امرتسر سے شائع ہونے والے ہفت روزہ اردو اخبار اہلحدیث کو مرتب کرتا ہے۔ مولوی ثناء اللہ امرتسری مولانا محمود الحسن کا شاگرد ہے اور شاید بیس پچیس برس گزرے ان سے حدیث پڑھی تھی[1]

اس سے پتہ چلتا ہے کہ انگریز اب پھر سے لفظ وہابی ان حضرات کے لیئے واپس لارہے تھے۔ نواب صدیق حسن خاں صاحب اور مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے جب رسالہ تنسیخ جہاد پر دستخط کیئے اور وہابیانِ ہزارہ سے نفرت کا اظہار کیا تھا تو لفظ وہابی ان موحدین ہند سے اُٹھا لیا گیا تھا اور جو بھی ان میں سے کسی نے مولانا محمود الحسن سے نسبت ظاہر کر دی تو پھر اُسے وہابی قرار دیا جانے لگا۔ انگریزی سیاست کے اس مد و جزر میں معلوم نہیں کتنے لوگ ڈوبے ہوں گے۔

مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی

آپ مولانا غلام حسن صاحب سیالکوٹی (شاگرد نواب صدیق حسن صاحب) اور حافظ عبدالمنان صاحب وزیر آبادی کے شاگرد تھے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری سے گہرے تعلق کی بناء پر یہ بھی علماء دیوبند کے بہت قریب ہو گئے تھے۔ یہاں تک کہ آپ کے بارے میں انگریزوں کی ڈائری میں یہ الفاظ ملتے ہیں :-

پسر مستری قادر بخش سکنہ سیالکوٹ ــــــ مشہور اور نہایت با اثر اور متعصب وہابی مبلغ ــــــ ہندوستان میں سفر کرتا رہتا ہے اور وہابیوں کے جلسوں میں اور دوسرے فرقوں سے مناظروں کے دوران نہایت پُرجوش تقریریں کرتا ہے اس لیئے اس کی ہر وقت مانگ رہتی ہے ــــــ ظفر علی کا کٹر حامی ہے اور ثناء اللہ امرتسری کا ساتھی اور مولوی عبدالرحیم عرف بشیر احمد اور عبداللہ پشاوری کتب فروش کا ساتھی ہے[2]

---

[1] تحریک ریشمی رومال (انگریزوں کی اپنی ڈائری) صـ [2] ایضاً

جنگ طرابلس ، جنگ بلقان اور کان پور کی مسجد کے واقعہ پر اس نے
سیالکوٹ میں کافی بے چینی اور شورش پھیلا دی تھی۔ ایم ابراہیم کے بارے
میں شبہ ہے کہ برطانیہ کے خلاف مسلم پراپیگنڈے میں اس کا ہاتھ ہے۔[1]

کیا ستم ظریفی ہے کہ جماعت اہل حدیث کے جس فرد نے کسی قومی کام یا تحریک آزادی میں حصہ لیا، انگریز پھر سے اس کے لیے لفظ وہابی لوٹا لائے اور باوجودیکہ شمس العلماء میاں نذیر حسین صاحب ، نواب صدیق حسن صاحب اور مولانا محمد حسین بٹالوی نے ہر ممکن کوشش کی تھی کہ ان کا کوئی تعلق مولانا اسماعیل شہید سے ثابت نہ ہو اور وہ اپنے ماحول میں وہابیان ہزارہ سے ہر گونہ اظہار نفرت بھی کرتے رہے۔ مگر وہابی کا ٹائٹل جماعت سے پھر بھی کلیتہً اُٹھ نہ سکا اور ان سے تعلق کا داغ دُھل نہ سکا۔

یہاں تک گفتگو اس موضوع میں تھی کہ جماعت اہلحدیث (بہ اصطلاح جدید) کب سے قائم ہوئی اور اس کے موسسین کون کون حضرات تھے۔ اس ضمن میں لفظ وہابی بھی زیر بحث آگیا اور ہم نے اختصار وقت کی رعایت کرتے ہوئے اس پر بھی کچھ تاریخی بحث کی ہے۔ لیکن یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے کہ بنیادی عقائد میں جماعت اہلحدیث عام مسلمانوں سے الگ کوئی جماعت نہیں۔ ترکِ تقلید کی تحریک میں جو لوگ حد سے بڑھنے والے تھے وہ اپنی اپنی جگہ خود ہی جماعت سے نکل گئے۔ کوئی مرزائیت میں چلا گیا، کوئی انکار حدیث کی لہروں میں جا ڈوبا، کسی نے نیچریت کی قبا زیب تن کرلی اور جماعت اہلحدیث نے اپنی موجودہ شکل میں اپنے لیے سلفی کا عنوان اختیار کرلیا۔ یہ مذاہب باطلہ سے دوری کی ایک اچھی تعبیر ہے۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہ تبدیلی ان میں سعودی عرب سے وابستگی کے بعد آئی ہے۔ چونکہ علماء آل سعود زیادہ تر مقلدین ہیں۔ یہ اس لیے سلفی ہوئے کہ ان سے رابطہ اس کے بغیر نہ ہو سکتا تھا۔ حقیقت میں یہ سلف کے پیرو ہیں یا نہیں ہم کچھ نہیں کہہ سکتے انکار بدگمانی ہے جو بلا شہادت جائز نہیں۔ جو بات وفاق واتفاق کے قریب ہو اس کا خیر مقدم کرنا چاہیئے جب تک بات اس کے خلاف کھُل کر سامنے نہ آجائے۔

---

[1] انگریزوں کی ڈائری تحریک ریشمی رومال صـ

ترکِ تقلید کے نتیجہ میں نئے نئے مذاہب

ہندوستان میں مغلیہ عہد میں صرف دو ہی فرقے پائے جاتے تھے سُنّی تھے یا شیعہ. نواب صدیق حسن خان صاحب لکھتے ہیں :۔

ہندوستان کے مسلمان ہمیشہ سے مذہب شیعی یا حنفی رکھتے ہیں[۱]

انگریزوں نے جب یہاں مذہبی آزادی کا اعلان کیا تو سلاطین مغلیہ کی وہ گرفت جو عام مسلمانوں کو ایک ہی مذہب پر رکھے ہوئے تھی ڈھیلی پڑ گئی. نواب صاحب گورنمنٹ کی پالیسی کے بارے میں لکھتے ہیں :۔

جو امن و آسائش و آزادگی اس حکومت انگریزی میں تمام خلق کو نصیب ہوئی کسی حکومت میں بھی نہ تھی اور وجہ اس کی سوائے اس کے کچھ نہیں سمجھی گئی. کہ گورنمنٹ نے آزادی کامل ہر مذہب والے کو دی ہے[۲]۔

شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب نے اس آزادی سے فائدہ اٹھایا: تو سر سید احمد خاں نے کل اسلاف سے ہی علمی بغاوت کر دی اور نیچری فرقہ کے عنوان سے معتزلہ ایک نئی شکل میں سامنے آئے. مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی اور مرزا غلام احمد قادیانی جو مدتوں اہلحدیث مسلک پر اکٹھے کام کرتے رہے تھے. ان میں سے مرزا غلام احمد کل پرانے اسلام سے بغاوت کر گئے اور قادیانی مذہب وجود میں آیا. میاں نذیر حسین صاحب کے شاگرد مولانا سلامت اللہ جیراجپوری اہلحدیث (باصطلاح جدید) کے نامور عالم تھے. مگر اُن سے ان کے بیٹے حافظ اسلم جیراجپوری ترکِ تقلید میں آگے بڑھ کر ترک حدیث کی سرحد پر آگئے. ڈپٹی نذیر احمد صاحب کے شاگرد مولوی عبداللہ چکڑالوی جو لاہور میں جماعت اہلحدیث کی پہلی مسجد (چینیاں والی) کے امام اور خطیب تھے. رفتہ رفتہ منکرین حدیث کے پیشوا بنے اور برطانوی ہندوستان میں قادیانی، نیچری، چکڑالوی سب اپنے اپنے محاذوں پر آ کھڑے ہوئے. اس تلخ تجربے نے علمائے "اہلحدیث" کو پھر سوچنے پر مجبور کیا کہ ترکِ تقلید کا یہ انداز آخر کہاں تک چلتا رہے گا کہیں یہ ساری جماعت کو ہی اسلام سے لا باہر نہ کرے.

---

[۱] ترجمان وہابیہ صفحہ ۸۶ [۲] ایضاً صفحہ ۱۱

اکابر جماعت اہلحدیث کے بیانات

مرزا غلام احمد قادیانی کے پرانے دوست مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں :-

پچیس برس کے تجربہ سے ہم کو یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ جو لوگ بے علمی کے ساتھ مجتہد مطلق اور مطلق تقلید کے تارک بن جاتے ہیں وہ آخر اسلام کو سلام کر بیٹھتے ہیں۔[1]

پھر آپ یہ بھی لکھتے ہیں :-

گروہ اہلحدیث میں جو بے علم یا کم علم ہوکر ترک تقلید کے مدعی ہیں وہ ان نتائج سے ڈریں۔ اس گروہ کے عوام آزاد اور خود مختار ہوتے جاتے ہیں۔[2]

مولانا سید علی میاں ندوی کے والد مولانا سید عبدالحی مرحوم نزہۃ الخواطر کی آٹھویں جلد میں مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کے ذکر میں لکھتے ہیں :-

وشدد النكير على مقلدي الائمة الاربعة لاسيما الاحناف وتعصب في ذلك تعصباً غير محمود فثارت به الفتن وازدادت المخالفة بين الاحناف واهل الحديث ورجعت المناظرة الى المكابرة والمجادلة والمقاتلة ثم لما كبرت سنه ورأى ان هذه المنازعة كانت سبباً لوهن الاسلام ورجع المسلمون الى غاية من النكبة والمذلة رجع الى ما هو اصلح لهم في هذه الحالة ——

واما ما كان عليه من المعتقد والعمل فهو على ما قال في بعض الرسائل :

ان معتقده معتقد السلف الصالح مما ورد به الاخبار وجاء في صحاح الاخبار ولا يخرج مما عليه اهل السنة والجماعة ومذهبه في الفروع مذهب اهل الحديث المتمسكين بظواهر النصوص۔[3]

ترجمہ۔ مولانا بٹالوی نے مقلدین ائمہ اربعہ خصوصاً احناف کے خلاف شدت اختیار کی اور اس میں ایسے تعصب سے چلے کہ اسے اچھا نہیں کہا سکتا پس اس سے

---

[1] اشاعۃ السنۃ جلد ۱۱ نمبر ۴ ۱۸۸۸ء [2] ایضاً [3] تقدمہ علی الاجوبۃ الفاضلۃ لاسئلۃ العشرۃ الکاملۃ للشیخ عبدالفتاح ابی غدہ ص ۸ مطبوع حلب

فتنے بھڑک اُٹھے اور احناف اور فرقہ اہلحدیث کے مابین مخالفت زیادہ ہوگئی مناظرے، مکابرہ، مجادلہ بلکہ مقاتلہ تک پہنچے۔ پھر جب آپ بڑی عمر کو پہنچے اور آپ نے دیکھا کہ مقلدین سے یہ کھچاؤ ضعف اسلام کا سبب ہوگیا ہے اور مسلمان رسوائی اور بدبختی کے گڑھے میں جا رہے ہیں، آپ پھر اس طرف لوٹے جو مسلمانوں کے لیئے اس حالت میں بہتر تھا ——— ہاں جہاں تک آپ کے اعتقاد اور عمل کا تعلق ہے وہ اس پر تھے جیسا کہ آپ نے اپنے بعض رسالوں میں کہا ہے کہ ان کا اعتقاد سلف صالحین کا سا ہے جو اخبار اور صحیح احادیث میں آیا ہے اور وہ اس حد سے نہیں نکلیں گے جو اہل السنۃ والجماعت کی راہ ہے۔ رہیں فروعات تو اس میں وہ ان اہلحدیث کے طریقے پر رہیں گے۔ جو نصوص کے ظواہر سے تمسک کرتے ہیں۔

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی فکری کروٹ پر پوری جماعت اہلحدیث کی روش بدل جانی چاہیئے تھی۔ لیکن افسوس کہ وہ لفظ حنفی اور شافعی وغیرہ سے اسی طرح سیخ پا رہے کہ کسی درجہ میں وہ فقہ کے قریب آنے کے لیئے تیار نہ ہوئے۔ یہ شیخ الکل میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اور مولانا محمد حسین بٹالوی کے مسلک کے خلاف فرقہ وارانہ منافرت کی ایک لہر تھی۔ جو جماعت کے بیشتر علماء کو لے ڈوبی۔ بہت کم تھے جو معتدل مزاج رہے اور اہل السنۃ والجماعت کے دائرہ کے اندر رہے۔ غالباً ۱۳۲۲ھ کا واقعہ ہے کہ جماعت اہلحدیث کے اعیان وارکان لاہور میں جمع ہوئے اور انجمن اہلحدیث کے نام سے ایک تنظیم قائم کی جس کے صدر مولانا محمد حسین بٹالوی قرار پائے۔ مولانا بٹالوی مرزا غلام احمد قادیانی کا حال دیکھ کر ضرور سمجھتے تھے کہ غیر مقلدین فقہ اور مقلدین سے جو نفرت بڑھا رہے ہیں۔ اس سے اندیشہ ہے کہ کسی نہ کسی وقت یہ لوگ (غیر مقلدین) پورے اسلام سے ہی منحرف نہ ہو جائیں۔ انہوں نے اہلحدیث کے ساتھ اپنے کو حنفی کہنے کی بھی راہ نکالی۔ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی لکھتے ہیں:۔

لاہور میں ایک مجلس اہلحدیث کے نام سے نامزد[ل] ہو کر قائم ہوئی ہے جس کے

ل یہ مجلس نامزد ہو کر قائم ہوئی تھی حکومت برطانیہ نے یہ نام اہلحدیث انہیں الاٹ کیا تھا۔

صدر ہونے کی عزت اس ناچیز کو بخشی گئی ہے۔ اس میں یہ امر بحث میں آیا تھا کہ اہلحدیث (جس کی طرف یہ انجمن منسوب ہوئی ہے) کی کیا تعریف ہے اور اہلحدیث سے کون شخص موسوم ہو سکتا ہے (جو اس انجمن کے ارکان اور مجلس منتظمہ میں داخل ہونے کا استحقاق رکھتا ہو اس کا تصفیہ رسالہ اشاعۃ السنۃ جلد ۲۰ کے صد ۱۵۹ (جو اہلحدیث قوم کا اور گورنمنٹ میں مہتمم ایڈوکیٹ Representative ریپریزنٹیٹو ہے) کے اس بیان سے ہو گیا کہ "اہلحدیث وہ ہے جو اپنا دستور العمل والاستدلال احادیث صحیحہ اور آثار سلفیہ[1] کو بناوے اور جب اس کے نزدیک ثابت و محقق ہو جائے کہ ان کے مقابلہ میں کوئی معارض مساوی یا اس سے قوی پایا نہیں جاتا۔ تو وہ ان احادیث و آثار پر عمل کرنے کو مستعد ہو جاوے اور اس عمل سے اس کو کسی امام یا مجتہد کا قول بلا دلیل[2] مانع نہ ہو۔

از آنجا کہ اس تعریف کی رُو سے بے تعصب و منصف مزاج مقلدین مذاہب اربعہ حنفیہ وغیرہ جو عمل بالحدیث کو جائز رکھتے اور سعادت سمجھتے تقلید مذہب ان کو اس عمل بالحدیث سے مانع نہ ہوتی)، داخل ہو سکتے ہیں۔ نظر برآں اس انجمن کے صدر خاکسار کی یہ رائے قرار پائی کہ اس انجمن کے نام میں ایسی تعمیم و توسیع ہو جانی چاہیے۔ کہ اس کا نام سنتے ہی وہ مقلدین جو عمل بالحدیث کو سعادت سمجھتے ہیں داخل سمجھے جائیں بنا بریں علیہ اس کے تجویز یہ ہوئی کہ لفظ انجمن اہلحدیث کے ساتھ بریکٹ میں حنفیہ وغیرہ بڑھا دیا جائے[3]

پھر مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی کی اپنی رائے ملاحظہ کیجئے:۔

---

[1] احادیث کے ساتھ آثار سلفیہ کو ماننے کا مطلب یہ ہے کہ صحابہ کرام کے ارشادات کو بھی اپنے لیے سند سمجھے

[2] غیر مقلد علماء لفظ بلا دلیل کو ہمیشہ قول کی صفت بتاتے ہیں۔ یعنی وہ بات جس پر شریعت میں کوئی دلیل نہ ہو ظاہر ہے کہ اس کا ماننا کسی کے ہاں معتبر نہیں۔ مقلدین اسے قول کی صفت نہیں ماننے کی صفت بتلاتے ہیں کہ کسی مجتہد کی بات کو اس سے دلیل طلب کیے بغیر اس کے اعتماد پر مان لینا کہ قرآن و حدیث کے مطابق ہی بتلا رہا ہوگا۔ [3] ماہنامہ الہدیٰ بابت ماہ ذیقعدہ ۱۳۲۷ھ صد ۲۲ باہتمام مولوی کریم بخش مہتمم ومالک اسلامیہ سٹیم پریس لاہور

صدر انجمن خاکسار چونکہ باوجود اہلحدیث ہونے کے حنفی بھی کہلانا جائز رکھتا تھا۔ لہٰذا اس امر کا اظہار اپنے ماہوار رسالہ اور سراج الاخبار کے ذریعہ کر دیا یہ امر ہمارے روحانی فرزند نوجوانوں کو جو صرف اہلحدیث کہلاتے ہیں اور وہ حنفی وغیرہ کہلانا پسند نہیں کرتے ناگوار گزرا اور انہوں نے خاکسار کے اس اظہار کے خلاف اپنے اخبار اہلحدیث میں یہ نوٹ شائع کرا دیا۔۔۔۔۔ الخ

مولانا ثناء اللہ صاحب نے اپنے اختلافی نوٹ میں لکھا تھا۔ ؎ کسی کا ہو رہے کوئی نبی کے ہو رہیں گے ہم ــــــ مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے اس کے جواب میں لکھا۔

نبی کے ہیں سبھی حنفی نہ مرزائی نہ چکڑالی ۔۔۔ نہ معتزلی جو جاحظ کی کرتے ہیں شاگردی

لفظ اہلحدیث ماضی میں ایک علمی شان رکھتا تھا۔ فرقہ اہلحدیث میں جب جاہل بھی اہلحدیث کہلانے لگے تو پوری کی پوری جماعت نت نئے نئے اٹھنے والے فتنوں کا دروازہ بن گئی۔ مرزا غلام احمد کے پہلے جانشین حکیم نورالدین بھی پہلے اہلحدیث بنے تھے[۳]۔ پھر مرزائی بنے۔

قاضی عبدالواحد صاحب خانپوری کی رائے

ان حالات سے متأثر ہو کر جماعت اہلحدیث کے مقتدر عالم قاضی عبدالواحد صاحب خانپوری نے اپنی جماعت کو جھنجھوڑا اور کہا:۔

اس زمانہ کے جھوٹے اہلحدیث مبتدعین، مخالفین سلف صالحین جو حقیقت ما جاء بہ الرسول سے جاہل ہیں وہ اس صفت میں وارث اور خلیفہ ہوئے شیعہ و روافض کے ــــــ جس طرح شیعہ پہلے زمانوں میں باب و دہلیز

---

[۱] اشاعۃ السنۃ صفحہ [۲] مولانا ثناء اللہ امرتسری جو ان دنوں پرچہ اہلحدیث کے ایڈیٹر تھے [۳] تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ ۶۹ میں ہے "حرمین سے واپسی پر نورالدین نے وہابیت اختیار کی اور ترک تقلید پر وعظ کیے۔ اور عدم جواز تقلید پر کتابیں تصنیف کیں۔ بھیرہ میں ہیجان عظیم پیدا ہو گیا ــــــ چودھری ظفر اللہ خاں قادیانی بھی اپنے دادا چودھری سکندر خاں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

"جہاں تک مجھے معلوم ہو سکا ہے وہ اہلحدیث فرقے سے تعلق رکھتے تھے" تحدیث نعمت صفحہ ۳

کفر و نفاق کے تھے اور مدخل ملاحدہ اور زنادقہ کا تھے۔ اسی طرح یہ جاہل، بدعتی اہلحدیث اس زمانہ میں باب اور دہلیز اور مدخل ہیں ملاحدہ اور زنادقہ منافقین کے بعینہٖ مثل اہل التشیع کے[1]

اس عبارت سے واضح ہے کہ ان پڑھ جاہلوں کا اہلحدیث کہلانا کس طرح آئندہ دینی فتنوں کی اساس بنتا رہا ہے اور یہ بھی عیاں ہے کہ اس جماعت غیر مقلدین کے اعتدال پسند علماء کتنی دردمندی سے ترکِ تقلید کے کڑوے پھل چکھتے رہے ہیں اور ان کا ذائقہ بھی ساتھ ساتھ بتاتے رہے ہیں

مولانا محمد حسین صاحب بٹالوی نے اچھا کیا جو اپنے آپ کو اہلحدیث حنفی کہنے لگے۔ یہ کسی نہ کسی دائرہ میں فقہ کی طرف لوٹنے کا ایک قدم تھا۔ اس پر دیگر علماء فرقہ ہذا بہت سیخ پا ہوئے۔ تاہم مرزا غلام احمد کے انجام کا یہ ایک طبعی اثر تھا۔ جو اس کے پرانے دوست مولانا محمد حسین صاحب پر اس تبدیلی کی شکل میں ظاہر ہوا۔ مشہور غیر مقلد عالم مولانا عبدالحق سیالکوٹی لکھتے ہیں :۔

ارباب فہم و ذکا، اصحاب صدق و صفا کی خدمت میں عرض ہے کہ کچھ عرصہ سے جناب مولوی ابوسعید محمد حسین بٹالوی نے اپنے آپ کو اہلحدیث حنفی لکھا ہے۔ آپ کے اس لقب پر مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری ایڈیٹر اخبار اہلحدیث نے ایک نوٹ لکھا ہے[2]

اس سے واضح ہے کہ مولانا محمد حسین بٹالوی میں یہ تبدیلی بعد میں آئی۔ اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں ہو سکتا کہ انہوں نے مرزا غلام احمد قادیانی کی دینی تباہی آنکھوں سے دیکھی تھی۔

مولانا وحید الزماں کی رائے

غیر مقلدین کا گروہ جو اپنے تئیں اہلحدیث کہلاتے ہیں۔ انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی پرواہ نہیں کرتے نہ سلف صالحین اور صحابہ اور تابعین کی ـــــ قرآن کی تفسیر صرف لغت سے ـــــ اپنی من مانی کر لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں مانتے۔[3]

---

[1] کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعۃ صد ۲۶۲ [2] الانصاف لرفع الاختلاف صا مصنفہ مولانا عبدالحق مطبوعہ ۱۹۱۰ء رفاہ عام سٹیم پریس لاہور۔ [3] وحید اللغات مادہ شعب، حیات وحید الزماں ص۱۰۲

مولانا عبدالعزیز سیکرٹری جمعیت مرکزیہ اہلحدیث ہند

اہلحدیث جو اپنے ایمانیات و عقائد کی پختگی میں ضرب المثل تھے...... معتزلہ اور متکلمین کی شریعت کو دوبارہ زندہ کرنے والے حضرات ہم میں پیدا ہوگئے اور اُن کی حوصلہ افزائی کی گئی ——— نتیجہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آج جمعیت اہلحدیث ایک جسم بلا رُوح رہ گئی. بلکہ جسم کہتے ہوئے بھی قلم رُکتا ہے. آج ہم میں تفرق و تشتت کی یہ حالت ہے کہ شاید ہی کسی جماعت میں اس قدر اختلاف و افتراق ہو۔[۱]

ترکِ تقلید کا یہ نتیجہ ان حضرات کے اپنے قلم سے آپ کے سامنے ہے. کاش کہ یہ حضرات مولانا محمد حسین بٹالوی کی بات مان لیتے. مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے اس وقت تو اپنے استاد مولانا بٹالوی کی مخالفت کی. لیکن ترک فقہ کے نتیجہ میں جب ترکِ حدیث کی اٹھتی ہوئی لہر دیکھی تو اُن کے ذہن نے بھی پھر پلٹا کھایا. مرزا غلام احمد کے ترکِ تقلید نے مولانا محمد حسین بٹالوی میں فکری تبدیلی پیدا کی. تو مولوی عبداللہ چکڑالوی کی تحریک ترکِ حدیث نے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کو سوچنے پر مجبور کیا. کہ ترکِ حدیث کی ان لہروں کا پس منظر کیا ہے. مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری مولوی عبداللہ چکڑالوی امام مسجد چینیاں والی لاہور کے بارے میں رقمطراز ہیں :۔

جب انہوں نے دیکھا کہ اب لوگ فقہ کی بندش سے تقریباً آزاد ہوگئے ہیں تو انہوں نے احادیث پر نکتہ چینی شروع کر دی اور جب کچھ دنوں میں یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے گا تو وہ جمع و تدوینِ قرآن میں رخنے نکالنا شروع کر دیں گے اور جب تک لوگوں کو اس عیاری کا پتہ نہ چلے گا وہ عوام اور نئے تعلیم یافتہ طبقے کے دل و دماغ کو اتنا مسموم کر چکے ہوں گے کہ اس کا تدارک کسی سے نہ ہو سکے گا۔[۲]

آزادیٔ رائے کا غلط استعمال

میاں نذیر حسین صاحب سے لے کر مولانا محمد حسین بٹالوی تک ہندوستان میں مطلق

[۱] فیصلہ مکہ صد۲، صد۳ [۲] فتاوٰی ثنائیہ جلد ا صد ۲۸

تقلید کا انکار کہیں نہ تھا. غیر مقلدین بھی صرف تقلیدِ شخصی کے خلاف تھے اور جملہ موحدین ہند اجتہادی مسائل میں فقہ حنفی کا فیصلہ لیتے تھے. مولانا ثناء اللہ امرتسری کے عہد سے غیر مقلدین مطلق تقلید کے انکار کے درپے ہوئے پھر انہی کے عہد میں ترکِ تقلید کی فضا اپنی پوری بہار پر آئی. غیر مقلدین نہ صرف مقلدین سے برسر پیکار ہوئے. بلکہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے خلاف محاذ آراء ہوگئے.[1]

قاضی عبدالاحد صاحب خانپوری نے مولانا ثناء اللہ کے خلاف ایک کتاب لکھی. اور اس کا نام کتاب التوحید والسنۃ فی رد اہل الالحاد والبدعہ رکھا اور اسے اظہارِ کفر ثناء اللہ بجمیع اصول آمنت باللہ سے ملقب کیا کہ مولوی ثناء اللہ ایمان کی تمام بنیادوں کا منکر ہے.

غزنوی حضرات نے مولانا ثناء اللہ کے خلاف اربعین لکھی اور اس پر چالیس کے قریب علماء اہلحدیث (باصطلاح جدید) نے دستخط کیے اور مولانا ثناء اللہ امرتسری کو اہلحدیث سے خارج قرار دیا. مولانا ثناء اللہ صاحب نے مظالم روپڑی بر مظلوم امرتسری لکھ کر جماعت کی اندرونی حالت پوری طرح بے نقاب کی.[2]

مولانا عبدالوہاب ملتانی کے خلاف بانوے[۹۲] علماء اہلحدیث نے دستخط کیے اور کہا کہ مدعیِ امامت (مولانا عبدالوہاب ملتانی) گمراہ ہے. اہلحدیث سے خارج ہے اور حدیث من لم یعرف امام زمانہ کو نہیں سمجھا. پھر مولانا عبدالوہاب کے شاگرد خصوصی مولانا محمد جوناگڑھی نے مولانا عبداللہ روپڑی کے بارے میں لکھا:-

> یہ مولوی صاحب جھوٹے میں بدعقیدہ ہیں اسے علمِ دین سے بلکہ خود دین سے بھی مس نہیں..... اس کا وعظ ہرگز نہ سنو بلکہ اگر بس ہو تو وعظ کہنے بھی نہ دو. نہ اس کے پیچھے جمعہ جماعت پڑھو.[3]

مولوی محمد یونس مدرسِ اوّل مدرسہ میاں نذیر حسین صاحب دہلوی نے حافظ

---

[1] دیکھیے سیرتِ ثنائی ص۳۷۲ اور ہندوستان میں پہلی اسلامی تحریک ص۳۹ مؤلفہ مسعود عالم ندوی
[2] مظالم روپڑی ص۴۸ تالیف مولانا ثناء اللہ امرتسری [3]

عبداللہ صاحب روپڑی کے بارے میں فرمایا :۔

شخص مذکور ملحد ہے..... ایسے لوگوں سے قطع تعلق ضروری ہے۔[1]

ان حضرات کی یہ نبرد آزمائی صرف اپنے علماء تک محدود نہ تھی۔ مولانا عبدالوہاب صاحب نے عوام اہلحدیث کو بھی اپنے اس فتوے میں گھسیٹ لیا۔ مولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی مولانا عبدالوہاب سے نقل کرتے ہیں :۔

جب تک مسلمان امام کو نہیں مانتا اس کا اسلام ہی معتبر نہیں[2]..... کوئی کام نکاح ہو یا طلاق بغیر اجازت امام وقت جائز نہیں[3]

ان حضرات کے اخبار محمدی کی ایک سرخی ملاحظہ ہو۔ روپڑ کا خوفناک بھیڑیا۔[4]

ان کتابوں اور عنوانوں سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ترک تقلید کے جوش میں یہ لوگ اپنے گھر میں کیسی خوفناک آگ سے دوچار تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری کی خدمات اہلحدیث پر ان کے ہمنوا علماء انہیں سردار اہلحدیث کہتے تھے۔ مولانا عبداللہ روپڑی کو ان کی یہ حیثیت پسند نہ تھی۔ آپ نے مولانا ثناء اللہ صاحب کو مخاطب کرکے فرمایا :۔

ٹھیلے تلے کتا چل رہا تھا وہ سمجھا کہ ٹھیلے کو میں کھینچ رہا ہوں تمہاری مثال یہ ہے[5]

غیر مقلدین کی اس سرد جنگ سے یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ ترک تقلید کی تحریک اس وقت کس مرحلہ میں داخل ہو چکی تھی

ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ ائمہ دین اور سلف صالحین سے بے نیازی کی روش جماعت اہلحدیث میں کہاں تک آزادی پیدا کر چکی تھی۔ تاہم یہ غنیمت ہے کہ جماعت کے بعض حضرات کو اس کا شدت سے احساس ہوا اور جو لوگ ترک تقلید میں حد سے بڑھتے جا رہے تھے وہ اپنی اپنی جگہ

---

[1] ... [2] مقاصد الامامۃ ص ۱۲ [3] ایضاً

[4] اخبار محمدی دہلی یکم جون ۱۹۳۹ء [5] ثنائی نزاع تالیف عبداللہ روپڑی صاحب

خود ہی جماعت سے نکل گئے اور اہلحدیث (بہ اصطلاح جدید) اپنی موجودہ شکل میں کچھ نہ کچھ سنبھل گئے اور اُنہوں نے صحابہ کرام سے تمسک کرنے کو اپنے اصولوں میں داخل کرلیا۔

مسلک اہلحدیث میں اقوال صحابہ کا درجہ

اہل السنّۃ والجماعت کی بنیاد ہی صحابہ کرام سے وابستگی پر ہے اور یہی جماعت ہے جس کی طرف منسوب ہو کر وہ اہل السنّۃ والجماعت کہلاتے ہیں۔ جب تک ان کے قول وفعل سے تمسک رہے غیر مقلدین بھی جماعت اہلحدیث (بہ اصطلاح جدید) کے دائرہ میں رہیں گے اور اس گروہ کے جو لوگ حضرات صحابہ سے علیحدگی کو ہی سچائی کا نشان سمجھیں۔ وہ انجام کار اسلام کی سرحد کو ہی پار کرجائیں گے۔ جماعت کے مقتدر عالم حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی لکھتے ہیں :۔

> جب انسان کو کوئی مسئلہ قرآن وحدیث سے صراحۃً نہیں ملتا۔ تو وہ قرآن وحدیث میں اجتہاد واستنباط کرتا ہے اور وہ اجتہاد واستنباط قرآن وحدیث سے الگ نہیں کہلاتا۔ اسی طرح صحابی کے اس قول کو جو اجتہاد واستنباط کی قسم سے ہو اس کو قرآن وحدیث سے الگ نہ سمجھنا چاہیئے۔ بلکہ قرآن وحدیث میں داخل سمجھنا چاہیئے۔[1]
>
> اور یہ بات بھی ظاہر ہے کہ صحابہ کے اقوال میں اوّل تو رفع یعنی رسُولؐ کی حدیث ہونے کا احتمال قوی ہے اور اگر کہیں فہم کا دخل ہو تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روش کی طرف زیادہ نزدیک ہیں۔ کیونکہ صحابہ آپ کی طرزِ استدلال کو دیکھتے تھے اور آپ کے کنایہ اور اشارے سے خوب سمجھتے تھے اور جتنی باتیں مشاہدہ سے تعلق رکھتی ہیں اُن سے خوب واقف تھے اور بعد کے لوگ ان باتوں سے محرُوم ہیں۔ اس لیئے پچھلوں کے اجتہاد پر صحابہ کے اقوال کو مقدم کرنا لازم ہے اور صحابہ چونکہ ان باتوں میں برابر ہیں اس لیئے ان کے اقوال آپس میں ایک دوسرے کو ماننے لازم نہیں۔[2]

---

[1] ضمیمہ رسالہ اہلحدیث ص۷ [2] ایضاً ص۸

مولانا حافظ محمد عبداللہ صاحب روپڑی اس سے پہلے ساری بحث کا حاصل ان لفظوں میں لکھ آئے ہیں :-

اقوال صحابہ کے ساتھ استدلال کرنا ٹھیٹھ اسلام میں داخل ہے۔[1]

کتنا اچھا ہو کہ گروہ اہلحدیث کے دیگر حضرات بھی صحابہ کے قول و عمل سے استناد کرنا جائز سمجھیں اور اسے اپنی رائے پر ہر حال میں مقدم کریں. یہ صحابہ کی اتباع اور پیروی کا عقیدہ ہے جو اہلحدیث حضرات کو اہل السنۃ والجماعت میں داخل کرتا ہے۔ اس کے ساتھ ائمہ کرام کا اکرام و احترام بھی ضروری ہے۔ ان کے کسی فیصلے سے اختلاف اور بات ہے اور مجموعی طور پر اُن کی جلالت قدر سے کھیلنا اور ان کی علمی امامت کے انکار سے پورے اکابرِ امت کی تجہیل کرنا یہ وہ خوفناک روش ہے کہ اس راہ پہ چلنے والا کبھی اہل السنۃ والجماعۃ میں نہیں رہ سکتا جماعت اہلحدیث کے جو علماء ائمہ حدیث و فقہ اور مجمع علیہم مجتہدین ائمہ اربعہ کا اکرام و احترام کرتے ہیں. انہیں چند فروعی اختلافات کی بناء پر اہل السنت کے دائرہ حقہ سے باہر نہ سمجھنا چاہیئے۔

"علماء اہلحدیث" کے ہاں امام ابوحنیفہ کا مقام

مولانا محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے بہت قریبی دوست ہونے کے باعث علماء دیوبند سے بھی اتنے ہی قریب تھے۔ امام ابوحنیفہؒ کے بہت معتقد تھے. اکثر فرماتے کہ امام ابوحنیفہؒ کا احترام مجھے رُوحانی طور پر بتلایا گیا ہے.

میں ان شخصوں کو جن کو حضرت امام سے حسن عقیدت نہیں ہے کہا کرتا ہوں. افتمارونہ علی مایری میں نے جو کچھ عالم بیداری اور ہوشیاری میں دیکھ لیا اس میں مجھ سے جھگڑا کرنا بے سود ہے۔[2]

جو شخص ائمہ دین اور خصوصاً امام ابوحنیفہ کی بے ادبی کرتا ہے اس کا خاتمہ اچھا نہیں ہوتا۔[3]

آپ نے تاریخ اہلحدیث کے نام سے محدثین اور اپنے اکابر جماعت کی ایک تاریخ لکھی۔ اس میں آپ نے امام ابوحنیفہ کا بھی ذکر کیا. آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس دہلی اس کو شائع کرنا چاہتی تھی. لیکن وہ لوگ اس پر رضا مند نہ تھے. کہ امام ابوحنیفہ کو محدثین میں ذکر کیا جائے۔

---

[1] ضمیمہ رسالہ اہلحدیث ص۳ [2] تاریخ اہلحدیث ص۷۹ . [3] ایضاً ص۲۲۸ نقلاً عن الحافظ عبدالمنان

انہوں نے مولانا سے درخواست کی کہ وہ حضرت امام صاحب کا ذکر اس کتاب سے نکال دیں. مولانا ابراہیم صاحب نے کتاب ان سے واپس لے لی. مگر امام صاحب کا نام اس کتاب سے نہ نکالا اور فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کا نام محدثین سے کبھی الگ نہیں ہو سکتا.

غزنوی خاندان کے علماء بھی حضرت امام صاحب کی شان میں بہت مؤدب رہے ہیں. سید ابوبکر غزنوی نے اپنے والد مولانا محمد داؤد غزنوی کے سوانح حیات میں مولانا محمد اسحٰق بھٹی کا ایک مقالہ بھی درج کیا ہے. اس میں آپ سیّد محمد داؤد غزنوی کے بارے میں لکھتے ہیں:.

> ائمہ کرام کا اُن کے دل میں انتہائی احترام تھا. حضرت امام ابوحنیفہؒ کا اسم گرامی بے حد عزّت سے لیتے. ایک دن میں اُن کی خدمت میں حاضر تھا. کہ جماعت اہلحدیث کی تنظیم سے متعلق گفتگو شروع ہوئی. بڑے دردناک لہجہ میں فرمایا:.
>
> مولوی اسحٰق! جماعت اہلحدیث کو حضرت امام اُبوحنیفہؒ کی رُوحانی بددُعا لے کر بیٹھ گئی ہے. ہر شخص اُبوحنیفہ اُبوحنیفہ کر رہا ہے. کوئی بہت ہی عزّت کرتا ہے تو امام ابوحنیفہ کہہ دیتا ہے. پھر ان کے بارے میں ان کی تحقیق یہ ہے کہ وہ تین حدیثیں جانتے تھے یا زیادہ سے زیادہ گیارہ. اگر کوئی بڑا احسان کرے تو وہ اُنہیں سترہ حدیثوں کا عالم گردانتا ہے. جو لوگ اتنے جلیل القدر امام کے بارے میں یہ نقطۂ نظر رکھتے ہوں ان میں اتحاد اور یک جہتی کیوں کر پیدا ہو سکتی ہے. "مولانا داؤد غزنوی"، ص۱۳۶

ان دنوں حضرت امام ابوحنیفہؒ کی وصیت جو آپ نے اپنے بیٹے حماد کے نام لکھی. نئی نئی طبع ہو کر آئی تھی. آپ اسے آنے جانے والوں کو دکھاتے اور فرماتے. حضرت امام ابوحنیفہ کی نظر کم از کم پانچ لاکھ احادیث پر تھی.

اب بھی جماعت اہلحدیث میں اچھے خاصے لوگ ملیں گے جو ائمہ کرام اور فقہاءِ اسلام کا خاصا احترام کرتے ہیں لیکن افسوس کہ چند ناعاقبت اندیش متعصب افراد کی جسارت اور دوسروں کی اس پر مصلحت کیش خاموشی پُوری جماعت کو اہل السنّت والجماعت سے لا باہر کھڑا کرتی ہے. انّا للہ و انّا الیہ راجعون.

لیکن افسوس کہ ان کے خطیب قسم کے علماُ اور جماعت میں اپنی جھوٹی شخصیت اُبھارنے والے فقہ حنفی سے برسرِعام کھیلتے ہیں۔ حضرت امام کے علم حدیث کا مسخر اڑاتے ہیں اور یہ مسخرے نہیں جانتے کہ حضرت امام کی بددعا جس کے بھی شاملِ حال ہوئی وہ قادیانی ہوکر مرا یا رفض کی گود میں گیا یا اسے منکرینِ حدیث میں جگہ ملی اور یا وہ پاگل ہوگیا۔ سلامتی سے اُسے یہاں سے رخصتی نہیں ہوئی۔ اعاذنا اللہ من سوء الادب فی الائمۃ المجتھدین۔

یہ درست ہے کہ اس حلقے میں بعض حضرات معتدل مزاج بھی تھے۔ انہوں نے کوشش کی کہ جماعت کو مطلق العنان ہونے سے بچایا جائے اور انہیں پابند کیا جائے کہ کسی مسئلہ میں سلف کی حدود سے نہ نکلیں۔ اس جذبے سے بہت سے لوگ سلفی کہلائے پہلے جو لوگ قال اللہ اور قال الرسول کے سوا کچھ نہ سنتے تھے۔ اب سلف کی پیروی میں فخر محسوس کرنے لگے۔ یہ ان لوگوں میں پہلی نظریاتی تبدیلی ہے جو عمل میں آئی ہے۔

ز اجتہادِ عالماں کوتاہ نظر　　　اقتدار رفتگاں محفوظ تر

ہمیں پورا احساس ہے کہ موضوعِ زیرِبحث اہلحدیث (باصطلاح جدید) کا تعارف ہے۔ یہ چند باتیں ہم نے صرف تاریخی پہلو سے کہی ہیں۔ کسی فریق کے کسی موقف کا اثبات یا ابطال ہرگز پیشِ نظر نہیں۔ حدیث کے طلبہ کے لیئے حدیث سے متعلق جملہ مباحث لائق مطالعہ ہوتے ہیں۔ ہم نے ضرورت کے مطابق یہ تاریخی نقشہ آپ کے سامنے پیش کر دیا ہے۔ کسی عزیز نے کسی بات پر کوئی گرانی محسوس کی ہو تو ہم اس سے معذرت خواہ ہیں۔ تاریخی حقائق سے صرف نظر تو کی جا سکتی ہے لیکن انہیں مٹایا نہیں جاسکتا۔

یہ بات بآسانی سمجھی جا سکتی ہے کہ جو درخت تقریباً ایک صدی پہلے ترکِ تقلید کے نام سے بویا گیا تھا　　اس کے نکیلے کانٹوں سے خود اس کے داعی بھی خون آلودہ ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ غزنوی حضرات اس لئے ان مفاسد سے بچے رہے کہ وہ سلوک واحسان کے قائل تھے مولانا عبدالجبار غزنوی کی کتاب اثبات الالہام والبیعۃ کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

یہ کتاب مولوی غلام علی قصوری کی ایک کتاب کے جواب میں لکھی گئی تھی۔ مقلدین کے بارے میں آپ کا نظریہ یہ تھا:۔

> مذاہب اربعہ حق ہیں اور ان کا آپس کا اختلاف ایسا ہے جیسا صحابہ کرام میں بعض مسائل کا اختلاف ہوا کرتا تھا۔ باوجود اختلاف کے ایک دوسرے سے بغض و عداوت نہیں رکھتے اور باہم سب وشتم نہیں کرتے مثل خوارج و روافض کے صلحاء، اور ائمہ دین کی محبت جزوِ ایمان ہے۔[۱]

مولانا عبدالجبار غزنوی مولانا عبداللہ غزنوی کے بیٹے تھے۔ مولانا عبدالجبار کے بیٹے مولانا محمد داؤد غزنوی اور مولانا عبدالغفار تھے۔ مولانا عبداللہ غزنوی کے ایک دوسرے پوتے مولانا اسماعیل غزنوی تھے۔ جو سعودی عرب کے ملک عبدالعزیز بن آلِ سعود کے مقربین میں سے تھے۔ ان کے باعث سعودی حکومت اور موحدینِ ہند میں خاصے روابط پیدا ہوئے اور اب تک یہ روابط قائم ہیں۔ اس مناسبت سے پھر سے لفظ وہابی ان حلقوں میں عام ہوگیا ہے۔ یہ حضرات اب اس لفظ سے نفرت نہیں کرتے۔ سعودی عرب سے تعلقات رکھنے کے لیے نہیں اب اس نام کی ضرورت ہے، ورنہ علماء، آلِ سعود تو مقلدین ہیں اور حنبلی مذہب رکھتے ہیں۔

مولانا وحید الزمان حیدر آبادی۔ المتوفی ۱۳۳۸ھ / ۱۹۲۰ء

کتبِ حدیث کے اردو تراجم اور وحید اللغات لکھنے کے باعث آپ فرقہ اہلِ حدیث میں سب سے بڑے مصنف سمجھے جاتے ہیں۔ نواب صدیق حسن خان کے بعد اس باب میں انہی کا نام ہے۔ پہلے نواب صاحب نے آپ کو تراجم کے لیے تنخواہ پر ملازم رکھا۔ آپ کے دور میں مولوی شمس الحق عظیم آبادی، مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی، مولوی عبداللہ غازی پوری، مولوی فقیر اللہ صاحب پنجابی غیر مقلدین کی نمایاں شخصیتیں تھے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری بھی خاصے معروف ہو چکے تھے۔

آپ نے میاں نذیر حسین صاحب سے حدیث پڑھی۔ غیر مقلد ہونے کے بعد شیعیت

---

[۱] اثبات الالہام والبیعۃ ص۲ طبع دوم

کی طرف خاصے مائل ہو گئے۔ آپ کی کتاب ہدیۃ المہدی آپ کے انہی خیالات کی ترجمان ہے۔

مجھ کو میرے ایک دوست نے لکھا کہ جب سے تم کتاب ہدیۃ المہدی تالیف کی ہے تو اہلحدیث کا ایک بڑا گروپ...... تم سے بددل ہو گئے ہیں۔ اور عامہ اہلحدیث کا اعتقاد تم سے جاتا رہا ہے[1]

آپ فخرالدین الطریحی شیعی (۱۰۸۵ھ) کی کتاب مطلع نیرین اور مجمع البحرین سے خاصے متأثر تھے۔ وحیداللغات کی اس قسم کی عبارات انہی خیالات کی تائید کرتی ہیں۔

شیخین رضؓ کو اکثر اہلسنت حضرت علیؓ سے افضل کہتے ہیں اور مجھ کو اس امر پر بھی کوئی قطعی دلیل نہیں ملتی۔ نہ یہ مسئلہ کچھ اصولِ دین اور ارکانِ دین سے ہے۔ زبردستی اس کو متکلمین نے عقائد میں داخل کر دیا ہے[2]

"حضرت علیؓ اپنے تئیں سب سے زیادہ خلافت کا مستحق جانتے تھے اور ہے بھی یہی"[3]

حضرت امیر معاویہؓ کے بارے میں لکھتے ہیں:۔

ان کی نسبت کلماتِ تعظیم مثل حضرت و رضی اللہ عنہ سخت دلیری اور بیباکی ہے[4]

پھر محرم کے بارے میں رقمطراز ہیں:۔

یہ مہینہ خوشی کا نہیں رہا...... محرم کا مہینہ شہادت کی وجہ سے غم کا ہے[5]

ان خیالات کے باوجود جماعت اہلحدیث انہیں اپنے بزرگوں میں سے سمجھے۔ تو اسے وہ جانیں۔ جہاں تک ہم سمجھ سکے ہیں مولانا وحیدالزماں شیعہ کتب حدیث کو اہلسنت کتب حدیث کی کتابوں کے قریب لانا چاہتے تھے اور اسی لیے انہوں نے مسلکِ اہلحدیث اختیار کیا تھا۔ حالانکہ شیعہ کتب حدیث ہمارے ہاں اصولاً ثابت نہیں ہیں۔ آپ کی لغاتِ حدیث اسی فکر پر مرتب ہوئی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔ آپ خود لکھتے ہیں:۔

انوار اللغۃ جو جامع لغات احادیث مع احادیث فریقین یعنی امامیہ و اہلسنت ہے۔ بڑی محنت اور جانفشانی سے مرتب کی ہے[6]

انوار اللغۃ، اسرار اللغۃ، وحیداللغات ایک ہی کتاب کے نام ہیں۔

مبحث اہلِ حدیث یہاں ختم ہوتا ہے۔

---

[1] وحیداللغات مادہ شر [2] مادہ عثم [3] مادہ عجز [4] ایضاً [5] مادہ عود [6] جلد ۱ ص۲ طبع بنگلور

منکرینِ حدیث

الحمد للہ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ اما بعد:

ابتدائے آفرینش سے حق کے مقابلے میں باطل اور نور کے بالمقابل ظلمت نبرد آزما رہے ہیں۔ آدم نے ابھی خلعتِ خلافت نہ پہنی تھی کہ ابلیس ملائکہ کی صف سے علیحدہ ہوگیا۔ اور ابراہیم علیہ السلام ابھی پیدا نہ ہوئے تھے کہ اقتدار نمرود کے ہاتھوں میں تھا۔ کون نہیں جانتا کہ حضرت موسیٰ کے بیدار ہونے سے پہلے تختِ مصر پر فرعون براجمان تھا۔ حدیث نبوی نے جس طرح قرآن کریم کے گرد حفاظت کا پہرہ دیا اور عملاً ایک امت کی تشکیل کی اور اُسے توارث عمل بخشا ______ ضروری تھا کہ اس کے بالمقابل پھر ظلمت کی گھٹا اُٹھے۔ امت کو اتحاد کی بجائے انتشار ملے۔ قرآن اپنے احکام کے تعین میں ممبرانِ اسمبلی کا دست نگر ہو اور عقل کی ہر بدلتی لہر تعلیم نبوت کے کنارے توڑتی رہے۔ منکرینِ حدیث انہی تقاضوں سے اُٹھے۔ اور مختلف عنوانوں سے سامنے آئے۔

انکارِ حدیث کی تحریک کسی دور میں منفی عنوانوں سے نہیں چلی۔ اُس نے اپنی منفی آواز کے لیے ہمیشہ سے کسی نہ کسی مثبت عنوان کا سہارا لیا ہے۔ منکرین حدیث کبھی (۱) جامعیت قرآن کا نعرہ لے کر اُٹھے کہ قرآن کریم کے ہوتے ہوئے اور کسی چیز کی ضرورت نہیں (یعنی حدیث کی ضرورت نہیں)، کبھی اُن لوگوں نے کہا (۲) قرآن کریم کے ابدی قوانین ہر زمانے کے نئے تقاضوں کے تحت طے ہونے چاہییں۔ قرآنی احکام کی جو تشکیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ہوئی۔ وہ صرف اس دور کے لیے تھی۔ اس نئے دور میں قرآنی احکام کی تشکیل اسمبلیوں کے ذریعے ہونی چاہیے۔ (۳) کبھی ان لوگوں نے بعض حدیثوں کے خلافِ عقل ہونے کا سہارا لیا اور ان کے ذریعہ کل ذخیرہ حدیث کو گدلا کرنا چاہا۔ ابتدائی عنوان ان کا یہ رہا کہ ہم ان حدیثوں

کو کیسے مان لیں جن میں یہ مضامین ہیں ــــــ ان لوگوں نے چند متشابہات کے باعث کل احادیث ہی لائق انکار ٹھہرادیں اور (۴) کہیں انہوں نے باطنی تاویلات کی راہ سے احادیث کا انکار کیا کہ ہم اہل معرفت خود ہی حدیث کو دیکھ لیتے ہیں. تمہارے ذخیرہ حدیث میں سے ہمیں کسی حدیث کی ضرورت نہیں. اہل قال اہل حال کو کیا سمجھیں ــــــ کوئی کچھ کہتا رہا کوئی کچھ ــــــ آوازیں مختلف اٹھتی رہیں. لیکن یہ بات اپنی جگہ حقیقت رہی اور اس میں شک نہیں کہ انکار حدیث کی تحریک پوری تاریخ میں کبھی منفی عنوان سے نہیں چلی. چودہویں صدی ہجری نے جہاں اور بہت سے گل کھلائے، انگریزی نبی کھڑے کیے. فتنہ انکار حدیث کو بھی نیا عروج بخشا. اب یہ فتنہ اچھا خاصا معروف ہو چکا ہے اور کچھ لوگ اب منفی عنوان اختیار کرنے سے بھی نہیں چوکتے اور یہ تحریک اب زور پکڑتی جارہی ہے. ایک منکر حدیث کہتا ہے اور کتنا کھل کر کہتا ہے:-

> یہ سنت ہی تھی جس نے اسلام کے ابتدائی جمہوری مزاج میں بگاڑ پیدا کیا یہ سنت ہی تھی جس نے مسلمانوں کو متعدد فرقوں میں ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُن کی وحدت کو پارہ پارہ کر دیا. یہ سنت ہی تھی جس نے بنو امیہ اور بنو عباس کے عہد میں مذہبی لوگوں کو غیر معمولی اہمیت دلوائی. اور یہ سنت ہی تھی جس نے دولت عثمانیہ کو ناقابل علاج مریضوں کی آماجگاہ بنایا۔[۱]

یاد رکھیے فتنہ انکار حدیث کی خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خبر دے چکے تھے حضرت مقدام (د ۸۷ھ) کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

> الا یوشك رجل شبعان علی اریکته یقول علیکم بهذا القرآن فما وجدتم فیه من حلال فاحلوه وما وجدتم فیه من حرام فحرموه[۲]

> ترجمہ. قریب ہے کہ ایک امیر آدمی اپنے صوفہ پر بیٹھے درس دے. کہ تمہیں یہ قرآن کافی ہے تم اس میں جو حلال پاؤ اسے حلال سمجھو اور جس چیز کو حرام پاؤ اسے ہی حرام کہو.

---

[۱] بشکریہ روزنامہ تسنیم لاہور ۹ فروری ۱۹۵۵ء صدا کالم ۴ [۲] مشکوٰۃ صد ۲۹

اس حدیث میں جہاں اس فتنے کی خبر دی، ایک یہ اشارہ بھی کر دیا کہ انکارِ حدیث کی آواز پہلے امراء کے اسی قسم کے حلقوں سے اُٹھے گی۔ لوگ صوفوں پر بیٹھے، کوٹھیوں میں محفلیں لگائے حدیث کا انکار کریں گے اور یہی لوگ ہیں جو منکرینِ حدیث کی صف باندھیں گے۔

پیشتر اس کے کہ ہم فتنہ انکارِ حدیث کی کچھ تفصیل کریں۔ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ معتزلہ شیعہ اور قادیانیوں کے حدیثی موقف کو جو بعض پہلوؤں سے تحریک انکارِ حدیث سے مل جاتا ہے کچھ پہلے بیان کر دیں۔ تاکہ ان میں اور اس زمانے کے دوسرے منکرینِ حدیث میں کچھ مطابقت واضح ہو جائے۔

معتزلہ کا انکار

معتزلہ اخبارِ احاد کو حجت مان کر اہل السنت والجماعت کا مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔ کلامِ الٰہی کا اس کی صفت ہونا مخلوق نہ ہونا، معجزات کا خرقِ عادت ہونا انہیں ظاہری اسباب سے مسبب نہ بتلانا، عذابِ قبر ان امور کی نفی خبرِ واحد کو حجت مان کر ان کے لئے عملاً ممکن نہ تھی۔ انہوں نے حیلہ کیا کہ عام عقل کو ارشادِ رسالت پر غالب کر کے ان تعلیمات کے ارشادِ رسالت ہونے سے ہی انکار کر دیا جائے۔ اخبارِ احاد کے انکار سے حدیث کا ذخیرہ بہت سمٹ جاتا تھا۔ بہت کم احادیث رہ جاتی تھیں جو تواتر پر پوری اتریں وہ پھر ان میں بھی تاویل کی راہ اختیار کرتے۔ جن احادیث کو مانتے ان کا ماننا بھی نہ ماننے کے برابر رہ جاتا۔ ان کے اس طریق عمل سے پورے کا پورا ذخیرۂ حدیث ان کے ہاں مشتبہ تھا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ انہوں نے بھی اصولی طور پر حجیتِ حدیث کا انکار نہیں کیا۔ گو یہ صحیح ہے کہ ان کی فکر عام عقل سے شرعی تقاضوں کے فیصلے لیتی رہی تاہم دائرہ عقلیت اہل السنت والجماعت کے مقابلہ میں دائرۂ اقلیت ہی رہا۔ حضرت مولانا بدرِ عالم میرٹھیؒ لکھتے ہیں:۔

> اسلام میں تقریباً پہلی صدی تک صحیح احادیث کو بلا تفصیل متفقہ طور پر حجت سمجھا جاتا تھا۔ حتیٰ کہ معتزلہ ظاہر ہوئے۔ ان کے دماغوں پر عقل کا غلبہ تھا۔ انہوں نے حشر و نشر، رویۃ باری تعالیٰ، صراط و میزان، جنت و جہنم اور

اس قسم کی اور احادیث کو قابل تسلیم نہ سمجھا اور اپنے اس مزاجی فساد کی وجہ سے اخبار متواترہ کے سوا بقیہ احادیث کا سرے سے انکار کر دیا اور بہت سی قرآنی آیات میں جو اپنے مذاق کے خلاف دیکھیں تاویلیں کر ڈالیں[1]

حافظ ابن حزمؒ (۴۵۶ھ) فرماتے ہیں، کہ

اہل سنت، خوارج، شیعہ، قدریہ تمام فرقے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں برابر قابل حجت سمجھتے رہے۔ یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماع کے خلاف کیا[2]

معتزلہ کا یہ فتنہ ایک علمی فتنہ تھا۔ اس لیے انکار حدیث میں انہیں بہت کچھ پس و پیش کرنا پڑا۔ یہاں تک کہ ایک جماعت نے یہ تصریح کی۔ کہ خبر واحد اگر عزیز ہو جائے (یعنی اس کے راوی اوّل سے آخر تک ہر طبقہ میں دو دو رہیں) تو چونکہ وہ مفید یقین ہو جاتی ہے۔ اس لیے وہ حجت ہو جائے گی۔ حافظ ابن حجرؒ (۸۵۵ھ) نے ابو علی جبائی (ھ) سے نقل فرمایا کہ حدیث کی صحت کے لیے اس کا عزیز ہونا شرط ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ انکار حدیث سے ان کا مقصد دین سے پوری سبکدوشی حاصل کرنا نہ تھا۔ بلکہ وہ ایک اصولی غلطی تھی جو ان کے دماغوں میں ایک غلط بنیاد پر قائم ہو گئی تھی[3]

تحریک اعتزال کا بانی واصل بن عطا تھا۔ جو پہلی صدی ہجری کے آخر میں ابھرا اور عقل کے ہتھیاروں کی تیزی میں بہت سے ذخیرۂ حدیث کو کچلتے ہوئے آگے نکل گیا۔ دوسری صدی میں حضرت امام شافعیؒ اُٹھے اور آپ نے سب سے پہلے اس فتنہ انکار حدیث کا رد کیا۔

نیچریوں کا انکار

اس تحریک کے بانی سر سید احمد خاں تھے۔ اُن کے شاگرد نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی (۱۸۹۵ء) جیسے لوگ ایک مستقل فکری حلقہ بنا چکے تھے۔ تیرہویں صدی کے آخر میں یہ

---

[1] ترجمان السنۃ جلد ۱ صد ۹۲ [2] الاحکام جلد ۱ ص۱۱۴ [3] ترجمان السنۃ جلد ۱ صد ۹۲

معتزلہ کی نشأۃ جدید تھی۔ ان کا انکار بھی علمی شبہات کی اوٹ میں پروان چڑھا۔ انکارِ حدیث کا عنوان انہوں نے بھی اختیار نہ کیا تھا۔ پھر یہ بھی یاد رہے کہ مسلمانوں نے اگر کچھ سرسیّد کا ساتھ دیا تو وہ اُن کی تعلیمی پالیسی کی وجہ سے تھا۔ مذہبی پہلو سے وہ اُن کے ساتھ نہ تھے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری ایک مقام پر لکھتے ہیں:۔

> پہلی تحریک علی گڑھ سے اُٹھی۔ جس کے محرک سرسید احمد خاں مرحوم تھے۔ یہ تحریک انگریزی تعلیم کی ترقی کے لئے تھی۔ اس لئے مسلمان اس کے حامی کار ہوئے۔ مگر سرسیّد مرحوم نے مسلمانوں کے عقائد میں دخل دینا شروع کیا۔ تو بگاڑ شروع ہو گیا۔[1]

سرسیّد اور ان کے حلقۂ فکر میں اسلام کسی قسم کی نشو و نما پا رہا تھا یا انگریزی سلطنت کے سایہ تلے پُورے اسلام کی بیخ کنی ہو رہی تھی؟ اس سوال کا جواب مولوی چراغ علی صاحب کی اس صاف گوئی سے ملتا ہے:۔

> مردم شماری ہوئی تو انہوں نے مذہب کے خانہ میں اپنی بیوی کے نام کے سامنے لفظ شیعہ لکھ دیا۔ لیکن اپنے اور اپنے بیٹوں کے نام کے مقابل صفر صفر لکھ دیئے۔[2]

جہاں تک ان کے کسی مکتبِ فکر یا مسلک کا تعلق تھا۔ حق یہ ہے کہ وہ صفر ہی تھا۔ احادیث کو چھوڑ کر جو مسلک قائم ہو گا وہ صفر سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

شیعہ کا انکار

شیعہ حضرات اہل سنّت کے سامنے جب کبھی ان حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔ جو اہل السنّت والجماعت کے ہاں متداول ہیں یا صحاح ستّہ سمجھی جاتی ہیں۔ تو وہ انہیں الزامی طور پر پیش کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ اس بات کے مدعی ہوتے ہیں کہ یہ روایات اہل السنّت کے ہاں معتبر ہیں۔ لیکن جہاں تک ان کے اپنے عقیدے کا تعلق ہے۔ وہ نہ ان کتابوں کو معتبر سمجھتے ہیں

---

[1] مولانا مودودی سے خطاب [2] چند ہمعصر ڈاکٹر مولوی عبدالحق ص۴۲ طبع ۱۹۵۰ء انجمن ترقی اردو پاکستان

نہ اُن کے مؤلفین سے انہیں کوئی عقیدت ہے نہ وہ انہیں اپنے ہاں مومن تسلیم کرتے ہیں۔ ان کے ہاں حدیث کی اپنی کتابیں ہیں۔ جو اصول اربعہ کے نام سے معروف ہیں۔ سو شیعہ حضرات کا صحاح ستہ کی احادیث سے انکار دراصل ان کتابوں سے انکار ہے۔ حدیثِ رسولؐ سے اصولی انکار نہیں۔ ارشادِ رسالت کے حجت ہونے کے وہ بہرحال قائل ہیں۔ گو یہ صحیح ہے کہ اُنہوں نے کتاب اللہ و سنتی[۱] (اللہ کی کتاب اور میری سنّت کو لازم پکڑو) کی بجائے کتاب اللہ و عترتی (اللہ کی کتاب اور میری اولاد کو تم سند اور حجت جانو) کی روایت اختیار کی ہے۔ اہل السنّت و الجماعت کی کتب احادیث میں جہاں یہ روایت کتاب اللہ و عترتی پائی جاتی ہے۔ اس کی اسناد میں کوئی نہ کوئی شیعہ راوی ضرور موجود ہوتا ہے۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ اصلاً یہ شیعہ کی روایت تھی۔

مثلاً ترمذی شریف میں ہے :۔

یا ایھا النّاس انی ترکت فیکم ما ان اخذتم به لن تضلوا کتاب الله وعترتی اهل بیتی۔[۲] رواه الترمذی۔ ۲ ص ۵۸۹ لکھنؤ۔

ترجمہ :۔ اے لوگو! میں تم میں وہ چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم نے اس سے تمسک کیا تو تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ کتاب اللہ اور اپنے اہل بیت۔

اس کی سند میں دور سے ہی عبدالرحمن الکوفی نظر آئیں گے اور انسان یہ سوچنے پر مجبور ہو گا کہ یہ کوفہ سے کون بزرگ آرہے ہیں جو یہ روایت سُنا رہے ہیں اور کوفی کا شیعی ہونا لوگوں کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے۔ پھر شیعہ اس بات کے بھی قائل ہیں۔ کہ ان کا امام معصوم ہر دور میں موجود رہا ہے اور یہ صرف امام کی بات ہے جو اُن کے ہاں حدیث کا درجہ رکھتی ہے۔ سو اس کی احادیث

---

[۱] مؤطا امام مالک ص۳۷۹ [۲] جامع ترمذی جلد ۲ ص۲۱۹ یہ روایت صحیح ہو تو بھی اس میں خلافت عترت کی کوئی راہ نہیں۔ اس میں لفظ فیکم (تم میں) لائق غور ہے۔ حضورؐ صحابہ کو نصیحت فرما رہے تھے کہ قرآن کریم اور میری عترت کو ساتھ لے کر چلنا اور ان سے تمسک کرنا ——— جانے والا نصیحت کس کو کرتا ہے؟ جانشین کو ——— معلوم ہوا کہ جانشینی رسول صحابہ کے پاس آرہی تھی۔ تبھی تو ان کو نصیحت کر رہے تھے کہ قرآن اور عترت کو ساتھ لے کر چلنا ——— جانشینی رسالت عترت کے پاس آنی ہوتی؛ تو عترت کو فرماتے کہ قرآن اور صحابہ کو ساتھ لے کر چلنا ——— لیکن ایسا نہ فرمایا اس کے برعکس فرمایا۔

کے ہوتے ہوئے انہیں جناب رسالت مآبؐ کی احادیث کی چنداں ضرورت باقی نہیں رہتی۔

قادیانیوں کا انکارِ حدیث

قادیانی لوگ علمی مباحث میں جب کبھی حدیث سے استدلال کرتے ہیں۔ تو ان کی بھی یہ کوشش بر سبیل الزام ہوتی ہے۔ خود وہ حدیث کو کوئی اہمیت نہیں دیتے۔ وہ یہ انداز محض اس لیئے اختیار کرتے ہیں کہ مسلمان حدیث نبوی کے قائل ہوتے ہیں اور وہ اُسے اپنے لیئے خزانۂ اعتماد سمجھتے ہیں اور علم و عمل کی سند جانتے ہیں۔

ورنہ جہاں تک قادیانیوں کا اپنا تعلق ہے وہ اعتقاد رکھتے ہیں۔ کہ مرزا غلام احمد قادیانی اس پوری امت کے لیئے حکم بن کر آیا ہے۔ اور اب حدیث وہی قابل قبول ہے جسے وہ صحیح قرار دے اور وہ حدیث ضعیف ہے جسے وہ ناقابل قبول ٹھہرائے۔ ان کا یہ عقیدہ مرزا غلام احمد کی ایک تحریر میں اس طرح مرقوم ہے:۔

> اور جو شخص حکم ہو کر آیا ہو اس کو اختیار ہے حدیثوں کے ذخیرہ میں سے جس انبار کو چاہے خدا سے علم پا کر قبول کرے اور جس ڈھیر کو چاہے خدا سے علم پا کر رد کر دے۔[1]
>
> میرے اس دعویٰ کی حدیث بنیاد نہیں بلکہ قرآن اور وحی ہے جو میرے پر نازل ہوئی۔ ہاں تائیدی طور پر ہم وہ حدیثیں بھی پیش کرتے ہیں جو قرآن شریف کے مطابق ہیں اور میری وحی کے معارض نہیں اور دوسری حدیثوں کو ہم ردّی کی طرح پھینک دیتے ہیں۔[2]

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو گئی۔ کہ معتزلہ، شیعہ اور قادیانیوں کے اختلافات عام مسلمانوں سے کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے حجت اور سند ہونے پر یہ پھر بھی متفق ہیں۔ حدیث کے ثبوت اور عدم ثبوت پر تو ان میں اختلاف ہو سکتا ہے۔ کسی حدیث کے منسوخ ہونے یا نہ ہونے میں بھی ان سے اختلاف کیا جا سکتا ہے۔ لیکن حجیت پیغمبر پر ان لوگوں نے بھی عام مسلمانوں سے کہیں اختلاف نہیں کیا۔ حضرت امام شافعیؒ (م ۲۰۴ھ) فرماتے ہیں:۔

---

[1] حاشیہ تحفہ گولڑویہ صفحہ ۱ [2] ضمیمہ نزول مسیح صفحہ ۳۰

اگر بالفرض کسی خاص مسئلہ کے متعلق کسی کے لیئے یہ کہنا جائز ہوتا کہ اس پر مسلمانوں کا ہمیشہ اجماع رہا ہے تو خبر واحد کی حجیت کے لیئے بھی میں یہ لفظ کہہ لیتا۔ مگر احتیاط کے خلاف سمجھ کر اتنا پھر بھی کہتا ہوں کہ میرے علم میں فقہاء مسلمین میں کسی کا اس میں اختلاف نہیں۔ ترجمان السنۃ جلد ا صد ۱۷۶

قادیانی تو ویسے ہی پاکستان میں غیر مسلم اقلیت ہیں۔ شیعہ کے عوام پر گو غیر مسلم ہونے کا فتوے نہیں۔ تاہم یہ ضرور ہے اثناعشری شیعہ علماء اسلامی صفوں میں کچھ وزن نہیں رکھتے۔ ان کے جمہور مسلمانوں سے اختلافات اصولی اور بنیادی ہیں۔ فروعی اور صرف مسلکی نہیں۔ اتنے اصولی اختلافات کے باوجود یہ لوگ بھی کھلم کھلا حدیث کا انکار نہیں کر سکے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عقیدہ توحید کے بعد اسلام کا سب سے بڑا انحصہ اتفاق یہ ہے کہ پیغمبر کی علمی وعملی آقائی اور سیادت کسی پہلو سے بھی محل بحث نہ بننے پائے۔

رہے معتزلہ تو ان کا اعتزال اس دور میں مستقل نہیں رہا۔ شیعیت اور نیچریت میں جذب ہو چکا ہے۔ شیعہ حضرات ائمہ اہلبیت کے نام سے معتزلہ کی عقل پسندی کا ساتھ دیتے ہیں اور نیچری حضرات قانونِ فطرت اور کائنات کی عادتِ عامہ کے سہارے ذخیرۂ احادیث کی اخبار احاد کا انکار کرتے ہیں۔

مستشرقین نے بھی اس پہلو سے صف اسلام میں بہت انتشار پیدا کیا ہے۔ حدیث سے اعتماد اٹھانے میں شک کے کانٹے دور تک بکھیرے۔ گولڈ زیہر اور مسٹر شاخت نے اس معرکے میں اپنی عمریں صرف کر ڈالیں اور عرب ممالک میں حدیث کے خلاف ہر طرف تشکیک کی راہیں کھول دیں ــــ الحمد للہ کہ ان ممالک میں جامعہ ازہر اور سعودی عرب کے بعض علمائے نے اس محاذ پر کام کیا ہے اور اس فتنے کا پوری طرح سدباب کیا ہے۔

برصغیر پاک و ہند براہ راست برطانوی عملداری میں تھا۔ یہاں ان لوگوں کو کام کرنے کے بہت مواقع میسر آئے۔ عربی زبان نہ جاننے کے باعث بڑے بڑے مفکرین ان سے متاثر ہوئے اور حقیقت یہ ہے کہ فتنہ انکار حدیث جو اور کسی جگہ اپنی جڑیں زیر زمین نہ لے جا سکا تھا پاک و ہند میں الحاد کی پوری توانائی اور کم علمی کی پوری ڈھٹائی سے جدید طبقوں میں اپنا پرچم لہرانے لگا ــــ سو ہم یہاں صرف اسی علاقے کے منکرین حدیث کا ذکر کریں گے۔

ہندوستان کے منکرین حدیث

① مولوی عبداللہ چکڑالوی

پہلا شخص جس نے ہندوستان میں کھلم کھلا حدیث کا انکار کیا قاضی غلام نبی تھا۔ یہ شخص چکڑالہ ضلع میانوالی کا رہنے والا تھا اور قاضی نورعالم مرحوم کا بیٹا تھا۔ حدیث سے یہاں تک نفرت بڑھی کہ اپنا نام غلام نبی بدل کر عبداللہ رکھ لیا۔ اسی کو عبداللہ چکڑالوی کہتے ہیں۔

قاضی غلام نبی المعروف بہ عبداللہ چکڑالوی ڈپٹی نذیر احمد کے شاگرد تھے۔ ۱۲۸۲ھ میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔ ڈپٹی نذیر احمد ترکِ تقلید کی طرف مائل تھے۔ اُن کے زیر اثر قاضی غلام نبی صاحب بھی آہستہ آہستہ ترکِ تقلید کی رو میں بہنے لگے۔ کچھ عرصہ اہلحدیث رہنے کے بعد انہوں نے سرے سے حدیث کا انکار شروع کر دیا۔ چکڑالہ کے لوگوں نے آپ کو خطابت اور افتاء سے الگ کر دیا اور آپ نے جلال پور ضلع ملتان جاکر ملازمت کرلی پھر اس علاقے کی دینی قیادت قاضی قمرالدین صاحب کے سپرد ہوئی۔ قاضی قمرالدین صاحب قاضی غلام نبی کے چچازاد بھائی تھے۔

آپ نے حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری سے حدیث پڑھی تھی اور حضرت مولانا احمد حسن کانپوری سے بھی علمی استفادہ کیا تھا۔ آپ نے فتنۂ انکارِ حدیث کا خوب کھل کر مقابلہ کیا۔ مولوی عبداللہ کے لڑکے قاضی ابراہیم نے اپنے والد کے مسلک کو قبول کرنے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ والد کی جائداد سے بھی محروم ہوگئے۔ اُن کے بھائی قاضی محمد عیسیٰ کچھ دنوں تک اپنے والد کے ساتھ رہے۔ انجام کار وہ بھی اس سے منحرف ہوگئے اور انکار حدیث سے تائب ہوکر مسلک حق اختیار فرمایا ——— مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی نے ترجمۃ القرآن بآیات القرآن کے نام سے ایک تفسیر بھی لکھی جس کے چند اقتباسات ملاحظہ کریں۔ ان سے مولوی عبداللہ چکڑالوی کا نظریہ انکارِ حدیث کھل کر سامنے آتا ہے:۔

کتاب اللہ کے مقابلہ میں انبیاء اور رسولوں کے اقوال و افعال یعنی احادیث قولی، فعلی، تقریری پیش کرنے کا مرض ایک قدیم مرض ہے۔ محمد رسول اللہ سلام علیہ کے مقابل و مخاطب بھی قطعی اور یقینی طور پر اہلحدیث ہی تھے۔[۱]

کسی جگہ سے یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ قرآن کریم کے ساتھ کوئی اور شئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی تھی۔ اگر کوئی شخص کسی مسئلہ میں قرآن کریم کے سوا کسی اور چیز سے دین اسلام میں حکم کرے گا۔ تو وہ مطابق آیات مذکورہ بالا کافر، ظالم اور فاسق ہو جائے گا۔[۲]

رسول اللہ کی زبان مبارک سے دین کے متعلق یا قرآن شریف نکلتا تھا۔ اور یا سہواً اپنے خیالات و قیاسات، جن میں القاء شیطانی موجود ہوتا تھا۔ جن کو خدا تعالیٰ نے منسوخ و مذکور فی القرآن کر کے آپ کی ان سے بریت کر دی۔[۳]

مولوی عبداللہ چکڑالوی کی ان تصریحات میں ان کا اعتقادی چہرہ بہت کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ کاش کہ وہ ترک تقلید کے زیر سایہ تعبیر نہ پڑھتے اور ترک تقلید انہیں اس گڑھے میں نہ اتارتی۔ مولوی عبداللہ صاحب چکڑالوی پہلے فقہ کی بندش سے آزاد ہوئے۔ پھر حدیث سے آزادی کی راہ ہموار کرنے لگے۔ مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری نے پیشگوئی کی کہ اس کے بعد وہ قرآن کریم کی جمع و تدوین کے پیچھے پڑیں گے۔ دین سے آزادی حاصل کرنے کی یہ آخری منزل ہے ـــــ مولانا ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں :۔

امام اہل قرآن نے نفسیات کے اس مسئلہ پر اچھی طرح غور کر لیا ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ جماعت کے عقائد دیر میں اور بتدریج بدلتے ہیں۔ اس لیئے جب انہوں نے دیکھا کہ اب لوگ فقہ کی بندش سے تقریباً آزاد ہو گئے ہیں تو انہوں نے حدیث پر نکتہ چینی شروع کر دی اور جب کچھ دنوں میں یہ مرحلہ بھی طے ہو جائے گا تو وہ جمع و تدوین قرآن میں رخنے نکالنے شروع کر دیں گے۔[۴]

مولانا ثناء اللہ صاحب ان اہل قرآن کے بارے میں مزید لکھتے ہیں :۔

---

[۱] تفسیر ترجمۃ القرآن ص ۹۷ مطبوعہ ۱۳۲۰ھ [۲] ایضاً ص ۴۲ [۳] ایضاً ص ۱۴۴ [۴] فتاوی ثنائیہ جلد ۱ ص ۱۸۰

ان کا ہر شخص خود امام ہے اور مجتہد ہے۔ اس کو کسی کی تقلید کی ضرورت نہیں کیونکہ تقلید نام ہے پابندی کا اور اسی پابندی سے بھاگنے کے لیئے تو یہ سارا کھیل کھیلا گیا ہے۔ اس لیئے یہ لوگ ایک دوسرے کی بالکل نہیں سنتے ہر شخص قرآن مجید کو جس طرح سمجھتا ہے۔ اسی طرح اس پر عمل پیرا ہونے کا دعوی کرتا ہے[1]

اس میں شبہ نہیں کہ انکارِ حدیث کی تحریک غیر مقلدوں کے جوش ترکِ تقلید سے اٹھی۔ مشہور مؤرخ شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں:۔

اہلحدیث جماعت کے جوش و خروش کا دوسرا نتیجہ طبقہ اہل القرآن کا آغاز ہے۔ اہلحدیث اپنے آپ کو غیر مقلد کہتے ہیں۔ وہ فقہی ائمہ مثلاً امام ابوحنیفہؒ کی تقلید سے آزاد ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ کئی طبیعتوں کو جو زیادہ آزاد خیال تھیں فقط فقہاء کی تقلید سے آزادی کافی معلوم نہ ہوئی اور انہوں نے مختلف اسباب کی بناء پر احادیث سے بھی آزادی حاصل کرنا چاہی۔ اس گروہ کا ایک مرکز پنجاب میں ہے۔ جہاں لوگ انہیں چکڑالوی کہتے ہیں اور یہ اپنے آپ کو اہل القرآن کا لقب دیتے ہیں۔ اس گروہ کا بانی مولوی عبداللہ چکڑالوی پہلے اہلحدیث تھا۔[2]

مولوی عبداللہ کے لئے سب سے بڑی مشکل نماز کا مسئلہ تھا۔ قرآن کریم بار بار نماز کا حکم دیتا ہے لیکن اس میں نماز کی کوئی پوری تشکیل مذکور نہیں۔ نماز کا سارا عملی نقشہ اُمت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا ہے اور بدوں حدیث تسلیم کئے کوئی شخص قرآن کریم کے حکم وَ اَقیموا الصلوٰۃ پر عمل پیرا نہیں ہوسکتا۔ مولوی صاحب کے لئے انکار نماز بھی آسان نہ تھا اور کوئی ارکان نماز کی عملی تشکیل میں قرآن سے سامنے لانا یہ ان کے لئے اس سے بڑھ کر مشکل تھا۔ مولوی صاحب نے قرآن کے نقشہ نماز کیلئے برہان الفرقان علی صلوٰۃ القرآن، ایک کتاب لکھی جو چار سو صفحات پر مشتمل ہے۔ نماز سیکھنے کے لئے چار سو صفحات کی ورق گردانی کون کریگا اور مولوی صاحب کے اس میں استدلالات کیا کیا ہیں۔ یہ اس وقت ہمارا موضوع نہیں۔ ہمیں اس وقت صرف یہ بتانا ہے کہ مولوی عبداللہ چکڑالوی کا نظریہ حدیث کیا تھا۔ مولوی

---

[1] فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۲۸۰ [2] موج کوثر صفحہ ۵۲

صاحب پہلے اطاعت رسول کو زیر بحث نہیں لاتے، حدیث کے موجودہ لٹریچر کو جعلی اور وضعی بتلاتے ہیں
"حدیث کی تشریح و تفصیل کتاب اللہ المجید کے سراسر مخالف ہے۔۔۔۔اس وجہ سے مجھے اس بارہ میں شک ہوا کہ حدیث محمد رسول اللہ سلام علیہ کا قول و فعل اور تقریر نہیں ہے۔۔۔۔۔۔اور میں نے دیکھا کہ وہ ایک نہایت ہی کریہہ المنظر بد صورت، زشت رُو بدشکل مصنوعی چیز ہے۔اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔آپ کی وفات سے سینکڑوں برس پیچھے بعض خود غرض لوگوں نے از خود یہ جزئیات گھڑ لیں اور کمال سیاہ دلی سے ان کو ناحق محمد رسول اللہ سلام علیہ کے ذمے لگا دیا ہے۔یہ کام زیادہ تر بعض یہود و نصاریٰ دشمنانِ اسلام کا معلوم ہوتا ہے۔جنہوں نے اسلام کی بیخ کنی کی یہ بہترین راہ سوچی کہ وہ مسلمانی کے لباس میں لوگوں کو قرآن حکیم کی طرف سے ہٹا کر اور طرف لگا دیں[1]"

پھر ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:

"فی الحقیقت حدیث میں اس قدر لغویات جزئیات اور دور از کار اور بے سراپا باتیں مندرج ہیں کہ وہ اس کی شکل کو نہایت ہی بدنما بناتی ہیں، لیکن واضعین حدیث (حدیث بنانے والوں) نے یہ بڑی کاریگری کی کہ اس کو خاتم النبیین کی طرف منسوب کر دیا اور اس طرح اس کے بدشکل چہرہ پر سفیدہ (پاوڈر) مل دیا[2]"

اس تشریح سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کا حملہ پہلے براہ راست اطاعت رسول کے لازم ہونے اور حدیث کی حجیت پر نہ تھا۔وہ صرف موجودہ ذخیرہ حدیث کو ناقابلِ اعتماد سمجھتے تھے اور ان کے پاس جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح تعلیمات تک پہنچنے کے لئے اور کوئی راہ بھی تو نہ تھی مجبوراً انہوں نے یہ راہ اختیار کی کہ قرآن مجید کو ہر طرح سے ہر بات میں کافی اور وافی کہیں تاکہ اور کسی طرف انہیں دھیان نہ کرنا پڑے۔ایک دوسرے مقام پر لکھتے ہیں:

"قرآن مجید میں دینِ اسلام کی ہر ایک چیز من کل الوجوہ مفصل و مشرح طور پر بیان ہو گئی ہے تو اب وحی خفی یا حدیث کی کیا حاجت رہی بلکہ اس کا ماننا اور دینِ اسلام میں اس پر عمل درآمد کرنا سراسر کفر و شرک اور ظلم و فسق ہے۔"[3]

اس پر بس نہیں، ذرا آگے چلئے:

---

[1] الزکوٰۃ والصدقات ص ۱۲، ۱۳۔ [2] برہان الفرقان ص ۱۰۹ [3] مناظرہ ص ۱۹

"نہ صرف زمانہ محمد رسول اللہ سلام علیہ کے لوگ ہی کتاب اللہ کے مقابلہ میں احادیث انبیاء پیش کرتے تھے، بلکہ یہ ملعون کام اس سے بھی پرانا ہے۔۔۔۔ فرعون بھی اہل حدیث ہی تھا اور موسیٰ سلام علیہ کے مقابلہ میں یوسف سلام علیہ کی احادیث پیش کرتا تھا" [1]

حدیث لٹریچر معتمد ذخیرہ حدیث ہے یا نہ ہ؟ اس کی بحث تدوین حدیث کے زیر عنوان پہلے ہو چکی ہے، آپ اس وقت صرف چکڑالوی صاحب کے موقف پر غور کریں۔ اس کا حاصل یہ ہے

حدیث کا کوئی وجود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نہ تھا، حضور نے قرآن کے سوا کبھی کوئی بات نہ کی تھی، صحابہ نے حضور کے کسی قول یا عمل کو کبھی کسی کے سامنے نقل کیا تھا نہ ان میں حضور کی وفات کے بعد حضور کی کسی بات کو آگے نقل کرنے کا داعیہ پیدا ہوا اور نہ ہی اگلوں نے پچھلوں سے حضور یا صحابہ کے زمانے کی کوئی بات پوچھی۔ انہی حالات پر اسلام کی دو تین صدیاں بسر ہوئیں اور اس کے بعد یہود و نصاریٰ کے کہنے سے حدیث کی کتابیں یکایک لکھ دی گئیں اور مسلمان یکایک انکی باتوں میں آکر ان جزئیات کو دین سمجھنے لگے۔ پہلی تین صدیوں میں جو قرآنی نماز قائم تھی، وہ یکایک ترک ہوگئی اور نماز کا موجودہ نقشہ جو سراسر قرآن کے خلاف تھا مسلمانوں میں قائم ہوگیا۔ اسلامی دنیا جہانتک وسیع ہوتی گئی، یہی عجمی نماز ہر جگہ پہنچی اور کسی عربی دان کو قرآن کے مطالعہ سے قرآن میں یہ نقشہ نماز نظر نہ آیا جو مولوی عبداللہ چکڑالوی نے اب برہان القرآن علی صلوٰۃ القرآن میں درج فرمایا ہے۔ پھر مسلمانوں میں ان قرون اولیٰ اور قرون وسطیٰ میں جتنے بھی قانون دان اور ماہرین فقہ گزرے۔ ان میں سے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ یہ معتبر راویوں کے نقل کئے ذخائر حدیث ہرگز ماخذ علم نہیں، بلکہ یہ سب جزئیات کا ایک ذخیرہ ہے جو دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کی بیخ کنی کے لئے تیار کیا ہے۔

بریں عقل و دانش بباید گریست

چکڑالوی صاحب کا یہ تبصرہ صرف اس امت پر نہیں، وہ پہلی امتوں کو بھی برابر کا مجرم قرار

---

[1] برہان القرآن صد ۱۷

دیتے ہیں اور مولوی صاحب کا دعویٰ ہے کہ اتباع حدیث کی تجویز پہلے ادوار میں بھی تھی۔ فرعون اہل حدیث میں سے تھا اور موسیٰ علیہ السلام تورات کے سوا اور کسی چیز کو بنو اسرائیل کے لئے حجت نہ سمجھتے تھے اور نہ آپ نے کبھی کسی اور بات کی دعوت دی تھی

مولوی صاحب کی یہ بات پنبہ کجا کجا نہم کا مصداق ہے۔ ہم ان کی کس کس بات پر مرہم رکھیں اور ان کے لگائے کس کس زخم کو مندمل کرنے کی کوشش کریں۔ تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی تھی اور وہ اسرائیل کے لئے بے شک تشریعی پیغمبر تھے۔ ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام تو صاحب کتاب نہ تھے، پھر قرآن کریم میں یہ بات کیوں ہے کہ انہوں نے بھی قوم کو اپنی پیروی کی دعوت دی؟ اس کی وجہ اس کے سوا کیا ہو سکتی ہے کہ نبی اور رسول اسی لئے تو بھیجے جاتے ہیں کہ ان کی پیروی کی جائے اور ان سے رضاء الٰہی کے طریقے جاری ہوں۔ بنو اسرائیل جب سامری کے چکر میں گھرے تو حضرت ہارون علیہ السلام نے کیا یہ نہ کہا تھا: دیکھئے پ۱۶ طٰہٰ آیت ۹۰،

یٰقوم انما فتنتم بہ وان ربکم الرحمٰن فاتبعونی واطیعوا امری۔

ترجمہ: اے میری قوم بات یہی ہے کہ تم بہک گئے اس (بچھڑے) کے ساتھ اور بے شک تمہارا رب تو رحمان ہے، سو میری پیروی کرو اور مانو میری بات۔

قرآن کریم کی اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ بنو اسرائیل کے لئے صرف تورات ماننے کی دعوت نہ تھی، اتباع رسالت بھی ان کے ذمہ تھا اور موسیٰ علیہ السلام تو اپنی جگہ رہے۔ حضرت ہارون علیہ السلام کی اتباع اور پیروی بھی ان پر لازم تھی، حدیث ماننے کا سبق پہلی اُمتوں میں اس وقت کے نبیوں کے زیر تربیت رہا ہے۔ یہ کہنا کہ یہ ملعون کام پہلے سے ہوتا چلا آیا ہے بڑی جسارت ہے ہندوستان کے منکرین حدیث میں مولوی عبداللہ چکڑالوی کے بعد جناب حافظ محمد اسلم کا نام آتا ہے

(۲) حافظ اسلم صاحب جیراجپوری

آپ بھوپال کے مشہور اہلحدیث گھرانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ مشہور غیر مقلد عالم جناب مولانا سلامت اللہ صاحب کے بیٹے تھے۔ آپ کے عقائد ملاحظہ ہوں:۔

نہ حدیث پر ہمارا ایمان ہے اور نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔

نہ حدیث کے راوی پر ہمارا ایمان ہے نہ اس پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا

گیا ہے نہ حدیث کی سند میں جو رجال ہیں ان پر ہمارا ایمان ہے نہ اُن پر ایمان لانے کا ہم کو حکم دیا گیا ہے۔ پھر یہ کس قدر عجیب بات ہے کہ ایسی غیر ایمانی اور غیر یقینی چیز کو ہم قرآن کی طرح حجت مانیں[1]

قرآن میں جہاں جہاں اللہ و رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔ اس سے مراد امام وقت یعنی مرکز ملت کی اطاعت ہے۔ جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم امت میں موجود تھے ان کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت تھی۔ اور آپ کے زندہ جانشینوں کی اطاعت اللہ و رسول کی اطاعت ہوگی اور اطاعۃ عربی میں کہتے ہیں زندہ کی فرمانبرداری کو[2]

مولوی صاحب کا یہ استدلال درست نہیں کہ اطاعت زندہ کی ہی ہو سکتی ہے فوت شدہ کی نہیں۔ فوت شدہ کی پیروی کے لئے بھی لفظ اطاعت حدیث میں موجود ہے۔ ایک عورت حضرت عمرؓ کے بارے میں کہتی ہے۔ ماکنت لاطیعہ حیاً واعصیہ میتاً[3] (ترجمہ) یہ نہیں ہو سکتا کہ میں اُن کی زندگی میں تو اُن اطاعت کرتی رہوں اور جب وہ چل بسے تو اُن کے خلاف چلوں۔

اسلم صاحب کا یہ نظریہ مشہور غیر مقلد عالم مولانا وحید الزمان سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے۔ یہی نظریہ شیعہ علماء کا ہے۔ مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں :۔

جو مجتہد فوت ہو چکا ہے اس کی تقلید جائز نہیں۔ اس میں شیعہ ہمارے ساتھ ہیں[4]

(نوٹ) فوت شدہ مفتی کے فتوے پر عمل کی نفیس بحث حافظ ابن قیمؒ (۷۵۱ھ) نے بھی کی ہے[5]

حضرت عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ من کان مستنا فلیستن بمن قد مات۔ مشکوۃ صـ ۳۲۔

حافظ اسلم خاندانی طور پر غیر مقلد تھے۔ پھر انکار حدیث کرنے لگے۔ خود لکھتے ہیں :۔

ہمارا گھر مقامی اور بیرونی اہلحدیث علماء کا مرجع تھا[6]

شیخ محمد اکرام صاحب بھی رقمطراز ہیں :۔

مولانا محمد اسلم بھی اوائل عمر سے اہلحدیث سے منسلک تھے[7]

---

[1] مقام حدیث جلد ا صـ ۱۲۹ [2] ایضاً صـ ۱۵۵ [3] موطا امام مالک صـ ۱۶۵ [4] ہدیۃ المہدی صـ ۱۱۱ [5] دیکھئے اعلام الموقعین صـ ۲۵۵ مصر مطبع النیل ۱۳۲۵ھ [6] نوادرات صـ ۲۴۴ [7] موج کوثر صـ ۵۴

حافظ محمد اسلم جیراجپوری نے ایک مؤرخ کی حیثیت سے زیادہ شہرت پائی۔ تاریخ الامۃ کئی حصّوں میں تحریر کی۔ آپ حدیث کے اصولاً خلاف تھے۔ مگر اسوۂ رسول کو اصولاً حجت مانتے تھے۔ آپ نے بھی حدیث کے خلاف بہت کام کیا ہے۔ اُسوۂ رسول کے بارے میں ایسی ایسی قیود لگائیں کہ انجام انکارِ حدیث کے ہی قریب رہا۔ حضرت مولانا سیّد بدرِ عالم مدنیؒ ایک جگہ حافظ صاحب کے مسلک پر نقد کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

مولانا اسلم صاحب اسوۂ رسُول کو تو تسلیم کرتے ہیں۔ مگر اس کو متواتر فرماتے ہیں، ہمیں علمی لحاظ سے مولانا سے یہ سخت شکوہ ہے کہ وہ حدیث کے لیئے پورے پورے ثبوت بھی ناکافی سمجھتے اور انہیں شک کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ لیکن جب خود کوئی دعوے کرتے ہیں تو اس کے لیئے کسی ثبوت کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ اگر اُسوۂ رسول کے تواتر سے اُن کی غرض یہ ہے۔ کہ آپ نے نماز پڑھی تھی اور بس۔ تو اس کے لیئے صرف قرآن ہی کا تواتر کافی ہے۔ لیکن اگر اس سے آگے کی تفصیل مُراد ہے تو ان کو یہ صاف کرنا ضروری تھا کہ کن کن ارکان میں ان کو تواتر مسلم ہے اور کن میں نہیں۔ اسی طرح قرآن کی تمام عبادات کی ادائیگی کا نقشہ انہوں نے کیا اختیار کیا ہے؟ آپ کے اُسوہ حسنہ میں آپ کی امامت آپ کا نظم ونسق امّت۔ اور فصل قضا یا بھی شامل ہیں یا نہیں؟ اگر ہیں تو صرف بہ حیثیت رسالت یا یہاں کوئی اور تقسیم ہے۔ اگر ہے تو وہ تقسیم بھی تواتر سے ثابت ہے یا نہیں؟ بہر حال جتنی بات قرآن سے ثابت ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ رسول تمہارے لیئے مطلقاً بلا کسی تخصیص کے اُسوہ اور نمونہ بنایا گیا ہے اور بلا کسی تقسیم کے وہ تمہارا رسُول ہے۔ پس جب رسول کی ذات بلا کسی تفصیل کے اُسوہ ہے تو یہ ماننا پڑتا ہے کہ جو کچھ بھی عملی پہلو میں اس نے کر دکھلایا ہے وہ سب مولانا کے نزدیک بھی قرآنی امر کے ماتحت واجب التسلیم ہونا چاہیئے۔ اب یہاں سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری کی پوری زندگی آپ کا تمام

کا تمام اسوۂ حسنہ حرف بحرف بطریق تواتر منقول ہے یا اس کا ایک حصّہ متواتر ہے اور بڑا حصّہ غیر متواتر۔ پہلی صورت تو تواتر کے خلاف ہے۔ دُنیا میں کوئی شخص بھی یہ دعوے نہیں کر سکتا۔ کہ آپ کے عبادات معاملات کا ہر ہر پہلو تواتر سے ثابت ہے۔ لا محالہ یہی کہنا پڑے گا۔ کہ اس کا ایک حصہ متواتر اور دوسرا غیر متواتر ہے۔ بلکہ بڑا حصّہ غیر متواتر ہے۔ مثلاً یہ متواتر ہے کہ آپ نے ظہر کی نماز پڑھی۔ یہ بھی متواتر ہے کہ چار رکعتیں پڑھیں، رکوع سجدہ کیئے۔ رکوع پہلے کیا پھر سجدہ، نماز کے آخر میں بیٹھے اور سلام بھی پھیرا، شروع نماز میں ہاتھ اُٹھائے، اس کے بعد ایک آدھی بات کا اور اضافہ کر بیٹھے۔ لیکن صرف متواتر امُور سے بھی نماز کی پُوری ہیئت مکمل نہیں ہوتی۔ پھر دین کے اس حصّے کے متعلق مُلّانا کا کیا فیصلہ ہو گا جو صحابہ کے سامنے اُسوۂ رسول میں نظر آنے کی وجہ سے قابلِ قبول تھا اور اب تواتر کے ساتھ منقول نہ ہونے کی وجہ سے قابلِ تسلیم نہیں رہا۔ ان جزئیات کے لیئے اب تجویز کیا ہے۔[1]

پھر ایک اور جگہ ان کے جواب میں لکھتے ہیں۔ اس ضمن میں قارئین کو مولانا اسلم صاحب کی علمی سطح کا بھی کچھ اندازہ ہو جائے گا۔

مولانا اسلم صاحب جیراجپوری کو یہاں عجیب شبہ گزرا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔ کہ ما اتاکم کی آیت مالِ غنیمت کی تقسیم کے بارے میں ہے۔ حدیث سے اس کا دُور کا واسطہ نہیں ہے۔ یہاں "اتا" کے لفظ کو جو "نھی" کے بالمقابل واقع ہے لوگوں نے غلط فہمی سے امر یا قال کے معنی میں سمجھ لیا ہے۔ حالانکہ یہ لفظ قرآن میں سینکڑوں جگہ آیا ہے اور کہیں ان معنوں میں مستعمل نہیں ہوا۔ بلکہ ہر جگہ اس کے معنی دینے ہی کے ہیں۔ لہذا یہ استدلال بھی صحیح نہیں۔ کیونکہ حدیثیں اقوال ہیں۔ اُن کے لیئے لینے دینے کا لفظ نہیں کہا جا سکتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو چیز دی ہے وہ قرآن ہے۔ انتہیٰ

---

[1] ترجمان السنۃ جلد اوّل صد؟؟

مولانا کو چونکہ قرآن کی جامعیت کا علم ہی نہیں۔ اس لیئے یہاں بھی اُنہوں نے آیتِ بالا کو صرف مالِ غنیمت سے خاص کر ڈالا۔ قائلینِ حدیث کے نزدیک آیتِ بالا اپنی شانِ جامعیت کی وجہ سے صرف مال کے ساتھ خاص نہیں۔ بلکہ ان ساری ہدایات کو بھی شامل ہے جو آپ نے اپنی امت کو دی ہیں [1]

حضرت مولانا لکھتے ہیں:۔

مولانا کی قرآن دانی کی یہ انتہا ہے کہ انہیں سینکڑوں جگہ میں ایسی کوئی آیۃ نظر نہیں آئی جہاں یہ لفظ ایسے معنی میں مستعمل ہو جو حدیث پر بھی بولے جا سکیں۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔ والذین اوتوا العلم درجات (اللہ تعالیٰ درجے بلند کرتا ہے مومنین کے اور ان کے جن کو علم دیا گیا ہے) اگر علم کے لیئے یہ لفظ مستعمل ہو سکتا ہے تو کیا حدیث ایک علم ہی نہیں؟ دوسری جگہ فرمایا۔ واتیناہ الحکم۔ واتیناہ من لدنا علما۔ اٰتینا لقمٰن الحکمۃ۔ اٰتانی الکتاب وجعلنی نبیا۔ واٰتاکم مالم یؤت احدًا من العلمین۔ اتیناہ الحکم وفصل الخطاب۔ ان آیات میں "اٰتا" کا لفظ کتاب کے لیئے علم کے لیئے حکمت کے لیئے۔ حکم اور نبوت کے لیئے۔ فضائل وکمالات کے لیئے اور آخری آیت میں "فصل الخطاب" یعنی اقوال کے لیئے بھی مستعمل ہوا ہے۔ اس لیئے مولانا کا دعویٰ بالکل بے دلیل ہے۔ یہ چند سطور ہی مولانا کے دعویٰ کی تردید کے لیئے کافی ہیں [2]

(۳) نیاز صاحب فتحپوری

ماہنامہ نگار کے مدیر نیاز فتحپوری بھی انکارِ حدیث میں نمایاں شخصیت تھے من ویزداں انہی کی تصنیف ہے۔ آپ انکارِ حدیث میں یہاں تک آگے نکلے۔ کہ مسلمانوں کی تمام خرابیوں کا ذمہ دار حدیث کو ٹھہرایا۔ خود لکھتے ہیں:۔

---

[1] ترجمان السنۃ جلد ۱ صفحہ ۱۱۴ [2] ایضاً

اگر مولویوں کی جماعت واقعی مسلمان ہے تو میں یقیناً کافر ہوں۔ اور اگر میں مسلمان ہوں تو یہ سب نامسلمان ہیں۔ کیوں کہ ان کے نزدیک اسلام نام ہے صرف کورانہ تقلید کا اور تقلید بھی رسول و احکام رسول کی نہیں۔ بلکہ بخاری و مسلم و مالک وغیرہ کی۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ حقیقی کیفیت یقین کی اس وقت تک پیدا ہی نہیں ہو سکتی۔ جب تک ہر شخص اپنی جگہ غور کر کے کسی نتیجہ پر نہ پہنچے۔ قصۂ مختصر یہ کہ اوّلین بیزاری اسلامی لٹریچر کی طرف سے مجھ میں احادیث نے پیدا کی۔[1]

اس میں نیاز صاحب نے مقلّدین ائمہ اربعہ کو ہی نہیں کوسا بخاری و مسلم کے مقلّدین جو اہلحدیث کہلاتے ہیں۔ انہیں بھی مقلد ہی قرار دیا ہے۔ ائمہ اربعہ کے نہ سہی، بخاری و مسلم کے ہی سہی۔ نیاز صاحب لکھتے ہیں :-

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا کے متعلق قرآن کے بتائے ہوئے تصورات، دوزخ و جنت، حشر و نشر وغیرہ عقائد ان سب کا مفہوم میرے لئے کچھ سے کچھ ہو گیا ہے۔ کیونکہ اب مجھے نہ صرف عقائد بلکہ خود مذاہب کا وجود بچوں کا کھیل نظر آنے لگا۔[2]

اب دیکھیئے حدیث میں شک کے کانٹے نکالنے والا قرآن مجید کے ساتھ کہاں تک وفادار رہا؟ اسے اس کے الفاظ میں ملاحظہ کیجئے :-

کلام مجید کو نہ میں کلام خداوندی سمجھتا ہوں اور نہ الہام ربانی۔ بلکہ ایک انسان کا کلام جانتا ہوں۔[3]

قرآن کریم کے بارے میں یہ بداعتقادی کہاں سے پیدا ہوئی؟ انکار حدیث سے ــــــ اور حدیث سے انکار کی یہ جرأت کہاں سے پیدا ہوئی؟ ترک تقلید سے ــــــ معجزات کے بارے میں نیاز صاحب کا عقیدہ ملاحظہ کیجئے :-

معجزے کبھی ظاہر ہی نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ سب داستانیں ہیں جو صدیوں بعد گھڑی گئیں۔[4]

---

[1] من یزداں حصہ اوّل ص۵۴۷ [2] ایضاً ص۵۴۹ [3] ایضاً ص۴۰۵ [4] ایضاً ص۴۰۶

④ علامہ تمنّا عمادی پھلواری

منکرینِ حدیث کے حلقے میں یہ نسبتہً صاحب علم سمجھے جاتے ہیں۔ آپ کا نظریۂ حدیث حسب ذیل ہے :-

وہی ایک حدیث صحیح ہے جو قرآن سے قریب تر ہو[1] اور باقی سب غلط ـــــ چاہے ان باقی کے راوی کیسے ہی ثقہ کیوں نہ ہوں اور وہ صحاح ستّہ کی متفق علیہ حدیثیں ہی کیوں نہ ہوں اور وہ ایک حدیث جو قرآن سے قریب تر ہے اس کا راوی کیسا ہی مجروح کیوں نہ ہو اور وہ صحاح ستّہ سے باہر ہی کی حدیث کیوں نہ ہو۔ بلکہ شیعوں کی اصُول کافی وغیرہ ہی کی حدیث کیوں نہ ہو۔[2]

عہدِ رسالت میں حدیث لکھنے کا عمل اور اُس کا نسخ

بعض صحابہ نے عہدِ نبوی میں حدیثوں کا لکھنا شروع کر دیا تھا اور وہ جو کچھ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنتے تھے یا آپ کو کرتے ہوئے دیکھتے تھے اس کو لکھ لکھ کر جمع کرنے لگے تھے تو یہ آیتیں اُتریں۔ یا ایھا الناس قد جاء تکم موعظة من ربکم...... ھو خیرٌ مما یجمعون۔ (سورہ یونس ع ۶)
اس آیت کے نزُول کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حدیثیں لکھنے سے منع کر دیا۔[3]

جمہور مسلمانوں کے ہاں لکھنے سے ممانعت پہلے دور میں تھی اور بعض صحابہ کو اجازت بعد میں ملی۔ مگر تمنّا صاحب نے کس بے دردی سے یہ ترتیب بدلی اور کس دائرے انکارِ حدیث کی راہ نکالی۔ تاہم یہ صحیح ہے کہ انہوں نے صحابہ کا حدیثیں لکھنا کسی نہ کسی درجہ میں ضرور مان لیا ہے۔

---

[1] یہ فیصلہ کون کرے گا کہ یہ حدیث قرآن کے مطابق ہے اور یہ نہیں ؟ تمنّا صاحب یا پرویز صاحب اور اگر کسی فیصلے کا قطعاً کوئی اعتبار نہیں تو پھر یہ بھی فیصلہ کیجئے کہ ایک شخص کا فہم دوسرے سے اگر مختلف ہو تو فیصلے کی صُورت کیا ہوگی؟ [2] اعجاز القرآن جلد ا صفحہ ۱۴۵ مؤلفہ مولانا تمنّا عمادی [3] ایضاً صفحہ ۶۲

دروغ گورا حافظہ نباشد

یہی تمنّا صاحب جو یہاں کتابتِ حدیث کا اقرار کر چکے ہیں، دوسری جگہ لکھتے ہیں :۔

یہ سب من گھڑت افسانے ہیں۔ دراصل کسی صحابی نے حدیثوں کا کوئی مجموعہ مرتّب نہیں کیا تھا۔ اگر دو چار حدیثیں بھی کوئی صحابی کسی ورق پہ لکھ لیتے۔ تو وہ ورق تبرک کے طور سے ضرور محفوظ رکھا جاتا[1]

احادیث کو تو ان لوگوں نے اس طرح مشتبہ کر دیا۔ باقی رہا قرآن تو قرآن کریم کی تفسیر میں اگر کوئی بات حضورؐ سے یا صحابہؓ سے نقل ہوئی کتابوں میں ملی تو اسے ان لوگوں نے جو دین سے مکمل آزادی حاصل کرنے کی تمنّا لیئے ہوئے تھے اور پادری عماد الدین کے حلقے سے تعلق رکھتے تھے اس طرح ناقابلِ اعتبار بنا دیا تمنا عمادی کی جرأت ملاحظہ ہو :۔

راویانِ احادیث تفسیر میں جو لوگ زیادہ پیش پیش تھے تقریبًا سب کے سب ناقابلِ اعتبار اور اس جماعت میں وضاعین و کذابین کی ایک بہت بڑی اکثریت کارفرما رہی۔ مفسرین متقدمین نے ہر آیت کے متعلق متضاد و متخالف روایتیں جھوٹی سچی ہر طرح کی حدیثیں اور ہر طرح کے اقوال جمع کر کے آیاتِ قرآنی کے معانی کو مشتبہ کر دیا[2]

ماہنامہ طلوعِ اسلام ستمبر ۱۹۵۵ء کی اشاعت میں اُن کا ایک مضمون شائع ہوا جو حدیث کے بارے میں اُن کے نظریات کی پوری وضاحت کرتا ہے۔ تمنّا صاحب لکھتے ہیں :۔

اور منافقین عجم نے اپنے مقاصد کے ماتحت جمع احادیث کا کام شروع کرنا چاہا تو انہیں منافقین عجم کے آمادہ کرنے سے اس وقت خود ابن شہاب کو خیال ہوا کہ ہم حدیثیں جمع کرنا شروع کر دیں۔ تو یہ مدینہ پہنچے اور کوفہ بھی۔ اور مختلف مقامات سے حدیثیں حاصل کیں اور بیسیوں راویوں کے ساتھ رہے[3]

---

[1] اعجاز القرآن جلد ۱ ص ۳۷ [2] ایضًا ص ۹ [3] طلوعِ اسلام ص ۴۸ ستمبر ۱۹۵۵ء

اہلِ علم سے مخفی نہیں کہ ابن شہاب زہری (۱۲۴ھ) نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے حدیث لکھنی شروع کی تھی۔ صالح بن کیسان (۱۴۲ھ) بھی آپ کے ساتھ تھے۔ مگر تمنا صاحب کا شوقِ تحقیق دیکھئے کس وضاحت سے اسے عجمی سازش کہہ رہے ہیں۔ لکھتے ہیں:۔

انہیں منافقین عجم کی ایک جماعت نے اپنا رسوخ فی الدین اور ظاہری زہد و تقوٰے دکھا کر ابن شہاب زہری کو جمع احادیث پر آمادہ کیا۔ یہ اپنے تجارتی و زراعتی کاروبار کی وجہ سے اپنے وطن مقام ایلہ میں رہا کرتے تھے۔ مگر ایک بہت بڑی دینی خدمت سمجھ کر اس مہم پر آمادہ ہو گئے ...... اور وہی منافقین خود بھی پھر اُن کے پاس آ آ کر حدیثیں لکھوانے لگے اور دوسرے وضاعین اور کذابین کو ان کے پاس بھیج کر اُن سے بھی حدیثیں ان کے پاس جمع کرنے لگے۔[1]

⑤ ڈاکٹر غلام جیلانی برق

ان کی کتابوں میں دو قرآن، دو اسلام، جہان نو اور حرفِ محرمانہ بسلسلہ انکارِ حدیث دیکھنے کے لائق ہیں۔ ایک جگہ مرزا غلام احمد کی تائید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

مرزا صاحب درست فرماتے ہیں کہ تمام حدیثیں تحریف معنوی و لفظی سے آلودہ یا سرے سے موضوع ہیں۔[2]

علماء اسلام پر طنز کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اپنے ہر خطبہ میں اپنے رسول کو خیر الانبیاء کہہ کر لا نفرق بین احد منھم کی صریح خلاف ورزی کر رہے ہیں۔[3]

رسُولوں کی اطاعت درکنار رہی برق صاحب کے ہاں خود اُن پر بھی ایمان لانا ضروری نہیں۔ خدا تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان ہو تو نیک اعمال شرفِ قبولیت پا لیتے ہیں۔ رسُولوں پر ایمان ہونا ضروری نہیں ــــــ لکھتے ہیں:۔

---

[1] طلوع اسلام ص۵۴ ستمبر ۱۹۵۰ء [2] حرف محرمانہ ص۷۵ [3] جہان نو ص۱۴۵

اللہ تعالیٰ نے اٰمنوا باللہ والیوم الاٰخر کو قبول اعمال کی بنیادی شرط قرار دیا ہے
اس میں ایمان بالرسل شامل نہیں[1]
ایک جگہ علماء کو خطاب کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔
آپ کے ہاں اسلام چند عقائد کا نام ہے اور قرآن کے نزدیک صرف نیکی کا۔ اس لیئے خدا اور رسول کا صحیح پیرو وہ ہے جو ان اعمال پر عمل کر رہا ہو۔ خواہ اس پر عیسائیت کا لیبل لگا ہوا ہو یا یہودیت کا۔ نہ وہ جو خدا اور رسول کا صرف زبانی قائل ہو اور عملاً کافر[2]
مُلاّ سے میرا نزاع اس بات پر ہے کہ وہ حدیث کو آگے لاکر بے شمار ظواہر کو جزوِ اسلام بتانا چاہتا ہے[3]

ہدایت اللہ کے اختیار میں ہے۔ ڈاکٹر غلام جیلانی برق جو انکارِ حدیث میں اس قدر آگے نکلے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی دستگیری کی اور وہ انکارِ حدیث سے یکسر تائب ہو گئے ان کی آخری تصنیف تاریخ حدیث (برق) ہے۔ جس میں اُنہوں نے علماء کی سطح پر حدیث کو قبول کرنے کا غیر مشروط اقرار کیا ہے۔

⑥ چودھری غلام محمدؐ پرویز

چودھری صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے پاس کوئی طے شُدہ شریعت نہیں جسے ابدیت حاصل ہو اور اس میں ہمیشگی ہو۔ ان کا موقف یہ ہے کہ جزئیات مختلف حالات کے ساتھ ساتھ بدلتی رہتی ہیں۔ ان کے ہاں ان بدلتی جزئیات کو ہی شریعت کہتے ہیں۔ جو وقت کے تقاضوں کے ساتھ ساتھ بدلنی چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کی شریعت صرف اُس دور کے لیئے تھی اِس دور کے لیئے نہیں۔ ہمارے زمانے کی شریعت یہ ملت (وفاقی اسمبلی) طے کرے گی۔ اُنہیں حدیث سے طے کرنا درست نہیں۔ پرویز صاحب کی مندرجہ ذیل عبارات ملاحظہ ہوں:۔

---

[1] ایک اسلام ص۴۸ [2] دو اسلام ص۱۹۳ [3] ایضاً ص۲۱۱

جن جزئیات کو خدا نے خود متعین نہیں کیا۔ ان کے متعلق خدا کا منشاء یہی تھا۔ کہ وہ ہر زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلتی رہیں اور جن جزئیات کو رسول اللہ نے متعین کیا۔ ان کے متعلق حضورؐ کا بھی یہ منشاء نہیں تھا کہ وہ قیامت تک کے لیئے ناقابلِ تغیّر و تبدل رہیں۔[۱]

ہم قرآنی اصولوں کی روشنی میں اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق اپنے قوانین خود متعین کریں یہی قوانین شریعت اسلامی کہلائیں گے نہ کہ وہ قوانین جو اپنے زمانے کے حالات کے مطابق کسی سابقہ اسلامی حکومت (حضور کی حکومت) نے وضع کیئے تھے۔[۲]

اگر خدا کا منشاء یہ ہوتا کہ زکوٰۃ کی شرح قیامت تک کے لیئے اڑھائی فیصد ہونی چاہیئے تو وہ اُسے قرآن میں خود بیان نہ کر دیتا۔ اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ یہ منشائے خداوندی ہی نہیں کہ زکوٰۃ کی شرح ہر زمانے میں ایک ہی رہے۔[۳]

جناب غلام محمد پرویز کے دور میں فتنۂ انکارِ حدیث پُورے عرُوج کو پہنچا ہے۔ آپ کا اندازِ تصنیف کچھ زیادہ سلیقہ دار اور اُلجھا ہوا ہے۔ جس میں جہاں تک کہ اصل فتنے کی نشاندہی کرنا واقعی ایک بڑا مشکل کام ہے۔ آپ نے تفسیر مفہوم القرآن کئی جلدوں میں تحریر کی ہے۔ جو اردو عبارت اور حسن طباعت میں نفیس کتاب ہے۔ لیکن اس میں کس طرح اسلام کے قطعی نظریات سے کھیلا ہے۔ وہ مطالعہ سے ہی پتہ چلتا ہے کہ انکارِ حدیث کا نظریہ پرویز صاحب کو کہاں تک اسلام سے دُور لے گیا ہے۔ اس کے لیئے اُن کی یہ تحریرات ملاحظہ ہوں:۔

اب آیئے قرآن کریم کی طرف ——— اس میں یہ بالتصریح کہیں نہیں لکھا کہ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی تھی۔[۴]

مسلمانو! کیا یہ وہی عقیدہ نہیں جو قادیانیوں کا ہے؟ کیا قرآن حضرت عیسیٰ کو بار بار

---

[۱] مقام حدیث جلد ۲ ص ۲۹۹ [۲] ماہنامہ طلوع اسلام اکتوبر ۱۹۵۰ء ص ۲۷ پرویز صاحب کا مضمون زکوٰۃ پر [۳] ایضاً ص ۲۷ و مقام حدیث جلد ۲ ص ۲۹۳ [۴] معارف القرآن جلد ۳ ص ۵۴۲

مسیح بن مریم نہیں کہتا؟ کیا پ۳ سورہ آل عمران رکوع ۵ میں اور پ۱۶ سورۂ مریم رکوع ۲ میں اس پر مفصل بحث نہیں ملتی؟ اس وقت ہم اس موضوع پر بحث نہیں کر رہے۔ بتلانا یہ مقصود ہے کہ دیکھو انکارِ حدیث کس طرح پرویز صاحب کو قادیانیوں کے قریب لے گیا ہے ۔۔۔ اور ملاحظہ کیجئے:۔

> حضرت عیسیٰ کے اب تک زندہ ہونے کی تائید قرآن کریم سے نہیں ملتی۔ قرآن پاک آپ کے وفات پا جانے کا بصراحت ذکر کرتا ہے[۱]

ہمیں تو اب تک قرآن پاک میں کہیں وہ آیت نہیں ملی جس میں خاص حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات صراحت سے مذکور ہو۔ رہی الفاظ کی کھینچا تانی اور دور از کار تاویلات تو اس سے قادیانیوں کا لٹریچر بھرا ہوا ہے۔ پرویز صاحب لکھتے ہیں:۔

> کوئی روایت جو حضرت عیسیٰ کی آمد کی خبر دیتی ہے وضعی اور جھوٹی ہے۔ جو ہمارے لیئے سند نہیں ہو سکتی[۲]

جناب جب آپ کے ہاں کل ذخیرۂ حدیث ہی جعلی اور وضعی ہے تو یہاں حدیث مسیح کی تخصیص کس لیئے ہے؟

پرویز صاحب نے جس طرح قرآن پر یہ بہتان باندھا ہے۔ کہ وہ حضرت عیسیٰ کی وفات کا بصراحت ذکر کرتا ہے۔ اسی طرح قرآن پاک پر اُن کا دوسرا بہتان بھی ملاحظہ کیجئے:۔

> قرآن کریم نے کس شدت اور تکرار سے اس کی صراحت فرمادی ہے کہ نبی اکرم کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا اور حضور کا معجزہ صرف قرآن ہی ہے[۳]

پرویز صاحب تو اس باب میں شدت اور تکرار کے مدعی ہیں۔ لیکن ہمیں تو ایک آیت بھی ایسی نہیں ملی جس میں بصراحت کہا گیا ہو کہ حضور اکرمؐ کو کوئی حسی معجزہ نہیں دیا گیا۔ معتزلہ نے اسی پہلو سے معجزات کا انکار کیا تھا۔ فتنۂ انکار حدیث اپنی لپیٹ میں اسلام کے ہر بنیادی عقیدہ کو کھینچ رہا ہے اور اس دور میں مسٹر غلام احمد پرویز قلعۂ اسلام کے لیئے دوسرے غلام احمد کا کردار ادا کر رہے ہیں۔ زیادہ اعتماد یہود و نصاریٰ پر کرتے ہیں۔ کوئی بات صاف نہیں کرتے۔ دلیل کی بجائے تحکم اور جذبات سے زیادہ کام لیتے ہیں۔ لیکن دیوارِ اسلام کو گرانے میں وہ کسی دوسرے ملحد سے پیچھے نہیں۔

---

[۱] معارف القرآن جلد ۳ صفحہ ۵۲۲ [۲] ایضاً صفحہ ۵۷۵ [۳] ایضاً جلد ۴ صفحہ ۶۲۹

ہندوستان میں انکارِ حدیث کی باقاعدہ تحریک مولوی عبداللہ چکڑالوی سے چلی تھی پاکستان بننے پر مسٹر پرویز اس کشتی کو کھیتے رہے پرویز نے اپنے خیالات کی اشاعت میں اپنی سرکاری پوزیشن بھی استعمال کی اور افسران کے ایک حلقے کو جو پہلے سے علماء سے بغض رکھتا تھا متاثر کیا اور جدید تعلیمیافتہ لوگ کسی درجے میں اس کے گرد جمع ہو گئے پرویز نے اپنے اس موقف پر ادبی انداز میں خاصا لٹریچر مہیا کیا ہے۔

پہلے اس خیال کے لوگوں کو چکڑالوی کہا جاتا تھا اب انہیں پرویزی کہتے ہیں یہ اس طرف بھی اشارہ ہے کہ سب سے پہلے پرویز کسریٰ ایران نے حضورؐ کے نامہ مبارکہ کو پارہ کیا تھا حدیث کا یہ پہلا انکار تھا۔

پرویز کے بعد اب ضلع گوجرانوالہ ان لوگوں کی زد میں ہے اور یہ لوگ غیر مقلدوں کی محنت پر اپنی فصل کاٹنا چاہتے ہیں۔ فالی اللہ المشتکیٰ!

(۷) علی پور چٹھہ ضلع گوجرانوالہ کے ·صاحب کچھ دوسرے اربابِ قلم کے ساتھ مل کر تفسیر القرآن بالقرآن کے نام سے ایک کتاب لکھ رہے۔ ادارہ بلاغ القرآن ۱۱۰۔ این سمن آباد لاہور اسے شائع کر رہا ہے۔ پہلی جلد سورہ بقرہ تک ۲۸۴ صفحات میں دوسری سورہ نساء تک ۲۷۶ صفحات میں اور تیسری سورہ اعراف تک ۵۱۲ صفحات میں شائع ہو چکی ہے۔

تیسری جلد کے آخر میں لکھا ہے:۔

> "ادارہ بلاغ القرآن کی شائع کردہ تفسیر القرآن بالقرآن چند اہل علم کی بشری کاوش کا نتیجہ ہے جو صرف خدمتِ قرآن کے جذبہ سے معمور ہے۔۔۔۔ حتیٰ کہ ان حضرات نے اپنے اسم گرامی بھی شائع کرنے کی اجازت نہیں دی۔"

ادارہ بلاغ القرآن نے جلد دوم اور جلد سوم کے متن قرآنی کی تصحیح قاری اظہار احمد صاحب تھانوی اور مولانا حامد حسن صاحب فاضل دیوبند سے کرائی ہے اور ان جلدوں کے آخر میں اُن کے نام لکھ دیئے ہیں۔ یہ عام لوگوں کو مغالطہ دینے کے لیئے ہے کہ گویا یہ تفسیر ان حضرات کی مصدقہ ہے۔ حالانکہ ایسا ہرگز نہیں۔ ادارہ جب اصل مؤلفین کے ناموں کو سامنے نہیں لا رہا۔ تو متن قرآن کے مصححین کے نام ذکر کرنے میں اور کیا مصلحت ہو سکتی تھی۔

۸۔ انکار حدیث متشابہات کے سائے میں

یہاں متشابہات کا لفظ عام اصطلاحی معنوں میں نہیں۔ ایک وسیع تر مفہوم میں ہے۔ کئی ایسے مضامین ہوتے ہیں جو اپنے ظاہری مفہوم میں مغالطہ انگیز ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا چہرہ اس وقت کھلتا ہے جب انہیں محکمات کے ساتھ مطابق کیا جائے۔ منکرین حدیث نے اس قسم کے مروی مضامین سے بہت فائدہ اٹھایا ہے اور جو لوگ علم دین سے واقف نہیں ہوتے۔ انہیں وہ ایسی جذباتی تعبیر میں لے جاتے ہیں کہ احادیث ظاہر عقل سے ٹکرانے لگتی ہیں۔ ان سرسری پڑھنے والوں کو وہ اس قسم کی احادیث کے ظاہر پیرائے سے بہت مغالطے دیتے ہیں۔ مثلاً صحیح بخاری کے حوالے سے قتل کعب بن اشرف کے بارے میں یہ تأثر دیتے ہیں:۔

> خلفائے بنو امیہ و بنی عباس کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ کبھی کبھی وہ اپنے دشمنوں کو مخفی تدبیروں سے قتل کرا دیا کرتے تھے اور اس کو اپنی بساطِ سیاست کی ایک اچھی چال سمجھتے تھے۔ اس وجہ سے ان کے حامیوں اور حاشیہ نشینوں نے ایسی روایتیں بنائیں کہ اس قسم کے قتل کو رسالت مآبؐ کا فعل ثابت کریں۔ تاکہ ان سلاطین کو اپنی کارروائیوں کے جواز کی سند مل سکے[1]

کعب بن اشرف کے قتل کی اصل وجہ

اشرف طائی سے مکہ میں ایک قتل ہو گیا اور وہ بھاگ کر مدینہ میں چلا آیا۔ یہاں یہود کے قبیلہ بنونضیر سے مل گیا۔ یہیں اس کی شادی ہوئی۔ کعب بن اشرف اسی کا بیٹا تھا جو اپنے اثر و رسوخ اور وجاہت سے علماء یہود کا دینی سرپرست بن گیا تھا۔ علماء یہود کو آنحضرتؐ کے خلاف کرنے میں اس کا بڑا دخل ہے۔ جنگِ بدر کے بعد یہ مکہ گیا اور وہاں مقتولین بدر کے وارثوں اور رشتہ داروں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بہت بھڑکاتا رہا۔ کعب بڑا

---

[1] طلوع اسلام جلد ۳ شمارہ ۲ ذوالحجہ ۸۵ھ فروری ۴۰ء

شاعر تھا اور اس کی یہ سب قابلیت حضورؐ کے خلاف استعمال ہوتی تھی۔

ایک دفعہ اس نے حضورؐ کو دھوکے سے ایک جگہ بُلایا۔ اس کا حضورؐ کو قتل کرنے کا پروگرام تھا۔ جبریل امین اُترے اور انہوں نے آپ کو اپنے پروں میں چھپا لیا (نقلہ فی الفتح)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ واپس تشریف لائے تو آپؐ نے فرمایا۔ "کون شخص کعب بن اشرف کو قتل کرنے کا شرف حاصل کرے گا؟" اس نے اللہ کے رسولؐ کو بے حد تکلیف دی ہے نقض عہد کیا ہے اور مشرکین مکہ سے ملا ہوا ہے۔ محمد بن مسلمہ انصاریؓ نے کہا۔ "میں اس کے لیے حاضر ہوں" آپؐ نے اجازت دے دی اور اس کے ساتھ چار اور ساتھی ہو گئے۔ یہ کعب کے پاس گئے اسے قلعہ سے باہر بلایا اور قتل کر دیا۔

آپ غور کریں اس تمام واقعہ میں شرارت اور سازش کا سرغنہ کون ہے؟ کعب بن اشرف یا کوئی اور — آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اکیلے کو سزا دلوا کر اس کی پوری قوم کو جنگ کے شعلوں سے بچا لیا۔ اگر آپ اس سے اعلانیہ جنگ کرتے تو معلوم نہیں کتنے لوگ اس کی حمایت میں آکھڑے ہوتے اور پھر معلوم نہیں کتنے مسلمان ان کے ہاتھوں سے مارے جاتے اور جو فضا ایک سازشی کے قتل سے قائم ہو سکتی تھی۔ اس کے لیے کتنی جانیں دینی پڑتیں۔

کافروں سے "نہ لڑنا ظاہر کر کے" پیچھے ہٹنا اور پھر بڑھ کر انہیں قتل کر دینا گیا اس کی تعلیم قرآن پاک میں موجود نہیں (دیکھئے پ۹ الانفال آیت ۱۶) اگر ہے اور لڑائی واقعی ایک چال ہے تو کیا یہ بہترین چال نہیں کہ دشمن کو ختم کرنے کا وہ طریق اختیار کیا جائے جس میں انسانی جانیں کم از کم تلف ہوں۔ معلوم ہوا قتل سرّی کوئی جرم نہیں۔ نہ یہ کوئی خلاف عقل اقدام ہے اور جن کے ہاں یہ جُرم ہے وہ میدانِ جنگ میں بھی دشمن کو قتل کرنا جائز نہیں سمجھتے۔ وہ سرے سے ہی جہاد و قتال کے قائل نہیں۔ ایک شخص کے قتل سے اگر فتنہ کی جڑ کٹتی ہے اور اس کی پوری قوم بچتی ہے تو اسے قتلِ سرّی سے کھلے میدان میں لے آنا اور قوموں کی جنگ بنا دینا یہ کوئی دانائی نہیں ہے۔

ابو رافع سلام بن ابی الحقیق کا قتل

کعب بن اشرف کے قتل کے بعد عام یہودی دب گئے اور ان کی روز روز کی شرارتیں رک گئیں۔ مگر تین سال بعد ابو رافع سلام بن ابی الحقیق نے پھر سر اٹھایا۔ قبائل کو مسلمانوں کے خلاف برانگیختہ کرنے لگا۔ غزوۂ خندق کے موقعہ پر عرب قبائل کو مسلمانوں کے خلاف لانے میں اس کا مرکزی کردار رہا۔ انصارِ مدینہ اس کی ان حرکتوں کو بھانپ چکے تھے۔ انہوں نے آنحضرت کی خدمت میں اس کی سازشوں کی شکایت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن عتیک انصاری اور اس کے چند ساتھیوں کو اس کے قتل پر مامور فرمایا اور حکم دیا کہ کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا —— صرف وہی سزا پائے جو فتنے کی جڑ ہے —— عبداللہ بن عتیک گئے اور اس کا کام تمام کر دیا۔

یہ ابو رافع سلام کون تھا؟ اس نے نقضِ عہد کیا تھا۔ مسلمانوں کے خلاف جو لوگ اور طاقتیں کام کرتی تھیں انہیں مالی امداد دیتا تھا۔ غزوۂ خندق کا اصل سبب یہی ہوا تھا —— عبداللہ بن عتیک کے قتل سے یہ اپنے کیفرِ کردار کو پہنچا اور مسلمانوں کو چین نصیب ہوا۔

مسٹر پرویز کے نزدیک یہ دونوں واقعات خلافِ واقعہ ہیں اور امام بخاری اور امام مسلم جیسے محدثین نے اپنی طرف سے گھڑ لیے ہیں۔ ورنہ قرآن اس کی اجازت نہیں دیتا کہ نبی اپنے دشمن کو قتل سری سے ختم کرے —— کس قدر غلط یہ مفروضہ ہے اور بناء فاسد علی الفاسد کی کتنی کھلی مثال ہے۔

ہم اس طرح کے قتل سری کو قیامِ امن کی عمومی مصلحت کے پیشِ نظر غلط نہیں سمجھتے مخفی تدبیروں سے بڑے بڑے فتنوں کا سدباب کرنا نہ عقل کے خلاف ہے نہ قرآن کریم کے خلاف —— منکرین حدیث واقعات کی ظاہری سطح سے عوام کو دھوکہ دیتے ہیں۔ لیکن اپنے موقف کو کسی علمی سطح پر حق بجانب ثابت نہیں کر سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں امر فرمایا تھا کہ کسی بچے اور عورت کو قتل نہ کرنا اور قرآن مجید میں حضرت خضر کا حضرت موسے کی موجودگی میں ایک بچے کو قتل کرنا صریح طور پر مذکور ہے۔ کیا یہ قتل سری نہ

تھا؟ کیا اس وقت کے کھلے معاشرتی دائرہ میں اس قتل کی گنجائش تھی؟ اب اس واقعہ کی وجہ سے قرآن کریم کے خلاف بھی فضا بناؤ ـــــ اگر اس واقعہ کی بنا پر قرآن نہیں چھوڑا جا سکتا تو کعب بن اشرف اور ابو رافع سلام کے واقعاتِ قتل سے حدیث کی آب پر بھی کوئی دھبہ نہیں آتا اور نہ اس کے باعث حدیث چھوڑی جا سکتی ہے۔

منکرینِ حدیث ان دو واقعات پر طلوعِ اسلام کا یہ بیان خوب اُچھالتے ہیں اور نہیں جانتے کہ مسٹر پرویز کے پیشرو اسلم جیراجپوری ان واقعاتِ قتل کو بالکل حق بجانب قرار دے چکے ہیں ـــــ اسلم جیراجپوری لکھتے ہیں :-

چونکہ اسلام کی ترقی سے یہود کا دنیوی اثر اور اقتدار نیز ان کی دینی عظمت کا سکہ اٹھتا جاتا تھا۔ اس لیے کعب مسلمانوں کا سخت ترین دشمن تھا۔ جنگِ بدر کے بعد اس نے مکہ معظمہ جا کر کشتگانِ بدر کے مرثیے بنا کر سنائے اور قریش کو مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے آمادہ کیا اور وہاں سے آکر اپنے اشعار میں مسلمانوں کی ہجو اور بے حرمتی کرنے لگا اور درپردہ اس فکر میں پڑا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرادے۔ . . . . اس کی فتنہ انگیزیوں سے مجبور ہو کر ربیع الاول ۳ھ میں محمد بن مسلمہ کو مع دو صحابیوں کے بھیجا انہوں نے جا کر اس کو قتل کر دیا[1]

دیوبند کے مشہور متکلم اسلام حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں :-

(یہود) جب خون کے مستحق ہو چکے تھے اور ہر اعتبار سے ہو چکے تھے۔ لیکن ان کے ہزاروں کے خون کو صرف کعب بن اشرف اور ابو رافع دو ہی آدمیوں کے خون سے کیوں محفوظ کر دیا گیا؟ بہت بڑا خیر وہ شر ہے جس کے ذریعہ سے کسی عظیم و جلیل شر کا سد باب ہوتا ہو۔ قصاص میں زندگی ہے۔ بلاشبہ ان دونوں کی موت میں اور تمام یہودیوں کی زندگی کی ضمانت تھی۔ جو ان کے بعد زندہ رہے[2]

---

[1] تاریخ الامت جلد ۱ صہ   [2] النبی الخاتم صہ

صحیح بخاری کی ایک اور حدیث پر اعتراض

قرآن کریم میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رب العزت سے عرض کی مجھے دکھا دیجئے آپ مُردوں کو کیسے زندہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ نے کہا کیا تو اس پر ایمان نہیں لایا۔ حضرت ابراہیمؑ نے عرض کی "کیوں نہیں"، لیکن چاہتا ہوں کہ (آنکھوں سے دیکھ لوں تاکہ) دل قرار پکڑے۔ یہ واقعہ پ۳ البقرہ کی آیت ۲۶۰ میں مذکور ہے۔ اس میں یہ بات واضح ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ کی قدرت میں شک نہ تھا۔ وہ علم الیقین سے عین الیقین میں آنا چاہتے تھے۔ بلیٰ کہہ کر وہ اپنے ایمان ویقین کی خبر دے چکے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ انبیاء کا ذکر بڑی تواضع اور نیازمندی سے کر رہے تھے۔ اس میں آپ نے حضرت ابراہیم اور حضرت یوسف علیہم السلام کی عظمت وعزیمت کا ذکر فرمایا ——— یہ جتلانے کے لیے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی اس صفت احیاء میں کوئی شک نہ تھا۔ آپ نے آپ کو تواضعاً ان سے نچلے درجہ میں رکھا اور فرمایا شک کے ہم ان سے زیادہ حق دار ہیں۔ جب ہمیں اللہ کی صفات کے بارے میں کوئی شک نہیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس میں کسی طرح کا کوئی شک کیسے ہو سکتا تھا ——— شک نہ یہاں ہے نہ وہاں تھا ——— بات بس اتنی تھی۔

طلوع اسلام کی اکتوبر ۱۹۵۰ء کی اشاعت میں اسلم جیراجپوری کا ایک مضمون شائع ہوا اس میں صحیح بخاری کی اس حدیث کو یہ کہہ کر رد کیا گیا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیشک ابراہیم علیہ السلام شک میں تھے۔ (معاذ اللہ)

عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نحن احق بالشک من ابراھیم اذ قال رب ارنی کیف تحی الموتیٰ [1]

ترجمہ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ ہم ابراہیم کی نسبت شک کے زیادہ سزاوار ہیں ابراہیم نے کہا تھا اے اللہ مجھے دکھا تو کس طرح مُردوں کو زندہ کریگا؟

---

[1] ۔ صحیح بخاری جلد ۲ صہ ۶۵۱ ۔

اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے شک کا اثبات ہرگز نہیں۔ یہاں ان سے شک کی نفی مقصود ہے۔ محدثین نے اس کے یہی معنی لکھے ہیں :۔

ان ذلك لم یکن من ابراھیم لاجل الشك بل لزیادۃ العلم اذ نحن احق بالشك فاذا لم نشك لم یشك ھو فھذا تواضع منہ صلی اللہ علیہ وسلم[1]

ترجمہ: حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے یہ بات شک کے طور پر نہ تھی۔ یہ سوال زیادتی علم کے لیے تھا ہم ان کی نسبت شک کے زیادہ اہل تھے جب ہمیں اس قدرتِ خداوندی میں شک نہیں تو حضرت ابراہیم اس میں کیسے شک کر سکتے تھے۔ یہ بات حضورؐ نے تواضعاً فرمائی۔

اس روایت میں شک کا لفظ ایمان کے مقابلے میں نہیں۔ ایمان تو خود اسی آیت میں مذکور ہے جو یہاں اس حدیث میں پڑھی گئی معلوم ہوا یہاں اس کا مفہوم ظاہر پر مبنی نہیں مراد کچھ اور ہے ——— یہاں اس کی الزاماً نفی مقصود ہے کہ جب ہم یہاں شک نہیں کر سکتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس قدرتِ الٰہی میں کیسے شک ہو سکتا تھا

ایک اور اعتراض

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق ایک اور حدیث نقل کی جاتی ہے :۔

لم یکذب ابراھیم الا ثلث کذبات ثنتین منھن فی ذات اللہ قولہ انی سقیم وقولہ بل فعلہ کبیرھم ھذا . . . . . الحدیث

اس میں کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے تین باتیں خلافِ واقعہ کہیں ——— ان میں سے دو کا ذکر قرآن پاک میں ہے۔ ایک پ۲۳ سورہ الصافات آیت ۸۹ میں اور دوسری پ۱۷ سورہ الانبیاء آیت ۶۳ میں مذکور ہے۔ ظاہراً آپ نے یہ دونوں باتیں خلافِ واقعہ کہیں۔ اب قرآن کا ہر طالبعلم انہیں حل کرنے کے لیے کوئی توجیہ یا تاویل ضرور اختیار کرتا ہے۔ قرآن اور حدیث میں اگر فرق ہے تو صرف یہ ہے کہ قرآن میں ان میں سے دو باتیں مذکور ہیں اور حدیث میں تین۔ اب دیانت

---

[1] مرقات شرح مشکوٰۃ جلد ص [2] صحیح مسلم جلد ۲ صہ۲۶۶ مشکوٰۃ صہ۵۰۶۔

اور شرافت کیا اس کی مقتضی نہیں کہ جس طرح ان میں سے دو باتوں کی توجیہ کی جاتی ہے اسی طرح تیسری بات کی بھی کوئی توجیہ کر لی جائے۔ ورنہ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ قرآن میں بھی (معاذ اللہ) بہت غلط باتیں موجود ہیں اور اس طرح انکار حدیث انکار رسالت کی ایک سیڑھی قرار پائے گی رہا یہاں لفظ کذب کا اطلاق سو یاد رہے کہ یہ اردو کے لفظ جھوٹ سے بہت مختلف ہے۔ عرب مطلق خلاف واقعہ بات پر بھی کذب کا لفظ بول دیتے ہیں۔ خواہ اس میں تعمد اور نیت نہ بھی ہو۔ علامہ خطابی نے معالم میں اس کی تصریح کی ہے۔ جلد ا صـ ۱۳۴

حدیث غسل ام المومنین پر ایک اعتراض

فہم حدیث میں کسی جگہ کے عرف، محاورے اور استعمال کو بھی سامنے رکھنا ہوتا ہے مثلاً دو شخصوں میں دیانت داری سے اس موضوع پر نزاع ہو گیا کہ نہانے کے لیے کم از کم پانی کتنا ہونا چاہیئے۔ ایک نے کہا میں دو سیر پانی سے نہا سکتا ہوں، دوسرے نے کہا ایسا نہیں ہو سکتا تم نہا کر دکھاؤ۔ وہ دو سیر پانی لے کر خلوت میں چلا گیا۔ نہا کر آیا اور کہا میں نے دو سیر پانی سے پورا غسل کر لیا ہے۔ ایک دوسرے کی دیانت پر انہیں پورا اعتماد تھا —— اب پہلا شخص اگر یہ کہتا ہے کہ آدمی دو سیر پانی سے نہا سکتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ فلاں شخص میرے سامنے دو سیر پانی سے نہایا تو ایسے موقعوں پر گفتگو کا یہ انداز غلط نہیں ہوگا۔ نہ اس کے پیش نظر یہ بات غلط ہوگی۔ سامنے نہانے سے یہاں اس طرح نہا کر دکھانا مراد ہے نہ یہ کہ وہ دوسرا پہلے کے سامنے برہنہ ہوا تھا اور بالکل اس کے سامنے ہی نہایا تھا۔

حدیث میں ایسا کوئی واقعہ آ جائے تو منکرین حدیث اسے نہایت چھچھوری سطح سے سوچتے ہیں اور نہیں جانتے کہ دنیا میں تجربے اور مافی الضمیر کے اظہار کے لیے عرف اور ماحول کے کتنے پیمانے استعمال ہوتے ہیں۔ کیا مندرجہ ذیل حدیث کو سامنے کے اس عرفی پیمانے میں نہیں سمجھا جا سکتا؟

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رض کے بھانجے ابو سلمہؓ اور آپ کے بھائی (رضاعی) عبد اللہ بن یزید آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ بھائی نے حضرت ام المومنین سے پوچھا حضورؐ

کتنے پانی سے غسل فرما لیتے تھے۔ آپ نے پانی منگایا جو ایک صاع (ایک پیمانہ) کے مطابق ہوگا اور غسل فرمایا اور آپ نے اوپر سر سے پانی بہایا۔

صحیح بخاری میں یہاں صراحت سے منقول ہے کہ حضرت ام المومنینؓ اور ان کے بھائی اور بھانجے کے مابین پردہ تھا۔ اس تصریح سے بات وہیں آتی ہے جو ہم کہہ چکے ہیں۔ مگر منکرینِ حدیث ہیں کہ اس حدیث کو (اس پردے کی بحث سے یکسر جدا کر کے) نہایت تمسخر سے نہ صرف پیش کرتے ہیں۔ بلکہ اس کے حوالے سے اپنے منکرینِ حدیث ہونے پہ ناز کرتے ہیں۔

فسألها اخوها عن غسل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فدعت بانائٍ نحو من الصاع فاغتسلت وافاضت علی رأسها وبیننا وبینها حجاب[1]

ترجمہ: پس آپ سے آپ کے بھائی نے حضورؐ کے غسل کے بارے میں پوچھا۔ آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا جو صاع (ایک پیمانہ) کے برابر ہوگا اور اس سے غسل کیا اور اپنے سر سے پانی بہایا۔ ہمارے اور آپؓ کے مابین پردہ تھا۔

منکرینِ حدیث نے حدیث کو وہ مضحکہ خیز صورت دے رکھی ہے کہ کوئی انسان کسی سنجیدہ موضوع کو اس بے دردی سے پامال نہیں کرتا۔ جو ان لوگوں نے حدیث کے بارے میں اختیار کر رکھی ہے۔ کون نہیں جانتا کہ مباشرت ایک دوسرے سے اکٹھے ہونے اور ملنے کا نام ہے بعض جاہل قومیں عورت سے اس کے ایام میں اتنی نفرت برتتی تھیں کہ اسے گھر کے اندر رہنے کی بھی اجازت نہ ہوتی تھی۔ وہ باہر خیمے میں اپنے دن گزارتی اور کوئی اس سے ہاتھ ملانے تک کے لیے تیار نہ ہوتا تھا۔ اسلام نے عورت کو جہاں اور بہت سی عظمتیں بخشیں وہاں اسے اس قعرِ مذلت سے بھی نکالا۔ عورت اپنے ایام میں ہو تو اس کے ہاتھ کا پکا کھانا جائز کیا۔ اس کے دھوئے کپڑے پاک بتلائے۔ اور کہا کہ ماسوائے جماع کے اس سے ہر طرح مباشرت جائز ہے۔ ایام میں وہ کوئی ڈائن نہیں بن جاتی کہ اس سے اس قدر نفرت کی جائے۔

مباشرت کا لفظ کنایہ کے طور پر جماع کے لیے بھی آتا ہے۔ گو یہ اس کے حقیقی معنی نہیں اب

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صہ ۳۹ کلاں

اگر کہیں حدیث میں آگیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ازواج کو ایام میں بھی خدمت کرنے کا موقع دیتے تھے۔ ان سے مباشرت جائز سمجھتے۔ تو ان لوگوں نے طوفان سر پر اٹھالیا کہ دیکھو حدیث میں ہے حضورؐ ایام میں بھی عورتوں سے مباشرت کرتے تھے۔ فلاں حدیث میں ہے کہ روزے میں بھی آپؐ مباشرت کر لیتے تھے۔ عوام بے چارے مباشرت کے معنی سے بے خبر تھے۔ وہ اس کے ایک خاص معنی سے ہی آشنا تھے۔ ان کے حلقوں میں اسی قسم کی روایات سے ان لوگوں نے ایسا طوفان کھڑا کر دیا ہوتا ہے کہ جب تک عوام کو اس لفظ اور ان احادیث کے پورے پس منظر سے آشنا نہ کیا جائے۔ ان کا زنگ دُھلنے نہیں پاتا۔

اس قسم کی روایات میں جماع کی صریح نفی مروی ہے۔ مگر یہ لوگ اسے ذکر تک نہیں کرتے اور لفظ مباشرت کا اتنا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں کہ الامان والحفیظ ــــــ کیا علمی دیانت اسی کا نام ہے مذہب کے نام پر دھوکہ بازی کیا ان کو میراث میں ملی ہے؟ یا دھوکہ منڈی کی پوری آڑھت انہی کے نام ہے ــــ حدیث کے یہ الفاظ دیکھئے اور ان لوگوں کے علم و دیانت کا ماتم کیجئے:۔

کان یأمرنی فاتزر فیباشرنی وانا حائض وکان یخرج رأسہ الی وھو معتکف فاغسلہ وانا حائض [1]

ترجمہ۔ آپ مجھے حکم دیتے کہ اپنا ازار باندھے رکھوں۔ آپ پھر مجھے ملتے اور میں ایام میں ہوتی۔ آپ مسجد میں اعتکاف کی حالت میں ہوتے، اپنا سر مبارک آپؐ مسجد سے باہر (میرے حجرے کی طرف) کرتے میں اسے دھو دیتی۔ حالانکہ میں ایام حیض میں ہوتی تھی۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عورت کے ہاتھ اگر صاف ہوں تو وہ اپنے ایام میں کپڑے تک بھی دھو سکتی ہے۔ آٹا گوندھ سکتی ہے۔ نہلا سکتی ہے اور اس کے ساتھ رہنا سہنا کسی طرح ممنوع نہیں۔ سوائے اس کے کہ اس خاص معنی میں اس سے مباشرت جائز نہیں۔

راقم الحروف نہایت دُکھے دل سے یہ بات نقل کرتا ہے کہ پاکستان ضلع کیمبل پور کا ایک مسلمان جو یہاں (انگلینڈ میں) اولڈہم میں مقیم ہے۔ عیسائی پادریوں کے اس ایک حوالے سے

---

[1] صحیح بخاری جلد ۱ صـ۴۴ کلاں

مرتد ہو گیا (عیسائی بن گیا) کہ حضور پیغمبر اسلامؐ ایام حیض میں بھی ازواج سے مباشرت کر لیتے تھے ـــــ نہ پوری حدیث ان پادریوں کے سامنے تھی نہ اس پڑھنے والے کے سامنے بعض اردو رسائل سے انہوں نے یہ مضمون لیا اور منکرین حدیث کی اس علمی محنت سے وہ مسلمان کفر کی گود میں چلا گیا۔ معلوم نہیں منکرین حدیث کی اس قسم کی کوششوں سے کتنے مسلمان گھروں کے چراغ بجھے ہوں گے اور کتنے مسلمان اس بے علمی اور غلط فہمی میں کفر کی گود میں گرے ہوں گے

قصہ طلاق امیمۃ بنت النعمان - الجونیہ

بنی کندہ کے سردار نعمان بن جون کندی نے اپنی لڑکی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں دی اور اسے ابواسید کی نگرانی میں حضورؐ کے پاس بھجوایا اسے حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے پاس ٹھہرایا گیا البتہ خاندان حکومت سے ہونے کے زعم میں دوسرے خاندان میں جانے کے لیے ذہناً تیار نہ تھی حضورؐ جب اسکے پاس خلوت میں گئے اسنے کہا ملکہ اپنے کو کب رعیت کے سپرد کر سکتی ہے حضورؐ نے اسے سامنے طلاق دے دی اور طلاق کے دو کتانی جوڑے دے کر رخصت فرما دیا۔ اس پر امام بخاری ؒ نے یہ باب باندھا ہے۔

هل يواجه الرجل امرأته بالطلاق[۱] کیا مرد اپنی عورت کو سامنے طلاق دے۔

طلاق سے صاف ظاہر ہے کہ جونیہ آپکی ازواج میں سے تھی اور اس کا حضورؐ سے نکاح ہو چکا تھا اس روایت میں دو جملے متشابہات میں سے ہیں۔

۱۔ آپ کا اسے هبي نفسك (مجھے اپنا آپ بخش دے) کہنا نکاح کے لیے نہ تھا زوجیت پر آمادہ کرنے کے لیے تھا یہ الفاظ نکاح کے لیے بھی آتے ہیں لیکن یہاں یہ دوسرے معنی میں ہیں اور سیاق کلام اسی کا تقاضا کرتا ہے ملحدین یہاں یہ کہتے ہیں کہ اس روایت کی رو سے آپ (معاذ اللہ) بغیر نکاح اسکے پاس گئے تھے اور اسکے انکار پر پیچھے ہٹ گئے اور وہ یہ نہیں سوچتے کہ پھر طلاق کا موضوع کیوں زیر بحث آگیا۔ اور محدثین اسے کتاب الطلاق میں کیوں لائے

۲۔ جونیہ کے جملہ هل تهب الملكة نفسها للسوقة (کیا ملکہ اپنے کو رعیت کے سپرد کر سکتی ہے) کو بھی غلط معنی پہناتے ہیں اور سوقہ کے معنی بازاری کے کرتے ہیں کہ اس نے کہا میں اپنے آپ کو کیسے بازاری کے سپرد کروں (استغفر اللہ) علامہ فیومی لکھتے ہیں

وقولهم رجل سوقة ليس المراد انه من اهل الاسواق كما تظنه العامه بل السوقة عند العرب خلاف الملك[۲]

متشابہات کے سائے میں یہ بدترین مثال ہے جس پر منکرین حدیث ناز کرتے ہیں۔

---

[۱] صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۹۰ [۲] مصباح المنیر جلد ا ص ۱۳۵ قال الشاعر

فبينا نسوس الناس والامر امرنا اذا نحن فيهم سوقة نتنصف

⑧ خارجیت انکارِ حدیث کے سائے میں

انکارِ حدیث کی تحریک ادارہ طلوعِ اسلام یا بلاغ القرآن تک نہیں ٹھہری۔ کراچی کا فتنہ خارجیت بھی انکارِ حدیث کی اسی اساس پر اُٹھا ہے۔ محمود احمد عباسی کے حلقہ کے ایک صاحب عزیز احمد صاحب صدیقی ہیں۔ اُنہوں نے "اُم المؤمنین سیدہ خدیجہؓ" کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے۔ دیکھئے آپ اس میں کس طنزیہ انداز میں حدیث کا انکار کرتے ہیں۔ عزیز احمد صاحب صدیقی صحیح بخاری کے متعلق لکھتے ہیں:-

> یہ کتاب قرآن کے بعد سب سے زیادہ سچی کتاب کہلاتی ہے۔ کیونکہ یہ قرآن کی ناسخ ہے۔ مسلمان حدیث کو قرآن پر جو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لیئے دیتے ہیں کہ اس میں وہ مزیدار باتیں ہیں جو قرآن میں نہیں۔[1]

پھر لکھتے ہیں:-

> بخاری صاحب نے اپنے مجوسی معاشرے کی حرامکاری، عیاشی اور بدکاری کو کس خوبی سے مشرف بہ اسلام فرمایا ہے۔[2]

پھر اپنی دوسری کتاب اَمنٹ باتیں میں لکھتے ہیں:-

> ہماری تاریخ، ہماری فقہ، ہماری روایات یعنی حدیثیں اور تفسیریں سب مجوسیوں نے تیار کی ہیں۔[3]

فتنہ انکارِ حدیث یہیں تک نہیں رُکا کہ عباسی صاحب کے حلقہ کو حلقہ بدام کرکے کچھ آرام کرلے۔ ہمیں افسوس ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے حلقے کے بھی بعض ناعاقبت اندیش علماء اسی حلقے کے اسیر نکلے۔ صحیح بخاری کے بارے میں جو زبان عزیز احمد صاحب صدیقی نے استعمال کی ہے وہی زبان اس حلقے کے بعض علماء، صحیح بخاری کے بارے میں استعمال کرچکے ہیں۔ انذار شریعت ان کے پانچ علماء کا مشترکہ فتاویٰ ہے۔ جو فیصل آباد سے دو جلدوں میں شائع ہوا ہے۔ اس میں صحیح بخاری کے متعلق یہ زبان استعمال کی گئی ہے:-

---

[1] ام المومنین سیدہ خدیجہ ص۹۵ [2] ایضاً ص۱۰۴ [3] امنٹ نقوش ص۶

امام بخاری نے مرجئہ وشیعہ وقدریہ وجہمیہ واہل بدعت وہوایہ فرقہ سے حدیثیں نقل کی ہیں جن کی باتوں پر اعتماد کرنا منع ہے   انوار شریعت ۲ صہ ۴۲۷

بخاری شریف کی بہت سی حدیثیں کتاب اللہ کے خلاف ہیں ۔   ایضاً ۲ صہ ۲۳۶

بیشک بخاری میں ایک دوسرے کے خلاف بھی بہت سی حدیثیں درج ہیں   ایضاً ۲ صہ ۲۳۶

امام بخاری وغیرہ نے تمام مذاہب باطلہ کے لوگوں سے حدیثیں لی ہیں جن کا ذکر جلد اول کے ضمیمہ میں گذر چکا ہے   ایضاً ۲ صہ ۲۳۴

پھر ان حضرات نے اپنے مولانا عبدالکریم سے نقل کیا ہے :۔

امام بخاری نے تو صحابہ کرام رسول علیہ السلام کی سخت توہین کی ہے وھو: ھذا باب قول الرجل للرجل اخسأ بخاری مطبوعہ احمدی صہ ۹۱۱ یعنی یہ باب ہے قول رجل کا واسطے رجل کے اخسأ ۔ پس یہاں پہ رجل اول سے مراد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور رجل دوم سے مراد ابن صیاد ہے باب قول الرجل مرحبا بخاری صہ ۱۱۱۲ ۔ اس جگہ بھی رجل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں سوم باب ماجاء فی قول الرجل ویلک یعنی یہ باب ہے قول میں رجل کے ویلک بخاری صہ ۹۱۰ یہاں بھی رجل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ۔ باب قول الرجل شئی لیس بشئی بخاری صہ ۹۱۷ ۔ اس مقام پر بھی رجل سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں پس اب دیکھئے کہ بخاری کی متعدد جگہوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں لفظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ کہا بلکہ بجائے اس کے لفظ رجل کا جو کہ عوام الناس کے حق میں بولا جاتا ہے کس کشادہ پیشانی سے بے دھڑک استعمال کیا گیا ہے کہ جو ہر حال میں سخت افسوس کے قابل ہے بخاری پرست جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مثل اپنے ایک آدمی جانتے ہیں اس کا ماخذ بھی کتاب بخاری ہو تو تعجب نہیں

انوار شریعت جلد ۲ صہ ۴۲۶ ، صہ ۴۲۷

یہ عبارت نقل کرنے کے بعد ملا نظام الدین نے اس پر کوئی نکیر نہیں کی مندرجہ ذیل عبارت سے جلتی پہ اور تیل ڈالا ہے دیکھئے جلد ۲ صفحہ ۴۲۷

> بیان کریں کہ بدوں کتاب اللہ کے کونسی کتاب علم حدیث میں ہے جسمیں حدیثیں بناوٹی اور نامعقول باتیں درج نہیں اگر کہو کہ صحاح ستہ میں سے بخاری شریف اعلیٰ کتاب بعد کتاب اللہ قابل عمل ہے تو میں کہتا ہوں کہ یہ بات بالکل لغو اور بناوٹی ہے کیونکہ اس مجموعہ بخاری کی حدیثوں کی صحت پر کسی زمانہ میں کسی محدث کا اتفاق نہیں ہوا۔ جلد ۲ ص ۴۲۷

یہ جامع الفتاویٰ مولانا احمد رضا خاں، حامد رضا خاں، نعیم الدین مراد آبادی اور نظام الدین ملتانی کے فتووں کا مجموعہ ہے۔ جسے غلام سرور قادری رضوی نے لکھا مولانا محمد اسلم علوی قادری رضوی نے مرتب کیا اور سنی دارالاشاعت رضویہ نے ڈجکوٹ روڈ لائلپور سے شائع کیا ہے۔

یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ ساتوں علماء صرف صحیح بخاری کے بارے میں یہ رائے رکھتے ہیں موصوف کی یہ عبارت بھی دیکھ لیجئے

> امام بخاری وغیرہ نے تمام مذاہب باطلہ سے حدیثیں لی ہیں ۔۔۔ ۔ ذرہمدانی مرجیہ سے تھا کتاب بخاری ایتمم للوجہ والکفین اور ترمذی نسائی اور ابن ماجہ کا حال بھی عنقریب لکھا جائے گا الوار شریعت ۲ ص ۲۳۴۔

بایں ہمہ تحریرات انہیں منکرین حدیث میں جگہ نہیں دی جاسکتی یہ منکرین کتب حدیث تو ہو سکتے ہیں منکرین حدیث نہیں لیکن یہ بات پھر حل طلب ہے کہ اگر حدیث کے موجودہ ذخیرے ان کی نظروں میں یہی درجہ رکھتے ہیں تو پھر وہ کون سے با اعتماد ذرائع ہیں جن سے ان کی علم نبوت تک رسائی ہوتی ہوگی۔ اس کا جواب ان کے پاس نہیں ہے۔

علمائے دیوبند کا موقف ان کتب حدیث کے بارے میں وہی ہے جو محدثین دہلی حضرت امام شاہ ولی اللہ دہلوی رح اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کا تھا وہ ان کتابوں کو بڑی عظمت سے دیکھتے دورہ حدیث پڑھاتے اور ہر وہ شخص جو ان کتابوں کی توہین کرے اسے بدعتی اور گمراہ سمجھتے تھے شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رح لکھتے ہیں :۔

> ونحن بحمد اللہ نعتقد فی ھٰذین الکتابین الجلیلین بما اعتقد ونقول بما قال بہ شیخ شیوخنا و مقدم جماعتنا مولانا الامام الشاہ ولی اللہ الدھلوی قدس اللہ روحہ فی حجۃ اللہ البالغہ وھذا لفظہ اما

الصحیحان فقد اتفق المحدثون علیٰ ان جمیع ما فیهما من المتصل المرفوع صحیح بالقطع (ای بالتفصیل الذی ذکرنا) وانهما متواتران الیٰ مصنفیهما وانه کل من یهون امرهما فهو مبتدع (ضال) متبع غیر سبیل المومنین فتح الملہم جلد ا صہ ۱۰۸

(ترجمہ) اور ہم خدا کے فضل سے ان دو جلیل کتابوں (صحیح بخاری اور صحیح مسلم) کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں اور وہی بات کہتے ہیں جو ہمارے اساتذہ کے استاد اور جماعت کے سردار امام شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجۃ اللہ البالغہ میں کہی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ صحیحین کے بارے میں محدثین کا اجماع ہے کہ ان میں جو بھی (سنداً) متصل اور (حضور تک پہنچنے والی) مرفوع حدیثیں ہیں سب یقینی طور پر صحیح ہیں اس تفصیل سے جو ہم ذکر کر آئے ہیں اور دونوں اپنے مصنفین تک تواتر سے پہنچتی ہیں اور جو کوئی ان دو کتابوں کی توہین کرے وہ بدعتی ہے گمراہ ہے اور اس راہ پر چلا ہے جو مومنین کی راہ نہیں۔

ہندوستان میں انکار حدیث کی صدا اٹھی تو حضرۃ شیخ الاسلام کے تلامذہ میدان میں نکلے اور ان شبہات کا دامن پوری مستعدی سے چاک کیا جو منکرین کی اساس تھے علماء دیوبند نے علماء مصر کو بھی اپنا ہمنوا بنایا چند کتابوں کے نام ہم یہاں ذکر کئے دیتے ہیں۔

تدوین حدیث مولانا مناظر احسن گیلانی ضرورت حدیث مولانا کریم بخش مظفر گڑھی کتابت حدیث مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی حجیت حدیث مولانا محمد ادریس کاندھلوی رحمہ اللہ مقدمہ ترجمان السنہ حضرت مولانا بدر عالم مدنی حدیث رسول کا قرآنی معیار از حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ فہم القرآن از مولانا سعید احمد اکبر آبادی اس باب میں اہم اور مفید کتابیں ہیں جو انکار حدیث کی تردید میں لکھی گئیں ہیں، مولانا محمد ادریس میرٹھی (کراچی) نے مصر کی کتاب السنہ ومکانتہا اور اردو ترجمہ کر کے اس باب میں ایک گرانقدر خدمت کی ہے۔

فتنۂ انکارِ حدیث کیخلاف علماء کی جدّ وجُہد

علمائے اہلسنّت والجماعت نے جس طرح تاریخ کے پہلے دور میں اسلام کے خلاف اُٹھنے والے ہر فتنے کا پُوری قوتِ علمی سے مقابلہ کیا ہے معرُوف ہیں۔ وہ اس دور میں بھی اس فتنے سے غافل نہیں رہے۔ عرب ممالک میں تو ان منکرینِ حدیث کی آواز نہیں پہنچی۔ وہاں یہ کام مستشرقین ادا کرتے رہے ہیں اور الحمدللہ کہ علمائے مصر، سعودی عرب اور امارات نے وہاں بھی اُن کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ رہے یہ منکرین حدیث جن کے قائد اس وقت پرویز صاحب ہیں۔ تو الحمدللہ علمائے ہند و پاک نے اس فتنے اور اس کے اسبابِ عروج کا بڑی تفصیل سے جائزہ لیا ہے اور منکرین حدیث کے خلاف بہت کچھ لکھا ہے۔ چند اسماء گرامی ملاحظہ کیجئے اور ان علمائے حق کی عظیم علمی خدمات کی داد دیجئے۔ ان میں بیشتر حضرات حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے شاگرد ہیں معلوم ہوتا ہے جس طرح شاہ صاحب فتنۂ انکارِ ختم نبوّت کے خلاف بڑی مستعدی سے ڈٹے۔ آپ نے فتنۂ انکارِ حدیث کے خلاف بھی اپنے شاگردوں میں عظیم عزیمت کی رُوح پھونکی تھی۔

(۱) حضرت مولانا مناظر حسن صاحب گیلانیؒ

آپ کی شہرہ آفاق تالیف تدوین حدیث مجلس علمی نے ۱۹۵۶ میں شائع کی پھر مکتبہ اسحاقیہ کراچی نے ۱۹۷۰ میں اسے ۴۸۰ صفحات میں شائع کیا ہے۔

(۲) محدّث کبیر حضرت مولانا سیّد بدر عالم میرٹھی ثم المدنیؒ

حضرت مولانا بدر عالمؒ (ھ) نے ترجمان السنّہ کے مقدمہ میں جو بڑی تقطیع کے صفحات تک پھیلا ہوا ہے۔ حجیت حدیث اور اس سے متعلقہ مضامین پر سیر حاصل بحث کی ہے کہیں کہیں اسلم جیراجپوری کے نظریات بھی نقل کیے ہیں اور اُن کے شافی جوابات دیئے ہیں۔

③ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ

آپ نے جامع مسجد نیلا گنبد لاہور میں حجیت حدیث پر قسط وار تقاریر فرمائیں جو چھپتی رہیں آپ کی تالیف حجیت حدیث ان کے متن کی حیثیت رکھتی ہے ۔

④ حکیم الاسلام حضرۃ مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند

آپ کا تحقیقی مقالہ حدیثِ رسول کا قرآنی معیار اس باب کی نہایت بلند پایہ تالیف ہے بعض تعلیمی اداروں میں یہ داخل نصاب بھی ہے۔ اس کا انگریزی میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ حجیت حدیث کے بارے میں پھیلنے والے جملہ اعتراضات وشبہات کا اس میں ازالہ کیا گیا ہے۔

حضرت قاری صاحب نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کی تقریر بخاری فضل الباری بشرح صحیح البخاری کا مبسوط مقدمہ تحریر فرمایا ہے۔ جو صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں آپ نے حجیت حدیث، قواعد حدیث اور اُن سے متعلقہ دوسرے مباحث پر نہایت فاضلانہ بحث کی ہے۔ اس کا بھی انگریزی میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ جو فضل الباری جلد اوّل کے ترجمے کے ساتھ چھپ چکا ہے۔ یونیورسٹی طلبار اور دورہ حدیث کے طلبار کے لیئے بہت مفید اور جامع تالیف ہے۔

⑤ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ دیوبندی ثم کراچوی

آپ کے فاضل فرزند حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی نے کتابت حدیث کے نام سے ایک نہایت گراں قدر تالیف مرتب فرما کر اپنے والد مرحوم کے علم کی یاد تازہ کر دی ہے۔

⑥ محدّث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنّوری

آپ نے حجیت حدیث کو ایمانیات میں شمار کیا ہے اور اسکے منکر کو دائرہ اسلام سے باہر بتلایا ہے آپ نے اس پر علمار کی تصدیقات حاصل کی ہیں یہ فاضلانہ مقالہ تاریخی حیثیت کا حامل ہے ۔

⑦ حضرت مولانا سعید احمد صاحب اکبر آبادی

آپ کی تالیف فہم قرآن اس سلسلہ کی غالباً پہلی کڑی ہے۔ جس نے ضرورت حدیث اور حجیت حدیث جیسے موضوعات پر جدید تعلیم یافتہ کو متاثر کیا۔ اسلوب بیان فاضلانہ اور طرز استدلال حکیمانہ ہے۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور اور دوسرے کئی تعلیمی اداروں نے اسے اپنے منتہی طلبہ کے لیئے داخل نصاب کیا ہوا ہے۔

⑧ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب دیوبندی صدر وفاق المدارس پاکستان

حضرت مولانا مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی کے جلیل القدر استاذ حدیث ہیں۔ آپ نے مصر کے مشہور محقق کی کتاب السنۃ ومکانتہا کا اردو ترجمہ کر کے طالبانِ حدیث پر بڑا احسان کیا ہے۔

⑨ حضرت مولانا پروفیسر کریم بخش صاحب لاہوری ؒ

آپ گورنمنٹ کالج لاہور میں عربی کے پروفیسر تھے۔ حدیث میں حضرت علامہ انور شاہ صاحب کشمیری کے مجاز تھے۔ آپ نے ضرورت حدیث کے نام سے نہایت ایجاز سے ایک مختصر رسالہ قلمبند فرمایا۔ جسے اس موضوع کا متنِ متین کہنا چاہیئے۔

⑩ شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خاں (گوجرانوالہ)

آپ حضرت مولانا حسین علی صاحب ؒ (واں بھچراں) اور حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی ؒ کے ممتاز شاگرد ہیں اور اپنے اساتذہ کے طرز پر پنجاب میں منبعِ فیض ہیں۔ آپ نے اہمیت حدیث اور حجیت حدیث پر نہایت قابلِ قدر تالیفات پیش کی ہیں۔

۱. انکارِ حدیث کے نتائج ۲. شوق حدیث

آپ نے ان میں منکرین حدیث کے افکار و نظریات کا فاضلانہ تعاقب کیا ہے۔

منکرین حدیث نے عرب ممالک میں سے لیبیا کو اپنے ساتھ لے رکھا ہے یہ درست نہیں کہ لیبیا کے ارباب درس وافتاء حدیث کو شریعت کا جزو نہیں مانتے کرنل معمر قذافی کی بعض آراء سے اختلاف تو ہو سکتا ہے لیکن جہاں تک حجیت حدیث کی اصولی حیثیت کا تعلق ہے کوئی عرب ریاست اور اہل علم کا کوئی طبقہ اس کا منکر نہیں ہے۔

الدکتور محمد بن عبدالکریم الجزائری محتاج تعارف نہیں آپ کی تالیف القذافی والمتقولون علیہ ۳۰۴ صفحات پر مشتمل ہے اسمیں ان لفظوں میں سنت نبوی کی اصولی حیثیت کا اقرار کیا ہے۔

ان وظیفۃ السنۃ النبویۃ فی الشریعۃ الاسلامیہ ھی فی خدمۃ القرآن الکریم من تفسیر غامضہ وتوضیح مبھمہ وتفصیل مجملہ وتخصیص عامہ وتقیید مطلقہ وغیر ذلک[1]

پھر تدوین حدیث کی بحث میں لکھا ہے کہ :۔

وکان الرسول ینھی اصحابہ عن کتابتہ خشیۃ اختلاطہ بالقرآن الکریم ص ۴۹

اس میں اس وہم کا شائبہ تک نہیں کہ آپ کا کتابت حدیث سے روکنا اس لیے تھا کہ حدیث قانون اسلامی میں حجت نہ سمجھی جائے (معاذ اللہ) کوئی مسلمان اصولاً حجیت حدیث کا انکار نہیں کر سکتا۔

دکتور جزائری نے ص ۴۹ پر حضرت عمر بن عبدالعزیز کا وہ حکم بھی نقل کیا ہے جو آپ نے جمع احادیث کے لیے صادر فرمایا تھا اور پھر موطا امام مالک، مسند امام احمد، صحیح البخاری، صحیح مسلم اور کتب سنن کا بھی ذکر کیا ہے

سو یہ بات صحیح نہیں کہ وہاں کے علماء سنت کی اصولی حیثیت کا تو اقرار کرتے ہیں لیکن حدیث کو حجت اور سند نہیں مانتے کتب حدیث میں سنت کی حفاظت کا ہی پورا اہتمام کیا گیا ہے ——

رہا یہ عنوان کہ ان القرآن شریعۃ المجتمع تو اسے اسی طرح انکار حدیث کا زینہ نہ سمجھا جائے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس خطبے میں حجیت حدیث کا انکار منطوی نہیں قرآن کی طرف دعوت ہے

فقال علیکم بالقرآن وانکم سترجعون الی قوم یشتھون الحدیث عنی فمن عقل شیئاً فلیحدث بہ ومن افتری علی فلیتبوا بیتاً اومقعداً فی جھنم[2]

---

[1] القذافی والمتقولون علیہ ص ۴۶ [2] رواہ الطحاوی فی مشکل الآثار جلد ا ص ۱۷۱۔

مدارسِ حدیث

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد فقد قال رسول اللہ ﷺ حدثوا عنی ولو آیہ اوکما قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

صحابہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے جو کچھ سُنا اور آپ کو جو کچھ کرتے ہوئے پایا اُسے آگے پہنچایا اور اگلوں نے صحابہؓ کے نام سے اس حدیث کی سند جاری کردی۔۔۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی ایک معلم تھے اور آپ نے حدثوا عنی کہکر ہر ایک صحابی کو معلم ٹھہرایا۔ اس جہت سے ہر ایک صحابی کا حلقۂ تعلیم ایک مستقل مدرسہ تھا اور طالبانِ حدیث مدرسہ بہ مدرسہ جاکر اس فن کی تکمیل کرتے۔۔۔ اصحابِ رسولؐ پہلے اساتذہ حدیث ہیں جن میں سے ایک ایک شمسِ منیر کی بدولت آسمانِ ہدایت پر پُوری تابانی سے چمکا۔ ہر صحابی ہدایت کا روشن ستارہ ہے۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ بعض ستارے تیز روشن ہوتے ہیں اور بعض مدھم۔۔۔ لیکن ہر ستارے سے روشنی ہی ملے گی اندھیرا نہیں اور جہاں ستارہ چمکے گا اندھیرا چھٹے گا اور لوگوں کو رستے ملیں گے وعلٰمٰتٍ وبالنجم ھم یھتدون۔ پ۱۴ النحل ۲۷

مدارس کی ہیئت وصُورت

پہلے دنوں مدارسِ حدیث کے لیے بڑی بڑی بلڈنگیں نہ ہوتی تھیں۔ جہاں کوئی ہدایت کا ستارہ چمکا یا کوئی نامور استاد آیا وہیں طالبینِ حدیث نے حلقہ بنالیا اور یہ حلقہ مستقل مدرسہ کہلایا۔ ان دنوں مدارس بلڈنگوں اور انتظامات سے نہیں اساتذہ کے نام سے پہچانے جاتے تھے بعض جگہ ایک ایک مسجد میں کئی مدرسے لگتے اور ایک ایک میدان میں روایتِ حدیث کے متعدد خیمے نصب ہوتے۔ محدث اُونچی جگہ پر بیٹھتا۔ اور

طالبانِ حدیث اس کے گرد حلقہ بنا لیتے ——— دور دور تک شیخ کی آواز پہنچتی اور اس کے آگے تلامذہ بلند آواز سے اگلوں کے لیے حدیث نقل کرتے چلے جاتے اور دور دور تک حدیث کی تحدیث ہوتی جاتی۔ کہیں غیر عرب تلامذہ ہوتے تو محدث کے ساتھ مترجم بھی آ بیٹھتے اور حدیث پورے اہتمام سے آگے پڑھی جاتی اور پہنچائی جاتی تھی۔

قرنِ اوّل کی ممتاز درسگاہیں

پہلے دور میں بلادِ اسلامی میں پانچ دینی درسگاہیں زیادہ ممتاز ہوئیں۔ ۱۔ مدینہ منورہ۔ ۲۔ مکہ معظمہ۔ ۳۔ کوفہ و بصرہ۔ ۴۔ شام۔ ۵۔ مصر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں علمی پہلو سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ (۳۲ ھ) مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب کوفہ و بصرہ آباد کیے تو ان نو آبادیات میں بہترین عربوں کو بسایا جو قوموں کا حاصل تھے اور ان کی دینی تعلیم کے لیے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو معلم بنایا۔

کوفہ کا مدرسہ حدیث

کوفہ میں آپ نے اپنی مسندِ علمی لگائی۔ آپ کے تلامذہ میں ایسے ایسے جبالِ علم اُبھرے کہ ان سے استفادہ کرنے کے لیے بعض دفعہ اصحابِ رسولؐ بھی حاضر ہوتے۔

پھر حضرت علی المرتضیٰؓ نے اپنے عہدِ خلافت میں کوفہ کو اپنا مرکز بنایا اور اس علاقے کو اور علمی جلا بخشی ——— حضرت امام ابو حنیفہؒ (۱۵۰ ھ) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اسی علمی مسند کے وارث تھے۔ حضرت امام سفیان ثوریؒ (۱۶۱ ھ) بھی اسی سرزمین کے تھے۔ کوفہ اسلامی دنیا میں ایک عظیم مرکزِ علم بن گیا تھا۔ حضرت امام نوویؒ (۶۷۶ ھ) کوفہ کو دارالفضل ومحل الفضلاء[1] کہہ کر ذکر کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگردوں اور شاگردوں کے شاگردوں کی بدولت وہاں سینکڑوں مدارس حدیث قائم ہوئے۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اس کی علمی شان سے متاثر ہو کر فرمایا۔ الکوفۃ قبۃ الاسلام[2]۔ مشہور تابعی قتادہ بن دعامہ (۱۱۸ ھ) کہتے ہیں کوفہ میں پندرہ سو صحابہؓ کا قیام تھا جن میں سے

---

[1] شرح صحیح مسلم للنووی جلد ۱ صد ۱۸۵ [2] مستدرک حاکم جلد ۳ صد ۸۹

چوبیس بدری تھے۔ امام محمد بن سیرین تابعی (۱۱۰ھ) کہتے ہیں جب میں کوفہ پہنچا تو وہاں چار ہزار طلبہ حدیث پڑھ رہے تھے۔[2]

امام مالکؒ کا مدرسہ حدیث

مدینہ منورہ میں سینکڑوں مدارس حدیث قائم تھے۔ مدینہ منورہ کی سب سے ممتاز بڑی درسگاہ حضرت امام مالک (۱۷۹ھ) کی تھی۔ آپ عمل اہل مدینہ کی روشنی میں حدیث پڑھاتے تھے۔ مؤطا امام مالک اس حلقے کی ممتاز علمی دستاویز ہے۔ جس کی سند لینے کے لیے دور دراز سے علماء وہاں آتے۔ حضرت امام محمد (۱۸۹ھ) جیسے جلیل القدر امام جو خود مجتہد تھے مدینہ کے اس مدرسہ حدیث میں گئے اور وہاں امام مالکؒ سے موطا کی سند لی جہاں حضرت امام محمد کی تحقیق حضرت امام مالک کے موافق نہ ہوئی امام محمد نے اسے الحجۃ علی اہل المدینہ کے نام سے مرتب کیا۔ یہ کتاب چار ضخیم جلدوں میں حضرت مولانا مفتی مہدی حسن صاحب سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند کے تحقیقی نوٹوں کے ساتھ چھپ چکی ہے۔ ہاں جس اصول پر سب مجتہد متفق ہوئے وہ حضرت امام مالکؒ کے الفاظ میں یہ ہے:۔

انزل اللہ کتابہ و ترک فیہ موضعاً لسنۃ نبیہ وسن نبیہ السنن و ترک فیہ موضعاً للرای والقیاس۔[3]

ترجمہ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا اور اس میں اپنے نبی کی سنت کے لیے جگہ چھوڑی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سنتیں قائم کیں تو ان میں رائے اور قیاس کی گنجائش چھوڑی۔

اس رائے اور قیاس سے صحابہ کرامؓ اور مجتہدین عظام نے آگے شریعت کی دیگر جزئیات مکمل کیں۔ انہوں نے یہ مسائل ایجاد نہیں محض دریافت کیے ہیں۔ مجتہد احکام کا موجد نہیں ہوتا۔ صرف مظہر ہوتا ہے کہ اس نے اس اصول میں چھپی ایک بات ظاہر کر دی۔

---

[1] کتاب الاسماء والکنیٰ للدولابی ص۱۴۲ جلد اول [2] تدریب الراوی ص۲۷۵
[3] نصب الرایہ للزیلعی جلد ۴ ص۶۴ مصر

شام کا مدرسہ حدیث

شام کے مدارسِ حدیث میں امام اوزاعی (۱۵۷ھ) کی درسگاہ زیادہ معروف ہوئی۔ صحابہ میں حضرت ابوالدرداءؓ (۳۲ھ) اور حضرت امیر معاویہؓ (۶۰ھ) جیسے جبال علم اس علاقہ میں قیام فرمارہے۔ اور ان کی وجہ سے یہ سرزمین علم کا گہوارہ بن گئی۔ مشہور تابعی امام مکحولؒ (۱۱۸ھ) کی قدر و منزلت سے کون واقف نہیں۔ آپ کا علمی میدان یہی سرزمین شام تھی۔ امام اوزاعی آپ کے ہی شاگردِ رشید تھے۔ اہل کوفہ اور اہل مدینہ کے مقابل میں اہل شام حدیث اور اصولِ فقہ کے اپنے مستقل نظریات رکھتے تھے۔ اس علاقے میں چھٹی صدی ہجری تک امام اوزاعیؒ کی تقلید جاری رہی۔ پھر یہ لوگ امام شافعی کے پیرو ہوگئے۔

مصر کا مدرسہ حدیث

صحابہ میں حضرت عبداللہ بن عمروؓ (۶۷ھ) مکثرین حدیث میں سے ہیں۔ اور آپ کی حدیثی خدمات اظہر من الشمس ہیں۔ آپ نے کثرت سے حدیث روایت کی ہے کثرتِ روایت میں آپ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پایہ کے ہیں۔ آپ حضرت عمرو بن عاصؓ فاتحِ مصر کے بیٹے تھے اور اسی تعلق سے یہ زمین آپ کے فیض کا گہوارہ بنی۔ مصر ابتداء میں ہی علم حدیث کا گہوارہ بن چکا تھا۔ تبع تابعین کے عہد میں امام لیث مصری (۱۷۵ھ) یہاں علم کا مرکز تھے۔ مسلمانوں کی سب سے بڑی درسگاہ جامع ازہر اسی ملک میں ہے جو آج بھی اپنی ہزار سالہ روشن تاریخ کے ساتھ قاہرہ میں قائم ہے۔

برسرِ مطلب آمدیم

اس وقت ہمیں عرب ممالک کی موجودہ اور سابقہ درسگاہوں سے بحث نہیں آپ برصغیر پاک و ہند میں رہتے ہیں اور ہم آپ کو اس علاقہ کے مدارسِ حدیث سے متعارف کرانا چاہتے ہیں تاکہ آپ جان سکیں کہ آپ کے گردوپیش علم کی خدمت کہاں کہاں ہوتی رہی ہے یا ہو رہی ہے۔ آپ پہلے یہ جانیں کہ برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث کب آیا۔

علم حدیث ہندوستان میں

الحمد للہ و سلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ۔ امابعد :۔

برصغیر پاک و ہند کو یہ فخر حاصل ہے کہ محدث کبیر حضرت الربیع بن الصبیح (۱۶۰ھ) یہاں تشریف لائے۔ سندھ شروع سے ہندوستان کے لیے اسلام کا دروازہ رہا ہے پہلی صدی ہجری کے آخری حصہ سے لے کر تیسری صدی کے نصف تک سندھ کا تعلق دمشق اور بغداد کی خلافتوں سے رہا ہے۔ پہلے مؤرخین سندھ سے آگے ہند کا آغاز کرتے تھے محمد بن قاسم کا قافلہ پہلے یہیں اترا تھا اور پھر یہیں سے اسلام کے قافلے وسطِ ہند کی طرف چلے تھے۔ فتوح السند والہند سے کون واقف نہیں۔

آپ نے مشہور محدث عبد بن حمید (۲۴۹ھ) کا نام سنا ہوگا۔ حدیث کی مشہور کتاب مسند عبد بن حمید انہی کی تالیف ہے۔ یہ کہاں کے رہنے والے تھے؟ سندھ کے علاقہ کچھ کے ــــ اسے عربی میں کس لکھتے ہیں۔ آپ کچھ میں پیدا ہوئے، پھر حدیث پڑھنے کے لیے عرب پہنچے اور وہاں امام ابوحنیفہؒ (۱۵۰ھ) کے شاگردوں عبد الرزاق بن ہمام (۲۱۱ھ) یزید بن ہارون (۲۱۷ھ) اور علی بن عاصم (۲۰۱ھ) سے حدیث سنی اور ایک عالم ان سے حدیث میں فیضیاب ہوا۔

(نوٹ) بعض علماء نے کچھ کو سمرقند کا قصبہ کش لکھا ہے یہ صحیح نہیں۔ علامہ یاقوت حموی (۶۲۲ھ) لکھتے ہیں :۔

کس (کچھ)، سندھ کا ایک مشہور شہر ہے اس کا ذکر مغازی میں بھی آتا ہے۔ اس شہر سے نسبت رکھنے والوں میں عبد بن حمید بن نصر الکسی صاحب مسند بن حمید بھی ہیں[1]

ہندوستان میں مسلمانوں کی عام آمد مسلم فاتحین کے ساتھ ہوئی۔ پھر صوفیائے کرام

---

[1] معجم البلدان جلد ۷، ص ۲۵۱

نے یہاں کے عوام کو متاثر کیا اور ان کے زیرِ اثر لوگ مسلمان ہوتے گئے۔ علومِ اسلامی میں علم تفسیر اور علمِ فقہ نے یہاں رواج پایا۔ علم حدیث اپنی باضابطہ شکل میں یہاں کچھ بعد میں آیا ہے۔

عرب، عراق اور شام میں بھی ترتیب تقریباً یہی رہی ہے۔ سعید بن جبیر (۹۵ھ) طاؤس (۱۰۵ھ) قاسم بن محمد (۱۰۷ھ) حسن بصری (۱۱۰ھ) عطاء (۱۱۵ھ) اور قتادہ بن دعامہ (۱۱۸ھ) ائمہ تفسیر پہلے ہوئے۔ امام ابوحنیفہ (۱۵۰ھ) امام اوزاعی (۱۵۷ھ) امام مالک (۱۷۹ھ) سفیان ثوری (۱۶۱ھ) امام شافعی (۲۰۴ھ) اور امام احمد (۲۴۱ھ) مجتہدین کرام ان کے بعد آئے اور اربابِ فن حدیث امام بخاری (۲۵۶ھ) امام مسلم (۲۶۱ھ) اور امام ابوداؤد (۲۷۶ھ) کچھ اور بعد میں آئے۔

ہندوستان میں سندھ، گجرات، کشمیر، متحدہ صوبجات اور دہلی کے علما علم حدیث کی طلب میں حجاز پہنچے اور بہت سے بزرگوں سے وطن واپس آکر اس ملک میں حدیث کو فروغ دیا۔ بعض بزرگ بعد میں آئے اور پھر یہیں کے ہو کر رہ گئے۔

برصغیر پاک و ہند کے پہلے محدّثین

سندھ میں علمائے دُیبل فنِ حدیث میں بہت معروف رہے ہیں۔ ابوالحسن علی بن احمد بن محمد تیسری صدی کے نامور محدث یہیں کے تھے۔ علامہ تاج الدین السبکی (۷۷۱ھ) نے طبقاتِ شافعیہ میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ابوجعفر محمد بن ابراہیم دُیبلی (۳۲۲ھ) نے ابوعبداللہ سعید بن عبدالرحمٰن کے واسطے سے سفیان بن عیینہ (۱۹۸ھ) کی کتاب التفسیر اور امام عبداللہ بن مبارک (۱۵۶ھ) کی کتاب کتاب البر والصلہ کی احادیث روایت کی ہیں —— ابراہیم بن محمد دیبلی مکہ مکرمہ کے مشہور محدث محمد بن ابراہیم کے بیٹے تھے۔ بغداد میں حدیث پڑھاتے رہے۔ پھر یہاں آکر اس علم کو فروغ بخشا —— محمد بن حسین بن محمد (۳۴۹ھ) بھی دیبل کے رہنے والے تھے۔ آپ نے شام کو اپنا مسکن بنایا۔ امام ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی آپ کے شاگردوں میں سے تھے۔

حسین بن محمد بن اسد ابوالقاسم دیبلی نے بھی دمشق میں قیام کیا اور امام ابویعلیٰ

موصلی (۳۰۷ھ) سے حدیث سُنی۔ حافظ ابن عساکر نے تاریخ دمشق میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ابو العباس احمد بن عبداللہ (۳۴۳ھ) بھی اسی علاقے کے تھے۔ حاکم صاحبِ مستدرک ان کے شاگرد ہیں۔ سندھ کے علمار کی یہ عظیم حدیثی خدمت ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ حضرات جب اُن ملکوں میں گئے تو بیشتر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

سندھ میں علم حدیث

قرون وسطیٰ کے آخر میں سندھ میں بہت علمی شخصیتیں اُبھریں۔ شیخ عبداللہ بن سعداللہ سندھی، شیخ رحمت اللہ سندھی، طاہر بن یوسف (۱۰۰۴ھ) مولانا عثمان سندھی شارح صحیح البخاری (۱۰۰۸ھ) شیخ عیسیٰ بن قاسم سندھی (۱۰۳۱ھ) سے کون واقف نہیں۔ شیخ ابوالحسن سندھی (۱۱۳۸ھ) وسیع النظر آزاد خیال عالم تھے۔ جن کے حاشیے صحاح ستہ کی تقریباً سب کتابوں پر موجود ہیں۔ شیخ محمد حیات سندھی آپ کے شاگرد تھے۔ شیخ خیرالدین سورتی (۱۲۰۶ھ) نے شیخ محمد حیات سندھی سے حدیث پڑھی اور پھر سورت میں نصف صدی تک حدیث پڑھاتے رہے۔ آپ کے مدرسہ کا نام مدرسہ خیریہ تھا۔

سندھ کے مخدوم عبدالواحد سیہوانی (۱۲۲۴ھ) بڑے عظیم المرتبت محدث تھے۔ آپ کی تالیفات الازہار المتناثرہ فی الاخبار المتواترہ اور الاربعین فی فضل المجاہدین معروف ہیں۔ ٹھٹھہ اور بوبک سندھ کے عظیم علمی مرکز رہے ہیں۔ محدثِ سندھ مولانا محمد طاہر برہانپوری، مولانا محمد عثمان بوبکانی، قاضی عبدالسلام سندھی ان علاقوں کے مشہور علمار میں سے ہیں۔ شیخ رحمت اللہ سندھی کی علمی شان جاننے کے لیے یہی کافی ہے کہ حضرت مُلّا علی قاری جیسے محدث نے ان کی بعض کتابوں کی شرحیں لکھی ہیں۔ وکفیٰ بہ فضلاً وفخراً۔ پیر جھنڈا کا قدیمی کتب خانہ سندھ کے علمی مرکز کی منہ بولتی تصویر ہے۔ یہاں کچھ خاندانی اختلافات ہوئے۔ مگر معلوم نہیں انہوں نے بلا وجہ کیوں مسلکی اختلاف کی شکل اختیار کر لی؟ سندھ کی علمی مرکزیت کا یہ ایک سانحہ ہے۔

حضرت پیر راشداللہ شاہ (صاحبِ علم اول) کے خاندان میں راشداللہ شاہ سجادہ نشین کے

دو بیٹوں ضیاء الدین شاہ اور احسان اللہ شاہ میں باپ کی جانشینی پر اختلاف چلا اکثریت میں پیر ضیاء الدین آگے تھے مگر مریدوں کے پاس آنا جانا احسان اللہ شاہ کا تھا۔ فریقین میں طے پایا کہ اس اختلاف میں دیوبند کا فتویٰ حاصل کیا جائے دیوبند کا فیصلہ ضیاء الدین شاہ کے حق میں ہوا جس پر حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا انور شاہ ؒ کے دستخط تھے احسان اللہ شاہ بگڑ کر دیوبند کے خلاف ہو گیا اور اس کے دو لڑکے محب اللہ اور پیر بدیع الدین غیر مقلد ہو گئے۔ گدی پر پیر وحب اللہ شاہ راشدی ہیں یہ حضرت دیوبندی مسلک کے ہیں۔

پنجاب میں علم حدیث

شیخ محمد اسماعیل محدث لاہوری (۴۴۸ھ) ــــــ بخارا کے سادات عظام میں سے تھے۔ سلطان مسعود غزنوی کے ساتھ (۴۲۵ھ) میں لاہور آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ حضرت علی بن عثمان ہجویری (۴۶۵ھ) لاہور میں فروکش ہوئے۔ شیخ محمد بن حسن الصغانی (۶۵۰ھ) صاحب مشارق الانوار نے بھی لاہور کو وطن بنایا اور مصباح الدجیٰ فی احادیث المصطفیٰ، کشف الحجاب فی احادیث الشہاب اور الرسالہ فی الاحادیث الموضوعہ جیسی کتابیں لکھیں۔ اس علاقے میں حدیث کی خدمت قطب الدین محمد بن علاء الدین (۹۹۵ھ) نے بھی کی۔ مکہ مکرمہ اور مصر گئے اور نور الدین ابو الفتح سے حدیث کی سند لی۔ ابو یوسف محمد یعقوب بنانی لاہوری (۱۰۹۸ھ) نے صحیحین کی شرح الخیر الجاری بشرح صحیح البخاری اور المعلم بشرح صحیح مسلم لکھیں۔ شیخ محمد صدیق لاہوری (۱۱۹۳ھ) کے والد کابل سے پنجاب آئے اور پھر یہیں رہ گئے۔ آپ جامع مسجد وزیر خاں لاہور میں امام تھے اور آپ کے صاحبزادہ شیخ محمد صدیق حدیث پڑھاتے تھے۔ ان دنوں حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا دہلی میں درس جاری تھا۔

پنجاب میں علم حدیث کی یہ خدمت متفرق قسم کی تھی۔ ابھی اس نے یہاں باضابطہ تدریس کی شکل اختیار نہ کی تھی۔ ہندوستان میں جو علاقہ سب سے پہلے حدیث کا مرکز بنا۔ وہ گجرات ہے۔ یہاں کے علماء جس کثرت سے حجاز پہنچے اور پھر جس ولولے سے انہوں نے اپنے ہاں علم حدیث کا چرچا کیا اس کی مثال نہیں ملتی۔ ان کے بعد دہلی کا نام ہے۔ یہاں حدیث کی مرکزیت قائم ہوئی۔ اور پھر دہلی سارے ہندوستان کا مرکز بن گیا۔

گجرات میں علمِ حدیث

گجرات کے علاقہ احمد آباد کے ایک عالم راجح بن داؤد (۹۰۴ھ) حرمین پہنچے۔ اور حافظ شمس الدین سخاوی سے حدیث کی سند حاصل کی۔ ان کی تین روایات عشاریات (حضورؐ تک دس واسطوں سے پہنچنے کی سند) میں سے ہیں۔ جن میں سے ایک حضرت امام ابو حنیفہؒ کے واسطہ سے مروی ہے۔ حافظ سخاوی نے الضوء اللامع میں راجح بن داؤد کو شیخ فاضل اور بارع کامل کے الفاظ میں[۱] ذکر کیا ہے۔ گجرات میں اس سے پہلے (۸۵۱ھ) کا لکھا ہوا صحیح بخاری کا ایک نسخہ ملا ہے جو کسی گجراتی عالم کے ہاتھ کا لکھا ہے۔ مکہ کے شیخ ابو القاسم بن احمد جب گجرات آئے تو اپنے ساتھ فتح الباری کا ایک قلمی نسخہ بھی لائے تھے۔ شیخ علی المتقی (۹۷۵ھ) گجرات سے حجاز گئے اور حافظ سخاوی سے حدیث کی سند حاصل کی۔

شیخ محمد بن طاہر (۹۸۶ھ) صاحب مجمع البحار گجرات کے نامور عالم ہیں۔ آپ حجاز سے ہی حدیث پڑھ کر آئے تھے۔ آپ کی لغاتِ حدیث کی کتاب مجمع البحار بڑی ضخیم کتاب ہے اور اپنی مثال آپ ہے۔ آپ کے گجرات واپس آنے سے یہاں علم حدیث کو بہت فروغ ہوا۔ آپ کے عہد میں یہاں علم حدیث کا بہت چرچا تھا اور صحیح بخاری، صحیح مسلم اور مؤطا بڑے اہتمام سے پڑھی جاتی تھیں۔ شیخ عبدالقادر الحضرمی الگجراتی نے النور السافر ۹۰۴ھ کے وقائع میں لکھا ہے کہ امیر صالح الغ خاں کے ہاں ۲۷ رجب کو ختم بخاری بڑے اہتمام سے ہوتا ہے اور امیر کی طرف سے اس کے لیے ایک بڑی دعوت کا انتظام کیا جاتا ہے۔ یہ صورتحال بتاتی ہے کہ علم حدیث اس علاقے میں اس سے بہت پہلے متعارف ہو چکا تھا۔ علاقہ گجرات میں جو علماء باہر سے آئے اور یہاں درسِ حدیث دیتے رہے ان میں شیخ احمد بن محمد النہروانی (۹۴۹ھ) اور شیخ احمد بن بدرالدین مصری (۹۹۲ھ) مشہور ہیں۔ شیخ احمد بن بدرالدین شیخ الاسلام زکریا انصاری کے شاگرد تھے اور انہوں نے حافظ ابن حجر عسقلانی (۸۵۲ھ) سے حدیث کی سند لی تھی۔

علم حدیث وسط ہند میں

نواب صدیق حسن خاں صاحب ہندوستان میں علم حدیث کا آغاز شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۵۲ھ) شارح مشکوٰۃ سے کرتے ہیں۔ آپ نے حجاز میں شیخ ——— علی المتقی صاحب کنزالعمال سے حدیث پڑھی تھی۔ آپ کی علمی شہرت نے آپکو سارے ہندوستان کا مرکز بنا دیا تھا۔ یہاں تک کہ گجرات سے بھی علماء ان کے پاس پہنچتے اور حدیث کی سند لیتے تھے۔ شیخ احمد بن سلیمان گجراتی بھی دہلی آئے اور حضرت الشیخ سے اس کی سند لی۔ شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے پوتے شیخ نورالحق (۱۰۷۳ھ) نے صحیح بخاری کی شرح فارسی میں لکھی جو علماء میں بہت مقبول اور متداول ہے۔

ان حضرات کے بعد دہلی کی یہ نہضت علمی حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خاندان میں منتقل ہوئی۔ آپ کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم جو فتاوےٰ عالمگیری کی تدوین میں اورنگ زیب عالمگیر کے ساتھ کام کر چکے تھے۔ دہلی کے مدرسہ رحیمیہ کے بانی تھے۔ آپ کے بعد آپ کے بیٹے حضرت شاہ ولی اللہ اس مسند کے وارث ہوئے۔ حضرت شاہ صاحب نے حجاز کا سفر کیا اور شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم سے دوبارہ حدیث پڑھی حضرت شاہ ولی اللہ کے بعد آپ کے بیٹے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سریر آرائے مسند حدیث ہوئے۔ آپ کی علمی سلطنت مصر و شام اور بلخ و بخارا تک پھیلی ہوئی تھی۔ آپ کے بعد آپ کے نواسے حضرت شاہ محمد اسحٰق یہاں درس و افتاء کا مرجع بنے۔ یہ مسند حدیث اس وقت تک سارے ہندوستان کا علمی مرکز تھی۔ گنگوہ سے شیخ عبدالغنی حدیث پڑھنے حجاز گئے اور واپس آکر یہاں علم حدیث کی خدمت کی۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہی بھی اپنے وقت میں مرجع خلائق بنے۔ اور آخری دور میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی گنگوہ میں دورۂ حدیث پڑھاتے رہے۔ ان کے بعد دارالعلوم دیوبند اور مظاہرالعلوم سہارنپور جیسے ادارے عالم وجود میں آئے اور ان سے ایک عالم سیراب ہوا۔

ہندوستان کے مدارس حدیث

علاقہ گجرات کاٹھیاواڑ

پرانے دور میں ان مدارس کی علمی خدمات کا بہت چرچا تھا:۔

۱۔ مدرسہ سرخیز اس کے بانی شیخ احمد کتو تھے۔ ۱۹۲۱ء تک اس مدرسہ کے آثار باقی رہے۔

۲۔ مدرسہ شمع برھانی۔ شیخ محمد عثمان برہانی (۸۶۳ھ) ـــــ الملقب بہ شمع برہانی اس کے بانی تھے۔ اس میں حدیث بھی پڑھائی جاتی تھی۔

۳۔ مدرسہ شیخ محمد طاہر (۹۸۲ھ)

۴۔ مدرسہ علویہ عالیہ احمد آباد۔

۵۔ مدرسہ شیخ وجیہ الدین علوی (۹۹۸ھ) شارح شرح نخبۃ الفکر۔

۶۔ مدرسہ فیض صفا سلطان عالمگیر۔

۷۔ مدرسہ صدر جہاں احمد آباد۔

۸۔ مدرسہ عالیہ کاٹھیاواڑ۔

۹۔ مدرسہ ہدایت بخش ۱۱۰۹ھ میں بنا۔ شیخ الاسلام اکرام الدین اس کے ناظم تھے۔ علامہ سید مرتضیٰ زبیدی (۱۲۰۵ھ) شارح احیاء العلوم اسی مدرسہ میں ٹھہرتے اور درس دیتے تھے۔

۱۰۔ مدرسہ لاجپور سورت۔ یہ شیخ سلیمان بن عبدالاحد نے بنایا تھا۔ انگریزوں نے ۱۲۸۹ھ میں اس پر قبضہ کرلیا اور آہستہ آہستہ اسے بند کر دیا۔ مولانا محمد حسن سملکی بانی جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اسی مدرسہ کے پڑھے ہوئے تھے۔

عہد جدید میں اس علاقے کے جو مدارس طلبہ حدیث کا مرجع ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ معروف یہ ہیں:۔

۱ـــــ دارالعلوم اشرفیہ راندھیر۔ ۱۲۸۱ھ میں قائم ہوا۔ حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی اور حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری کے ارشاد پر حاجی اسماعیل اشرف راندھیری نے اسے

قائم کیا تھا۔ حضرت مولانا احمد علی کے شاگرد شیخ برکت اللہ اس کے پہلے صدر مدرس تھے اور پہلے مہتمم قاضی رحمت اللہ (۱۳۴۲ھ) تھے۔ پھر شیخ محمد اشرف راندھیری جو حضرت مولانا محمد انور شاہ صاحبؒ کے شاگرد تھے اس کے مہتمم ہوئے۔ آج کل مولانا محمد رضا اجمیری اس کے شیخ الحدیث ہیں۔

۲۔۔۔ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل۔ یہ عظیم اسلامی درسگاہ (۱۳۲۲ھ) میں قائم ہوئی۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد شیخ احمد بزرگ اس کے پہلے مہتمم ہوئے۔ آپ نے اہتمام چھوڑا تو مفتی نسیم اللہ صاحب اس کے مہتمم بنے جو ۱۳۷۱ھ تک اس منصب پر فائز رہے۔ ۱۳۷۹ھ سے اس کا اہتمام جناب احمد بزرگ کے صاحبزادے حضرت مولانا محمد سعید صاحب کے پاس ہے اس درسگاہ کی تاریخی عظمت اور علمی سطوت کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ رئیس المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانی، حضرت الشیخ عبدالرحمٰن امروہی، محدث کبیر حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی، شیخ الاسلام حضرت مولانا شمس الحق افغانی، محدث کبیر حضرت مولانا ظفر احمد عثمانی، محدث العصر مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی جیسے جہابذہ علم اس میں درسِ حدیث دیتے رہے ہیں۔

ان دنوں شیخ الحدیث حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے شاگرد مولانا محمد ایوب ہیں ۱۹۷۵ء میں شیخ الازہر شیخ عبدالحلیم محمود بھی یہاں تشریف لائے تھے۔

۳۔ جامعہ حسینیہ راندھیر۔ ۱۳۲۵ھ میں قائم ہوا۔ شیخ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوری نے سنگ بنیاد رکھا۔ ان دنوں مہتمم حافظ اسماعیل بن احمد راندھیری اور شیخ الحدیث حضرت مولانا احمد اللہ ہیں۔ آپ کئی دفعہ انگلستان کے تبلیغی دوروں پر بھی تشریف لے گئے ہیں۔ آپ شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی کے شاگرد ہیں۔

۴۔۔۔ فلاح الدارین ترکیسر۔ ترکیسر سورت سے تقریباً چالیس کلومیٹر کے فاصلے پر ہے دینی فکر رکھنے والے حاجی غلام احمد راوت شیخ آدم پٹیل، حاجی یوسف راوت، حاجی موسیٰ راوت کی محنتوں سے یہ درسگاہ قائم ہوئی۔ مفتی احمد بن ابراہیم بیمات آج کل یہاں صدر مدرس ہیں۔

۵۔۔۔ دارالعلوم بھڑوچ کنتھاریہ۔ سنگِ بنیاد شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی

نے رکھا۔ پہلے مدیر شیخ آدم منوبری تھے۔ جو ۱۹۷۷ء تک اس منصب پر فائز رہے۔ پھر یہ ذمہ داری جناب علی بن یوسف پر آئی۔ آج کل مولانا اسماعیل منوبری (جو پہلے انگلستان رہے) اس کے مدیر ہیں اور مولانا یعقوب بن اسماعیل سامرودی صدر مدرس ہیں۔

۶۔۔۔ دارالعلوم ماٹلی والا۔ جنوبی افریقہ کے جناب حاجی موسیٰ ماٹلی والا اس کے سرپرست ہیں۔ شیخ ابوالحسن بہاری صدر مدرس ہیں۔ ہندوستان کے مشہور خطیب اور مناظر اسلام حضرت مولانا عبدالحنان صاحب اسی مدرسہ میں درس حدیث دیتے ہیں۔

۷۔۔۔ دارالعلوم بڑودہ۔ مولوی ولی احمد کاوی اس کے مدیر ہیں اور شیخ الحدیث مولانا احمد رویدی ہیں۔

۸۔۔۔ جامعہ اسلامیہ آنند ضلع کیرا۔ یہ جامعہ احمد آباد سے ۵۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے پہلے یہ مدرسہ تارا پور میں تھا۔ شیخ غلام نبی تاراپوری اس کے بانی ہیں۔ آج کل صدر مدرس مولانا ابراہیم پالنپوری ہیں۔

۹۔۔۔ دارالعلوم چھاپی۔ شمالی گجرات کی درسگاہ بہت قدیم ہے۔ پہلے اس کا نام مدرسہ کنز المرغوب تھا۔ آج کل پٹنہ کے شیخ محمد سعید اس کے ناظم ہیں۔

۱۰۔۔۔ مدرسہ عربیہ اسلامیہ (دوالی)۔ ان دنوں اس کے صدر مدرس شیخ فضل الرحمٰن صاحب پشاوری ہیں۔

(نوٹ ۱) بچیوں کی دینی تعلیم کے لیے علاقہ گجرات میں مدرسۃ البنات (سیملک) اور مدرسہ حیات الصالحات (راندھیر) خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ کئی اور مقامات پر بھی بچیوں کی درسگاہیں قائم کی جارہی ہیں۔

(نوٹ ۲) اس علاقہ میں مولانا احمد بن محمد سامرودی (۱۳۱۵ھ) سے "اہلحدیث" مکتبِ فکر قائم ہوا۔ آپ دہلی گئے اور مولانا نذیر حسین صاحب سے حدیث پڑھی۔ آپ کے بعد مولانا محمد جلیل سامرودی اس مسلک کا مرکز بنے۔ مولانا رحمت اللہ لاجپوری نے بھوپال جاکر حسین بن محسن یمانی سے حدیث پڑھی۔

دہلی کے مدارس حدیث

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی (۱۰۲۵ھ) سے دہلی میں علم حدیث کا چرچا ہوا۔ ہندوستان کے طلبہ مختلف اطراف سے یہاں آتے اور حدیث کا درس لیتے تھے۔ شیخ سلیمان ابو احمد الکردی یہیں سے پڑھ کر گجرات گئے تھے۔ ان کے بعد دہلی میں دورۂ حدیث کی باقاعدہ شکل مدرسہ رحیمیہ سے شروع ہوئی۔ اس کے مدیر حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے والد حضرت شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ تھے۔ حضرت شاہ ولی اللہ اپنے والد سے تکمیل علوم کے بعد ۱۱۴۳ھ میں حجاز پہنچے اور شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم سے حدیث کی سند لی۔

مدرسہ رحیمیہ کی علمی سلطنت بلخ اور بخارا اور مصر و شام تک پہنچی۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۷۶ھ) حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (۱۲۳۹ھ) حضرت شاہ محمد اسحٰق محدث دہلوی ۱۸۴۶ء یکے بعد دیگرے اس کے مسند نشین رہے۔

ان مسند نشینوں کے پہلو بہ پہلو جنہوں نے حدیث وتفسیر کی خدمات سرانجام دیں ان میں حضرت شاہ عبدالقادر محدث دہلوی (۱۲۳۰ھ) حضرت شاہ رفیع الدین محدث دہلوی (۱۲۳۳ھ) حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی (۱۲۲۵ھ) شاہ اسماعیل شہید (۱۲۴۶ھ) شاہ عبدالغنی مجددی اور مولانا مملوک علی سرفہرست ہیں۔

دہلی میں انگریزی تسلط کے باعث اس مدرسہ پر بھی تاخت وتاراج ہوئی۔ یہاں مولانا نذیر حسین دہلوی صاحب کو مسند نشین بنا دیا گیا۔ مولانا نذیر حسین صاحب کا مسلک حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کے مسلک سے کچھ مختلف تھا۔ لیکن دور دراز کے طلبہ اس سے واقف نہ تھے۔ وہ پچھلی شہرت کی بناء پر برابر اس مدرسہ کی طرف کھچے آتے رہے۔ مولانا نذیر حسین کے کثرتِ تلامذہ کی وجہ ان کی شخصیت نہیں مدرسہ رحیمیہ کی مرکزی شہرت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کے تلامذہ میں ہر مسلک کے لوگ نظر آتے ہیں۔ مولانا نذیر حسین صاحب نے خود بھی حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب سے حدیث پوری نہ پڑھی تھی۔ اطراف سنا کر سند لے لی تھی۔

حکومت اب اس مدرسہ سے کسی درجہ میں خائف نہ تھی۔ بلکہ اس مدرسہ میں جو

فکری نزاع اور فقہی اختلاف راہ پا رہے تھے۔ انگریز حکومت کے لیے حوصلہ افزا تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ مسلمان جس قدر فرقوں میں تقسیم ہوں گے اتنا ہی ان کا اقتدار طویل ہو گا۔

مولانا امیر علی بن معظم علی (۱۳۳۷ھ) صاحب مواہب الرحمٰن و عین الہدایہ و مترجم فتاویٰ عالمگیری، مولانا فاروق احمد چڑیا کوٹی مولانا نذیر حسین صاحب کے خاص تلامذہ میں سے ہیں۔ آپ نے ان کتابوں کے ترجمے عربی دان ہونے کی وجہ سے کیے ہیں حنفی ہو کر نہیں۔

حضرت مولانا وحید الزمان (۱۳۳۸ھ) کا ترجمہ شرح وقایہ کتنا مقبول ہے۔ مگر مسلکاً آپ غیر مقلد تھے اور میلان شیعیت کی طرف تھا معلوم نہیں جماعت اہلحدیث انہیں اپنے بزرگوں میں سے کیوں سمجھتی ہے

دہلی کی اس مرکزی درسگاہ میں یہ انقلاب آیا تو حضرت شاہ عبد الغنی مجددی اور مولانا مملوک علی کے تلامذہ دوسرے شہروں کی طرف رُخ کرنے لگے۔ اکابر اب نئے مدارس قائم کرنے کی تلاش میں نکلے۔ یہاں تک کہ دار العلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور، مدرسہ شاہی مراد آباد، مفتاح العلوم مظفر نگر جیسی درسگاہیں قائم ہوئیں۔ لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دہلی ان کی توجہ کا برابر مرکز رہا۔ دہلی کی مرکزی درسگاہ مدرسہ رحیمیہ گو حکومت کے تسلط میں چلی گئی تھی لیکن ان حضرات نے دہلی کے دوسرے علاقوں میں حدیث کی نئی درسگاہیں قائم کر لیں اور کچھ پچھلی درسگاہوں کو اور آباد کیا اور اس طرح اسی علاقہ کی ذمہ داری پوری طرح سنبھال لی۔ دہلی کے ان مدارس حدیث میں زیادہ مشہور یہ درسگاہیں ہوئیں۔

۱۔ مدرسہ امینیہ۔ اس مدرسہ کی علمی عظمت کے لیے یہ جاننا کافی ہے کہ مفتی اقلیم ہند حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ دہلوی سالہا سال اس مدرسہ کے شیخ الحدیث رہے اور دار العلوم دیوبند کے بعد یہ درسگاہ ہے جو سالہا سال مرجع طلبہ و علماء بنی رہی۔ مولانا انور شاہ صاحب بھی یہاں پڑھاتے رہے ہیں۔

۲۔ مدرسہ جامع مسجد فتح پوری۔ دیوبند کے مشہور محدث مولانا شبیر احمد عثمانی اس مدرسہ کے شیخ الحدیث رہے۔ بعد میں آپ دیوبند اور ڈابھیل تشریف لے گئے۔ مدرسہ مسلک دیوبند کے مطابق تھا۔ مگر جامع مسجد فتح پوری کا نظم ان کے ہاتھ میں نہ تھا۔

۳۔ مدرسہ عبد الرب دہلی۔ ہندوستان کے نامور عالم مولانا عبد العلی یہیں پڑھاتے تھے۔

یوپی کے مشہور مدارس حدیث ہندوستان کی سب سے بڑی دینی درسگاہ دارالعلوم دیوبند اسی صوبہ میں ہے گولڑہ کے مولانا فیض احمد حضرت پیر مہر علی صاحب کے تذکرہ میں لکھتے ہیں۔

> ۱۲۹۰ھ میں ہندوستان تشریف لے گئے ان دنوں وہاں لکھنؤ۔ دیوبند۔ رام پور کانپور۔ علی گڑھ۔ دہلی اور سہارنپور میں بڑے بڑے علمی مراکز قائم تھے لکھنؤ میں مولانا عبدالحی متوفی ۱۳۰۴ھ مرجع خلائق تھے جن کی ذات محتاج تعارف نہیں دیوبند میں مدرسہ کا افتتاح ۱۲۸۳ میں ہو چکا تھا اور مولوی محمد قاسم صاحب نانوتوی کی سرپرستی میں یہ مدرسہ کافی ترقی کر رہا تھا ان ایام میں وہاں مولوی محمد یعقوب صاحب نانوتوی خلف مولوی مملوک علی صاحب مدرس اعلیٰ تھے جو اجمیر شریف میں بھی مدرس رہ چکے تھے . . . . رام پور میں مولانا فضل حق خیر آبادی کے فرزند مولانا عبدالحق مدرسہ عالیہ نواب صاحب کے پرنسپل تھے [۱]

مولنا محمد یعقوب صاحب نانوتوی پہلے اجمیر شریف مدرس اعلیٰ رہے پھر دیوبند۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دنوں اجمیر شریف اور دیوبند میں کوئی مسلکی بُعد نہ تھا دونوں اہل سنۃ والجماعۃ کی دینی درسگاہیں سمجھی جاتی تھیں مولانا محمد یعقوب صاحب کے دیوبند آنے کے بعد اجمیر میں مولانا معین الدین صاحب صدر مدرس ہوئے یہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے مولانا احمد رضا خاں صاحب کے خلاف تجلیات انوار المعین نامی کتاب لکھی اور ان کے شوق تکفیر کی سخت مخالفت کی ہے۔

بریلی کا مدرسہ مصباح العلوم ۱۲۸۹ھ میں قائم ہوا اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی نے دیوبند سے آکر اس کا افتتاح کیا مولانا احمد رضا خاں کا مدرسہ اس کے تقریباً نصف صدی بعد بنا اس کا پہلا سالانہ جلسہ ۱۳۲۹ میں ہوا۔ مظاہر العلوم سہارنپور مدرسہ شاہی مراد آباد اپنے اپنے درس حدیث میں پورے ہندوستان کا مرکز تھے۔

لکھنؤ کے مشہور مدارس

حضرت مولانا عبدالحی لکھنوی کی ذات محتاج تعارف نہیں مدرسہ عالیہ فرنگی محل پورے ہندوستان کا علمی مرکز تھا ہندوستان کی عظیم دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ بھی یہیں

---

[۱] مہر منیر صہ ۷۳

ہے مولانا شبلی اور حضرت علامہ سید سلیمان ندوی کا مرکز علم بھی ندوہ ہے حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رح کا عظیم علمی مرکز بھی یہیں تھا جس کی عالمی شہرت تھی اور دوسرے ممالک کے علما بھی یہاں کھچے چلے آتے تھے۔

بنگال کے مدارس حدیث

۱۔ جامعہ امدادیہ کشور گنج۔ حضرت مولنا اطہر علی رح خلیفہ حضرت تھانوی رح کا قائم کردہ ہے اب اس کے نائب مہتمم مولنا عطاء الرحمن خاں ہیں جو بنگلہ دیش کی مدارس عربیہ کی تنظیم وفاق المدارس العربیہ بنگلہ دیش کے ناظم عمومی بھی ہیں۔

۲۔ مدرسہ نوریہ اشرف آباد ڈھاکہ۔ اس کے مہتمم مولانا عظیم الدین ہیں۔

۳۔ جامعہ محمدیہ، محمد پور ڈھاکہ۔ مہتمم مولنا عزیز الحق اور مفتی اور نائب صدر کے طور پر مولانا منصور الحق کام کر رہے ہیں۔

۴۔ مدرسہ اسلامیہ بدلکورٹ نواکھلی۔ مولانا حبیب اللہ مصباح اس کے مہتمم ہیں۔

۵۔ جامعہ قرآنیہ لال باغ ڈھاکہ۔ قائم کردہ مجاہد اعظم مولانا شمس الحق فرید پوری۔

۶۔ جامعہ کمرنگیرچر (ڈھاکہ) تحریک خلافت کے قائد مولنا محمد اللہ حافظجی کا قائم کردہ ہے۔

۷۔ جامعہ اشرف العلوم بڑا کٹرہ ڈھاکہ۔

۸۔ دارالعلوم اعزازیہ جسر (حضرت مولنا شاہ ابوالحسن خلیفہ مفتی عزیز الحق صاحب)

۹۔ دارالعلوم اسلامیہ پورشا (راجشاہی)

۱۰۔ دارالعلوم خادم الاسلام گوہر ڈانگہ گوپال گنج فرید پور۔ باہتمام مولانا عبدالمنان (قائم کردہ شاہ مولانا عبدالوہاب)

۱۱۔ جامعہ مدنیہ اسلامیہ قاضی بازار سلہٹ، بنگلہ دیش، مولانا حبیب الرحمن رئیس جامعہ ہیں۔

۱۲۔ مدرسہ نوریہ اشرف آباد (ڈھاکہ) مولانا عظیم الدین۔

۱۳۔ دارالعلوم معین الاسلام جامعہ اہلیہ ہاٹہزاری صاتغام (چٹاگانگ) حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی بھی کچھ عرصہ یہاں صدر مدرس رہے ہیں اس کے سرپرست حضرت تھانوی تھے اب صدر حضرت علامہ احمد شفیع خلیفہ حضرت مدنی رح ہیں اسے اس علاقہ کا دیوبند سمجھا جاتا ہے

۱۴۔ الجامعہ الاسلامیہ (ضمیریہ قاسم العلوم) پٹیہ صاتغام قطب الارشاد حضرت مولانا گنگوہی رح کے
خلیفہ مولانا ضمیر الدین نے اسے قائم کیا اس کے صدر شیخ المشائخ مولانا محمد یونس ہیں۔

۱۵۔ جامعہ عربیہ اسلامیہ جیری صاتغام۔ زبدۃ الفقہا مفتی نور الحق صاحب جو اس علاقے میں
ختم نبوت کا کام بھی کر رہے ہیں اس کے صدر ہیں

۱۶۔ الجامعہ قاسم العلوم چاریہ ہاٹھزاری صاتغام۔ اسے محدث العصر مولانا سعید احمد نے قائم کیا
تھا آپ دار العلوم دیوبند کی مجلس شوریٰ کے بھی رکن تھے اس مدرسہ کے مہتمم اب آپ کے
صاحبزادہ عزیز احمد ہیں۔

۱۷۔ جامعہ عزیز العلوم بابو نگر فنکچاری صاتغام۔ اس کے رئیس زبدۃ العارفین مولانا محمد ہارون تھے

۱۸۔ جامعہ اسلامیہ عبیدیہ ناتوں پور چاٹگانگ عظیم روحانی شخصیت شیخ سلطان احمد اس کے مہتمم
ہیں یہ مدرسہ مرجع خواص وعوام رہا ہے۔ اور ہے

۱۹۔ جامعہ اسلامیہ مظاہر العلوم چکتائی صاتغام، حضرت تھانوی رح کے متوسلین میں سے مولانا اسمٰعیل
اس کے روح رواں ہیں۔

۲۰۔ جامعہ اسلامیہ ناظرہاٹ فنکچری صاتغام (مولانا شاہ نور احمد)

۲۱۔ جامعہ دار السنہ ٹھیلا گکسبازار صاتغام بانی حضرت گنگوہی رح کے خلیفہ زبدۃ العارفین قاری
ابراہیم تھے اب مہتمم مولانا منظور احمد ہیں۔

۲۲۔ جامعہ اسلامیہ اوجانی (چاند پور) ۲۳۔ مدرسہ عزیزیہ امداد العلوم راؤجان چاٹگام

۲۴۔ جامعہ نور العلوم فینی نواکھلی ۲۵۔ مدرسہ فیضیہ عیسیٰ پور (مولانا عبدالرحمٰن)

۱۳۔ مدرسہ فریدیہ ــــ حضرت تھانوی رح کے خلیفہ ارشد اس کے بانی تھے۔

پاکستان کے مدارس حدیث

بلوچستان میں

۱۔ جامعہ عربیہ مطلع العلوم (رجسٹرڈ) بروری روڈ کوئٹہ۔

مولانا عرض محمد تلمیذ حدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی وخلیفہ مجاز شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اس کے بانی ہیں آپ کی وفات (۱۹۷۱) کے بعد مولانا عبدالواحد اس کے مہتمم ہوئے ۱۹۴۰ سے یہاں دورہ حدیث ہو رہا ہے حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری کے شاگرد مولانا محمد سعید شیخ الحدیث ہیں مدرسہ وفاق سے ملحق ہے

۲۔ مدرسہ مظہر العلوم شالدرہ کوئٹہ

۱۹۴۳ میں قائم ہوا مولانا عبدالغفور صاحب شاگرد حضرت مدنی رح اس کے بانی مہتمم اور پہلے شیخ الحدیث ہیں اب مولانا عبداللہ اجمیری شیخ الحدیث کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں

۳۔ مدرسہ مفتاح العلوم سیٹلائیٹ کوئٹہ شہر۔

وفاق سے ملحق ہے۔ مولانا عبدالباقی اس کے مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔

۴۔ جامعہ رحیمیہ کوئٹہ

حاجی محمد رحیم رئیس اعظم کوئٹہ اس کے بانی ہیں مطلع العلوم کے پرانے فاضل مولانا عبدالستار شاہ اس کے مہتمم اور شیخ الحدیث کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔

۵۔ مدرسہ تجوید القرآن کوئٹہ

قاری غلام نبی اس کے بانی ہیں حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی نے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ اب حضرت مدنی رح کے شاگرد قاری مہر اللہ اس کے مہتمم ہیں اب یہاں حدیث کا درس بھی شروع کر دیا گیا ہے قاضی عبدالقادر صاحب شیخ الحدیث ہیں۔

۶۔ مدرسہ بحر العلوم منہ (زیارت)

اس کے بانی مولانا جان محمد ہیں اور شیخ الحدیث ———— ہیں

۷۔ جامعہ انوار العلوم کواس (زیارت)

اس کے بانی مولانا نیاز محمد فاضل قاسم العلوم ملتان ہیں۔ ۱۹۷۰ سے دورہ حدیث

شروع ہے آپ ہی اس کے مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ وفاق سے ملحق ہے جامعہ کے بورڈ پر لکھا ہے یادگار حضرت شیخ لاہوری رحؒ

۸ ـــ دارالعلوم الاسلامیہ (نورا لائی) اس علاقے کی یہ مرکزی درسگاہ ہے۔

۹ ـــ مدرسہ مفتاح العلوم پنجگور (مکران)

حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحؒ کے تلمیذ خاص مولانا رحمت اللہ اس کے بانی مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی کئی مدارس بلوچستان میں دین کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں۔

سندھ میں

۱ ـــ جامعۃ العلوم الاسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی ۵

محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری شارح ترمذی شریف نے اسے قائم کیا آپ اس کے پہلے شیخ الحدیث ہیں آپ کے بعد حضرت مولانا مفتی ولی حسن صاحب اس کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن صاحب (جو حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمبلپوری سابق صدر مدرس مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے صاحبزادے ہیں) اس کے مہتمم مقرر ہوئے نائب مہتمم ڈاکٹر حبیب اللہ مختار ہیں جو امام ترمذی کے موضوع خاص وفی الباب پر تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ محدث شہیر حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی شاگرد خاص حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری بھی یہاں کے مشہور استاد حدیث ہیں جو تیس سال سے یہاں کام کر رہے ہیں۔

۲ ـــ دارالعلوم کراچی

فقیہ العصر مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع مؤلف تفسیر معارف القرآن اس کے بانی ہیں حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب لدھیانوی سالہا سال یہاں شیخ الحدیث رہے حضرت مرحوم کے صاحبزادگان مفتی محمد رفیع عثمانی اور جسٹس مولانا تقی عثمانی کی علمی شخصیات اور مساعی جمیلہ سے دارالعلوم بہت ترقی پر ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا سبحان محمود حدیث میں ممتاز علمی شہرت رکھتے ہیں۔ دارالعلوم کی وسیع لائبریری ہے مستقل دارالتالیف ہے ماہنامہ البلاغ اس کا علمی آرگن ہے

۳ — جامعہ فاروقیہ کراچی

شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خاں صدر وفاق المدارس العربیہ جو حضرت مولانا مسیح اللہ خاں خلیفہ ارشد حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی کے زیر اہتمام — منظفر نگر میں سالہا سال درس حدیث دیتے رہے ہیں اس کے مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ جامعہ کی عظمت اور خدمت کے لیے حضرت کا نام نامی کافی ضمانت ہے مدرسہ نہایت عالی شان دار الاقامہ عظیم جامع مسجد اور اعلیٰ دفتری نظام سے ممتاز ہے

۴ — انوار القرآن آدم ٹاؤن نارتھ کراچی

حافظ الحدیث حضرت مولانا عبد اللہ درخواستی نے اسے ۱۹۷۵ء میں قائم کیا مولانا فدا الرحمٰن درخواستی اس کے مہتمم ہیں مولانا انیس الرحمٰن درخواستی اس کے پہلے استاد حدیث ہیں اب دورہ حدیث بھی شروع کر دیا گیا ہے۔

۵ — انوار العلوم کراچی

مولانا محمد زکریا فاضل دیوبند امبر سندھ صوبائی اسمبلی اس کے مہتمم ہیں مدرسہ کی عظیم جامع مسجد وسیع عمارات عمدہ نظام تعلیم اور طلبہ کی کثرت سے پورے سندھ میں مشہور ہے۔

۶ — مدرسہ مفتاح العلوم حیدر آباد

شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد الرؤف سندھ کی مشہور علمی شخصیت اس کی روح رواں ہیں۔ حضرت مولانا عبد الحق ناظم اعلیٰ ہیں۔ یہ مدرسہ پورے حیدر آباد کا علمی مرکز سمجھا جاتا ہے۔

سرحد میں

۱ — جامعہ امداد العلوم پشاور۔ حضرت مولانا فقیر محمد خلیفہ حضرت تھانوی کے صاحبزادے مولانا عبد الرحمٰن اس کے مہتمم ہیں حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کی روحانی سرپرستی میں یہ مدرسہ بہت کام کر رہا ہے۔

۲ — دار العلوم سرحد مولانا محمد ایوب بنوری اس کے مہتمم اور شیخ الحدیث ہیں۔ سرحد کا مرکزی مدرسہ ہے

۳ — جامعہ اشرفیہ پشاور مولانا محمد یوسف قریشی اس کے مہتمم ہیں حضرت مولانا عبد الرحمٰن (لاہور) اسکے سرپرست ہیں۔

۴ — مدرسہ ہادیہ نوبہار کالونی پشاور میں ہے۔

۵ — دار العلوم نعمانیہ ڈیرہ اسماعیل خاں مولانا علاء الدین اس کے مہتمم اور شیخ الحدیث مولانا احمد حسین ہیں۔

۶۔ دارالعلوم نجم المدارس کلاچی (ڈیرہ) پاکستان کی مشہور علمی شخصیت مولانا قاضی عبدالکریم اس کے مہتمم ہیں۔ قاضی عبداللطیف ممبر پاکستان سینٹ آپکے بھائی ہیں۔

۷۔ معراج العلوم بنوں حضرت مولانا صدرالشہید سابق ممبر قومی اسمبلی پاکستان اس کے شیخ الحدیث اور مہتمم ہیں۔

۸۔ دارالعلوم الاسلامیہ لکی مروت مولانا فضل اللہ امیر تنظیم اہل سنت صوبہ سرحد اس کے مہتمم ہیں

۹۔ دارالعلوم شیر گڑھ ضلع مردان۔ ۱۰۔ دارالعلوم رستم ضلع مردان ۱۱۔ مدرسہ تحفظ القرآن مردان

۱۲۔ دارالعلوم الاسلامیہ اضاخیل تحصیل نوشہرہ (مہتمم مولانا ثناءاللہ) مشکوۃ تک حدیث کی تعلیم ہے

۱۳ جامعہ الاسلامیہ اکوڑہ خٹک مولانا بادشاہ گل اس کے بانی ہیں ان کے صاحبزادے مولانا گوہر علی شاہ آج کل اس کے مہتمم ہیں۔

۱۴۔ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک یہ صوبہ سرحد کا بڑا دینی مدرسہ ہے اس کے شیخ الحدیث شارح ترمذی شریف حضرت مولانا عبدالحق سابق استاد حدیث دارالعلوم دیوبند ہیں آپ پاکستان کی قومی اسمبلی کے ممبر بھی ہیں آپ کے صاحبزادے مولانا سمیع الحق مدرسہ کے ماہانہ آرگن الحق کے مدیر اعلیٰ ہیں۔

۱۵۔ جامعہ اشاعۃ القرآن حضرو مولانا محمد صابر مولانا عبدالسلام اور مولانا محمد امتیاز اس کے ممتاز اساتذہ حدیث ہیں مہتمم مولانا سکندر خاں ہیں۔ یہاں کا دورہ حدیث پورے علاقے میں مشہور ہے۔

۱۶۔ مدرسہ تعلیم القرآن کوہاٹ حضرت مولانا نعمت اللہ شاگرد شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی اس کے شیخ الحدیث ہیں

۱۷۔ جامعہ مدنیہ اٹک قاضی محمد زاہد الحسینی خلیفہ شیخ التفسیر حضرت مولانا احمد علی لاہوری اس کے مہتمم ہیں

۱۸۔ مدرسہ مظہر العلوم سوات مہتمم مولانا فضل احمد کے اہتمام میں یہ اس علاقے کا علمی مرکز ہے

۱۹۔ مدرسہ اسلامیہ رحمانیہ (مہبودی) حضرت مولانا عبدالرحمن کیملپوری سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور کی یاد میں یہ مدرسہ قائم ہے۔

۲۰۔ دارالعلوم نصیریہ (غورغشتی) یہ مدرسہ شیخ الحدیث حضرت مولانا نصیر الدین صاحب خلیفہ حضرت مولانا حسین علی کی یاد میں سالہا سال سے حدیث کی خدمت سرانجام دے رہا ہے

۲۱ مدرسہ عربیہ سراج العلوم جوڑی (ہزارہ) مولانا سید غلام نبی شاہ صاحب اسکے مہتمم اور صدر مدرس ہیں

۲۲۔ مدرسہ معارف القرآن جامع مسجد مانسہرہ شیخ الہند کے شاگرد اور کارکن خلافت مولانا محمد اسحاق کا قائم کردہ ہے ان دنوں مہتمم مولانا عبداللہ خالد سرپرست مجلس ختم نبوت، ہیں

۲۳ مدرسہ قاسم العلوم مانسہرہ (مہتمم مفتی داؤد) ۲۳ جامعہ حسینیہ شنکیاری (مولانا نواب حسین شاہ)

۲۴ دارالعلوم شہیدیہ بالاکوٹ (قاضی خلیل احمد) ۲۵ جامعہ اسمعیل شہید بستی سرش (مولانا محمود الحسن)

۲۶ مدرسہ احسن المدارس سکندر پور تحصیل ہری پور ۲۷ مدرسہ لوہی گھاٹ ضلع اٹک (مولانا عبدالحی)

۲۸ مدرسہ انوار الاسلام کہال ایبٹ آباد (مولانا شفیق الرحمٰن)

۲۹ مدرسہ بستی دولہ ضلع ایبٹ آباد (قاضی محمد صادق) ۳۰ مدرسہ معہد القرا، مانسہرہ (قاضی فضل ربی صاحب)

۳۱ مدرسہ عربیہ نواں شہر ایبٹ آباد (قاضی محمد نواز) ۳۲ مدرسہ حاجی خوناگل مینگورہ ضلع سوات

سرحد میں اور بھی کئی مدارس ہیں جہاں حدیث پڑھائی جاتی ہے

کشمیر میں

۱۔ جامعہ اسلامیہ راولاکوٹ مولانا عبدالعزیز فاضل دیوبند خطیب جامع مسجد اس کے مہتمم ہیں

۲۔ دارالعلوم تعلیم القرآن پلندری ـــ شیخ الہند کے شاگرد مولانا غلام حیدر اس کے بانی تھے شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یوسف فاضل دیوبند ہیں جو منگ (پلندری سے ۵ میل شمال) کے ہیں

۳۔ جامعۃ العلوم الاسلامیہ ایف ۲ میرپور انگلینڈ کے الحاج محمد بوستان اسکے بانی اور مہتمم ہیں۔

۴۔ مدرسہ عربیہ چناری خطیب الاسلام مولانا محمد الیاس اسکے صدر مدرس اور مہتمم ہیں

۵۔ مدرسہ تعلیم القرآن باغ مولانا امین الحق اس کے مہتمم ہیں۔ بانی مولانا محمد عبداللہ تھے۔

۶۔ مدرسہ انوار العلوم دھیرکوٹ مولانا عبدالحی اس کے مہتمم ہیں۔

۷۔ مدرسہ فاروقیہ جامع مسجد عمر کھڑک راولاکوٹ حاجی محمد ابراہیم خاں اس کے بانی اور مولانا محمد سعید مہتمم ہیں۔

جامعہ صدیقیہ کلیال میرپور مولانا عبدالغفور صاحب اس کے مہتمم ہیں خطیب حضرت مولانا عبدالشکور ہیں

پنجاب میں

پنجاب میں تینوں مسالک کے اپنے مدارس ہیں (۱) مسلک اہل سنت والجماعت دیوبند۔ (۲) مسلک جماعت اہل حدیث (غیر مقلدین) اور مسلک بریلوی کچھ مدارس جماعت اسلامی کے ہیں خانقاہی مدارس جیسے تونسہ شریف اور گولڑہ شریف کے مدارس ان کے علاوہ ہیں انکی اپنی انفرادیت ہے

مسلک اہل سنت دیوبند

۱۔ جامعہ قاسم العلوم فقیر والی ضلع بہاولنگر ۔ قائم شدہ ۱۹۲۷ء

جامع شریعت وطریقت مولانا فضل محمد صاحب تلمیذ رشید شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے ۱۵۔ اگست ۱۹۲۷ء میں اسکی بنیاد رکھی آپ حکیم الامت حضرت تھانوی رح سے بیعت تھے اور آپ نے زیادہ تر تعلیم خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون میں پائی نصف صدی تک آپ اسی مدرسہ کے مہتمم رہے مندرجہ ذیل علمار اعلام نے اس درسگاہ کو تدریس کا شرف بخشا ہے۔

۱۔ حضرت مولانا عبدالکریم گمتھلوی خلیفہ ارشد حضرت تھانوی رح والد گرامی مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی ساہیوال ضلع سرگودھا۔

۲۔ حضرت مولانا فاروق احمد برادر زادہ عمدۃ المحدثین حضرت مولانا خلیل احمد محدث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ

۳۔ حضرت مولانا عبدالقدیر محدث کیمبلپوری تلمیذ رئیس المحدثین حضرت مولانا سید انور شاہ صاحب کشمیری رح

۴۔ حضرت مولانا مفتی فقیر اللہ رائپوری تلمیذ رشید حضرت شیخ الہند وہم سبق شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رح

۵۔ حضرت مولانا محمد نعیم دیوبندی صاحب کمالین علی الجلالین۔

۶۔ شیخ الحدیث مولانا عبداللہ رائپوری خلیفہ ارشد حضرت شاہ عبدالقادر رائپوری وحضرت شیخ الحدیث رح

نوٹ ۔ مدرسہ ہذا ۴۸ کنال رقبے پر مشتمل ہے مہتمم صاحبزادہ مولانا محمد قاسم اور شیخ الحدیث مولانا بشیر احمد قادری نعمانی ہیں مدرسہ میں امام ابوحنیفہ اکیڈمی بھی قائم ہے مدرسہ اس لحاظ سے خوش قسمت ہے کہ دارالافتار کا قلم عرصہ چالیس سال سے مولانا عبداللطیف فاضل دیوبند کے ہاتھ میں ہے۔

جامع العلوم بہاولنگر اس علاقے کا دوسرا مرکزی مدرسہ ہے علاقہ چین کے حضرت مولانا نیاز احمد فاضل دیوبند سالہاسال سے یہاں دورہ حدیث پڑھا رہے ہیں۔

۲۔ جامعہ رشیدیہ ساہیوال۔

پہلے رائپور (ضلع جالندھر) میں ۱۹۰۰ میں قائم ہوا پھر منٹگمری میں ۱۹۴۸ء میں اس کی نشأۃ جدیدہ ہوئی حضرت شاہ عبدالرحیم رائپوری نے اس کا سنگ بنیاد رکھا اور حضرت گنگوہی رح کی نسبت سے یہ رشیدیہ سے موسوم ہوا حضرت گنگوہی رح کے خلیفہ حافظ محمد صالح غالباً اس کے پہلے مہتمم اور حضرت شیخ الہند رح کے تلمیذ خاص حضرت مفتی فقیر اللہ صاحب رائپوری اس کے صدر مدرس تھے

حضرت مولانا عبدالعزیز صاحب بھی اس میں پڑھاتے رہے ہیں پاکستان بننے پر مولانا حبیب اللہ شاگرد
خاص حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح نے اسے شروع کیا اور آپ کی نظامت میں مدرسہ بہت جلد
ملک کا مرکزی ادارہ بن گیا شیخ الحدیث مولانا عبداللہ رائپوری رح کی شخصیت کی کشش ہے کہ مرکز تبلیغ
رائے ونڈ کے طلبہ دورہ حدیث کے لیے یہاں آتے ہیں دوسرے مشہور اساتذہ میں حضرت علامہ غلام
رسول کا نام نامی سرفہرست ہے پاکستان کے دیگر سب مدارس تاریخی حیثیت سے اس کے بعد کے
بعد کے ہیں اس پہلو سے اسے ام المدارس العربیہ پاکستان کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

۳ ۔ جامعہ اشرفیہ لاہور ۔

مخدوم العلماء حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحب خلیفہ ارشد حضرت حکیم الامت نے امرتسر
سے لاہور آنے پر اس جامعہ کی بنا رکھی امرتسر میں آپ مدرسہ نعمانیہ کے صدر مدرس تھے لاہور آنے
پر آپ نے نیلا گنبد کی ایک متروکہ عمارت میں جامعہ کا آغاز کیا جامعہ نے بہت جلدی ترقی کی اور
اب یہ پاکستان کی عظیم دینی درسگاہ مسلم پارک میں ایکڑ زمین میں نہایت خوبصورت منظر
اور انتہائی دلکشا فضا اور بلند شان عمارات میں قائم ہے اسے پاکستان کا دیوبند کہنا بے جا نہ ہوگا ۔
دارالعلوم کے مشہور اساتذہ جامع منقول و معقول استاذ المحدثین حضرت مولانا رسول خاں، شیخ
الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی حضرت مولانا مفتی جمیل احمد تھانوی سابق مفتی اعظم
واستاذ الحدیث مظاہر العلوم سہارنپور مولانا سید فیض علی شاہ سابق مدرس دارالعلوم دیوبند، اس میں
سالہا سال درس حدیث دیتے رہے ہیں ان دنوں مولانا محمد مالک کاندھلوی، حضرت مولانا محمد سرور
صاحب خلیفہ ارشد حضرت مفتی محمد حسن صاحب امرتسری محدث جلیل حضرت مولانا محمد موسیٰ بازی
اور شیخ التفسیر والحدیث مولانا عبدالرحمن زینت آرا مسند حدیث ہیں حضرت مفتی صاحب رح کے بڑے
صاحبزادے حضرت مولانا عبیداللہ صاحب اس کے مہتمم ہیں ۔ جامعہ نیلا گنبد شاخ کا اہتمام مولانا
حافظ فضل رحیم تلمیذ رشید حضرت مولانا شمس الحق افغانی رح کے ہاتھ میں ہے طالبات کے مدرسہ فیصل
کے بھی آپ ہی مہتمم ہیں ۔ جامعہ کا ماہانہ آرگن الحسن ہے ۔

۴ ۔ جامعہ خیر المدارس ملتان

محدث پنجاب حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رح نے ۹ مارچ ۱۹۳۱ میں جالندھر میں اس کی

بنیاد رکھی خیر المدارس کو حضرت مولانا انور شاہ کشمیری اور حکیم الامت حضرت تھانوی رح کی تاحیات سرپرستی حاصل رہی تقسیم ملک کے بعد حضرت مولانا جالندھری نے ۸ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ملتان میں اس کی نشأۃ ثانیہ کا سنگ بنیاد رکھا اور جامعہ اپنی تعلیمی خصوصیات کے باعث بہت جلد پاکستان کا دارالعلوم دیوبند بن گیا ملک کی مشہور تنظیم وفاق المدارس العربیہ کی بنیاد یہیں ڈالی گئی اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب تاحیات اس کے صدر رہے اب تک وفاق کا دفتر بھی یہیں چلا آتا ہے۔

اکابر اساتذہ حدیث میں حضرت مولانا عبدالرحمن کیملپوری سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور محدث العصر علامہ محمد شریف کشمیری، شیخ الحدیث حضرت مولانا عبداللہ رائپوری، شیخ الحدیث حضرت مولانا فیض احمد صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا جمال الدین صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا نذیر احمد، حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب ملتانی حضرت مولانا محمد صدیق صاحب حضرت مولانا منظور احمد صاحب کے اسماء گرامی سرفہرست ہیں۔

حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وفات کے بعد ان کے صاحبزادے مولانا محمد شریف جالندھری اس کے مہتمم ہوئے۔ جامعہ کی خدمات سرانجام دینے کے بعد آپ نے کو مکہ مکرمہ میں وصال فرمایا اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے ان کے بعد مجلس شوریٰ نے جامعہ خیر المدارس ملتان کا اہتمام ان کے بیٹے مولانا محمد حنیف جالندھری کے سپرد کیا آپ نے باوجود کمسنی کے جامعہ کی ذمہ داریاں اس طرح ادا کیں کہ چند سالوں میں اسے خدمت و شہرت کے آسمان پر پہنچا دیا مدرسہ کا ماہانہ آرگن الخیر اس دور ترقی کی ایک منہ بولتی تصویر ہے۔ رسالہ کا وقار مولانا محمد ازھر کے عزم اور قلم سے قائم ہے۔ مدرسہ کے کئی ذیلی مدارس بھی ہیں جن میں مدرسۃ البنات سرفہرست ہے۔

۵۔ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

پاکستان کی مرکزی دینی درسگاہ ہے شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی اسکے مہتمم ہیں اس شہر کی تاریخی خصوصیات میں سے ہے کہ یہ شیخ الہند رح کے مشہور شاگرد محدث پنجاب حضرت مولانا عبدالعزیز کا مسکن رہا ہے مولانا قاضی شمس الدین صاحب بھی یہاں حدیث پڑھاتے رہے ہیں ان دنوں شیخ الحدیث محدث جلیل حضرت مولانا سرفراز احمد صاحب ہیں جن کی خدمات تالیف تدریس اور تبلیغ حق عالمی سطح کی ہیں شعبان اور رمضان میں یہاں دورہ تفسیر بھی ہوتا ہے

ہے مولانا سرفراز احمد صاحب حضرت مولانا حسین علی صاحب رح کے طرز پر تفسیر پڑھاتے ہیں۔ دیگر ممتاز اساتذہ میں مولانا عبدالقیوم صاحب مفتی محمد عیسیٰ اور مولانا حبیب اللہ زیادہ معروف ہیں

٦۔ جامعہ قاسم العلوم ملتان۔

یہ مدرسہ ملتان کا قدیمی مدرسہ ہے قیام پاکستان سے کئی سال پہلے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رح نے اس کی بنیاد رکھی دارالعلوم دیوبند کے ممتاز استاذ حدیث مولانا عبدالخالق اس کے پہلے شیخ الحدیث تھے شیخ التفسیر مولانا مفتی محمد شفیع تھے جو ملتان کی بلند پایہ علمی شخصیت تھے پھر حضرت مولانا مفتی محمود اس کے شیخ الحدیث اور مفتی رہے ہیں یہ شیخ الحدیث مولانا عبدالقادر صاحب قاسمی بھی یہاں دورہ حدیث کی کتابیں پڑھاتے رہے ہیں آج کل اس کے شیخ الحدیث حضرت مولانا فیض احمد صاحب (مالک مکتبہ امدادیہ) ہیں۔

۷۔ جامعہ امدادیہ فیصل آباد۔

محدث پنجاب حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رح کے شاگرد خاص اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی صاحب (کراچی) کے خلیفہ مجاز شیخ الحدیث مولانا نذیر احمد صاحب اس کے بانی اور مہتمم ہیں یہاں کا دورہ حدیث پاکستان میں شہرت رکھتا ہے یہ جامعہ تعلیم کے ساتھ ساتھ طلبہ کی تربیت میں خاص طور پر ممتاز ہے فیصل آباد بابر چوک کے قریب حبیب شہید کالونی میں یہ جامعہ وسیع عمارات کی دلکشا فضا میں قائم ہے۔

۸۔ سراج العلوم سرگودھا۔

حجۃ الاسلام حضرت مولانا انور شاہ کشمیری کے مایہ ناز شاگرد مولانا مفتی محمد شفیع اس کے بانی تھے جامع معقول ومنقول شیخ الاسلام حضرت مولانا شمس الحق افغانی حضرت مولانا خدابخش بھیروی (سابق استاذ حدیث مدرسہ امینیہ دہلی) ، محدث جلیل مولانا محمد نور صاحب شیخ التفسیر حضرت مولانا صالح محمد ، سابق خطیب شاہی مسجد چنیوٹ اور کئی دیگر نامور اساتذہ حدیث یہاں درس حدیث دیتے رہے ہیں آج کل شیخ الحدیث جامع معقول ومنقول حضرت مولانا احمد سعید ہیں مولانا قاری عبدالسمیع بھی یہیں استاذ حدیث ہیں یہ مدرسہ خانقاہ سراجیہ کندیاں کی سرپرستی میں چل رہا ہے حضرت مفتی صاحب مرحوم بھی مرکز رشد وہدایت کندیاں کے خلیفہ مجاز تھے۔

۹۔ مخزن العلوم خانپور

اس مدرسہ کے تعارف کے لیے حافظ الحدیث حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی کا نام نامی اور اسم گرامی کافی ہے آپ نصف صدی سے یہاں قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں بلند کر رہے ہیں یہاں کا دورہ تفسیر ملکی شہرت کا حامل رہا ہے پورے ملک سے طلبا اور علماء یہاں کھچے چلے آتے تھے حضرت نے جب دورہ پڑھانا چھوڑ دیا تو حضرت مولانا شفیق الرحمن درخواستی اور مفتی حبیب الرحمن صاحب درخواستی اور حضرت مولانا محمد منظور نعمانی جیسے ممتاز اساتذہ یہاں دورہ پڑھاتے ہیں

۱۰۔ دارالعلوم کبیر والہ ضلع خانیوال۔

عمدۃ المحدثین حضرت مولانا عبدالخالق اس کے بانی مہتمم اور شیخ الحدیث تھے ملتان سے آکر آپ نے اس عظیم درسگاہ کی بنیاد رکھی آج کل شیخ الحدیث حضرت مولانا علی محمد صاحب ہیں دوسرے ممتاز اساتذہ حدیث جامع معقول و منقول حضرت مولانا منظور الحق صاحب شیخ تفسیر مولانا ظہور احمد برادر زادہ حضرۃ شیخ الحدیث اور مولانا عبدالمجید صاحب (حال شیخ الحدیث کروڑ پکا) معروف شخصیتیں ہیں

۱۱۔ جامعہ حنفیہ جہلم

مولانا عبداللطیف صاحب تلمیذ حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ و خلیفہ مجاز حضرت شیخ التفسیر لاہوریؒ نے نصف صدی پہلے یہ مدرسہ جامع مسجد گنبد والی شہر جہلم میں قائم کیا تھا اب یہ مدرسہ اپنی مستقل شاندار عمارات کے ساتھ مدنی محلہ میں قائم ہے

۱۲۔ جامعہ اسلامیہ صدر راولپنڈی

۱۹۶۰ء میں قائم ہوا مہتمم مولانا قاری سعید الرحمن محدث العصر حضرت مولانا عبدالرحمن صاحب کیمبلپوری سابق صدر مدرس مظاہر العلوم سہارنپور) کے صاحبزادے ہیں مولانا سراج الحق اس کے شیخ الحدیث ہیں۔

۱۳۔ انوار العلوم محلہ امام باڑہ راولپنڈی

مولانا محمد اسحاق مانسہروی کا قائم کردہ ہے مولانا سید چراغ الدین شاہ اس کے مہتمم ہیں۔ شاہ صاحب نے مستقل نئی عمارات میں جامعہ سراجیہ کے نام سے دورہ حدیث شروع کرا رکھا ہے

۱۴۔ دارالعلوم تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی — مولانا غلام اللہ خاں اس کے مہتمم ہیں

محدث العصر حضرت مولانا عبدالقدیر تلمیذ خاص رئیس المحدثین حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ شیخ الحدیث ہیں

۱۵ ۔ جامعہ عربیہ فریدیہ اسلام آباد مرکزی جامع مسجد اسلام آباد محلہ آب پارہ کے خطیب مولانا محمد عبداللہ اس کے مہتمم ہیں ۱۳۰۵ھ میں یہ مدرسہ قائم ہوا مشکوٰۃ تک یہاں درس حدیث ہو رہا ہے

۱۶ ۔ جامعہ عربیہ چنیوٹ ۔ مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ اس کے مہتمم ہیں مشکوٰۃ تک یہاں درس حدیث ہو رہا ہے

۱۷ ۔ مدرسہ العلوم الشرعیہ جھنگ حضرت مولانا حسین احمد مدنی اور حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی کے نامور شاگرد مولانا سید صادق حسین شاہ ، یہاں حدیث پڑھاتے ہیں ۔ یہ جھنگ کا مرکزی مدرسہ ہے ۔

۱۸ ۔ جامعہ فاروقیہ شیخوپورہ مولانا محمد عالم بالاکوٹی فاضل جامعہ اشرفیہ لاہور اس کے مہتمم ہیں

۱۹ ۔ مدرسہ اشرفیہ چوک سرور شہید ضلع مظفر گڑھ ۔ مولانا عبدالمجید شیخ الحدیث ہیں ۔

۲۰ ۔ مدرسہ العلوم الشرعیہ ساہیوال ۔ مولانا مقبول احمد خطیب جامع مسجد بلاک ۱۰ اس کے مہتمم ہیں

۲۱ ۔ جامعہ مدنیہ ڈسکہ ۔ ضلع سیالکوٹ کی مرکزی درسگاہ ہے مولانا محمد فیروز خاں فاضل دیوبند اس کے مہتمم ہیں

جماعت اہلحدیث

۱ ۔ جامعہ سلفیہ فیصل آباد ۔ مولانا محمد عبدہٗ مترجم المفردات علامہ راغب اس کے شیخ الحدیث ہیں

۲ ۔ دار العلوم تقویۃ الاسلام لاہور غزنوی حضرات کی تعلیمی یادگار ہے مولانا محمد اسحاق شیخ الحدیث ہیں

۳ ۔ مدرسہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن ضلع فیصل آباد ۔ صوفی محمد عبداللہ اس کے بانی ہیں حافظ بنیامین اس کے شیخ ہیں

۴ جامعہ محمدیہ اوکاڑہ لکھوی حضرات کی مرکزی درسگاہ ہے مولانا عبدالحلیم علوی اسکے مہتمم ہیں

۵ ۔ جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ مولانا حافظ محمد گوندلوی کی علمی یادگار ہے مولانا ابوالبرکات احمد مدراسی شیخ الحدیث ہیں

۶ ۔ جامعہ ابی بکر کراچی فرقہ امامیہ کے مولانا عبدالستار دہلوی کا مرکزی ادارہ ہے مولانا محمد صادق شیخ الحدیث ہیں ۔

مسلک بریلوی

۱ ۔ دار العلوم حزب الاحناف لاہور مولانا دیدار علی شاہ مولانا ابوالحسنات اور مولانا ابوالبرکات کی مرکزی یادرہ گیا ہے

۲ ۔ جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور ۔ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کی یاد میں بنا ہے مفتی محمد حسین نعیمی شیخ الحدیث ہیں ۔

۳ ۔ دار العلوم امجدیہ کراچی ۔ مولانا امجد علی خلیفہ خاص مولانا احمد رضا خاں کے نام پر بنا ہے ۔

۴ ۔ جامعہ نظامیہ اندرون لوہاری دروازہ لاہور ۔ مفتی عبدالقیوم ہزاروی اسکے مہتمم ہیں ۔

۵ ۔ جامعہ رضویہ مظہر الاسلام فیصل آباد ، مولانا سردار احمد گورداسپوری کا قائم کردہ ہے ۔

۶ ۔ انوار العلوم ملتان ۔ مولانا احمد سعید کاظمی امروہی اس کے مہتمم ہیں

یہ بطور نمونہ چند مدارس کے نام ہیں۔ پاکستان ہندوستان بنگلہ دیش اور برما میں سب سے زیادہ عربی مدارس مسلک اہل سنت دیوبند کے ہیں علماء وطلبہ کی زیادہ تعداد انہی میں ہے سواد، علم کے معنی میں ہو تو سواد اعظم یہی لوگ ہیں گو کم سواد اسے نہیں سمجھتے خانقاہی مدارس اس کے علاوہ ہیں جیسے تونسہ اور گولڑہ کے مدارس۔ یہ اپنے مسلک اور مزاج میں دیوبندی بریلوی نزاع سے بالا ہیں پھر ہر مسلک کے اور بھی کئی مدارس ہیں۔ جن کے نام ہم یہاں نہیں دے سکے اہل مدارس دار المعارف کو اپنے کوائف سے مطلع فرمائیں تو اگلے ایڈیشن میں اس کمی کو پورا کیا جاسکتا ہے یہ چند نام صرف برائے تعارف تھے جہاں حدیث کی کسی درجے میں خدمت ہو رہی ہے ـــــ وللہ الحمد اولاً وآخراً وظاھراً وباطناً

تم الجلد الثانی ویتلوہ الجلد الثالث ان شاء اللہ واوّل بابہ اختلاف الحدیث

الاعتذار والاعتراف

آثار الحدیث کے یہ تیس مضامین حضرت علامہ خالد محمود صاحب کے مسودات میں پراگندہ پڑے تھے کہ راقم الحروف نے انہیں یکجا کرنے اور مرتب کرنے کا بیڑہ اٹھایا جو حصے نامکمل تھے انہیں آپ سے مزید لکھوایا اور انہیں کتابی شکل میں لانے کی سعی کی۔ الحمد للہ کہ یہ دوسری جلد اب آپ کے ہاتھ میں ہے۔

ہوسکتا ہے کہ کسی مقام پر کچھ حوالے درج کرنے سے رہ گئے ہوں یا کچھ مؤلفین کے سِنین ساتھ نہ دیئے جاسکے قارئین کرام سے معذرت خواہ ہوں کہ جلدی طباعت کے باعث مجھ سے تالیف و ترتیب کا حق ادا نہیں ہوسکا اگر کسی جگہ کوئی کوتاہی پائیں تو اسے مرتب کی جلدی یا قصور مطالعہ پر محمول کریں علامہ صاحب اپنی جگہ ہر مضمون کی صحیح نشاندہی کرتے ہیں۔ محمد اقبال عفا اللہ عنہ